ولا تلبسوا الحق (القرآن)

حدیث

اور اہلِ تقلید

بجواب

حدیث اور اہل حدیث

جلد اوّل

مؤلفہ

ابو صہیب محمد داؤد ارشد

مکتبہ اہلحدیث

وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ

حدیث اور اہل تقلید

بجواب

حدیث اور اہل حدیث

جلد اوّل

مؤلفہ

ابو صہیب محمد داؤد ارشد

ناشر

مکتبہ اہل حدیث

امین پور بازار فیصل آباد

Ph:041-2624007

واحد تقسیم کار

صہیب اکیڈمی

کوٹلی ورکاں نزد نارنگ منڈی ضلع شیخوپورہ

نام کتاب	----------	حدیث اور اہل تقلید بجواب حدیث اور اہل حدیث
تالیف	----------	ابوصہیب محمد داؤد ارشد
تعداد	----------	1100
ناشر	----------	مکتبۃ اہل حدیث
قیمت	----------	/- روپے

اسٹاکسٹ

طیبہ قرآن محل، مکہ سنٹر گلی نمبر 5 منشی محلہ امین پور بازار فیصل آباد
Ph.: 041-2629292,2624007

مکتبہ محمدیہ قذافی سٹریٹ الفضل مارکیٹ اردو بازار لاہور
Mob.: 0300-4826023

ملنے کے پتے

اردو بازار لاہور
مکتبہ اسلامیہ، غزنی سٹریٹ 7244973 ۞ دارالکتب السلفیہ، شیش محل روڈ 7237184
اسلامی اکیڈمی الفضل مارکیٹ فون نمبر: 7357587 ۞ مکتبہ قدوسیہ رحمن مارکیٹ۔ غزنی سٹریٹ۔
نعمانی کتب خانہ حق سٹریٹ فون: 7321865 ۞ محمدی پبلشنگ ہاؤس، ایوان علم پلازہ 7223046
دارالفرقان، الفضل مارکیٹ، اردو بازار لاہور فون 7231602 ۞ کتاب سرائے الحمد مارکیٹ، غزنی سٹریٹ،

فیصل آباد
مکتبہ اسلامیہ۔ بیرون امین پور بازار بالمقابل شیل پٹرول پمپ ۞ رحمانیہ دارالکتب، امین پور بازار
مکتبہ اہل حدیث، بالمقابل مرکز جامع مسجد اہل حدیث امین پور بازار ۞ مکتبہ قدوسیہ، امین پور بازار

گوجرانوالہ
والی کتاب گھر، اردو بازار 055-4441613 ۞ مکتبہ نعمانیہ، اردو بازار

ملتان
فاروقی کتب خانہ بیرون بوہر گیٹ 061-4541809

اوکاڑہ
مکتبہ تفہیم السنہ شیر ربانی ٹاؤن۔ غازی روڈ 044-2528621

چیچہ وطنی
اسلامی کتب خانہ، ڈاکخانہ بازار نزد پانی والی ٹینکی چیچہ وطنی ضلع ساہیوال 0301-4085081

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست حدیث اور اہل تقلید جلد اول

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تقریظ

ابوانس محمد یحییٰ گوندلوی

شارح ترمذی، ابن ماجہ، شمائل ترمذی

اس میں کوئی شک نہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب فوت ہوئے تو دین مکمل ہو چکا تھا اور آپ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دین قویم اور منہج سدید صراط مستقیم پر چھوڑ کر گئے تھے جس کی رات بھی دن کی طرح روشن تھی، لیلھا کنھارھا جس میں کوئی زیغ اور ٹیڑھا پن نہیں تھا، پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی اسی منہج کو لازم پکڑے رکھا اور اسے چھوڑا نہیں۔

اسلام ایک کامل دین ہے جو زندگی کے تمام شعبوں پر محیط ہے لیکن یہ ممکن نہیں کہ امت میں سے ہر کوئی شخص ان تمام نصوص کا احاطہ رکھتا ہو جو اسلام کی وسیع تر تعلیم میں پائے جاتے ہیں خصوصاً جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کسی ایک جگہ پر اجتماعی زندگی نہیں گزارتے تھے وہ رسول اللہ ﷺ کی حیات مبارکہ میں بھی مختلف بلاد علاقوں میں پھیلے ہوئے تھے اور بعد از وفات تو اس پھیلاؤ میں مزید وسعت پیدا ہوتی چلی گئی جیسے جیسے فتوحات اسلامیہ کا دائرہ وسیع ہوگیا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی اسی طرح ان مفتوحہ علاقوں میں آباد ہوگئے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو شرف صحابیت کی بنا پر انتہائی قدر وعظمت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا اور لوگوں میں جو دینی مسائل پیدا ہوتے ان کے حل کے لے ان کی طرف ہی رجوع کیا جاتا، بسا اوقات کوئی صحابی اپنے علم کے مطابق ایک فتویٰ دیتا تو دوسرا صحابی اس کے برعکس فتویٰ دے دیتا، جس سے ایک نوع کا اختلاف پیدا ہوجاتا لیکن یہ اختلاف محض عارضی ہوتا جب اس مسئلہ کے بارہ میں رسول اللہ ﷺ کی کوئی حدیث مل جاتی تو اختلاف ختم ہوجاتا جس کی کتب حدیث میں درجنوں مثالیں موجود ہیں، ان میں سے چند ایک کا ہم ذکر کرتے ہیں تاکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اختلاف کی نوعیت اور کیفیت واضح ہوجائے۔

ہزیل بن شرجیل فرماتے ہیں: ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ میت کے ترکہ میں اس کی ایک بیٹی ایک پوتی اور ایک بہن ہے ترکہ کی تقسیم کیسے ہوگی؟ ابو موسیٰ نے فرمایا کل ترکہ کا نصف بیٹی کو اور باقی نصف بہن کو ملے گا پوتی محروم رہے گی اور سائل سے فرمایا تم ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس جاؤ وہ بھی میری

تائید کرے گا (وہ سائل ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس آیا) اور ان سے دریافت کیا اور جو ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا تھا وہ بھی بتا دیا۔ تو ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر میں ابو موسیٰ کی تائید کروں تو گمراہ ہو جاؤں گا، میں تو وہی فیصلہ کروں گا جو رسول اللہ ﷺ نے کیا تھا، بیٹی کو نصف ملے گا۔ اور پوتی کو "سدس" (چھٹا حصہ) ملے گا جو دو ثلث کا تکملہ ہوگا۔ اور جو باقی بچے گا وہ بہن کو ملے گا' سائل کہتا ہے ہم ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور جو ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے جواب دیا تھا وہ انہیں بتایا تو وہ فرمانے لگے **(لاتسالونی مادام هذا الحبر فیکم)** (بخاری مع فتح الباری ص ۱۷ ج ۱۲)۔

تم مجھ سے سوال نہ کیا کرو جب تک یہ بڑا عالم (ابن مسعود رضی اللہ عنہ) تم میں موجود ہے۔

ایک بار امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص ہے جس نے نبی اکرم ﷺ سے جنین کے بارہ میں کچھ سنا ہو؟ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے کہا رسول اللہ ﷺ نے ایک غلام یا لونڈی آزاد کرنے کا فیصلہ فرمایا، جناب عمر رضی اللہ عنہ نے دوبارہ پھر پوچھا تو جس شخص کے بارہ میں فیصلہ ہوا تھا وہ خود کھڑا ہو کر کہنے لگا کہ ہاں نبی کرام ﷺ نے ایک غلام یا لونڈی کے آزاد کرنے کا فیصلہ فرمایا تھا۔ امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ فرمانے لگے **(لولا ما بلغتی من قضاء النبی ﷺ لجعلته دية بين ديتين)** اگر مجھے اس بارہ میں نبی اکرم ﷺ کا فیصلہ نہ پہنچتا تو میں اس کی دیت دو دیتوں کے درمیان کرتا۔ (دارمی ص ۱۲۴ ج ۱)

ابن عباس رضی اللہ عنہ بسا اوقات ایک رائے رکھتے تو پھر اس رائے کو ترک کر دیتے (دارمی ص ۱۲۲ ج ۱)

ان آثار سے واضح ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے مؤقف کے خلاف حدیث مل جانے پر اس پر عمل کرتے اور اپنے عمل اور فتوے کو ترک کر دیتے، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اپنے اختلاف کو عارضی سمجھتے تھے اور اسے مستقل حیثیت نہ دیتے تھے۔

اپنے فتویٰ کے بارہ میں مؤقف:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فتوی دینے کے بارہ میں بڑے محتاط تھے رائے اور قیاس سے فتویٰ دینے سے اجتناب کرتے اگر بوقت حاجت کوئی فتویٰ رائے سے دے بھی دیتے تو فرماتے یہ ہماری رائے ہے جو دوسروں پر لازم نہیں ہے۔ خلیفہ راشد ثالث عثمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مجھ سے امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا **(انی قد رایت فی الجد رایاً فان رایتم ان تتبعوه فاتبعوه)** (دارمی ص ۱۲۲ ج ۱)۔ میں دادا کی وراثت کے بارہ میں ایک رائے رکھتا ہوں اگر تم چاہو تو اس کی پیروی کرلو۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ مفوضہ (وہ عورت جس کا نکاح کے وقت حق مہر مقرر نہ کیا جائے)۔ کے بارہ میں فرماتے تھے۔ **اقول فیها برائی فان یکن صوابا فمن الله وان یکن خطاء فمنی ومن الشیطان**

واللہ ورسولہ بری منہ) (اعلام الموقعین ص ۴۶ ج ۱)۔
میں اس بارہ میں ایک رائے رکھتا ہوں اگر وہ رائے درست ہے تو یہ اللہ کی طرف سے ہے اور اگر وہ غلط ہے تو یہ میری اور شیطان کی طرف سے ہے اللہ اور رسول اس سے بری ہیں۔

امام شعبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں جناب زید بن ثابت رضی اللہ عنہ ایک قوم کے پاس آئے تو انہوں نے جناب زید رضی اللہ عنہ سے چند چیزیں دریافت کیں جسے انہوں نے لکھ لیا پھر وہ لوگ آپس میں کہنے لگے ہمیں زید رضی اللہ عنہ کو خبر دینی چاہیئے کہ جو آپ نے جوابات دیئے ہیں ہم نے انہیں لکھ لیا ہے چنانچہ انہوں نے ان کو بتادیا تو سیدنا زید نے عذر پیش کرتے ہوئے فرمایا ہوسکتا ہے کہ جو میں نے تم سے بیان کیا ہے وہ خطا ہو میں نے تمہاری خاطر اپنی رائے کے ساتھ اجتہاد کیا ہے۔ (اعلام الموقعین ص ۴۷ ج ۱)

یہ آثار اور اس معنی میں دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے منقول آثار سے واضح ہوتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کسی مسئلہ میں جس میں انہوں نے اجتہاد کیا تھا اسے حتمی نہیں سمجھتے تھے اور نہ سائل پر اپنی رائے کو مسلط کرتے تھے۔ کہ میری اس رائے پر تم ضرور عمل کرو۔

گروہی اختلاف:

دور صحابہ اور تابعین میں جن مسائل میں اختلاف ہوا وہ محض احکام کے مسائل میں تھا۔ عقائد میں نہیں تھا ہاں البتہ بصرہ کے چند لوگوں نے تقدیر کے بارہ میں کتاب وسنت سے الگ ایک اپنی نئی رائے پیدا کی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان کو اہل بدعت کہا اور ان سے علیک سلیک تک ختم کردی نافع فرماتے ہیں ایک شخص ابن عمر رضی اللہ عنہ سے کہنے لگا فلاں شخص نے آپ کو سلام کہا ہے تو ابن عمر نے فرمایا ”مجھے پتہ چلا ہے کہ وہ بدعتی ہوگیا ہے تو میری طرف سے اسے سلام نہ کہنا“ (ابو داؤد ترمذی)

صحابہ اور تابعین کے دور میں احکام میں اختلاف کو قطعا گروہی حیثیت حاصل نہ تھی بلکہ اس کی نوعیت عارضی تھی جو دلیل ملنے پر ختم ہوجاتی ہے، تا آنکہ امت مسلمہ پر تقلید نے اپنے پنجے گاڑ دیے پس پھر کیا تھا ”کل حزب بما لدیہ فرحون“ اختلاف کا ایک طوفان اٹھا جو آناً فاناً امت مسلمہ کو بہا کر لے گیا اس طوفان سے صرف ایک ہی جماعت جسے طائفہ منصورہ (اہل حدیث) کے نام سے موسوم کیا گیا ہے، محفوظ رہی باقی جو بھی تھے وہ تقلید کی لہر میں بہہ گئے، اور انہوں نے اپنے الگ الگ گروہ قائم کر لئے۔ عقائد میں تو پہلے ہی کئی قسم کی خرابیاں پیدا کی جاچکی تھیں۔ اب وہی خرابیاں بلکہ ان سے کئی گناہ زیادہ احکام میں بھی پیدا کی گئیں۔ اہل تشیع تو ایک طرف رہے جو خود کو اہل سنت باور کراتے تھے تو ان کے نظریات اصولاً اہل سنت سے مختلف صورت اختیار کر چکے تھے۔ وہ بھی کئی گروہوں میں تقسیم ہوئے۔

تقلیدی مذہب مستقل مذہب:

اور ہر ایک تقلیدی گروہ نے کتاب وسنت کو بالا طاق رکھتے ہوئے اپنے امام اور پیشوا کے قول کو حتمی اور حق سمجھا اور مخالف کے قول کو خواہ وہ قول کتاب وسنت کی دلیل سے مرصع تھا اس کو باطل قرار دیا اور اس مخالف قول کی تائید میں آنے والے نصوص قطعیہ کو ہر ممکن رد کرنے کی جسارت اور جرأت کی گئی۔

احناف کی روش:

اس معاملہ میں علماء احناف نے جو روش اختیار کی وہ انتہائی با کانہ ہے احناف کے وہ مسائل جو اہل حدیث کے خلاف ہیں ان مسائل میں احناف کے پاس کتاب اللہ اور سنت صحیحہ سے دلیل نہیں ہے اور بحمد اللہ ان تمام اختلافی مسائل میں اہل حدیث کا مؤقف کتاب اللہ اور سنت صحیحہ کے عین موافق ہے لہٰذا انہوں نے ان نصوص کو رد کرنے کے لئے بہت سے اصول وضع کئے جن کے ذریعے انہوں نے بزعم خویش ان نصوص کو رد کر کے اقوال حنفیہ کا دفاع کیا اور خود کو یا پھر اپنے پیروکار کو مطمئن کرلیا کہ ہم نے اصولوں کی بنا پر کتاب وسنت کے نصوص کو رد کر کے ایک بڑا علمی کارنامہ سرانجام دیا ہے جس کی تفصیل ہم نے ''مقلدین آئمہ کی عدالت میں،، باحوالہ دی ہے۔

چونکہ مقصد کتاب وسنت کی ترویج نہ تھا بلکہ اقوال حنفیہ کی تائید اور ترویج تھا لہٰذا ایسا انداز اپنایا گیا جس سے امام صاحب کو شارع کی حیثیت دی گئی اور کتاب وسنت کو ان کے اقوال کے تابع مہمل بنایا گیا، اس حقیقت کو عیاں کرنے کے لئے ہم نے ان کے چند اقوال ذکر کئے ہیں۔ جن سے ہمارے مؤقف کی تصدیق آفتاب نصف النہار کی طرح نظر آئے گی۔

علامہ کرخی جو متقدمین و اکابرین احناف میں سے تھے۔ انہوں نے دوٹوک الفاظ میں یہ احناف کا ایک اصول بیان کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر آیت جو ہمارے اصحاب (آئمہ احناف) کے خلاف ہو تو اس کو سمجھا جائے کہ یہ آیت منسوخ ہے۔ یا اسے ترجیح پر محمول کیا جائے گا بہتر یہ ہے کہ تطبیق کی صورت پیدا کر کے اس کی کوئی تاویل کردی جائے۔

اور حدیث کے بارہ میں اصول بیان کیا کہ ہر وہ حدیث جو ہمارے اصحاب کے قول کے خلاف ہو اس حدیث کو منسوخ سمجھا جائے یا کہ یہ حدیث کسی اپنی ہم مثل حدیث کے معارض اور مخالف ہے۔ تو پھر کسی دوسری دلیل کی طرف رجوع کیا جائے گا۔ جس سے ہمارے اصحاب نے دلیل پکڑی ہے اگر نسخ کی دلیل مل گئی تو بہتر ہے ورنہ کسی دوسری دلیل کو اپنایا جائے گا۔ (اصول کرخی ص۱۴ ملخصا)

اس اصول کی ضرورت تب ہی پیش آتی ہے جب اقوال کو درجہ اولی سمجھا جائے اور کتاب وسنت

ثانوی درجہ پر ورنہ تصور ہی محال ہے کہ امام کا جب قول کتاب اللہ اور سنت صحیحہ کے خلاف ہو تو کتاب و سنت کو رد کرنے کی وجوہ اختیار کی جائیں اور قول امام کو مقدم رکھا جائے۔

قارئین کرام ! یہ محض اس لئے ہے کہ مقلدین کے ہاں ہرصورت ان کے امام کا قول مقدم ہے یہ کتاب وسنت پر عمل نہ کرنے سے تو خود کو معذور تصور کرتے ہیں لیکن اپنے امام کے قول کے ترک کرنے میں ان کے پاس کوئی عذر نہیں اس لئے تو فرماتے ہیں۔

فلعنة ربنا اعداد رمل　　　علی من رد قول ابی حنیفه

(درمختار ص۵)

اس شخص پر اللہ تعالیٰ کی ریت کے ذرات کے برابر لعنت ہو جس نے ابی حنیفہ کے قول کو رد کیا۔

اس لئے کہ ان کے نزدیک : (**وجب علی مقلد ابی حنیفه ان یعمل به و لا یجوز له العمل لقول غیره**) معیار الحق ص۲۰۱) ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مقلد پر واجب ہے کہ وہ ابوحنیفہ کے قول پر عمل کرے اور اس کے لئے غیر کے قول پر عمل کرنا واجب نہیں۔ اس کی توضیح ہمارے اس دور کے ایک بڑے بزرگ طائفہ دیوبندیہ حنفیہ کے قلم سے ملاحظہ فرمائیں۔

لکھتے ہیں! عامی ایسا نہیں ہوتا جو دلائل کو پرکھ سکے۔ ایسے شخص کو اگر اتفاقاً کوئی حدیث ایسی نظر آجائے جو بظاہر اس کے امام کے مسلک کے خلاف معلوم ہوتی ہو تب بھی اس کا فریضہ یہ ہے کہ وہ اپنے امام اور مجتہد کے مسلک پر عمل کرے اور حدیث کے بارہ میں یہ اعتقاد رکھے کہ اسکا صحیح مطلب میں نہیں سمجھ سکا یا یہ کہ امام مجتہد کے پاس اس کے معارض کوئی قوی دلیل ہوگی۔

چند سطور کے بعد لکھتے ہیں:

اگر ایسے مقلد کو یہ اختیار دے دیا جائے کہ وہ کوئی حدیث اپنے امام کے مسلک کے خلاف پاکر امام کے مسلک کو چھوڑ سکتا ہے تو اس کا نتیجہ شدید افراتفری اور سنگین گمراہی کے سوا کچھ نہیں ہوگا۔ (تقلید کی شرعی حیثیت ص۸۷، مقلدین آئمہ کی عدالت میں ص۲۳۸)۔

برصغیر میں احناف کی دوسری بڑی شاخ کے قائد اعلیٰ جناب احمد رضا صاحب بریلوی کا بھی نقطہ نظر ملاحظہ فرمائیں۔

من قال ان قیاس ابی حنیفه لیس بحجة یکفر (البریلویہ بحوالہ الفتاویٰ الرضویہ ص۷۰)

جو شخص کہتا ہے کہ ابوحنیفہ کا قیاس حق نہیں اس کی تکفیر کی جائے گی!۔

اس لیے کہ ان کے ہاں مجتہد امام کا قول رسول اللہ کا ہی قول ہے (تعزیرات ترمذی از مولانا محمود حسن دیوبندی)۔

مقلدین کے پاس اس اندازِ فکر کو آئمہ سلف نے ہمیشہ غلط قرار دیا ہے اور اسے قرآن و حدیث کے خلاف ایک سنگین سازش قرار دیا ہے، اس لئے کہ ان کے اسی اندازِ فکر کی وجہ سے لاتعداد صحیح احادیث کا انکار کیا گیا یا ان کی ایسی تاویلیں کی گئیں جن کی شریعت متحمل نہیں ہے۔

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ جیسے عدیم النظیر شخص نے ان کے اسی طرز فکر پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا ہے

ونجد كثير من الناس ممن يخالف الحديث الصحيح من اصحاب ابى حنيفه او غيرهم يقول هذا منسوخ وقد اتخذوا هذا محنة، كل حديث لا يوافق مذهبهم يقولون هو منسوخ من غيران يعلموا انه منسوخ ولا يثبتوا ما الذى نسخه (مجموع الفتاویٰ ص۱۵۰ ج۲۱)

ہم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے اصحاب اور دیگر لوگوں کو پاتے ہیں جو صحیح حدیث کی مخالفت کرتا ہے تو وہ کہہ دیتا ہے یہ حدیث منسوخ ہے انہوں نے یہ اصول بنا لیا ہے کہ وہ ہر اس حدیث کے بارہ میں کہہ دیتے ہیں جو ان کے مذہب کے خلاف آتی ہے یہ حدیث منسوخ ہے حالانکہ انہیں اس کے منسوخ ہونے کا علم نہیں ہوتا اور نہ ہی وہ ناسخ دلیل کو ثابت کرسکتے ہیں۔

امام عزالدین بن عبدالسلام فرماتے ہیں:

ومن العجب العجيب ان الفقهاء المقلدين يقف احدهم على ضعف ماخذ امامه بحيث لا يجد لضعفه مدفعا وهو مع ذلك يقلده فيه ۔ ويترك من شهد الكتاب والسنه والا قيسة الصحيحة لمذهبهم جمودا على تقليد امامه بل يتخيل لرفع ظاهر الكتاب والسنه ويتاولها بالتاويلات البعيدة الباطلة نضالا عن مقلده (حجۃ اللہ ص۱۵۵ ج۱)۔

عجیب ترین بات یہ ہے کہ فقہاء مقلد اپنے امام کے کمزور مؤقف کو جان لینے کے باوجود بھی اس کمزور مؤقف کی تقلید کرتا ہے اور اسے چھوڑتا نہیں ہے حالانکہ وہ اس کمزور مؤقف کے دفاع میں کوئی دلیل اور چارہ بھی نہیں پاتا، کتاب و سنت اور قیاس صحیح کو تقلید کی وجہ سے چھوڑ دیتا ہے۔ اور کتاب و سنت کے ظاہر کے رد کرنے کے لئے ناروا اور دور کی تاویلیں کرتا ہے تاکہ وہ اپنے امام کا دفاع کرسکے۔

ان کی ایسی حالت کو علامہ رازی نے تفسیر کبیر ص۳۶ ج۱۶ میں ذکر کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے، کہ فرماتے ہیں (میں نے مقلدین کی ایک جماعت کا مشاہدہ کیا اور ان کے بعض مسائل جو کتاب و سنت کے منافی تھے ان کے رد میں آیات تلاوت کیں لیکن انہوں نے نہ ان آیات کو قبول کیا اور نہ ان کی طرف توجہ دی ان کے پاس ایک ہی جواب تھا جب ہمارے سلف نے ان آیات پر عمل نہیں کیا تو ہم ظاہری مطالب کو کیسے قبول کرسکتے ہیں۔ اگر کوئی شخص مقلدین کے بارہ میں صحیح تحقیق کرے تو وہ ضرور

پائے گا کہ یہ مرض اکثر اہل دنیا کے رگ وریشہ میں سرایت کر چکا ہے۔ (مقلدین آئمہ کی عدالت میں ص۵۷)۔

علامہ محمد حیات سندھی حنفی نے بھی مقلدین کا جو تجزیہ کیا ہے ہم ان کے الفاظ میں بیان کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں۔

واذا بلغهم حديث يخالف قول من يقلدونه اجتهدوا في تاويله القريب والبعيد وسعوا في محامله النائية والدانية وربما حرفوا الكلم عن مواضعه (ايقاظ هم اولىٰ ابصار ص۷۱)

جب مقلدین کو ایسی حدیث ملتی ہے جو اس کے امام کے قول کے خلاف ہوتی ہے تو اس کی قریب یا بعید تاویل کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور جس سے بسا اوقات تحریف کا بھی ارتکاب کر بیٹھتے ہیں، بلاشبہ تقلید نے کتاب وسنت کے رد کا ایک دروازہ کھولا ہے خصوصا وہ احادیث جو حنفی اقوال کے خلاف آتی ہیں جن کی صحیح تعداد کا علم اللہ تعالیٰ کو ہی ہے کہ وہ کتنی ہیں کو پس پشت ڈال کر اقوال رجال کو واجب عمل قرار دیا گیا جس سے یہ باور ہوتا ہے کہ اسلام میں سنت کی حیثیت اقوال و رجال کے مقابلہ میں ثانوی ہے وہ حدیث تو قابل قبول ہے جو ان کے اقوال کے موافق ہے اور جو حدیث ان کے آئمہ کے اقوال کے خلاف ہے وہ قابل قبول نہیں۔

علامہ محمد حیات سندھی رقمطراز ہیں

(اذا مر عليهم حديث يوافق قول من قلدوه انبسطوا واذا مر عليهم حديث قال الله (فلا وربك لايؤمنون حتى يحكموك فيما شجر بينهم ثم لا يجدوا في انفسهم حرجا مما قضيت ويسلموا تسليما (ایقاظ ہمم اولی الابصار ص۷۱)۔

جب ان کو کوئی حدیث ملتی ہے جو ان کے اماموں کے قول موافق ہوتی ہے تو بڑے خوش ہوتے ہیں اور جب کوئی مخالف حدیث آجاتی ہے تو بسا اوقات انقباض کا شکار ہو جاتے ہیں، اور اس آیت کریمہ کی پرواہ بھی کرتے کہ جس میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں (مجھے قسم ہے تیرے رب کی کہ یہ لوگ ایماندار نہیں ہوسکتے یہاں تک کہ تجھ کو اپنے اختلافات میں فیصل اور ثالث تسلیم نہ کریں پھر تو نے جو فیصلہ دیا ہے اس کے قبول کرنے میں اپنے نفسوں میں کوئی تنگی محسوس نہ کریں، اور اسے پوری طرح تسلیم کریں۔

احناف کی مستدل روایات:

ان حضرات کا ان احادیث کے بارہ میں جو ان کے اقوال کے خلاف ہیں آپ نے ان کا رویہ ملاحظہ فرمالیا ہے۔ جس سے عیاں ہے کہ ان کے ہاں وہی حدیث قابل قبول ہے جو ان کے اقوال کے

مطابق ہے ورنہ مخالف حدیث ہر حیلے اور بہانے قابل ترک ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ یہ حضرات بھی تو اپنے موقف میں احادیث پیش کرتے ہیں تو گویا کہ وہ بھی حدیث پر عمل کرتے ہیں جس سے احادیث کے ترک کا تو نظریہ درست قرار نہیں پاتا۔ لہٰذا ان پر یہ الزام غلط ہے کہ یہ حضرات احادیث کو رد کرتے ہیں۔

اصل حقیقت:

اصل حقیقت یہ نہیں بظاہر تو عمل بالحدیث کا ہی داعیہ ہے لیکن مسائل اختلافی میں عملا اس کی صورت مفقود ہے اس لئے کہ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ احادیث سند کے اعتبار سے صحیح ہیں یا ضعیف ہیں صحیح تو ہر صورت قابل عمل ہے بشرطیکہ منسوخ نہ ہو، اور ضعیف کی جب تک توثیق نہیں ہوجاتی قابل رد ہے۔ آئمہ احناف میں حدیث دانی کا ذوق ہمیشہ سے قلیل رہا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ قیاس اور رائے سے زیادہ کام لیتے تھے جس بنا پر اہل علم میں ان کا نام ہی اہل الرائے پڑھ گیا۔ اور جو ان میں حدیث کا قدرے ذوق رکھتے ہیں ان میں اکثر حضرات محدثین کے اصولوں کے مطابق قابل اعتماد ہی نہ تھے جیسے محمد بن حسن شیبانی، حسن بن زیاد اور دیگر بہت سے امام صاحب کے تلامذہ ہیں حتی کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ جیسے قابل اعتماد معقول محدث نے بھی ان کے بارہ میں فرمایا **ھولاء اصحاب ابی حنیفہ لیس لھم بصر بشی من الحدیث ما ھوا الا الجراۃ** (قیام اللیل مروزی ص۲۱۲ طبع سانگلہ ہل) ابو حنیفہ کے شاگردوں کو حدیث میں کسی قسم کی بصیرت نہیں۔ ان کی حدیث کے بارہ میں دخل)محض جرأت ہے۔

ماخذ احناف:

یہی وجہ ہے کہ مسائل اختلافیہ میں ان کا ماخذ صحیح حدیث نہیں بلکہ طبقہ ثالثہ یا رابعہ کی کتب ہیں جن میں کثیر تعداد میں ضعیف بلکہ موضوع روایات ہیں، جب کہ بہت سے اس فقہ شریف کے مسائل ایسے ہیں جن کی تائید طبقہ ثالثہ اور رابعہ کی کتب سے بھی نہیں ہوتی ہے۔ بلاشبہ وہ مسائل جن میں یہ اہل حدیث کے خلاف ہیں ان میں ان کے پاس کسی مسئلہ میں کوئی صحیح حدیث موجود نہیں ہے بلکہ یا تو مرسل ہیں یا معضل یا سندا ضعیف ہیں یا موضوع اور من گھڑت ہیں خصوصا متأخرین کی کتب جیسا کہ ھدایہ اور اس کی بعض شروحات ہیں میں خود ساختہ اور من گھڑت روایات کا ایک جم غفیر ہے جس کا اعتراف محققین احناف نے بھی کھلے دل سے کیا ہے۔

ملا علی قاری فرماتے ہیں "**لا عبرۃ بنقل النھایۃ و لا بقیۃ شراح الھدایہ فانھم لیسوا من**

المحدثین'' (الموضوعات الکبیر ص ۱۲۵)۔

صاحب نہایہ شرح ہدایہ اور اسی طرح ہدایہ کی دوسری شروحات کا کسی حدیث کو نقل کرنا قابل اعتماد نہیں اس لئے کہ وہ محدثین نہیں تھے۔

مولانا عبدالحی لکھنوی فرماتے ہیں (فکم من کتاب معتمد اعتمدعلیه اجلة الفقهاء مملؤة من الاحادیث الموضوعة (النافع الکبیر شرح الجامع الصغیر ص ۳۱)۔

کتنی ہی قابل اعتماد کتب ہیں جن پر بڑے بڑے فقہا نے اعتماد کیا ہے وہ من گھڑت روایات سے بھری ہوئی ہیں۔

ایک دوسری کتاب میں فرماتے ہیں۔

فقہ کی کتابوں میں جو احادیث لکھی ہوئی ہیں ان پر مکمل اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔ ان کتابوں میں کتنی احادیث لکھی ہوئی ہیں جو من گھڑت اور بناوٹی ہیں (عمدہ الرایہ ص ۱۳ ج ۱)۔

ان اقوال محققین کی تائید مقصود ہو تو صرف ہدایہ پر ہی ایک نظر دوڑا کر دیکھ لیں آپ کو ان گنت روایات ایسی ملیں گیں جن کو رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ حالانکہ ان کا کوئی معتبر ماخذ معلوم نہیں۔

موقف اہل حدیث:

عمل بالکتاب والسنہ میں اہل حدیث کا موقف بڑا واضح صاف ستھرا اور حزبی و گروہی تعصب سے بالا ہے۔ صحیح حدیث کسی بھی کتاب سے مل جائے خواہ وہ کسی ایک کے اپنے موقف کے خلاف ہو اہل حدیث صحابہ کرام کے منہج کے مطابق اپنے فتویٰ سے رجوع کر کے صحیح حدیث کو اپنائے گا اور یہی آئمہ ھدیٰ کا موقف ہے جیسا کہ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے تھے۔

اجمع المسلمون علی ان من استبانت له سنة رسول الله ﷺ لم یحل له ان یدعها بقول احد (مقلدین آئمہ کی عدالت میں ص ۱۱۲)۔

تمام مسلمانوں کا متفقہ فیصلہ ہے کہ جب سنت کا علم ہو جائے تو کسی ایک کے لئے حلال نہیں کہ وہ اس سنت کو کسی کے قول کی وجہ سے ترک کرے۔

اسی کے ہم معنی بات ان سے بہت پہلے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے پہلے خطبہ خلافت میں ارشاد فرمائی تھی۔

اطیعونی ما اطعت الله و رسوله فاطیعوه فاذا عصیت الله ورسوله فلا طاعة لی علیکم۔

(سیرت ابن ہشام ۳۱۱ ج ۴)

اگر میں اللہ اور رسول کی اطاعت کروں تو تم پر میری اطاعت لازم ہے اور اگر میں اللہ اور رسول کی نافرمانی کروں تو تم پر میری اطاعت نہیں ہے۔

بس یہی وہ مؤقف ہے جسے اہل حدیث حق سمجھتے ہیں اور عملا اسی مؤقف پر گامزن ہیں۔

وجہ نزاع:

تقلیدی جمود کے تسلط کے بعد چونکہ یہ مؤقف لا بالی کا شکار ہوگیا تھا۔ مقلدین نے اس مبارک مؤقف کو ترک کر کے "وجب علینا تقلید امامنا" کی رٹ شروع کر دی تھی تو مقلدین کے اس مؤقف کے خلاف اہل حدیث نے بھر پور مزاحمت کی اور اس کے خلاف آواز احتجاج بلند کی، جس کی وجہ سے مقلدین اور اہل حدیث کے درمیان نزاع پیدا ہوا۔ اس نزاع کی رو میں بہہ کر مقلدین نے اہل حدیث پر ہر قسم کے طعن کیئے اور ایسے الزام لگائے جس سے الحمد للہ اہل حدیث بری ہیں۔ کبھی ان کو فقہ کا منکر کہا جاتا ہے کبھی آئمہ کی گستاخی کا الزام لگا کر ان کے خلاف لوگوں میں نفرت کا بیج بویا گیا لیکن ان کے یہ تمام حربے صدا بصحرا ثابت ہوئے تو انہوں نے ایک نیا پینترا بدلا کہ اہل حدیث کے خلاف ضعیف قسم کی روایات کو جمع کیا گیا اور پھر بھی کام نہ بنا تو فقیہ مرغینانی نے ہدایہ میں بہت سے مقامات پر کسی غیر کے قول کو قولہ علیہ السلام کہہ کر خود کو تسکین پہنچانے کی کوشش کی، پھر اسی روش کو آج تک برقرار رکھا گیا ہے۔ اور تعجب خیز امر یہ ہے کہ صحیح حدیث نبوی کے رد کرنے کے لئے بسا اوقات ضعیف الاسناد اقوال صحابہ کا سہارا لیا گیا۔

حدیث اور اہل حدیث:

ہمارے دور کے احناف کی اہل حدیث کے خلاف ایک تلبیسانہ کوشش ہے جس میں ضعیف اور مرسل بلکہ بسا اوقات من گھڑت روایات کا سہارا لے کر اہل حدیث کے قوی اور مبنی برحق مؤقف کو باطل قرار دینے کی کوشش کی گئی ہے اور اہل حدیث کے مؤقف پر نصوص قطعیہ جو حدیث کی مسلمہ اور معتبر کتب جیسا کہ صحیحین اور دیگر کتب صحاح میں روز روشن کی طرح ظاہر و باہر ہیں کو رد کرنے کے لئے اس میں نا قابل اعتماد روایات کا سہارا لیا گیا ہے۔ حالانکہ اس کے مؤلف کو بھی حقیقت کا پوری طرح علم تھا کہ اہل حدیث کے دلائل بڑے مضبوط اور قوی ہیں جن کا رد اصول کے تحت ناممکن ہے ہاں صرف تقلیدی حربہ کہ ہم نے وہی عمل کرنا ہے جو ہمارے امام نے عمل کیا ہے اور اسی حدیث کو قبول کرنا ہے جسے ہمارے امام نے قبول کیا ہے کے ذریعے ممکن ہے۔

حدیث اور اہل تقلید:

حدیث اور اہل حدیث کا علمی جواب ہے جس میں فاضل مؤلف مولانا داؤد ارشد حفظہ اللہ نے علمی اصولوں کے تحت اس کتاب کا جائزہ لیا ہے اور اپنی علمی حیثیت سے اسے ہدیہ قارئین کیا ہے اور اس کے ساتھ ان کا احادیث کے بارہ میں جو رویہ ہے اسے طشت از بام کیا ہے۔

مولانا محمد داؤد ارشد حفظہ اللہ نوجوان پختہ کار اہل حدیث عالم ہیں کتاب وسنت کے دفاع میں ہمہ وقت چوکس چوبند اور مصروف رہتے ہیں مقلدین کی طرف سے تقلید کے دفاع اور حدیث کے رد میں جب بھی کوئی کتاب سامنے آتی ہے اس کا جواب دینے کے لئے مضطرب ہوجاتے ہیں اور جب تک فاسد اور باطل اراء کا قلع قمع نہیں کر دیتے آرام وسکون سے نہیں بیٹھتے قبل ازیں بھی انہوں نے تحریفات اور مغالطات سے پردہ اٹھایا ہے۔ تحفہ حنفیہ اور دین الحق ان کی اس قسم کی کاوش کا بہترین نمونہ ہے۔

دعا ہے کہ اللہ کریم ان کی کتاب وسنت کے دفاع میں کاوش کو شرف قبولیت سے نوازے اور ان کی اس کاوش کو بھی ماقبل کی کاوشوں کی طرح دفاع حق اور دمغ باطل کے لئے سنگ میل بنائے، آمین الہ العالمین۔

کتبہ ابو انس محمد یحییٰ گوندلوی

شارح ترمذی، ابن ماجہ، ترمذی

مدیر جامعہ تعلیم القرآن والحدیث - ساہوالہ سیالکوٹ

۲۹-۸-۲۰۰۶

عرض مؤلف

ان الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلل فلا هادى له واشهد ان لا اله الا الله وحده لاشريك له واشهد ان محمداً عبده ورسوله۔

يايها الذين أمنوا اتقوا الله حق تقاته ولا تموتن الا وانتم مسلمون، ياايها الناس اتقوا ربكم الذى خلقكم من نفس واحدة وخلق منها زوجها وبث منهما رجال كثيرا ونساء واتقوا الله الذى تساء لون به والارحام ان الله كان عليكم رقيبا،، يايها الذين امنوا اتقوا الله وقولوا قولا سديدا يصلح لكم اعمالكم ويغفرلكم ذنوبكم ومن يطع الله ورسوله فقد فاز فوزا عظيم، اما بعد فان اصدق الحديث كتاب الله واحسن الهدى هدى محمد صلى الله عيه وسلم وشر الامور محدثاتها وكل محدثه بدعة وكل بدعة ضلالة وكل ضلالة فى النار۔

حضرات محترم آج سے چند برس قبل مکتبہ قاسمیہ (لاہور) کے مالک مولوی محمد نعیم الدین صاحب نے اہل حدیث کے رد میں ایک مبسوط کتاب" حدیث اور اہل حدیث، تالیف کی اور قلمی نام انوار خورشید کے نام سے شائع کی، جس میں طہارت کے ابواب سے لے کر جنازہ تک کے بعض مسائل ہیں۔ مقدمہ کے علاوہ ۷۹ مسائل اور سوا نو سو صفحات پر محیط ہے، کتاب کا اسلوب کچھ اس طرح ہے کہ ہر مسئلہ کا الگ باب ہے، اور ہر باب کے تحت متعدد احادیث و آثار نقل کرتے ہیں، تابعین عظام اور فقہاء امت کے اقوال کو بھی درج کرتے ہیں۔ پھر بزعم خود ان کے خلاف اہل حدیث کا اختلاف ثابت کرتے ہوئے قارئین کو دعوت فکر دیتے ہیں، ان کا یہ انداز سادہ عام فہم اور پرکشش ہے، قاری یہ محسوس کرتا ہے کہ انہوں نے کتاب خالص دعوتی نقطہ نظر سے تحریر کی ہے۔

بازاری زبان سے حتی الامکان پرہیز کیا ہے۔ چند مقامات کے علاوہ پوری کتاب میں زبان نہات سلجھی ہوئی ہے، کتاب میں صحیح و حسن احادیث کے علاوہ ضعیف و منکر شاذ اور موضوع و من گھڑت روایات کی بھر مار ہے۔ معنوی تحریفات کے علاوہ خلط مبحث اور قیاسات فاسدہ اور استدلالات کا سدہ بھی ہیں، اوران کے خلاف بعض مقامات پر علمائے اہل حدیث کے شاذ اقوال نقل کر کے ہمیں مطعون کیا ہے، بعض جگہوں پر صریحاً جھوٹ بھی بولا گیا ہے۔ مثلاً وضو میں پاؤں کو دھونے کی بجائے مسح کرنے کے فرض ہونے پر فتاویٰ ابراہیمیہ سے عبارت نقل کی ہے، حالانکہ یہ فتاویٰ کسی بھی سلفی کا نہیں یہ آج سے سو سال قبل مبتدعین دیابنہ کے اکابر نے جھوٹ بولا تھا، جس پر ان کی معنوی ذریت شرمندگی کی

بجائے ہمیں مطعون کر رہی ہے، گزارشات کا مقصد یہ ہے کہ کتاب ''حدیث اور اہل حدیث'' سنت نبوی علیہ التحیۃ والسلام اور اس کی امین جماعت کے خلاف نہایت درجہ کی سم قاتل ہے، جو میٹھے کے رنگ میں دیا گیا ہے۔ مزید برآں یہ کہ یہ مسائل ہمارے اور ان کے درمیان اختلاف کا سبب نہیں بلکہ ان کا شمار ثانوی درجہ میں ہوتا ہے۔ اختلاف کا سبب اہل تقلید کے بعض عقائد ہیں، جن میں سرے فہرست عقیدہ توحید اور مسئلہ تقلید کے علاوہ مبتدعین دیابنہ کے اکابرین کا توہین انبیاء اور انکار ختم نبوت جیسے اہم مسائل ہیں۔ حق و باطل کے اس معرکہ میں اہل تقلید نے ہمیشہ میدان جنگ کا رخ بدلنے کی کوشش کی ہے۔ مقصود یہ ہوتا ہے کہ عوام الناس ان چند مسائل کو ہی اختلاف کا سبب سمجھ لے، اورعقائد فاسدہ پر حجاب پڑا رہے، ظاہر ہے کہ جب اصل مرض کا علاج تو کجا اس کی تشخیص کو ہی گناہ کبیرہ سمجھ لیا جائے تو فائدہ کی بجائے نقصان ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ اہل تقلید کی بھرپور مزاحمت کے باوجود عمل بالحدیث کی تحریک اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہے اور اہل تقلید اپنی بقاء کی جنگ لڑنے پر مجبور ہیں۔ جس میں شکست ان کا مقدر ہے، غور کیجئے کبھی زمانہ تھا کہ ہمارے خلاف کفر کے فتوے شائع ہوتے تھے۔ مساجد میں نماز پڑھنے سے منع کیا جاتا تھا، عام آدمی کو ترجمہ قرآن پڑھنے سے منع کیا جاتا تھا۔

(ملاحظہ ہو اشرف الجواب ص ۱۸۵ فقرہ ۴۶)۔

مگر اب حالات بدل گئے ہیں۔ یہ خود قرآن و حدیث کے غلط سلط تراجم کر کے عوام الناس کی عدالت میں پیش کر چکے ہیں، گو ان تراجم میں معنوی تحریفات کر کے عمل بالحدیث کے سامنے ریت کی دیوار کھڑی کی گئی ہے، لیکن جمود ٹوٹ گیا ہے۔ تقلید کا محض نام رہ گیا ہے، ان کے فتاویٰ کفر اپنی موت مر چکے ہیں، مساجد سے وہابی کے نماز نہ پڑھنے کے پوسٹر اتر چکے ہیں طلاق ثلاثہ کے مسئلہ میں اہل حدیث کی طرف رجوع کا مشورہ دیا جاتا ہے۔ جرابوں پر مسح کرنے والے بھی نظر آتے ہیں۔ آٹھ رکعت تراویح کے بعد ان کی مساجد کی رونق ختم ہوجاتی ہے۔ رفع سبابہ پر مناظروں کا دور گزر چکا ہے، بلکہ اسے بدعت کہنے والے کی مذمت کی جاتی ہے، خلاصہ کیدانی کا تو نام لے کر تردید کرنے کا دور آ گیا ہے، دیہاتوں میں جمعہ وعیدین قائم کر چکے ہیں۔ عقیقہ کو زمانہ جاہلیت کی رسم کہنے والے خود عقیقہ کرنے لگے ہیں، الغرض ان جیسے بیسیوں مسائل میں تقلید پرست غیر مقلد ہو چکے ہیں، قرآن و سنت کا مطالعہ تقلید پر عدم اعتماد کا کھلا اظہار ہے، ہاں ضدی اور ہٹ دھرم قسم کے لوگ اب بھی جمود کا شکار ہیں اور اپنے ناخواندہ حواریوں کو مطمئن کرنے کے لئے چند اختلافی مسائل پر تھوڑا بہت لکھتے رہتے ہیں جس سے ان کے تین مقصود ہوتے ہیں، الف، اصل بنیادی مسائل سے توجہ ہٹانا، ب، اپنے تقلیدی حواریوں کو مطمئن کرنا، ج، فریق مخالف کو بدنام کرنا، ان تین مقاصد کے لیے یہ ہر حربہ استعمال کرتے ہیں۔ کذب و افتراء تو بہت معمولی چیزیں ہیں، رد اہل حدیث کے لیے اگر انہیں کتاب و سنت میں تحریف بھی کرنی

پڑے تو دریغ نہیں کرتے، یہ محض الزام تراشی نہیں بلکہ حقیقت الامر ہے بطور دلیل صرف ایک مثال عرض کی جاتی ہے پوری امت مرحومہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جھوٹی حدیث وضع کرنا گناہ کبیرہ ہے۔ لیکن مبتدعین دیابنہ کی رد اہل حدیث میں سرگرم آج کی ٹیم میں اکثریت اس مرض کا شکار ہے، ہم پوری ذمہ داری سے یہ بات عرض کرتے ہیں کہ پاک وہند کے پورے خطے سے شاید ہی کوئی اس گروپ سے ایسا فرد مل سکے جس نے اہل حدیث کے رد میں حدیث وضع نہ کی ہو، یہ محض دعوٰی ہی دعوٰی نہیں ہم بفضلہٖ تعالیٰ تحفہ حنفیہ میں اسکی متعدد مثالیں عرض کر چکے ہیں، یہاں پر مزید مثالیں عرض کردی جاتی ہیں، مؤلف حدیث اور اہل حدیث فرماتے ہیں۔ مسند احمد کی روایت کے مطابق حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تشریف آوری کے وقت حضرت ابوبکر سورہ فاتحہ کے بعد سورۃ شروع کر چکے تھے، اس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے یہ نماز بغیر فاتحہ کے پڑھائی۔

(حدیث اور اہل حدیث ص۳۴۵)۔

مسند احمد تو کجا حدیث کی کسی کتاب میں یہ صراحت نہیں کہ مرض الموت میں جب رسول اللہ ﷺ تشریف لائے تو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سورۃ فاتحہ مکمل کر کے اگلی سورت شروع کر چکے تھے۔

امین اوکاڑوی ایک جگہ لکھتا ہے۔

رسول اقدس ﷺ نے فرمایا: **لاجمعة الابخطبه**

خطبہ کے بغیر جمعہ نہیں ہوتا

(سبیل الرسول پر ایك نظر ص۱۷ و مجموعه رسائل ص۱۶۹ ج۲)۔

دوسری جگہ لکھتا ہے: آپ ﷺ نے فرمایا: کہ **لا یقرؤا خلف الامام**، کہ امام کے پیچھے کوئی شخص قرأت نہ کرے۔ (مصنف ابن ابی شیبه ص٢٧٦ ج١)، تجلیات صفد ص٨٤ ج٣)۔

تیسری جگہ لکھتا ہے۔

اہل حدیث کے مقابلہ میں آنحضرت ﷺ نے ہمارا نام اہل سنت والجماعت رکھا

(مجموعه رسائل ص۳۶ ج۴)۔

یہ تینوں روایات امین اوکاڑوی کی وضع کردہ ہیں، کتب احادیث میں ان کا نام ونشان تک نہیں، گوجرانوالہ میں ایک دیوبندی مناظر اعظم پیر مشتاق علی ہے۔ جو آئے دن اہل حدیث کے خلاف کوئی نہ کوئی کتابچہ تحریر کرتا رہتا ہے، یہ نالائق بھی وضع احادیث سے متہم ہے، راقم نے ضمیمہ (سبیل الرسول ص٣٢٢، ٢٤٨) میں اس کی وضع کردہ دو روایات کی نشان دہی کردی ہے۔

بات لمبی ہوگئی گزارشات کا مقصد یہ ہے کہ رد اہل حدیث میں سرگرم آج کی پوری دیوبندی پارٹی بالخصوص حیاتی گروپ میں اکثریت وضع احادیث سے متہم افراد کی ہے۔ حدیث نبوی میں معنوی تحریف

اور الفاظ رسول ﷺ میں حک و اضافہ کرتے ہوئے بھی ان کا ضمیر انہیں ملامت نہیں کرتا، پھر اعتراف گناہ کی بجائے ہمیشہ اس پر اڑ جانا ان کا طرہ امتیاز ہے۔ جس کی واضح مثال ان کے عقائد فاسدہ ہیں کہ ان کو غلط تسلیم کرنے کی بجائے اپنی صلاحیتوں کو ان کے دفاع پر لگائے ہوئے ہیں، جس کی مفصل بحث تو حصہ سوم میں بفضلہ تعالیٰ آئے گی، قارئین کرام کی تسلی وتشفی کے لئے مقدمہ کی فصل اول میں تھوڑی سی جھلکی موجود ہے۔

حدیث اور اہل تقلید:

گو اس سے پہلے بھی انوار صاحب کی کتاب کے جواب میں دو کتابیں شائع شدہ ہیں۔ اس کے باوجود ہم نے اس کے جواب میں قلم کیوں اٹھایا ہے؟ اس لئے کہ خواجہ محمد قاسم رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب، حدیث اور غیر اہل حدیث، انتہائی مختصر ہے اور محبی و اخی الشیخ زبیر علی زئی محدث حضرو کی کتاب صرف مسئلہ رفع الیدین کے متعلق ہے، جیسا کہ نور القمرین فی اثبات رفع الیدین، نام سے ظاہر ہے، پہلے ارادہ تھا کہ مسئلہ رفع الیدین کا جواب نہ لکھا جائے بلکہ الشیخ زبیر علی زئی حفظہ اللہ کی تالیف کو ہی شامل اشاعت کیا جائے مگر یہ بھی بوجہ رہ گیا، الغرض انوار صاحب کی کتاب کا مفصل ومکمل جواب آپ کے ہاتھوں میں ہے تیسری جلد تحریر کرنے کا ارادہ ہے، اگر اللہ تعالیٰ کی توفیق شامل حال رہی تو انشاء اللہ وہ بھی ضرور لکھی جائے گی، فی الحال اس کی دو جلدیں آپ کی خدمت میں حاضر ہیں، یہ فیصلہ آپ نے کرنا ہے کہ جواب میں راقم کہاں تک کامیاب ہوا ہے۔ ہر مسئلے کے لیے الگ باب ہے، پہلی فصل میں اپنے دلائل ہیں اور دوسری میں انوار صاحب کے شبہات و دلائل کا محاسبہ ہے، گو راقم کے نزدیک ضعیف روایات ناقابل حجت ہیں، لیکن انوار صاحب نے ضعیف ومنکر بلکہ موضوع تک کو بھی دلیل بنایا ہے، اور ایک ہی حدیث کو مکرر سہ مکرر نقل کر کے زیادہ دلائل دینے کی کوشش کی ہے، اس لئے فصل اول میں صحیح و حسن احادیث کے ساتھ ضعیف روایات کو درج کرنے کے علاوہ احادیث مکررات ہیں، کیونکہ ہماری کاروائی جوابی ہے، ہاں البتہ بنیادی استدلال کسی ضعیف روایت سے نہیں کیا، بعض مقامات پر راقم نے ان پر حکم بھی لگایا ہے، مگر یہ بوجہ التزام نہ ہوسکا، امید ہے کہ صاحب علم حضرات اس سے درگزر فرما کر نفس مسئلہ پر توجہ رکھیں گے۔ ابتدا میں مختصر پروگرام تھا، لیکن چند ابواب کے بعد یہ ارادہ بھی بدل دیا، اس لئے قارئین کو اول وآخر کے درمیان قدرے فرق نظر آئے گا۔

حتی المقدور کتاب کو ہر لحاظ سے خوب سے خوب تر بنانے کی کوشش کی ہے، پھر بھی اس میں اغلب غلطیوں کا امکان ہے، لہٰذا علمی طور پر ہماری خطاؤں پر مطلع کرنے والوں کا ہم دل کی گہرائیوں سے شکریہ ادا کریں گے، اور قابل اصلاح غلطیوں کا ضرور ازالہ کیا جائے گا، باقی رہے وہ حضرات جو گالیاں

دے کر اپنے کلیجہ کا ٹھنڈا کرنے کے عادی ہیں ان کی طرف ہم نے نہ پہلے کبھی دھیان دیا ہے نہ آئندہ ارادہ ہے۔

پہلے حدیث اور اہل حدیث کے سائز(۱۶۔۳۶۔۲۳) پر شائع کرنے کا پروگرام بنا گو اس سے خرچہ پندرہ بیس فی صد کم ہوجاتا ہے، مگر کتاب کی ضخامت بڑھ جانے کی وجہ سے اسے (۸۔۲۶۔۲۰) کے سائز پر شائع کیا جا رہا ہے۔

اللہ ہم سب کو معاف فرمائے اور اپنی مرضیات بجالانے کی توفیق دے۔

امین یا الہ العالمین

اخوکم فی الدین

ابوصہیب محمد داؤد ارشد

خطیب جامع مسجد محمدی کوٹلی ورکاں۔نزد نارنگ منڈی ضلع شیخوپورہ۔

چند ابتدائی اصول

اصول اول: مرسل روایات سے احتجاج:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے آخری دور میں بدعتی فرقے عالم وجود میں آئے اور انہوں نے اپنی تائید و حمایت میں احادیث بھی وضع کیں، اسی دور میں ضعفاء اور مجہول راویوں کا گینگ بھی موجود تھا، دجال و کذاب راویوں کی بھی کمی نہ تھی، یہی وجہ ہے کہ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ۔

میں نے اکثر مراسیل کی تحقیق کی تو انہیں غیر عادل راویوں سے پایا بلکہ جب ان سے ان کے شیوخ کے متعلق دریافت کیا گیا تو انہوں نے ان کا نام لیا جو مجروح و متکلم فیہ تھے۔ (النکت ص ۵۵۰ ج ۲)۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے، حجۃ اللہ البالغۃ ص۱۴۶ ج۱ میں اس سے ملتے جلتے الفاظ میں اس بات کا اظہار کیا ہے۔حافظ ابن حزم فرماتے ہیں کہ اگر ہم مرسل روایات کی مصیبتیں اور بلائیں جمع کریں تو ایک ضخیم جلد تیار ہوسکتی ہے۔ (الاحکام ص۶ ج ۲)۔

بلکہ انہوں نے یہاں تک دعویٰ کیا ہے کہ مرسل کی حجت کے قائلین دراصل اپنے قول کو رائج کرنے کے لئے مرسل کا سہارا لیتے ہیں؟ ورنہ جب مرسل روایت ان کے مذہب کے خلاف آجائے تو وہ اللہ کی مخلوق میں سب سے زیادہ مرسل کو ترک کرنے والے ہیں،انہوں نے یہ طعن بھی دیا ہے کہ احناف و مالکیہ نے فلاں فلاں مرسل کا انکار محض اس لئے کیا ہے کہ وہ ان کے مسلک و مذہب کے خلاف ہے۔ فرماتے ہیں اگر ہم ان مراسیل کا تتبع کریں جن کو ان دونوں گروہوں نے ترک کردیا ہے۔تو وہ بلاشبہ دو ہزار سے بھی زیادہ ہوجائیں،اگر اللہ تعالیٰ کی توفیق شامل حال رہی تو انشاء اللہ اس پر ہم ایک مستقل رسالہ لکھیں گے۔ (الاحکام ص۵ ج ۲)۔

امام مسلم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

والمرسل من الروایات فی اصل قولنا وقول اهل علم بالاخبار لیس بحجة

یعنی مرسل روایات ہمارے اور احادیث کا علم رکھنے والوں کے نزدیک حجت نہیں۔

(مقدمہ صحیح مسلم ص۲۲)

امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

والحدیث اذا کان مرسلا فانه لا یصح عند اکثر اهل حدیث قد ضعفاء غیر واحد منهم۔

یعنی جب حدیث مرسل ہوگی تو وہ اکثر اہل حدیث کے نزدیک صحیح نہ ہوگی، متعدد اہل علم نے اسے ضعیف فرمایا۔ (العلل مع شرح شفاء العلل ص۳۹۷ ج ٤)۔

امام حاکم رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

والمرسل واهية عند جماعة اهل الحديث من فقهاء الحجاز غير محتج بها وهو قول سعيد بن المسيب ومحمد بن مسلم الزهرى ومالك بن انس وعبد الرحمن الاوزاعى و محمد بن ادريس الشافعى و احمد بن حنبل ومن بعدهم فقهاء المدينة وحجتهم فيه كتاب الله وسنة نبيه۔

یعنی مرسل احادیث اہل حجاز کے فقہاء اہل حدیث کی جماعت کے نزدیک واہی اور نا قابل احتجاج ہیں۔ یہی قول امام سعید بن مسیّب امام زہری امام شافعی امام احمد امام مالک امام اوزاعی رحمہم اللہ اور دوسرے فقہاء مدینہ کا ہے اور اس پر ان کے نزدیک کتاب وسنت کے دلائل ہیں۔ (المدخل ص١٢)۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

قال سعيد بن المسيب وهو من كبار التابعين ان المرسل ليس بحجة نقله عنه الحاكم وكذا تقدم عن محمد بن سيرين وعن الزهرى وكذا كان يعيبه شعبه واقرانه والاخرون عنه كيحيٰ القطان و عبدالرحمن بن مهدى وغير واحد وكل هؤلاء قبل الشافعى۔

یعنی سعید بن مسیّب رحمۃ اللہ جو کبار تابعین سے ہیں انہوں نے فرمایا کہ مرسل حجت نہیں جیسا کہ امام حاکم نے ان سے نقل کیا ہے۔ اور اسی طرح ان سے پہلے یہی قول امام محمد بن سیرین امام زہری سے گزر چکا ہے، اسی طرح امام شعبیؒ اور ان کے معاصرین وتلامذہ مثلاً یحییٰ قطان اور عبدالرحمٰن بن مہدی وغیرہ مرسل کو رد کرتے تھے۔ اور یہ تمام امام شافعی سے پہلے ہوئے ہیں۔ (النکت ص٥٦٨ ج٢)۔

اصول دوم: حدیث رسول ﷺ کے خلاف جب صحابی کا فتویٰ ہو:

مرفوع (حدیث نبوی) کے خلاف جب موقوف (صحابی کا قول) ہوتو تب موقوف روایت بالاتفاق حجت نہیں ہوتی کیونکہ اللہ و رسول کی اطاعت کا حکم قرآن مجید نے دیا ہے، اوراختلاف کی صورت میں اللہ و رسول کی طرف رجوع کرنے کا حکم ہے۔ یہی مؤقف ومذہب اکابرین احناف کا ہے۔ سیدنا محمد ﷺ سفر میں قصر کرکے نماز ادا کرتے تھے جب کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ پوری نماز پڑھا کرتے تھے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بھی سفر میں نماز قصر کرنے میں عزیمت کی بجائے رخصت کی قائل تھیں۔ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے مولانا سرفراز خاں صاحب صفدر فرماتے ہیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ تاویل ان کی

ذات تک محدود ہے۔ (خزائن السنن ص١٨٦ ج٢)۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ صبح کی نماز میں قنوت پڑھا کرتے تھے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے مولانا محمد تقی عثمانی مقلد فرماتے ہیں، یہ روایت موقوف ہے۔ فلا حجۃ فیہ (اس میں دلیل نہیں)

(درس ترمذی ص١٢٠ ج٢)۔

مولوی عبد الماجد دریا آبادی مقلد فرماتے ہیں: کوئی بزرگ کیسا ہی کامل ہو معصوم وغیر خاطی بہرحال نہیں، مشاہدہ بھی یہی ہے کہ تجربہ کی، عمل کی ،لغزشوں اور کوتاہیوں سے یکسر محفوظ کوئی بھی بشر نہیں۔ زلات اور خطاء اجتہادی سے صحابہ تک خالی نہیں۔ چہ جائیکہ کہ دوسرے بزرگ جو ان سے ہر صورت کم تر ہیں۔ (حکیم الامت ص٢٧٥)۔

مولوی محمد انور شاہ کاشمیری مقلد سابقہ شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند نے مقدمہ بہاولپور میں عدالت کو بیان دیتے ہوئے کہا تھا کہ قول صحابی کا حجت نہیں ہوتا جیسا کہ نبی کا قول ہوتا ہے۔

(روداد مقدمہ مرزائیہ بہاولپور ص٤٤٥ ج١)۔

علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں کہ

قول الصحابی حجۃ فیجب تقلیدہ عندنا اذا لم ینفعہ شئی اخر من السنۃ۔

یعنی ہمارے نزدیک صحابی کا قول حجت ہے جب تک سنت سے کوئی چیز اس کی نفی نہ کرے۔

(فتح القدیر ص٣٧ ج٢)،(ابن عابدین نے فتاویٰ شامی ص١٥٨ ج٢) میں ملا علی قاری نے، (مرقاۃ ص٢٦٩ ج٣) میں فتح القدیر سے مذکورہ عبارت نقل کر کے اس پر سکوت کیا ہے، نواب محمد قطب الدین خاں دہلوی مقلد فرماتے ہیں کہ لہٰذا قول صحابہ بھی حجت ہے اور ہمارے نزدیک اس کی تقلید واجب ہے اگر سنت سے منقول کوئی چیز اس کے معارض نہ ہو۔ (مظاہر حق جدید ص٨٨٧ ج١)۔

مولوی ظفر احمد تھانوی مقلد فرماتے ہیں کہ، قول الصحابی حجۃ عندنا اذا لم یخالفہ مرفوع، یعنی صحابی کا قول ہمارے نزدیک حجت ہے جب وہ مرفوع حدیث کے خلاف نہ ہو۔

(اعلاء السنن ص١٢٦ ج١)۔

تھانوی صاحب نے ان الفاظ میں اس کا تزکرہ (اعلاء السنن ص١٤٠ ج١)۔

میں بھی کیا ہے۔ ایک مقام پر ارشاد فرماتے ہیں کہ۔

ولا حجۃ فی قول الصحابی فی معارضۃ المرفوع لاسیما اذا کانت المسالۃ مختلف فیھا بین الصحابۃ۔

یعنی صحابی کا قول جب مرفوع حدیث کے معارض ہو تو تب حجت نہیں ہوتا بالخصوص جب وہ مسئلہ صحابہ کرام میں اختلافی ہو۔ (اعلاء السنن ص٤٣٨ ج١)۔

مولوی سرفراز خاں صفدر مقلد مولوی غلام رسول سعیدی بریلوی سے نقل کرتے ہوئے اس پر سکوت کرتے ہیں۔

امام شافعی رحمہ اللہ تو بہت دور کی چیز ہیں اگر حدیث رسول کے خلاف صحابہ بھی کوئی بات محض اپنی رائے سے کہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں ان کی رائے کا بھی کوئی اعتبار نہیں ہوگا الی قولہ ممکن ہے آپ کے لئے امام شافعی رحمہ اللہ کی رائے کافی ہو لیکن ہم دامن رسالت کو چھوڑ کر کہاں جائیں؟ اور جا بھی کہاں سکتے ہیں۔ (ذکر بالجھر ص ۱۲۵)۔

نیز لکھتے ہیں امام شافعی رحمہ اللہ کی شخصیت ان کی علمی وسعت اور زہد تقویٰ اپنی جگہ پر یہ تمام امور مسلم ہیں لیکن جب وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث صحیح کے مخالف کوئی بات محض اپنی رائے سے پیش کریں گے تو شنوائی نہیں ہوگی۔(ص ۱۰۷) نیز تحریر کرتے ہیں کہ یاد رکھئے جب کوئی مسئلہ حدیث سے ثابت ہوا اس کے معارض اور مخالف کتاب وسنت میں کوئی قطعی دلیل نہ ہو تو ایسی صورت میں اس حدیث پر عمل کرنا ہی صحیح دین ہے اور کوئی بات محض اپنی رائے سے بلا دلیل کہتا ہو تو صحیح اور صریح حدیث کے مقابلہ میں کتنا ہی فائق کیوں نہ ہو صحابہ سے نہیں بڑھ سکتا اور جب یہ اصول ہے کہ قول صحابی بھی اگر حدیث رسول کے معارض ہو تو حدیث کے مقابلہ میں اس قول کو چھوڑ دیا جاتا ہے۔تو سوچیئے جس حدیث کے خلاف صحابہ کی بات نہ سنی جاتی ہو تو ان کے خلاف بعد میں کسی بزرگ یا ماوشما کا کیا اعتبار ہو سکتا ہے۔(۱۰۵)۔ (اتمام البرھان حصہ سوم ص ۴۰۱)۔

اہل حدیث سے الجھتے ہوئے ایک جگہ فرماتے ہیں

حضرعبادہ بن الصامت نے صحیح سمجھا یا غلط بہرحال یہ بالکل صحیح بات ہے کہ حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنے کے قائل تھے اور ان کی یہی تحقیق اور یہ مسلک و مذہب تھا۔ مگر فہم صحابی اور موقوف صحابی حجت نہیں ہے۔ (احسن الکلام ص ۱۵۶ ج ۲)۔

ان عبارات سے نصف النہار کی طرح یہ بات ثابت ہوئی کہ خود اکابر دیوبند کے نزدیک بھی آثار صحابہ کرام علی الاطلاق حجت نہیں بلکہ بعض شروط کے تحت موقوف روایات حجت ہیں،ان میں سرفہرست دو شرطیں ہیں کہ پہلی یہ کہ موقوف روایت مرفوع کے خلاف نہ ہو اور دوسری یہ کہ وہ مسئلہ صحابہ کرام میں مختلف فیہ نہ ہو، الغرض آثار صحابہ کرام حجت ہیں لیکن مرفوع احادیث کے خلاف ہوں یا وہ مسئلہ خود صحابہ کرام میں اختلافی ہو، ان دونوں صورتوں میں موقوف روایت ناقابل حجت ہے، امام ابن ہمام کے علاوہ مولانا ظفر احمد اور انور شاہ کاشمیری وغیرہ جید ونامور اکابر دیوبند نے یہ اصول تسلیم کیا ہے۔ اور یہی ہمارا مؤقف ہے۔

اصول سوئم: جب صحابہ کرام میں کوئی مسئلہ مختلف فیہ ہو:

اعلاء السنن ص۴۲۸ ج۱ کے حوالے سے یہ بات گزر چکی ہے جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا کسی مسئلہ میں اختلاف ہوتو تب آثار صحابہ کرام حجت نہیں ہوتے۔

مولوی محمد تقی عثمانی دیوبندی فرماتے ہیں کہ: یہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا اپنا عمل اور اجتہاد ہے احادیث مرفوعہ میں اس تفریق کی کوئی بنیاد مروی نہیں، نیز صحابی کا اجتہاد حجت نہیں، خاص طور سے جب کہ اس کے بالمقابل دوسرے صحابہ کے آثار اس کے خلاف موجود ہوں؟

(درس ترمذی ص ۱۹۲ ج ۱)۔

مولوی عبد القیوم حقانی دیوبندی فرماتے ہیں۔

سب سے زیادہ معقول اور صحیح جواب یہ ہے کہ یہ حضرت ابن عمر کا اپنا عمل اور ذاتی اجتہاد ہے...... پھر صحابی کا اجتہاد حجت بھی نہیں خاص طور پر جب اس کے مقابلے میں دیگر صحابہ کرام سے آثار موجود ہوں۔ (توضیح السنن ص ۲۰۵ ج ۱)۔

مولوی ظفر احمد تھانوی دیوبندی فرماتے ہیں۔

قول الصحابی المجتهد فیما لانص فیه حجة عندنا یترك به القیاس فاذا شاع وسكتوا مسلمین یجب تقلیده اجماعا ولایجب اجماعا فیما ثبت الخلاف بینهم،،

یعنی جس مسئلہ میں کوئی نص نہ ہوتو مجتہد صحابی کا قول ہمارے نزدیک حجت ہے، صحابی کے فتویٰ کی بناء پر قیاس کو ترک کردیا جائے گا اور جب وہ مسئلہ امت میں متعارف ہوگیا اور مسلمانوں نے اس پر سکوت کیا تو بالاجماع صحابی کے قول کی تقلید واجب ہے، اور جن مسائل میں صحابہ کرام کا اختلاف ثابت ہو وہاں ان کے اقوال کی تقلید بالاجماع واجب نہیں۔ (قواعد فی علوم الحدیث ص ۲۲۹)۔

صاحب توضیح فرماتے ہیں:

فصل فی تقلید الصحابی رضی اللہ عنہ یجب اجماعا فیما شاع سكتوا مسلمین ولا یجب فیما ثبت الخلاف بینهم۔

ان مسائل میں جو امت میں متعارف ہوگئے اور مسلمانوں نے ان پر سکوت کیا صحابی کی تقلید بالاجماع واجب ہے۔ اور جب ان میں اختلاف ثابت ہوتو صحابی کی تقلید بالاجماع واجب نہیں۔

(التوضیح ص ۳۲۲)۔

اس اصول کا تذکرہ صاحب ،نور الانوار، نے بھی صفحہ ۲۱۸ پر کیا ہے ان تمام عبارات اکابر دیوبند سے ثابت ہوا کہ جن مسائل میں صحابہ کرام کا اختلاف ثابت ہو وہاں اقوال صحابہ کرام حجت نہیں ہوتے۔

اصول چہارم: تابعین کے اقوال دین میں حجت نہیں:

جو مسئلہ قرآن وسنت سے ثابت ہے، آثار صحابہ کرام بھی موجود ہیں، یا ان تینوں میں سے کسی ایک چیز سے بھی مسئلہ ثابت ہو تو وہاں آثار تابعین ناقابل حجت ہیں، غیر مقلد امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: جب معاملہ ابراہیم، شعبی، حسن، اور عطاء کی طرف آیا تو جس طرح انہوں نے اجتہاد کیا اسی طرح میں بھی اجتہاد کرتا ہوں۔

(مناقب الامام ابی حنیفہ ص۲۰)۔

مولوی ظفر احمد تھانوی صاحب فرماتے ہیں: **فان قول التابعی لاحجة فیه**

یعنی تابعی کے قول میں کوئی حجت نہیں۔ (اعلاء السنن ص۳۱ ج۱۱)۔

ماسٹر امین اوکاڑوی لکھتا ہے کہ تابعی کا عمل اگرچہ اصول کے مخالف نہ بھی ہو تو تب بھی اس سے استدلال نہیں کیا جاسکتا۔ (مجموعه رسائل ص۹۹ ج۲)۔

اصول پنجم: علمائے امت کے اقوال:

بلاشبہ خیر القرون کے امام و بزرگ ہمارے اسلاف ہیں، مگر دین ان کے اقوال کا نام نہیں بلکہ قرآن وسنت سے عبارت ہے، اگر ان بزرگ ہستیوں کا کوئی فتویٰ یا قول قرآن وسنت کے موافق ہے تو نور علیٰ نور، قرآن وسنت سے اختلاف کی صورت میں کسی امتی کا قول قطعی طور پر حجت نہیں ہے، سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک فوجی دستہ روانہ کیا اور ان پر ایک انصاری صحابی کو امیر مقرر کیا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حکم دیا کہ ان کی اطاعت کرنا، پھر (بوجہ) امیر لشکر لوگوں پر غصہ ہوئے اور کہا کہ کیا نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے میری اطاعت کرنے کا حکم نہیں دیا! لوگوں نے کہا ضرور دیا ہے، اس پر انہوں نے کہا کہ میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ لکڑیاں جمع کرو اور ان سے آگ جلاؤ اور اس میں کود پڑو، لوگوں نے لکڑیاں جمع کیں اور آگ جلائی، جب کودنا چاہا تو ایک دوسرے کو دیکھنے لگے اور ان میں سے بعض نے کہا کہ ہم نے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع آگ سے بچنے کے لئے کی تھی، کیا پھر ہم اس میں داخل ہو جائیں اسی کشمش میں آگ ٹھنڈی ہوگئی اور ان کا غصہ بھی جاتا رہا، پھر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اس کا تذکرہ کیا گیا تو آپ نے فرمایا:

لو دخلوها ما خرجوا منها ابدا انما الطاعت فی المعروف۔

اگر اس میں کود پڑتے تو اس میں سے نہ نکل سکتے تھے۔ اطاعت صرف معروف میں ہے۔

(صحیح بخاری کتاب الاحکام باب السمع والطاعة للامام مالم یکن معصیة رقم الحدیث ۷۱۴۵،مسلم کتاب الامارة باب وجوب طاعة الامراء فی غیر معصیةو تحریمها فی المعصیة رقم الحدیث ۴۷۶۶)۔

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو بنی جزیمہ کی طرف بھیجا تو وہ، اسلمنا، (ہم اسلام لائے) کہہ کر اچھی طرح اسلام کا اظہار نہ کر سکے بلکہ کہنے لگے،صبانا، صبانا، (ہم اپنے دین سے پھر گئے) اس پر سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ انہیں قتل اورقید کرنے لگے اور ہم میں سے ہر شخص کو اس کے حصے کے قیدی دیئے گئے اور ہمیں حکم دیا گیا کہ ہر شخص اپنے قیدی کو قتل کردے،اس پر میں نے کہا کہ واللہ میں اپنے قیدی کو قتل نہیں کروں گا اور نہ میرے ساتھیوں میں سے کوئی اپنے قیدی کو قتل کرے گا، پھر ہم نے اس کا ذکر نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تو آپ علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا کہ اے اللہ میں اس سے برأت کا اظہار کرتا ہوں جو خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے کیا دو مرتبہ یہ الفاظ آپ علیہ الصلوٰۃ السلام نے فرمائے۔

(بخاری کتاب الاحکام باب اذاقضی الحاکم بجور اور خلاف اهل العلم فهوا رد رقم الحدیث ۷۱۸۹)۔

ان احادیث پر غور کریں نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف اوقات میں ایک انصاری اور سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کو امیر لشکر مقرر کیا تھا، بقایا تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ان کی اطاعت کرنے کا حکم دیا،ثابت ہوا کہ انصاری اور سیدنا خالد رضی اللہ عنہما اجتہاد رکھتے تھے، اور انہوں نے اپنی صواب دید کے مطابق درست فیصلے ہی کیے تھے، حکم نبوی کے باوجود مطیع صحابہ نے اپنے اپنے لشکر کے امیروں کے جاری کردہ فرامین کو اندھا دھند قبول نہیں کیا ان کے جاری کردہ احکام کومزاج شریعت پر جانچا، اور جب انہیں روح شریعت کے منافی پایا تو ماننے سے انکار کردیا، نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب بتایا گیا تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انکار کرنے والوں کی تائید کی تھی، ثابت ہوا کہ بڑے سے بڑا بھی اگر کوئی دین میں بات کرے تو اس کی بات کو اندھا دھند قبول کرنے کے بجائے قرآن وسنت سے پرکھا جائے گا، اگر حق وصواب ہوتو قبول کرلی جائے گی اور اگر غلط ہوتو رد کردی جائے گی۔ امام شعبیؒ فرماتے ہیں یہ لوگ تجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جو حدیث بتائیں اسے پکڑلو اور جو (بات) اپنی رائے سے کہیں اسے کوڑے کرکٹ میں پھینک دو۔ (سنن دارمی ص۶۷ ج۱ رقم الحدیث ۲۰۶)۔

امام حکم بن عتبیہ فرماتے ہیں لوگوں میں سے ہر آدمی کی بات لے بھی سکتے ہیں اور رد بھی کرسکتے ہیں،سوائے نبی علیہ الصلوۃ والسلام کے۔ (الاحکام لابن حزم ص۲۹۳ ج۶)۔

امام ابراہیم نخعی تابعی کے سامنے کسی نے سعید بن جبیر رحمہ اللہ کا قول پیش کیا تو انہوں نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے مقابلے میں تم سعید بن جبیر رحمہ اللہ کے قول کا کیا کرو گے؟

(الاحکام لابن حزم ص ۲۹۳ ج۶)۔

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، میری ہر بات جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے خلاف ہو (چھوڑ دو) آپ علیہ الصلوۃ والسلام کی حدیث سب سے اولیٰ ہے۔ (آداب الشافعی ومناقبہ ص ۵۱)۔

مقلد مولوی محمد سرفراز خاں صفدر حیاتی دیوبندی فرماتے ہیں۔

یہ بات شک وشبہ سے بالکل بالاتر ہے کہ قرآن وحدیث کی تصریحات اور خلفاء راشدین کے صحیح و صریح اقوال کی موجودگی میں کسی مجتہد اور امام کے کسی قیاس اور رائے کی قطعا کوئی وقعت نہیں۔

(الکلام المفید ص۳۰۱)۔

اس کے بعد خاں صاحب نے اپنی تائید میں۔ عقد الجید ص۸۵ اور، الفوز الکبیر ص۹ سے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور شاہ عبد العزیز کا، فتاویٰ عزیزی ص۶۸ ج ۱ سے اور شاہ محمد اسماعیل صاحب شہید کا تنویر العینین ص ۲۷ سے رشید احمد گنگوہی کا سبیل الرشاد ص۳۰ سے مولوی محمود حسن خاں کا، ایضاح لادلہ ص۱۱۳ سے اشرف علی تھانوی کا، تفسیر بیان القرآن ص۱۲۴ ج ٦ وتعلیم الدین ص۱۰۲ وفتاویٰ امدادیہ ص ۸۸ ج۴ وغیرہ اکابر دیوبند سے عبارات نقل کرنے کے بعد ارشاد فرماتے ہیں کہ ہمارا بھی اس پر صاد ہے کسی ایک خاص مجتہد کی ایسی تقلید کہ اس کے قول کو حق وصواب سمجھا جائے اور اس سے خطاء اور غلطی کو ناممکن تصور کیا جائے اور حدیث صحیح غیر منسوخ کو بھی اس کے قول کے خلاف قبول نہ کرے تو ایسی تقلید مفضی الی الشرک ہے۔ (الکلام المفید ۱۳۰)۔

اصول ششم: عدم ذکر نفی ذکر کو مستلزم نہیں ہوتا:

عدم ذکر نفی ذکر کو مستلزم نہیں ہے، یعنی کسی آیت یا حدیث میں کسی بات کے نہ ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ بات ہوئی ہی نہیں جب کہ دیگر آیات یا احادیث سے وہ بات ثابت بھی ہو۔

علامہ زیلعی حنفی فرماتے ہیں کہ: ولا یلزم من عدم ذکر الشئی عدم وقوعہ۔

(نصب الرایہ ۲۳۸ ج۲)۔

مولوی محمد یوسف بنوری فرماتے ہیں۔

عدم الذکر لا یدل علی ذکر العدم۔

(معارف السنن ص۹۹ ج۳)۔

خلاصہ ان دونوں عبارتوں کا یہ ہے کہ عدم ذکر سے عدم شئی لازم نہیں آتا۔

ابن ہمام فرماتے ہیں

عدم النقل لا ینفي الوجود۔

عدم نقل نفی وجود کو مستلزم نہیں۔

(فتح القدیر ص۲۰ ج۱)۔

مولوی محمد تقی عثمانی دیوبندی فرماتے ہیں کہ:

زیادہ سے زیادہ یہ عدم ذکر ہی تو ہے اور عدم ذکر عدم الشئی کو مستلزم نہیں ہوتا۔

(درس ترمذی ص۶۲ ج۲)۔

مقلد مولوی عبد القیوم حقانی دیوبندی فرماتے ہیں۔

زیادہ سے زیادہ یہ عدم ذکر ہی تو ہے اور عدم ذکر عدم الشئی کو مستلزم نہیں ہوتا۔

(توضیح السنن ص۱۲۸ ج۲)۔

ان عبارات اکابر علماء دیوبند سے ثابت ہوا کہ عدم ذکر عدم الشئی کو مستلزم نہ ہونے کے اصول کو یہ بھی مانتے اور تسلیم کرتے ہیں۔

اصول ہفتم: ثبوت نفی پر مقدم ہوتا ہے:

اثبات کا نفی پر مقدم ہونے کا اصول بھی فریقین کے نزدیک مسلم ہے، ابن عابدین حاشیہ درمختار میں فرماتے ہیں۔

والمثبت مقدم علی النافی۔ (فتاوی شامی ص۶۵ ج۲)۔

مقلد علامہ نیموی فرماتے ہیں ۔

المثبت مقدم علی النافی۔ (حاشیہ آثار السنن ص۱۴۲)۔

خلاصہ ان عبارات کا یہ ہے کہ اثبات نفی پر مقدم ہوتا ہے۔

مقلد مولوی محمد سرفراز خاں صفدر فرماتے ہیں کہ اثبات کا نفی پر مقدم ہونا محدثین کا طے شدہ مسئلہ ہے۔ (احسن الکلام ص۲۰۹ ج۱)۔

اس کے بعد موصوف نے علامہ نووی (شرح صحیح مسلم ص۵۰ ج۲) حافظ ابن حجر (شرح نخبۃ الفکر ص۹۴ اور امام بیہقی (سنن الکبریٰ ص۱۶۱ ج۲) کے حوالے پیش کر کے اپنی بات کو مدلل کیا ہے، مقلد مولوی ظفر احمد تھانوی نے (قواعد فی علوم الحدیث ص۲۹۰) میں اس پر مفصل بحث کی ہے اور شروع بحث میں ہی فرماتے ہیں کہ الاثبات مقدم علی النفی، اثبات نفی پر مقدم ہوتا ہے اگر ہم اس پر اصول کی کتابوں کے حوالے درج کرتے تو بفضلہٖ تعالیٰ بیسیوں عبارات پیش کرسکتے تھے، امید ہے کہ مقلد انوار خورشید صاحب اپنے اکابرین کے ان حوالوں پر یقین کرتے ہوئے ضرور یہ تسلیم کرلیں کہ اثبات نفی پر مقدم ہے۔

فصل اول

مقدمہ حدیث اور اہل تقلید

دیوبندی عقائد

عقیدہ وحدت الوجود:

مقلد حاجی امداد اللہ مفرور مکی فرماتے ہیں۔

نکتہ شناسا مسئلہ وحدت الوجود حق و صحیح ہے، اس مسئلہ میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے، فقیر و مشائخ فقیر اور جن لوگوں نے فقیر سے بیعت کی ہے، سب کا اعتقاد یہی ہے، مولوی محمد قاسم صاحب مرحوم، مولوی رشید احمد صاحب و مولوی محمد یعقوب صاحب، مولوی احمد حسن صاحب وغیرہ فقیر کے عزیز ہیں۔ اور فقیر سے تعلق رکھتے ہیں کبھی اعتقادات فقیر و خلاف مشرب مشائخ طریق خود مسلک اختیار نہ کریں گے۔ (شمائم امدادیہ ص۲۳ و کلیات امدادیہ ص۲۱۹)۔

مزید ارشاد فرماتے ہیں: اس مرتبہ میں خدا کا خلیفہ ہو کر لوگوں کو اس حد تک پہنچاتا ہے اور ظاہر میں بندہ اور باطن میں خدا ہو جاتا ہے، اس مقام کو برزخ البرازخ کہتے ہیں۔

(کلیات امدادیہ ص۳۶ ضیاء القلوب ص۳۵،۳۶)۔

مقلد مولوی رشید احمد گنگوہی فرماتے ہیں۔ یا اللہ معاف فرمانا کہ حضرت کے ارشاد سے تحریر ہوا ہے، جھوٹا ہوں کچھ نہیں ہوں، تیرا ہی ظل ہے، تیرا ہی وجود ہے، میں کیا ہوں، کچھ نہیں ہوں، جو میں ہوں وہ تو ہے اور میں اور تو خود شرک در شرک ہے، استغفر اللہ۔

(مکاتیب رشید ص۱۰ و فضائل صدقات ص۵۵۶ حصہ دوم)۔

مقلد ضامن علی جلال آبادی نے ایک زانیہ کو کہا بی بی تم شرماتی کیوں ہو؟ کرنے والا کون کرانے والا کون وہ تو وہی ہے۔ (تذکرۃ الرشید ص۲۴۲ ج۲)۔

گنگوہی صاحب ضامن علی کے بارے فرماتے ہیں۔ توحید میں غرق تھے۔

(تذکرۃ الرشید ص۲۴۲)۔

مقلد محمد انور شاہ کاشمیری فرماتے ہیں:

قلت وھذا عدول عن حق الالفاظ، لان قوله، کنت سمعه، بصیغة المتکلم، یدل علی انه لم یبق من المتقرب بالنوافل الاجسده وشبحه وصار المتصرف فیه الحضرة الالهیة

فحسب، , وھو الذی عناہ بالنوافل بالفناء فی اللہ، ای الانسلاخ عن دواعی نفسہ،حتی لایکون المتصرف فیہ الاھو فی الحدیث لمعۃ الی وحدۃ الوجود۔

یعنی ،کنت سمعہ الذی، کے یہ معنی بیان کرنا کہ بندہ کے کان آنکھ وغیرہ اعضاء حکم الہی کی نافرمانی نہیں کرتے۔حق الفاظ سے عدول کرنا ہے۔اس لئے کہ کنت سمعہ الذی، میں کنت صیغہ متکلم اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ متقرب بالنوافل یعنی بندہ میں سوائے جسد وصورت کے کوئی چیز باقی ہی نہیں رہی اور اس میں صرف اللہ تعالیٰ ہی متصرف ہے اور یہی وہ معنی ہیں جن کو حضرات صوفیائے کرام فنافی اللہ سے تعبیر کرتے ہیں، یعنی بندہ کا دواعی نفس بالکل پاک ہوجاتا ہے یہاں تک کہ اس بندہ میں اللہ کے سواء کوئی شئی قطعا متصرف نہ رہے، اور یہ وحدت الوجود کی طرف چمکتا ہوا اشارہ ہے۔(فیض الباری ص٤٢٨ ج٤)۔

غیر اللہ سے استعانت:

حاجی امداد اللہ صاحب اپنے پیر نور محمد جھنجھانوی صاحب کے متعلق فرماتے ہیں کہ

آسرا دنیا میں ہے از بس ذات کا
تم سوا اوروں سے ہرگز کچھ نہیں ہے التجاء
بلکہ دن محشر کے بھی جس وقت قاضی ہو خدا
آپ کا دامن پکڑ کر یہ کہوں گا برملا
اے شہ نور محمد وقت ہے امداد کا

(شمائم امدادیہ ص۸۴، امداد المشتاق ص۱۲۲ فقرہ ۲۸۸)

حاجی صاحب نے رسول اللہ ﷺ کے بارے میں لکھا ہے

یارسول کبریا فریاد ہے یا محمد مصطفیٰ فریاد ہے
آپ کی امداد ہو میری یا نبی حال ابتر ہوا فریاد ہے
سخت مشکل میں پھنسا ہوں آج کل
اے میرے مشکل کشا فریاد ہے

(کلیات امدادیہ ص۹۱)۔

اشرف علی تھانوی صاحب فرماتے ہیں

یاشفیع العباد خذ بیدی،، انت فی الاضطرار معتمدی
لیس لی ملجا سواك اغث،، مسنی الضرسیدی سندی
غشنی الدھر یا ابن عبد اللہ،، کن مغیثا فانت لی مددی
لیس لی طاعۃ ولاعمل،، بید حبیك فھولی عتدی

يا رسول الا له بابك لی،، من غمام الغموم ملتحدی

دستگیری کیجئے میرے نبی،، کشمکش میں تم ہی ہو میرے نبی

جز تمہارے ہیں کہاں میری پناہ، فوج کلفت مجھ پہ آ غالب ہوئی

ابن عبداللہ زمانہ ہے خلاف اے میرے مولا خبر لیجئے میری

کچھ عمل ہے اور نہ طاعت میرے پاس مگر میرے دل میں محبت آپ کی

میں ہوں بس اور آپ کا در یا رسول ابر غم گھیرے نہ پھر مجھ کو کبھی

(نشر الطيب فی ذکر النبی الحبيب ص۱۵۶ طبع اسلامی کتب خانہ لاھور)۔

مقلد محمد زکریا کاندھلوی فرماتے ہیں۔

محمد بن عبد اللہ صاحب قرآن ﷺ نے ایک شخص کو فرمایا یہ تیرا باپ بڑا گناہ گار تھا، لیکن مجھ پر کثرت سے درود بھیجتا تھا جب اس پر یہ مصیبت نازل ہوئی تو اس کی فریاد کو پہنچا اور میں ہر اس شخص کی فریاد کو پہنچتا ہوں جو مجھ پر کثرت سے درود بھیجے۔ (تبلیغی نصاب ص۷۹۱ فضائل درود ص۱۱۳)۔

مرنے کے بعد دنیا میں آنا:

دار العلوم دیوبند میں مدرسین کے درمیان کچھ اختلافات ہوگئے، اس اختلاف میں صدر مدرس محمود حسن خاں صاحب شریک ہوگئے، نزاع طول پکڑ گئی، اس کے بعد کا واقعہ مقلد مولوی حبیب الرحمٰن صاحب کی روایت سے سنئے۔

اسی دوران میں ایک دن علی الصبح بعد نماز فجر مولانا رفیع الدین صاحب نے مولانا محمود الحسن صاحب کو اپنے حجرہ میں بلایا، مولانا حاضر ہوئے اور بند حجرہ کے کواڑ کھول کر اندر داخل ہوئے، مولانا رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ پہلے یہ میرا روئی کا لبادہ دیکھ لو، مولانا نے لبادہ دیکھا تو تر تھا۔ اورخوب بھیگ رہا تھا، فرمایا کہ واقعہ یہ ہے کہ ابھی ابھی مولانا نانوتوی جسد عنصری (یعنی جسم ظاہری) کے ساتھ میرے پاس تشریف لائے تھے، جس سے میں ایک دم پسینہ پسینہ ہوگیا اور میرا لبادہ تر بتر ہوگیا اور یہ فرمایا کہ محمود الحسن کو کہہ دو کہ وہ اس جھگڑے میں نہ پڑے بس میں نے یہ کہنے کے لئے بلایا ہے، مولانا محمود حسن صاحب نے عرض کیا کہ حضرت میں آپ کے ہاتھ پر توبہ کرتا ہوں کہ اس کے بعد میں اس قصے میں کچھ نہ بولوں گا۔

(ارواح ثلثه ص۲۱۲ حکایت ۲۴۶)۔

مقلد مولوی اشرف علی تھانوی صاحب کے جد امجد کی وفات کا تذکرہ کرتے ہوئے دیوبندی خواجہ عزیز الحسن فرماتے ہیں۔

شہادت کے بعد ایک عجیب واقعہ ہوا، شب کے وقت اپنے گھر مثل زندہ کے تشریف لائے اور اپنے گھر والوں کو مٹھائی لا کردی اور فرمایا کہ اگر تم کسی سے ظاہر نہ کرو گی تو اس طرح سے روز آیا کریں گے، لیکن ان کے گھر کے لوگوں کو یہ اندیشہ ہوا کہ گھر والے جب بچوں کو مٹھائی کھاتے دیکھیں گے تو معلوم نہیں کیا شبہ کریں گے اس لئے ظاہر کردیا اور آپ تشریف نہیں لائے، یہ واقعہ خاندان میں مشہور ہے۔ (اشرف السوانح ص۱۵ ج۱)۔

اگر کوئی بریلوی یہ حکایات بیان کرتا تو دیوبندی تمام توحید کی آیات کو یہاں تلاوت کرتا، گو وہ بچارہ یہ کہتے رہ جاتا کہ میرا مطلب یہ ہے وہ ہے مگر مفکرین دیو بندیت تب بھی اس پر شرک و بدعت کا فتویٰ ضرور صادر کرتے، لیکن دیکھا جناب نے کہ جو چیز غیر کے لئے عین شرک ہے وہ عقیدہ دیوبند میں عین کرامت ہے، پھر اس کرامت کا خلاف قرآن ہونا بھی ظاہر و باہر ہے، کیونکہ کوئی مر کر دوبارہ دنیا میں نہیں آسکتا، ارشاد ہوتا ہے۔

وحرم علی قریة اهلکنها انهم لا یرجعون۔ (الانبیاء ۹۵)۔

اور جس بستی (والوں) کو ہم نے ہلاک کردیا وہ لوٹ کر نہیں آئیں گے۔ (۲۱–۹۵)

ألم یروا کم اهلکنا قبلهم من القرون انهم الیهم لا یرجعون۔ (یس ۳۱)

کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے ان سے پہلے بہت سے لوگوں کو ہلاک کردیا، اب وہ ان کی طرف لوٹ کر نہیں آئیں گے۔ (۳۶–۳۱)۔

فلا یستطیعون توصیة ولا الی اهلهم یرجعون (یس ۵۱)

پھر نہ وصیت کرسکیں گے اور نہ اپنے گھر والوں میں واپس جاسکیں گے (۳۶–۵۰)

حتی اذا جاء احدهم الموت قال رب ارجعون، لعلی اعمل صالحا فیما ترکت کلّا انها کلمة هو قائلها ومن ورآئهم برزخ الی یوم یبعثون۔

(المؤمنون ۹۹–۱۰۰)۔

(یہ لوگ اسی غفلت میں رہیں گے) یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کے پاس موت آجائے گی تو کہے گا اے پروردگار! مجھے پھر (دنیا میں) واپس بھیج دے تاکہ میں اس میں جسے چھوڑ آیا ہوں نیک کام کروں، ہرگز نہیں یہ ایک ایسی بات ہے کہ وہ زبان سے کہہ رہا ہوگا (اور اس کے ساتھ عمل نہیں ہوگا) اور اس کے پیچھے برزخ ہے (جہاں وہ) اس دن تک کہ (دوبارہ) اٹھائے جائیں گے (رہیں گے) (۲۳–۹۹–۱۰۰)۔

ان آیات بینات سے یہ مسئلہ کھل جاتا ہے کہ مرنے کے بعد کوئی شخص بھی اس دنیا میں دوبارہ نہیں آسکتا، ممکن ہے مبتدعین دیابنہ کا کوئی جھگڑالو قسم کا مولوی سیدنا عزیر علیہ الصلوۃ والسلام کا واقعہ پیش

کردے، تو گزارش ہے کہ ایسی تمام صورتیں مستثناء ہیں کیونکہ ہم نے قدرت رب تعالیٰ کا انکار نہیں کیا بلکہ ضابطہ و قانون کی بات کی ہے۔ اگر آج کوئی کنواری بچہ اٹھا کر لے آئے اور سیدہ مریم علیہ السلام کے واقعہ سے استدلال کرے تو یہ استدلال باطل ہے۔

ارواح سے مدد حاصل کرنا:

دار العلوم دیوبند کا ایک دروہ حدیث سے فارغ ہونے والا طالب علم چند سال بعد دارلعلوم میں آیا، بقیہ کہانیمقلد مولوی محمود الحسن خاں صاحب کی زبانی سنئے۔

اچانک کئی سال بعد دیکھتا ہوں کہ وہی طالب علم ،آیا ہوا ہے۔ تعارف کرایا کہ وہی طالب العلم ہوں جو قانونا مدرسہ کی امداد کا مستحق نہ تھا۔ حضرت نے پوچھا کہ اس عرصے میں تم کہاں رہے؟ یہی قصہ اب سننے کا ہے، جو اس نے بیان کیا، کہنے لگا کہ حضرت سے رخصت ہو کر غالبا وہ پنجاب کی طرف کسی علاقہ میں چلا گیا، اور کسی قصبہ کی مسجد میں لوگوں نے ان کو امام کی جگہ دے دی، قصبہ والے ان سے کافی مانوس ہوگئے، اور اچھی گزر بسر ہونے لگی اسی عرصہ میں کوئی مولوی گشت کرتے ہوئے اسی قصبہ میں بھی آدھمکے وعظ و تقریر کا سلسلہ شروع کیا، لوگ ان کے کچھ معتقد ہوئے انہوں نے دریافت کیا کہ یہاں کی مسجد کا امام کون ہے کہا گیا کہ دیوبند کے پڑھے ہوئے ایک مولوی صاحب ہیں، دیوبند کا نام سننا تھا کہ واعظ مولانا صاحب آگ بگولہ ہوگئے، اورفتوٰی دے دیا کہ اس عرصے میں جتنی نمازیں اس دیوبندی کے پیچھے تم نے پڑھی ہیں۔ وہ سرے سے ادا ہی نہیں ہوئیں اورجیسا کہ دستور ہے، دیوبندی یہ ہیں، وہ ہیں، یہ کہتے ہیں، وہ کہتے ہیں، اسلام کے دشمن ہیں رسول اللہ ﷺ سے عداوت رکھتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

قصباتی مسلمان بچارے سخت حیران ہوئے کہ مفت میں اس مولوی پر روپے بھی برباد ہوئے اور نمازیں بھی برباد ہوئیں۔ ایک وفد اس غریب دیوبندی امام کے پاس پہنچا، اور مستدعی ہوا کہ مولانا واعظ صاحب جو ہمارے قصبہ میں آئے ہیں، ان کے جو الزامات ہیں یا تو ان کا جواب دیجئے ورنہ پھر بتائیے کہ ہم لوگ آپ کے ساتھ کیا کریں۔ جان بھی غریب کی خطرے میں آگئی اورنوکری ووکری کا قصہ تو ختم شدہ ہی معلوم ہونے لگا چونکہ علمی مواد بھی ان کا معمولی تھا، خوف زدہ ہوئے کہ خدا جانے یہ واعظ مولانا صاحب کس پائے کے عالم ہیں۔ منطق و فلسفہ بکھیریں گے اور میں غریب اپنا سیدھا سادہ ملا ہوں، ان سے بازی لے بھی جاسکتا ہوں یانہیں، تاہم چارہ کار اس کے سوا اور کیا تھا کہ مناظرہ کا وعدہ ڈرتے ڈرتے کرلیا، تاریخ اورمحل و مقام سب طے ہوگیا واعظ مولانا صاحب بڑے زبردست عمامہ طویلہ وعریضہ سر پر لپیٹے ہوئے کتابوں کے پشتارے کے ساتھ مجلس میں اپنے حواریوں کے ساتھ جلوہ فرما ہوئے، ادھر یہ غریب

دیوبندی امام منحنی وضعیف مسکین شکل، مسکین آواز خوف زدہ، لرزاں وترساں بھی اللہ اللہ کر کے سامنے آیا، سننے کی بات ہے، جو اس کے بعد اس دیوبندی امام نے مشاہدہ کے بعد بیان کی، کہتے تھے کہ مولانا واعظ صاحب کے سامنے میں بھی بیٹھ گیا، ابھی گفتگو شروع نہیں ہوئی تھی کہ اچانک اپنے بازو میں مجھے محسوس ہوا کہ ایک شخص اور جسے میں نہیں پہچانتا تھا وہ بھی آ کر بیٹھ گیا ہے، اور مجھ سے وہ اجنبی اچانک نمودار ہونے والی شخصیت کہتی ہے، کہ ہاں، گفتگو شروع کرو اور ہرگز نہ ڈرو، دل میں غیر معمولی قوت اس سے پیدا ہوئی، اس کے بعد کیا ہوا، دیوبندی امام صاحب کا بیان ہے کہ میری زبان سے کچھ فقرے نکل رہے تھے، اور اس طور پر نکل رہے تھے کہ میں خود نہیں جانتا تھا کہ کیا کہہ رہا ہوں، جس کا جواب مولانا واعظ صاحب نے ابتداء میں تو دیا، لیکن سوال و جواب کا سلسلہ ابھی دراز بھی نہیں ہوا تھا کہ یک دفعہ مولانا واعظ صاحب کو دیکھتا ہوں کہ اٹھ کھڑے ہوئے میرے قدموں پر سر ڈالے ہوئے اور رو رہے ہیں پگڑی بکھری ہوئی ہے۔ اور کہتے جاتے ہیں میں نہیں جانتا تھا کہ آپ اتنے بڑے عالم ہیں للہ معاف کیجئے، آپ جو فرما رہے ہیں یہ صحیح اور درست ہے، میں غلطی پر تھا، یہ منظر ہی ایسا تھا کہ مجمع دم بخود تھا، کیا سوچ کر آیا تھا اور کیا دیکھ رہا تھا۔ دیوبندی امام صاحب نے کہا کہ اچانک نمودار ہونے والی شخصیت میری نظر سے اس کے بعد اوجھل ہوگئی، اور کچھ نہیں معلوم کہ وہ کون تھے۔ اور یہ قصہ کیا تھا۔

حضرت شیخ الہند فرماتے تھے، میں نے ان مولوی صاحب سے دریافت کیا کہ اچانک نمودار ہو کر غائب ہوجانے والی شخصیت کا حلیہ کیا تھا؟ حلیہ جو بیان کیا فرماتے تھے کہ سنتا جاتا تھا، اور حضرت الاستاذ کا ایک ایک خال و خط نظر کے سامنے آتا چلا جا رہا تھا، جب وہ بیان ختم کر چکے تو میں نے ان سے کہا کہ یہ تو حضرت الاستاذ رحمۃ اللہ علیہ تھے جو تمہاری امداد کے لئے حق تعالیٰ کی طرف سے ظاہر ہوئے۔

(سوانح قاسمی ص ۳۳۰ تا ۳۳۲ ج ۱)۔

سوانح نگار مقلد مناظر احسن گیلانی مذکورہ حکایت کے حاشیہ میں فرماتے ہیں۔

وفات یافتہ بزرگوں کی روحوں سے امداد کے مسئلے میں علمائے دیوبند کا خیال بھی وہی ہے جو عام اہل سنت والجماعت کا ہے۔ (حاشیہ سوانح قاسمی ص ۳۳۲ ج ۱)۔

ملاحظہ کیجئے مبتدعین دیابنہ نے کتنے مشرکانہ عقائد کا برملا اعتراف کرلیا ہے۔

(۱) ان کی غیب دانی کی قوت مان لی، نانوتوی صاحب نے عالم برزخ میں معلوم کرلیا کہ فلاں مقام پر ایک مسکین دیوبندی مولوی مناظرہ میں ہار رہا ہے۔

(۲) ان کے حق میں یہ بات بھی تسلیم کرلی کہ قبر سے نکل کر جسم کے ساتھ جہاں چاہے جاسکتے ہیں۔

(۳) مرنے کے بعد زندوں کی مدد کرنے کا انہیں اختیار ہے۔

(۴) اور دیوبندی ارواح اولیاء سے مدد طلب کرنے کے قائل ہیں۔

علم فی الاصلاب:

حافظ سید محمد اکبر شاہ بخاری دیوبندی فرماتے ہیں کہ: ایک دفعہ حضرت خواجہ محکم الدین سیرانی کا گزر بستی بھر چونڈی سے ہوا بستی کے باہر ایک شخص کھیت میں ہل چلا رہا تھا، جسے دور سے دیکھتے ہی حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ اپنے گھوڑے سے اتر پڑے اور جا کر بڑے ادب و احترام کے ساتھ اس کا مصافحہ ومعانقہ فرمایا، خیر وعافیت دریافت کی اور پھر الٹے قدموں واپس جا کر آگے کو روانہ ہوئے، کچھ عرصہ واپسی کے موقعہ پر حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا گزر اسی راستے سے ہوا، اتفاق سے وہی شخص اسی طرح اپنے کھیت میں ہل چلا رہا تھا اب کی بار حضرت نے اسکی طرف کوئی توجہ نہ دی وہ ہل روک کر دوڑ کر ملنے آیا معمولی سلام علیک کے بعد حضرت خواجہ آگے چل دیئے خدام آپ کے پہلے پرتپاک رویے اور اب کی بے توجہی سے حیران وششدر رہ گئے، آخر ایک خادم نے اس کا سبب پوچھ ہی لیا۔ حضرت نے جواب دیا، پہلی بار اس شخص کی پیشانی پر اس کے ہونے والے فرزند ایک مرد کامل کا نور ولایت چمک رہا تھا۔ جو ایک عالم کو اپنے نور معرفت سے جگمگائے گا۔

مگر اب کے اس کے ماتھے پر وہ نور مجھے نظر ہی نہیں آیا۔ جو غالبا اب بطن مادر میں منتقل ہوگیا، پچھلی دفعہ سب عزت وتکریم اور پیشوائی اسی کے لئے تھی۔

بارہویں صدی کے آخری عشرہ میں میاں محمد ملوک کے ہاں بزرگ کی پیش گوئی کے مطابق حضرت سید العارفین حافظ محمد صدیق رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت باسعادت ہوئی۔

(تذکرہ اولیائے دیوبند ص۱۵۵،۱۵۶)۔

علم فی الارحام:

مقلد مولوی قاسم نانوتوی راوی ہیں کہ: شاہ عبدالرحیم صاحب ولایتی کے ایک مرید تھے، جن کا نام عبداللہ خاں تھا اور قوم کے راجپوت تھے اور یہ حضرت کے خاص مریدوں میں تھے، ان کی حالت یہ تھی کہ اگر کسی کے گھر میں حمل ہوتا اور وہ تعویذ لینے آتا تو آپ فرما دیا کرتے تھے کہ تیرے گھر میں لڑکی ہوگی یا لڑکا، اور جو آپ بتلا دیتے تھے وہی ہوتا تھا۔

(ارواح ثلاثہ ص۱۴۸ حکایت ۱۴۷)۔

نام نامی اشرف علی ہے۔ یہ نام حضرت حافظ غلام مرتضیٰ صاحب پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے جو اس زمانہ کے مقبول عام اور مشہور انام اہل خدمت مجذوب تھے، قبل ولادت حضرت والا بلکہ قبل استقرار حمل ہی بطور پشین گوئی تجویز فرمادیا تھا۔ (اشرف السوانح ص۱۰ ج۲)۔

انہوں نے حضرت حافظ غلام مرتضیٰ صاحب سابقہ مجذوب پانی پتی سے (جو اتفاق سے نانا صاحب کے تعلقات سابقہ کی وجہ سے تشریف لائے ہوئے تھے) شکایت کی کہ حضرت میری اس لڑکی کے لڑکے زندہ نہیں رہتے، حافظ صاحب نے بطریق معما فرمایا کہ عمرو علی کی کشاکشی میں مرجاتے ہیں اب کی بار علی کے سپرد کردینا زندہ رہے گا اس مجذوبانہ معما کو کوئی نہ سمجھا لیکن والدہ صاحبہ نے اپنی فہم خدا داد اور نور فراست سے اس کو حل کیا اور فرمایا کہ حافظ صاحب کا یہ مطلب ہے کہ لڑکوں کے باپ فاروقی ہیں اور ماں علوی اور اب تک جو نام رکھے گئے وہ باپ کے نام پر رکھے گئے، یعنی فضل حق وغیرہ اب کی بار جو لڑکا ہو اس کا نام نانہال کے ناموں کے مطابق رکھا جائے۔ جس کے آخر میں علی ہو، حافظ صاحب یہ سن کر ہنسے اور فرمایا کہ واقعی میرا یہی مطلب ہے، یہ لڑکی بڑی عقلمند معلوم ہوتی ہے، پھر فرمایا کہ اس کے دو لڑکے ہوں گے، اور زندہ رہیں گے ایک کا نام اشرف علی خاں رکھنا اور دوسرے کا اکبر علی خاں، نام لیتے وقت خاں اپنی طرف سے جوش میں آکر بڑھا دیا تھا۔ کسی نے پوچھا کہ حضرت کیا وہ پٹھان ہوں گے؟ فرمایا نہیں، اشرف علی اور اکبر علی نام رکھنا، یہ بھی فرمایا کہ دونوں صاحب نصیب ہوں گے، یہ بھی فرمایا کہ ایک میرا ہوگا وہ مولوی ہوگا، اور حافظ ہوگا، اور دوسرا دنیا دار ہوگا، چنانچہ یہ سب پیشین گوئیاں حرف بحرف راست نکلیں، حضرت والا فرمایا کرتے ہیں کہ یہ جو میں کبھی کبھی اکھڑی اکھڑی باتیں کرنے لگتا ہوں ان ہی مجذوب صاحب کی روحانی توجہ کا اثر ہے جن کی دعا سے میں پیدا ہوا ہوں۔ (سوانح اشرف ص ۲۰ ج ۱)۔

سینے کا راز معلوم:

متبدعین دیابنہ کا علامہ ولی محمد اپنے شیخ رشید احمد صاحب کے متعلق فرماتے ہیں کہ:

حضرت کے سامنے جاتے مجھے بہت ڈر معلوم ہوتا ہے کیونکہ قلب کے وساوس (وسوسے) اختیار میں نہیں اور حضرت ان پر مطلع ہوجاتے ہیں۔ (تذکرۃ الرشید ص ۲۲۷ ج ۲)۔

مولانا شاہ عبد الرحیم صاحب رائپوری کا قلب بڑا نورانی تھا، میں ان کے پاس بیٹھنے سے ڈرتا تھا کہ کہیں میرے عیوب منکشف نہ ہوجائیں۔ (ارواح ثلاثہ ص ۳۴۰ حکایت ۴۳۷)۔

حضرت حافظ صالح دام مجدہ کی شاگردی کے زمانے میں اکثر حضرت مولانا گنگوہی قدس سرہ کے محامد و مناقب ان کے کان میں پڑتے مگر یہ متاثر نہ ہوتے اور یوں خیال کیے ہوئے تھے کہ جب تک حضرت پیران پیر رحمۃ اللہ علیہ خواب میں تشریف لاکر خود ارشاد فرماویں گے کہ فلاں شخص سے بیعت ہو، اس

وقت تک بطور خود کسی سے بیعت نہ کروں گا اسی حالت میں ایک مدت گزر گئی کہ یہ اپنے خیال پر جمے رہے، آخر ایک شب حضرت پیران پیر قدس سرہ کی زیارت سے مشرف ہوئے حضرت شیخ نے یوں ارشاد فرمایا کہ اس زمانہ میں مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی کو حق تعالیٰ نے وہ علم دیا ہے کہ جب کوئی حاضر ہونے والا السلام علیکم کہتا ہے تو آپ اس کے ارادہ سے واقف ہوجاتے ہیں اور جو ذکر و شغل اس کے مناسب ہوتا ہے وہی بتلاتے ہیں۔

(تذکرۃ الرشید ص ۳۱۲ ج ۲)۔

موت و حیات کا اختیار:

مقلد مناظر احسن گیلانی کی تالیف سوانح قاسمی کے حاشیہ میں مقلد قاری محمد طیب فرماتے ہیں۔

حضرت نانوتوی مباحثہ شاہجہاں پور کے لئے روانہ ہوئے تو شاہجہاں پور کے قریب کسی گاؤں کے چند غریب سنیوں نے حضرت کو لکھا کہ جاتے یا آتے حضرت والا اس گاؤں کو اپنے قدوم سے عزت بخشیں اور ہمیں کچھ پند و نصیحت فرما دیں تاکہ ہمارے لئے صلاح و فلاح اور تقویہ کا باعث ہو، حضرت والا نے بخوشدلی ان کی دعوت منظور فرما لی، جیسا کہ غرباء کی دعوت و پیشکش بطور بطوع و رغبت قبول فرمانے کی عادت تھی، اور جاتے یا آتے ہوئے اس گاؤں میں اترے شیعوں میں اس سے کھلبلی مچی، فکر یہ تھا کہ ایسا نہ ہو کہ ان کے وعظ کا اثر شیعوں پر ہوجائے اور شیعہ دباؤ کی تنظیم ٹوٹ جائے، تو انہوں نے اس متوقعہ اثرات کی کاٹ کے لئے لکھنو سے چار شیعہ مجتہد تاریخ مقررہ پر بلائے اور پروگرام یہ طے پایا کہ مجلس میں چاروں کونوں پر یہ چاروں مجتہد بیٹھ جائیں اور چالیس اعتراضات منتخب کر کے دس دس اعتراض چاروں پر بانٹ دیئے گئے کہ اثنائے وعظ اس طرح کئے جائیں کہ اول فلاں سمت کا مجتہد دس اعتراض کرے، اس طرح سے حضرت نمٹیں، تو دوسرے کونا کا اور پھر اسی طرح تیسرے اور چوتھے کونا کا، اور اس طرح وعظ نہ ہونے دیا جائے، ان ہی اعتراض و جواب میں مبتلا کر کے وقت ختم کردیا جائے، اب غیبی مدد اور حضرت والا کی کرامت کا حال سنئے کہ حضرت والا نے وعظ شروع فرمایا، جس میں گاؤں کے تمام شیعہ برادری بھی جمع تھی، اور وعظ اسی ترتیب سے اعتراضوں کے جواب پر مشتمل شروع ہوا جس ترتیب سے اعتراضات لے کر مجتہدین بیٹھے تھے، گویا ترتیب کے مطابق جب کوئی مجتہد اعتراض کرنے کے لئے گردن اٹھاتا تو حضرت اسی اعتراض کو خود نقل کر کے جواب دینا شروع فرماتے، یہاں تک کہ وعظ پورے سکون کے ساتھ پورا ہوگیا اور شیعوں کے ان مقررہ شبہات کے مکمل حل سے گاؤں کے شیعہ اس قدر مطمئن اور متشرح ہوئے کہ اکثریت نے توبہ کر لی اور سنی ہوگئے۔

مجتہدین اور مقامی شیعہ چودھریوں کو اس میں اپنی انتہائی سبکی اور خفت محسوس ہوئی تو انہوں نے

حرکت مذبوحی کے طور پر اس شرمندگی کو مٹانے اور حضرت والا کے اثرات کا ازالہ کے لئے یہ تدبیر کی کہ ایک نوجوان لڑکے کا فرضی جنازہ بنایا اور حضرت سے آکر عرض کیا کہ حضرت نماز جنازہ آپ پڑھا دیں، پروگرام یہ تھا کہ جب حضرت دو تکبیریں کہہ لیں تو صاحب جنازہ ایک دم اٹھ کر کھڑا ہو، اور اس پر حضرت کے ساتھ استہزا اور تمسخر کیا جائے، حضرت والا نے معذرت فرمائی کہ آپ لوگ شیعہ ہیں اور میں سنی، اصول نماز الگ الگ ہیں۔ آپ کے جنازہ کے نماز مجھ سے پڑھوانے میں جائز کب ہوگی؟ شیعوں نے کہا کہ حضرت بزرگ ہر قوم کا بزرگ ہی ہوتا ہے، آپ نماز پڑھا ہی دیں، حضرت نے ان کے اصرار پر منظور فرمالیا۔ اور جنازہ پر پہنچ گئے مجمع تھا، حضرت ایک طرف کھڑے ہوئے تھے کہ چہرہ پر غصہ کے آثار دیکھے گئے، آنکھیں سرخ تھیں، اور انقباض چہرہ سے ظاہر تھا۔ نماز کے لئے آگے بڑھے اور نماز شروع کی، دو تکبیریں کہنے پر جب طے شدہ کے مطابق جنازہ میں حرکت نہ ہوئی تو پیچھے سے کسی نے ہونٹھ کے ساتھ صاحب جنازہ کو اٹھ کھڑے ہونے کی سنسکار دی، مگر وہ نہ اٹھا، حضرت نے تکبیرات اربعہ پوری کر کے اسی غصہ کے لہجہ میں فرمایا کہ، اب یہ قیامت کی صبح سے پہلے نہیں اٹھ سکتا، دیکھا گیا تو مردہ تھا، شیعوں میں رونا پیٹنا پڑ گیا، اور بجائے حضرت والا کی سبکی کے خود ان کی سبکی اور سبکی ہی نہیں سب کی موت آگئی۔

(حاشیہ سوانح قاسمی ص ۱۷۰ ج۲)۔

حضرت حافظ احمد حسن صاحب شاہجہاں پوری جو باوجود شاہجہاں پور کے بڑے رئیس ہونے کے صاحب سلسلہ بزرگ بھی تھے، حضرت والا (مولوی اشرف علی تھانوی) سے بہت محبت فرماتے تھے ایک بار کسی کے لئے بد دعا کی تو وہ شخص دفعۃً مرگیا بجائے اس کے اپنی کرامت سے خوش ہوتے ڈرے اور بذریعہ تحریر حضرت والا سے مسئلہ پوچھا کہ مجھے قتل کا گناہ تو نہیں ہوا، حضرت والا نے نہایت مفصل جواب دیا، جس سے ان کی پوری تشفی ہوگئی، خلاصہ جواب کا یہ تھا کہ اگر آپ میں قوت تصرف ہے اور بد دعا کرنے کے وقت آپ نے اس قوت سے کام لیا تھا یعنی یہ خیال قصد اور قوت کے ساتھ کیا تھا کہ یہ شخص مرجائے تب تو قتل کا گناہ ہوا اور چونکہ یہ قتل شبہ عمد ہے، اس لئے دیت اور کفارہ واجب ہوگا۔

(اشرف السوانح ص۱۲۸ ج۱)۔

مقلد قاری فخر الدین صاحب گیاوی اپنے والد مقلد خیر الدین دیوبندی کے متعلق ایک روایت درج کرتے ہیں کہ: ابتدا میں (والد کی) کوئی اولاد نہیں رہتی تھی کئی اولاد ہوئی مگر اللہ کو پیاری ہوگئی، خوبی قسمت سے ایک گہرے ملاقاتی عالم پنجابی جو بہت بڑے عامل بھی تھے، گیا تشریف لائے مولانا نے اولاد زندہ نہ رہنے کا حال ان سے کہا، انہوں نے کہا ایک عمل ہے اس کو کیجئے ان شاء اللہ اولاد نرینہ ہوگی اور زندہ رہے گی، جب حمل کو چوتھا مہینہ ہو تو حاملہ کے پیٹ پر اپنی انگلی سے بغیر روشنی کے محمد، لکھ

نفع ونقصان کا علم:

تذکرہ الرشید کے مصنف فرماتے ہیں:

مولوی عبد السبحان انسپکٹر پولیس ضلع گوالیار فرماتے ہیں کہ مولوی محمد قاسم صاحب کمشنر بندبست ریاست گوالیار ایک بار پریشانی میں مبتلا ہوئے اور ریاست کی طرف تین لاکھ روپے کا مطالبہ ہوا۔ ان کے بھائی یہ خبر پاکر حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں گنج مراد آباد پہنچے حضرت مولانا نے وطن دریافت کیا، انہوں نے عرض کیا دیوبند، مولانا نے تعجب کے ساتھ فرمایا گنگوہ حضرت مولانا کی خدمت میں قریب تر کیوں نہ گئے، اتنا دراز سفر کیوں اختیار کیا؟ انہوں نے عرض کیا کہ حضرت یہاں مجھے عقیدت لائی ہے۔ مولانا نے ارشاد فرمایا تم گنگوہ ہی جاؤ، تمہاری مشکل کشائی حضرت مولانا رشید احمد صاحب ہی کی دعا پر موقوف ہے، اور تمام روئے زمین کے اولیاء بھی اگر دعا کریں گے تو نفع نہ ہوگا۔ (تذکرۃ الرشید ص۲۱۵ ج۲)۔

صوفی کرم حسین صاحب ایک مرتبہ بیمار ہوئے اور چند روز کے بعد صحت ہوگئی ان کے مکان سے طلبی کا خط پہنچا تو انہوں نے روانگی کا قصد کیا، حضرت سے رخصت ہونے لگے تو خلاف عادت فرمانے لگے، کرم حسین! کل کو مت جاؤ تین روز بعد جانا، ارادہ کا فسخ طبع کو گراں تو ہوا مگر ٹھہر گئے، اگلے دن دفعۃً تپ لرزہ آیا وہ بھی اس شدت کے ساتھ کہ عشاء کے وقت تک اٹھ ہی نہ سکے، اس وقت خیال ہوا کہ آج راستہ میں ہوتا تو کیا مزہ آتا۔ (تذکرۃ الرشید ص۲۲۶ ج۲)۔

دار العلوم دیوبند میں ایک مدرس مولوی محمد یٰسین تھے وہ گنگوہ میں مولوی رشید احمد کے ہاں حاضر ہوئے، پھر رخصت کی اجازت لینے کے لئے خلوت گاہ میں گئے تو مولانا نے اصرار کے باوجود اجازت نہ تھی، انہوں نے کہا کل کو بندہ کا مدرسہ میں حاضر ہونا ضروری ہے، انہوں نے فرمایا کہ مدرسے کے حرج کا تو مجھے بھی خیال ہے، لیکن تمہاری تکلیف کی وجہ سے کہتا ہوں کہ ناحق راستے میں مارے مارے پھرو گے، سخت تکلیف اٹھاؤ گے، باوجود حضرت کے بار بار اس فرمانے کے ہمیں مطلق خیال نہ ہوا کہ شیخ ہرچہ گوید دیدہ گوید، (یعنی شیخ جو کچھ کہتا ہے دیکھ کر کہتا ہے) اپنی ہی کہے گئے۔ (تذکرۃ الرشید ص۲۲۲ ج۲)۔

اس کے بعد انہوں نے بوجہ راستہ بھول جانے کے رات بھر مارے مارے پھرنے کی تفصیل بیان کی ہے۔

تقدیر پر اختیار:

تذکرۃ الرشید کا مقلد مؤلف لکھتا ہے کہ

جس زمانے میں مسئلہ امکان کذب پر آپ کے مخالفین نے شور مچایا اور تکفیر کا فتویٰ شائع کیا، سائیں توکل شاہ انبالوی کی مجلس میں کسی مولوی نے حضرت امام ربانی قدس سرہ کا ذکر کیا اور کہا کہ امکان کذب باری کے قائل ہیں، یہ سن کر سائیں توکل شاہ نے گردن جھکالی اور تھوڑی دیر مراقب رہ کر منہ اوپر اٹھا کر اپنی پنجابی زبان میں یہ الفاظ فرمائے لوگو! کیا کہتے ہو؟ میں مولوی رشید احمد صاحب کا قلم عرش کے پرے چلتا ہوا دیکھ رہا ہوں۔ (تنذکرة الرشيد ص ۳۲۲ ج ۲)۔

مولوی ولایت علی صاحب فرماتے ہیں کہ میرے ہمراہ سفر حج میں ایک حکیم صاحب ساکن انبالہ تھے جو اعلیٰ حضرت حاجی (امداد اللہ) کے مرید تھے، اسی تعلق سے ان کو حضرت امام ربانی کے ساتھ تعارف بلکہ غایت عقیدت تھی وہ فرمانے لگے، میرا عقیدہ ہے کہ مولانا کی زبان سے جو بات نکلتی ہے، تقدیر الٰہی کے مطابق ہوتی ہے۔ (تنذکرة الرشيد ص ۲۱۹ ج ۲)۔

فوق الاسباب قدرت:

حاجی دوست محمد خاں صاحب زادہ عبدالوہاب خاں ایک شخص کے معتقد ہوگئے، اور بیعت کا قصد کیا وہ شخص جن سے بیعت ہونا چاہتے تھے محض صورت کے درویش تھے اور واقع میں پکے، دنیا دار اس لئے دوست محمد خاں کو صاحبزادہ کی یہ کجی پسند نہ آئی اور کئی بار منع کیا کہ اس شخص سے مرید نہ ہو، عبدالوہاب بعض خوارق دیکھ کر ایسے ریجھے کہ باپ کا کہنا بھی ناگوار گزرا مانا تو درکنار ادھر پیر صاحب کو فخر تھا کہ دوست محمد خاں کا لڑکا پولیس کا کوتوال مرید ہوتا ہے آخر حاجی صاحب نے جب اپنے بیٹے کا اصرار دیکھا تو باقتضاء محبت دست بدعا ہوئے اور مراقب ہو کر حضرت کی جانب متوجہ ہو کر خلوت میں جا بیٹھے عبدالوہاب خاں پیر کے پاس آئے اور مؤدب دو زانو بیٹھ گئے، بے اختیار پیر کی زبان سے نکلا اول باپ سے اجازت لے آؤ اس کے بغیر بیعت مفید نہیں ہے،غرض ہاتھ بیعت کے لئے تھا مگر چھوڑ دیئے اور انکار فرما دیا، حاجی صاحب فرمایا کرتے تھے کہ جس وقت میں امام ربانی کی طرف متوجہ ہوا تو دیکھا حضرت غایت شفقت کے ساتھ عبدالوہاب کا ہاتھ پکڑ کر میرے ہاتھ میں پکڑاتے اور یوں فرماتے لو اب یہ اس کا مرید نہ ہوگا۔ یہ وہی وقت تھا کہ انہوں (پیر) نے عبدالوہاب کا ہاتھ چھوڑا اور یہ کہہ کر بیعت لینے سے انکار کیا کہ باپ سے اجازت لے آؤ۔

(تذکرة الرشید ص ۲۱۶ ج ۲)۔

مقلد مفتی عزیز الرحمٰن بجنوری مقلد مولوی حسین احمد صاحب کے ایک مرید کا واقعہ نقل کرتے ہیں، جو اسے آسام کے ایک پہاڑی علاقہ میں پیش آیا تھا، فرماتے ہیں: بالی زندی مولوی بازار کے ایک صاحب آزادی سے قبل ڈھاکہ میں شیلانگ بذریعہ موٹر جارہے تھے،صوبہ آسام اکثر حصہ پہاڑی ہے، اس میں

موٹر یا بس چلنے کا جو راستہ ہے وہ بہت تنگ ہے، فقط ایک گاڑی جا سکتی ہے، دو کی گنجائش نہیں، یہ صاحب حضرت کے مرید تھے، جب نصف راستہ طے ہو گیا تو دیکھا کہ سامنے سے گھوڑا بڑے اوروں سے آ رہا ہے، اس شخص اور دیگر تمام حضرات کو خطرہ پیدا ہوا اب کیا ہوگا موٹر روک لی لیکن اس کے باوجود بھی بڑی تشویش تھی کیونکہ گھوڑا بلا سواری بڑی تیزی سے دوڑا آ رہا تھا، راوی کا کہنا ہے کہ اس شخص نے دل میں سوچا کہ اگر پیرو مرشد ہوتے تو دعا کرتے، ابھی اتنا سوچا ہی تھا کہ حضرت شیخ گھوڑے کی لگام پکڑ کر کہیں غائب ہو گئے۔ (انفاس قدسیہ ص ۱۸۱)

یہ لوٹا کس مٹی کا ہے:

مقلد میر واجد علی قنوجی فرماتے ہیں کہ میرے مرشد حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نے مجھ سے بیان فرمایا کہ میں ایک مرتبہ گنگوہ گیا خانقاہ میں ایک کورا بندھنا رکھا ہوا تھا، میں اس کو اٹھا کر کنوئیں میں سے پانی کھینچا اور اس میں پانی بھر کے پیا تو پانی کڑوا تھا، ظہر کی نماز کے وقت حضرت سے ملا اور یہ قصہ بھی عرض کیا، آپ نے فرمایا کنویں کا پانی تو میٹھا ہے کڑوا نہیں، میں نے وہ کورا بندھنا پیش کیا جس میں پانی بھرا تھا۔ حضرت نے بھی چکھا تو بدستور تلخ تھا، آپ نے فرمایا اچھا اس کو رکھ دو، یہ فرما کر ظہر کی نماز میں مشغول ہو گئے، سلام پھیرنے کے بعد حضرت نے نمازیوں سے فرمایا کہ کلمہ طیبہ جس قدر پڑھا جائے پڑھو اور خود بھی حضرت نے پڑھنا شروع کیا، تھوڑی دیر کے بعد حضرت نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے اور نہایت خشوع وخضوع کے ساتھ دعا مانگ کر ہاتھ منہ پر پھیر لئے اس کے بعد بندھنا اٹھا کر پانی پیا تو شیریں تھا، اس وقت مسجد میں جتنے نمازی تھے، سب نے چکھا کسی قسم کی تلخی اور کڑواہٹ نہ تھی تب حضرت نے فرمایا اس بندھنے کی مٹی اس قبر کی ہے جس پر عذاب ہو رہا تھا، الحمد للہ کلمہ کی برکت سے عذاب رفع ہو گیا۔ (تذکرۃ الرشید ص ۲۱۲ ج ۲)۔

شفاء پر قدرت:

حاجی صاحب مرحوم کی اہلیہ ایک بار سخت علیل ہوئیں فہم معدہ میں اس شدت سے درد ہوتا کہ تڑپتی اور لوٹتی تھیں آخر غش آ جاتا اور بے ہوش ہو کر دم رک رک جاتا تھا اس درد کے متواتر دورے تقریباً دو ماہ تک ہوتے رہے آخر ایک دورہ ایسا سخت پڑا کہ بتیسی بند ہو گئی ہاتھ پاؤں کی نبضیں چھوٹ گئیں غشی طاری ہو گئی اور تمام جسم ٹھنڈا پڑ گیا، حاجی صاحب کو اہلیہ کے ساتھ محبت زیادہ تھی بیقرار ہو گئے پاس آ کر دیکھا تو حالت غیر تھی صرف سینہ میں سانس چلتا محسوس ہوتا تھا، زندگی سے مایوس ہو گئے رونے لگے اور سرہانے بیٹھ کر یٰسین شریف پڑھنی شروع کر دی، چند لمحے گزرے تھے کہ دفعتاً مریضہ نے آنکھیں کھول

دیں اور ایک لمبا سانس لے کر پھر آنکھیں بند کر لیں، سب نے سمجھ لیا کہ اب وقت آخیر ہے، حاجی دوست محمد خاں اس حسرت ناک نظارہ کو دیکھ نہ سکے، بے اختیار وہاں سے اٹھے اور مراقب ہو کر حضرت امام ربانی کی طرف متوجہ ہوئے کہ وقت آ گیا ہو تو خاتمہ بالخیر ہو اور زندگی باقی ہے تو یہ تکلیف جو متواتر تین دن سے ہو رہی ہے رفع ہو جائے، مراقبہ کرنا تھا کہ مریضہ نے آنکھیں کھول دیں اور باتیں کرنی شروع کر دیں نبضیں ٹھکانے آ لگیں اور افاقہ ہو گیا، دو تین دن میں قوت بھی آ گئی اور بالکل تندرست ہو گئیں۔ (تذکرۃ الرشید ص ۲۲۱ ج ۲)۔

مقلد مولوی حسین احمد مدنی کا مرید بیمار تھا اور اس کا پیر بھائی ڈاکٹر حافظ محمد زکریا راوی ہے کہ: میں بحیثیت معالج بلایا گیا تو دیکھتا ہوں کہ جسم بالکل بے حس و حرکت ہے، آنکھیں پتھرا گئی ہیں، آثار مرگ بظاہر نمایاں ہیں، یہ منظر دیکھ کر میں پریشان اور بے چین ہو گیا کہ ناگہاں مریض رفتہ رفتہ اپنا ہاتھ اٹھا کر کسی کو سلام کرتا ہے، پھر کہتا ہے کہ حضرت یہاں تشریف رکھئے، کچھ ہی دیر بعد اٹھ کر بیٹھ جاتا اور اپنے والد وغیرہ سے کہتا ہے کہ حضرت کہاں تشریف لے گئے، جواب میں لوگ کہتے ہیں کہ حضرت تو یہاں تشریف فرما نہیں تھے، وہ حیرت سے کہتا ہے کہ حضرت تو تشریف لائے تھے۔ اور میرے چہرے اور بدن پر ہاتھ پھیر کر فرمایا تھا کہ اچھے ہو جاؤ گے گھبراؤ نہیں۔ (ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں) کہ ابھی میں بیٹھا ہی تھا کہ دیکھتا ہوں کہ بخار ایک دم غائب ہے اور وہ بالکل تندرست اچھا ہے۔ (شیخ الاسلام نمبر ۱۶۳)۔

طے الارض:

مقلد مولوی محمود الحسن صاحب نگینوی فرماتے ہیں کہ میری خوش دامن صاحبہ جو اپنے والد کے ہمراہ مکہ معظّمہ میں بارہ سال تک مقیم رہیں۔ نہایت پارسا اور عابدہ و زاہدہ تھیں، سینکڑوں احادیث بھی ان کو حفظ تھیں، انہوں نے مجھ سے فرمایا کہ بیٹا! حضرت (گنگوہی) کے بہت شاگرد مرید ہیں مگر کسی نے حضرت کو نہیں پہچانا۔ جن ایام میں میرا قیام مکہ معظّمہ میں تھا، روزانہ میں نے صبح کی نماز حضرت (گنگوہی) کو حرم شریف میں پڑھتے دیکھا اور لوگوں سے سنا بھی کہ یہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی ہیں گنگوہ سے تشریف لایا کرتے ہیں۔ (تذکرۃ الرشید ص۲۱۲ ج ۲)۔

عرصہ دراز ہوا کہ ایک صاحب نے خود احقر سے یہیں خانقاہ میں بایں عنوان اپنا واقعہ بیان کیا کہ گو دیکھنے میں تو حضرت والا یہاں بیٹھے ہوئے ہیں لیکن کیا خبر اس وقت کہاں پر ہوں، کیونکہ ایک بار خود حضرت والا کو باوجود کہ تھانہ بھون میں ہونے کے علی گڑھ دیکھ چکا ہوں وہاں نمائش تھی اور اس کے اندر سخت آگ لگی ہوئی تھی، میں بھی اس نمائش میں اپنی دوکان لے گیا تھا جس روز آگ لگنے والی تھی، اس روز خلاف معمول عصر ہی کے وقت سے میرے قلب کے اندر ایک وحشت سی پیدا ہونے لگی تھی جس کا

یہ اثر ہوا کہ باوجود اس کے اصل بکری کا وقت وہی تھا لیکن میں نے اپنی دوکان کا سارا ساز وسامان قبل از وقت ہی سمیٹ کر بکسوں میں بھرنا شروع کردیا، جب بعد مغرب آگ لگنے کا غل شور ہوا تو چونکہ میں اکیلا ہی تھا، اور بکس بھی بھاری تھے، اس لئے میں سخت پریشان ہوا کہ یا اللہ! دوکان سے باہر کیونکر لے جاؤں، اتنے میں کیا دیکھتا ہوں کہ دفعۃً حضرت والا نمودار ہوئے اور بکسوں میں سے ایک ایک بکس کے پاس تشریف لے جا کر فرمایا کہ جلدی سے اٹھاؤ! چنانچہ ایک طرف تو اس بکس کو خود اٹھایا اور دوسری طرف سے میں نے اٹھایا، اسی طرح تھوڑی دیر میں ایک ایک کر کے سارے بکس باہر رکھوا دیئے، اس آگ سے اور دوکانداروں کا تو بہت نقصان ہوا، لیکن بفضلہٖ تعالیٰ میرا سب سامان بچ گیا، اس واقعہ کو سن کر احقر (یعنی مرتب کتاب) نے ان سے پوچھا کہ آپ نے حضرت والا سے یہ نہ دریافت کیا آپ یہاں کہاں؟ اس پر انہوں نے کہا کہ اے جی پوچھنے کچھنے کا مجھ کو اس وقت ہوش ہی کہاں تھا، میں تو پریشانی میں مبتلا تھا۔

(اشرف السوانح ص۷۴ ج۳)۔

علم غیب:

منشی نثار علی اور گوہر خاں ملازم پلٹن نمبر۶۵ رخصت لے کر بارادہ بیعت لکھنؤ سے گنگوہ روانہ ہونے کو تیار ہوئے دروازہ پر سواری تک آکھڑی ہوئی، اتفاق سے کسی حاکم کی آمد کا تار آیا اور عین وقت پران کوافسر کے حکم سے رکنا پڑا، دس دن کے بعد فارغ ہو کر گنگوہ پہنچے تو حضرت نے صاف ارشاد فرمایا کہ تم دونوں صاحب فلاں روز روانہ ہونا چاہتے تھے مگر روک دے گئے، اور جب کھانا دسترخوان پر آیا تو کہنے لگے کہ آپ کے ساتھ دو ٹٹو بھی تو ہیں، آخر وہ بھی میرے مہمان ہیں اول ان کو گھاس دانہ پہنچنا چاہئے، حالانکہ دونوں ٹٹوں پر سوار ہونے کی اطلاع آپ کو کسی آدمی نے نہیں دی تھی۔ (تذکرۃ الرشید ۲۲۴ ج۲)۔

مولوی عبدالماجد دریا آبادی فرماتے ہیں:

بعض بزرگوں کے حالات حضرت نے اپنی زبان سے اس طرح ارشاد فرمائے کہ گویا، درحدیث دیگراں، بعینہٖ ہم لوگوں کے خیالات و جذبات کی ترجمانی ہو رہی ہے، دل نے کہا کہ دیکھو روشن ضمیر ہیں نا، سارے ہمارے مخفیات ان پر آئینہ ہوتے جارہے ہیں......... خیر اس وقت تو بڑا گہرا اثر غیب دانی اور کشف صدر کا لے کر اٹھا مجلس برخاست ہوئی۔ (حکیم الامت ص۲۸)۔

اگر عید کا چاند تیس کا ہونے والا ہوتا تو شاہ عبدالقادر صاحب اول روز تراویح میں ایک پارہ پڑھتے اور اگر انتیس کا چاند ہونے والا ہوتا تو شاہ عبدالقادر صاحب اول روز دو پارے پڑھتے، چونکہ اس کا

تجربہ ہو چکا تھا، اس لئے شاہ عبد العزیز صاحب اول روز آدمی بھیجتے تھے کہ دیکھ آؤ میاں عبد القادر نے آج کے پارے پڑھے ہیں۔ اگر آدمی کہتا کہ آج دو پڑھے ہیں تو شاہ صاحب فرماتے کہ عید کا چاند تو انتیس ہی کا ہوگا، یہ بات دوسری ہے کہ ابر وغیرہ کی وجہ سے دکھائی نہ دے، اور حجت شرعی نہ ہونے کی وجہ سے ہم رویت کا حکم نہ لگا سکیں، اس میں مولوی محمود حسن صاحب یہ اضافہ فرماتے تھے کہ یہ بات دہلی میں اس قدر مشہور ہوگئی تھی کہ بازار اور اہل پیشہ کے کاروبار اس پر مبنی ہوگئے۔ (ارواح ثلاثہ ص۴۸ حکایت نمبر۳٤)۔

مقلد مفتی عزیز الرحمٰن صاحب نے مقلد مولوی حسین احمد کے متعلق یہ روایت درج کی ہے کہ رمضان المبارک کے موقع پر بارہا ایسا ہوا ہے کہ جس دن آپ سورہ ، انا انزلنا، وتروں میں تلاوت فرماتے اس دن شب قدر ہوتی تھی، اور عید کی چاند رات کے بارے میں بھی بارہا تجربہ کیا کہ جس دن چاند رات ہوتی تھی، حضرت اسی دن صبح عید کا انتظام شروع کردیتے تھے، اورایک دن پیشتر قرآن شریف ختم کردیتے تھے، چاہئے ۲۹ تاریخ کیوں نہ ہو، حضرت کے اس طریقے کی بنا پر حضرت کا ہر خانقاہی بتا سکتا تھا کہ آج چاند رات ہے۔ (انفاس قدسیه۱۸۵)۔

مقلد مولوی اسعد میاں راوی ہیں کہ ایک سزا یافتہ قیدی نے منشی محمد حسین نامی کی معرفت مولوی حسین احمد صاحب سے دعا کی درخواست کرائی، اگلا واقعہ ان کی زبانی ملاحظہ کیجئے، منشی محمد حسین حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے بہت سر ہوئے فرمایا جاکر کہہ دو کہ وہ رہا ہوگیا، منشی محمد حسین صاحب نے اس قیدی سے جاکر کہہ دیا کہ وہ رہا ہوگیا، دو ایک روز گزرنے کے بعد اس قیدی نے پھر بے چینی کا اظہار کیا کہ اب تک کوئی حکم نہیں آیا اور میری پھانسی میں چند ہی روز رہ گئے ہیں، منشی محمد حسین نے پھر آکر عرض کیا تو فرمایا کہ میں نے تو کہہ دیا کہ وہ رہا ہوگیا، اس کے بعد دو ایک یوم پھانسی کو رہ گئے تھے، کہ اس کی رہائی کا حکم آگیا۔ (شیخ الاسلام نمبر صفحه۱٦۲)۔

دہلی کیمقلد مولوی عبد الوحید صدیقی نے، عظیم مدنی نمبر، کے نام سے اپنے اخبار نئی دنیا کا ایک نمبر شائع کیا تھا۔ اس میں موصوف نیمقلد مولوی حسین احمد کے دو واقعے مراد آباد کی جیل کے نقل کئے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ ایک دن حضرت کے نام پانوں کا پارسل آیا جس کا علم صرف نبرجی (جیلر) کو ہی تھا، اور کسی شخص کو نہ تھا، موصوف نے وہ پارسل بہ نظر احتیاط روک لیا۔ تھوڑے عرصہ کے بعد حسب معمول بارکوں کے معائنے کے لئے گئے، حضرت مدنی کے ساتھ اس وقت حافظ محمد ابراہیم صاحب اور دیگر حضرات تھے جیسے ہی جناب نبرجی صاحب کے سامنے آئے حضرت نے فرمایا کیوں صاحب! آپ نے میرا پانوں کا پارسل روک لیا ہے۔ خیر کچھ حرج نہیں، آج اس میں سے صرف چھ پان دے دیجئے پرسوں تک دوسرا پارسل آجائے گا۔

جناب نبر جی صاحب کو بڑا تعجب ہوا کہ اس واقعہ کا علم حضرت کو کیسے ہوا؟ موصوف نے چپکے سے پان لاکر حاضر کر دیئے۔ حضرت نے اس میں صرف چھ پان لے لئے اور بقیہ واپس فرما دیئے اور فرمایا کہ پارسل پرسوں تک آئے گا اس کو نہ روکئے گا تیسرے دن حسب ارشاد پانوں کا پارسل آیا اب موصوف کو خیال ہوا کہ یہ کوئی معمول شخص نہیں بلکہ کوئی پہنچے ہوئے فقیر معلوم ہوتے ہیں۔

(روزنامہ نئی دنیا دھلی کا عظیم مدنی نمبر ۲۰۸)۔

انہی دنوں جیل میں مولانا کے نام کہیں سے کوئی خط آیا تھا جس پر محکمہ سنسر کی مہر لگی ہوئی تھی، جیلر نے وہ خط مولانا کو دے دیئے، انسپکٹر جنرل کی طرف سے باز پرس ہوئی اور اس جرم میں جیلر کو معطل کر دیا گیا۔

اس واقعہ کے فورا بعد صاحب موصوف مولانا کی خدمت میں پہنچے دیکھتے ہی مسکرا کر مولانا نے فرمایا پان جو دیئے تھے، اس سے معطل ہوئے پان نہ دیتے تو کیا ہوتا، ان کو سخت حیرت تھی کہ یہ واقعہ ابھی ابھی دفتر میں ہوا ہے کسی کو خبر تک نہیں انہیں کیونکر علم ہوا، انہوں نے اپنی پریشانی کا اظہار کیا تو فرمایا ان شاء اللہ کل تک بحالی کا حکم آجائے گا، تم مطمئن رہو ان کی حیرت کی انتہا نہ تھی، دوسرے دن ڈاک میں جو پہلی چیز ہاتھ میں آئی وہ معطل کے حکم میں منسوخی اور بحالی تھی، اس واقعہ سے نبر جی صاحب اور دیگر عہدیداران جیل حضرت کے معتقد ہو گئے۔

(نئی دنیا دھلی کا عظیم مدنی نمبر صفحہ ۲۰۳)۔

بارش کب ہوگی:

مقلد مولوی جمیل الرحمٰن سیوہاروی مفتی دارالعلوم دیوبند ضلع بجنور کے ایک جلسہ کا ذکر کیا ہے کہ جس میں مقلد مولوی حسین احمد بھی شریک تھے، جلسہ کے وقت موسم ابر آلود ہو گیا، اگلا قصہ خود ان کی زبانی سنئے فرماتے ہیں کہ: اس دوران مین جامع الروایات (یعنی واقعہ نگار) کو جلسہ گاہ میں ایک برہنہ سر مجذوبانہ ہیئت کے غیر متعارف شخص نے علیحدہ لے جا کر ان الفاظ میں ہدایت کی کہ مولوی حسین احمد سے کہہ دو کہ اس علاقے کا صاحب خدمت میں ہوں اگر بارش ہٹوانا چاہتے ہیں تو یہ کام میرے توسط سے ہوگا، راقم الحروف اسی وقت خیمے میں پہنچا جس پر حضرت والا نے آہٹ پا کر وجہ معلوم فرمائی اور اس پیغام کو سن کر ایک عجیب پر جلال انداز میں بستر استراحت ہی پر سے ارشاد فرمایا، جایئے کہہ دیجئے بارش نہیں ہوگی۔ (شیخ الاسلام نمبر ص۱٤٧)۔

مقلد مولوی عبد الرشید صاحب رانی ساگری دیوبندی کی صاحبزادی ثامنہ صاحبہ اپنے والد کا واقعہ روایت کرتی ہیں کہ، جب ہمارا گھر بننے لگا تو والد صاحب قبلہ کی ہدایت کے مطابق سب سے پہلے

پائخانہ میں ہاتھ لگا وہ زمانہ برسات کا تھا، لیکن بارش نہیں ہو رہی تھی، دھان کی روپنی ہو چکی تھی۔ کسان سخت پریشان تھے، میں نے والد صاحب سے درخواست کی کہ بارش کے لئے دعا فرما دیجئے، فرمایا بارش کیسے ہوگی، اپنا پائخانہ جو بن رہا ہے، خراب ہوجائے گا، میں نے پوچھا کب تک پائخانہ بن جائے گا؟ بولے دیوار مکمل ہوگئی ہے رات کو چھت کی ڈھلائی ہوجائے گی، میں خاموش ہوگئی دو دن بعد خوب زور دار بارش شروع ہوگئی، والد صاحب گھر پر ہی تھے میں نے پوچھا بارش ہونے لگی اب تو پائخانہ میں نقصان ہوگا فرمانے لگے، نہیں بیٹی، اب فائدہ ہوگا، میں نے پھر پوچھا تو کیا پائخانہ ہی کے لئے بارش رکی ہوئی تھی؟ والد صاحب نے کوئی جواب نہیں دیا صرف مسکراتے رہے اس وقت والد صاحب تندرست تھے۔ (اخبار نقیب کا مصلح امت نمبر ص ٤).

دار العلوم دیوبند میں ایک مقلد مولوی محمد یٰسین تھے وہ گنگوہ میں مقلد مولوی رشید احمد کے ہاں حاضر ہوئے، پھر رخصت کی اجازت لینے کے لئے خلوت گاہ میں گئے تو گنگوہی صاحب نے راستہ میں دیگر مشکلات کے ساتھ یہ بھی فرمایا کہ اب نہ جاؤ راستہ میں بارش میں بھیگ جاؤ گے، اگلا واقعہ ان ہی کی زبانی ملاحظہ کیجئے، میں نے عرض کیا حضرت ابھی تو بارش کا کوئی بھی سامان نہیں اور مجھے بوجہ ملازمت آج ہی وطن پہنچنا ضروری ہے، میرے اصرار پر حضرت نے اجازت دے دی، اور میں گنگوہ سے باہر نکلا دو تین کوس چلا ہوں گا کہ دفعتہً ابر نمودار ہوا اور چار طرف گھٹا چھا گئی اس زور کی بارش ہوئی کہ پاؤں اٹھانا اور ایک قدم چلنا مشکل پڑھ گیا۔ (تذکرۃ الرشید ۲۲۲ ج ۲).

ایک ہی وقت پر متعدد مقامات پر حاضر:

کرامات امدادیہ میں مقلد مولوی اسماعیل کی زبانی ایک روایت درج ہے کہ میں نے اپنے برادر معظم حاجی عبد الحمید صاحب سے سنا ہے کہ ایک دفعہ مولوی محی الدین صاحب فرماتے تھے کہ چونکہ حضرت حاجی صاحب عرصہ دراز بوجہ ضعف بدن حج کرنے سے معذور تھے، ہم نے اپنے ایک دوست سے کہا کہ آج خاص یوم عرفات ہے دیکھنا چاہئے کہ حضرت کہاں ہیں؟ انہوں نے مراقب ہو کر دیکھا کہ حضرت جبل عرفات کے نیچے تشریف رکھتے ہیں، ہم لوگوں نے بعد میں عرض کیا کہ آپ یوم عرفات میں کہاں تھے، حضرت نے فرمایا کہ کہیں بھی نہیں مکان پر تھا، ہم لوگوں نے عرض کیا کہ حضرت آپ تو فلاں جگہ تشریف رکھتے تھے، حضرت نے فرمایا یا اللہ لوگ کہیں بھی چھپا نہیں رہنے دیتے۔ (کرامات امدادیہ ص ۲۰).

ڈوبتے جہاز کو بچا لیا:

کرامات امدادیہ میں ایک واقعہ لکھا ہے کہ شاہ صاحب کے ایک مرید کسی بحری جہاز میں سفر کر رہے تھے کہ ایک طلاطم خیز طوفان نے جہاز کو گھیر لیا، قریب تھا کہ جہاز ڈوب جائے، اس کے بعد کا واقعہ راوی کی زبانی سنئے لکھا ہے کہ:

انہوں نے جب دیکھا کہ اب مرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے، اسی مایوسانہ حالت میں گھبرا کر اپنے پیر روشن ضمیر کی طرف خیال کیا، اس وقت سے زیادہ اور کون سا وقت امداد کا ہوگا، اللہ تعالیٰ سمیع و بصیر اور کارساز مطلق ہے، اسی وقت آ گبوٹ غرق سے نکل گیا اور تمام لوگوں کو نجات ملی، ادھر تو یہ قصہ پیش آیا ادھر اگلے روز مخدوم جہاں اپنے خادم سے بولے ذرا میری کمر تو دباؤ نہایت درد کرتی ہے، خادم نے دباتے دباتے پراہن مبارک جو اٹھایا تو دیکھا کہ کمر چھیلی ہوئی ہے۔ اور اکثر جگہ سے کھال اتر گئی ہے، پوچھ حضرت یہ کیا بات ہے، کمر چھلی؟ فرمایا کچھ نہیں، پھر پوچھا، آپ خاموش رہے، تیسری مرتبہ پھر دریافت کیا حضرت یہ تو کہیں رگڑ لگی ہے، اور آپ تو کہیں تشریف بھی نہیں لے گئے۔ فرمایا ایک آ گبوٹ ڈوبا جاتا تھا اس میں ایک تمہارا دینی اور سلسلے کا بھائی تھا، اس کی گریہ زاری نے مجھے بے چین کر دیا اور آ گبوٹ کو کمر کا سہارا دے کر اوپر کو اٹھایا جب آگے چلا گیا اور بندگان خدا کو نجات ملی، اسی سے چھیل گئی ہوگی، اور اسی وجہ سے درد ہے، مگر اس کا ذکر نہ کرنا۔ (کرامات امدادیہ ص ۱۸)۔

عین حالت بیداری میں رسول اللہ ﷺ سے ملاقات:

مبتدعین دیابنہ کے نامور اہل قلم جناب علی میاں مقلد نے سیرت سید احمد شہید میں ایک عجیب و غریب واقعہ نقل کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ۔

ستائیسویں شب کو آپ نے چاہا کہ ساری رات جاگوں اور عبادت کروں مگر عشاء کی نماز کے بعد کچھ ایسا نیند کا غلبہ ہوا کہ آپ سو گئے تہائی رات کے قریب دو شخصوں نے آپ کا ہاتھ پکڑ کر جگایا، آپ نے دیکھا کہ آپ کی داہنی طرف رسول اللہ ﷺ اور بائیں طرف حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ بیٹھے ہوئے ہیں اور فرما رہے ہیں کہ سید احمد جلد اٹھ غسل کر، سید صاحب ان دونوں حضرات کو دیکھ کر دوڑ کر مسجد کے حوض کی طرف گئے اور باوجود یہ کہ سردی سے حوض کا پانی یخ ہو رہا تھا آپ نے اس سے غسل کیا اور فارغ ہو کر خدمت میں حاضر ہوئے حضرت ﷺ نے فرمایا کہ فرزند آج شب قدر ہے یاد الٰہی میں مشغول رہو اور دعا و مناجات کرو، اس کے بعد دونوں حضرات تشریف لے گئے۔ (تاریخ دعوت و عزیمت ص ۱۲۸ حصہ ششم جلد اول)۔

کشف قبور

ایک صاحب کشف حضرت حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر فاتحہ پڑھنے لگے، بعد فاتحہ کہنے لگے کہ بھائی یہ کون بزرگ ہیں بڑے دل لگی باز ہیں جب میں فاتحہ پڑھنے لگا تو مجھ سے فرمانے لگے کہ جاؤ کسی مردہ پر فاتحہ پڑھیو۔ یہاں زندوں پر فاتحہ پڑھنے آئے ہو، یہ کیا بات ہے۔

(ارواح ثلاثہ ص۱۸۱ حکایت نمبر ۲۰۵)۔

مقلد مولوی شہاب الدین رشیدی اپنے پیر مقلد مولوی عبد الرشید رانی ساگری دیوبندی کے ایک واقعہ روایت کرتے ہیں کہ، مجھ سے میرے محترم دوست اور حضرت کے خویش مولانا الحاج اشرف علی صاحب نے بیان فرمایا کہ حضرت نے ارشاد فرمایا کہ ایک امیر زادہ نوجوان شخص تھے ان کی زندگی بہت ہی لاابالی پن میں گزری، ان کا جب انتقال ہوگیا تو میں ایک دن قبرستان گیا تو اس شخص کو دیکھا کہ قبرستان میں ننگے بیٹھا ہے۔اور بہت ہی حسرت و یاس کے عالم میں ہے، میں جب قریب پہنچا تو اس نے ہمیں دیکھ کر اپنی ستر دونوں ہاتھوں سے چھپا لی، میں نے اس سے کہا اس لئے نہ میں تجھے کہتا تھا لیکن تو نے اپنی زندگی لاپرواہی میں گزار دی اور میری باتوں کی طرف دھیان نہیں دیا۔ (نقیب کا مصلح امت نمبر ص۱۹)۔

تصرف فی الامور:

مقلد سید اصغر حسین دیوبندی فرماتے ہیں۔

۱۳۲۲ھ کے آخر میں دیوبند میں شدید طاعون ہوا، چند طلبہ بھی مبتلا ہوئے ایک فارغ التحصیل طالب علم محمد صالح ولایتی جو صبح وشام میں سند فراغت لے کر وطن رخصت ہونے والے تھے، اسی مرض میں مبتلاء ہوئے اور حالت آخری ہوگئی وفات سے کسی قدر پہلے انہوں نے ایسی گفتگو شروع کی کہ گویا شیطان سے مناظرہ کر رہے ہیں، اس کے دلائل کو توڑتے اپنے استدلال پیش کرتے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ انہوں نے مناظرہ میں شیطان کو بخوبی شکست دے دی پھر کہنے لگے افسوس اس جگہ کوئی ایسا خدا کا بندہ نہیں ہے جو مجھ سے اس خبیث کو دفع کرے، یہ کہتے کہتے دفعتہً اٹھے کہ واہ واہ سبحان اللہ سبحان اللہ دیکھو میرے استاد حضرت مولانا محمود حسن صاحب تشریف لائے دیکھو وہ شیطان بھاگا، ارے خبیث کہاں جاتا ہے۔ ایک ساعت کے بعد طالب علم کا انتقال ہوگیا، حضرت مولانا اس واقعہ کے وقت وہاں موجود نہ تھے مگر روحانی تصرف سے امداد فرمائی۔

(حیات شیخ الہند ص۲۵۵)۔

قبر پرستی:

درس حیات کا مقلد مصنف فخر الدین گیاوی اپنے مقلد مولوی بشارت کریم صاحب دیوبندی کی قبر کے تصرفات کا حال بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ وصال کے بعد ایک مدت تک مزار شریف پر لوگوں کا ہجوم رہنے لگا اور پانی، تیل، نمک، وغیرہ قبر شریف کے پاس لے جا کر رکھ دیتے اور کچھ دیر کے بعد اٹھا لیتے، اس سے بکثرت لوگوں کو فوائد حاصل ہوئے۔ (درس حیات ص۳۵۷)۔

وصال کے بعد سے لوگوں کا ہجوم مزار کے پاس آتا وہ پانی وغیرہ رکھتے یا یوں سمجھئے کہ دم کرانے کے بعد تھوڑی تھوڑی مٹی بھی ہر ایک (قبر سے) اٹھا کر لے جانے لگا چنانچہ چند روز میں ضرورت پڑ جاتی کہ دوسری مٹی مزار شریف پر ڈالی جائے، چنانچہ مولانا ایوب صاحب مرحوم (حضرت کے صاحبزادے) کچھ عرصہ تک جب مٹی کم ہو جاتی نئی مٹی ڈال دیا کرتے۔

(درس حیات ص۳۵۸)۔

موصوف فرماتے ہیں کہ بالآخر صاحبزادے تنگ آ گئے اور روز روز کی یہ آنریری ڈیوٹی وبال جان بن گئی تو ایک دن آزردہ خاطر ہو کر مزار شریف پر حاضر ہوئے اور نہایت مؤدب ہو کر عرض کیا، حضرت! زندگی میں تو بہت سخت تھے مگر اب مزار شریف پر یہ کیا ہونے لگا ہے، اب میں آخری مرتبہ مٹی ڈال رہا ہوں، اس کے بعد گڑھا بھی پڑ جائے گا تو اب میں مٹی نہیں ڈالوں گا، اس سلسلے کو بند کروائیے۔ (درس حیات ص۳۵۸)۔

لخت جگر کی یہ تڑی لگانا ہی تھا۔ لکھا ہے کہ اس کے بعد پھر کسی نے مٹی نہیں اٹھائی، قطعا وہ سلسلہ بند ہو گیا، اور اب کبھی مٹی ڈالنے کی نوبت نہیں آئی اور پانی، تیل، نمک، وغیرہ مزار شریف پر رکھ کر دم کرانے کا خیال بھی اب کسی کو نہ پیدا ہوا اور وہ سلسلہ بھی موقوف ہو گیا ہے۔

(درس حیات ص۳۵۸)۔

مقلد مولوی زکریا صاحب فرماتے ہیں کہ مصر میں ایک شخص تھا جو لوگوں کی ضرورتوں کے لئے مانگا کرتے تھے۔ ایک روز کوئی فقیر ان کے پاس اپنی حاجت لے کر گیا اور وہ اہل ثروت کے پاس گئے مگر کسی نے تعاون نہ کیا، اگلا واقعہ مقلد صاحب کی زبانی سنئے۔

سب سے مایوس ہو کر ایک سخی کی قبر پر گئے اور اس کی قبر پر بیٹھ کر یہ سارا قصہ بیان کیا اور وہاں سے اٹھ کر چلے آئے، اور واپس آ کر اپنے پاس سے ایک دینار نکالا اور اس کو توڑ کر دو ٹکرے کئے اور ایک ٹکڑا اپنے پاس رکھ لیا اور دوسرا ٹکڑا اس فقیر کو دے دیا، کہ یہ میں قرض دیتا ہوں اس وقت تم اس سے اپنا کام چلا لو، جب تمہارے پاس کہیں سے کچھ آ جائے گا تو میرا قرضہ ادا کر دینا، وہ لے کر چلا گیا

اور اپنی ضرورت پوری کرلی، رات کو ان صاحب دینار نے اس قبر والے کو خواب میں دیکھا کہ وہ کہہ رہا ہے کہ میں نے تمہاری بات ساری سن لی تھی مگر مجھے جواب دینے کی اجازت نہ ہوئی، تم میرے گھر والوں کے پاس جاؤ اور ان سے کہو کہ مکان کے فلاں حصہ میں جو چولھا بن رہا ہے، اس کے نیچے ایک چینی کا مرتبان گڑ رہا ہے اس میں پانچ سو اشرفیاں ہیں وہ اس فقیر کو دے دیں، یہ صبح کو اٹھ کر اس کے مکان پر گئے اور گھر والوں سے سارا قصہ اور اپنا خواب بیان کیا، انہوں نے اس جگہ کو کھودا اور وہ مرتبان پانچ سو اشرفیاں کا نکال کر اس کے حوالے کردیا۔

(فضائل صدقات ص۶۱۰ حصہ دوم فصل ساتویں نمبر ۲۴)۔

عرب کی ایک جماعت ایک مشہور سخی کریم کی قبر کی زیارت کو گئی، دور کا سفر تھا، رات کو وہاں ٹھہرے ان میں سے ایک شخص نے اس قبر والے کو خواب میں دیکھا کہ وہ اس سے کہہ رہا ہے کہ تو اپنے اونٹ کو میرے بختی اونٹ کے بدلے میں فروخت کرتا ہے، خواب دیکھنے والے نے خواب ہی میں معاملہ کرلیا وہ صاحب قبر اٹھا اور اس کے اونٹ کو ذبح کردیا، جب یہ اونٹ والا نیند سے اٹھا تو اس کے اونٹ سے خون جاری تھا، اس نے ذبح کردیا اور گوشت تقسیم کردیا، سب نے پکایا اور کھایا، یہ لوگ وہاں سے واپس ہوگئے جب اگلی منزل پر پہنچے تو ایک شخص بختی اونٹ پر سوار ملا، جو یہ تحقیق کررہا تھا کہ فلاں نام کا شخص تم میں کوئی ہے اس خواب والے شخص نے کہا یہ میرا نام ہے، اس نے پوچھا کہ تو نے فلاں قبر والے کے ہاتھ کوئی چیز فروخت کی ہے؟ خواب دیکھنے والے نے اپنا قصہ سنایا، جو شخص بختی اونٹ پر سوار تھا اس نے کہا کہ وہ میرے باپ کی قبر تھی، یہ اس کا اونٹ ہے، اس نے مجھے خواب میں کہا ہے کہ اگر تو میری اولاد ہے تو میرا بختی اونٹ فلاں شخص کو دے دے، تیرا نام لیا تھا۔ یہ بختی اونٹ تیرے حوالے ہے یہ کہہ کر وہ اونٹ دے کر چلا گیا، (زکریا مقلد صاحب فرماتے ہیں کہ) یہ سخاوت کی حد ہے، کہ مرنے کے بعد بھی اپنی قبر پر آنے والوں کی مہمانی مین اپنے اصیل اونٹ کو فروخت کر کے آنے والوں کی مہمانی کی، باقی یہ بات کہ مرنے کے بعد اس قسم کا واقعہ کیونکر ہوگیا، اس میں کوئی محال چیز نہیں ہے۔ عالم ارواح میں اس قسم کے واقعات ممکن ہیں۔

(فضائل صدقات ص۶۰۶ حصہ دوم فصل ساتویں ۱۶)۔

ایک شخص کفن چور تھا وہ قبریں کھود کر کفن چرایا کرتا تھا۔ اس نے ایک قبر کھودی تو اس میں ایک شخص اونچے تخت پر بیٹھے ہوئے تھے۔ قرآن پاک ان کے سامنے رکھا ہوا وہ قرآن شریف پڑھ رہے

ہیں۔ اور ان کے تخت کے نیچے ایک نہر چل رہی ہے، اس شخص پر ایسی دہشت طاری ہوئی کہ بے ہوش ہو کر گر پڑا، لوگوں نے اس کو قبر سے نکالا، تین دن بعد ہوش آیا لوگوں نے قصہ پوچھا، اس نے سارا حال سنایا، لوگوں نے قبر کے دیکھنے کی تمنا کی اس سے پوچھا کہ قبر بتا دے، اس نے ارادہ بھی کیا کہ ان کو لے جا کر قبر دکھاؤں، رات کو خواب میں ان قبر والے بزرگ کو دیکھا، کہہ رہے ہیں اگر تو نے میری قبر بتائی تو ایسی آفتوں میں پھنس جائے گا کہ یاد کرے گا۔

(فضائل صدقات ص ۵۶۳ حصہ دوم ساتویں فصل)۔

کون کب اور کہاں مرے گا؟

مقلد مولوی عاشق الٰہی میرٹھی فرماتے ہیں۔

جن دنوں نواب محمود علی خاں صاحب مرحوم رئیس چھتاری، جن کے ساتھ اخلاص و ارادت کے سبب حضرت کو بھی تعلق تھا، علیل ہوئے اور مدہوشی طاری ہوئی سب کو زندگی سے یاس (بے امیدی) ہوگئی، اس وقت ایک شخص چھتاری سے صرف گنگوہ بھیجے گئے کہ نواب صاحب کے لئے حضرت سے دعا کرائیں چنانچہ وہ آئے اور حضرت سے نواب صاحب کی حالت بیان کر کے دعائے صحت کی درخواست کی آپ نے حاضرین جلسہ سے فرمایا، بھائی دعا کرو، چونکہ حضرت نے دعا کا وعدہ نہیں فرمایا، اس لئے فکر ہوا اور عرض کیا گیا کہ حضرت آپ دعا فرما دیں اس وقت آپ نے ارشاد فرمایا، امر مقرر کر دیا گیا ہے اور ان کی زندگی کے چند روز باقی ہیں، حضرت کے اس ارشاد پر اب کسی عرض معروض کی گنجائش نہ رہی اور نواب صاحب کی حیات سے سب کو ناامیدی ہوگئی تاہم قاصد نے عرض کیا کہ حضرت یوں ہی دعا فرما دیجئے کہ نواب صاحب کو ہوش آ جائے اور وصیت و انتظام ریاست کے متعلق جو کچھ کہنا سننا ہو کہہ سن لیں، آپ نے فرمایا، خیر اس کا مضائقہ نہیں، اس کے بعد دعا فرمائی اور یوں ارشاد فرمایا۔ ان شاء اللہ افاقہ ہوگا، چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ نواب صاحب کو دفعتہً ہوش آ گیا اور ایسا افاقہ ہوا کہ عافیت و صحت کی خوش خبری دور دور تک پہنچ گئی، کسی کو خیال بھی نہ رہا کہ کیا ہونے والا ہے، یکا یک حالت بگڑی اور مخیر دریا دل نیک نفس سخی رئیس نے انتقال بہ آخرت فرمایا۔ (تذکرۃ الرشید ص ۲۰۸، ۲۰۹ ج ۲)۔

حضرت مولانا صادق الیقین صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک بار سخت علیل ہوئے واقفین احباب بھی یہ خبر سن کر پریشان ہو گئے اور حضرت سے عرض کیا دعا فرما دیں، حضرت خاموش رہے اور بات کو ٹال دیا، جب دوبارہ عرض کیا گیا تو آپ نے تسلی دی اور فرمایا میاں وہ ابھی نہیں مریں گے اور اگر مریں گے تو بھی میرے بعد، چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ اس مرض سے صحت حاصل ہوگئی اور حضرت کے وصال کے بعد اسی سال بہ ماہ شوال حج بیت اللہ کے لئے روانہ ہوئے مکہ معظمہ میں بیمار ہوئے۔ مرض ہی میں عرفات کا سفر کیا

یہاں تک کہ شروع محرم میں واصل بحق ہو کر جنت المعلیٰ میں مدفون ہوئے۔ (تذکرۃ الرشید ص۲۰۹ ج۲)۔

مولوی نظر محمد خاں نے ایک مرتبہ پریشان ہو کر عرض کیا کہ حضرت فلاں شخص جو والد صاحب سے عداوت رکھتا تھا، ان کے انتقال کے بعد اب مجھ سے ناحق عداوت رکھتا ہے، بے ساختہ آپ کی زبان سے نکلا، وہ کب تک رہے گا، چند روز گزرے تھے، کہ دفعتہً وہ شخص انتقال کر گیا۔

(تذکرۃ الرشید ص۲۱۴ ج۲)۔

باختلاف روایت ۸ یا ۹ جماوی الثانیہ مطابق ۱۱ اگست ۱۹۰۵ھ کو بیوم جمعہ بعد اذان یعنی ساڑھے بارہ بجے آپ نے دنیا کو الوداع کہا اور اٹھہتر سال سات ماہ تین یوم کی عمر میں رفیق اعلیٰ کی جانب ہنستے اور مسکراتے ہوئے سدہارے، حضرت امام ربانی قدس سرہ کو چھ روز پہلے ہی جمعہ کا انتظار تھا، بیوم شنبہ دریافت فرمایا تھا کہ آج کیا جمعہ کا دن ہے۔؟ خدام نے عرض کیا کہ حضرت آج شنبہ ہے اس کے بعد درمیان میں بھی کئی بار یوم جمعہ کو دریافت کیا حتی کہ جمعہ کا دن جس روز وصال ہوا صبح کے وقت پھر دریافت فرمایا کہ کیا دن ہے، اور جب معلوم ہوا کہ جمعہ ہے تو فرمایا۔ اناللہ وانا الیہ رجعون۔ (تذکرۃ الرشید ص۳۳۱ ج۲)۔

مقلد مولوی ریاض احمد فیض آبادی صدر جمیعۃ علمائے میوات مقلد مولوی حسین احمد صاحب کے ساتھ اپنی آخری ملاقات کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ میں نے کہا کہ حضرت ان شاء اللہ اختتام سال پر حاضر ہوں گا، فرمایا کہہ دیا کہ ملاقات نہیں ہوگئی، اب تو میدان آخرت ہی میں ان شاء اللہ ملوگے مجمع میرے قریب جو تھا احقر کی معیت میں آبدیدہ ہوگیا۔ حضرت نے فرمایا کہ رونے کی کیا بات ہے، کیا مجھے موت نہ آئے گی، اس پر احقر نے الحاج کے ساتھ کچھ علم غیب اور زیادتی عمر پر بات کرنی چاہی مگر فرط غم کے باعث بول نہ سکا۔

(روز نامه الجمعیة دهلی کا شیخ الاسلام نمبر ص۱۵۶)۔

مقلد مولوی اشرف علی تھانوی صاحب فرماتے ہیں:

حضرت مولانا ظفر حسین صاحب مرحوم مکہ معظمہ میں بیمار ہوئے اور اشتیاق تھا کہ مدینہ منورہ میں وفات ہو، حضرت حاجی صاحب سے عرض استفسار کیا کہ میری وفات مدینہ میں ہوگی یا نہیں؟ حضرت حاجی صاحب نے فرمایا کہ میں کیا جانوں، عرض کیا کہ حضرت یہ عذر تو رہنے دیجئے جواب مرحمت فرمائیے حضرت نے مراقب ہو کر فرمایا کہ آپ مدینہ منورہ میں وفات پائیں گے۔ (قصص الاکابر ص۱۰۶)۔

مقلد مولوی زکریا فرماتے ہیں کہ:

شیخ ابو یعقوب سنوسی کہتے ہیں کہ میرے پاس ایک مرید آیا اور کہنے لگا کہ میں کل کو ظہر کے وقت مر جاؤں گا، چنانچہ دوسرے دن ظہر کے وقت مسجد حرام میں آیا طواف کیا اور تھوڑی دور جا کر مر گیا۔

(فضائل صدقات ص ۵۶۳)۔

ابو علی روزباری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ایک فقیر میرے پاس عید کے دن آیا، بہت خستہ حال پرانے کپڑے، کہنے لگا یہاں کوئی پاک وصاف جگہ ایسی ہے جہاں کوئی غریب فقیر مرجائے، میں نے لاپرواہی سے لغو سمجھ کر کہہ دیا کہ اندر آجا اور جہاں چاہے پڑ کے مرجا، وہ اندر آیا، وضو کیا چند رکعات نماز پڑھی اور لیٹ کر مرگیا۔ (فضائل صدقات ص ۵۷۰)۔

مردے زندوں سے کلام کرتے ہیں:

مقلد مولوی زکریا صاحب فرماتے ہیں کہ: جب میں نے اسے قبر میں رکھا تو اس نے آنکھیں کھول دیں، میں نے کہا مرنے کے بعد بھی زندگی ہے؟ کہنے لگا میں زندہ ہوں اور اللہ کا ہر عاشق زندہ ہی رہتا ہے۔ایک بزرگ کہتے ہیں کہ میں نے ایک مرید کو غسل دیا، اس نے میرا انگوٹھا پکڑ لیا، میں نے کہا میرا انگوٹھا چھوڑ دے، مجھے معلوم ہے کہ تو مرا نہیں ہے یہ ایک مکان سے دوسرے مکان میں انتقال ہے، اس نے میرا انگوٹھا چھوڑ دیا۔ (فضائل صدقات ص ۵۶۳)۔

میں نے اس کی تجہیز وتکفین کی اور جب دفن کرنے لگا تو مجھے خیال آیا کہ اس کے منہ پر سے کفن ہٹا کر اس کا منہ زمین پر رکھ دوں تاکہ حق تعالیٰ شانہ اس کی غربت پر رحم فرمائے، میں نے اس کا منہ کھولا اس نے آنکھیں کھول دیں، میں نے پوچھا میرے سردار کیا موت کے بعد بھی زندگی ہے؟ کہنے لگا کہ میں زندہ ہوں اور اللہ تعالیٰ کا ہر عاشق زندہ ہوتا ہے۔ (فضائل صدقات ص ۵۷۱)۔

ابو سعید خزار رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ مکہ مکرمہ میں تھا باب بنی شیبہ سے نکل رہا تھا، دروازہ سے باہر میں نے ایک خوبصورت آدمی کو مرے ہوئے پڑا دیکھا میں اس کو غور سے دیکھنے لگا تو وہ میری طرف دیکھ کر ہنسنے لگا اور کہنے لگا ابو سعید تمہیں معلوم نہیں کہ (محبت والے) دوست مرا نہیں کرتے ایک عالم سے دوسرے عالم میں منتقل ہوجاتے ہیں۔ (فضائل صدقات ص ۵۷۲)۔

بھنی ہوئی مچھلی زندہ کردی:

مقلد حافظ سید محمد اکبر بخاری صاحب اپنے مقلد مولوی محمد صدیق بھر چونڈوی کے متعلق فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ کسی بزرگ نے آپ سے فرمایا تجھے وہ شخص بیعت کرے گا جس کے سامنے بھنی ہوئی مچھلی زندہ ہوجائے، حضرت حافظ صاحب یہ جواب سن کر مایوس ہوگئے، نہ بھنی ہوئی مچھلی زندہ ہو، نہ آپ کسی سے بیعت کریں۔ اتفاق سے کچھ عرصہ بعد شاہ حسن رحمہ اللہ کا گزر اس طرف سے ہوا، تو آپ حضرت حافظ صاحب رحمہ اللہ کے ہاں مہمان ٹھہرے، حافظ صاحب کے ہاں اس دن سوائے مچھلی کے اور کوئی چیز

گھر میں مہمان کے مدارات کے لے موجود نہ تھی، آپ مچھلی بھون کر دسترخوان میں رکھ کر شاہ صاحب کی خدمت میں لائے، شاہ صاحب نے مسکرا کر فرمایا، کیا زندہ مچھلیاں بھی کبھی کھائی جاتیں ہیں؟ حافظ صاحب نے دسترخوان اٹھایا تو مچھلی واقعی زندہ تھی بس اب یہ کہنا تھا کہ درویش کی کہی ہوئی بات یاد آ گئی اور آپ بیعت کے لئے دوزانوں ہو کر شاہ صاحب کی خدمت میں بیٹھ گئے، شاہ صاحب نے آپ کو بلا کسی تامل کے بیعت فرمالیا،

(مردمومن ص ۱۳ مصنف عبد الحمید خان تذکرہ اولیاء دیوبند ص ۱۵۷)۔

جہنم میں جلتا ہوا دیکھانے کی قدرت:

۱۹۲۶ء لغایت ۱۹۳۵ھ میں ریاست بہاولپور کی عدالت میں مسلمانوں اور مرزائیوں کے درمیان حق و باطل کا معرکہ برپا تھا، فریقین کی طرف سے اپنے اپنے علماء عدالت میں گواہی کے لئے حاضر ہوئے، مقلد مولوی محمد انور شاہ کاشمیری کی بھی گواہی تھی، اگلی باتمقلد مولوی محمد منظور چنیوٹی کی زبانی ملاحظہ فرمایئے فرماتے ہیں، پچھلی صدی میں علامہ سید انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ جیسی نابالغہ روزگار ہستی علماء اسلام میں کوئی پیدا نہیں ہوئی۔ ہر دو فریق نے اپنی اپنی علمی بساط کے مطابق کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی، اپنا پورا زور لگادیا اور ہم نے اپنے اساتذہ سے سنا ہے کہ حضرت شاہ صاحب کا بیان اور اس پر قادیانی وکلاء کی جرح جب ختم ہوئی، تو حضرت شاہ صاحب نے جلال الدین شمس قادیانی کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا کہ جلال الدین اگر اب بھی تمہیں قادیانی کے کفر میں شک ہو تو آؤ میں تمہیں اسے جہنم میں جلتا ہوا دکھاؤں! جلال الدین قادیانی نے جلدی سے ہاتھ چھڑالیا اور کہا کہ اگر آپ اسے (مرزا کو) جہنم میں جلتا ہوا دکھا بھی دیں تو میں کہوں گا کہ یہ کوئی استدراج (شعبدہ) ہے، میں پھر بھی نہیں مانوں گا ہمارے استاد فرمایا کرتے تھے، کہ جلال الدین قادیانی بدنصیب تھا اگر وہ ہاں کر دیتا تو حضرت شاہ صاحب پر اس وقت ایسی کیفیت طاری تھی کہ وہ اسے حالت کشف میں جہنم میں جلتا ہوا دکھا بھی دیتے۔

(روداد مقدمہ مرزائیہ بھاولپور، زیر عنوان عرض مزید ص ۵۵ ج ۱)۔

انکار ختم نبوت:

مقلد مولوی قاسم نانوتوی دیوبندی فرماتے ہیں کہ

اول معنی خاتم النبیین معلوم کرنے چاہئیں تا کہ فہم جواب میں کچھ دقت نہ ہو، سو عوام کے خیال میں تو رسول اللہ ﷺ کا خاتم ہونا بایں معنی ہے کہ آپ کا زمانہ انبیاء سابق کے زمانہ کے بعد اور آپ سب سے آخری نبی ہیں، مگر اہل فہم پر روشن ہوگا کہ تقدم یا تاخر زمانے میں بالذات کچھ فضیلت نہیں۔ (تحزیر الناس ص ۵ طبع دار الاشاعت کراچی ۱۹۷۶ھ)۔

اگر بالفرض آپ کے زمانے میں بھی کہیں اور کوئی نبی ہوتو جب بھی آپ کا خاتم ہونا بدستور باقی رہتا ہے۔ (تحزیر الناس ص۱۸)۔

اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی صلعم بھی کوئی نبی پیدا ہو پھر بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا۔ (تحزیر الناس ص ۳۴)۔

ملاعلی القاری حنفی فرماتے ہیں۔ (اذا المعنی انه لا یاتی نبی بعده ینسخ ملته)۔

یعنی خاتم النبیین کے یہ معنی ہیں کہ آپ ﷺ کے بعد کوئی ایسا نبی نہیں آئے گا، جو آپ علیہ السلام کی ملت (دین) کو منسوخ کر دے گا۔ (موضوعات کبیر ص ۱۰۰)۔

ان عبارات اکابر دیوبند سے ثابت ہوا کہ خاتم النبی کا معنی نبیوں کا آخری نہیں اور یہ کہ تاخر زمانہ میں کوئی فضیلت نہیں۔ حالانکہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ مجھے انبیاء پر چھ چیزوں کی وجہ سے فضیلت ہے، ان میں ایک وختم بی النبیون، نبوت مجھ پر ختم ہوگئی۔

(مسلم ص۱۹۹ ج۱، ابوعوانه ص۳۹۵ ج۱)۔

اور خاتم النبیین کا معنی آخری نبی ہی ہے، علامہ ابن منظور افریقی فرماتے ہیں کہ

وختام القوم وخاتمهم آخرهم، عن اللحیائی، ومحمد ﷺ خاتم الانبیاء علیه وعلیهم السلام التهذیب والخاتم والخاتم من اسماء النبی ﷺ وفی التنزیل ما کان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسو ل الله وخاتم النبین، ای آخرهم۔

یعنی ختام القوم اور خاتم القوم (بالکسر) اور خاتم القوم، (بالفتح) ہرسہ کے معنی ہیں قوم کا آخری شخص اور تہذیب میں ہے کہ محمد ﷺ انبیاء کے خاتم ہیں اور خاتم (بالکسر) اور خاتم (بالفتح) ہر دو نبی علیہ السلام کے نام ہیں اور قرآن شریف میں ہے۔ وما کان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین، کے معنی ہیں آخری نبی۔ (لسان العرب ص١٦٤ ج١٢)۔

اس خالص حق وصواب معنی کے برعکس قاری محمد طیب دیوبندی فرماتے ہیں کہ حضور کی شان محض نبوت ہی نہیں نکلتی بلکہ نبوت بخشی بھی نکلتی ہے کہ جو بھی نبوت کی استعداد پایا ہوا فرد آپ کے سامنے آگیا نبی ہوگیا، (آفتاب نبوت ص۸۲ طبع ادراہ اسلامیات کراچی ۱۹۸۰ھ)۔

غور کریں کہ قرآن مجید کے لفظ خاتم النبیین کا معنی آئمہ لغت آخری نبی کرتے ہیں۔ مگر دیوبندیوں کے حکیم الاسلام اس کا معنی نبوت بخشی کرتے ہیں یہ معنی جس قدر باطل وفضول ہے، وہ صاحب علم دوستوں سے پوشیدہ نہیں، معلوم یوں ہوتا ہے کہ حکیم الاسلام خود بیمار ہیں قادیانیت جیسی موذی مرض میں مبتلا تھے'' یہ بات ملحوظ رہے کہ خاتم النبیین کا معنی ''نبوت بخشی'' کرنا جہاں پوری امت مرحومہ کے خلاف ہے وہاں ہی مرزائیت کی موافقت وتائید ہے، مرزا غلام احمد قادیانی لکھتا ہے کہ آنحضرت ﷺ

کو صاحب خاتم بنایا، یعنی آپ کو افاضہ کمال کے لئے مہر دی جو کسی اور نبی کو ہرگز نہیں دی گئی، اسی وجہ سے آپ کا نام خاتم النبیین ٹھہرا، یعنی آپ کی پیروی کمالات نبوت بخشتی ہے اور آپ کی توجہ روحانی نبی تراش ہے۔

(حقیقه الوحی ص۹۷ و روحانی خزائن ص۱۰۰ ج۲۲)۔

مرزا محمود لکھتا ہے۔ پھر و خاتم النبیین فرما کر پہلے مضمون پر اور ترقی کی کہ نہ صرف بہت سے مومن اس کی اولاد میں ہوں گے، بلکہ یہ نبیوں کی بھی مہر ہے اس کی مہر سے انسان نبوت کے مقام پر پہنچ سکے گا۔ (دعوت الامیر ص۳٦ وانوار العلوم ص۳٦٤ ج۷ یعنی مجموعه کتب مرزا محمود)۔

رسول اللہ ﷺ کی گستاخیاں:

مقلد خلیل احمد سہارنپوری لکھتا ہے

غور کرنا چاہئے کہ شیطان و ملک الموت کا حال دیکھ کر علم محیط زمین کا فخر عالم کو خلاف نصوص قطعیہ کے بلادلیل محض قیاس فاسدہ سے ثابت کرنا شرک نہیں تو کون سا ایمان کا حصہ ہے، شیطان و ملک الموت کو یہ وسعت نص سے ثابت ہوئی، فخر عالم کی وسعت علم کی کون سی نص قطعی ہے کہ جس سے تمام نصوص کو رد کر کے ایک شرک ثابت کرتا ہے۔ (براهین قاطعه ص۵۵)

مقلد مولوی اشرف علی تھانوی لکھتا ہے۔

آپ کی ذات مقدسہ پر علم غیب کا حکم کیا جانا بقول زید صحیح ہوتو دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس غیب سے مراد بعض غیب ہے یا کل، اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں تو اس میں حضور کی کیا تخصیص ہے، ایسا علم تو زید و عمر بلکہ ہر صبی و مجنون بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کے لئے بھی ہے۔ (حفظ الایمان ص۸)۔

مقلد مولوی رشید احمد گنگوہی لکھتا ہے

لفظ رحمۃ العالمین صفت خاصہ رسول اللہ ﷺ کی نہیں بلکہ دیگر اولیاء و انبیاء اور علماء ربانین بھی موجب رحمت عالم ہوتے ہیں۔ (فتاویٰ رشیدیه ص۲۱۸)۔

ان تینوں عبارات کی توضیح وتشریح کے لئے تحفہ حنفیہ ص۳۱۸ کی مراجعت کرلیں ان شاء اللہ آپ کے لئے مفید رہے گی۔

مقلد ماسٹر امین اوکاڑوی لکھتا ہے۔ آپ ﷺ نماز پڑھتے رہے اور کتیا سامنے کھیلتی رہی اور ساتھ گدھی بھی تھی دونوں کی شرمگاہوں پر بھی نظر پڑتی رہی۔

(غیر مقلدین کی غیر مستند نماز ص۴۳ و مجموعه رسائل ص۳۵۰ ج۳)۔

یہ بات حدیث کی کسی کتاب میں معتبر اسناد سے تو کجا کسی ضعیف سے ضعیف روایت میں بھی موجود

نہیں کہ حالت نماز میں نبی ﷺ کتیا اور گدھی کی شرمگاہوں کو دیکھتے رہے۔ جو رسول اللہ ﷺ کی سخت توہین ہے۔ مقلد ابو بلال محمد اسماعیلی جھنگوی دیو بندی نے لکھا ہے۔

نماز میں اقعاء خود رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے:

(ترمذی ص۳۸ ج۱، ابو داؤد ص۱۲۳ ج۱) لیکن (مسلم ص۱۹۵ ج۱)۔

پر اسے عقبۃ الشیطان کہا گیا ہے۔ دیکھیں اپنے کیئے ہوئے فعل کو عقبہ شیطان کہا جا رہا ہے۔

(تحفہ اہل حدیث ص۱۲۱ ج۲)۔

حالانکہ جس اقعاء کو عقبہ شیطان کہا گیا ہے وہ اور ہے اور نبی علیہ الصلوۃ والسلام سے ثابت نہیں دیکھئے۔ (شرح صحیح مسلم للنووی ص۱۹۰، ۲۰۲ ج۱)۔

لہٰذا جھنگوی کا مذکورہ قول نبی رحمت ﷺ کی گستاخی ہے۔

نبی علیہ الصلوۃ والسلام بعض اوقات سری نمازوں میں ایک دو آیتیں جہراً پڑھ دیتے تھے اس کے بارے مقلد مولوی اشرف علی تھانوی لکھتا ہے کہ میرے نزدیک اصل وجہ یہ ہے کہ آپ پر ذوق کی حالت غالب تھی جس میں یہ جہر واقع ہوجاتا تھا اور جب آدمی پر غلبہ ہوتا ہے تو پھر اس کو خبر نہیں رہتی کہ کیا کر رہا ہے۔ (تقریر ترمذی ص۷۱۱)۔

یہ بھی نبی علیہ الصلوۃ والسلام کی گستاخی ہے۔

دیوبندی نماز:

مقلد مفتی محمد عبدالغنی دیوبندی فرماتے ہیں

سلطان محمود غزنوی کو حدیث سننے کا بہت شوق تھا اس لئے ایک عالم کو مقرر کر رکھا تھا جو ان کو حدیث سنایا کرتے اب یا تو سنانے والے عالم شافعی المسلک تھے یا کتاب شوافع کی تھی اس لئے زیادہ احادیث شوافع کے موافق آتیں سلطان محمود حنفی تھے، یہ دیکھ کر کہ احادیث میرے سامنے زیادہ تر شوافع کی مؤید آرہی ہیں حنفیہ کے خلاف ہیں طبعیت پریشان ہوئی دونوں طرف کے علماء سے مناظرہ کرایا طے یہ ہوا کہ سلطان کو اختیار ہوگا جس مسلک کو چاہیں پسند کرلیں اس کام کے لئے قفال مروزی طے ہوئے انہوں نے پہلے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے مسلک کے موافق دو رکعت اس طرح پڑھیں کہ پہلے کتا منگایا اس کو ذبح کر کے اس کی کھال اتاری اور اس کو ستر عورت کے لئے استعمال کیا پھر نبیذ تمر سے وضو کیا جس میں نہ استقبال قبلہ کی رعایت کی نہ بسم اللہ پڑھی نہ نیت کی نہ ترتیب کی رعایت کی اس کے بعد کھڑے ہوئے اور تکبیر تحریمہ اس طرح فارسی میں کہی کہ خدا بزرگ تراست اس کے بعد قرأت بھی فارسی میں کہ وہ بھی بقدر ایک آیت دو باغ سبز (مدھامتان، کا ترجمہ) اس کے بعد فوراً رکوع کیا نہ اس میں تسبیح پڑھی

نہ اس کے بعد قومہ کیا اسی طرح دوسری رکعت پوری کر کے بعد تشہد قعدہ کیا اور خروج بصنعہ یعنی زور سے ریح خارج کر کے کھڑے ہوگئے اور کہا، ہذا صلوۃ ابی حنیفہ، (مفتی صاحب فرماتے ہیں) اور یہ سب اس لئے کہ امام صاحب کے نزدیک ذبح سے غیر ماکول کی کھال بھی پاک ہو جاتی ہے، نبیذ تمر سے وضوء جائز ہے وضوتسمیہ نیت ترتیب وغیرہ شرط نہیں، تکبیر تحریمہ ہر ایسے لفظ سے صحیح ہے جو حق تعالیٰ کی عظمت پر دلالت کرتا ہو اور شائبہ احتیاج سے پاک ہو گو غیر عربی ہو، اسی طرح فارسی قرأت کرنا جائز ہے، اور بقدر ایک آیت کے فرض ہے نہ فاتحہ فرض نہ سورۃ ملانا نہ تعدیل ارکان نہ قومہ میں نہ جلسہ میں۔

(اکابرین کے پاگیزہ لطائف ص۵۹ طبع ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی)۔

دیوبندی روزہ:

مقلد مفتی محمد ابراہیم صاحب صادق آبادی حنفی دیوبندی فرماتے ہیں کسی بدطینت نے جانور سے بد فعلی کی یا کسی نے بیوی سے سبیلین (دونوں راستوں کے سواء) کسی جگہ جماع کیا یا کسی نے مشت زنی کی تو تینوں صورتوں میں جب تک انزال نہ ہو روزہ نہ ٹوٹے گا۔

(چارسو اہم مسائل ص۲۰۲ طبع مکتبہ حلیمیہ صادق آباد)۔

قارئین یہ ہے دیوبندی مذہب کی اصلیت کا تھوڑا بہت خاکہ گو ہم اس پر تبصرہ کا حق محفوظ رکھتے ہیں، مگر ہم نے اکثر جگہوں پر صرف عبارات علماء دیوبند پر ہی اکتفاء کیا ہے۔ اور ان پر تبصر قاری پر چھوڑ دیا ہے، ہاں اس مقام پر اتنا ضرور عرض کریں گے کہ قارئین کرام مبتدعین دیابنہ کے عقائدو اعمال اور نظریات کو قرآن وسنت کی کسوٹی پر جانچ پرکھ لیں، پھر شیعہ بریلوی اور مرزائی نظریات کا تقابل بھی ان سے کرلیں ہم آپ کو اس سلسلہ میں کسی قسم کی رائے دینا نہیں چاہتے، یہ جناب کے صواب دید پر ہم چھوڑتے ہیں، غیروں پر کفر وفسق کے فتوے لگانے والے اہل حدیث کی اقتداء میں پڑھی ہوئی نماز کو لوٹانے کا فتاوی صادر کرنے والے، اپنے گھر میں بھی صفائی کریں، اپنے اور پرائے میں تفریق کئے بغیر غلط کو غلط اور صحیح کو صحیح تسلیم کرلیں، اکابر پرستی کی بجائے قرآن وسنت کو اپنانے کی بھرپور کوشش کریں۔ اور یہ یقین کرلیں کہ بڑے سے بڑا بھی نہایت فاش غلطی کرسکتا ہے، اکابر کی اغلاط کو اوہام کا نام دے کر حقیقت کا اعتراف کرلیا جائے ان کی خطا کے دفاع پر اپنی علمی صلاحیتوں کو صرف کرنے کی بجائے عامۃ المسلمین کی بہتری کے لئے دینی کاموں کو سرانجام دیا جائے اس سے یقیناً تمام مسلمانوں کا بھلا ہوگا۔ کفر وشرک اور بدعات سے نکل کر عوام توحید وسنت کے پرچم کے نیچے جمع ہوجائیں گے۔ انشاء اللہ،

اس مشن میں بالفرض آپ ناکام بھی رہے تب بھی بہرحال آپ کا اجر ثابت ہوجائے گا یا کم از کم اللہ تعالیٰ کے حضور عوام کی دینی جہالتوں پر جناب سے باز پرس نہ ہوگی۔

فصل دوم

مناقب امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ

(۱) حضرت عبد اللہ بن مبارک فرماتے ہیں کہ میں حضرت امام مالک کی خدمت میں حاضر تھا کہ ایک بزرگ آئے، جب وہ اٹھ کر چلے گئے تو حضرت امام مالک نے فرمایا جانتے ہو یہ کون تھے؟ حاضرین نے عرض کیا کہ نہیں (اور میں انہیں پہچان چکا تھا) فرمانے لگے۔

یہ ابو حنیفہ ہیں، عراق کے رہنے والے، اگر یہ کہہ دیں کہ یہ ستون سونے کا ہے، تو ویسا ہی نکل آئے انہیں فقہ میں ایسی توفیق دی گئی ہے کہ اس فن میں انہیں ذرا مشقت نہیں ہوئی۔

(اخبار ابی حنیفۃ و اصحابہ ص ۷۴ حدیث اور اہل حدیث ص ۲۸)۔

اولا: یہ روایت امام صاحب کی مدح میں نہیں بلکہ قدح میں ہے، اور مقلد انوار صاحب نے، لخرجت کما قال، کا معنی غلط کیا ہے، درست معنی یہ ہے کہ دلائل سے لکڑی کے ستون کو ویسا ہی نکال لائیں جیسا کہ کہا تھا، بلفظ دیگر اتنے ضدی ہیں کہ حق بات کو قبول ہی نہیں کرتے اگر لکڑی کے ستون کو سونے کا کہہ دیں تو اس پر بھی دلائل دینے شروع کر دیتے ہیں۔

ثانیا: یہ روایت من گھڑت اور باطل ہے امام عبد اللہ بن مبارک سے نقل کرنے والا راوی جبارۃ بن مغلس حمانی ہے، اسے امام یحیٰی نے کذاب قرار دیا ہے۔

(تہذیب الکمال ص ۴۳۶ ج ۱)۔

اس سے نیچے کا راوی احمد الحمانی ہے، ذہبی کہتے ہیں کہ کذاب و وضاع ہے، ابن عدی کہتے ہیں کہ میں نے کذابین میں سے اس سے بڑھ کر کسی کو بے حیا نہیں دیکھا، ابن فوارس وغیرہ نے وضع احادیث سے متہم کہا ہے۔

(میزان ص ۱۴۰ ج ۱ ولسان ص ۲۶۹ ج ۱)۔

(۲) فرماتے ہیں کہ امام شافعی رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: حضرت امام مالک رحمہ اللہ سے دریافت کیا گیا کہ آپ نے ابو حنیفہ کو دیکھا ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں دیکھا ہے، وہ ایسے شخص تھے کہ اگر تم سے اس ستون کے سونا ثابت کرنے کے دلائل بیان کریں تو وہ ضرور اپنی حجت میں کامیاب رہیں۔

(تاریخ بغداد ص ۳۳۷ ج ۱۳)۔

ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ یہ روایت مدح نہیں، امام ابو حاتم رازی ان الفاظ سے اس پر تبصرہ کرتے ہیں کہ۔

انه كان يثبت على الخطاء ويحتج دونه ولا يرجع الى الصواب اذابان له۔
(یعنی امام مالک کی مراد یہ تھی کہ) بے شک ابو حنیفہ غلطی پر ڈٹا رہتا تھا اور اس پر دلائل دیتا رہتا تھا۔ اور صحیح بات ابو حنیفہ کے سامنے ظاہر ہو بھی جاتی تھی تو اس طرف رجوع نہ کرتا تھا۔
(آداب الشافعی و مناقبه ص۲۱۲ وتاریخ بغداد ص۴۰۱ ج۱۳)۔
امام ابو حاتم نے امام مالک کے قول کی جو سند درج کی ہے وہ مختصر اور صحیح ہے، اور اس میں صاف وضاحت ہے کہ

وهى من خشب او حجارة۔
یعنی ستون خواہ لکڑی و پتھر کا ہی ہو۔

مگر مقلد انوار صاحب یہاں نادان دوست کا کردار ادا کرتے ہوئے اسے منقبت قرار دے رہے ہیں۔ اے جی لکڑی و پتھر کو سونا ثابت کرنا فقاہت نہیں ضد اور ہٹ دھرمی ہے، اور ضد و ہٹ دھرمی قابل تعریف نہیں بلکہ قابل نفرت ہے، مگر آفریں مقلد انوار صاحب پر وہ اسے بطور مدح و منقبت پیش کرتے تھے۔ ہم تو یہ پڑھ کر اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ آپ درپردہ امام صاحب کے مخالف ہیں۔

(۳) حضرت امام شافعی فرماتے ہیں: جو شخص فقہ حاصل کرتا ہے، وہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے اور ان کے اصحاب کو لازم پکڑے، کیونکہ تمام لوگ فقہ میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے خوشہ چین ہیں (تاریخ بغداد ص۳۴۶ ج۱۳) میں نے ابو حنیفہ سے بڑھ کر کوئی فقیہ نہیں دیکھا۔
(مناقب ابو حنيفة للكردری ص۹۹ حديث اور اهل حديث ص۳۹)۔

تاریخ بغداد کی روایت میں احمد الحمانی راوی ہے۔ اور یہ کذاب ہے، جیسا کہ امام مالک کے قول کے جواب میں تفصیل گزر چکی ہے، کردری کی روایت بھی (تاریخ بغداد ص۳٤٦ ج۱۳)، سے منقول ہے، اور اس میں خیر سے ایک راوی زکریا بن عبد الرحمٰن مجہول ہے کتب رجال مثلاً: تہذیب التہذیب، الجرح والتعدیل، ثقات ابن حبان، تاریخ کبیر للبخاری، تہذیب الکمال، میزان الاعتدال، لسان المیزان، الانساب، تاریخ بغداد، سیر اعلام النبلاء و تاریخ الاسلام ہما للذہبی وغیرہ کتب میں اس نام کا کوئی راوی نہیں جو عبد اللہ کا شاگرد اور مادرانی کا استاد ہو، اور نہ ہی کوئی دیوبندی علامہ فہامہ اس کی جہالت کو دور کرسکتا ہے، الغرض یہ امام شافعی پر بہت بڑا بہتان ہے، امام شافعی نے تو امام محمد کو مناظرہ میں منوا لیا تھا کہ امام مالک قرآن و حدیث اور آثار صحابہ کرام کے ابو حنیفہ سے زیادہ عالم ہیں۔ دیکھئے: (مقدمه الجرح والتعديل ص٤)۔

اور جو زیادہ عالم ہو وہی زیادہ فقیہ ہوتا ہے، کیونکہ قرآن و حدیث اور آثار صحابہ کرام سے ہٹ کر کسی چیز کا نام فقاہت نہیں بلکہ جدلیات ہے۔

(۴) حضرت ابو بکر مروزی فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا، ہمارے نزدیک یہ بات ثابت نہیں کہ ابو حنیفہ نے قرآن کو مخلوق کہا ہے، میں نے عرض کیا کہ الحمدللہ، اے ابوعبد اللہ (یہ امام احمد کی کنیت ہے) ان کا تو علم میں بڑا مقام ہے، فرمانے لگے، سبحان اللہ، وہ تو علم، ورع، زہد اور عالم آخرت کو اختیار کرنے میں اس مقام پر ہیں جہاں کسی کی رسائی نہیں۔

(مناقب الامام ابی حنیفة للذهبی ص۲۷ حدیث اور اهل حدیث ص ۳۰)۔

علامہ ذہبی نے یہ قول بلا سند نقل کیا ہے، خطیب نے (تاریخ ص۳۷۴ ج۱۳) میں اس کی سند درج کی ہے۔ جو حسن درجہ کی ہے، بلاشبہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے قرآن کو مخلوق کہنے کے مؤقف سے رجوع کرلیا تھا (تفصیل اللمحات سے دیکھ لی جائے) یہ بات ملحوظ رہے کہ خطیب نے جو متن درج کیا ہے، وہ صرف اتنا ہے۔

لم يصح عندنا ان ابا حنيفة كان يقول القرآن مخلوق۔

اگلے الفاظ روایت میں نہیں لہذا بے اصل ہیں۔

(۵) حضرت سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں کہ میری آنکھ نے ابو حنیفہ کی مثل نہیں دیکھا۔

(مناقب الامام ابی حنیفة للذهبی ص۱۹)۔

آپ یہ بھی فرماتے تھے، علماء تو یہ تھے، ابن عباس اپنے زمانے میں، امام شعبی اپنے زمانے میں اور ابو حنیفہ اپنے زمانے میں اور سفیان ثوری اپنے زمانے میں۔

(اخبار ابی حنیفة و اصحابه ص۷۶ حدیث اور اهل حدیث ص۳۰)۔

پہلی روایت میں ایک راوی محمد بن عمر جعابی ہے علامہ ذہبی فرماتے ہیں، فاسق تھا، اور عقیدہ کے لحاظ سے رافضی تھا۔ (میزان ص۶۷۰ ج۳)۔

اور دوسری روایت جو مقلد انوار صاحب نے صیمری کی اخبار ابی حنیفہ سے نقل کی ہے، اس کی سند میں، عبد اللہ بن محمد الحلوانی راوی مجہول ہے، کتب رجال میں اس کے حالات دستیاب نہیں ہوئے پھر صحیح روایت میں امام ابو حنیفہ کا نام نہیں ہے، تفصیل کے لئے، التنکیل ص۱۹۳ ج۱ ملاحظہ کریں۔

(۶) شیخ الاسلام والمسلمین حضرت یزید بن ہارون فرماتے ہیں ابو حنیفہ پرہیزگاری، پاکیزہ، صفات، زاہد، عالم، زبان کے سچے، اور اہل زمانہ میں سب سے بڑے حافظ حدیث تھے، میں نے ان کے معاصرین میں سے جتنے لوگوں کو بھی پایا سب کو یہی کہتے سنا کہ اس نے ابو حنیفہ سے بڑھ کر کوئی فقیہ نہیں دیکھا۔

(اخبار ابی حنیفة و اصحابه للصیمری ص۳۶ حدیث اور اهل حدیث ص۳۱)۔

اس کی سند میں، احمد بن عطیہ، راوی مجہول ہے جو اس روایت کی صحت کا مدعی ہے وہ بحوالہ اس کی

عدالت و ثقات ذکر کرے۔

(۷) امام الجرح والتعدیل حضرت یحییٰ بن سعید القطان فرماتے ہیں واللہ ابوحنیفہ اس امت میں خدا اور اس کے رسول سے جو کچھ وارد ہوا ہے اس کے سب سے بڑے عالم تھے۔

(مسعود بن شیبة متوفی فی القرن السابع، مقدمة کتاب التعلیم ص ۱۳٤ حدیث اور اهل حدیث ص ۳۱).

مسعود بن شیبہ نے یہ روایت کہاں سے لی ہے، بحوالہ اس کی صراحت کی جائے اور کتاب التعلیم کا مصنف مسعود بن شیبہ مجہول ہے جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے، لسان المیز ان ص ۲۶ ج ۲ میں اور امام ابوزرعہ عراقی نے ذیل ص ۱۴۸ ترجمہ نمبر ۶۸۸ میں صراحت کی ہے، التنکیل ص ۳۹۶ ج ۱)۔ جب اس کا راوی ہی مجہول ہے تو یہ روایت نا قابل قبول ہے بالخصوص جب کہ امام شافعی اور امام مالک جیسے اساطین علم پر طعن کرتا ہے، ملاحظہ ہو (طلیعة التنکیل ص ٦٣).

(۸) سید الحفاظ حضرت یحییٰ بن معین سے ایک بار ان کے شاگرد احمد بن محمد بغدادی نے حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے متعلق ان کی رائے دریافت کی تو آپ نے فرمایا، سراپا عدالت ہیں، ثقہ ہیں، ایسے شخص کے بارے میں تمہارا کیا گمان ہے جس کی ابن مبارک اور وکیع نے توثیق کی ہے۔

(حافظ الدین بن محمد المعروف بالکردری، مناقب ابی حنیفة ص ۱۰۱ حدیث اور اهل حدیث ص ۳۱)۔

کردری میں یہ روایت نسفی کے حوالے سے ذکر کی گئی ہے، مگر اس کی سند درج نہیں ہے، اور بلاسند بات قابل حجت نہیں ہوا کرتی بالخصوص جب یحییٰ بن معین سے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ پر جرح موجود ہے، ملاحظہ ہو (کتاب السنة ص ۲۲٦ ج ۱ والضعفاء الکبیر للعقیلی ص ۲۸۵ ج ٤ و ابن عدی ص ٤٧٣ ج ٧ و تاریخ بغداد ص ٤٤٩ ج ١٣) اور اس کی سند بھی کم از کم حسن ہے، الغرض یہ روایت من گھڑت اور باطل ہے، جو اس کی صحت کا مدعی ہے وہ اس کی صحیح سند پیش کرے۔

(۹) امام اہل بلخ حضرت خلف بن ایوب فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے علم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچا، آپ کے بعد آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کو صحابہ رضی اللہ عنہم کے بعد تابعین کو، پھر تابعین سے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور ان کے اصحاب کو ملا اس پر چاہے کوئی خوش ہو یا ناراض۔

(ابو بکر احمد بن علی الخطیب بغدادی تاریخ بغداد ص ۳۳۶ ج ۱۳ حدیث اور اهل حدیث ص ۳۲)۔

خلف بن ایوب کو ابن معین نے ضعیف کہا ہے اور عقیدہ کے لحاظ سے مرجی تھا، (تقریب) معروف حنفی مقلد تھا، اگر اس نے اپنے مطاع کے متعلق تعریفی کلمات کہہ دیئے ہوں تو کوئی مستحسن چیز نہیں آج بھی حنفی اپنے امام کو امت مرحومہ کا وارث گردانتے ہیں، مزید برآں اس کی سند میں، محمد بن خلف بن رجاء، اور محمد بن سلمہ دو راوی ہیں جن کی عدالت معلوم نہیں کتب رجال میں اس نام کے کوئی

ایسے راوی نہیں جن کا شمار خلف بن ایوب کے شاگردوں میں ہوتا ہو، پھر یہ روایت جہاں ضعیف ہے وہاں ہی مقلد انوار صاحب اور ان جیسے دیگر مقلدین کے خلاف بھی ہے، تفصیل اس اجمال کی یہ کہ حنفیہ کا دعویٰ ہے کہ امام صاحب نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے علم دین حاصل کیا، مقلد ابو بلال جھنگوی لکھتا ہے۔

امام صاحب نے پچپن حج کیے ہیں، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں جا کر نمازیں پڑھی ہیں، جو کام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو کرتے دیکھا ہے۔ آپ کا آخری عمل سمجھ کر امام صاحب محفوظ فرما لیتے اور جو روایات خیرالقرون میں صحابہ نے ترک کردیں امام صاحب نے بھی ترک کردیں اگر وہ روایات قابل عمل ہوتیں تو آپ کے یارضرور عمل کرتے۔ (تحفہ اهل حدیث ص ۵۹)۔

جب کہ مقلد انوار صاحب کی درج کردہ مذکور روایت سے احناف کا یہ دعویٰ لچر اور فضول ثابت ہونے کے علاوہ یہ بھی متحقق ہوگیا ہے کہ غیر مقلد امام ابو حنیفہ تابعی نہیں تھے، دیکھئے مقلد انوار صاحب اپنی نقل کردہ روایت کا یہ پہلو تسلیم کرتے ہیں یا نہیں۔

(۱۰) محدث...... عبد اللہ بن داؤد الخریبی فرماتے ہیں حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی عیب گوئی دو آدمیوں میں سے ایک کے سوا کوئی نہیں کرتا یا تو جاہل شخص جو آپ کے قول کا درجہ نہیں جانتا یا حاسد جو آپ کے علم سے واقف نہ ہونے کی وجہ سے حسد کرتا ہے۔

(ابو عبد الله حسین بن علی الصیمری، اخبار ابی حنیفة و اصحابه ص۷۹)۔

نیز فرماتے ہیں: مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ اپنی نماز میں ابوحنیفہ کے لیے دعا کیا کریں، کیونکہ انہوں نے حدیث وفقہ کو ان کے لیے محفوظ کیا ہے۔

(تاریخ بغداد ص ۳۴۴ ج ۱۳)،(حدیث اور اهل حدیث)۔

(۱) محدث کے آگے جو نقاط ہیں مقلد انوار صاحب نے ہی لگائے ہیں، معلوم ایسے ہوتا ہے کہ مقلد انوار صاحب نے تاریخ بغداد میں، الخریبی، کا لفظ امام عبد اللہ کے ساتھ لکھا ہوا تو پڑھ لیا تھا۔ مگر بوجہ اس کا علم نہ تھا، اس لئے یہ جان نہ سکے کہ کہاں کے محدث وفقیہ ہیں، اس لئے صرف لفظ محدث پر اکتفا کر گئے، لیجئے ہم صراحت کر دیتے ہیں، امام ابو عبدالرحمٰن عبد اللہ بن داود الخریبی کوفہ کے رہنے والے تھے پھر بصرہ چلے گئے اور وہاں انہوں نے بصرہ کے محلّہ، الخریبہ، میں اقامت اختیار کر لی، جس کی وجہ سے انہیں الخریبی کہا جاتا ہے۔ (الانساب للسمعانی ص٤٠٦ ج٢)۔

امید ہے کہ اب مقلد انوار صاحب اسے نمک مرچ لگا کر شکریہ کے ساتھ درج کر لیں گے۔

(۲) صیمری کی روایت میں، محمد بن شجاع بغدادی حنفی ہے، عقیدہ کے لحاظ سے جہمیہ تھا، قرآن مجید کے کلام الہی ہونے کا منکر اور مخلوق ہونے کا قائل تھا، امام عثمان بن سعید دارمی نے اس کے رد میں ایک کتاب بھی لکھی تھی، امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں ابن شجاع بدعتی اور ہوائے نفس کا پوجاری تھا، امام ابن

عدی فرماتے ہیں جھوٹی روایات محدثین کے مثالب کے لئے وضع کرتا تھا۔ امام زکریا ساجی کہتے ہیں احادیث رسول کو رد کرنے اور اپنے مذہب (حنفی) کی تائید میں روایات وضع کرتا تھا کذاب ہے، ازدی کہتے ہیں بد مذہب ہونے کے علاوہ کذاب بھی تھا۔

(تهذیب الكمال ص ۳۴۴ ج۶)، (میزان الاعتدال ص ۵۷۸ ج۳)۔

اس سے نیچے کا روای محمد بن محمود صیدلانی مجہول ہے، صید لانی سے معلوم ہوا کہ پنساری حنفی ہی ہیں۔ پھر اس سے نیچے کے دو راوی محمد بن احمد مسکی، اور احمد بن صیدفی بھی مجہول ہیں۔ اور جس روایت میں ایک راوی کذاب ہو تین مجہول ہوں، اُن سے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی منقبت ثابت کرنا مقلد انوار صاحب کا ہی کام ہے۔

(۳) تاریخ بغداد کی روایت کا حال بھی ملاحظہ کرتے جایئے!

عبد اللہ بن داؤد خریبی سے روایت کرنے والا راوی ابو عبد اللہ الکاتب ہے۔ اور خطیب نے اسے تاریخ ص ۳۸۲ ج ۲ میں ذکر کیا ہے۔ مگر کوئی جرح یا تعدیل بیان نہیں کی جس سے معلوم ہوا کہ موصوف محتاج عدالت ہیں اس سے نیچے ایک راوی عبد الواحد خصیب ہے، جو مجہول الحال ہے، کتب رجال میں اس کا ترجمہ نہیں پایا جاتا، الغرض یہ روایت عبد اللہ بن داؤد خریبی پر بہتان ہے۔

(۴) یہ بات سرے سے غلط ہے کہ احادیث و فقہ کو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے امت مرحومہ کے لئے محفوظ کیا ہے، یہ شرف محدثین کو حاصل ہے، امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی تو کوئی کتاب ہی نہیں ہے مقلد انوار صاحب کے معتمد جناب علامہ شبلی فرماتے ہیں ہم نے اس بحث میں اپنی رائے اور قیاسات کو بہت دخل دیا ہے۔ لیکن تمام واقعات بھی لکھ دیئے ہیں ناظرین کو ہم اپنی رائے کے قبول کرنے پر مجبور نہیں کرتے، اصلی واقعات اور ہماری رائیں دونوں ان کے سامنے ہیں، وہ جو چاہیں خود فیصلہ کریں، بے شبہ ہماری ذاتی رائے یہی ہے کہ آج امام صاحب کی کوئی تصنیف موجود نہیں۔

(سیرت النعمان ص ۱۴۹)۔

(۱۱) حضرت عبد اللہ بن مبارک فرماتے ہیں اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے ابو حنیفہ اور سفیان ثوری سے نہ ملایا ہوتا تو میں بدعتی ہوتا۔

(مناقب الامام ابی حنیفة للذهبی ص ۱۸ حدیث اور اهل حدیث ص ۳۳)۔

(۱) علامہ ذہبی نے یہ قول بلا سند اور بغیر حوالے کے نقل کیا ہے جو اس کی صحت کا مدعی ہے وہ اس کی صحیح سند بیان کرے۔

(۲) احناف نے تو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی تقلید کی ہے، تقلیدی بدعت کے علاوہ ان میں اور کوئی بدعت نہیں ہونی چاہیئے تھی، مگر ان میں عقائد کے علاوہ فروعات میں بھی بدعات ہیں، غالباً بریلوی

بدعات کا تو مقلد انوار صاحب بھی انکار نہیں کریں گے، ثابت ہوا کہ کسی شخص کا مجرد امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کو ملنے سے بدعتی نہ ہونا لازم نہیں آتا۔ موصوف نے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے ہم عصر اور ان کے قریب زمانے کے اکابر محدثین کے جو اقوال مناقب میں ذکر کئے ہیں ان کی حقیقت آپ کے سامنے ہے، کہ کوئی قول بھی بسند صحیح وحسن ثابت نہیں ہے۔ الغرض امام صاحب کے مناقب ثابت کرنے میں تا حال انوار صاحب ناکام رہے ہیں۔

علمائے اہل حدیث پر نظر کرم: محترم انوار صاحب نے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے مناقب بیان کرنے کے بعد نہایت فضول بحث اٹھائی ہے کہ اہل حدیث کو فقہ حنفی سے شدید نفرت ہے، اور ان کے فلاں مولوی صاحب کی علمی حیثیت یہ تھی، اور فلاں کی یہ تھی۔ دیکھئے! (حدیث اور اہل حدیث ص ۳۴ تا ۴۱)۔

اس کے جواب میں ہم سب سے پہلے مقلد انوار صاحب سے گزارش کرتے ہیں کہ کیا آپ کے نزدیک ہدایت علم پر موقوف ہے، نہیں قطعاً نہیں، پادری اکبر مسیح، پادری عبد اللہ آتھم، پادری عماد الدین، پادری عبد الحق، برصغیر کے ہی نامور عیسائی پادری تھے، اور عربی زبان کے ماہر تھے، جدید عربی ڈکشنری المنجد اور اقرب الموارد کے مؤلفین عیسائی تھے، مرزا غلام احمد قادیانی نے عربی زبان میں ایک درجن کے قریب عربی کتب تحریر کی ہیں شاید آپ مرزا اور صاحب منجد کی عربی میں کیڑے نکالنا شروع کر دیں، مگر ہم آپ کو ایک ایسا عربی ادیب دکھاتے ہیں جس کے سامنے کسی دیوبندی کو دم مارنے کی گنجائش نہ رہے گی، وہ احمد بن حسین الکندی کوفی المعروف المتنبی ہے اس کا دیوان بطور ادب داخل درس نظامی ہے، اور انوار خورشید جیسے علامہ دیوان متنبیّ جیسا دیوان تیار کرنا تو کجا پڑھنے کی صلاحیت بھی شاید نہ رکھتے ہوں، تو کیا یہ ہدایت یافتہ تھے، انہیں صرف عربی جاننے کی وجہ سے بہشت کا ٹکٹ مل جائے گا، نہیں قطعاً نہیں، اس کے برعکس دیکھئے ملت اسلامیہ کے کتنے ہی بزرگ عربی زبان میں اتنی مہارت نہ رکھتے تھے۔ ابراہیم نخعی کے متعلق تو علامہ ذہبی نے لکھا ہے کہ ان کی عربیت اچھی نہ تھی بیشتر عبارات میں غلطی کرتے تھے۔ (میزان ص ۷۵ ج ۱)۔

امام مکحول جلیل القدر محدث ہیں مگر بوجہ عجمی ہونے کے حرف قل، کو، کل پڑھا کرتے تھے۔
(تہذیب الکمال ص ۲۱۸ ج ۷)۔

آپ کو یہ نظر آ گیا کہ اہل حدیث کا فلانا واعظ، اضحیٰ کی جمع غلط بتا گیا ہے۔ مگر یہ نظر نہ آیا کہ اسی گروہ میں عربی زبان پر مکمل عبور رکھنے والے بھی موجود ہیں، اگر اعتبار نہ ہو تو مولانا ابو الحسن علی ندوی کی کتاب، حیات عبد الحی، کا مطالعہ کر لیں جس میں انہوں نے نواب صدیق حسن خان رحمہ اللہ کو ان چار عربی ادیبوں میں شامل کیا ہے جن کی تحریروں میں اہل زبان کی حلاوت وسلاست کے نمونے اور مطالب کی ادائیگی پر قدرت نظر آتی ہے۔ (حیات عبد الحی ص ۲۰۷)۔

برصغیر میں صرف میاں نذیر حسین محدث دہلوی کے تلامذہ نے عربی زبان میں قرآن کی تفاسیر اور شروحات احادیث لکھی ہیں، ہمارے واعظین کی اغلاط نکالنے والوں نے کبھی اپنی حیثیت پر بھی غور کیا ہے؟ دیوبند کے شیخ الحدیث اور خاتمۃ الحفاظ، امام العصر انور شاہ کاشمیری کی عربیت پر تھوڑا بہت لکھ دو۔

الشیخ الحافظ عبد اللہ محدث روپڑی رحمۃ اللہ نے الکتاب المستطاب، میں انور شاہ صاحب کی ساٹھ غلطیاں عربی عبارات سے نکالی ہیں۔(الکتاب المستطاب ص ۱تا۱۶)۔ اس کو بھی جانے دیجئے آپ کے پیرو مرشد اور دیوبندیت کے مناظر اعظم ماسٹر امین اوکاڑوی عربی عبارات غلط پڑھا کرتا تھا، اسے فاعل مفعول کی تمیز تک نہ تھی حافظ ارشد، شاہد مسعود معاویہ وغیرہ سب جہلا کا ٹولہ ہے، اور آپ کے رد اہل حدیث میں مناظر اعظم ہیں مناظرہ جوہر آباد میں خاکسار نے شاہد مسعود کو کہا تھا کہ صرف دو سطر عربی عبارت صحت کے ساتھ پڑھ دو تو ایک ہزار روپیہ نقد انعام! یہ کہہ کر میں نے جیب سے ہزار روپیہ نکال کر ہاتھ میں لہراتے ہوئے کہا تھا کہ پڑھیئے اور لیجئے، مگر اسے ہمت نہ ہوئی، پھر اپنی علمیت کا دعویٰ کرتے ہوئے انہیں شرم آنی چاہئے، اہل علم کا اتفاق ہے کہ مقلد عالم نہیں جاہل ہوتا ہے، (اعلام الموقعین ص۳۷ ج۱)۔

سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کا معراج:

مقلد انوار صاحب نے مولانا محمد اشرف سلیم صاحب کی کتاب، میزان المتکلمین ص۱۳۶ سے نقل کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو صلیب پر معراج کرائی، پھر اس کی قرآن کریم کی آیت، **ماقتلوہ وما صلبوہ**، سے تردید کی ہے، اور کہا ہے کہ ایسے معلوم ہوتا ہے کہ مولوی صاحب معراج کے معنی سے بھی واقف نہیں بس تقریری ترنگ میں ہر نبی کو معراج کروا رہے ہیں،

(حدیث اور اہل حدیث ص۳۸)۔

بلاشبہ مولانا مرحوم نے یہ لکھا ہے، مگر اس سے انہوں نے توبہ اور رجوع کرلیا تھا، جیسا کہ موصوف نے اعتراف کیا ہے کہ تقریری ترنگ میں کہہ گئے ہیں۔ بالکل درست بات ہے ورنہ ان کا یہ عقیدہ نہ تھا کہ ہر نبی کو معراج ہوا ہے اور سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو صلیب پر معراج ہوا تھا، حضرت استاذی المکرّم الشیخ محمد یحیٰی گوندلوی حفظہ اللہ نے انہیں جب اس غلطی پر تنبیہ کی تو انہوں نے اس سے توبہ اور رجوع کرلیا اور آئندہ اشاعت میں اس کی تلافی کرنے کا وعدہ فرمایا مگر عمر نے وفا نہ کی اور وہ اصلاح کئے بغیر ہی فوت ہوگئے، یہ بالکل سچا واقعہ ہے۔ و کفی باللہ شھیدا۔

مگر یہ غلطی سب سے پہلے مولانا دوست محمد قریشی حنفی دیوبندی سے ہوئی تھی موصوف فرماتے ہیں کہ اگر کسی کو آگ میں قرب نصیب ہوا ہو تو اس کے لئے معراج وہاں ٹھہرا، اگر کسی کو پانی میں جلوہ نصیب ہوا تو اس کے لئے معراج وہاں ٹھہرا، اگر کسی کو جوالسماء ترقی نصیب ہوئی تو اس کے لئے وہاں،

اگر کسی کے لئے کنوئیں کے اندر پیغامات کا سلسلہ شروع ہوا تو اس کے لئے وہاں، اگر کسی کو چھری کے نیچے دیدار نصیب ہوا تو اس کے لئے وہاں، بہر حال جس کو بھی معراج نصیب ہوا، فرش پر ہوا، اور سرور کائنات کو نصیب ہوا، تو عرش پر ہوا۔ (منہاج التبلیغ ص۹۶)۔

بات ایک ہی ہے صرف الفاظ کا فرق ہے، آپ نے مولانا اشرف سلیم کو تو دھر لیا انہیں معراج کے معنیٰ کا بھی علم نہ تھا۔ مگر آپ کے علامہ قریشی تو اچھے خاصے پڑھے لکھے اور منجے ہوئے مناظر تھے، کیا انہیں بھی معنی معراج نہیں آتا تھا؟۔

پھر جو السماء کی وضاحت بھی مطلوب ہے کہ فضا میں معراج کس نبی کو ہوا تھا، محترم کا، ماقتلوہ وما صلبوہ، سے مولانا اشرف سلیم کی نام لے کر تردید کرنا اور علامہ قریشی کو نظر انداز کر جانا، تبلیغ حق میں اپنے اور پرائے کی تمیز پر مبنی ہے، ورنہ انہیں بھی ساتھ ملایا ہوتا، اور ساتھ مولانا عبید اللہ سندھی کو بھی دھر لیا ہوتا کہ یہ بھی ، ماقتلوہ کے منافی ہے۔ کیونکہ انہوں نے علی الاعلان کہا ہے کہ حیات مسیح کا عقیدہ یہودی و صابی کہانی ہے۔ (الهام الرحمن فى تفسير القرآن ص ۲۴۰)۔

مقلد انوار صاحب ان کی بھی تردید پر دو چار سطور لکھ دیتے کہ یہودی حیات مسیح کے قائل نہیں وہ تو کہتے ہیں ہم نے انہیں قتل کر دیا ہے، جس کی نفی قرآن میں، ماقتلوہ، سے کر دی گئی ہے آخر صرف مولانا اشرف سلیم ہی قابل گردن زدنی کیوں ہیں؟

محترم آپ کو ایک واعظ کی بات تو نظر آگئی مگر جماعت کے محققین کی تصریحات نظر نہ آئیں کہ جماعت اہل حدیث حیات مسیح کی قائل اور مسیح کو صلیب پر چڑھانے کا سختی سے انکار کرتی ہے، مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی رحمہ اللہ کی، شہادۃ القرآن ، مولانا محمد سلیمان منصور پوری کی، غایت المرام، اور تائید الاسلام، وغیرہ بیسیوں کتابیں اور رسائل علماء اہل حدیث کے شائع ہیں۔ خود خاکسار کی کتاب، مسئلہ حیات مسیح پر مناظرہ نارنگ منڈی ، مطبوع ہے، شاذ اقوال پیش کر کے مطعون کرنا فی نفسہ قابل ملامت چیز ہے، اسی طرح کے شاذ مسائل سے فقہ حنفی بھری پڑی ہے، ان کی بھی خبر لیجئے، ایک ایک کا نام لے کر تردید کیجئے۔

حنفی مذہب کی حالت

ملحوظ: عبارات مندرجہ ذیل سے حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے زہد ، ورع، تقویٰ، تقدس، طہارت، آخرت کے مرتبہ اور ثواب و درجات میں کسی طرح کا نقصان نہیں آسکتا، اور نہ آپ کی اولاد و شاگردوں کے مرتبہ میں، ہاں آپ کا اور آپ کے متعلقین کا پایہ حدیث میں کسی قدر گرا ہوا ضرور معلوم ہوتا ہے جس سے مذہب اثر لئے بغیر رہ نہیں سکتا۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ اور علم حدیث:

تاریخ ابن خلدون جلد ا ص ۳۷۱ میں ہے کہ "فابو حنیفة رضی الله عنه یقال بلغت روایته الی سبعة عشر حدیثا" امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی نسبت کہا گیا ہے کہ ان کو سترہ حدیثیں پہنچی ہیں۔

(۲) قیام اللیل مطبوعہ لاہور ص ۱۲۳ میں قول عبداللہ بن مبارک "کان ابو حنیفة یتیما فی الحدیث"۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ حدیث میں یتیم تھے۔

(۳) مناقب الشافعی للرازی میں قول امام احمد (لا رأی ولا حدیث)۔

نہ ان کی رائے کام کی ہے نہ حدیث، (یعنی حضرت امام ابوحنیفہ کی)۔

(۴) عمدہ الرعاۃ ص ۳۴ میں مولانا عبدالحی صاحب فرماتے ہیں کہ۔

واماروایاته للاحادیث فهی وان کانت قلیلة بالنسبة الی غیره من المحدثین الا ان قلتها لا تحط مرتبته۔

اور محدثین کی نسبت ان کی روایت گوکم ہیں مگر ان کی کمی ان کے مرتبے کونہیں گھٹاتی۔

(۵) ظفر الامانی مطبوعہ چشمہء فیض ص ۲۴ میں بھی مولانا عبد الحی صاحب، حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قلیل الروایۃ ہونا تسلیم کرتے ہیں۔

وهو هذا: فتقبل روایة قلیل الروایة کابی بکر من الصحابة واما منا الاعظم من الائمه۔

جس راوی سے کم حدیثیں مروی ہوں اس کی روایت بھی مقبول ہے جیسے ابوبکر رضی اللہ عنہ صحابہ سے، اور ہمارے امام اعظم ائمہ دین سے ان سے روایتیں کم پہنچی۔

(۶) شرح ترمذی فارسی مولوی سراج الدین سرہندی حنفی ص ۲۲ میں ہے کہ و در مذہب توشتہ است کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ یک حدیث ازرے (یعنی امام مالک) روایت کردہ واز مناقب دے ہمیں یک سخن کفایت می کندہ،، مواہب میں کہا کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے صرف ایک حدیث امام مالک سے روایت کی ہے یہی ان کے مناقب میں ایک بات کافی ہے۔

(۷) تاریخ ابن خلکان مطبوعہ ایران جلد ۲ ص ۱۰ میں ہے کہ:

قال الشافعی قال لی محمد بن الحسن ایها اعلم صاحبنا ام صاحبکم یعنی ابا حنیفة ومالکا قال قلت علی الانصاف قال نعم قال قلت ناشدتك الله من اعلم بالقرآن صاحبنا أم صاحبکم قال اللهم صاحبکم قال قلت ناشدتك الله من اعلم بالسنة صاحبنا ام صاحبکم قال اللهم صاحبکم قال قلت ناشدتك الله من اعلم باقاویل اصحاب رسو ل الله صلعم المتقدمین صاحبنا ام صاحبکم قال اللهم صاحبکم الشافعی فلم یبق الا القیاس لا یکون الا

علی هذه الا شیاء فعلیٰ ای شیء نقیس۔

امام شافعی نے بیان کیا کہ مجھ سے محمد بن حسن (جو امام ابو حنیفہ کے معزز شاگرد ہیں) کہنے لگے کہ بھلا بتلاؤ تو ہمارے استاد (ابو حنیفہ) بڑے عالم تھے یا تمہارے استاد (امام مالک) زیادہ علم رکھتے تھے میں نے کہا انصافا، انہوں کہا ہاں! میں نے کہا کہ میں تمہیں اللہ تعالیٰ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ بتاؤں قرآن کا علم زیادہ کون رکھتا ہے؟ ہمارے استاد (امام مالک) یا تمہارے استاد (ابو حنیفہ) امام محمد نے کہا کہ اللہ گواہ ہے بے شک تمہارے استاد (امام مالک) قرآن کا زیادہ علم رکھتے تھے۔ پھر میں نے حدیث کی نسبت پوچھا اس میں بھی امام محمد نے یوں ہی اقرار کیا، پھر میں نے اقوال صحابہ کی نسبت پوچھا، اس میں بھی امام محمد نے اسی طرح اقرار کیا کہ امام مالک زیادہ جاننے والے تھے۔ میں نے کہا اب رہ گیا قیاس اور قیاس تو انہیں چیزوں (قرآن و حدیث) پر ہوتا ہے، تو اب کس بات میں دونوں کا مقابلہ کرو گے۔

مؤلف: بے شک ان کے علمی او عملی صدہا فضائل کے سامنے حدیث میں ایک حد تک کمی ہونے سے ان کی عظمت و شان میں کسی طرح کی کمی نہیں آسکتی۔

قلت کے اسباب

سبب اول: عدم تحصیل حدیث:

طحاوی مطبوعہ کلکتہ جلد ا ص۳۵ص۲۶ ج ا طبع المکتبۃ العربیۃ کوئٹہ میں۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ

قال ابو حنیفة لما اردت طلب العلم جعلت التخير العلم وأسئل عن عواقبها فقيل لى تعلم القرآن فقلت لعله اذا تعلمت القرآن وحفظته فما يكون أخره قالوا اتجلس ويقرا عليك الصبيان والاحدث ثم لا تلبث ان يخرج منهم من هو احفظ منك او من يساويك فتذهب رياستك فقلت ان سمعت الحديث و كتبه حتى لم يكن فى الدنيا احفظ من قالوا اذا كبرت حدثت واجتمع عليك لا تحدث والصبيان ثم لم تامن ان تعلط فيرموك بالكذب فيصيرها راعليك قلت لاحا جةلى فى هذا ثم قلت اتعلم النحو فقلت اذا تعلمت النحو العربية ما يكون أخر امرى قالوا تقعد معلما فاكثر رزقك دينا ران الى ثلثةقلت هذا لا عاقبة له قلت فان نظرت فى الشعر فلم يكن اشعر منى ما يكون امرى قالوا تمدح هذا فيهب لك او يحملك على دابة او بخلع عليك خلعه وان حرمك هجوته فصرت تقذف المحصنات

فقلت لا حاجة لی فی هذا فقلت فان نظرت فی الکلام ما یکون أخرة قالوا لا یسلم من نظر فی الکلام من شغاف الکلام فیرمی باالزندقة قلت فان تعلمت الفقة قالوا تسئل وتفتی الناس وتطلب للقضاء وان کنت شابا قلت لیس لی فی العلوم نفع من هذا افلزمت الفقه واتعلمته۔

حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اپنا حال بیان کرتے ہیں کہ جب میرا ارادہ علم حاصل کرنے کا ہوا تو میں تلاش کرنے لگا کہ کون سا علم اچھا ہے سو میں علموں کے فائدے پوچھنے لگا پس مجھ سے کہا گیا کہ قرآن کو سیکھوں میں نے کہا کہ اگر میں قرآن کو سیکھوں اور اس کو یاد کرلوں تو اس کا کیا نتیجہ ہوگا؟ لوگوں نے کہا کہ کسی مکتب خانہ میں بیٹھ کر لڑکوں کو پڑھاؤ گے اور کمسن آدمی پڑھیں گے پھر کچھ عرصہ میں انہیں میں سے کوئی لڑکا تم سے بڑھ کر یا تمہاری مثل حافظ ہوجائے گا۔ تو تمہاری سرداری جاتی رہے گی میں نے کہا کہ اگر میں حدیث کو سنوں اور لکھوں اور اس میں ایسا کمال حاصل کرلوں کہ سب سے بڑھ کر محدث بن جاؤں۔ تو لوگوں نے کہا کہ جب تم بڑی عمر کے ہوجاؤ گے اور حدیث پڑھاتے رہو گے اور کم سن اور جوان لوگ تمہارے شاگرد ہوں گے اور تم بھولنے سے نہیں بچ سکتے تو تم پر طعن جھوٹ کا لگے گا۔ پس تم پر اس کا عار ہوگا۔ تو میں نے کہا کہ اس کی بھی مجھ کو حاجت نہیں، پھر میں نے کہا کہ نحو سیکھوں اور عربیت کو تو نتیجہ کیا ہوگا لوگوں نے کہا کہ معلم بنو گے اور اکثر تمہاری تنخواہ دو یا تین دینار ہوگی میں نے کہا اس کا بھی کوئی فائدہ نہیں پھر میں نے کہا کہ اگر شاعری سیکھوں اور اس میں کمال پیدا کروں تو کیا نتیجہ ہوگا لوگوں نے کہا کہ تم کسی کی تعریف کرو گے وہ تم کو سواری اور خلعت دے گا، اگر نہیں دے گا تو تم اس کی ہجو کرو گے، پس بے عیبوں کو عیب لگاؤ گے۔ میں نے کہا کہ اس کی بھی کچھ حاجت نہیں، پھر میں نے کہا کہ اگر میں علم کلام یعنی منطق فلسفہ سیکھوں، لوگوں نے کہا کہ اس علم کا سیکھنے والا ناقص باتیں کرنے سے نہیں بچتا ہے پھر اس پر زندیق وغیرہ ہونے کا عیب لگ جاتا ہے پھر میں نے کہا کہ اگر میں فقہ کو سیکھوں لوگوں نے کہا کہ اگر فقہ سیکھو گے تو تم سے مسئلے پوچھے جائیگے فتوے لئے جائے گے اور قاضی ومفتی بنانے کے لئے بلایا جائے گا۔ اگرچہ تم اس سے بچنے والے ہوگے میں نے کہا کہ میرے لئے اس سے بڑھ کر کوئی علم زیادہ فائدہ مند نہیں ہے، پس میں نے فقہ کے علم کو خوب حاصل کیا۔

سبب دوئم: عدم سفر در تلاش احادیث:

چنانچہ علامہ شبلی نعمانی سیرۃ النعمان مطبوعہ مجتبائی ص۷۰ میں لکھتے ہیں کہ امام صاحب کے مزاج میں تکلف تھا اکثر خوش لباس رہتے تھے کبھی کبھی سنجاب وقاقم کے جبے بھی استعمال کرتے تھے۔ ابو مطیع بلخی ان کے شاگرد کا بیان ہے کہ میں نے اس دن ان کو نہایت قیمتی چادر اور قمیص پہنتے دیکھا، جس کی قیمت کم از کم

چار سو درہم ہوگی, چار پانچ دینار (اشرفی) کی چادر کو گندہ فرماتے اور اوڑھنے سے شرماتے۔

اور ایضا صفحہ ۳۷ میں لکھتے ہیں کہ ایسے شخص کو طلب حدیث کے لئے عراق، حجاز، مصر، یمن، شام، کا سفر کرنا اور علم حدیث کی طالب العلمی میں برسوں کاٹنا اور احادیث حفظ کرنی اور زحمت طول سفر اٹھانی دشوار بلکہ ناممکن کہنا چاہئے اس وقت حدیث کا ایک جگہ مجموعہ تو تھا ہی نہیں کہ اس کو منگا کر انسان فن حدیث میں شعور پیدا کرلیتا۔ اس زمانہ میں تو محدثین اہل روایت مقامات مختلفہ میں رہتے تھے۔ اور حدیثوں کے حافظ ہوتے تھے کسی کے پاس اجزاء بھی ہوتے تھے تو ایسے نہیں کہ مجموعہ حدیثوں کا پورا یا قدر معتمد مرتب ہو۔ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وجعفر بن محمد هو من أقران ابی حنیفة ولم یکن ابو حنیفة یاخذعنه مع شهرته بالعلم۔

جعفر بن محمد ابو حنیفہ کے ہم عصر تھے ابو حنیفہ نے ان سے علم نہیں حاصل کیا باوجود ان کی علم میں شہرت کے۔ (منهاج السنة ص ٢٤ ج ٢)۔

سبب سوئم: عدم تدوین احادیث:

(۱۱) چنانچہ عبد الوہاب شعرانی اپنی کتاب میزان کبریٰ جلد ا ص ۵۵ میں تحریر فرماتے ہیں کہ

لو عاش حتی دونت احادیث الشریعة وبعد رحیل الحفاظ فی جمعها من البلاد والثغور وظفر بهالا خذبها وترك كل قیاس كان قاسه وكان القیاس قل فی مذهبه كما قل فی مذهب غیره بالنسبة الیه۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ احادیث کے جمع ہوجانے تک اور حفاظ (حدیث) کے حدیثوں کے جمع کرنے کے لئے، (مختلف) بلاد اور اطراف ممالک اسلام میں پھرنے کے اور زندہ رہتے اور ان کی احادیث کو پاتے تو ضرور ان کو لیتے اور جو قیاس انہوں نے کئے ہیں وہ سب چھوڑ دیتے۔ اور ان کے مذہب میں قیاس کم ہوتی جیسا کہ اوروں کے مذہب میں کم ہے۔

(۱۲) نافع کبیر ص ۱۶ مولانا عبد الحی حنفی لکھنوی فرماتے ہیں کہ

اعتقادنا واعتقاد كل منصف فی ابی حنیفة انه لو عاش حتی دونت احادیث الشریعة لاخذ بها وترك كل قیاس كان قاسه۔

ہمارا اور ہر ایک منصف کا اعتقاد ابو حنیفہ کے بارے میں یہ ہے کہ اگر وہ زندہ رہتے حدیثوں کے جمع ہوجانے تک تو احادیث کو لیتے اور تمام قیاسوں کو چھوڑ دیتے۔

(۱۳) میزان شعرانی مطبوعہ مصر ص ۵۵ میں ہے کہ

فان الحفاظ كانوا قدرحلوا فی طلب الاحاديث وجمعها فی عصرهم من المدائن والقرى ودونوها فجاوبت الاحاديث الشريعة بعضها بعضا فهذا كان سبب كثرة القياس فی مذهبه وقلته فی مذاهب غيره۔

حفاظ،، حدیث کی طلب میں سفر کرتے تھے گاؤں اور شہروں سے اسے جمع کیا اور مدون کیا بعض حدیث بعض کے خلاف ہوئیں۔ اس وجہ سے ان (ابوحنیفہ) کے مذہب میں قیاس زیادہ ہوا اور دوسرے مذاہب میں کم۔

(۱۴) دراسات اللبیب مطبوعہ لاہور ص۵۴ میں ملا معین الدین فرماتے ہیں کہ:

لو عاش ابو حنيفة الى تصحيح الاحاديث لترك القياس۔

ترجمہ۔ اگر زندہ رہتے ابوحنیفہ تصحیح احادیث تک تو چھوڑ دیتے قیاس کو۔

سبب چہارم: قلت عربیت

(۱۵) تاریخ ابن خلکان مطبوعہ ایران جلد۲ ص۲۹۶ میں ہے کہ

وقد ذكر الخطيب فی تاريخه منها شيئا كثيرا ثم اعقب ذلك بذكر ما كان الاليحق تركه الا ضراب عند فمثل هذا لامام لايشان فی دينه ولا فی ورعه وحفظه ولم يكن يعاب بشئی بصوی قلته العربية۔

ترجمہ: خطیب نے اپنی تاریخ میں مناقب میں سے بہت بیان کر کے معائب بیان کیے ہیں، جن کا ذکر نہ کرنا مناسب تھا کیونکہ بڑا امام جس کی دیانت اور ورع میں کوئی طعنہ نہیں نہ ان کی ذات میں سوائے عربیت کی کمی کے کوئی عیب نہ تھا۔

یہ پندرہ عبارات مؤلف حقیقت الفقہ نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی قلت احادیث کے متعلق بیان کی تھیں اور تفصیل کے ساتھ چار سبب بھی بیان کئے تھے مقلد انوار صاحب نے ان پندرہ حوالوں میں سے صرف چار کو ہاتھ لگایا ہے بقایا گیارہ کو اپنے بھائیوں کی گیارہویں کے لیے ترک کر دیا ہے۔

ابن خلدون کی عبارت

اس پر مقلد انوار صاحب نے متعدد اعتراض کیے ہیں (۱) ترجمہ غلط کیا ہے، (۲) روایت میں قلیل ہونا کوئی عیب نہیں ہے کیونکہ اس سے علم حدیث سے ناواقفی یا واقفیت کا تھوڑا ہونا لازم نہیں آتا، اس لئے ممکن ہے کہ محدث وفور علم کے باوجود حزم واحتیاط کی بنا پر حدیث کی آگے روایت کم کرے (۳) ابن خلدون نے امام صاحب کے متعلق جو کہا ہے وہ ان کے قلیل الروایت ہونے کی تمثیل

میں کہا ہے، بطور طعن یا اعتراض کے نہیں کہا۔

(۴) ابن خلدون نے اسے بصیغہ تمریض ذکر کیا ہے، جو خود اس کے ضعف اور مرجوحیت کی دلیل ہے۔

(۵) ابن خلدون کا یہ اپنا قول نہیں بلکہ انہوں نے اسے مجہول کے صیغہ یقال سے ذکر کیا ہے، جس کا مطلب ہے کہ، کہا جاتا ہے۔

(۶) ابن خلدون گو عظیم مؤرخ اسلام ہیں لیکن انہیں ائمہ کرام کی مرویات کا صحیح علم نہیں ہے،

(۷) امام صاحب کے کثیر تعداد میں شاگرد ہیں، بعض متاخرین نے آپ کے آٹھ سو شاگردوں کی فہرست لکھی ہے (الخیرات الحسان ص۲۴) عبداللہ بن یزید نے امام صاحب سے نو سو احادیث سنی تھیں۔

(۸) امام صاحب کی پندرہ مسانید ہیں، جن میں سے چار آپ کے شاگردوں نے بلاواسطہ آپ سے روایت کی ہیں، ان کے علاوہ آپ کے تلامذہ کی تصانیف مثلاً امام محمد کی موطا، کتاب الحجہ، سیر کبیر، قاضی ابو یوسف کی، کتاب الخراج اور امالی، نیز مصنف عبد الرزاق اور مصنف ابن ابی شیبہ میں ہزاروں روایات بسند متصل روایت کی گئی ہیں، امام صاحب کی کتاب الاثار میں تقریبا نو سو احادیث ہیں جن کا انتخاب چالیس ہزار احادیث سے کیا ہے۔

(مناقب ابی حنیفۃ للموفق ص۸۴ وذیل الجواہر المضیہ ص۴۷۴ ج۲) (حدیث اور اہل حدیث ص۴۲ تا ۵۰)۔

الجواب: اولا: انہوں نے ترجمہ درست کیا ہے، یہ صرف آپ کے فہم کا قصور ہے، اگر وہ بھی تسلیم کر لیا جائے جو معنی آپ نے کیا ہے، تب بھی اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ ان کی مرویات سترہ سے زیادہ ہیں۔ آپ ہمت کر کے صحیح اسناد اور متون کے ساتھ اس تعداد سے زیادہ ثابت کر دیں۔

ثانیا: رہا آپ کا یہ کہنا کہ قلت روایت عیب نہیں جیسا کہ خلفاء الراشدین بالخصوص سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کی روایات کم ہیں۔ غلط بیانی ہے آپ پہلی فرصت میں مسند احمد کی پہلی جلد اٹھا کر ملاحظہ کریں اس میں سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ سے بیاسی روایات ہیں۔

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے تین سو اٹھارہ ۳۱۸ روایات مروی ہیں۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے ایک سو باسٹھ ۱۶۲ روایات مروی ہیں۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے آٹھ سو اکیس ۸۲۱ روایات مروی ہے۔

کیا کوئی دانا یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ قلیل روایات ہیں، پھر اپنی مثال پر غور کریں خلفاء الرشدین کو تو امور خلافت، سیاست، اقامت حدود اور بعث جیوش کی بے پناہ مصروفیات تھیں، سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تو نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تھوڑا عرصہ زندہ رہے، اور فتنوں کو سر کرتے ہی موت کا پیغام آگیا، لہذا سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ پر قیاس کرنا فضول ہے۔

ثالثاً: رہا یہ مسئلہ کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی مرویات بوجہ احتیاط کم ہیں، غلط محض ہیں۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تو مرسل، منقطع، کے علاوہ ضعیف راویوں سے بلکہ دجال وکذاب راویوں سے بھی روایات لے کر بیان کر دیتے تھے۔ تفصیل کے لئے دین الحق ص ج۱، اور تحفہ حنفیہ ص ج۱ کی مراجعت کرلیں۔

رابعاً: چلو آپ کی بات ہی تسلیم کرلیتے ہیں کہ ابن خلدون نے بطور طعن ذکر نہیں کیا بلکہ حقیقت الامر کا اظہار کیا ہے۔ تو کیا اس سے امام صاحب کا کثیر الحدیث ہونا ثابت ہوجائے گا۔ محترم نہیں، اگر کوئی آپ کو بطور طعن نہیں صرف اظہار حقیقت کے لئے ہی کہہ دے کہ مقلد انوار خورشید صاحب انگریزی زبان نہیں جانتے، تو کیا اس کا یہ مطلب لیا جائے گا کہ مقلد انوار صاحب انگریزی زبان کے ماسٹر ہیں اور فی البدیہہ اس میں تقریر کر سکتے ہیں، آخر اتنے بڑے فاضل ہیں نو سو صفحات کی کتاب کے مؤلف ہیں، جامعہ مدنیہ میں استاد ہیں، لہذا کہنے والے نے چونکہ بطور طعن نہیں کہا لہذا انگریزی زبان ان کے ہاتھ کی چھڑی ہے، کوئی دانا تو یہ مطلب نہیں لے گا، ہاں کوئی دیوبندی یہ مفہوم بیان کرے تو بعید نہیں آخر اسی امام کے مقلد ہیں جو لکڑی وپتھر کے ستون کو سونے کا ثابت کر سکتا تھا۔

خامساً: صیغہ تمریض ہر جگہ ضعف کے لئے نہیں آتا، دیکھئے! (مقدمہ عمدہ الرعایۃ ص۱۷)۔

سادساً: رہا یہ کہ یہ کہنے والے مجہول ہیں، محترم کی اپنی جہالت ہے، ورنہ یہ بات کہنے والے جلیل القدر محدث ہیں، امام ابن حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

لم یکن الحدیث ضاعة، حدث بمائةوثلاثین حدیث مسانید ماله حدیث فی الدنیا غیرها اخطا منها فی مائة وعشرین حدیثا، اما ان یکون اقلب اسناده او غیر متنه من حیث لا یعلم، فلما غلب خطوه علی صوابه استحق ترك الا حتجا ج به فی الاخبار۔

یعنی حدیث امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا فن نہ تھا، انہوں نے ایک سو تیس مسند روایات بیان کی ہیں۔ ان کے علاوہ ان کی روایات نہیں ہیں اور ان میں سے ایک سو بیس کی اسانید ومتون بیان کرنے میں انہوں نے غلطی کی ہے، لہذا جب ان کی خطائیں زیادہ ہیں تو ان کی احادیث سے استدلال صحیح نہیں ہے۔ (کتاب المجروحین ص۴۰۶ ج۲ رقم الترجمہ ۱۱۲۵)۔

امام ابو داؤد رحمہ اللہ کے بیٹے فرماتے ہیں:

جمیع ماروی ابو حنیفة من الحدیث مائةوخمسون حدیثا اخطا فی نصفها۔

امام ابوحنیفہ نے ڈیڑھ سو روایات بیان کی ہیں اور ان میں سے نصف میں غلطی کی ہے۔

(تاریخ بغداد ص۳۱۸ ج۱۳)۔

امام ابن عدی فرماتے ہیں:

وعامة ما یروی غلط وتصاحیف وزیادات فی اسانید ومتونها وتصاحیف فی الرجال

وعامة ما یرویه کذلك ولم یصح له فی جمیع ما یرویه الابضعة عشر حدیثا لانه لیس هو من اهل حدیث ولا یحمل علی ما تکون هذه صورته فی الحدیث۔

یعنی امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ عموما جو روایت کرتے ہیں ان میں تصحیف غلطیوں کے علاوہ اسانید ومتون میں زیادات ہیں ان کی عموما روایات اسی طرح کی ہیں۔ ان کی تمام مرویات غیر صحیح ہیں صرف بیس سے کم روایات۔ کیونکہ وہ اہل حدیث (محدثین) میں سے نہ تھے جس کی مرویات کا یہ حال ہو، اس سے روایت نہیں لینی چاہیئے۔ (الکامل فی الضعفاء لابن عدی ص۲٤۷۹ ج۷)۔

امید ہے کہ مقلد انوار صاحب کی ان عبارات اکابر سے تسلی ہوجائے گی کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی مرویات کی تعداد بتانے والے مجہول نہیں بلکہ معروف وثقہ وثبت ہیں۔

سابعا: جب آئمہ ومحدثین سے ابن خلدون کی بات کی توثیق ہوگئی تو یہ سوال خود بخود ہی ختم ہوگیا کہ ان کی تحقیق صحیح نہیں۔

ثامنا: آپ کا الخیرات الحسان ص۲۴ سے نقل کرنا کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے آٹھ سو شاگرد ہیں، کوئی وقعت نہیں رکھتا، کیونکہ خیرات الحسان کا مؤلف دسویں صدی ہجری کا آدمی ہے اس کی بات کو بے دلیل کیسے تسلیم کرلیا جائے، بالخصوص جب اس نے اسے صیغہ تمیریض، قیل سے ذکر کیا ہے اور یہ آپ کے نزدیک ضعف کی دلیل ہے، رہا آپ کا کردری سے نقل کرنا کہ عبداللہ بن یزید مقری مکی نے آپ سے نو سو روایات نقل کی ہیں، یہ سب جھوٹ کا پلندہ ہے، کردری نویں صدی ہجری کا ہے، اور امام عبداللہ بن یزید مقری تیسری ہجری کے پہلے ربع میں فوت ہوئے درمیان میں چھ صدیاں کا طویل زمانہ حائل ہے، اور کردری بغیر سند وحوالے کے بات لکھ رہا ہے۔ تحقیقی دنیا میں اس کی حیثیت ایک دمڑی کی نہیں۔

تاسعا: انوار صاحب کا پندرہ مسانید کو پیش کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ انوار خورشید واقعی مقلد ابوحنیفہ ہونے کی وجہ سے لکڑی کو سونا ثابت کرسکتا ہے۔ محترم جامع المسانید کا مؤلف ابو موید محمد بن محمود خوازمی المتوفی ۶۵۵ھ مجہول الحال ہے کتب رجال میں اس کی عدالت وثقات ثابت نہیں، علامہ قریشی حنفی نے الجواہر المضیہ ص۱۲۳ ج۲ میں مولانا عبدالحی لکھنوی حنفی نے، الفوائد البہیۃ میں اس کے حالات زندگی لکھے ہیں مگر کوئی جرح یا تعدیل بیان نہیں کی، اور یہ ۵۹۳ھ میں پیدا ہوا اور ۶۵۵ھ میں فوت ہوا، جب کہ امام ابو حنیفہ ۱۵۰ھ میں فوت ہوئے درمیان پانچ صدیوں کا زمانہ ہے۔ اور اس کی اسنادی حیثیت اس قدر گری ہوئی ہے کہ شاید ہی کوئی روایت کذاب ومتروک اور ضعیف وسیئی الحفظ راوی سے خالی ہو۔

علامہ شبلی نعمانی فرماتے ہیں مسند خوازمی کو امام صاحب کا مسند کہنا مجازی اطلاق ہے، خوازمی خود ساتویں صدی میں تھے جن مسندوں کو جمع کیا ہے وہ بھی اکثر تیسری چوتھی صدی یا اس سے بھی بعد کی

ہیں، قاضی ابو یوسف البتہ امام صاحب کے ہم عصر ہیں اور ان کا مسند بے شبہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا مسند کہا جاسکتا ہے، لیکن خوازمی کے سوا اور کسی نے ان مسندوں کا نام نہیں لیا ہے۔ حالانکہ حدیث کی کتاب جب تک مشہور اور مستند روایتوں سے نہ ثابت ہو اس کا اعتبار نہیں کیا جاسکتا، ہمارے نزدیک اس بحث میں شاہ ولی اللہ صاحب کا فیصلہ کافی ہے، وہ حجۃ اللہ میں فرماتے ہیں کہ طبقہ رابعہ کی وہ کتابیں ہیں جن کے مصنفوں نے ایک مدت دراز کے بعد ان راویتوں کو جمع کرنا چاہا جو دو پہلے طبقوں میں موجود نہ تھیں، اور گمنام مسندوں اور مجموعوں میں پائی جاتی تھیں، ان لوگوں نے ان کو بلند نام کرنا چاہا، حالانکہ وہ حدیثیں ان لوگوں کی زبانوں پر تھیں، جن کا محدثین اعتبار نہیں کرتے ...... اس قسم کی حدیثیں کتاب الضعفاء ابن حبان، کامل ابن عدی، تصنیفات خطیب وابونعیم و جوزجانی و ابن عساکر و ابن نجار میں مل سکتی ہیں، مسند خوازمی بھی قریبا اس طبقے میں داخل ہے۔

(سیرۃ النعمان ص ۱۴۴، ۱۴۵)۔

عاشرا: انوار صاحب کا بحوالہ موفق کہنا کہ کتاب الاثار کو چالیس ہزار روایات سے انتخاب کیا تھا، کوئی مستند بات نہیں کیونکہ اس کا راوی محمد بن شجاع معروف کذاب ہے، اسے ابن عدی اور زکریا ساجی نے کذاب قرار دیا ہے۔ (میزان الاعتدال ص۵۷۸ ج۳)۔

کتاب الاثار امام ابو حنیفہ کی تصنیف نہیں بلکہ قاضی ابو یوسف اور امام محمد نے اس نام سے کتابیں لکھی ہیں، جن میں امام صاحب کی مرویات بھی ہیں، مگر ان کی حیثیت موطا امام مالک جیسی نہیں کیونکہ خود امام صاحب کی تصنیف نہیں، پھر اس میں ضعیف و موضوع من گھڑت باطل اور جعلی روایات بھی ہیں، اور ایسی روایات بھی ہیں جن پر خود امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا عمل نہ تھا۔ کتاب الأثار لابی یوسف کی پہلی روایت کی سند میں امام ابو حنیفہ کا استاد ابوسفیان طریف بن شہاب راوی ضعیف ہے۔

(تقریب ص۱۵۶)۔

امام ابن عبدالبر فرماتے ہیں کہ اس کی تضعیف پر محدثین کا اتفاق ہے۔ (تہذیب ص۱۲ ج۵)۔

قطع نظر اس کے کہ اس کی سند جیسی ویسی بھی ہے، یہ حنفیہ کے متعدد مسائل کے خلاف ہے اس میں، والتکبیر تحریمھا، یعنی نماز کا تحریمہ، اللہ اکبر، ہے، مگر امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک فارسی زبان میں بھی تحریمہ باندھا جاسکتا ہے۔ (الکامل لابن عدی ص۲۴۷۳ ج۷)۔

پھر اس حدیث میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ والتسلیم تحلیلھا، ان الفاظ کا مفاد ہے کہ سلام پھیرے بغیر نماز مکمل نہ ہوگی، مگر احناف کے نزدیک اگر جان بوجھ کر کوئی منافی نماز کام کیا جائے تو نماز مکمل ہوگئی۔ (رسول اللہ ﷺ کا طریقہ نماز ص۳۶۱) اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ نماز کی ابتداء، اللہ اکبر، سے ہوتی ہے، بلفظ دیگر یہ نماز کا جزو ہے، مگر احناف کے نزدیک تکبیر تحریمہ شرط ہے۔ (شرح نقایہ

ص٦٧ ج١ ونماز مسنون ص٢٨٠)۔

یعنی خارج نماز ہے، مزید برآں کہ اس حدیث میں یہ الفاظ بھی مروی ہیں کہ، **لا تجزی صلوة الا بفاتحة الكتاب ومعها شئی**' اور ان الفاظ کا یہ مفاد ہے کہ کسی شخص کی نماز نہیں ہوتی خواہ وہ مقتدی ہو یا امام ومنفرد ہو جتنی دیر تک وہ سورہ فاتحہ کے ساتھ تھوڑا سا اور قرآن نہ پڑھے مگر حنفی اس کے برعکس کہتے ہیں۔آخر میں ایک اور لطیفہ بھی ملاحظہ کریں کہ ابوسفیان طریف بن شہاب سے متعدد راویوں نے یہ روایت لی ہے مگر کسی کی روایت میں، **وفی کل رکعتین تسلیم**، کے الفاظ نہیں یہ صرف امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے بیان کئے ہیں دیکھئے!

(الكامل لابن عدی ص٢٤٧٨ ج٧)۔

دیکھتے جانا کتاب الاثار کی پہلی روایت ہے، اس سے حنفیہ کے تین مسائل باطل ثابت ہوتے ہیں، سند اس کی ضعیف ہے اور متن میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے الفاظ کا اضافہ کیا ہے۔ یہ اب بھی عامل بالحدیث کا جھوٹا دعویٰ کرتے ہوئے شرماتے نہیں، اور یہ کہتے ہوئے بھی حیا نہیں آتا کہ ابوحنیفہ کی شرائط سخت تھیں اس لئے قلیل الحدیث ہیں۔صرف اس ایک مثال سے ہی باقی کتاب کو قیاس کر لیں۔

الحادی عشر: رہا انوار صاحب کا یہ دعویٰ باطل کہ فلاں فلاں کتاب میں ہزاروں روایتیں متصل اسناد سے مروی ہیں تو یہ ان کا زعم فاسد ہے، ہم ان سے مطالبہ کرتے ہیں کہ ان کتب سے صرف بیس روایات اصول حدیث کی رو سے صحیح دکھا دیں، ہم مکرر وضاحت کر دیتے ہیں کہ الف: سند متصل ہو، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے اوپر اور نیچے کی اسناد میں کوئی ضعیف ومتروک اور سیئی الحفظ راوی نہ ہو، ج، امام صاحب نے جس راوی سے وہ روایت نقل کی ہے انہیں الفاظ میں دیگر ثقہ راویوں نے بھی وہ روایت کی ہو، یعنی امام صاحب کا تفرد نہ ہو، کیونکہ محدثین کی تصریحات کے مطابق امام صاحب سیئی الحفظ ہیں۔

امام عبد اللہ بن مبارک کا قول:

اس کے جواب میں انوار صاحب نے لمبی چوڑی تقریر کی ہے، اس کا ماحاصل یہ ہے کہ امام عبد اللہ بن مبارک نے امام ابوحنیفہ کے علم کی تعریف کی ہے۔

مناقب ابی حنیفہ للموفق مکی ص٣٠٧و٣٠٩ میں ہے کہ،

(١) اگر میں ابوحنیفہ سے نہ ملتا تو علم میں مفلس ہوتا۔

(٢) تم پر لازم ہے اثر (حدیث) کا علم اور اثر (حدیث) کا علم حاصل کرنے کے لئے ابوحنیفہ لازمی ہیں کیونکہ انہی سے حدیث کا معنی اور مفہوم حاصل ہوسکتا ہے۔

(٣) یہ نہ کہو کہ ابوحنیفہ کی یہ رائے ہے، بلکہ یہ کہو کہ وہ حدیث کی تفسیر ہے۔ان اقوال کی روشنی میں،

یتیما فی الحدیث، کے معنی ہوں گے کہ حضرت امام صاحب حدیث میں نفیس ویگانہ روزگار تھے۔
(حدیث اور اھل حدیث ص۵۱،۵۲)۔

الجواب: : اولا: ان تینوں اقوال کونقل کرنے والا الحارثی کذاب ہے، جو وضع احادیث سے متہم ہے۔ (میزان ص۴۹۶ ج۲،لسان ص۳۴۹ ج۳)۔
اور موفق مکی، وبہ قال، کہہ کر اس سے ہی نقل کیا ہے۔

ثانیا: یتیما فی الحدیث، کا جومعنی انوار صاحب نے کیا ہے وہ بدترین تحریف معنوی کی مثال ہے، امام عبداللہ بن مبارک نے صرف یتیم ہی نہیں کہا بلکہ یہ بھی فرمایا ہے کہ

کان ابو حنیفة مسکینا فی الحدیث۔

یعنی ابوحنیفہ حدیث میں مسکین تھے۔ (الجرح والتعدیل ص۴۵۰ ج۸)۔

لہٰذا مسکین کے الفاظ ہوتے ہوئے یتیم کا معنی یگانہ روز کرنا توجیہ القول بمالا یرضٰی بہ قائلہ، کے مصداق ہے۔

تحصیل علم کی روایت:

مولانا محمد یوسف مرحوم نے حقیقت الفقہ میں درمختار کے حاشیہ طحطاوی سے ایک روایت نقل کی تھی، انوار صاحب نے علامہ ذہبی اور شبلی نعمانی سے اس کی تردید نقل کی ہے کہ یہ روایت من گھڑت ہے۔ اور خدا اسے غارت کرے جس نے یہ خرافات گھڑی ہیں، اور ایسے جاہلانہ ریمارکس ہیں کہ ایک معمولی آدمی کی طرف بھی منسوب نہیں کیے جاسکتے۔ (حدیث اور اھل حدیث ص۵۳)۔

الجواب: : طحطاوی نے یہ روایت (تاریخ بغداد ص۳۳۶ ج۱۳) سے نقل کی ہے، اور اس سے امام صاحب کا علم کی طرف متوجہ ہونا نقل کیا ہے، اور اسے تسلیم کیا ہے۔ جب آپ کے بڑوں نے اسے قبول کیا ہے تو جناب کا علامہ ذہبی اور شبلی سے رد کرنے کا کوئی جواز نہیں، ہم یہ بات تسلیم کرتے ہیں کہ اس کی سند وضعی ہے کیونکہ اس کا بیان کرنے والا معروف حنفی محمد بن شجاع ثلجی کذاب ہے، اور اس نے ہی حسن بن مالک کے واسطے سے قاضی ابو یوسف سے نقل کی ہے، مقلد انوار صاحب نے جو مناقب ابو حنیفہ نقل کیئے ہیں وہ بھی تقریبا اس کی یا اس جیسے کی اسناد سے ہیں، علامہ ذہبی کی بددعا تو انوار صاحب نے نقل کردی مگر یہ صراحت نہیں کی کہ یہ بددعا آئمہ احناف پر پڑتی ہے، کیونکہ اگر یہ وضعی ہے تو اسے وضع کرنے والا حنفی فاضل اور بیان کرنے والا بھی حنفی ہے، لہٰذا مؤلف حقیقت الفقہ کومطعون کرنا کوئی معنی نہیں رکھتا۔

علامہ شبلی کی عبارت:

موصوف کو شکوہ ہے کہ مؤلف حقیقت الفقہ نے ایک عبارت بنا کر علامہ شبلی نعمانی کی تالیف، سیرۃ النعمان، کی طرف منسوب کی ہے، میں نے فلاں فلاں نسخہ سے اس کی مراجعت کر لی ہے، مگر وہاں نہیں ہے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۵۵، ۵۶)۔

الجواب: محترم آپ کی تحقیق ناقص ہے علامہ شبلی نعمانی کی کتاب سیرۃ النعمان پر مولانا عبد العزیز رحیم آبادی کا جب تبصرہ ،حسن البیان، کے نام سے شائع ہوا تو علامہ موصوف نے سیرۃ النعمان میں حک و اضافہ کر دیا تھا، جیسا کہ مولانا عطاء اللہ حنیف نے ،حسن البیان کے ابتدا میں صراحت کی ہے، اس لیے مقلد انوار صاحب اس اشاعت کی مراجعت کریں جس کا حوالہ مولانا جے پوری نے دیا ہے اور انہوں نے عبارت نقل کرتے وقت صراحت کی ہے کہ مطبوعہ مجتبائی ، لہذا انوار صاحب کا یہ کہنا کہ فلاں فلاں نسخے کی مراجعت کر لی گئی ہے اس میں ایسی کوئی عبارت نہیں، محض دفع الوقتی ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور اجماع صحابہ:

علامہ کمال الدین دمیری فرماتے ہیں :

(الجنین) هو ما يوجد فى بطن البهيمة بعد ذبحها فان وجد ميتا بعد ذبحها فهو حلال باجماع الصحابة كما نقله الماوردى فى الحاوى وبه قال مالك والاوزاعى والثورى وابو يوسف و محمد واسحاق والامام احمد وتفرد ابو حنيفة بتحريمة اكله۔

جنین وہ بچہ ہے جو چوپایہ کے پیٹ میں ذبح کے بعد نکلے، اگر ذبح کے بعد وہ بچہ مردہ ہو تو باجماع صحابہ حلال ہے۔ جیسا کہ ماردی نے اپنی کتاب میں نقل کیا ہے۔اور یہی مذہب امام مالک اورامام اوزاعی اور سفیان ثوری اور ابو یوسف اور محمد اور اسحاق بن راہویہ اور احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہم کا ہے۔امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ صرف اکیلے اس کو کھانا حرام کہتے ہیں ۔

(حياة الحيوان كبرىٰ ص۱۸۱ ج۱ مطبوعه مصر)۔

مقلد انوار صاحب نے اس پر لمبی چوڑی تقریر کی ہے۔ وہ پڑھ کر معلوم ہوتا ہے کہ منکرین حدیث کا کوئی شخص لکھ رہا ہے آیئے آپ بھی ملاحظہ کریں فرماتے ہیں۔ جے پوری صاحب نے یہاں بھی بددیانتی سے کام لیتے ہوئے ادھوری عبارت نقل کی ہے، حیوۃ الحیوان میں مذکورہ عبارت میں، **بتحريم اكله**، کے بعد یہ عبارت ہے۔

محتجا بقوله تعالىٰ حرمت عليكم الميتة والدم وبقوله احلت لنا ميتتان ودمان السمك

والجراد والكبد والطحال وهذه ميتت ثالثة لم تذكر۔ (حيوة الحيوان ص۳۰۷ ج۱)۔

حضرت امام صاحب نے اس کی تحریم کا قول اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے استدلال کرتے ہوئے کیا ہے کہ حرام کیا گیا ہے تمہارے لئے مردار اور خون کو، نیز حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے اس فرمان سے بھی استدلال کیا ہے کہ حلال کئے گئے ہیں ہمارے لئے دو مردار اور خون یعنی مچھلی اور ٹڈی، جگراور تلی، جنین، جو مرا ہوا نکلے وہ تیسرا مردار ہے جس کا تذکرہ حدیث میں نہیں ہے۔

(حدیث اور اھل حدیث ص۵۸)۔

الجواب: اولا مردہ مچھلی اور ٹڈی کی حلت مان کر آپ نے تسلیم کرلیا ہے کہ آیت قرآن عام نہیں خاص ہے، جس طرح مردہ مچھلی اور ٹڈی کی حلت پر حدیث ہے اس طرح جنین کی حلّت پر بھی احادیث موجود ہیں صرف ایک حدیث بیان کی جاتی ہے۔

عن ابی سعید قال سالت رسول اللهﷺ فقال كلوه ان شئتم وقال مسدد قلنا يا رسول اللهﷺ ننحر الناقة ونذبح البقرة والشاة فنجد فی بطنها الجنين أنلقيه ام ناكله،؟ قال: كلوه ان شئتم فان ذكاته ذكاة امه۔

سیدنا ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جنین کے متعلق سوال کیا تو آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا کہ اگر تمہارا دل چاہئے تو کھالو، (راوی حدیث) مسد (کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ) ہم صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم لوگ اونٹ، گائے، اور بکری ذبح کرتے ہیں اور اس کے پیٹ میں بچہ پاتے ہیں تو کیا ہم لوگ اس کو پھینک دیں یا کھالیں؟ تو آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا اگر چاہو تو کھالو، بلاشبہ اس بچے کی ماں کو ذبح کرنا اس بچے کا ہی ذبح کرنا ہے۔

(سنن ابو داؤد كتاب الضحايا باب ما جاء فی ذكاة الجنين، الحديث ۲۸۲۷)۔ سنن ترمذی(۱۴۷۶) ابن ماجه (۳۱۹۹) مسند احمد ۳/۳۱، ۵۳ و ابن جارود(۹۰۰) وابن حبان (۱۰۷۷) وغيره۔

امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح قرار دیا ہے، زیلعی نے، (نصب الرایۃ ص۱۸۹ ج۲) میں منذری سے اس کی تحسین نقل کرکے سکوت کیا ہے، علامہ البانی نے صحیح قرار دیا ہے۔

(ارواء الغليل ص۱۷۲ ج۸)۔

یہ صحیح حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ پیٹ سے نکلا ہوا بچہ حلال وطیب ہے اس کی ماں کا ذبح ہونا ہی بچے کا ذبح ہونا ہے۔ مگر مقلد انوار صاحب اسے مردار قرار دے کر قرآن کی آیت، حرمت علیکم المیتة، سے استدلال کر رہے ہیں، حالانکہ جنین بحکم حدیث مردار ہے ہی نہیں کیونکہ ہمارے

پیارے نبی سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ مذبوح کہہ رہے ہیں اور ماں کے ذبح ہونے کو بچے کا ذبح ہونا قرار دیتے ہیں اور مقلد انوار صاحب اسے مردار کہہ رہے ہیں اور پھر موصوف کا یہ کہنا کہ آیت قطعی الثبوت اور قطعی الدلالت ہے۔ شاید محترم نے قطعی الدلالت کا صرف نام سنا ہے، محترم قطعی الدلالت تب ہوتی ہے جب آپ جنین کا مردہ ہونا ثابت کرتے، اسے تو اللہ کے رسول ﷺ مذبوح کہہ رہے ہیں، آپ قرآن کی تفسیر بالرائے سے اسے مردار قرار دے رہے ہیں اور جھوٹا دعویٰ کرتے ہیں کہ جنین کے حق میں آیت قطعی الدلالت ہے۔

محترم آگے فرماتے ہیں کہ بالاجماع ان احادیث کے عموم پر عمل نہیں کیا گیا کیونکہ جنین اگر زندہ نکل آتا ہے تو بالاتفاق سب کے نزدیک اس کا مستقلا ذبح کرنا ضروری ہے۔(۵۹)۔

جناب والا! جب وہ زندہ نکل آیا تو ذبح نہ ہوا، اور ماں کے پیٹ سے نکل آنے کی وجہ سے ماں میں داخل نہ رہا، جب وہ ماں کا جز نہ رہا تو اس کے مذبوح ہونے سے وہ ذبح نہ ہوالہذا اسے علیحدہ ذبح کیا جائے گا، محترم نے یہ بھی خوب فرمایا کہ ذبح کرنا ضروری ہے۔ گویا اگر کوئی پالنا چاہے تو مقلد انوار صاحب اسے اجازت دینے کے لئے تیار ہیں، شاید قرآن کے لفظ میتۃ کے خلاف ہے۔

ایک عذر یہ بھی کیا ہے کہ جن احادیث سے استدلال کیا جاتا ہے۔ ان میں تاویل احتمال ہے۔ یعنی ذکوۃ امہ کے معنی ہیں کذکوۃ امہ، یعنی جنین کا ذبح ایسے ہی ہے جیسے اس کی ماں کا۔

(حدیث اور اہل حدیث ص۵۹)۔

یہ تاویل نہیں تحریف ہے کیونکہ ظاہر حدیث کا اس کے خلاف ہے، حدیث کے الفاظ کلوہ ان شئتم (اگر چاہو تو کھا سکتے ہو)۔ اس تحریف کو باطل ثابت کرتے ہیں۔ علامہ سندھی فرماتے ہیں۔

و دلیل علی ان المراد بقولہ فان ذکاتہ امہ، ارید بہ ان ما طیب امہ من الذبح طیبہ۔

(حاشیہ ابن ماجہ ص ۳۹۰)۔

اکابر احناف کو بھی یہی معنی مسلم ہے۔ مقلد مولوی ناظم الدین صاحب دیوبندی ذکاۃ الجنین ذکوۃ امہ، کا معنی کرتے ہیں ماں کے ذبح کرنے سے اس کے پیٹ کا بچہ (جنین) بھی حلال ہوجاتا ہے۔

(سنن ترمذی ص۷۵۹ ج۱ طبع لاھور ناشر مکتبہ دار العلم)۔

دارالعلوم دیوبند کے رفیق الافتاء مقلد مولوی خورشید حسن قاسمی صاحب اس کا معنی کرتے ہیں کہ بلاشبہ اس بچہ کی ماں کا ذبح کرنا اس بچہ کا ہی ذبح کرنا ہے۔

(ترجمہ سنن ابو داؤد ص۷۷ ج۲ مطبوعہ مکتبہ دار العلم لاہور) نواب محمد قطب الدین خاں دہلوی اس کا معنی کرتے ہیں کہ ماں کا ذبح کرنا اس بچہ کا بھی ذبح کرنا ہے۔

(مظاہر حق جدید ص ۴۳ ج ۴ ناشر دار الاشاعت کراچی ۲۰۰۴ء)

معنوی تحریف کے بعد فرماتے ہیں سب کی سب احادیث ضعیف ہیں، (صفحہ ۵۹)۔لیکن اس کی کوئی دلیل نہیں دی کیوں ضعیف ہیں، جب تک سبب جرح بیان نہ کریں، آپ کی بات کا کوئی اعتبار نہیں۔آگے فرماتے ہیں۔

باقی رہا ماوردی کا اجماع صحابہ کا دعویٰ کرنا تو یہ بلا دلیل ہے، اور علامہ دمیری کا اس مسئلہ میں حضرت امام صاحب کو منفرد قرار دینا غلط ہے، کیونکہ جلیل القدر تابعی اور دور صحابہ کے مفتی حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کا قول بھی یہی ہے۔چنانچہ کتاب الاثار ص۱۳۷ میں مروی ہے۔امام محمد فرماتے ہیں کہ ہمیں خبر دی امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے اور انہوں نے بواسطہ حماد حضرت ابراہیم نخعی سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ ایک جاندار کا ذبح دو جانداروں کا ذبح نہیں ہوسکتا۔

(حدیث اور اهل حدیث ص ۶۰)۔

ماوردی کا دعویٰ اجماع بلادلیل نہیں، آپ نے بھی اس دعویٰ کو توڑنے کے لئے بھرپور کوشش کی ہے مگر کسی صحابی کا فتویٰ آپ کو حنفیہ کے موافق نہیں ملا ہاں ابراہیم نخعی کے اثر کو نقل کردیا ہے، اس کے دعویٰ کی یہی دلیل کافی ہے کہ آپ صحابہ کرام سے کسی کا فتویٰ پیش نہیں کرسکے، باقی رہا ابراہیم کا اثر تو اس کی سند ضعیف ہے۔امام محمد اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ دونوں ضعیف ہیں، مزید برآں یہ کہ احادیث صحیحہ اور اقوال صحابہ کرام کے بالمقابل ایک تابعی کے قول کی کیا حیثیت ہے۔

حضرت امام ابو حنیفہ پر جرح:

(۱) میزان الاعتدال مطبوعہ مصر جلد۳ ص۲۳۷ میں ہے کہ:

النعمان بن ثابت بن زوطیٰ ابو حنیفة الکوفی امام اهل الری ضعفه النسائی من جهة حفظه وابن عدی واخرون،

نعمان بن ثابت بن زوطی کوفی قیاس والوں کے امام ہیں ان کو نسائی اور ابن عدی اور دیگر علماء نے حافظہ کی وجہ سے ضعیف کہا ہے۔

(۲) تمهید شرح موطا جلد۳ ص۲۷۲ میں قول حافظ ابن عبدالبر

لم یسنده غیره ابی جنیفة وهو سیئی الحفظ عند اهل لحدیث

نہیں مسند بیان کی (حدیث من کان له امام فقراة الامام له قرأة) کی کسی نے سوائے ابو حنیفہ کے اور وہ محدثین کے نزدیک ناقص الحافظ ہیں۔

(۳) الفیہ عراقی مطبوعہ فاروقی کے حاشیہ ص۴۵ میں ہے کہ

فکون قادحا کما فسر الذهبی وابن عبد البر وابن عدی والنسائی والدارقطنی فی ابی

حنيفة انه ضعيف من قبل حفظه،

مفسر ہوگی تو نقصان پہونچانے والی ہوگی جیسا کہ ذہبی اور ابن عبد البر اور ابن عدی اور نسائی اور دارقطنی نے ابوحنیفہ کے بارے میں جرح مفسر کی ہے یعنی ضعف کی وجہ کو بیان کیا ہے کہ حافظہ کی وجہ سے ضعیف ہیں۔

(۴) تخریج ہدایہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ مطبوعہ فاروقی حاشیہ ص۹۳ میں ہے کہ:

عن ابی حفص عمر بن علی قال ابو حنيفة ليس بحافظ مضطرب الحديث ذاهب الحديث

ابوحفص عمر بن علی نے کہا کہ ابوحنیفہ حافظہ والے نہیں ہیں حدیث میں غلطیاں کرنے والے ہیں ان کو حدیث یاد نہیں رہتی۔

(۵) کتاب الضعفاء والمتروکین امام نسائی مطبوعہ انوار احمدی ص۳۵ میں ہے کہ

ابو حنيفة ليس بالقوى فى الحديث وهو كثير الغلط والخطاء على قلةروايته،

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ حدیث میں قوی نہیں ہیں اور وہ بہت غلطی اور خطاء کرنے والے ہیں کمی روایت کے باوجود۔

(۶) دراسات اللبیب ص۳۳۱ مطبوعہ لاہور میں ہے کہ

ان ابن القطان جرح الحديث الاول و قال علته ضعف ابى حنيفة فى الحديث

ابن قطعان نے حدیث اول پر جرح کردی ہے اور کہا ہے کہ علت اس کے ضعف کی ضعیف ہونا ہے امام ابوحنیفہ کا حدیث میں۔

(۷) سنن دارقطنی مطبوعہ فاروقی ص۱۲۲ میں تحت حدیث

(من كان له امام فقراءة الامام له قراة)هي غير ابى حنيفه والحسن بن عمارة وهما ضعيفان

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور حسن بن عمارہ کے سوا کسی نے (حدیث مذکورہ کو) روایت نہیں کیا اور یہ دونوں ضعیف ہیں۔

(۸) تخریج ہدایہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ مطبوعہ فاروقی حاشیہ ص۹۳ میں ہے کہ:

قال صاحب المنتظم عن عبد الله بن على بن المدينى قال سالت ابا حنيفة فضعفه جدا وقال خمسين حديثا اخطاء فيها۔

علی بن مدینی کے بیٹے عبد اللہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے باپ علی بن مدینی سے ابوحنیفہ کا حال پوچھا تو انہوں نے ان کو ضعیف بتلایا اور کہا کہ پچاس حدیث میں بھولے ہیں۔

(۹) کتاب مذکورہ ص۹۳ میں ہے کہ:

قال ابو بکر بن داؤد جمیع ماروی ابو حنیفة من الحدیث مائة و خمسون اخطاء او قال غلط فی نصفها:

ابوبکر بن داؤد نے کہا ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے کل ڈیڑھ سو حدیثیں روایت کی ہیں جن میں نصف میں بھول یا غلطی ہوئی ہے۔

(۱۰) تاریخ صغیر مطبوعہ انوار احمدی ص۱۵۸ میں امام ابوحنیفہ کے متعلق امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ

قال الحمیدی فرجل لیس عنده سنن رسول الله ﷺ ولا اصحابه فی المناسک وغیرها کیف یقلد احکام الله فی المواریث والفرائض والزکوة والصلوة وامور الاسلام

حمیدی کہتے ہیں جس آدمی کے پاس رسول اللہ ﷺ کی حدیثیں اور صحابہ کے آثار مناسک وغیرہ میں نہ ہوں ایسے کی بات اللہ کے احکام میں مثل میراث اور زکوٰۃ اور نماز وغیرہ امور اسلام میں کیونکہ قبول کی جائے۔

(۱۱) مصفی شرح موطا فاروقی ص۶ میں شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ

(امام ابو حنیفه) آں یک شخصے است کہ روس محدثین مثل احمد و بخاری و مسلم و ترمذی وابو داؤد ونسائی وابن ماجہ و دارمی یک حدیث ازوے درکتابہائے خود روایت نکردہ اند۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ وہ شخص ہیں کہ بڑے بڑے محدثین امام احمد و بخاری و مسلم و ترمذی و نسائی وابوداؤد و ابن ماجہ ودارمی رحمہم اللہ نے ایک حدیث بھی ان سے اپنی کتابوں میں درج نہیں کی۔

(۱۲) اسمائے گرامی ان آئمہ محدثین فقہاوفضلاء کے جنہوں نے حضرت امام ابوحنیفہ کو ناقص الحافظہ اور حدیث کو کم جاننے والا اور اس کی جانچ و پرکھ میں ناقص اور نیز عربی زبان میں ناقص بتلایا ہے۔ اور ان کے عقائد اور مسائل پر اعتراض کیا ہے۔ یہ ہیں (۱) امام مالک بن انس (۲) امام محمد بن ادریس شافعی (۳) امام احمد بن حنبل (۴) امام بخاری (۵) امام نسائی (۶) امام دارقطنی (۷) ابو یوسف (۸) عبداللہ بن مبارک (۹) اوزاعی (۱۰) ابن عدی (۱۱) ابن عبدالبر (۱۲) عبدالبر (۱۳) ذہبی (۱۴) ابوحفص عمر بن علی (۱۵) عبد اللہ بن علی (۱۶) علی بن المدینی (۱۷) ابوبکر بن داؤد (۱۸) ابن عیینہ (۱۹) ابو یحیٰی رحمانی یعنی عبد الحمید بن عبدالرحمن (۲۰) ابن عیاش (۲۱) احمد الخزاعی (۲۲) قاسم بن معین (۲۳) معسر بن کدام ابوسلمہ کوفی (۲۴) اسرائیل (۲۵) معمر (۲۶) فضیل بن عیاض (۲۷) ایوب (۲۸) سفیان (۲۹) ابو مطیع (۳۰) الحکم بن عبداللہ (۳۱) یزید بن ہارون (۳۲) ابوعاصم النبیل (۳۳) عبد اللہ بن داؤد عامر ہذلی (۳۴) ابو عبد الرحمن الخیربی (۳۵) عبد اللہ بن یزید المقری (۳۶) شداد بن حکم (۳۷) مکی بن ابراہیم (۳۸) وکیع بن الجراح (۳۹) نصر بن شمیل المازنی (۴۰) یحیٰی بن سعید القطان (۴۱) ابو عبید

(۴۲)حسن بن عثمان العاصی (۴۳)یزید بن زریع ابو معاویہ(۴۴)حفر بن ربیع (۴۵)ابراہیم بن عکرمہ التفروینی(۴۶)علی بن عاصم(۴۷)حکم بن ہشام(۴۸)عبد الرزاق(۴۹)حسن بن محمد اللیثی (۵۰)یحییٰ بن ایوب(۵۱)حفص بن عبدالرحمٰن(۵۲)زافر بن سلیمان ایادی(۵۳)اسد بن عمر(۵۴)حسن بن عمارہ(۵۵)یحییٰ بن فضیل(۵۶)ابوالجویریہ حطان(۵۷)یزید الکمیت (۵۸)علی بن جعفر البزار (۵۹)ملیح بن وکیع (۶۰)محمد بن عبدالرحمٰن المسعودی(۶۱)یوسف السمتی (۶۲)خارجہ بن معصب (۶۳)قیس بن الربیع(۶۴)حجر بن عبدالجبار(۶۵)حفص بن حمزہ القرشی(۶۶)حسن بن زیاد(۶۷)جعفر بن عون العمری(۶۸) عبد اللہ بن رجاء الغدانی(۶۹)محمد بن عبد اللہ انصاری(۷۰)عبد اللہ بن عتاب(۷۱)حجر بن عبد اللہ الحضرمی(۷۲)ابن وہب العابد(۷۳) ابن عائشہ(۷۴)ابو اسحاق فرازی(۷۵)حماد بن ابی سلیمان(۷۶)عبد الوہاب شعرانی(۷۷)ملا معین(۷۸)حضرت پیران پیر شیخ عبد القادر جیلانی(۷۹)مولانا عبدالحی لکھنوی(۸۰)مولانا شاہ ولی اللہ صاحب۔ رحمۃ اللہ علیہم

یہ اسی نام عبارات مندرجہ بالا سے اور کتب ہذا، تاریخ خطیب ص۱۲۰، ۱۲۷ ج ۲ وتمہید شرح موطا ص۸۳، ۹۳، ۶۷۵، ج ۳، تاریخ کبیر امام بخاری ص۹۱اور میزان الاعتدال ص۲۴۵ ج۱، اور غنیۃ الطالبین ص۲۰۶، ۲۰۸ سے لئے گئے ہیں۔ (حقیقت الفقہ ص۹۶تا۹۹)۔

مقلدانوار صاحب کے اعتراضات:

مقلد انوار صاحب نے اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ(۱) اس میں بعض متعصبین اور حاسدین اور کچھ ایسے حضرات ہیں جو خود غلط فہمی کا شکار تھے۔

(۲) ان میں امام مالک امام شافعی امام احمد،عبد اللہ بن مبارک، ابن عیینہ، یزید بن ہارون عبد اللہ بن داؤد، یحییٰ بن سعید رحمہم اللہ جیسے بزرگوں کے نام بھی ہیں۔آپ ان اکابر کے اقوال پیچھے ملاحظہ فرما چکے ہیں، کیا ان کی موجودگی میں یہ تصور کیا جاسکتا ہے کہ انہوں نے امام صاحب پر جرح کی ہوگئی؟

(۳) اس فہرست میں ان لوگوں کے نام بھی ہیں جنہوں نے امام صاحب کی مدافعت میں مستقل کتابیں لکھی ہیں مثلاً حضرت عبد الوہاب شعرانی،مولانا عبد الحی لکھنوی وغیرہ پھر اس میں وہ حضرات بھی شامل ہیں جو حضرات امام صاحب کے شاگرد تھے، ہم حیران ہیں جے پوری صاحب کی عقل ونقل پر۔

(۴) جے پوری تو دنیا سے چلے گئے ہیں ہم غیر مقلدین کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ مرد میدان بنیں اور ہمت ہے تو ان تمام آئمہ سے بسند صحیح حضرت امام صاحب پر جرح ثابت کردیں۔

(حدیث اوراھل حدیث ص۶۱)۔

الجواب: اولاً یہ جلیل القدر امام ہیں جن کا علم وفضل مسلم ہے، ان کو حاسد او رمتعصب قرار دینا،

چاند پر تھوکنے کے مترادف ہے، مقلد انوار صاحب وضاحت کریں کہ ان میں کون کون حاسد و متعصب تھا اور کون کون غلط فہمی کا شکار تھا۔ محض کچھ لکھ دینے کا نام جواب نہیں ہے۔

ثانیا: آپ نے جو امام مالک وغیرہ آئمہ ومحدثین سے مناقب نقل کیے ہیں ان کی حقیقت پہلے گزر چکی ہے، کہ ان کی اسناد جعلی ومن گھڑت اور باطل ہیں، اعادہ کی ضرورت نہیں۔

ثالثا: علامہ عبد الرحمٰن مقبل حفظہ اللہ نے، نشر الصحیفہ فی ذکر الصحیح من اقوال آئمہ الجرح والتعدیل فی ابی حنیفہ، لکھ کر ثابت کر دیا ہے کہ ،۸۰، کا عدد مبالغہ نہیں، انہوں نے ۷۷ آئمہ ومحدثین کرام اور امام صاحب کے شاگرد قاضی ابو یوسف کے اقوال کو نقل کر کے ہر ہر قول کی اسناد بھی صحیح ثابت کر دی ہے، اور اردو میں خرم شہزاد نے، الصحیفۃ من کلام آئمۃ الجرح والتعدیل علی ابی حنیفہ، میں ۶۸ محدثین کرام کے اقوال نقل کیے ہیں، اور ساتھ ساتھ اس کی سند کے راویوں کی توثیق بھی بیان کی ہے۔ افسوس مقلد انوار صاحب کے پاس، محمد بن عبداللہ الظاہری السندی، کی تالیف، امام ابو حنیفہ کا تعارف محدثین کی نظر میں، ہے پھر بھی یہ مطالبہ کرتے ہیں۔ کہ ان سے بسند صحیح ثابت کریں۔

رابعا: رہا آپ کا یہ اعتراض کہ اس فہرست میں عبد الوہاب شعرانی اور مولانا عبد الحی لکھنوی کا بھی نام ہے، محترم آپ اعتراض ومطالبہ سے پہلے اچھی طرح غور کرلیا کریں، مولانا جے پوری تو کہہ رہے کہ یہ اسی افراد وہ ہیں جنہوں نے حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے ناقص الحافظ اور حدیث کم جاننے والا اور راسی کی جانچ و پرکھ میں ناقص، نیز عربی زبان میں ناقص بتلایا ہے، اور ان کے عقائد اور مسائل پر اعتراض کیا ہے۔ (حقیقت الفقہ ص۹۸)۔

انہوں نے اس عبارت میں چار گروپ بیان کیے ہیں۔(۱) جرح کرنے والے (۲) علم میں کلام کرنے والے، (۳) عقائد پر نقد کرنے والے، (۴) مسائل پر حرف گیری کرنے والے، لیکن مقلد انوار صاحب آخری تین کو چھوڑ کر صرف پہلی بات پر اسی افراد کی گنتی پوری کرنے کا مطالبہ کرتے ہیں، حالانکہ یہ دعویٰ تو مؤلف حقیقت الفقہ نے کیا ہی نہیں، افسوس انوار صاحب نے خود صفحہ ۶۱ پر اس عبارت کو نقل کیا ہے۔ مگر آگے جا کر اسے بھول جاتے ہیں، جہاں تک امام شعرانی کا تعلق ہے ان کی عبارات کو تو خود مولانا جے پوری نے نقل کیا ہے، اور مولانا عبد الحی کا آئمہ احناف سے اختلاف معروف ہے، اگر اعتبار نہ ہو تو مولانا ارشاد الحق اثری حفظ اللہ کی تالیف مسلک احناف اور مولانا عبد الحی لکھنوی، کا مطالعہ کر لینا، ان شا اللہ آپ مولانا جے پوری کی حرف بحرف تائید کریں گے۔

"کیا حنفیہ میں کوئی ولی ہوا ہے"

مولانا جے پوری مرحوم نے حقیقت الفقہ ص١٠٧ میں طبقات ابن رجب ص٢٠٢ ج١ سے پیر عبدالقادر جیلانی کا قول نقل کیا تھا کہ پیر صاحب سے پوچھا گیا کیا حنبلی مذہب والوں کے سوا اور مذہب میں بھی کچھ ولی ہوئے ہیں یا نہیں؟ فرمایا نہ تو ہوئے ہیں اور نہ ہوں گے۔

مقلد انوار صاحب کو اس حوالے کی صحت پر تو کوئی اعتراض نہیں صرف نقل کرنے پر کباب ہو گئے ہیں اور تین صفحات کا مضمون لکھ مارا ہے، ادھر ادھر کی فضول بھرتی کو چھوڑ کر مغز کی باتیں صرف دو ہیں، الف، ترجمہ غلط کیا ہے، اعتقاد سے مراد مسلک ہرگز نہیں بلکہ اعتقاد سے مراد وہ بنیادی عقائد مراد ہیں جن پر کفر و اسلام اور نجات و عذاب کا دارو مدار ہے۔ ب، ہم میں فلاں فلاں ولی ہوا ہے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص٦٣)۔

الجواب: اولاً چلو مان لیتے ہیں کہ اعتقاد سے مراد عقائد ہیں، سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آپ عقائد میں امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے متفق ہیں، مقلد انوار صاحب نے تو یہی دعویٰ کیا ہے، مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ سیاہ کالا جھوٹ ہے۔

حنفی صفات باری تعالیٰ میں تاویل کے قائل ہیں، یعنی ماتریدی ہیں اور ایمان میں مرجیہہ کے ہم عقیدہ ہیں، جب کہ امام احمد رحمہ اللہ کے یہ عقائد ہرگز نہیں تھے۔

ثانیا: توسل بالاموات سماع موتی، فوق الاسباب تصرف فی الامور کا عقیدہ، ختم نبوت کا انکار، رحمۃ للعالمین خاصہ رسول اللہ ﷺ نہیں، توہین رسول اللہ ﷺ، تقلید وغیرہ کئی بدعتی عقائد و اعمال سے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا دامن صاف تھا، بلکہ سلف میں سے کوئی بھی ان عقائد کا قائل نہ تھا۔ یہ بد بختیاں اکابر دیوبند کے حصے میں ہی آئیں ہے۔

کذاب کون؟ مولانا جے پوری یا مقلد انوار خورشید:

موصوف فرماتے ہیں کہ: ہم نے حقیقت الفقہ، کے جن چند حوالوں کا تجزیہ کیا ہے یہ اس کے مقدمہ کے تھے، آگے جے پوری صاحب نے اپنی کتاب کے دو حصے کئے ہیں، پہلے حصے میں فقہ حنفی کے وہ مسائل درج کئے ہیں جو ان کے زعم میں قرآن و حدیث کے خلاف ہیں۔ دوسرے حصے میں وہ مسائل درج کئے ہیں جو ان کے خیال میں قرآن و حدیث کے موافق ہیں۔ لیکن ان دو حصوں میں جے پوری صاحب نے انتہائی خیانت اور بد دیانتی سے کام لیا ہے، عبارات میں کتر و بیونت کی ہے، اور مطالب غلط اخذ کئے ہیں۔ اس پر مستزاد یہ کہ جن کتب کے حوالے دیئے ہیں ان کی اصل عبارات پیش نہیں کیں، بلکہ حوالے اصل کتابوں کے دیئے ہیں اور

عبارتیں اصل کتابوں کے ترجموں کی درج کی ہیں، جو ترجمے خود غیر مقلدین نے کیے ہیں، یہی وجہ ہے کہ جب ہم اصل کتابوں میں یہ حوالے دیکھتے ہیں تو وہاں ان کا نام و نشان بھی نہیں ملتا، مگر سادہ لوح عوام بے چارے حقیقت الفقہ پڑھ کر یہ سمجھتے ہیں کہ اس میں دیئے گئے حوالے اصل کتابوں کے ہیں، جو صحیح ہوں گے۔

برادران احناف سے ہماری گزارش ہے کہ غیر مقلدین سے جب بھی فقہی مسائل پر بات ہو تو اصل عربی کتابوں کے حوالے طلب کریں، اور جب کوئی غیر مقلد، حقیقت الفقہ لائے تو اس کے سامنے فقہ کی اصل عربی کتابیں لاکر رکھ دیں کہ یہ مسئلہ ان میں سے دکھائیں، مجال ہے کوئی غیر مقلد اصل عربی کتاب سے وہ مسئلہ نکال دے ہم اس کا بارہا تجربہ کر چکے ہیں۔

(حدیث اور اھل حدیث ص ۶۴، ۶۵)۔

الجواب: انوار صاحب نے یہاں پر چار چیزیں بیان کی ہیں (۱) تحریف لفظی و معنوی، (۲) اصل کتابوں کے حوالے درج کیے ہیں مگر عبارتیں تراجم کی نقل کی ہیں، (۳) یہ تراجم غیر مقلدین نے کیے ہیں، (۴) اگر کوئی غیر مقلد حقیقت الفقہ سے حوالہ بیان کرے تو اصل عربی کی کتاب لاکر اس سے دکھانے کا مطالبہ کیا جائے۔ اب ترتیب وار ان خرافات کا جواب سنئے!

اولا موصوف نے ایک ایسا حوالہ بھی درج نہیں کیا جو تحریف لفظی و معنوی کی دلیل ہو۔

ثانیا: مولانا جے پوری نے یہ قطعا نہیں کہا کہ عربی کتابوں کے حوالے ہیں، مولانا مرحوم حصہ اول شروع کرنے سے پہلے صفحہ ۱۳۸ پر ضروری گزارش کے زیر عنوان فرماتے ہیں کہ سبب تالیف میں بصراحت گزارش کر چکا ہوں کہ جن کتب کا ترجمہ اردو میں ہوگیا ہے، ان سے مسائل اخذ کر کے دو حصوں میں تقسیم کرتا ہوں، چونکہ تراجم غیر مشہور تھے اور بعض کتب کے متعدد ترجمے بھی ہو چکے تھے۔ اس لئے مناسب یہی معلوم ہوا کہ اصل کتاب مشہورہ کے حوالہ پر ہی اکتفا کیا جائے، ناظرین مطلع رہیں اور مغالطہ میں نہ پڑیں۔ (ص ۱۳۸)۔

کتاب کے ابتدا میں صراحت کرتے ہیں کہ مقدمہ تحریر و نقل کر کے بعد میں ان کتب فقہ سے کہ جن کا ترجمہ اردو میں ہوگیا ہے۔ اور جن کے مؤلف یا مترجم علمائے احناف ہی ہیں اور ان خواص و عوام کی مقبول و معمول بہا ہیں، مسائل اخذ کر کے دو حصوں میں تقسیم کرتا ہوں۔

(حقیقت الفقہ ص ۸)۔

قارئین کرام: ان دونوں عبارتوں پر غور کریں مؤلف حقیقت الفقہ صراحت یہ صراحت کر رہا ہے کہ میں نے فقہ حنفی کی مترجم کتابوں سے حوالے نقل کیے ہیں اور تراجم کے نام اس لئے نہیں لکھے کہ وہ غیر معروف تھے۔ لہذا تراجم کے نام کی بجائے اصل کتاب کا نام درج کیا ہے، مزید سہولت کے لیے دونوں حصوں کے ہر صفحہ کے نیچے لکھ دیا ہے کہ: کتب مندرجہ فقہ سے مراد ان کے تراجم ہیں۔ اس کے باوجود انوار صاحب مطالبہ کرتے ہیں کہ اصل عربی کتابوں سے حوالے دکھائے جائیں، مولانا جے پوری

نے صفحہ ۱۵۱ پر فقہ حنفی کا ایک قول نقل کیا ہے کہ جس عضو پر نجاست لگی ہو وہ تین بار چاٹنے سے پاک ہوجاتا ہے۔

(منیہ ص۵۷ بہشتی زیور ص۱۸ حصہ۲ عالم گیر ی ص۶۱ ج۱)۔

اب ظاہر ہے کہ اصل عربی کتابوں میں یہ مسئلہ تو موجود ہے مگر بوجہ عربی ہونے کے ان کے یہ الفاظ نہ ہوں گے بلکہ اس طرح تحریر ہوگا۔

اصابت النجاسة بعض اعضاء ولحثها بلسانه حتی ذهب اثرها يطهر

(فتاویٰ عالم گیری ص۴۵ ج۱)۔

اذا اصابه الخمريده فلحثه ثلاث مرات تطهريده بريقه كما يطهرفمه بريقة

(منیه المصلی ص۶۶)۔

اگر کوئی سلفی فاضل یہ عبارات دکھا کر کہے کہ حضرت اس میں وہی کیفیت بیان کی گئی ہے! تو دیوبندی قطعاً تسلیم نہ کریں گے اور یہ کہتے جائیں گے نجاست کو زبان سے چاٹنے کے الفاظ دکھاؤ، مبتدعین دیانبہ کو لاکھ سمجھاؤ کہ اس کا یہی معنی ہے تو وہ قطعاً تسلیم نہ کریں، مبتدعین کی ضد دیکھ کر سلفی فاضل کہے کہ اچھا بہشتی زیور لاؤ اس کے دوسرے حصے کے پہلے باب کا مسئلہ نمبر ۲۶ میں اردو میں ہی لکھا ہے کہ زبان سے تین دفعہ چاٹنے سے نجاست زائل ہوجائے گی۔ جب دیوبندی حضرات تسلی کرلیں گے تو تب بھی پرانی رٹ لگائے جائیں گے کہ اصلی عربی کتابوں سے دکھاؤ۔ ایسے ضدی ہٹ دھرم اور متعصب لوگوں کا آپ کے پاس کیا علاج ہے۔

محترم اگر کوئی ضدی ضد پر ہی قائم رہے تو اس کا کوئی علاج نہیں ہوتا۔ ہمارے ایک مخلص محبی واخی محمد زبیر صاحب (صادق آبادی) نے بتایا کہ ہمارے یہاں ایک بار تبلیغی جماعت آئی، خاکسار نے ان کا دعوتی پروگرام سماعت کیا، مقرر نے کہا کہ کلمہ کا یہ مطلب ہے کہ سب امیدیں اللہ سے رکھی جائیں، اور غیر کی نفی کی جائے، پروگرام ختم ہونے پر راقم نے کہا کہ اگر کوئی شخص سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو مشکل کشا کہے اور یہ بات بیان کرے کہ فلاں قبر پر میں نے جا کر صاحب قبر سے مدد طلب کی اور صاحب قبر نے دس درہم میری مدد کی، کیا یہ شرک ہے یا نہیں؟ امیر جماعت کہنے لگے کہ بالکل شرک ہے۔ اس میں ذرا بھر شک نہیں۔ خاکسار نے عرض کی کہ یہ دونوں باتیں فضائل اعمال اور فضائل صدقات میں لکھی ہیں، انہوں نے پورے وثوق سے اس کی نفی کی، میں نے پورے یقین کے ساتھ دونوں باتوں کو مکرر دہرادیا، اس پر وہ جذبات میں آگئے اور کہنے لگے کہ اگر یہ دونوں باتیں ان کتابوں میں ہوں تو میں تبلیغی جماعت کو چھوڑ دوں گا، بندہ ناچیز نے عرض کیا کہ اگر نہ ہوں تو میں نقد آپ کے ساتھ چالیس دن چلا جاؤں گا، بات طے ہوگئی تو میں نے پوری جماعت کو لائبریری میں آنے کی دعوت دی

انہوں نے خندہ پیشانی سے قبول کرلی، قصہ مختصر یہ کہ میں نے دونوں حوالے دکھادیئے، امیر جماعت نے انہیں اچھی طرح دیکھا تھوڑا سا توقف کیا اور فرمانے لگے کہ آپ کو کوئی حق حاصل نہیں کہ شیخ الحدیث کی غلطیاں نکالیں۔ یہ بالکل سچا واقعہ ہے وکفی باللہ شہیدا۔

خیر یہ بات تو درمیان میں جملہ معترضہ کے طور پر آگئی، بات یہ عرض کرنی تھی کہ اگر انہیں کوئی عربی کتاب سے دکھائے گا تو الفاظ کا مطالبہ ہوگا اور اگر اردو سے دکھائے گا تو عربی کا مطالبہ ہوگا، انہیں ہر ممکن کوشش سے سمجھالیں کہ تھانوی کا بہشتی زیور اردو میں ہے۔ مگر یہ عربی عربی کی ہی رٹ لگاتے جائیں ہیں۔

ثالثا: محترم نے دامن چھڑانے کے لئے یہ بھی خوب فرمایا کہ ان کتب فقہ کے تراجم خود غیر مقلدین نے کیے تھے! لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم! مولانا جے پوری نے پہلا حصہ شروع کرتے وقت نو کتابیں فقہ حنفی کی مرجع بتائی ہیں۔

(۱) عین الہدایہ ترجمہ ہدایہ مطبوعہ نول کشور ۱۸۹۶ھ۔

(۲) نور الہدایہ ترجمہ شرح وقایہ مطبوعہ مجیدی کانپور ۱۹۱۴ھ۔

(۳) غایۃ الاوطار ترجمہ درمختار نول کشور ۱۹۰۰ھ۔

(۴) فتاویٰ ہندیہ ترجمہ فتاویٰ عالم گیری مطبوعہ نول کشور ۱۸۹۹ھ۔

(۵) احسن المسائل ترجم کنز الدقائق مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱۹۰۷ھ۔

(۶) ضروری ترجمہ قدوری مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱۹۰۸ھ۔

(۷) صلوۃ الرحمٰن ترجمہ منیۃ المصلی مطبوعہ مصطفائی لاہور ۱۸۶۵ھ۔

(۸) کشف الحاجۃ ترجمہ مالابدمنہ نول کشور ۱۸۸۴ھ۔

(۹) بہشتی زیور مختلف مطبوعات۔

محترم وضاحت کریں کہ ان کے مترجمین میں سے کون کون اہل حدیث تھے؟ کیا بہشتی زیور کا مؤلف مقلد اشرف علی تھانوی بھی غیر مقلد اہل حدیث تھا؟ اور بقایا کتب میں سے نمبر ۳، ۵، ۶، ۷، ۸، قطعی طور پر حنفی ہیں۔

نمبر ۲ کے مترجم علامہ وحید الزمان صاحب مرحوم ہیں، اور انہوں نے جب یہ ترجمہ کیا تھا، تب وہ کٹر حنفی تھے، کتاب کے ابتداء میں ایک مقدمہ ہے جس میں وہ تقلید کے وجوب پر بحث کرتے ہیں اور تقلید پر اہل حدیث کے اعتراضات کے جوابات دیئے ہیں۔ پھر پوری کتاب چار جلدوں میں ہے، جس کا پہلے بامحاورہ سلیس اردو میں ترجمہ کرتے ہیں پھر شرح کرتے ہوئے احناف کے مسائل کو قرآن و حدیث سے ثابت کرتے ہوئے اہل حدیث کا رد کرتے ہیں۔

حیات وحید الزمان ص ۱۱۸ مؤلفہ محمد عبد الحلیم چشتی دیوبندی) جب کہ نمبر ۱،۲ کے مترجم سید امیر علی ہیں، ان کے متعلق یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ اہل حدیث تھے، حقیقت یہ ہے کہ یہ بزرگ حنفی تھے، ہاں البتہ متصلب نہ تھے۔

مولانا عبد الحی حسنی فرماتے ہیں کہ

غیر متصلب فی المذهب الحنفی یتبع الدلیل ویترك التقلید اذا وجد فی مسالة نصا صریحا مخالفا المذهب غیر منسوخ۔

یعنی حنفی مذہب میں غیر متصلب (شدت) تھے دلیل کی پیروی کرتے تھے اور جب کسی مسئلہ میں اپنے مذہب (حنفی) کے خلاف غیر منسوخ نص صریح پا لیتے تھے تو تقلید کو ترک کر دیتے تھے۔

(نزهة الخواطر ص٧٦ ج٨)۔

اس سے ثابت ہوا کہ سید امیر علی حنفی ہی تھے، البتہ نصوص کے بالمقابل ترک تقلید کے قائل تھے۔ صرف اتنی سی بات سے انسان مقلدیت سے خارج ہو کر اہل حدیث نہیں ہوجاتا، مولانا سرفراز صفدر مقلد فرماتے ہیں۔

کوئی بد بخت اور ضدی مقلد دل میں یہ ٹھان لے کہ میرے امام کے قول کے خلاف اگر قرآن و حدیث سے بھی کوئی دلیل قائم ہوجائے تو میں اپنے مذہب کو نہیں چھوڑوں گا تو وہ مشرک ہے، ہم بھی کہتے ہیں کہ لا شک فیہ۔ (الكلام المفید صس ۳۱۰)۔

اس تفصیل سے یہ ثابت ہوا کہ کتب فقہ حنفیہ کے مترجمین اہل حدیث نہیں بلکہ حنفی تھے، اور مقلد انوار صاحب کا اس حقیقت سے انکار محض ضد ہے۔

مسائل حقیقت الفقہ :

مولانا جے پوری کی کتاب حقیقت الفقہ دو حصوں اور مقدمہ کتاب پر مشتمل ہے، مقدمہ میں تقلید اور اس کے متعلقہ مباحث ہیں جب کہ پہلے حصہ، میں فقہ حنفی کے مردود مسائل کا ذکر ہے، اور دوسرے حصے میں قرآن و حدیث کے موافق مسائل کا بیان ہے، مقلد انوار خورشید کو ایسا کوئی حوالہ کتاب کے مقدمہ اور حصہ اول سے نہیں ملا جس پر انگلی رکھ سکتا کہ یہ یہ حوالے جھوٹے ہیں، انہیں غالبا اس بات کا دکھ ہے کہ مؤلف نے دوسرا حصہ کیوں لکھا ہے، اس لئے وہ مولانا جے پوری کے دعویٰ میں کیڑے نکال رہا ہے کہ فقہ حنفی کے بعض مسائل قرآن و حدیث کے موافق بھی ہیں۔ محترم نے جتنے حوالوں کی نشان دہی کی ہے یہ اگلے ہوئے نوالے ہیں۔ ان کا ثبوت مولانا رئیس احمد ندوی، ضمیر کا بحران، میں اور خاکسار، تحفہ حنفیہ میں عنایت کر چکا ہے۔ محترم نے ایک بات یہاں پر یہ بھی کی ہے کہ اگر غیر مقلدین یہ کہیں کہ ہم ترجمہ والی

کتابوں سے یہ حوالے دکھا سکتے ہیں، تو ہم اس کے لئے بھی تیار ہیں۔ وہ ہمیں ترجمے والی کتابوں میں فقہ کی جن کتابوں کا حوالہ دیا ہے۔ ان کتابوں کی عبارات کا ترجمہ دکھلا دیں، اور ساتھ ہی نشان دہی کریں کہ یہ ترجمہ اس عربی عبارت کا ہے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۶۷)۔

گویا مقلد انوار خورشید کو اعتراف ہے کہ مترجم کتابوں میں یہ حوالے تو ہیں، مگر یہ اضافہ ترجمہ کرنے والوں کا ہے، اصل کتاب میں یہ عبارات نہیں ہیں، بلاشک و شبہ یہ اضافہ ترجمہ کرنے والوں کا ہے۔ جو انہوں نے بطور تشریح درج کیا ہے۔ اگر یہ مسائل فقہ حنفی کے نقطہ نظر سے غلط ہیں، تو اس کے ذمہ دار مولانا جے پوری نہیں بلکہ فقہ کا ترجمہ کرنے والے ہیں۔ مقلد انوار کا یہ مطالبہ بالکل اسی طرح کا ہی ہے، جیسے کوئی ان سے کہے کہ مقلد صاحب آپ ہر باب کے آخر میں جو تبصرہ کرتے ہیں وہ قرآن ہے نہ ہی حدیث مگر آپ نے اس کا نام قرآن و حدیث ہی رکھا ہے۔ مقلد صاحب فرماتے ہیں کہ آیت کریمہ سے معلوم ہو رہا ہے کہ دوران وضو سر پر مسح کرنا فرض ہے

(حدیث اور اھل حدیث ص ۱۷۳)۔

اب ان سے سوال ہے کہ قرآن کی آیت میں کس لفظ کا معنی فرض ہے؟ آپ نے پہلی حدیث ، عن انس بن مالک ،حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ ص ۱۷۱) مقلد صاحب وضاحت کریں کہ ،حضرت، کس لفظ کا معنی ہے؟، پھر حضرت کا معنی تو، قرب، نزدیکی وغیرہ ہوتا ہے۔

(فیروز اللغات ص ۵۷۰)۔

تو کیا سیدنا انس رضی اللہ عنہ آپ کے قریب و نزدیک ہیں۔ اسی بات کو ہی اگر کوئی لے کر بیٹھ جائے اور مقلد پر شرک کا فتویٰ لگا دے کہ مقلد انوار کے نزدیک سیدنا انس رضی اللہ عنہ حاضر و موجود ہیں۔ آپ لاکھ وضاحت کریں کہ میرا مقصد تعظیم تھا مگر معترض تسلیم نہ کرے اور یہی اعتراض کرتا جائے کہ مقلد انوار بددیانت ہے آیت میں فرض کا لفظ نہیں اور متن روایت میں ،حضرت، کا اضافہ اس نے اپنی طرف سے کیا ہے۔ تو آپ اسے کیا جواب دیں گے؟ محترم ضد لاعلاج مرض ہے اور جب اس پر تقلیدی پان چڑھی ہو تو یہ مزید مہلک ہو جاتی ہے۔ گزارشات کا مقصد یہ ہے کہ مقلد صاحب کا یہ اعتراض کہ چلو فقہ کی مترجم کتابوں سے ہی یہ حوالے دکھا دو مگر یہ وضاحت کریں کہ یہ فلاں عربی عبارت کا ترجمہ ہے اپنے اندر کوئی معقولیت نہیں رکھتا ہے، یہ ویسا ہی مطالبہ ہے۔ جیسے انوار مقلد کو کہا جائے کہ آیت وضو میں، فرض کا لفظ اور متن روایت میں ،حضرت، کا لفظ دکھایئے اگر مقلد صاحب یہ مطالبہ پورا کر دیں تو ہم بھی ان کا مطالبہ انشاء اللہ ضرور پورا کر دیں گے۔

مقلد انوار خورشید کی لاعلمی:

مقلد صاحب فرماتے ہیں کہ ہماری معلومات کے مطابق امام صاحب اور فقہ حنفی کے خلاف پاک و ہند میں پہلی کتاب ، استقصاء الافحام لکھی گئی ہے اس کے مصنف ایک غالی قسم کے شیعہ حامد حسین کنتوری (متوفی ۱۳۰۶ھ تھے۔ دوسری کتاب ظفر المبین فی رد مغالطات المقلدین ، کے نام سے لکھی گئی، اس کے مصنف ہری چند بن دیوان چند کھتری تھے، جو بعد میں مسلمان ہو کر غلام محی الدین کے نام سے مشہور ہوئے (ص۴۰) اس کے بعد حقیقت الفقہ لکھی گئی۔

(حدیث اور اهل حدیث ص۶۸)۔

الجواب: اول بلاشبہ وہ ہندو سے مسلمان ہوئے، اور جب انہوں نے کتاب لکھی انہیں مسلمان ہوئے تقریباً چالیس سال ہو چکے تھے۔ (الکلام المتین ص٤٦)۔

جو شخص اتنی مدت قبل مسلمان ہو چکا ہو اسے زمانہ جاہلیت کے نام سے پکارنا نہایت درجہ کی کمینہ ظرفی اور بغض و تعصب کے علاوہ صریحا کفر ہے۔انہوں نے جن حالات میں اسلام قبول کیا اور اپنے والد پنڈت دیوان چند کی دولت پر لات ماری وہ ان کے راسخ فی الایمان ہونے کی قطعی دلیل ہے۔وہ سکول میں مڈل کلاس کے طالب علم تھے، اپنے استاد کی تبلیغ سے مسلمان ہوئے، والد نے گھر سے نکال دیا، جائیداد سے عاق کر دیا، عدالت میں مقدمہ چلا محترم محی الدین کے حق میں فیصلہ ہو گیا، مگر انہوں نے باپ سے دولت لینے سے انکار کر دیا کہ مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوتا، ہاں اتنا کہا کہ میرے حصے کی دولت کا ڈھیر لگا دیا جائے اور اس پر میں کھڑے ہو کر اذان کہہ لوں باپ نے یہ مطالبہ قبول کر لیا، اور ان کے حصے کی دولت سونا، چاندی، کا ڈھیر لگایا گیا اور محترم محی الدین رحمہ اللہ نے اس پر کھڑے ہو کر اذان دی اور علی پور چٹھہ سے لاہور تشریف لے آئے، محنت مزدوری کی، اللہ تعالیٰ نے برکت ڈالی اور کاروبار شروع کر لیا، آہستہ آہستہ انہوں نے مطابع احمدی کے نام سے اپنا ایک مطابع کھول لیا اور کتابوں کی تجارت کرنے لگے، مطابع احمدی سے انہوں نے سنت نبوی کی حمایت میں بے شمار کتابیں شائع کی، اپنے بیٹے کو اچھی دینی تعلیم دلائی، مولانا احمد بن محی الدین رحمہ اللہ نے مشکوۃ کا ترجمہ کیا جو چار جلدوں میں مطبع احمدی سے ــــ ھ میں شائع ہوا۔ (روایت شاہ عبد الشکور اثری حفظہ اللہ تعالی)۔

بلاشبہ مولانا محی الدین درس نظامی کے فارغ التحصیل نہ تھے۔ انہوں نے سنت سے محبت کے جزبہ میں الظفر المبین لکھی تھی، کتب احادیث کے تراجم اور مولانا غلام حسین کے تعاون سے یہ کتاب مرتب ہوئی تھی، لیکن سوال یہ ہے کہ انہوں نے کون سا جرم کیا ہے ایک طرف احادیث صحیحہ وصریحہ نقل کرتے ہیں دوسری طرف امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا قول ذکر کرتے ہیں، وبس، نہایت ادب و احترام سے امام

صاحب کو مخاطب کرتے ہیں، متعدد صفحات پر امام ابو حنیفہ کو امام اعظم لکھا ہے، اس کتاب کا آنا تھا کہ برصغیر کے تمام حنفی علماء کو جان کے لالے پڑ گئے، مولانا عبد الحی لکھنوی مرحوم نے اس کے جواب میں قلم اٹھایا فتح المبین کے نام سے الظفر المبین کا جواب تحریر کیا اور مولوی منصور علی کے نام سے شائع کر دیا۔

الظفر المبین ۱۲۹۷ھ کے رمضان میں شائع ہوئی اور مولانا لکھنوی کی کتاب فتح المبین ۱۳۰۱ھ میں شائع ہوئی، اس کے جواب میں علمائے اہل حدیث کی طرف سے تین جواب شائع ہوئے۔

(۱) الکلام المتین (۲) قوس المحققین (۳) خلاصۃ البراہین، ان کے جواب میں کسی حنفی سپوت نے قلم نہ اٹھایا، یہ بات ملحوظ رہے کہ الکلام المتین مولانا ابو الحسن سیالکوٹی مرحوم نے مولانا لکھنوی کی زندگی میں ہی ۱۳۰۳ھ میں شائع کر دی تھی، جس میں انہوں نے متعدد دلائل و قرائن سے ثابت کیا تھا کہ فتح المبین مولانا لکھنوی کی ہے، کتاب الکلام المتین کی اشاعت کے بعد مولانا لکھنوی ایک سال کے لگ بھگ زندہ رہے مگر انہوں نے اس بات کی تردید نہ کی، گزارشات کا مقصد یہ ہے کہ الظفر المبین، فقہ حنفی کے رد میں بہترین کتاب ہے، یہی وجہ ہے کے اس دور کے نامور اور فاضل حنفی نے اس کے جواب میں قلم اٹھایا، باقی رہا کہ اس کا مصنف عربی زبان کا عالم نہ تھا، تو یہ قابل قادح چیز نہیں، اگر کوئی عربی دان اور عالم فاضل مسئلہ غلط بیان کر دے اور اسے ایک جاہل مسئلہ سمجھا دے تو یہ قابل تعریف چیز ہے قابل مذمت نہیں، پھر یہ بات کرتے ہوئے مقلد انوار خورشید کو شرم سے ڈوب مرنا چاہئے تھا، کہ ان کی تبلیغی جماعت میں چلا لگا کر تبلیغ کرنے والے حضرات میں ۹۹ فیصد لوگ جاہل و اجڈ بلکہ نماز روزہ کے مسائل سے بھی ناواقف ہوتے ہیں۔ افسوس ان کو ہماری آنکھ کا تنکا نظر آ گیا مگر اپنی آنکھوں کا شہتیر بھی نظر نہیں آیا۔

دوم: ان کا نام محی الدین تھا غلام محی الدین نہ تھا، مولانا ابو الحسن سیالکوٹی نے الکلام المتین ص ۴۸ میں اس کی وضاحت بھی کی تھی، مگر مقلد انوار خورشید ایسا ضدی اور ہٹ دھرم ہے کہ تردید کے بعد بھی غلام محی الدین ہی لکھتا ہے۔

سوئم: مقلد انوار خورشید کی ہٹ دھرمی ملاحظہ ہو کہ بدبخت لکھتا ہے الظفر المبین فی رد مغالطات المقلدین، کے مصنف ہری چند بن دیوان چند کھتری تھے حالانکہ ظفر المبین کتاب کا نام نہیں بلکہ الظفر المبین ہے، اور کتاب تحریر کرنے کے زمانے میں وہ قطعا ہری چند نہ تھے۔ بلکہ محی الدین تھے، مگر مقلد کی شرارت ملاحظہ ہو کہ کہتا ہے بعد میں مسلمان ہوا۔ لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ جاہلیت کے ناموں سے پکارنا اگر جائز ہے تو مقلد جگہ جگہ کیوں نہیں لکھتا، فلاں صحابی عبد الشمس تھا۔ افسوس ان کے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے متعلق مولانا فیض عالم نے لکھ دیا تھا کہ مجوسی النسل تھے۔ اس پر انوار خورشید مقلد کی رگ حمیت بھڑک اٹھتی ہے، اور کہتا ہے کہ یہ کوئی طعن کی چیز نہیں جو شخص خود مسلمان ہو اس

کے لئے اس کے باپ دادا کا غیر مسلم ہونا کوئی عیب نہیں چہ جائیکہ جس کے باپ دادا بھی مسلمان ہوں، ورنہ تو یہ طعن اسلاف میں سے کسی ایک پر نہیں سینکڑوں پر ہو سکے گا، اور بات آگے صحابہ کرام تک جا پہنچے گی، امام بخاری رحمہ اللہ اور حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ مجوسی النسل تھے۔

لیکن آپ کے مجوسی النسل ہونے سے آپ کے مرتبہ و مقام میں ذرا بھی فرق نہیں پڑا، دیکھا جائے تو کسی کو اس قسم کا طعنہ دینا خود اپنا ایمان خراب کرنے کے مترادف ہے، کیونکہ حدیث میں اس قسم کا طعنہ دینے والے پر حضور علیہ الصلاۃ والسلام کا ناراض ہونا آیا ہے۔

(حدیث اور اهل حدیث ص ۲۲،۲۳)۔

ایمان تو حنفیہ کے نزدیک کم اور زیادہ نہیں ہوتا، لہٰذا خراب کے لفظ سے مقلد کی مراد پکا کافر ہونا ہے، لہٰذا انوار مقلد وضاحت کرے کہ اس طعن کے بعد اس نے توبہ کر کے تجدید ایمان و نکاح کر لیا ہے۔ یا تا حال کافر ہی ہے۔

چہارم: یہ بھی غلط بیانی کی ہے کہ حنفیہ کے خلاف سب سے پہلی کتاب کنتوری کی ہے۔حالانکہ کنتوری کی پیدائش سے بھی قبل شیخ محمد حیات سندھی (م ۱۱۶۳ھ) کے رسائل

الا یقاف علی سبب الاختلاف، تحفة الانام فی العمل بحدیث النبی علیه الصلوٰة والسلام" فتح الغفور فی وضع الایدی فی الصلاة علی الصدور۔

مولانا محمد فاخر زائد الہ آبادی (م ۱۱۶۴ھ کے رسائل، نور السنہ، اور قرۃ العینین دراثبات سنیت رفع الیدین، مولانا عبد الحق محدث بنارس کی کتاب، الدر الفرید فی المنع عن التقلید، مولانا عبد اللہ الہ آبادی کی کتب، اعتصام السنہ، صمصام الحدید المسلول، سیف الحدید فی قطع المذاہب والتقلید، وغیرہ موجود تھیں۔

اور الظفر المبین کی اشاعت سے مدتوں قبل میاں نزیر حسین محدث دہلوی کی کتاب معیار الحق بھی ۱۲۸۳ھ میں شائع ہو چکی تھی، اور اس کا جواب مولوی ارشاد حسین رامپوری تحریر کر چکا تھا، اور میاں صاحب کے شاگرد الظفر المبین سے کئی سال قبل اس کے چار جواب تحریر کر چکے تھے، اور میاں صاحب سے بھی پہلے نواب صدیق حسن خاں کے برادار اکبر سید احمد حسن قنوجی (م ۱۲۷۳ھ) شہاب ثاقب، میں تقلید کا رد کر چکے تھے۔ مولانا عبد الحی لکھنوی نے نواب صدیق الحسن کی کتب پر نقد کیا تو مولانا ابو الفتح عبد النصیر نے شفاء العی عما اوردہ الشیخ عبد الحی، رسالہ لکھا جو مطبع فاروقی سے ۱۲۹۷ھ میں شائع ہوا، اس کا جواب مولانا لکھنوی نے، ابراز الغی الواقع فی الشفاء العی، لکھا جس کا جواب الجواب مولانا ابو الفتح صاحب نے تبصرہ الناقد بردکید الحاسد، کے نام سے دیا، جو مطبع فاروقی سے ۴۹۸ صفحات میں شائع ہوا، یہ سلسلہ آگے بھی چلا، مولانا محمد بشیر محدث سہسوانی نے حج بیت اللہ سے واپسی پر جب اپنا رسالہ، القول

المحقق المحکم فی زیارۃ قبر الحبیب الاکرم، شائع کیا تو مولانا عبدالحی نے جواب میں الکلام المبر، کتاب شائع کی، مولانا سہسوانی نے اس کا جواب القول المنصور، سے دیا۔ مولانا لکھنوی نے جواب الجواب المذہب الماثور، شائع فرمایا، تو مولانا سہسوانی نے، اتمام الحجۃ علی من واجب الزیارۃ کالحجۃ، تصنیف فرما کر خاتمہ سخن کر دیا۔

اس کا جواب کسی حنفی سے تاحال بن نہیں سکا، مولانا عبدالحی کے جواب میں شائع ہونے والی تمام کتابیں عربی میں تھیں۔ اور الظفر المبین سے بعض مدتوں قبل کی تصانیف ہیں۔

مقلد انوار نے یہ بھی جھوٹ بولا ہے کہ الظفر المبین کے بعد حقیقت الفقہ شائع ہوئی، حالانکہ الظفر المبین ۱۲۹۷ھ میں شائع ہوئی جب کہ حقیقت الفقہ ۱۳۴۰ میں شائع ہوئی اور اس درمیانی وقفہ میں سینکڑوں کتابیں سلفی علماء نے فقہ حنفی کے رد میں تحریر کی ہیں، چند ایک کی ہم نشان دہی کرتے ہیں، مولانا وحید الزماں کے برادر اکبر مولانا بدیع الزمان مترجم سنن ترمذی، فتح المبین علی رد مذاہب المقلدین، کے نام سے ایک ضخیم کتاب تحریر کی جو مطبع محمدی لاہور سے ۱۲۹۹ھ میں شائع ہوئی۔

مولانا ابوالحسن سیالکوٹی کی، الظفر المبین جدید حصہ دوم محرم ۱۳۰۵ھ شائع ہوئی، اس دور میں حنفیت کی طرف سے، جامع الشواہد، جیسی بیہودہ کتاب شائع ہوئی، جس کے نصف کے قریب میاں صاحب کے شاگردوں نے جواب تحریر کیے، جس کی تفصیل، ابراء اہل حدیث (مؤلفہ حافظ عبداللہ غازی پوری)۔ کے مقدمہ میں مولانا عطا اللہ حنیف رحمہ اللہ نے دی ہے۔ یہ وہ دور تھا جس میں میاں محمد نذیر حسین محدث دہلوی کے شاگردوں نے حنفیت کو ہر محاذ پر لوئے کے چنے چبوائے، مولانا ابوسعید محمد حسین بٹالوی کا رسالہ، اشاعۃ السنہ، مولانا محمد سعید بنارسی کا رسالہ، نصرۃ السنۃ، مولانا عبدالحلیم شرر کا، دلگداز، وغیرہ رسائل و جرائد میں حنفیت کا بخوبی رد ہوتا تھا۔ بعض تلامذہ نے قرآن و حدیث کے تراجم کر کے تقلید کی صف لپیٹ دی، میاں صاحب کے شاگردوں نے کتب ستہ کے علاوہ موطا امام مالک، مشکوۃ، بلوغ المرام، الادب المفرد، ریاض الصالحین، المنتقی لابن جارود، شمائل ترمذی، جزء القراۃ، جزء رفع الیدین، جیسی اہم کتب احادیث کے سب سے پہلے اردو میں تراجم کیے جس سے تقلید قریب المرگ ہوگئی اور سنت کا احیاء ہوا، ان تراجم سے جس قدر حنفیت کو تکلیف ہوئی ہے اس کا کھلے لفظوں میں سید نفیس الحسینی نے۔ دفاع امام ابوحنیفہ، کے مقدمہ میں اعتراف کیا ہے۔ ان کے الفاظ ہیں۔

کتب حدیث کا اردو زبان میں صرف ترجمہ کر کے عدم تقلید کا دروازہ کھولا جا رہا ہے۔

(مقدمہ دفاع امام ابو حنیفہ ص۲۶)۔

الحمد للہ کتب احادیث کے تراجم اچھا پھل لائے، تقلید کا مسئلہ اہل علم سے نکل کر عوامی حلقے میں آ گیا، ایک عامی نے بھی صحیح بخاری و مسلم کے تراجم خریدے، تحقیق کے میدان میں وسعت پیدا ہوئی،

تقلید اور فقہ حنفی کے بعض فتاویٰ کا مذاق اڑایا جانے لگا، یہ قدرت کی طرف سے، جامع الشواہد، جیسی بیہودہ کتب کا ردعمل تھا، ویشف صدور قوم مومنین، کا مکمل نمونہ تھا، خیر بات چل رہی تھی میاں صاحب کے شاگردوں کی تو محترم کسی نے وعظ ونصیحت میں حنفیت کو لتاڑا تو کسی نے کتب احادیث کی نشر و اشاعت اور اس پر شروح وحواشی لکھ کر مقلدین کو بے دم کردیا، کسی نے میدان مناظرہ میں انہیں بچھاڑا، بعض نے مدارس کھول کر قال اللہ وقال الرسول کا بول بالا کیا، بعض نے تحریک جہاد کو زندہ رکھا، الغرض میاں صاحب کی جامعیت کے یہ تاثرات تھے۔ جو آپ کے تلامذہ میں مختلف طور پر پائے گئے، ہر ایک نے اپنی استعداد کے مطابق اخذکیا اور اس تاثر کے ماتحت اپنے ماحول اورعلاقہ میں دین کی خدمت سعادت جان کر کی، بقول شیخ محمد اکرام، کئی نیک ایثار پیشہ متقی اور پرہیزگار حضرات اور کئی علماء متبحر شامل تھے۔ مولانا ولایت علی صادق پوری عظیم آبادی کا ہم ذکر کر چکے ہیں، ان کی اور ان کے جانشینوں کی کوشش زیادہ ترجہاد بدنی کے لئے وقف رہیں، لیکن اور بہت سے اہل حدیث بزرگوں نے اپنے آپ کو جہاد بالقلم اور جہاد باللسان کے لئے وقف رکھا، جنگ آزادی کے بعد علمائے اہل حدیث نے تین باتوں میں امتیاز حاصل کیا، اول حدیث کی اشاعت میں، جس کے لئے کئی مدرسے قائم ہوئے اور فضلائے حدیث کے درس کا انتظام ہوا، دوسرے عیسائیوں، آریہ، سماجیوں مرزائیوں، اور شیعوں کی مخالفت میں، جس کے لئے صدہا کتابیں اور رسالے تصنیف کئے گئے، سینکڑوں جگہ مناظرے کئے گئے، تیسرے شرک و بدعت کی مخالفت میں۔

(موج کوثر ص ۶۵)۔

یہ عمل جتنا مؤثر تھا اس سے کہیں زیادہ مرگ تقلید تھا۔ ان کے فتاویٰ کفر اپنی موت آپ مرگئے، حنفیہ نے اپنے حربے میں جدت پیدا کرنے کی کوشش کی۔ بحث ونظر کے بعد یہ لوگ دفاعی پوزیشن پر مجبور ہوگئے، دورہ حدیث کا اجرا ہوا مگر یہ اختیاری مضمون کی حیثیت میں تھا۔

(پاک و ھند میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت ص ۹۰ ج ۲)۔

دورہ حدیث سے مصائب میں کمی کی بجائے مزید اضافہ ہوگیا، کیونکہ حدیث اور فقہ حنفی کا جگہ جگہ اختلاف تھا، اور حدیث میں مقلدین کی خدمات صفر کے برابر تھیں۔

مولانا انور شاہ کاشمیری کے بیٹے اپنے والد کی سوانح میں فرماتے ہیں یہ عجیب تاریخ کا راز ہے جس کی وجوہ وعلل کا دریافت تاریخ کا سب سے بڑا انکشاف ہوگا کہ حدیث کے بیشتر وہ مجموعے جو آج ہمارے کتب خانوں کی زینت ہیں غیر حنفی قلم سے ان کی جمع وترتیب ہوئی خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ اس مہم میں حنفی مکتب فکر بھر پور شرکت کیوں نہیں کر سکا، عجیب نہیں کہ یہ پامال اعتراض کہ ابو حنیفہ الامام حدیث سے نابلد ونا واقف تھے ان شبہات وشکوک میں اس سے بھی مدد لی جارہی ہے کہ احناف تدوین

حدیث کے کاروبار میں پس ماندہ ہیں، اگرچہ متاخرین کی کاوشیں اس خلجان کے لئے کوئی گنجائش نہیں چھوڑتیں تاہم اسباب کچھ بھی ہوں پھر بھی اس واقعہ سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ حدیثی مجموعوں میں احناف کی تالیفی دستاویزات نہ ہونے کے برابر ہیں، ان کی تمام تر توجہ اور زورقلم فقہ کی تعمیر، استخراج مسائل نت نئی جزئیات حوادث وفتاویٰ کی ترتیب وتدوین پر ہی رہی۔

(نقش دوام ص ۱۷۵،۱۷۶)۔

دوسری جگہ پر فرماتے ہیں عجیب بات یہ ہے کہ چار فقہی مکاتیب نظر وجود پذیر ہوئے تو حضرات شوافع کی علمی ہمتیں احادیث کی جمع وترتیب میں مصروف رہیں، چنانچہ آج عالم اسلام کی کوئی بھی درس گاہ ایسی نہیں جس میں یہی حدیثی مجموعے زیر درس نہ ہوں، مالک علیہ الرحمۃ کے قلم مبارک سے ان کا مشہور موطا مالکی فقہ کے لئے آج اساسی کتاب ہے، احمد بن حنبل علیہ الرحمۃ کا مسند حنابلہ کے لئے کافی وشافی ہے، احناف ہی ایک ایسا سکول ہے جس کے پاس خود کسی حنفی امام کی تیار تالیف نہیں، امام محمد علیہ الرحمۃ کا موطا اورامام طحاوی کی معانی الاثار ثانوی درجہ میں داخل کی گئیں اور خود احناف ان سے وہ استفادہ نہ کرسکے جن کی یہ دونوں کتابیں مستحق تھیں، تاریخی اعتبار سے اس کے کچھ علل و اسباب ہیں۔ جن کی تفصیل کا یہ موقعہ نہیں۔ (نقش دوام ص ۳۰۸)۔

ان دونوں کتابوں کو حنفیہ کے ہاں کوئی قابل ذکر مقام نہ ملنے کی وجہ یہ ہے کہ موطا تو بنیادی طور پر امام مالک کی کتاب ہے جو امام محمد نے ان سے روایت کی ہے اور اس میں چند آثار و احادیث دوسرے اساتذہ کے بھی شامل کردیئے ہیں۔ رہ گئے امام طحاوی تو وہ واقعی حدیث کی تدوین میں شریک ہوئے اور اثبات حنفیت کے لئے پوری کوشش کی لیکن محدث ہونے کی وجہ سے اس خودسری کا مظاہرہ نہ کرسکے جس کی توقع ایک مکمل حنفی مقلد سے کی جاتی ہے، نتیجہ یہ نکلا کہ اثبات حنفیت کو اپنا مقصد بنالینے کی وجہ سے محدثین (جو تمام تعصبوں سے آزاد ہو کر خادم حدیث تھے)، کے ہاں کوئی قابل ذکر مقام حاصل نہ کرسکے اور نہ احناف نے ہی انہیں پوری طرح قبول کیا، اس لئے جدید مجموعہ حدیث کی انہیں ضرورت محسوس ہوئی، چنانچہ مولانا عبدالحی لکھنوی کے شاگرد رشید علامہ ظہیر احسن نیموی نے حنفی مسلک کی تائید میں ایک کتاب تحریر کرنے کا عزم کیا، موصوف کا ایک رسالہ، رد السکین، جو ۱۳۱۲ھ میں قومی پریس لکھنؤ سے طبع ہوا، اس میں ایک اشتہار اور اعلان یوں رقم فرمایا۔

یہ تو ظاہر ہے کہ حدیث میں پہلے بلوغ المرام یا مشکوٰۃ شریف پڑھائی جاتی ہے اور ان کے مؤلف شافعی المذہب تھے، ان کتابوں میں زیادہ وہی حدیثیں ہیں جو مذہب امام شافعی کی مؤید اور مذہب حنفی کے خلاف ہیں، اس پر طرہ یہ ہوتا ہے کہ اکثر معلم درپردہ غیر مقلد ہوتے ہیں بے چارے اکثر طلبہ یہ ابتدائی کتابیں پڑھ کر مذہب حنفی سے بدعقیدہ ہوجاتے ہیں، پھر جب صحاح ستہ کی نوبت آتی ہے تو ان

کے خیالات اور بھی بدل جاتے ہیں۔ علماء حنیفہ نے کوئی ایسی کتاب قابل درس تالیف نہیں کی جس میں مختلف کتب احادیث کی وہ حدیثیں ہوں جن سے مذہب حنفی کی تائید ہوتی ہو، پھر بے چارے طلباء ابتدا میں پڑھیں تو کیا اور ان کے عقائد درست رہیں تو کیونکر؟ آخر بے چارے غیر مقلد نہ ہوں تو کیا ہوں؟ فقیر نے انہی خیالات سے حدیث شریف میں آثار السنن کے نام سے ایک کتاب کی بنائے تالیف ڈالی ہے اور ارادہ ہے کہ کتب متداولہ کے علاوہ عرب وعجم کی نایاب کتب احادیث سے حدیثیں انتخاب کر کے جمع کروں اور حاشیہ میں اسناد لکھ دوں۔

(بحواله پاك و هند میں علمائے اهل حدیث کی خدمات حدیث ص ۷۰)۔

مولانا ارشاد الحق اثری اس پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: قارئین کرام علامہ نیموی کی دل سوزی پر تھوڑا سا غور کریں۔

(۱) بلوغ المرام اور مشکوٰۃ کے مصنفین شافعی المسلک ہیں اور ان میں زیادہ وہ حدیثیں ہیں جو مذہب حنفی کے خلاف ہیں۔

(۲) ان کتابوں کو پڑھ کر طلبہ مذہب حنفی سے بدعقیدہ ہوجاتے ہیں۔

(۳) صحاح ستہ پڑھنے سے تو ان کے خیالات اور بھی پختہ ہوجاتے ہیں۔

(۴) بالآخر وہ غیر مقلد نہ ہوں تو اور کیا ہوں۔

(۵) عقائد درست رکھنے کے لئے میں نے، آثار السنن، حنفی مذہب کی تائید میں لکھ دی ہے۔

آگے بڑھنے سے پہلے ذارسوچیے کہ، عقائد درست، کرنے کے لئے جو کتاب لکھی گئی، ان میں کون سے، عقائد کے مسائل پر بحث کی گئی اور اپنے عقیدہ، کے مطابق احادیث جمع کی گئیں، وہ طہارت اور نماز کے مسائل کے متعلق ہیں یا عقائد کے؟ مشکوٰۃ پڑھنے سے طلباء ،بدعقیدہ، ہوجاتے ہیں، تو بتلایا جائے کہ شافعی المسلک ، کیا ہوئے۔ انہیں احادیث پر شافعی عمل کرلیں تو عقیدہ درست اور اگر نظریہ تقلید سے ہٹ کر ان پر عمل کرلیا جائے تو، بدعقیدہ، ہوجائیں، آخر ظلم وستم کی بھی کوئی حد ہوتی ہے، میں تو مصنف مشکوٰۃ کی کرامت ہی سمجھتا ہوں کہ اس قدر ڈھول پیٹنے کے باوجود آج تک مشکوٰۃ داخل درس ہے، اور اس کے برعکس آثار السنن یا اسی نوعیت کی دوسری کتابوں کو وہ پذیرائی نہیں نصیب ہوئی، جو مشکوٰۃ اور بلوغ المرام کو حاصل ہے۔ ان کے مصنفین نے جو کیا وہ فرقہ واریت سے ہٹ کر نہایت اخلاص سے خدمت حدیث کے جزیہ سے کیا، جس کا نتیجہ ظاہر ہے۔

(پاک و ہند میں علمائے اہل حدیث کی خدمات حدیث ص ۷۲)۔

احادیث رسول اللہ ﷺ اور حنفی :

مذکورہ بحث کے بعد مقلد انوار صاحب یہ بحث اٹھاتے ہیں کہ غیر مقلدین کا دعویٰ ہے کہ حدیث و فقہ کا اختلاف ہے، مگر انہیں تناقض کی تعریف معلوم نہیں محض تعصب وعناد کی وجہ سے فقہ حنفی کے مسائل کو قرآن وحدیث کے مخالف و متناقض ثابت کرنے کی ناکام کوشش کرتے ہیں۔ پھر مقلد صاحب نے ڈیڑھ صفحہ تناقض کی تعریف پر صرف کر دیا ہے۔

(حدیث اور اهل حدیث ص۶۸،۶۹)۔

پہلی غلطی تو مقلد نے یہ کی ہے کہ ذکر تو اختلاف کا کرتا ہے، مگر تردید میں تناقض کو لے بیٹھا ہے، حالانکہ ضد (اختلاف) اور تناقض میں قدرے فرق ہے، دیکھئے!

(التعریفات للجرجانی ص۱۷۹)۔

لیکن انوار صاحب ان کو ایک ہی سمجھ بیٹھے ہیں، جب کہ ان کے درمیان فرق ہے، اگر کہا جائے کہ زید انسان ہے، انسان نہیں، مولوی صاحب کی ٹوپی سفید رنگ کی ہے، نہیں سیاہ رنگ کی ہے، زید کو انسان تسلیم نہ کرنا تناقض ہے۔ جب کہ ٹوپی کی مثال اختلاف ہے، مگر حیرت ہے کہ مقلدین کا کہنہ مشق استاد بوڑھی عمر میں بھی اس کے فرق کو ملحوظ رکھے بغیر اہل حدیث کا رد لکھنے بیٹھ گیا ہے، مقلد صاحب فرماتے کہ فقہ تو کہتے ہی شریعت کے فروعی احکام کو ان کی تفصیلی دلیلوں سے جاننے کو، اس تعریف سے معلوم ہوا کہ فقہی مسائل وہ ہوتے ہیں جو تفصیلی دلائل قرآن حدیث اجماع امت اور قیاس مجتہد سے مستنبط ہوتے ہیں۔ غور فرمایئے جب فقہی مسائل ہوتے ہی وہ ہیں جو قرآن و حدیث اجماع امت اور قیاس سے مستنبط ہوں تو پھر ان مسائل کے قرآن و حدیث کے مخالف ہونے کا کیا مطلب۔ (حدیث اور اهل حدیث ص۶۸)۔

مقلد نے جو فقہ کی تعریف نقل کی ہے وہ ادھوری نقل کی ہے، بلاشبہ جرجانی نے یہ اصطلاحی تعریف کی ہے، لغوی تعریف یہ کی ہے۔

فهم غرض المتكلم من كلامه، یعنی متکلم کے کلام سے ہی اس کی غرض سمجھنا اس تعریف سے ثابت ہوا کہ کسی کی بات کا مطلب و مقصد جاننا فقہ کہلاتا ہے، لہٰذا انوار خورشید مقلد صاحب کا یہ باور کرانا کہ فقہ کہتے ہی ادلہ شرعیہ کو ہیں، غلط ہے، بلاشبہ قرآن و حدیث کو فقہ کہتے ہیں، اور بعض احادیث کو فقہ کہا گیا ہے تفصیل تحفہ حنفیہ ص ج ۱ میں عرض کر دی گئی ہے وہاں سے ایک نظر دیکھ لیا جائے، بس یہی ہمارا اور مقلدین کا اختلاف ہے، آپ قیاسات کا نام فقہ رکھتے ہیں اور ہم قرآن و حدیث کے فہم کو فقہ کہتے ہیں اور فقہاء احناف کی دماغ سوزی سے مرتب کتابوں کو ہم فقہ تسلیم نہیں کرتے، یہ آپ کا

جھوٹا اور بے بنیاد دعویٰ ہے، کوئی شراب کا نام پانی رکھ لے تو اسے لاکھ دلیل سے بھی قائل کیا جائے، اور وہ شراب کو پانی کہنے پر بضد ہو تو اس کا کیا بگاڑا جا سکتا ہے ایسے جناب نے بھی ابواب الحیل کا نام فقہ اور ادلہ شرعیہ کے رد کا نام فقہ رکھ لیا ہے، ہم آپ کا کیا بگاڑ سکتے ہیں۔آپ کا دعویٰ بالکل شیعہ کی طرح ہے جیسے وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے دشمنی کو محبت اہل بیت سے تعبیر کرتے ہیں ویسے ہی جناب نے قرآن و حدیث کی مخالفت کا نام فقہ رکھ لیا ہے۔ جناب نے خود چند مثالیں ذکر کر کے اختلاف کو دور کرنے کی کوشش کی ہے، ہم ان کی ہی وضاحت کر دیتے ہیں۔

(۱) مقلد صاحب فرماتے ہیں کہ: حکیم صادق سیالکوٹی صاحب لکھتے ہیں۔ بیت اللہ کی چھت پر نماز، پیغمبر رحمت کی ممانعت، **عن ابن عمر قال نهى رسول الله ﷺ ان يصلى فوق ظهر بيت الله**، ترمذی، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بیت اللہ کی چھت پر نماز پڑھنے سے منع کیا ہے۔فقہ کا اختلاف، **من صلى على ظهر الكعبة جازت صلوته۔ هدايه باب الصلاة في الكعبة**، کعبہ کی چھت پر نماز پڑھنی جائز ہے۔

(سبیل الرسول ص۲۳۰)۔

غور فرمایئے حدیث شریف سے فقہ کا اختلاف تو تب ہوتا جب کہ فقہ میں یہ بیان کیا جاتا کہ بیت اللہ کی چھت پر نماز پڑھا کرو۔ پھر آپ کہتے کہ دیکھو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام منع فرما رہے ہیں۔ اور یہ حکم دے رہے ہیں۔ فقہ میں بیت اللہ کی چھت پر نماز پڑھنے کا حکم نہیں دیا گیا، فقط یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ اگر کوئی شخص بیت اللہ کی چھت پر نماز پڑھ لے تو اس کی نماز ہو جائے گی یا نہیں؟ فقہاء نے فرمایا کہ ہو جائے گی،اگر غیر مقلدین کے پاس اس مسئلہ کے خلاف کوئی حدیث ہے، تو لائیں جس سے ثابت ہوتا ہو کہ بیت اللہ کی چھت پر نماز نہیں ہوگئی۔

(حدیث اور اهل حدیث ص۱۷)۔

الجواب: مکرم حکیم صاحب بھی ہدایہ کی عبارت کا یہی مفہوم بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں حضور ﷺ کعبہ کی چھت پر نماز پڑھنے سے منع فرمائیں لیکن فقہ کہے کہ جس نے کعبہ کی چھت پر نماز پڑھی اس کی نماز جائز ہے، کیوں جائز ہے؟ جو کام حضور ﷺ منع کریں وہ کیونکر جائز ہوسکتا ہے؟ یہ حدیث پر زیادتی ہے۔ (سبیل الرسول ص۱۰۶ طبع جدید)۔

اس سوال کا جواب دیں کہ جب آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے منع فرمایا ہے، تو پڑھنے والے کی نماز پر صحت کا حکم کس دلیل سے لگایا جار ہا ہے۔رہا آپ کا یہ کہنا کہ یہ حدیث ضعیف ہے اور پھر یہ مطالبہ کرنا کہ کوئی ایسی حدیث دکھائیں جس میں نفی ہو، یہ صرف مغالطہ ہے۔غور کریں کہ قبلہ کی طرف منہ کرنے کا حکم ربانی ہے۔ جیسا کہ سورہ بقرہ میں بیان ہے اور مقلدین کے نزدیک بھی قبلہ رخ منہ کرنا

شرائط نماز سے ہے، مگر جو بیت اللہ کی چھت پر نماز پڑھ رہا ہے وہ تو شرائط نماز سے ایک کا تارک ہے کیونکہ جو بیت اللہ کی چھت پر نماز ادا کر رہا ہے وہ، الی البیت نہیں بلکہ علی البیت، ہے، اور قرآن کا حکم ہے۔وحیث ما کنتم فولوا وجوھکم شطرہ، (البقرہ ۱۴۴) اور جہاں بھی ہو تم پس اپنے چہرے بیت اللہ شریف کی طرف کرو، (۲۔۱۴۴)

ہمیں ظاہریت کا طعن کرنے والو! اپنی فقاہت پر بھی غور کرو بیت اللہ کی چھت پر نماز پڑھنے والا اس حکم ربانی کا تارک ہے مگر پھر بھی آپ اس کی نماز پر صحت کا حکم لگا رہے ہیں۔

اگر اس شرط کے مفقود ہونے سے صحت نماز کا حکم لگاتے ہیں تو کیا وجہ ہے کہ ناپاک بدن و کپڑے اور بغیر نیت و ستر عورت کے پڑھنے والے کی نماز کو فقہاء احناف باطل کہتے ہیں؟ حالانکہ جیسے یہ شرائط نماز سے ہے، ویسے ہی قبلہ رخ ہونا بھی شرائط نماز سے ہے۔ ایک کے کرنے پر صحت نماز کا حکم اور دوسرے کے کرنے پر باطل ہونے کا دعویٰ! کیا یہ فقہ حنفی کا تناقض نہیں؟ غالباً فقہاء احناف نے یہاں غور نہیں کیا صرف شافعیوں کی مخالفت پیش نظر تھی۔

(۲) مولانا محمد اشرف سلیم صاحب کے حوالے سے مقلد صاحب فرماتے ہیں ہدایہ میں درج ہے کہ اگر نمازی نماز میں تکبیر اللہ اکبر کے بدلے کوئی اور تعظیم کا لفظ کہہ دے تو جائز ہے۔ فقہ کا یہ مسئلہ بھی صریحاً کئی حدیثوں کی خلاف ہے، صحیح مسلم میں ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا قام الی الصلاۃ قال اللہ اکبر،

(احادیث نبویہ اور فقہ حنفیہ ص ۱۳)۔

غور فرمایئے حدیث شریف سے فقہ کا اختلاف تو تب ہوتا جب کہ فقہاء یہ فرماتے کہ تم جب نماز شروع کرو تو اللہ اکبر کے بجائے اللہ اجل وغیرہ کہا کرو۔ پھر آپ کہتے کہ دیکھو حضور علیہ الصلاۃ والسلام خود بھی اللہ اکبر سے نماز شروع کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی یہی حکم دیتے ہیں کہ اللہ اکبر سے نماز شروع کرو اور فقہ میں ہے کہ نماز اللہ اجل سے شروع کیا کرو، لیکن فقہ میں ایسا کوئی حکم ہے ہی نہیں کہ تم اللہ اکبر چھوڑ کر اللہ اجل کہا کرو، پھر اختلاف کہاں؟

(حدیث اور اہل حدیث ۷۳)۔

الجواب: مقلد نے تقلید کا بہر حال حق ادا کرنا ہے اس کی یہ مجبوری ہے ورنہ حدیث میں، اللہ اکبر کہنے کی تحدید ہے۔ اور فقہ حنفی نے اس تحدید کو توڑ کر حکم نبوی علیہ الصلاۃ والسلام پر اضافہ کر کے کہا ہے کہ اگر تکبیر کے بدلے میں اللہ کے اسماء میں سے کوئی تعظیم والا نام لیا جائے تو کفایت کر جائے گا، فقہ نے جب حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو توڑ دیا تو اختلاف اور کس بلا کا نام ہوتا ہے۔ محترم آپ نے جو ہدایہ سے عبارت نقل کی ہے کہ

ویرفع یدیہ مع التکبیر وھو سنۃ لان النبی علیہ الصلاۃ والسلام واظب علیہ۔
(ھدایہ ص ۱۰۰ ج۱)۔
کانوں تک ہاتھ اللہ اکبر کے ساتھ اٹھائے یہی سنت ہے کیونکہ نبی علیہ السلام نے اس پر مواظبت فرمائی ہے۔ (حدیث اور اھل حدیث ص ۷۴)۔
اس میں وھو سنۃ، کے الفاظ ویرفع یدیہ، کی طرف مضاف ہیں۔ صاحب ہدایہ کی عبارت کا یہ مطلب ہے کہ تکبیر تحریمہ کے ساتھ رفع الیدین کرنا سنت ہے، جب کہ انوار صاحب یہ باور کرا رہے ہیں کہ صاحب ہدایہ نے، اللہ اکبر، کہنے کو سنت کہا ہے، لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔
مقلد انوار صاحب آگے چل کر فرماتے ہیں کہ:
اگر کوئی غیر مقلد اللہ اکبر کے بجائے اللہ اجل کہہ لے تو اس کی نماز ہو جائے گی یا نہیں؟ جواب قرآن و حدیث سے دیں! دیدہ باید۔ (حدیث او راھل حدیث ص ۷۵)۔
مقلد صاحب دیدہ باید کہنے کی ضرورت نہیں صرف آپ علم حدیث میں نالائق ہیں سنئے سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
قال رسول اللہ ﷺ مفتاح الصلاۃ الطھور وتحریمھا التکبیر وتحلیلھا التسلیم۔
رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ نماز کی کنجی طہارت ہے اس کی تحریم تکبیر ہے اور تحلیل سلام ہے۔
(ابو داؤد کتاب الطھارۃ باب فرض الوضوء الحدیث ۶۱)۔
یہ حدیث صحیح ہے اور اس کے متعدد شواہد ہیں، تفصیل کے لئے۔ (ارواء الغلیل ۳۰۱)۔ کی مراجعت کریں **تحریمھا التکبیر** میں خبر معرف باللام ہے جو حصر کا فائدہ دیتی ہے، جیسے مفتاح الصلاۃ الطھور، میں ہے کہ طہارۃ کے بغیر نماز نہیں ہوتی ویسے ہی تکبیر، اللہ اکبر، نہ کہنے سے نماز نہیں ہوتی۔
باقی مقلد انوار صاحب کا یہ کہنا کہ فقہ میں بطور فرض یہ مسئلہ لکھا ہے، ہم کہتے ہیں بطور فرض ہی سہی مگر فرمان نبوی کے خلاف لکھا ہے، رہا آپ کا آیت سے استدلال تو وہ تفسیر بالرائے ہونے کی وجہ سے مردود و باطل ہے۔
(۳) مقلد انوار صاحب فرماتے ہیں: مولوی اشرف سلیم ایک دوسرا عنوان قائم کرتے ہیں، مذہب حنفی، میں دونوں ہاتھوں کی جگہ، اس عنوان کے تحت لکھتے ہیں۔ مسئلہ نمبر ۸ فقہ حنفیہ کی کتابوں میں صاف لکھا ہے کہ نماز میں اپنے دونوں ہاتھوں کو ناف کے نیچے باندھے ہدایہ ص۱۰۲ جلد اول کی عبارت یوں ہے، ویعتمد بیدہ علی الیسری تحت السرۃ، حدیث رسول اللہ، یہ مسئلہ بھی رسول اللہ کے بالکل مخالف ہے، صحیح ابن خزیمہ میں وائل بن حجر سے روایت ہے، قال صلیت مع رسول اللہ ﷺ فوضع یدہ الیمنی علی یدہ الیسری علی صدرہ، انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی اور اپنے

دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر سینے کے اوپر رکھا۔
(حدیث نبویہ اور فقہ حنفیہ ص ۱۴)۔

مولوی اشرف سلیم صاحب مشہور کہاوت! الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے، کا مصداق معلوم ہوتے ہیں، کیونکہ غیر مقلدین حضرات کے پاس سینے پر ہاتھ باندھنے کی ایک بھی صحیح صریح مرفوع حدیث پوری صحاح ستہ اور ان کے علاوہ دیگر کتب احادیث میں موجود نہیں، اور یہ جو حدیث پیش کی ہے، ضعیف حدیث ہے، جس سے استدلال کے غیر مقلدین قائل نہیں، جب کہ احناف کے پاس ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کے متعلق حسن درجے کی بہت سی احادیث اور آثار موجود ہیں جن میں سے بعض احادیث صحاح ستہ کی معتبر کتاب ابو داؤد میں موجود ہیں جن کی تفصیل آپ اصل کتاب میں وضع الیدین تحت السرۃ، کے تحت ملاحظہ فرمالیں۔ اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ اصل میں تو غیر مقلدین سینے پر ہاتھ باندھ کر صحیح احادیث کی مخالفت خود کرتے ہیں اور الزام یہ ہے کہ فقہ حنفی حدیث کے خلاف ہے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۷۶)۔

الجواب: ہم نے بھی آگے اس مسئلہ کو ثابت کیا ہے، سینے پر ہاتھ باندھنے کا ثبوت دیگر آپ کے تمام دلائل کا رد کردیا ہے، لہٰذا مولانا اشرف سلیم کا اعتراض درست ہے، صرف آپ تقلیدی عینک سے دیکھ رہے ہیں مقلد کا تعصب دیکھنا کہ ہم سے مطالبہ صحیح حدیث کا ہے لیکن اپنے تقلیدی مذہب کی دلیل بھی چونکہ ایسی کوئی نہ تھی اس لئے حسن کہہ دیا، حالانکہ کوئی ایسی حدیث درجہ حسن کی بھی موجود نہیں، اور سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی حدیث کو بلا سبب ضعیف کہہ دیا ہے حالانکہ وہ حدیث حسن درجہ کی ہے۔ اور مؤمل بن اسماعیل پر امام بخاریؒ کی جرح ثابت نہیں صرف حافظ المزی کو وہم ہوا ہے اور اوپر کی سطر کی بجائے نظر نیچے آگئی ہے۔ دراصل یہ جرح مؤمل بن سعید پر ہے، تاریخ کبیر ص ۴۹ ج ۸ کو اٹھا کر دیکھ لیجئے، امام بخاریؒ نے پہلے مؤمل بن اسماعیل کا ترجمہ لکھا ہے اور کوئی جرح نہیں کی، اس کے بعد مؤمل بن سعید کا ترجمہ لکھا ہے اور منکر الحدیث کہا ہے، تفصیل کے لئے (توضیح الکلام ص ۱۰۷ ج ۲)۔ کی مراجعت کرلیں۔ لہٰذا انوار صاحب کا صحیح ابن خزیمہ کی روایت کو ضعیف قرار دینا غلط ہے، حقیقت یہ ہے کہ یہ روایت حسن درجہ کی ہے، رہا انوار صاحب کا یہ کہنا کہ کوئی روایت کتب ستہ میں سینے پر ہاتھ باندھنے کی موجود نہیں، غلط بیانی ہے، تفصیل اپنے مقام پر انشاء الرحمٰن آرہی ہے، سرِ دست ہم آپ سے ایک سوال کرتے ہیں، سوال کے جواب میں حدیث صحیح وصریح کا مطالبہ بھی نہیں کرتے، حسن بھی قبول کرلیں گے، مزید رعایت دیتے ہیں کہ ضعیف بھی قبول کرلی جائے گی، (ہاں البتہ ضعف شدید نہ ہو اور راوی پر کلام حافظے کی وجہ سے ہو کذاب وغیرہ کی جرحیں نہ ہوں) سوال یہ ہے کہ مقلدین کا مذہب ہے کہ عورت سینے پر ہاتھ باندھے اور مرد زیر ناف ہاتھوں کو رکھے، آپ اس کی دلیل دیں مجھے میری

زندگی کے مالک کی قسم ہے کوئی حنفی سپوت اس کو ثابت نہیں کر سکتا۔

(۴) مقلد انوار صاحب فرماتے ہیں کہ مولوی اشرف سلیم صاحب ایک عنوان قائم کرتے ہیں، حنفی مذہب اور نابالغ لڑکے کی امامت، اس عنوان کے تحت لکھتے ہیں۔

مسئلہ نمبر ۹ ہدایہ میں فقہ کا یہ مسئلہ بھی درج ہے کہ نابالغ لڑکے کی امامت اور اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں، اصل عبارت یوں ہے، ولایجوز للرجال ان یقتدوا بامرۃ او صبی، حدیث رسول، فقہ کا یہ مسئلہ بھی حدیث ہذا کے خلاف ہے، جو صحیح مسلم شریف میں طویل واقعہ کے ساتھ ہے، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ چھ سات سال کا نابالغ بوقت ضرورت، اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے۔ (احادیث نبویہ اور فقہ حنفیہ ص ۱۴)۔

مقلد انوار صاحب نے اس کے جواب میں دو عذر کئے ہیں، اول، ابتدائی دورِ اسلام میں صحابہ کرام نے ایک بچہ کے پیچھے نماز پڑھی، یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام کو اس قصے کی خبر ہوئی اور آپ نے منع نہیں فرمایا، اگر یہ ثابت ہوتا تو غیر مقلدین کا مؤقف درست ہوتا لیکن غیر مقلدین قیامت تک بھی ثابت نہیں کر سکتے فقہاء احناف کے پاس بہت سے صحابہ کرام اور تابعین کے آثار ہیں جن میں نابالغ کی امامت سے منع کیا گیا ہے۔

(حدیث اور اھل حدیث ص۷۶،۷۷)۔

الجواب: اول تو مقلد صاحب نے جھوٹ بولا ہے کہ یہ واقعہ ابتدا اسلام کا ہے، حالانکہ حدیث میں وضاحت موجود ہے کہ یہ واقعہ فتح مکہ کے بعد کا ہے، دیکھئے!

(صحیح بخاری کتاب المغازی باب ۵۲ رقم الحدیث ۴۳۰۲)۔

مقلد صاحب تقلیدی عینک اتار کر بخاری کی حدیث کو مکرر ملاحظہ کریں۔

دوم: رہا مقلد صاحب کا یہ مطالبہ کہ یہ ثابت نہیں کر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی اس کی خبر ہوئی، جواباً عرض ہے کہ جس فعل کو صحابہ کرام نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی مبارکہ میں کرتے رہے ہوں اور اس فعل سے اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ نے منع نہ فرمایا ہو، وہ عمل حکماً مرفوع ہوتا ہے، تمام آئمہ ومحدثین کا اس پر اتفاق ہے۔ جیسا کہ مقدمہ ابن الصلاح میں صراحت ہے اور اس کی شرح میں علامہ عراقی نے بھی وضاحت کی ہے (التقیید والیضاح ص۶۸) اور علامہ سیوطی نے (تدریب الراوی ص۱۸۶ ج ۱)۔

میں حافظ ابن کثیر نے مقدمہ ابن الصلاح کے، اختصار ص۵۶ میں اور علامہ احمد شاکر فرماتے ہیں کہ یہ مؤقف ہے، امام حاکم، امام رازی، علامہ آمدی، علامہ نووی اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا (الباعث الحثیث ص۵۶) دیوبندی مکتب فکر کے مقلد مولوی ظفر احمد تھانوی نے، قواعد فی علوم الحدیث ص ۱۲۷ میں اور بریلوی

مقلد غلام رسول سعیدی نے، (شرح صحیح مسلم ص۱۷۵ ج۱) میں صراحت کی ہے۔

لہٰذا انوار مقلد کا مذکورہ مطالبہ فضول ہے اور ایک صحیح و صریح حدیث کو رد کرنے کے لئے تقلیدی چالاکی ہے۔

سوم: مقلد انوار صاحب کا یہ کہنا کہ نابالغ بچہ کی ممانعت پر آثار صحابہ کرام ہیں، تو یہ سب کے سب ضعیف ومن گھڑت اور باطل ہے۔ تفصیل اصل کتاب میں آرہی ہے۔

(۵) مقلد صاحب فرماتے ہیں کہ غیر مقلدین کے ایک غالی قسم کے مولوی طالب الرحمٰن صاحب فقہ حنفی کو قرآن و حدیث کے خلاف ثابت کرنے کے لئے عوام کے سامنے فقہ کا یہ مسئلہ پیش کیا کرتے ہیں کہ

وقدر الدرهم وما دونه من النجس المغلظ كالدم والبول والخمر وخرء الدجاج وبول الحمار جازت الصلاة معه وان زاد لم تجذ۔ (هدايه ص۷۴ ج۱)۔

درہم یا اس سے کم نجاست غلیظہ مثلاً خون پیشاب، شراب، مرغی کی بیٹ گدھے کا پیشاب کپڑے پر لگی رہی اور نماز پڑھ لی تو نماز ہوجائے گی، اور اگر نجاست اس سے زیادہ ہوگئی تو نہیں ہوگی، مقلد صاحب نے اس کا جواب دیتے ہوئے متعدد عذر کئے ہیں۔

پہلا عذر: فرماتے ہیں: فقہ میں نمازی کے کپڑے بدن جگہ سب کا پاک ہونا واجب قرار دیا گیا ہے، سوچئے کہاں اختلاف رہا، ہاں فقہ میں بطور فرض یہ مسئلہ ضرور ہے اگر کسی نمازی کے کپڑے یا بدن پر ایک درہم یا اس سے کم نجاست لگی رہ جائے تو نماز ہوجائے گی یا نہیں؟ فقہاء احناف فرماتے ہیں کہ ہوجائے گی، اس خاص جزی مسئلہ کے خلاف اگر طالب الرحمٰن صاحب کے پاس قرآن کی کوئی آیت یا حدیث ہوتو پیش کریں۔ (حدیث اوراهل حدیث ص۷۹)۔

الجواب: اولا مقلد صاحب کا اسے جزی قرار دینا محض فریب ہے، قرآن و حدیث میں نماز کے لیے طہارت کو شرط قرار دیا گیا۔ وہ (نجاست) کم ہو یا زیادہ، بہر حال وہ طہارت کے منافی ہے۔

وثيابك فطهر، اور اپنے کپڑے کو پاک رکھو! اور حدیث نبوی، مفتاح الصلاۃ الطہور، نماز کی کنجی طہارت ہے، قرآن وسنت سے آپ مقدار درہم کی معافی ثابت کریں، صرف جزی کہہ کر پلہ چھڑانے سے نہیں چھوٹے گا۔

ثانیا: رفع حاجت کے بعد استنجاء کا حکم نبوی ہے اور دبر درہم سے کم ہوتی ہے بالخصوص، انسانی عضو کا سوراخ تو درہم سے کہیں کم ہوتا ہے۔

دوسرا عذر: بہت سی احادیث اور آثار اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ انسان بالکلیہ نجاست کے ازالہ کا مکلّف نہیں، تھوڑی نجاست معاف ہے مثلاً حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ جب مکھی تم

میں سے کسی کے برتن میں گر جائے تو اسے اس میں اچھی طرح ڈبو کر نکال دو کیونکہ اس کے دونوں پروں میں سے ایک میں بیماری ہے اور دوسرے میں شفاء ہے۔
(ابو داؤد ص۱۸۱ ج۲)۔

اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ قلیل نجاست معاف ہے، کیونکہ مکھی میں نجس و ناپاک چیزوں پر بیٹھنے کی وجہ سے تھوڑی سی نجاست ضرور ہوتی ہے لیکن اس کے باوجود اسے سالن وغیرہ میں ڈبو کر نکالنے کا حکم ہوا، معلوم ہوا کہ اتنی نجاست معاف ہے ورنہ تو جس چیز میں مکھی گرتی وہ چیز ناپاک ہوجانی چاہئے تھی۔ (حدیث اور اھل حدیث ص۸۰)۔

الجواب: اولا مقلد صاحب نے قیاس فاسد سے کھانے پینے کی اشیاء پر نماز کو قیاس کیا ہے، قیاس اگر صحیح بھی ہوتو تب بھی نظیر پر نظیر کو قیاس کیا جاتا ہے، مگر مقلد نے ضد پر قیاس کیا ہے۔ محترم مکھی میں خون نہیں ہوتا۔

ثانیا: مکھی تو خود درہم سے کہیں چھوٹی ہوتی ہے، اس پر اگر احتمال نجاست ہو بھی تب بھی قلیل ہے، جو درہم سے سینکڑوں گنا کم ہے، لہٰذا آپ کوئی ایسی مثال دیں جس میں مقدار درہم نجاست کی معافی ہو۔

ثالثا: مقلد انوار صاحب نے اشیاء خورد ونوش پر نماز کو قیاس کیا ہے، تو کیا وجہ ہے؟ نماز پر اشیاء خورد ونوش کو قیاس کرلیں اور یہ فتویٰ صادر کریں کہ شربت کے گلاس میں یا چائے کے کپ میں درہم بھر نجاست گر جائے تو مقلدین اسے پی سکتے ہیں، اگر مقلد انوار صاحب یہ فتویٰ نہ دیں تو وجہ فرق بیان کریں۔

تیسرا عذر: حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک مرتبہ صحابہ کرام کو نماز پڑھا رہے تھے کہ اچانک آپ نے جوتیاں اتار کر بائیں طرف رکھ دیں، صحابہ کرام نے یہ دیکھا تو انہوں نے بھی جوتیاں اتار دیں، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نماز سے فارغ ہوکر پوچھا کہ تمہیں جوتیاں اتارنے پر کس چیز نے ابھارا؟ صحابہ کرام نے عرض کیا ہم نے آپ کو جوتیاں اتارتے دیکھا تو ہم نے بھی اتار دیں، نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا کہ مجھے جبریل امین نے آکر خبر دی تھی کہ جوتیوں میں ناپاکی لگی ہوئی ہے۔ (ابو داؤد ص۹۵ ج۱)

اس حدیث سے بھی ثابت ہورہا ہے کہ تھوڑی نجاست معاف ہے کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام یہ معلوم ہوجانے پر کہ جوتیوں میں ناپاکی لگی ہوئی ہے جوتیاں اتار کر نماز پڑھاتے رہے اور نماز نہیں توڑی نجاست معاف نہ ہوتی تو آپ نماز توڑ دیتے اور جوتیاں اتار کر نئے سرے سے نماز پڑھاتے۔ (حدیث اور اھل حدیث ص۸۰)۔

الجواب: اولا مقلد صاحب حدیث میں مقدار نجاست کا سرے سے ذکر ہی نہیں کہ کم تھی یا زیادہ، صرف نجاست کا ذکر ہے، اور آپ کا تھوڑی مقدار میں قرار دینا اپنی طرف سے تشریح ہے۔

ثانیا: حدیث اپنے معنی و مفہوم میں بالکل واضح ہے کہ اگر لاعلمی کی وجہ سے ناپاکی کے ساتھ نماز پڑھ لی جائے تو نماز ہوجائے گی، اسے لوٹانے کی ضرورت نہیں۔

ثالثا: نجاست کم تھی یا زیادہ بہرحال نبی مکرم ﷺ لاعلمی میں نماز پڑھتے رہے، جب جبریل نے اطلاع دی تو نجس جوتیاں اتار دیں، مقلد انوار صاحب کا دعویٰ کہ یہ تھوڑی نجاست تھی، سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آپ کس سے دلیل پکڑ رہے ہیں، جوتیاں اتارنے سے یا لاعلمی میں جوتیاں سمیت نماز پڑھنے پر قیاس کیا ہے، مقلد کا یہ قیاس مع الفارق ہے، کیونکہ قیاس تو یہ ہے کہ نظیر کو نظیر پر قیاس کیا جائے۔ لیکن مقلد صاحب نے ضد پر قیاس کیا ہے۔ علم ہونا، نہ ہونے کی ضد ہے، لہٰذا مقلد انوار صاحب کا قیاس باطل ہے۔ لہٰذا مقلد انوار صاحب کوئی ایسی دلیل دیں جو اس بات پر بین ہو کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خبر ہوتے ہوئے نجس کپڑے وغیرہ میں نماز پڑھی، اگر آپ ایسی کوئی حدیث ثابت کردیں تو ہم آپ کے مسئلہ مقدار درہم کو درست تسلیم کرلیں گے۔ ان شاء اللہ۔

چوتھا عذر: جب یہ بات ثابت ہوگئی ہے کہ کچھ نہ کچھ نجاست تو معاف ہے تو اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ عوام کو کیسے بتلایا جائے کہ اتنی نجاست معاف ہے۔ اس کے کپڑوں پر لگے رہنے کی صورت میں نماز ہوجائے گی، اس سے زیادہ رہنے کی صورت میں نہیں ہوگی، یہ حد مقرر کرنے کے لئے فقہاء نے اس حدیث میں غور کیا جس میں حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ: جب تم میں سے کوئی پاخانہ کے لئے جائے تو اسے چاہئے کہ اپنے ساتھ تین پتھر لیتا جائے جن سے وہ استنجاء کرے، یہ تین پتھروں سے استنجاء کرلینا اس کے لئے کافی ہوگا۔

(ابو داؤد ص۶ ج۱)۔

(یعنی پھر پانی سے استنجاء کرنے کی ضرورت نہیں رہے گی) اس حدیث سے ثابت ہو رہا ہے کہ پانی سے استنجاء کرنا ضروری نہیں ہے، اگر کوئی پتھروں سے استنجاء کرلے تو یہ بھی کافی ہے اور یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ پتھروں سے استنجا کرنے سے نجاست بالکلیہ زائل نہیں ہوتی کیونکہ پتھر نجاست کو خشک یا پونچھ تو دیتے ہیں لیکن بالکلیہ زائل نہیں کرتے کچھ نہ کچھ نجاست رہ جاتی ہے۔ لیکن اس نجاست کو شریعت نے معاف قرار دیا ہے، ورنہ پانی سے استنجاء کرنا لازمی قرار دیا جاتا، اور پاخانہ کی جگہ جہاں قلیل نجاست لگی رہ جاتی ہے وہ درہم کے برابر ہے، اس پر نظر کرتے ہوئے فقہاء نے یہ تفریق کی کہ اگر نجاست غلیظہ درہم یا اس سے کم بدن یا کپڑوں پر لگی رہ جائے تو نماز ہوجائے گی، اور اگر اس سے زیادہ لگی رہی تو نماز نہیں ہوگی لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اس نجاست کو لگا رہنے دیا جائے بلکہ اس کا زائل کرنا ضروری ہے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص۸۱)۔

الجواب: اولا مقلد انوار صاحب کا یہ کہنا کہ یہ بات ثابت ہوگئی ہے، غلط محض ہے، ہم مقلد

صاحب کی تمام دلیلوں پر تبصرہ کر چکے ہیں، اور گزشتہ صفحات میں یہ ثابت ہوگیا ہے کہ یہ مقلد انوار صاحب کا دعویٰ بلا دلیل ہے۔

ثانیا: ڈھیلے وغیرہ سے استنجاء کرنے سے نجاست ختم ہوجاتی ہے، اور بدن پاک ہو جاتا ہے، سید الرسل ﷺ فرماتے ہیں، فانها تجزی عنه، یعنی یہ اس کے لئے کافی ہیں، مگر انوار صاحب اس پر عدم اعتماد کا اظہار کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ کچھ نہ کچھ نجاست باقی رہ جاتی ہے۔

لا حول ولا قوة الا بالله العلی العظیم۔

محترم پتھر یا ڈھیلے نجاست کو بالکلیہ زائل کر دیتے ہیں ان سے نجاست کو فقط پونچھنا اور خشک کرنا ہی مقصود ہوتا تو نجس چیز سے بھی استنجاء کرنے کی اجازت ہوتی مگر نبی مکرم ﷺ نے اس سے منع فرمایا اگر جناب مقلد صاحب بھول گئے ہوں تو ہم توجہ دلاتے ہیں کہ صفحہ ۲۰۸ پر آپ نے مسند احمد ص ۴۸۷ ج۳ سے حدیث نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہڈی اور مینگنی سے استنجاء کرنے سے منع فرمایا ہے، سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مجھے تین پتھر لانے کا حکم دیا مجھے دو پتھر ملے اور تیسرا نہ ملا، میں لید کا ٹکڑا لے آیا، آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پتھر لے لئے اور لید کو پھینک دیا اور فرمایا ،ہذا رکس، یہ نجس ہے۔

(بخاری کتاب الوضؤ باب لایستنجی بروث الحدیث ۵۶)۔

الغرض ڈھیلا استعمال کرنے کے بعد نجاست زائل ہوجاتی ہے،اس کا انکار مقلد انوار صاحب کی محض تقلیدی ضد ہے۔

تنبیہ: اس کے بعد انوار صاحب نے چند عبارات نواب صدیق خاں محدث قنوجی اور نورالحسن خاں صاحب سے ذکر کی ہیں، ان کی عبارات قرآن ہے نہ حدیث لہٰذا ہم پر حجت نہیں، جب مرفوع احادیث کے بالمقابل اقوال صحابہ بھی حجت نہیں تو متاخرین کے اقوال کی بھلا حیثیت ہی کیا ہے۔ مولانا محمد اسماعیل سلفی فرماتے ہیں کہ بعض اہل حدیث نے بھی مروجہ فقہ کی روش پر بعض کتب تصنیف فرمائیں۔ جیسے نواب وحید الزماں ، نواب صدیق حسن خاں ان میں بھی اس قسم کا غیر محتاط مواد آ گیا ہے۔ جو یقیناً قابل قبول نہیں۔ (مقدمه حسن البیان ص۱۸)۔

آپ کے پیرو مرشد ماسٹر محمد امین صفدر مقلد نے بھی اعتراف کیا ہے کہ نواب صدیق حسن اور نواب نورالحسن خاں کی کتب فقہ کو اہل حدیث علماء اور عوام نے قبول نہیں کیا دیکھئے!۔

(تجلیات صفدر ص۶۲۱ ج۱ و مجموعه رسائل ص۹۷ ج۳)۔

مقلدین کے بارے محققین کا نظریہ:

مقلد انوار صاحب نے صفحہ ۸۴ پر ایک عنوان غیر مقلدین کا احناف کے بارے میں نظریہ، قائم کر کے اپنے دل کی بھڑاس نکالی ہے کہ اہل حدیث ہمیں، مشرک، احبار و رھبان کا پجاری، تقلید کا مریض، اپنے امام کو نبی بلکہ خدا کے برابر سمجھتے ہیں، قرآن و حدیث کی بجائے اقوال آئمہ پر عمل کرتے ہیں بطور دلیل چند عبارات ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ حقیقت یہ ہے کہ یہ باتیں سب جھوٹ اور بہتان ہیں۔ (حدیث اور اهل حدیث ص۸٦)۔

الجواب: اولاً جو حنفی قرآن و حدیث کو مقدم رکھے اور قرآن کی آیت اور حدیث کے بالمقابل تقلید کو چھوڑ کر سنت پر عمل کرے۔ توحید کا قائل ہو، شرک سے بیزار ہو وہ کسی اہل حدیث کے نزدیک مشرک اور احبار ورھبان کا پجاری نہیں، ہاں جو حنفی نصوص کے بالمقابل اقوال فقہاء کو ترجیح دے وہ پکا مشرک ہے، احبار و رھبان کا پجاری ہے، یہ صرف ہم ہی نہیں کہتے بلکہ مقلدین کے اکابرین بھی اس کا برملا اعلان کرتے ہیں۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ

وترى العامة سيما اليوم في كل قرية يتقيدون بمذهب من مذاهب المتقدمين ويرون خروج الانسان من مذهب من قلده ولو في المسئلة كالخروج من الملة كانه نبي بعث اليه وافترضت طاعته عليه۔

یعنی اور آپ عام لوگوں کو دیکھو گے بالخصوص آج کل کہ ہر شہر میں کسی مذہب کی پابندی کرتے ہیں اور کسی انسان کا اپنے امام کے مذہب سے خروج اگرچہ وہ ایک ہی مسئلہ میں کیوں نہ ہو، ملت سے خروج کی طرح خیال کرتے ہیں گویا کہ وہ امام ان کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا ہے، اس کی اطاعت اس پر فرض ہے۔ (تفہیمات ص۱۵۱ ج۱)۔

قاضی ابن ابی العز شارح عقیدہ طحاویہ فرماتے ہیں

فطائفة قد غلت في تقليده فلم تترك له قولا وانزلوه منزلة (الرسول ﷺ وان اورد عليهم) نص مخالف قوله تاولوه على غير تاويله ليدفعوه عنهم۔

یعنی ایک گروپ نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی تقلید میں غلو کیا ہے، وہ ان کا کوئی قول ترک نہیں کرتے اور انہیں رسول اللہ ﷺ کے قائم مقام ٹھہرادیتے ہیں اگر ان کے قول کے خلاف کوئی نص ان کے سامنے پیش کی جائے تو وہ اس کی غیر مناسب تاویل کرتے ہیں، تاکہ ان کا دفاع کیا جا سکے۔

(الاتباع ص۳۰)۔

امام عز الدین ابن عبدالسلام فرماتے ہیں۔

فان احدهم يتبع امامه مع بعد مذهبه عن الادلة مقلداله فيما قال كانه نبى ارسل اليه وهذا ناعى عن الحق وبعد عن الصواب ولا يرضى احدمن اولى الالباب۔

ان (مقلدین) میں سے ایک اپنے امام کی محض تقلید کی بنا پر پیروی کرتا ہے باوجود کہ اس کا مذہب دلائل سے دور ہے، جیسا کہ ان کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا ہے یہ حق کی مخالفت اور راہ صواب سے دوری ہے اور کوئی بھی عقل منداس پر راضی نہیں ہوگا۔

(القواعد ص۱۳۶ ج۱ والرد علی من اخلد الی الارض للسیوطی ص۱۴۱)۔

علامہ محمد حیات سندھی فرماتے ہیں۔

وتراهم يقرؤن كتب الحديث ويطالعونها ويدرسونها لاليعملوا بهابل ليعلموا دلائل من قلدوه وتاويل ماخالف قوله ويبالغون فى المحامل البعيدة واذا عجذا عن المحمل قالوا من قلدنا اعلم منا بالحديث۔

یعنی آپ مقلدین کو دیکھو گے کہ وہ کتب احادیث کو پڑھیں گے ان کا مطالعہ کریں کے اور ان کی تعلیم دیں گے۔ ان پر عمل کرنے کے لئے نہیں بلکہ اس لئے کہ ہمارے امام کے دلائل کا ہمیں علم ہوجائے، اور جو ان کے اقوال کے خلاف ہے،اس کی تاویل کی جائے وہ ان کی بڑی دورکی تاویل کرنے میں مبالغہ کرتے ہیں اور جب کسی محمل پر محمول کرنے سے عاجز آجائیں تو کہتے ہیں کہ ہمارا امام ہم سے زیادہ حدیث جانتا ہے۔ (تحفه الانام ص۲۶ والایقاظ ص۷۱)۔

علامہ محمد حیات سندھی مرحوم کی بات کی تصدیق مقلد انوار صاحب نے بھی کی ہے، سبب تالیف، کے زیرعنوان فرماتے ہیں کہ، دل میں خیال پیدا ہوا کہ ہمیں اپنی فقہ کا جائزہ لے کر دیکھنا چاہئے کہ کیا واقعی غیر مقلدین کے کہنے کے مطابق ہمارے پاس احادیث نہیں ہیں۔ اور ہم اقوال رجال ہی پر عمل کرتے ہیں یا ہمارے پاس بھی احادیث ہیں اور ہمارا عمل بھی احادیث پر ہے، چنانچہ جب ہم نے اپنی فقہ کا جائزہ لینا شروع کیا تو ہر ہر مسئلہ میں اس قدر احادیث نظر آئیں کہ عقل حیران رہ گئی۔ (حدیث اور اهل حدیث ص۱۳۲)۔

بدنصیب مقلد انوار صاحب نے احادیث کا مطالعہ کیا تو فقہ حنفی کے دلائل تلاش کرنے کے لئے جس سے علامہ محمد حیات سندھی مرحوم کی حرف بحرف تائید ہوتی ہے، خیر ان حوالہ جات کو نقل کرنے کا مقصد یہ تھا کہ یہ صرف اہل حدیث کا الزام نہیں بلکہ امر واقعہ ہے کہ مقلدین میں سے بعض غالی حضرات امام کو نبی کا رتبہ دیتے ہیں اور امام کے قول سے انحراف دین وملت میں بغاوت کے مترادف جانتے

ہیں، قیاس مجتہد کے خلاف ارشاد ربانی اور احادیث خیرالانام ﷺ سے کیڑے ڈالے جاتے ہیں۔
مولوی محمد اشرف علی صاحب تھانوی مقلد فرماتے ہیں۔اکثر مقلدین عوام بلکہ خواص اس قدر جامد ہوتے ہیں کہ اگر قول مجتہد کے خلاف کوئی آیت یا حدیث بھی کان میں پڑتی ہے تو ان کے قلب میں انشراح و انبساط نہیں رہتا بلکہ اول استنکار قلب پیدا ہوتا ہے پھر تاویل کی فکر ہوتی ہے خواہ کیسی کتنی ہی بعید کیوں نہ ہو، خواہ دوسری دلیل قوی اس کے معارض ہو بلکہ مجتہد کی دلیل اس مسئلہ میں بجز قیاس کے کچھ بھی نہ ہو، بلکہ خود دل میں بھی اس تاویل کی وقعت نہ ہومگر نصرت مذہب کے لئے تاویل ضروری سمجھتے ہیں، دل یہ نہیں جانتا کہ قول مجتہد کو چھوڑ کر حدیث صحیح صریح پر عمل کریں۔

(خط بنام مولانا رشید احمد گنگوهی مقلد مندرجه تذكرة الرشيد ص۱۳۱ ج۱)۔

ایسی تقلید کے شرک، اور احبار ورھبان کی پوجا ہونے کی صراحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

بعض مقلدین نے اپنے امام کو معصوم عن الخطاء ومعصیب وجوبا مفروض الطاعۃ تصور کر کے عزم بالجزم کیا کہ خواہ کیسی ہی حدیث صحیح مخالف قول امام کے ہو اور مستند قول امام کا بجز قیاس امر دیگر نہ ہو پھر بھی بہت سے علل اور خلل حدیث میں پیدا کرکے یا اس کی تاویل بعید کر کے حدیث کو رد کردیں گے۔ ایسی تقلید حرام اور مصداق قولہ تعالیٰ، اتخذوا احبارہم، الخ...... اور خلاف وصیت آئمہ مرحومین ہے۔

(امداد الفتاویٰ ص۸۸ ج٤ طبع قديم، ص۲۹۷ ج٥ طبع جديد)۔

سرفراز خاں صفدر مقلد فرماتے ہیں۔

کوئی بدبخت اور ضدی مقلد دل میں یہ ٹھان لے کہ میرے امام کے قول کے مخالف اگر قرآن و حدیث سے بھی کوئی دلیل قائم ہوجائے تو میں اپنے مذہب کو نہیں چھوڑوں گا تو وہ مشرک ہے، ہم بھی کہتے ہیں، لاشک فیہ (اس میں کوئی شک نہیں)۔ (الكلام المفيد ص ۳۱۰)۔

لہٰذا مقلد انوار صاحب کا یہ واویلا کہ یہ باتیں سب جھوٹ ہیں محض دفع الوقتی ہے۔حقیقت یہ ہے کہ فقہی مسالک میں سب سے زیادہ منکر حدیث کا ٹولہ حنفی ہیں، انہیں سنت سے جتنی چڑ ہے اتنی شیطان لعین سے بھی شاید نہ ہو۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور مقلدین کے اصول اجتہاد:

حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اپنے اصول اجتہاد ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں، میں کتاب اللہ کو لیتا ہوں اگر اس میں کوئی حکم نہیں پاتا تو سنت رسول ﷺ کو لیتا ہوں اور اگر کتاب وسنت میں حکم نہیں پاتا تو حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے قول کو لیتا ہوں،ان میں سے جس کے قول کو چاہتا ہوں لے لیتا

ہوں، اور جس کا قول چاہتا ہوں چھوڑ دیتا ہوں، لیکن سب حضرات صحابہ کرام کے قول کو چھوڑ کر کسی اور کے قول کو نہیں لیتا، اور جب معاملہ ابراہیم، شعبی، ابن سیرین، حسن، عطاء، اور سعید بن مسیّب تک، ان کے علاوہ کچھ اور نام بھی گنے پہنچتا ہے تو جیسے انہوں نے اجتہاد کیا میں بھی اجتہاد کرتا ہوں۔ (تاریخ بغداد ص۳٦٨ ج۱۳)۔

احناف کثر اللہ سوادہم استنباط مسائل میں حتی الوسع قرآن و سنت کو سامنے رکھتے ہیں، اور کسی بھی مسئلہ کے صراحتاً قرآن و سنت میں ہوتے ہوئے قیاس و اجتہاد نہیں کرتے۔

(حدیث اور اهل حدیث ص۷۸)۔

الجواب: اولاً غیر مقلد امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے یہ روایت بیان کرنے والا راوی مجہول ہے، تاریخ بغداد میں جو اس کی سند ہے، عبید بن ابی قرہ فرماتے ہیں

سمعت یحی بن ضریس یقول شهدت سفیان، و اتاه رجل فقال له، ماتنقم علی ابی حنیفة؟ قال و ماله، قال، سمعته یقول،

اس سلسلہ سند پر غور کریں اس میں، رجل، مجہول ہے، اس کی بحوالہ عدالت وثقات ثابت کی جائے اگر اس کو قبول کر بھی لیا جائے تو تب بھی اس کا یہ معنی ومفہوم قطعاً نہیں کہ غیر مقلد امام ابوحنیفہ صاحب کتاب وسنت اور اقوال صحابہ سے ہٹ کر کوئی بات کہہ ہی نہیں سکتے تھے، کیونکہ ان کا طریق اجتہاد اپنی معلومات کے مطابق ہوتا تھا۔ امام صاحب ایمان میں کمی بیشی کے قائل نہ تھے، حالانکہ یہ مؤقف ونظریہ نصوص کتاب وسنت اور آثار صحابہ کرام کے یکسر خلاف تھا۔ ایسا ہی مدت رضاعت کا مسئلہ صریح نص کے خلاف ہے۔

ثانیاً: حقیقت یہ ہے کہ امام صاحب کی فقہ اور فتاویٰ تمام قیاس ورائے پر مشتمل ہیں۔ ان کا اہل الرائے ہونا مشرق ومغرب میں شائع ہے، جو حد تواتر کو پہنچا ہوا ہے، اس تواتر کو من گھڑت اور باطل اسناد کی بنا پر رد نہیں کیا جاسکتا، مناسب ہے، پہلے اہل الرائے کی تعریف کردی جائے تاکہ بات سمجھنے میں آسانی رہے، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں۔

فان احمد واسحاق بل الشافعی ایضا لیسوا من اهل الرای بالاتفاق وهم یستنبطون ویقیسون، بل المراد من اهل الرای قوم توجهو بعد المسائل المجمع علیها بین المسلمین او بین الجمهورهم الی التخریج علی اصل رجل من المتقدمین فکان اکثر امرهم علی النظیر ورد الیٰ اصل من الاصول دون تتبع الاحادیث والاثار۔

یعنی بلاشبہ امام احمد، امام اسحاق، بلکہ امام شافعی علیہم السلام بھی بالاتفاق اہل الرائے سے نہیں ہیں حالانکہ وہ استنباط و قیاس کرتے ہیں۔ بلکہ اہل الرائے سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے مسلمانوں کے

متفق علیہا مسائل کے بعد کسی متقدم شخص کے قواعد پر مسائل کی تخریج کی طرف توجہ کی ان کا اکثر دستور بھی یہی تھا کہ مسئلہ میں اس کے مشابہ مسئلہ کا جو حکم ہوتا وہی حکم اس مسئلہ پر بھی لگا دیتے اور مسئلہ کو انہیں قواعد کی طرف پھیر پھار کر لے جاتے احادیث نبوی اور اقوال صحابہ کرام کو تلاش نہ کرتے تھے۔
(حجة الله البالغة ص۱٦۱ ج۱)۔

جب آپ نے اہل الرائے کے حقیقت کو جان لیا تو اب سنئے امام صاحب کے متعلق امام الہند شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا تبصرہ،، فرماتے ہیں۔

وكان أبو حنيفة الزمهم بمذهب ابراهيم و اقرانه لا يجاوزه الا ماشاء الله و كان عظيم الشان فى تخريج على مذهبه دقيق النظر فى وجوه التخريجات مقبلا على الفروع اتم اقبال۔

یعنی امام ابوحنیفہ ابراہیم نخعی اور ان کے ہم عصر علماء کے مذہب کو لازم پکڑتے تھے۔ اور بہت ہی کم ان سے تجاوز کرتے اور امام ابراہیم نخعی کے مذہب کی تخریج میں بڑی شان رکھتے اور تخریج کی وجوہ میں باریک بین تھے۔ فروع پر پوری توجہ اور انہماک تھا۔ (حجة الله البالغه ص۱٤٦ ج۱)۔

اس پوری بحث سے امام صاحب کا اہل الرائے ہونا ثابت ہوگیا۔ اور آج کے تمام حنفی خواہ وہ بریلوی مکتب فکر سے تعلق رکھتے ہوں یا دیوبندی گروپ سے ہوں، وہ فتویٰ دیتے ہوئے فقہ حنفیہ کی جزئیات سے مسائل کو تخریج کرتے ہیں، قرآن وسنت کی طرف رجوع نہیں کرتے۔ مقلد مفتی رشید احمد صاحب نے تو ڈنکے کی چوٹ سے لکھا ہے۔ رجوع الی الحدیث مقلد کا وظیفہ نہیں۔
(احسن والفتاویٰ ص ۵۵ ج۳)۔

لہٰذا مقلد انوار صاحب کا یہ لکھنا کہ اصل اہل حدیث تو حنفی ہیں ص ۸۸) غلط بیانی اور حقیقت کے خلاف ہے،

کیا حنفی اہل حدیث ہیں؟:

مقلد انوار خورشید صاحب نے یہاں پر یہ بحث بھی اٹھائی ہے کہ اصل اہل حدیث احناف ہیں۔ کیوں؟ اس لئے کہ ہمارے نزدیک مرفوع کے ساتھ ساتھ حدیث موقوف اور مرسل بھی حجت ہے اور خبر واحد کے ساتھ ضعیف حدیث کو بھی اجتہاد و قیاس پر مقدم رکھتے ہیں۔
(حدیث اوراهل حدیث ص۸۷،۹۸)۔

الجواب: اولا یہ محض آپ کا دھوکا ہے۔ ورنہ دنیا میں حنفیہ سے بڑھ کر کوئی مقلد حدیث کا منکر نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ ان کی کسی مسجد میں بھی حدیث کا درس بغیر تنقید کے نہیں ہوتا۔
ثانیا: چلو ہم آپ کی اس بات کی تحقیق کر لیتے ہیں آپ حنفی دیوبندی مسجد میں درس حدیث شروع

کردیں، درس کے لئے حدیث کی کسی بھی کتاب کا انتخاب کرلیں، خواہ طحاوی کی شرح معانی الاثار ہی کیوں نہ ہو۔ روزانہ دس بیس حسب توفیق جتنی چاہیں احادیث پڑھ کر ان کا ترجمہ کردیا کریں، آپ سے حلفاً وعدہ لیا جاتا ہے کہ آپ صرف ترجمہ کریں گے، اور وہ بھی صحیح درست کریں گے، احادیث کو حنفی شافعی مالکی اور حنبلی مؤقف پر تقسیم نہیں کریں گے، صرف ترجمہ کر کے عوام الناس کو اس پر دعوت عمل دیں گے، احادیث میں کیڑے نہیں ڈالیں گے۔ مزید آپ کو رعایت دیتے ہیں ناسخ و منسوخ پر بحث کرلیا کرنا، مگر کسی حدیث کو منسوخ قرار دینے کے لئے واضح حدیث پیش کریں گے، جیسے یہ حدیث ہے۔ میں زیارت قبور سے روکا کرتا تھا مگر اب کیا کرو۔

(مسلم رقم الحدیث ۲۲۶۰)۔

اس طریق سے درس شروع کریں پھر دیکھئے آپ کو کیا کیا سننا پڑتا ہے خارجی، ناصبی، وہابی، غیر مقلد، آئمہ کا گستاخ، لامذہب، آوارہ، وغیرہ فتاویٰ تو معمولی ہیں، یقین جانئے کہ آپ ہاتھ میں قرآن پکڑ کر قسمیں اٹھاتے پھریں گے اس کتاب کو اتارنے والے رب کی قسم ہے میں حنفی دیوبندی مقلد ہوں، میرا صرف اتنا جرم ہے کہ میں نے احادیث سید الرسل ﷺ کا درس دینا شروع کیا تھا۔ مگر آپ کی قسموں پر کوئی دیوبندی اعتبار نہیں کرے گا، بڑے بڑے مفکر دیوبندیت، مسلم الثبوت، سے عبارت پڑھ کر سنائیں گے کہ رجوع الی الحدیث مقلد کا وظیفہ نہیں۔ لہٰذا آپ غیر مقلد بدمذہب ہیں، حنفیت کا لبادہ اوڑھ کر عوام الناس کو درس حدیث دے کر ترک تقلید کی دعوت دیتے ہیں، امید واثق ہے کہ ایسی ہمت مردانہ مقلد انوار صاحب قطعاً نہیں کریں گے۔

چلو مزید رعایت دیتے ہیں کہ آپ کسی بھی دیوبندی مسجد میں درس حدیث کی اجازت لے دیں ہم کسی طالب علم کو پابند کردیں کہ وہ کسی حدیث کی کتاب کا بالاستیعاب درس دیا کرے گا، آپ اور آپ کی جماعت کو اس پر کوئی اعتراض نہ ہوگا، زیادہ سے زیادہ آپ یہ کہہ لیا کریں گے کہ یہ حدیث صحیح ہے، یہ حسن ہے، یہ ضعیف ہے، یہ مرسل ہے، یہ مرفوع یا موقوف ہے، ہاں البتہ یہ سب واجب العمل ہیں ان پر عمل نہ کرنے والا منکر حدیث اور گمراہ ہے۔

اگر آپ ان دونوں صورتوں میں سے کوئی ایک بھی قبول نہ کریں تو ثابت ہوا کہ آپ کا دعویٰ اہل حدیث ہونے کا جھوٹا ہے۔ اور آپ محض مقلد ہیں تقلیدی اصول کے تحت ہی حدیث کو قبول کرتے ہیں، خواہ وہ صحیح ہو یا موضوع۔

کیا حنفی تقلید کو چھوڑ کر حدیث پر عمل کرتے ہیں:

مقلد انوار صاحب نے ص۸۹ پر ایک عنوان ,, چند مسائل جن میں قیاس کو چھوڑ کر حدیث پر عمل کیا

گیا ہے،، کے تحت گیارہ مسائل کی نشان دہی کی ہے، جو طہارت سے شروع ہو کر، صوم، تک ہیں، اگر مقلد انوار صاحب دس کی گنتی تک رہتے تو ہم سمجھتے کہ قرآن کی آیت، تلک عشرۃ کے ماتحت دس کا عدد پورہ ہوگیا ہے، لیکن گیارہ کی تعداد سے ثابت ہوا کہ موصوف کو طہارت سے لے کر ابواب صوم تک صرف گیارہ ہی مسائل مل سکے ہیں۔ان مسائل کی حقیقت تو آگے آرہی ہے سردست ہم یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ان مسائل میں مقلد انوار گروپ نے تقلید کو چھوڑ کر احادیث کو قبول نہیں کیا بلکہ تقلیدی مسائل کے دلائل تلاش کرکے یہ دعویٰ کردیا ہے کہ گو قیاس کے خلاف ہیں مگر ہم نے احادیث کی بنا پر انہیں قبول کر لیا ہے، حالانکہ تحقیق تقلید کے خلاف ہے، انہیں چاہئے تھا کہ غیر مقلد امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے ثابت کرتے یہ یہ مسئلے قیاس کے خلاف ہیں مگر میں نے احادیث نبویہ کی وجہ سے قیاس کو ترک کردیا ہے، لیکن انوار مقلد نے اپنے حواریوں سمیت مغالطہ کھایا ہے اور عوام الناس کو دھوکا دیا ہے۔ اب آیئے ان مسائل کی حقیقت ملاحظہ کریں۔

جن کا مقلد انوار نے خلاف قیاس ہونا، قرار دیا ہے۔

پہلا مسئلہ:

قیاس کا تقاضا تو یہ ہے کہ نوم (نیند) بلاتفریق ہر حال میں ناقض الوضوء ہو جیسا کہ بے ہوش ہوجانا ہر حال میں ناقض الوضوء ہے، کیونکہ نقض وضو کی علت دونوں میں مشترک ہے، لیکن چونکہ نیند کے متعلق حدیث میں تفصیل آئی ہے کہ نماز میں قیام، قعود، رکوع، سجود، میں کوئی سوجائے تو اس پر وضوء لازم نہیں ہے، اس لئے ہر نیند کو ناقض وضوء قرار نہیں دیا گیا، اور حدیث پر عمل کرتے ہوئے قیاس کو چھوڑ دیا گیا، چنانچہ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں۔

والا غماء حدث فی الا حوال کلها وهو القیاس فی النوم الاانا عرفنا بالاثر والا غماء فوقه فلا یقاس علیه (هدایه ص۲۶ ج۱)۔

بے ہوشی ہر حال میں ناقض وضو ہے، اور نیند کی بابت بھی قیاس یہی ہے ۔(کہ وہ ہر حال میں ناقض وضو ہو) مگر نیند (میں تفصیل) کو ہم نے حدیث سے معلوم کیا ہے، اور اغماء نیند سے بڑھ کر بھی ہے اس لئے کہ نیند کو اغماء پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ (حدیث اور اهل حدیث ص۸۹)۔

الجواب: اولا: صاحب ہدایہ کے قول کو سمجھنے میں مقلد انوار صاحب نے خطاء کی ہے اس پر تنبیہ سے پہلے نیند کے متعلق مبتدعین دیابنہ کے مقلد اکابر کی تصریحات پیش کی جاتی ہیں۔ معروف مقلد مولوی محمد تقی عثمانی فرماتے ہیں کہ نوم غالب ناقض ہے اور نوم غیر غالب غیر ناقض، یہ مسلک آئمہ اربعہ اور جمہور کا ہے درحقیقت اس کے.....قائلین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ نوم بنفسہ ناقض نہیں، بلکہ مظنہ

خروج ریح کی وجہ سے ناقض ہوتی ہے، غیر غالب ناقض نہیں، البتہ نوم غالب یعنی ایسی نیند جس سے انسان بے خبر ہوجائے اور استرخاء مفاصل متحقق ہوجائے ناقض وضوء ہے۔

چونکہ حالت نوم میں خروج ریح کا علم نہیں ہوسکتا اس لئے استرخاء مفاصل کو شرعا خروج ریح کے قائم مقام کردیا گیا ہے، جیسا کہ حدیث باب میں

اذا اضطجع استرخت مفاصله

کے الفاظ سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ حکم مدار استرخاء مفاصل پر ہے، لہٰذا اگر استرخاء مفاصل کے باوجود کسی کو عدم خروج کا یقین ہو تب بھی نقض وضو ہوجائے گا۔ (درس ترمذی ص ۲۹٤ ج ۱)۔

جب آپ نے اس حقیقت کو بخوبی سمجھ لیا تو اب صاحب ہدایہ کے کلام کا مفہوم بیان کیا جاتا ہے۔

محترم مقلد انوار صاحب مؤلف ہدایہ یہ کہہ رہے ہیں کہ نوم غیر غالب کو بیہوشی پر قیاس کرنا درست نہیں کیونکہ بیہوشی نیند سے فوق ہے، اور اعلیٰ پر ادنیٰ کو قیاس نہیں کیا جاتا، والاغماء فوقہ، کا مطلب بیان کرتے ہوئے شارح ہدایہ علامہ خوارزمی فرماتے ہیں۔

لان فی النوم اذانبه انتبه وفی الاغماء لا۔

یعنی اس لئے کہ جب سوئے ہوئے کو خبردار کیا جائے تو وہ متنبہ ہو جاتا ہے، جب کہ بیہوشی میں نہیں۔ (الکفایه ص٤٥ ج ۱)۔

یہی وجہ ہے کہ ہدایہ کے شارح علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں۔

فلیس القیاس فی کل نوم النقض۔

یعنی قیاس کا یہ تقاضا نہیں کہ ہر نیند ناقض وضو ہے۔ (فتح القدیر ص٤٦ ج ۱)۔

ثابت ہوا کہ مقلد انوار کا جھوٹا دعویٰ ہے کہ ہم نے قیاس کو حدیث کی وجہ سے ترک کیا ہے، کیونکہ قیاس کا یہ قطعا تقاضا نہیں کہ ہر نیند ناقض وضو ہے، اور پھر اسے بیہوشی پر قیاس کرنا اور بھی قیاس فاسد ہے۔

ثانیا: اگر مقلد انوار صاحب اس پر ہی اصرار کریں کہ ہم نے قیاس کو چھوڑا ہے تو ہم کہتے ہیں کب چھوڑا ہے، مبتدعین دیابنہ کے مقلد اکابر مولوی رشید احمد گنگوہی صاحب تو فرماتے ہیں۔

نوم کے ناقض ہونے کا اصل مدار حدیث باب کی تصریح کے مطابق استرخاء مفاصل پر ہے اور اسی کے لئے فقہاء نے علامتیں مقرر کی ہیں۔ اور چونکہ استرخاء مفاصل زمانہ اور لوگوں کے قویٰ کے لحاظ سے بدلتا رہتا ہے، یہ حدود بھی دائمی نہیں ہیں، لہٰذا حنفیہ کو آج کل اپنے اس مسلک پر اصرار نہ کرنا چاہیے کہ حالت نماز میں سونے سے وضو نہیں ٹوٹتا، کیونکہ اس زمانہ میں حالت نماز میں بھی استرخاء متحقق ہوجاتا ہے۔ چنانچہ بسا اوقات دیکھنے میں آتا ہے کہ حالت نماز میں سونے کے دوران وضوء ٹوٹ بھی جاتا ہے، اور سونے والے کو اس کا احساس تک نہیں ہوتا۔

(الکوکب الدری ص ۵۰ ج ا و درس ترمذی ص ۲۹۵ ج ا)۔

اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ مقلد انوار کے اکابر نے حدیث کو چھوڑ کر قیاس کو ترجیح دی ہے، لہٰذا مؤلف حدیث اور اہل حدیث کا دعویٰ غیر ثابت شدہ ہوا۔

ثالثاً: اب آیئے ہم آپ کو یہ بھی بتاتے چلیں کہ حنفیہ نے حدیث کو چھوڑ کر قیاس کو اپنایا ہے، طہارت سے ہی اس کی مثال سنئے کہ حنفیہ نے حدیث قلتین کے برعکس دہ دردہ حوض کو پانی کثیر قرار دیا ہے، حالانکہ دہ در دہ پر کوئی حدیث موجود نہیں، انوار صاحب کو ہمارا چیلنج ہے وہ پانی کثیر کی مقدار دہ در دہ پر صحیح صریح مرفوع متصل نہ سہی صحیح صریح موقوف متصل ہی پیش کردیں، مزید رعایت دیتے ہیں کہ مرسل منقطع ہی نقل کردیں۔ ہماری طرف سے صرف دو شرطیں ہیں (ا) موضوع نہ ہو، (۲) صریح ہو، اور جو انوار صاحب نے احادیث پیش کی ہیں ان کی حقیقت اصل کتاب میں آرہی ہے کہ ان میں سے کسی روایت کا یہ معنیٰ ومفہوم نہیں کہ پانی کثیر دہ در دہ ہے تو کیا یہ حدیث صحیح صریح کے بالمقابل قیاس فاسد نہیں تو اور کیا ہے۔

دوسرا مسئلہ:

مقلد انوار صاحب فرماتے ہیں کہ قیاس کا تقاضا تو یہ ہے کہ نماز میں قہقہہ مارنے سے وضوء نہیں ٹوٹنا چاہیئے کیونکہ قہقہہ کوئی ناپاک چیز تو ہے نہیں جو بدن سے نکلی ہو۔ اور نکلنے سے وضوء ٹوٹ جائے لیکن چونکہ حدیث میں آتا ہے کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے نماز میں قہقہہ مارنے والوں کو وضوء کرنے کا حکم دیا تھا۔ اس لئے نماز میں قہقہہ مارنے سے وضوء کے ٹوٹنے کا قول کیا گیا اور قیاس کو چھوڑ دیا گیا۔

(حدیث اور اہل حدیث ص ۹۰)۔

الجواب: اولاً: مقلد صاحب کا بیمار قیاس ملاحظہ کریں کہتے ہیں کہ قہقہہ کوئی ناپاک چیز نہیں، بلفظ دیگر مقلد انوار صاحب کو یہ قیاس فاسد تب مفید تھا جب صرف نجس چیز کے نکلنے سے ہی وضو ٹوٹتا۔ مقلد صاحب کو آج تک یہ بھی خبر نہیں کہ دبر سے جو ہوا خارج ہوتی ہے وہ نجس نہیں پاک ہے۔ اگر ہماری بات پر یقین نہ آئے تو۔ (البحر الرائق ص ۳۰ ج ۲، فتاویٰ شامی ص ۱۳۶ ج ا) کا مطالعہ کرلینا۔ ثابت ہوا کہ مقلد انوار صاحب کا قہقہہ کو طاہر قرار دے کر خلاف قیاس کہنا فی نفسہ غلط اور باطل قیاس ہے،

ثانیا: حدیث حسن میں یہ الفاظ مروی ہیں، من نام فلیتوضاء، الحدیث جو بھی سو جائے وہ وضو کرے۔ (سنن ابو داؤد ص ۳ ج ۱) قال الالبانی ، حسن، ارواء الغلیل ۱۱۳)۔

اس حدیث کے برعکس حنفیہ کے نزدیک انفلات ریح والے کی نیند ناقض وضو نہیں۔

(فتاویٰ دار العلوم ص ۱۲۳ ج ا)۔

یہ حدیث کے بالمقابل قیاس ہے، کیونکہ حدیث میں عموم ہے اس سے وہی مستثنیٰ ہوگا جس کی تخصیص سید الرسل ﷺ نے کردی ہو، مگر مقلدین احناف نے عموم حدیث کے برعکس قیاس فاسد کیا ہے۔

ثالثاً: قہقہہ سے وضوٹوٹ جانے کی روایات ضعیف ہیں۔ یعنی ثابت نہیں، اور غیر ثابت شدہ چیز کو ثابت کرنا ہی عقل پرستی ہے۔

تیسرا مسئلہ:

مقلد انوار صاحب فرماتے ہیں کنوئیں میں اگر نجاست گرجائے تو ازروئے قیاس اس میں دو صورتیں بنتی ہیں ایک تو یہ کہ نجاست نکال دینے کے باوجود بھی کنواں پاک نہ ہو کیونکہ اس کی دیواروں وغیرہ پر جو نجاست لگی ہے اس سے پاکی ممکن نہیں، دوسری یہ کہ کنوئیں کا پانی جاری کے حکم میں ہو کر بھی ناپاک ہی نہ ہو، لیکن چونکہ کنوئیں کے بارے میں آثار صحابہ پائے جاتے ہیں اس لئے کنوئیں کے مسائل کو ان آثار پر مبنی کیا گیا ہے اور قیاس کو چھوڑ دیا گیا۔

(حدیث اور اھل حدیث ص۹۱)۔

الجواب: اولا مقلد انوار خورشید صاحب کو ازروئے قیاس کہتے ہوئے کچھ تو شرم و حیا کرنا چاہیے تھا، کنوئیں کی طہارت پر حدیث موجود ہے، حنفیہ نے اس صریح حدیث کے خلاف قیاس فاسد کیا ہے، تفصیل دین الحق میں عرض کردی گئی ہے۔ وہاں سے دیکھ لیا جائے۔ اعادہ کی ضرورت نہیں۔

ثانیا: رہے آثار صحابہ تو وہ بھی ثابت نہیں، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ یہ ایسے آثار ہیں جن کی صحت پر محدثین نے گواہی نہیں دی۔ (حجة الله البالغه ص ۱۸۵)۔

جس سے ثابت ہوا کہ کنوئیں کو معمولی نجاست گرنے کی وجہ سے ناپاک کہنا حنفیہ کا قیاس ہے جو حدیث سید الانبیاء ﷺ کے خلاف ہے، لیکن مقلد انوار خورشید صاحب کی حماقت دیکھئے محض سینہ زوری سے منوانا چاہتے ہیں کہ ہم نے قیاس کو آثار کی وجہ سے چھوڑ دیا ہے۔ انا للہ وانا علیہ راجعون۔

چوتھا مسئلہ:

مقلد انوار خورشید صاحب فرماتے ہیں مسئلہ محاذات میں قیاس کا تقاضا تو یہ ہے کہ مرد کی نماز بھی فاسد نہ ہو جیسے عورت کی نماز فاسد نہیں ہوتی کیونکہ محاذات کا تحقق دونوں سے ہوا ہے، ایک سے نہیں لیکن چونکہ حدیث سے مفہوم ہوتا ہے کہ مرد کی نماز فاسد ہوجاتی ہے اس لئے قیاس کو چھوڑ دیا گیا ہے۔

(حدیث اور اھل حدیث ص۹۱)۔

الجواب: بلاشبہ حنفیہ کا یہی مسلک ہے کہ مرد کے برابر عورت کھڑی ہو جائے، (خواہ عورت محرمات سے ہی کیوں نہ ہو) تو مرد کی نماز فاسد ہو جاتی ہے مگر اس کو رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کرنا مقلد انوار خورشید صاحب کا افترا ہے، بڑھاپے میں جھوٹ بولتے ہوئے اس مقلد کو کچھ تو شرم و حیا کرنا چاہئے تھا۔ ہمیں معاصر مبتدعین دیابنہ کے مصنفین سے ہمیشہ یہ شکوہ رہا ہے کہ یہ جھوٹ بولتے اور نبی مکرم ﷺ پر افترا کرتے ہیں رد اہل حدیث میں سرگرم آج کی پوری دیوبندی ٹیم متروک و کذاب ہے، یہ ایسی بدبخت اور نالائق ہے کہ فقہاء کے اقوال قیاسات اور فتاویٰ کو حدیث نبوی کہہ کر درج کر دیتے ہیں۔ علم حدیث میں ان کی حالت یتیمانی الحدیث ہے۔ مقلد انوار خورشید کو ہمارا برادرنہ مشورہ ہے کہ توبہ کر کے تجدید ایمان کر لیں، کیونکہ جو آپ کہہ رہے ہیں یہ کسی بھی حدیث سے ثابت نہیں، یہ صرف فقہاء احناف کا باطل قیاس ہے، وبس۔

لہٰذا مقلد انوار صاحب اس قیاس کی دلیل عنایت کریں، جب کہ محاذات سے بھی بڑھ کر ہم آپ کو حدیث کی نشان دہی کرواتے ہیں کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا آگے ہوتی اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام انہیں ہاتھ لگا کر بوقت سجدہ پیچھے کر لیا کرتے تھے۔ (صحیح بخاری رقم الحدیث ۵۱۱، ۵۱۲)۔

سیدہ امامہ رضی اللہ عنہا کو اٹھا کر جماعت کروائی۔ (بخاری رقم الحدیث ۵۱۶)۔

اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے شانوں سے آکر اونٹ کی اوجھڑی اٹھانا۔

(بخاری رقم الحدیث ۲۴۰)

جیسے واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ حالت نماز میں اگر بیوی یا محرمات سے کوئی ایک آگے ہو یا برابر ہو تو نماز فاسد نہیں ہوتی۔ لہٰذا حنفیوں کا مرد کی نماز کو فاسد قرار دینا قیاس فاسد ہے۔

پانچواں مسئلہ:

مقلد انوار صاحب فرماتے ہیں کہ امام عذر کی وجہ سے بیٹھ کر نماز پڑھائے اور اس کے مقتدی اس کے پیچھے کھڑے ہو کر نماز پڑھیں تو ان کی نماز ہو جائے گی، قیاس کا تقاضا تو یہ ہے کہ مقتدی کی نماز نہ ہو کیونکہ اس صورت میں مقتدی کی حالت امام کی حالت سے قوی ہے، لیکن چونکہ حدیث میں آتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مرض الموت میں بیٹھ کر نماز پڑھائی اور صحابہ کرام نے آپ کے پیچھے کھڑے ہو کر نماز پڑھی تھی اس لئے قیاس کو چھوڑ کر حدیث پر عمل کیا گیا۔

(حدیث اور اہل حدیث ص ۹۲)۔

الجواب: اولا مقلد انوار صاحب کا یہ کہنا کہ صحابہ کرام نے آپ کے پیچھے کھڑے ہو کر نماز پڑھی تھی،، محتاج دلیل ہے، (بخاری ص ۹۵ ج ۱، مسلم ص ۱۷۷ ج ۱ میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت مروی ہے

لیکن اس میں صرف سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کا کھڑے ہونا بیان ہوا ہے۔ اور صحیح مسلم ص ۱۷۸ ج ۱ میں سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں صریحا آیا ہے کہ صحابہ کرام کو سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیٹھ جانے کا اشارہ کیا اور وہ بیٹھ گئے۔

مولانا عبد العزیز صاحب فرماتے ہیں کہ۔

والظاهر من السياق ان هذه الصلاة كانت آخر صلاته صلی اللہ علیہ وسلم بالناس۔

یعنی جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کی روایت کا سیاق و سباق بتاتا ہے کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی لوگوں کے ساتھ یہ آخری نماز تھی۔ (بغیۃ الالمعی ص ۴۲ ج ۲)۔ اس کے برعکس کسی معتبر روایت میں یہ نہیں آیا کہ صحابہ کرام نے کھڑے ہو کر نماز ادا فرمائی تھی، علامہ زیلعی نے بڑی محنت کے بعد مصنف ہدایہ کے قول کی لاج رکھنے کے لئے (نصب الرایہ ص ۴۲ ج ۲) میں امام بیہقی کی (معرفۃ السنن والاثار ص ۳۵۵ ج ۲) سے ایک روایت کی نشان دہی کرتے ہیں مگر اس کی سند منقطع ہے۔ امام شافعی نے امام ابراہیم نخعی سے یہ روایت نقل کی ہے، حالانکہ امام شافعی کی ابراہیم نخعی سے ملاقات و سماع نہیں ہے۔

ثانیا: صحیح مسئلہ یہی ہے کہ اگر امام بوجہ بیٹھ کر نماز پڑھائے تو مقتدی حضرات بھی بیٹھ کر نماز ادا کریں۔ اس پر سید الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے۔

(بخاری کتاب الاذان باب انماجعل الامام ليوتم به رقم الحديث ۶۸۹، مسلم كتاب الصلاة باب ائتمام الماموم بالامام رقم الحديث ۹۲۱)۔

حنفیہ کا مسلک چونکہ اس صحیح حدیث کے خلاف ہے، اس لئے انہوں نے حسب عادت قیاس کر کے مقتدی کو کھڑے ہونے کا فتویٰ صادر کیا ہے، اور صاحب ہدایہ نے جرأت کرتے ہوئے یہ بھی کہہ دیا ہے کہ مرض الموت میں نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیٹھ کر امامت کروائی تھی اور صحابہ نے کھڑے ہو کر اقتداء کی تھی، گو یہ قیاس کے خلاف ہے، مگر ہم نے بوجہ حدیث اسے قبول کر لیا ہے، اور مقلد انوار نے اسے پلے باندھ کر اہل حدیث کو چیلنج کر دیا ہے کہ دیکھو جی ہم نے حدیث کی وجہ سے قیاس کو ترک کر دیا ہے، جب کہ تحقیق سے یہ بات ثابت ہوئی کہ حنفیہ نے صحیح حدیث کے بالمقابل قیاس کیا ہے۔

ثالثا: اگر یہ ثابت ہو جائے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مرض الموت میں جو نماز اقتداء نبوی میں ادا کی تھی اس میں وہ کھڑے تھے۔ اور آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام بیٹھے ہوئے تھے۔، تب بھی یہ ایک استثنائی صورت ہے کہ امام کو اگر بحالت نماز کوئی عارضہ لاحق ہو جائے تو مقتدی بیٹھنے کی بجائے کھڑے ہو کر نماز ادا کریں اور امام کا حکم ہی نائب پر نافذ ہوگا، لہذا حنیفہ کا مسلک بے ثبوت ہی رہا۔

چھٹا مسئلہ:

مقلد انوار صاحب فرماتے ہیں: نماز کے دوران بے وضوء ہوجانے کی صورت میں، بناء، جائز ہے، قیاس کا تقاضا تو یہ ہے کہ بناء جائز نہ ہو کیونکہ اول تو بے وضوء ہوجانا منافی صلوٰۃ ہے، دوسرے اپنی جگہ سے ہٹنا پھر وضوء کے لئے چل کر جانا یہ خود مفسد صلوٰۃ ہیں۔ لیکن چونکہ حدیث میں بناء کو جائز قرار دیا گیا ہے۔ اس لئے قیاس کو چھوڑ کر حدیث پر عمل کیا گیا۔

(حدیث اور اھل حدیث ص ۹۳)۔

الجواب: بناء کرنے کی مرفوع روایات ضعیف ہیں، تفصیل کے لئے قے ونکسیر سے وضوٹوٹنے کی بحث میں دیکھ لیا جائے، جب کہ سیدنا طلق بن علی رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث سنداً حسن ہے، جس میں فرمان نبوی علیہ التحیۃ والسلام ہے کہ

اذا فسا احدکم فی الصلاۃ فلینصرف فلیتوضا ولیعد الصلاۃ۔

جب نماز کی حالت میں کسی کی ہوا خارج ہوجائے تو چاہیئے کہ وہ پلٹ کر وضو کرے اور نماز کو دوبارہ پڑھے۔ (الحدیث ابو داؤد ص۲۷، ٤٤ ج ۱)۔

اس سے ثابت ہوا کہ حنفیہ نے بناء کے مسئلے میں حدیث کے بالمقابل غیر مقلد امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے قول کو ترجیح دی ہے، لہٰذا انوار صاحب کا یہ کہنا کہ ہم نے حدیث کی وجہ سے قیاس کو ترک کردیا ہے۔ محض مغالطہ ہے۔

ساتواں مسئلہ:

مقلد انوار صاحب فرماتے ہیں کہ: عید الفطر کے دن کسی عذر کی وجہ سے نماز نہ پڑھی جائے تو دوسرے دن پڑھنی جائز ہے، لیکن دوسرے دن بھی کوئی عذر پیش آجائے تو تیسرے دن عید الفطر کی نماز پڑھنی جائز نہیں۔ قیاس کا تقاضا تو یہ ہے کہ دوسرے دن پڑھنی بھی جائز نہ ہو کیونکہ یہ نماز جمعہ کی طرح ایک مخصوص نماز ہے، جس کی بہت سی شرطیں ہیں اور جیسے جمعہ کی نماز وقت نکلنے کے بعد قضاء نہیں کی جاتی ایسے ہی یہ نماز بھی نہ کی جائے لیکن حدیث میں عید الفطر کی نماز کی قضاء دوسرے دن تک جائز رکھی گئی ہے۔ اس لئے قیاس کو چھوڑ کر حدیث پر عمل کیا گیا۔

(حدیث اور اھل حدیث ص ۹۴)۔

الجواب: اولاً مقلد انوار صاحب نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر احسان کیا ہے کہ قیاس کو ترک کرکے حدیث کو قبول کرلیا ہے، اور بات کو جتا کر مزید نیکی کرلی ہے، مگر مقلد یہ تو بتائے کہ آپ کے

قیاس کی دلیل کیا ہے۔ اگر وہی جمعہ والی بات ہے تو یہ قیاس نہیں بلکہ شیطانی وسوسہ ہے، کیونکہ شرعی طور پر جمعہ فرض ہے، نماز عید نفل ہے، پہلے کا تارک منافق ہے۔ اور عید کی نماز کا تارک گناہ گار نہیں، اور نماز عید کے لئے شرائط کا ہونا اور جمعہ کے لئے بھی وہی شرائط قرار دینا، دعویٰ بلا دلیل ہے۔ تفصیل اصل کتاب میں نماز جمعہ اور عیدین کے ابواب میں آرہی ہے۔

ثانیا: مقلد انوار صاحب نماز جمعہ دراصل نماز ظہر کے قائم مقام ہے، اگر کسی کا جمعہ رہ جائے تو کیا وہ نماز ظہر ادا کرنے کا مکلّف نہیں؟ اگر ہے یقیناً ہے، تو وضاحت کی جائے کہ جمعہ کے روز کی نماز ظہر کی قضاء ہے کہ نہیں؟ اگر ہے یقیناً ہے تو کس منہ سے عید کی نماز کو جمعہ پر قیاس کر رہے ہو۔ محترم قیاس میں تو نظیر کو نظیر پر قیاس کیا جاتا ہے۔ مگر آپ کی اچھی قیاس ہے کہ نظیر (نفل) کو ضد (فرض) پر قیاس کرلیا، اگر قیاس حق ہوتا تو صحیح قیاس تو یہ تھا کہ نماز عید نفل ہے، لہٰذا اس کو تہجد پر قیاس کیا جاتا کہ جیسے تہجد چھوٹ جانے پر اس کی قضا ہے۔

(صحیح مسلم کتاب الصلاۃ المسافرین باب جامع صلاۃ اللیل ومن نام عنه او مرض رقم الحدیث ۱۷۴۳، ۱۷۴۴)۔

ایسے ہی عید کی نماز چھوٹ جانے پر اس کی قضاء ہے،

آٹھواں مسئلہ:

غیر مسلم کو زکوۃ دینی جائز نہیں لیکن صدقہ دیا جاسکتا ہے۔ قیاس کا تقاضا تو یہی ہے کہ زکوۃ کی طرح صدقہ دینا بھی جائز نہ ہو، لیکن چونکہ حدیث میں صدقہ دینے کی اجازت موجود ہے، اس لئے قیاس کو چھوڑ کر حدیث پر عمل کیا گیا۔ (حدیث اور اہل حدیث ص۸۵)۔

الجواب: اولا قرآن نے زکوۃ کے آٹھ مصرف بیان کئے ہیں ان میں کافر کا ذکر نہیں، جب کہ صدقہ میں ان آٹھ مصرف کی قید نہیں لہٰذا صدقہ میں ان آٹھ کا حصر نہیں، رہا انوار صاحب کا اسے خلاف عقل کہنا تو یہ ان کے ناقص العقل ہونے کی دلیل ہے، ساتویں مسئلہ میں وضاحت کردی گئی ہے کہ نظیر کو نظیر پر محمول کرنا قیاس کہلاتا ہے۔ نظیر کو ضد پر محمول کرنا وسواس ہوتا ہے، کوئی شیطان والدہ پر بیوی کو قیاس کرے اور کہے کہ دونوں ہم جنس ہیں تو اسے کوئی باشعور قیاس نہیں کہے گا بلکہ شیطانی القاء قرار دے گا، ایسے ہی زکوۃ پر صدقہ کو قیاس کرنا مقلد انوار خورشید صاحب کا خبط بے ربط ہے۔

ثانیا: آیئے مسئلہ زکوۃ سے ہی ہم مقلد انوار صاحب کے تقلیدی مؤقف سے ترک حدیث سے ایک مثال بیان کر دیتے ہیں۔

سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ:

قال النبی ﷺ لاتحل الصدقة لغنی ولالذی مرة سوی۔

نبی مکرم ﷺ نے فرمایا کہ کسی دولت مند اور صاحب قوت وصحت مند کے لئے صدقہ حلال نہیں ہے۔ (ابو داؤد کتاب الزکاۃ باب من یعطی من الصدقة وحد الغنی رقم الحدیث ۱۶۳۴)۔

یہ صحیح حدیث ہے اور متعدد صحابہ کرام سے مروی ہے تفصیل کے لئے۔ (ارواء الغلیل ۸۷۷) کی مراجعت کریں، لیکن مقلد انوار صاحب کی تقلیدی شریعت میں جوان طاقتور کو زکوٰۃ لینی جائز ہے۔ (هدایه ص۲۰۷)۔

نواں مسئلہ:

مقلد انوار صاحب فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص روزہ کی حالت میں بھولے سے کھا پی لے تو اس کا روزہ نہیں ٹوٹتا، قیاس کا تقاضا تو یہ ہے کہ روزہ ٹوٹ جائے کیونکہ روزہ کے منافی چیز پائی گئی، بعینہ ایسے جیسے نماز میں کوئی بھولے سے بات چیت کرلے تو اس کی نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ لیکن روزہ نہیں ٹوٹتا اس لئے قیاس کو چھوڑ کر حدیث پر عمل کیا گیا۔ (حدیث اوراهل حدیث ص۹۶)۔

الجواب: اولا یہی بات تو حنفیہ کے اہل الرائی ہونے کی دلیل ہے کہ ایک طرف حدیث کو تسلیم کرتے ہوئے بھی کہتا ہے کہ روزہ کے منافی چیز پائی گئی، محترم جب حدیث ہے تو روزہ کے منافی نہیں ہے۔

ثانیا: نماز بھی بھولے سے کلام کرنے سے نہیں ٹوٹتی تفصیل اصل کتاب میں آرہی ہے۔ لہٰذا آپ کا روزہ کو نماز پر قیاس کرنا خالص وسوسہ ہے، مزید برآں کہ نماز سے روزہ اہم ہے۔ دیکھئے حیضہ پر نماز کی قضا نہیں لیکن روزہ کی ہے۔ اور فاضل کو مفضول پر قیاس کرنا فقاہت نہیں حماقت ہے۔

ثالثا: آیئے مخالف حدیث کی مثال احکام روزہ سے ہی ہم دے دیتے ہیں۔ مقلد مفتی محمد ابراہیم صادق آبادی دیوبندی فرماتے ہیں، کسی بدطینت نے جانور سے بدفعلی کی یا کسی نے بیوی سے سبیلین (دونوں راستوں کے سوا) کسی جگہ جماع کیا یا کسی نے مشت زنی کی تو تینوں صورتوں میں جب تک انزال نہ ہو روزہ نہ ٹوٹے گا۔

(عالم گیریه ص۲۰۵، وعامة الکتب)، (چار سو اهم مسائل ص۲۰۲)۔

مقلد انوار خورشید وضاحت کریں کہ یہ مردود مسئلہ قرآن کی کس آیت اور کونسی حدیث سے ماخوذ ہے؟۔

ہاں اس کے رد پر حدیث صحیح موجود ہے کہ آپ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جب آدمی چار شاخوں (یعنی چار ٹانگوں) کے درمیان بیٹھ گیا اور کوشش کی تو غسل واجب ہوگیا۔ (بخاری رقم الحدیث ۲۹۱)۔ اور جب کوئی بدبخت جانور سے بدفعلی کرتا ہے تو مزکورہ دونوں چیزیں متحقق ہوجاتی ہیں، لہٰذا روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔

دسواں مسئلہ:

مقلد انوار صاحب فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص روزہ میں جان بوجھ کر منہ بھر کر قے کر دے تو اس پر روزے کی قضاء لازم ہے، قیاس کا تقاضا تو یہ ہے کہ اس پر قضاء لازم نہ ہو کیونکہ کوئی چیز جوف بدن یا جوف دماغ میں تو گئی نہیں کہ جس سے روزہ ٹوٹے لیکن چونکہ حدیث میں ہے کہ جسے از خود قے ہو جائے اس پر قضاء نہیں ہے اور جو عمداً قے کرے اس پر قضاء ہے، اس لئے قیاس کو چھوڑ کر حدیث پر عمل کیا گیا۔ (حدیث اور اهل حدیث ص۹۶)۔

الجواب: اولا یہاں بھی محترم آپ نے حدیث کو نہیں قیاس کو ہی قبول کیا ہے کیونکہ کسی بھی حدیث میں منہ بھر کر قے آنے کی شرط نہیں، یہ جناب کی زیادتی ہے مزا تو یہ تھا کہ آپ منہ بھر قے کی شرط کو باطل کہہ دیتے اور اعتراف کرتے کہ حنفی فقہ میں منہ بھر قے آنے کی جو شرط لگائی گئی ہے وہ حدیث سے ثابت نہ ہونے کی وجہ سے ہم نے ترک کر دی ہے، مگر افسوس کہ آپ نے حقیقت کا اعتراف کرنے کی بجائے نفس مسئلہ میں ڈنڈی ماری ہے تا کہ عوام الناس دھوکے میں آ کر یہ مان لیں کہ فقہ کا یہ مسئلہ حدیث سے ماخوذ ہے، حالانکہ منہ بھر کر قے آنے کی قید لگانا حدیث رسول کے ساتھ مذاق ہے۔

ثانیا: محترم نے یہ بھی خوب فرمایا کے کوئی چیز جوف بطن یا جوف دماغ میں تو گئی نہیں الخ...... اس سے ثابت ہوا کہ جو چیز جوف بطن یا جوف دماغ میں جائے اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، حالانکہ مبتدعین دیابنہ کے یہ دانت صرف دکھانے کے لئے ہیں ہاتھی کی طرح کھانے کے اور ہیں، تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ مقلدین مبتدعین دیابنہ کے نزدیک انجکشن لگوانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا خواہ وہ گلوکوز چڑھائے۔ (چار سو اهم مسائل ص۲۰۳)۔

حدیث میں آیا ہے کہ

انما الا فطار مما دخل ولیس مما خرج۔

الحدیث یعنی روزہ اس چیز سے ٹوٹ جاتا ہے جو جسم میں داخل ہو اور جسم سے خارج ہونے پر روزہ نہیں ٹوٹتا۔ (مسندابو یعلی ص۳۲۸ ج٤ رقم الحدیث ٤٥٨٣)۔

بلاشبہ یہ روایت بوجہ سند میں مجہول راوی ہونے کے ضعیف ہے مگر مقلد انوار کا دعویٰ ہے کہ ہم ضعیف حدیث کے بالمقابل قیاس کو چھوڑ دیتے ہیں۔ لہٰذا حدیث کی سند میں کیڑے ڈالنے کی بجائے یہ تسلیم کر لیجئے کہ ہم قیاس کو ترک نہیں کرتے خواہ اس کے خلاف حدیث ہو یا قرآن کی آیت۔

گیارھواں مسئلہ:

مقلد انوار صاحب فرماتے ہیں کہ اعتکاف واجب کے لئے روزہ شرط ہے، اگر کسی نے روزہ کے بغیر اعتکاف واجب کیا تو اس کا اعتکاف نہیں ہوگا۔ قیاس کا تقاضا تو یہ ہے کہ اعتکاف واجب میں روزہ کی شرط نہ لگائی جائے کیونکہ روزہ مستقل عبادت ہے اگر اسے دوسری عبادت کے لئے شرط قرار دیں تو لازم آئے گا کہ یہ مستقل عبادت نہ رہے۔ لیکن چونکہ حدیث میں ہے کہ روزہ کے بغیر اعتکاف نہیں ہوتا اس لئے قیاس کو چھوڑ کر حدیث پر عمل کیا گیا۔ (حدیث اوراهل حدیث ص۹۷)۔

الجواب: اولاً ساری خرابی اس وجہ سے پیدا ہوئی ہے کہ حنفی عبادات کے حصص کر کے انہیں، فرض، واجب، سنت اور شرائط وغیرہ پر تقسیم کرتے ہیں اور حدیث رسول اللہ ﷺ کے احکام کو فقہی اصطلاحات میں تقسیم کر کے حکم نبوی کا مذاق اڑاتے ہیں۔ مذاق اڑانا ہم نے اس لئے کہہ دیا ہے کہ بعض احکام کو اہم اور بعض کو غیر اہم قرار دیا جاتا ہے، حالانکہ اسوہ رسول ﷺ میں ذرہ بھر انحراف نہ ہونا چاہئے۔ دیکھئے یہاں حدیث رسول ﷺ کا ہونا تسلیم کرتے ہیں پھر اسے قیاس کے خلاف کہنا بدتہذیبی نہیں تو اور کیا ہے۔ اگر کسی مقلد کو اعتبار نہ ہو تو وہ اپنے کسی بھی مفتی کے فتویٰ کو یا اپنے استاذ کے قول کو صرف یہ کہہ دیا کرے کہ عقل کے خلاف ہے، مگر کوئی دیوبندی فاضل یہ کہنے کو تیار نہ ہوگا، کیوں؟ اس لئے کہ مفتی و استاذ کی دل میں عزت و تکریم کرتے ہیں۔ اور حدیث رسول اللہ ﷺ کی تعظیم ہی دل میں نہیں اس لئے کہ انوار خورشید نے گیارہ احادیث کو عقل سلیم کے خلاف کہہ دیا ہے، یہ میرے پیارے آقا سیدی محمد مصطفیٰ ﷺ کی توہین ہے، حقیقت یہ ہے کہ مقلدین احناف میں احترام حدیث نام کی کوئی چیز نہیں، ان کا ہر چھوٹا بڑا بلکہ جتنا بڑا ہوگا اتنی ہی اس کے دل میں فقہ حنفی کی اہمیت اور احترام حدیث نہ ہوگا۔

ثانیاً: رہا مقلد صاحب کا یہ کہنا کہ روزہ مستقل عبادت ہے اگر اسے دوسری عبادت الخ...... محض دل کو بہلانے کے لئے ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ کسی عبادت میں دوسری عبادت کا لازم ہونے سے یہ بات لازم نہیں آتی، نماز فی نفسہ عبادت ہے۔ قرات قرآن بھی عبادت ہے، اور نماز میں قرات کا واجب ہونا احناف کو بھی مسلم ہے تو کیا اس سے یہ لازم آئے گا کہ تلاوت قرآن عبادت نہیں، ممکن ہے کہ انوار صاحب یہ کہہ دیں کہ ہم نے شرط کی بات کی تھی، لیجئے شرط کی ہی مثال عرض کر دی جاتی ہے۔ نماز عبادت ہے، اللہ اکبر بھی عبادت ہے، اور احناف کے نزدیک تکبیر تحریمہ شرائط نماز سے ہے۔ (شرح نقایه ص۲۷ ج۱ نمازمسنون ص ۲۸۰)۔

اس سے ثابت ہوا کہ کسی چیز کا دوسری عبادت میں شرط ہونا اس بات کو مستلزم نہیں کہ وہ فی نفسہ

عبادت نہیں۔ عبادات میں ایسی بیسیوں مثالیں دی جاسکتی ہیں، مگر اختصار کی وجہ سے ان پر اکتفا کرتے ہیں امید ہے کہ مقلد انوار خورشید صاحب کو ان مفید چیزوں سے تقلیدی بیماری سے افاقہ ہوگا ان شاء اللہ۔

ثالثًا: قرآن وحدیث میں اعتکاف کے لئے مسجد کا ہونا لازم قرار دیا گیا ہے۔

(ابو داؤد ص ۳۳۵ ج ا، دارقطنی ص ۲۰۱ ج ۲، وبیہقی ص ۳۱۵ ج ۴)۔

مگر مبتدعین دیابنہ کے نزدیک عورت گھر میں ہی اعتکاف کرے اگر مسجد میں اعتکاف کیا تو کوئی اجر وثواب نہ ہوگا۔ (چار سو اہم مسائل ص ۲۳۹)۔

کیا احناف پر انکار حدیث کا الزام غلط ہے:

مقلد انوار خورشید صاحب فرماتے ہیں: غیر مقلدین نے عوام کو بہکانے کے لئے بہت سی باتیں بے پر کی اڑا رکھی ہیں، جن میں ایک بات یہ بھی ہے کہ احناف حدیث کو چھوڑ کر قیاس و رائے اور اماموں کے اقوال پر عمل کرتے ہیں۔ حالانکہ جس قدر حدیث پر احناف عمل کرتے ہیں کوئی اور نہیں کرتا، احناف کے یہاں حدیث مرفوع بھی حجت ہے اور حدیث موقوف بھی حجت ہے، حدیث مرسل بھی حجت ہے اور ضعیف حدیث بھی رائے وقیاس کے مقابلہ میں مقدم اور حجت ہے، جب کہ غیر مقلدین مرفوع کو حجت مانتے ہیں وہ بھی جب ان کے حق میں ہو، اگر خلاف ہو تو رد کر دیتے ہیں، ان کے ہاں نہ موقوفات صحابہ حجت ہیں نہ مرسل احادیث حجت ہیں اور نہ ہی ضعیف احادیث حجت ہیں پھر بھی یہ عامل بالحدیث ہیں اور احناف جو سب احادیث کو حجت مانتے ہیں وہ ان کے گمان میں عامل بالقیاس اور تارک حدیث ہیں۔ (حدیث اور اهل حدیث ص ۹۸)۔

الجواب: اولا محترم یہ ہمارا الزام نہیں بلکہ امر واقعی اور حقیقت ہے۔ گزشتہ صفحات میں، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور مقلدین کے اصول اجتہادی کے زیر عنوان شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا کلام گزر چکا ہے، مزید اکابر کی گواہیاں بھی ہم نقل کر آئے ہیں۔ تو کیا یہ سب بے پر کی اڑانے والے تھے اوروں کو جانے دیجئے صرف مقلد اشرف علی تھانوی صاحب کی عبارت کے متعلق عرض کر دیں۔

ثانیا: پوری دنیا میں صرف پرویز اینڈ کمپنی ہی یہ کہتے ہیں کہ حدیث رسول اللہ ﷺ حجت نہیں بقایا تمام باطل فرقے بھی یہ دعویٰ کرتے ہیں، قادیانی، شیعہ، وغیرہ جیسے خبیث العقیدہ حضرات بھی دعویٰ کی حد تک یہی کہتے ہیں کہ ہم احادیث کا قطعا انکار نہیں کرتے، لیکن اہل علم جانتے ہیں کہ کوئی چیز بھی محض دعویٰ سے ثابت نہیں ہوتی، محترم آپ کی اصول کی کتابوں میں ہی لکھا ہے کہ حدیث کی طرف رجوع کرنا مقلد کا وظیفہ نہیں جیسا کہ ہم تفصیل سے عرض کر چکے ہیں اور درس حدیث کا مطالبہ بھی آپ سے کر دیا گیا ہے، آپ بسم اللہ کیجئے، کوئی بھی حدیث کی کتاب اٹھا کر عوام الناس کو درس دینا شروع کر دیں۔

بالترتیب درس دیں، درمیان میں احادیث کو چھوڑنا نہیں، اور عوام الناس کو ہر احادیث پر کہتے جائیں کہ یہ واجب العمل ہے، اس کا منکر حدیث رسول ﷺ کا منکر ہے، آیئے مرد میدان بن کر اپنی آخرت سنوار لیں، مگر مجھے رب محمد ﷺ کی قسم ہے، انوار خورشید کیا پوری دنیا کا کوئی حنفی مقلد یہ ہمت مردانہ اور جرات رندانہ نہیں کرے گا۔کوئی حنفی اس پر عمل کر کے دیکھ لے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہوجائے گا۔

عبارات علمائے اہل حدیث:

مقلد انوار صاحب نے یہاں پر بڑی دوون کی لی ہے، نواب صدیق حسن خاں محدث قنوجی اور مولانا عبد الجبار غزنوی اور نواب وحید الزماں وغیرہ کی عبارات پیش کی ہیں۔جس میں انہوں نے اہل حدیث پر تنقید کی ہے۔ بلاشبہ انہوں نے یہ تنقید کی ہے، وہ بڑے لوگ تھے۔ ہمیشہ بڑے چھوٹوں کی کوتاہیوں پر تنبیہ کیا کرتے ہیں، یہ چیز قابل تعریف ہے مگر مقلد انوار خورشید صاحب کو یہ بات بھی پسند نہیں آئی انہوں نے اسے مثالب اہل حدیث میں شمار کیا ہے، جب کہ انوار صاحب نے جگہ جگہ انہیں بزرگوں کے اقوال کا رد کیا ہے اور دعویٰ کیا ہے کہ اہل حدیث کا مؤقف و مذہب فلاں فلاں حدیث کے خلاف ہے، حالانکہ ان کا علم و فضل مسلم ہے، نواب صدیق الحسن خاں اور نواب وحید الزماں سے لاکھ اختلاف سہی مگر یہ اٹل حقیقت ہے کہ وہ اپنے ہم عصر علماء احناف سے قرآن و سنت کے علم میں ہر لحاظ سے فائق تھے۔نواب صدیق خاں محدث قنوجی کا درجہ اجتہاد ایک مسلم حقیقت ہے، ان کی عربی کتب ان کے علم و فضل کی دلیل ہیں۔ زبان میں اہل زبان کی چاشنی اور قادر الکلام ہونا بین حقیقت ہے۔

گزشتہ صفحات میں مولانا ابو الحسن ندوی کی عبارت نقل کر آئے ہیں جو، **الفضل ماشهد بها الاعدا** کی مصداق ہے۔خیر یہ تمام چیزیں ہمارے نزدیک ثانوی درجہ کی ہیں۔ ہدایت کا علم کے ساتھ مشروط ہونا کوئی تسلیم نہیں کرتا، شیعہ منطق وفلسفہ کے ماہر ہوتے ہیں، مستشرقین کے علم سے کوئی انکار نہیں کرتا، پادری عماد الدین قرآن کا حافظ تھا، گوجرانوالہ کا معروف پادری کے ایل ناصر عربی زبان کا ماہر تھا، منجد اور اقرب الموارد کے مؤلفین عیسائی تھے۔مولوی احمد رضا خاں کو جاہل کہنا محض تعصب ہے۔

اساس البلاغہ، الکشاف، اور الفائق کا مصنف معتزلی ہے، حالانکہ وہ عربی زبان کا ماہر ہے۔ آئمہ لغت اس کے اقوال کو بطور دلیل نقل کرتے ہیں، گزارشات کا مقصد یہ ہے کہ ہدایت رسمی علوم اور ڈگریوں کی محتاج نہیں، بڑے بڑے علم وعقل کے مدعیوں نے نبی رحمت ﷺ کی نبوت کا انکار کردیا تھا، اس کے برعکس ایک ایسا شخص مشرف بہ اسلام ہوگیا تھا۔جس نے پیارے آقا ﷺ سے عرض کیا تھا کہ میں قرآن سے کچھ بھی اخذ (یاد) نہیں کرسکتا مجھے کوئی ایسے کلمات سکھا دیجئے جو مجھے کفایت کرجائیں۔آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہہ، **سبحان الله والحمد الله ولا اله الا الله والله**

اکبر ولا حول ولا قوۃ الا باللہ۔ (ابو داؤد رقم الحدیث ۸۳۲، نسائی رقم الحدیث ۹۲۵)۔

علوم مروجہ میں مہارت معتزلی.کی گرائمر اور پادریوں کی یادداشت اس صحابی کی جوتیوں پر قربان، یہ صحابی خوش نصیب اور ان شاء اللہ بامراد تھا،اور مذکورہ افراد جو علوم میں یگانہ روزگار تھے۔ بدنصیب اور ہدایت سے دور بلکہ جہنم کا ایندھن ہیں۔

آخر میں ہم یہ بھی عرض کردینا ضروری خیال کرتے ہیں کہ ہدایت سے ہٹ کر جو علم ہے وہ علم نہیں جہالت ہے، خواہ اس پر بیسیوں ڈگریوں کا لیبل لگا ہو، رہا بعض اہل حدیث میں ہوائے نفس کا پایا جانا، تو ہم نے کب دعویٰ کیا ہے کہ اہل حدیث کا بچہ بچہ قطعی طور پر ولی اللہ اور ہر لحاظ سے کامل ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت عظمت و بزرگی میں اپنی مثال آپ ہے، اور منافقین کا گروپ بھی اپنے آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی اور محبت کرنے والا کہتا تھا۔ غزوہ احد کے ایک ہزار لشکر سے تین سو افراد کا واپس پلٹ آنا زبان زد خاص و عام ہے۔ بلفظ دیگر ۳۰ فیصد افراد اس دور میں منافق تھے ممکن ہے کہ انوار خورشید بوجہ الدالخصام ہونے کے یہ کہہ دے کہ آپ نے اپنی جماعت میں منافقین کا وجود تسلیم کر لیا ہے، ہم ان کا منہ بند کرنے کے لئے مسلمانوں سے اس کی مثال عرض کردیتے ہیں غزوہ احد میں ہی پچاس تیر اندازوں نے اپنی جگہ کو چھوڑ دیا تھا۔

تو کیا ان چیزوں کو لے کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عظمت و بزرگی کا یکسر انکار کردیا جائے گا۔ اللہ کا خوف نہیں تو بدنامی سے ہی ڈر جایئے کہ یہ کردار اہل سنت کا نہیں رافضیت کا ہے۔ افرادی کمزوریاں کس جماعت میں نہیں ہوتیں؟ کیا مقلدین احناف کی دیوبندی تنظیم کا ہر فرد ولی اللہ ہے، اگر آپ اس بات کے مدعی ہیں تو آیئے ہم آپ کو دیوبندیوں میں۔ بدعتی، مشرک، جاہل، زانی، رشوت خور، سود خور، ملاوٹ کرنے والے، کذاب، دروغ گو، قاتل، ڈاکو، تاوان کے لئے اغواء کرنے والے، لوگوں کی جائیداد پر ناجائز قبضہ کرنے والے، تارک صوم وصلوٰۃ، وغیرہ جیسے گناہ کبیرہ کے مرتکب دکھاتے ہیں۔

معروف مقلد مولوی محمد احتشام الحسن فرماتے ہیں، ہم انتہائی ذلت وخواری افلاس ونا داری میں مبتلا نظر آتے ہیں نہ زور قوت ہے نہ زر و دولت ہے نہ شان وشوکت ہے نہ باہمی اخوت و الفت نہ عادات اچھی نہ اخلاق اچھے نہ اعمال اچھے نہ کردار اچھے ہر برائی ہم میں موجود اور ہر بھلائی سے کوسوں دور، اغیار ہماری اس زبوں حالی پر خوش ہیں اور برملا ہماری کمزوری کو اچھالا جاتا ہے، اور ہمارا مضحکہ اڑایا جاتا ہے اسی پر بس نہیں بلکہ خود ہمارے جگر گوشے نئی تہذیب کے دلدادہ نوجوان اسلام کے مقدس اصولوں کا مذاق اڑاتے بات بات پر تنقیدی نظر ڈالتے ہیں اور اس شریعت مقدسہ کو ناقابل عمل، لغو اور بیکار گردانتے ہیں۔

(مسلمانوں کی موجودہ پستی کا واحد علاج ص۲ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ)۔

ایسی متعدد عبارات پیش کی جاسکتی ہیں، مگر ہم اس پر ہی اکتفا کرتے ہیں امید ہے کہ مقلد انوار

صاحب کو اس سے اچھا خاصا افاقہ ہوگا۔

مؤلف حدیث اور اہل حدیث جو جواب اس کا دیں گے وہی جواب ہماری طرف سے نواب صدیق الحسن خاں محدث قنوجی وغیرہ کا سمجھ لیں۔

فتویٰ تکفیر کی ابتدا کس طرف سے ہوئی:

مقلد انوار صاحب نے یہاں پر یہ اعتراض بھی اٹھایا ہے کہ اہل حدیث حنفیوں کو مشرک و بدعتی جہنمی بتلاتے ہیں اور ان سے نکاح کو ناجائز کہتے ہیں۔ (حدیث اور اهل حدیث ص ١٠٤)۔

الجواب: اولاً ہم پہلے بھی وضاحت کر چکے ہیں کہ جو مقلد قرآن و سنت کے بالمقابل اپنے امام کے قول کو ترک کردے اور توحید و سنت کا پابند ہو وہ ہمارے نزدیک مشرک نہیں ہے۔

ثانیا: فتویٰ تکفیر کی ابتدا حنفیوں کی طرف سے ہوئی تھی، پہلا فتویٰ **جامع الشواهد فی اخراج الوهابین عن المساجد** کے عنوان سے مولوی وصی احمد سورتی نے شائع کیا دوسرا فتویٰ مولوی محمد لدھیانوی نے، **انتظام المساجد باخراج اهل الفتن والمفاسد**، کے عنوان سے شائع کیا۔

پہلی کتاب بریلوی مکتب فکر کی طرف سے ۱۲۹۸ھ میں شائع ہوئی دوسری دیوبندی گروپ کی طرف سے شائع ہوئی، مگر دونوں پر بریلوی دیوبندی اکابرین کے دستخط ہیں۔ جامع الشواہد تو دیوبندی حضرات کی معروف کتاب، فتح المبین، میں بھی درج ہے۔ جس میں اہل حدیث پر بے ہودہ قسم کے الزامات لگا کر انہیں ضال و مضل، اہل بدعت، جہنمی، اہل سنت سے خارج، ان کی اقتداء جائز نہیں، ان کو اپنی مسجدوں میں نہ آنے دیا جائے، ان کا ذبیحہ حلال نہیں، نکاح ان سے جائز نہیں، وغیرہ جیسے فتاویٰ لگائے گئے ہیں۔

مولوی محمد یعقوب دیوبندی فرماتے ہیں۔

عقائد اس جماعت کے جب کہ خلاف جمہور اہل سنت ہیں تو بدعتی ہونا ان کا ظاہر ہے اور مثل تجسیم اور تحلیل چار سے زیادہ ازواج کے اور تجویز تقیہ اور برا کہنا سلف صالحین کا فسق یا کفر ہے تو اب نماز اور نکاح اور ذبیحے میں ان کے احتیاط لازم ہے جیسے روافض اور خوارج کے ساتھ احتیاط چاہئے، حررہ محمد یعقوب النانوتوی عفا عنہ القوی۔

رشید احمد گنگوہی عفی عنہ، ابوالخیرات سید احمد عفی عنہ، محمود حسن عفی اللہ عنہ، محمد محمود دیوبندی۔

(جامع الشواهد مندرجه فتح المبين ص ٤٦٦)۔

شاید بعض لوگ یہ کہہ دیں کہ یہ قصہ ماضی ہے۔ آج کے دیوبندی اس کیے پر شرمندہ ہیں، تو یہ ان کی غلطی ہے۔ دیوبندیوں کے تمام جدید فتاویٰ میں اہل حدیث کی اقتداء کو ناجائز لکھا ہے، یہاں پر ایک

دفعہ تبلیغی جماعت آئی، وہ باجماعت نماز پڑھنے سے پہلے انفرادی طور پر صبح کی نماز پڑھ لیا کرتے تھے اورظہر و عصر مغرب و عشاء بعد میں ادا کرلیا کرتے اور اہل حدیث امام کی اقتدا میں بھی نماز پڑھا کرتے، راقم کو کسی طرح اس کا علم ہوگیا امیر جماعت نے اعتراف کرلیا، مجھے نہایت تاسف ہوا، اگلے روز میں نے نماز فجر کے بعد درس دیا، جس میں اکابر دیوبند کے شرکیہ اقوال پر تبصرہ کیا، انہیں اس کے جواب کی ہمت تو نہ ہوئی البتہ دوسرے گاؤں چلے گئے، یہ بالکل سچا واقعہ ہے وکفی باللہ شہیدا۔

گزارشات کا مقصد یہ ہے کہ مولانا عبد القادر حصاروی کی کاروائی جوابی ہے۔ اس کی ابتدا مقلد انوار خورشید صاحب کے اکابرین نے کی تھی۔

بخاری شریف آگ میں العیاذ باللہ:

مقلد انوار خورشید صاحب نے امام بخاری رحمہ اللہ کے خلاف دل کی بھڑاس نکالنے کے لئے امام بخاری رحمہ اللہ اور ان کی صحیح بخاری کو مطعون کرنے کے لئے نہایت عیارانہ چال چلی ہے کہ سانپ بھی مرے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے، پر عمل کرتے ہوئے اختر کاشمیری کے حوالے سے فرماتے ہیں کہ اس سیشن کے آخری مقرر گوجرانوالہ کے اہل حدیث عالم مولانا بشیر الرحمٰن مستحسن تھے۔ مولانا مستحسن بڑی مستحب قسم کی چیز ہیں، علم محیط جسم بسیط کے مالک، ان کا انداز تکلم جدت آلود اور گفتگو رف ہوتی ہے۔ فرمانے لگے اب تک جو کچھ کہا گیا ہے وہ قابل قدر ضرور ہے قابل عمل نہیں۔ اختلاف ختم کرنا ضروری ہے مگر اختلاف ختم کرنے کے لئے اسباب اختلاف کو مٹانا ہوگا، فریقین کی جو کتب قابل اعتراض ہیں۔ ان کی موجودگی اختلاف کی بھٹی کو تیز تر کررہی ہے کیوں نہ ہم ان اسباب کو ہی ختم کردیں؟ اگر آپ صدق دل سے اتحاد چاہتے ہیں تو ان تمام روایات کو جلانا ہوگا جو ایک دوسرے کی دل آزاری کا سبب ہیں، ہم بخاری کو آگ میں ڈالتے ہیں آپ اصول کافی کو نذر آتش کریں، آپ اپنی فقہ صاف کریں ہم اپنی فقہ صاف کردیں گے۔

(آتش کدہ ایران ص۱۰۹)، (حدیث اور اہل حدیث ص ۱۰۷)۔

الجواب: اولاتو یہ سارا واقعہ بیہودہ بکواس ہے۔ جماعت اہل حدیث پر صریحاً بہتان ہے۔ رب محمد ﷺ کی قسم یہ سیاہ کالا جھوٹ ہے پورے شہر گوجرانوالہ میں بلکہ ضلع گوجرانوالہ میں بلکہ پورے صوبہ پنجاب میں، بلکہ پورے پاکستان میں کوئی ایسا سلفی عالم نہیں جس کا نام بشیر الرحمٰن مستحسن ہو، ممکن ہے کہ مقلد انوار خورشید جھوٹ کی وکالت کرتے ہوئے یہ کہہ دے کہ آج نہیں تو کبھی ہوا ہوگا۔ لہٰذا ہم پوری ذمہ داری سے ماضی میں بھی اس کی نفی کرتے ہیں۔ یہ بات ملحوظ رہے کہ اختر کاشمیری منکرین حدیث گروپ سے تعلق رکھتا ہے، دیوبندیوں کے مفتی شامزی نے عقیدہ ظہور مہدی احادیث کی روشنی کے

صفحہ ۲۱ پر اس کا رد لکھا ہے۔ لہذا ایسے ویسے کا حوالہ توہین احادیث کے سلسہ میں قطعاً قبول نہیں ہے۔

ثانیا: انوار خورشید نے تو ہمیں بدنام کرنے کے لئے جھوٹ کا سہارا لیا ہے، ہم ان کا مکروہ چہرہ دکھانے کے لئے ایک نہایت اہم واقعہ کی طرف توجہ دلاتے ہیں، تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ ۲۰۰۴ھ میں بٹگرام میں دیوبندی جماعت نے اہل حدیث کی مسجد کو شہید کردیا تھا، سامان وغیرہ کو آگ لگا دی تھی۔جس میں قرآن پاک کے متعدد نسخے بھی جلا دیے گئے، جلے ہوئے قرآن کی فوٹو ہمارے مخلص اور دینی بھائی الشیخ محمد زبیر علی زئی محدث حضرو حفظہ اللہ نے، بدعتی کے پیچھے نماز کا حکم ص ۳۹ و ۴۰ میں درج کردی ہیں، مذکورہ بہتان میں تو بخاری کو آگ میں صرف ڈال دینے کی دعوت کا ذکر ہے مگر دیوبندیوں نے قرآن کو آگ ہی لگا دی۔

حقیقت یہ ہے کہ مبتدعین دیابنہ کے دل میں عظمت قرآن نام کی کوئی چیز ہی نہیں ہے۔ دیوبندیوں کے معروف عالم مولوی محمد تقی عثمانی فرماتے ہیں۔

اذا سال الدم من انف انسان یکتب فاتحة الکتاب بالدم علی جبهته و انفه یجوز ذلك للاستشفاء والمعالجة ولو کتب بالبول ان علم ان فیه شفاء لاباس بذلك۔

یعنی اگر انسان کی نکسیر پھوٹ پڑے اور نکسیر کے خون سے اگر سورۃ فاتحہ کو پیشانی اور ناک پر لکھا جائے تو یہ علاج معالجہ کے لئے جائز ہے۔ اور اگر علم ہو کہ پیشاب سے لکھنے سے آرام آجائے گا تو تب بھی کوئی حرج نہیں۔ (تکملة فتح الملهم ص۳۰۳ ج۲ مطبوعه مکتبه دارالعلوم کراچی سنہ۱٤۲۰ھ)

ثالثا: موصوف نے آگے وحید الزمان اور فیض عالم صدیقی کی عبارات ذکر کی ہیں۔ جوابا عرض ہے کہ یہ دونوں بزرگ حنفیت کو ترک کرکے اہل حدیث ہوئے تھے، او رماضی کے جراثیم ہی ان میں تھے، پھر فیض عالم صدیقی علم حدیث سے ناواقف تھے، انہوں نے اہل حدیث سے تو کجا کسی دیوبندی بریلوی سے بھی دورہ حدیث نہ کیا تھا، اس لئے وہ اس فن سے لاعلم تھے۔ ہاں البتہ علامہ وحید الزماں علم حدیث میں تبحر رکھتے تھے۔ مگر ان کا اعتراض کوئی اعتراض نہیں۔ بھلا یہ بھی کوئی اعتراض ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے فلاں راوی سے روایت کیوں نہیں لی۔ حالانکہ امام بخاری رحمہ اللہ نے قطعا یہ دعویٰ نہیں کیا کہ تمام ثقہ راویوں سے میں ضرور روایت لوں گا حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

ومن الثقات الذین لم یخرج لهم فی الصحیحین خلق

یعنی ثقہ راویوں کی کثیر تعداد سے صحیحین میں روایت نہیں لی گئی۔ (الموقظه ص۸۱)۔

علامہ ماردینی حنفی فرماتے ہیں

لایضر کون الشیخین لم یحتجا به لانهما لم یلتز ما الاخراج عن کل ثقة علی ما عرف فلا یلزم من کونهما لم یحتجابه ان یکون ضعیفا۔

یعنی اس راوی سے بخاری و مسلم کا احتجاج نہ کرنا نقصان کا باعث نہیں کیونکہ انہوں نے ہر ثقہ راوی سے روایت لینے کا التزام نہیں کیا جیسا کہ معروف ہے لہٰذا شیخین کا احتجاج نہ کرنا اس کے ضعف کا باعث نہیں۔ (الجوهر النقی ص۱۹۲ ج۱)۔

رابعا: حقیقت یہ ہے کہ حنفیوں کے چھوٹے بڑے کو بخاری شریف سے چڑ ہے۔ان کے اکابرین نے باقاعدہ بخاری کے رد میں کتابیں تحریر کی ہیں۔

معروف مقلد ڈاکٹر عمر کریم پٹنوی نے، الجرح علی البخاری، اور القول المحکم کے نام سے دو کتابیں تحریر کی تھیں،جن کا جواب مولانا محمد ابوالقاسم بنارسی نے، الامر المبر لابطال الکلام المحکم کے نام سے دیا،مولانا اشفاق الرحمٰن کاندھلوی مقلد حنفی دیوبندی (محشی موطام امام مالک) کے صاحب زادے گرامی قدر مولوی حبیب الرحمٰن کاندھلوی مقلد نے، مذہبی داستانیں میں صحیح بخاری و مسلم کی بیسیوں احادیث مرفوعہ کو من گھڑت اور باطل قرار دیا تھا،جس کا جواب الشیخ الفاضل استاد العلماء ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ نے،احادیث صحیح بخاری و مسلم کو مذہبی داستانیں بنانے کی ناکام کوشش، کے نام سے دیا، مقلد انوار خورشد کا لنگوٹیا یار معروف مقلد حبیب اللہ ڈیروی نے، ہدایہ علماء کی عدالت،میں امام بخاری رحمہ اللہ اور صحیح بخاری پر پچیس اعتراضات کیئے ہیں۔ اس کا جواب بھی الشیخ الفاضل مولانا ارشاد الحق اثری نے امام بخاری رحمہ اللہ پر بعض اعتراضات کا جائزہ، کے نام سے لکھا ہے جو مطبوع و متداول ہے، انوار صاحب کا مقصد بھی امام بخاری رحمہ اللہ پر اعتراض کرنا ہی ہے، مگر انوار خورشید چالاک ہے دوسروں کے مونڈوں پر رکھ کر فائرنگ کر کے اپنا مدعا حاصل کرنے کی سعی لاحاصل کر رہا ہے۔ سنئے بخاری و مسلم پر طعن کرنے والا بدعتی ہے،شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں

اما الصحيحان فقد اتفق المحدثون على ان جميع مافيهما من المتصل المرفوع صحيح بالقطع وانهما متواتران الى مصنفيهما وانه كل من يهون امرهما فهو مبتدع متبع غير سبيل المومنين، وان شئت الحق الصراح فقسهما بكتاب ابن ابى شيبة وكتاب الطحاوى ومسند الخوارزمى وغيرهما تجد بينها وبينهما بعد المشرقين۔

یعنی صحیحین کی شان یہ ہے کہ تمام محدثین کا اتفاق ہے اس پر کہ ان دونوں کتابوں میں جو احادیث متصل مرفوع ہیں وہ سب یقیناً صحیح ہیں اور یہ کتابیں اپنے مصنفوں تک متواتر ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ جو کوئی ان دونوں کتابوں کی شان ہلکی کرے وہ بدعتی ہے، اور مومنوں کا راستہ چھوڑ کر دوسری راہ پر چلنے والا ہے، اگر تو خالص حق چاہتا ہے تو بخاری و مسلم کو مصنف ابن ابی شیبہ، طحاوی اور مسند خوارزمی کے ساتھ تقابل کر کے دیکھ لے، ان دونوں اور ان کتابوں کے درمیان تو مشرق و مغرب کا فرق پائے گا۔ (حجة الله البالغه ص۱۳٤ ج۲)۔

مقلد انوار خورشید کی گپ:

فرماتے ہیں کہ غیر مقلدین کی بخاری سے عقیدت صرف زبانی جمع خرچ تک محدود ہے کیونکہ جب انہیں بخاری شریف سے ان کے مؤقف کے خلاف حدیثیں دکھلائی جاتی ہیں اور ان کے مؤقف کے برعکس امام بخاری علیہ الرحمۃ کا اجتہاد دکھلایا جاتا ہے تو ان کی ساری عقیدت کافور ہوجاتی ہے، بخاری شریف میں سینکڑوں احادیث ایسی ہیں جن پر غیر مقلدین عمل نہیں کرتے اورامام بخاری کے بیسیوں اجتہادات ایسے ہیں جنہیں غیر مقلدین ماننے کے لئے تیار نہیں۔

(حدیث اور اهل حدیث ص۱۰۶)۔

الجواب: اولاً صحیح بخاری کی جملہ احادیث کو ہم قبول کرتے ہیں، ان پر عمل کرنے کی کوشش کرتے ہیں، کیونکہ وہ صحیح سندوں سے نبی ﷺ کے اقوال و افعال مروی ہیں، ان کا انکار صحیح احادیث کا انکار ہے۔ جو کوئی اہل حدیث قطعاً نہیں کرتا یہ انوار صاحب کی زیادتی ہے، کاش مقلد صاحب ان سینکڑوں احادیث کی نشاندہی بھی کرتے تو ہم ان پر غور بھی کرتے، یقین جانئے کہ یہ موصوف کا وہم ہے، جس کا حقیقت سے ذرا بھی تعلق نہیں۔

ثانیاً: بلاشبہ ہم امام بخاری رحمہ اللہ کے بعض اجتہادات کو قبول نہیں کرتے، مگر امام بخاری رحمہ اللہ کے جو اجتہادات قرآن وسنت اور آثار صحابہ کرام سے مؤید ہیں، وہ ہم قبول کرتے ہیں، یہ بات ملحوظ رہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کے اجتہادات قرآن وسنت کا درجہ نہیں رکھتے کہ ان کا انکار احادیث رسول اللہ ﷺ کا انکار ہو، امام بخاری رحمہ اللہ مجتہد مطلق تھے۔ اور مجتہد اجتہاد کرنے میں خطاء بھی کرسکتا ہے، **المجتهد يخطي ويصيب** مسلمہ اصول ہے، اس سے انکار محض تقلیدی ضد اور تعصب ہے۔ وبس۔

بلاشبہ امام بخاری امت مرحومہ کے عظیم محسن ہیں، یہ ان چند بزرگ ہستیوں میں سے ہیں، جن پر پوری امت مرحومہ کو فخر ہے۔ مگر ہم امام بخاری رحمۃ اللہ کے مقلد قطعاً نہیں۔

امام طحاوی کی امام مزنی سے ناراضگی:

مقلد انوار صاحب فرماتے ہیں: مولوی عبدالعزیز ملتانی ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں، جواب اس کا یہ ہے کہ یہ سب امام طحاوی حنفی کا نظریہ ہے جو کسی طرح بھی قابل وثوق نہیں، آپ امام مزنی کے بھانجہ اور شاگرد ہیں اپنے ماموں سے کسی وجہ سے ناراض ہو کر حنفی ہو گئے پھر کیا تھا حنفی مذہب کی حمایت اور تائید میں ایک مستقل کتاب بنام معانی الآثار لکھ ماری جس میں ضعیف حدیثوں کی تصحیح اور صحاح کی تضعیف کر کے احناف کی رضا جوئی حاصل کی۔

(فیصلہ رفع الیدین ص ۱۰ مندرج استیصال التقلید)

غیر مقلدین کے دل میں ذرا خوف خدا نہیں، اتنے بڑے جلیل القدر محدث پر الزام لگاتے ہوئے حیا نہیں آئی بے دھڑک جو منہ میں آیا کہہ دیا۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۱۱۱)۔

الجواب: اولا شرم وحیا اور خوف رب العالمین تو خود انوار خورشید میں نہیں جس نے حقیقت سے علی الا علان انکار کردیا ہے، حالانکہ اس واقعہ کو علامہ ذہبی نے (سیر اعلام النبلاء ص ۵۰۶ ج ۱۱) میں نقل کیا ہے اس کے علاوہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے، لسان المیزان ص ۲۷۵ ج ۱ میں (ابن خلکان نے، وفیات الاعیان ص ۵۷ ج ۱ مترجم) میں اور معروف حنفی بزرگ صمیری نے، اخبار ابی حنیفہ واصحابہ ص ۱۶۲ میں بیان کیا ہے، گوکوثری نے اس واقعہ کی صحت سے انکار کیا ہے، مگر کوثری نے ہر اس حقیقت سے انکار کرنے کی قسم اٹھا رکھی تھی جس سے حنفیہ کی تنقیص ہوتی تھی۔

ثانیا: کتب طحاوی نایاب نہیں بلکہ مطبوع و دستیاب ہیں۔ ہر ذی علم ان کو پڑھ کر یہ رائے قائم کرلیتا ہے کہ ضعیف و منکر روایات کے بالمقابل صحیح وحسن احادیث لاکر ضعیف و منکر روایات کو ترجیح دیتا ہے۔ علامہ ابن تیمیہ فرماتے ہیں۔

والطحاوی لیست عادته نقد الحدیث کنقد اهل العلم ولهٰذا روی فی شرح معانی الاثار الاحادیث المختلفة وانما یرجح مایرجحه منها فی الغالب من جهة القیاس الذی راٰه حجة ویکون اکثرها مجروحامن جهة الاسناد لایثبت ولا یتعرض لذلک فانه لم تکن معرفته بالاسناد کمعرفة أهل العلم به وان کان کثیر الحدیث فقیها عالما۔

یعنی طحاوی کی عادت نقد حدیث میں اہل علم کی طرح نہیں اور یہی وجہ ہے کہ وہ شرح معانی الاثار میں مختلف احادیث لاتے ہیں اور اس میں جن کو وہ حجت سمجھتے ہیں انہیں اکثر قیاس کے لحاظ سے ترجیح دیتے ہیں، حالانکہ ان میں اکثر سند کے اعتبار سے غیر ثابت شدہ ہوتی ہیں، اور سند کے لحاظ سے تعرض نہیں کرتے کیونکہ اہل علم کی طرح اسے اسناد کی معرفت نہیں گو عالم فقیہہ اور کثیر الحدیث ہیں۔ (منهاج السنة ص ۱۹٤ ج ٤)۔

تحریک اہل حدیث کا مقصد:

مقلد انوار خورشید صاحب نے کافی لمبی بحث کی ہے کہ غیر مقلدین کا مقصد احیاء سنت نہیں بلکہ مطمح نظر فقط اختلافی مسائل کو ہوا دینا ہے، اور ہر اس کام کا الٹ کرنا ہے جو حنفیہ کا معمول ہے۔

(حدیث اور اہل حدیث ص ۱۱۲تا۱۱۹)۔

الجواب: اولا شخصی کمزوریاں کسی جماعت میں نہیں؟، کیا دیوبندیت کا ہر فرد معصوم عن الخطاء

ہے، اور ولی اللہ ہے، نہیں ہرگز نہیں بلکہ حنفیت میں اکثریت ایسے افراد کی ہے، جو شرعی لحاظ سے فاسق و فاجر اور منافق کے زمرہ میں آتے ہیں۔ کذب وعدہ خلافی اور امانت میں خیانت ان میں عام ہے۔ مبتدعین دیابنہ کے اکثر مولوی بالخصوص جو دیہاتی ہیں، وہ قل دسواں، جیسی بدعات میں شرکت کرلیا کرتے ہیں ہم بیسیوں ایسے مولویوں کی نشان دہی کرواسکتے ہیں جو دیوبندی ہیں مگر ختم پڑھتے، توحید و سنت کی بجائے کرامات سنا کر خطبہ جمعہ پڑھاتے ہیں، جس گاؤں میں گئے وہی ان کا مذہب و مسلک ہوگیا۔ ابھی تو کل کی بات ہے مجلس عمل نے ساجد نقوی (شیعہ) کی اقتداء میں نماز ادا کی ہے۔ تبلیغی جماعت کے افراد ان لوگوں کی اقتدا میں بھی نمازیں ادا کرتے ہیں جو مبتدعین دیابنہ کے نزدیک مشرک و بدعتی ہیں۔ یہاں ایک تبلیغی جماعت آئی اس کا امیر رفع الیدین کرتا تھا۔ راقم نے اسے سمجھایا کہ آپ اگر ہماری رضا و خوشنودی کے لئے ایسا کرتے ہیں تو یہ غیر مناسب ہے، فرمانے لگے کہ میں تو اہل حدیث ہوں، اس پر راقم نے اس کا امتحان لیا تو ناکام ہوگیا اور ترک رفع پر بھی عمل شروع کردیا۔ عوام الناس میں ہوائے نفس کا مرض اتنا شدید ہے کہ اس کا انکار دوپہر کے وقت سورج کا انکار ہے، اب ہم دیوبندی اکابرین کے خواص کی باتیں عرض کرتے ہیں، مولوی محمد قاسم نانوتوی فرماتے ہیں کہ میں سخت نادم ہوا اور مجھ سے بجز اس کے کچھ بن نہ پڑا کہ میں جھوٹ بولوں لہٰذا میں نے جھوٹ بولا اور صریح جھوٹ میں نے اسی روز بولا تھا۔

(ارواح ثلاثہ ص ۳۱۵ حکایت ۳۹۱)۔

حنفیوں کی ابن الوقتی تو زبان زد عام ہے، گاؤں میں نماز جمعہ وعیدین ان کے نزدیک ناجائز ہے، مگر تمام حنفی جمعہ وعیدین گاؤں میں عوام الناس کے ڈر سے ادا کرتے ہیں۔ مقلد مولوی اشرف علی تھانوی صاحب تو ایک مدت تک بریلویت کا روپ دھار کر مجلس میلاد میں شرکت کرتے رہے، اور جب باز پرس ہوئی تو جواب دیا۔

وہاں بدون شرکت ان مجالس کے کسی طرح قیام ممکن نہیں ذرا انکار کرنے سے وہابی کہہ دیا درپے تذلیل وتوہین وجسمانی کے ہوگئے......

بہرحال وہاں بدون شرکت قیام کرنا قریب بمحال دیکھا اور منظور تھا وہاں رہنا کیونکہ دنیوی منفعت بھی ہے کہ مدرسہ سے تنخواہ ملتی ہے۔ (تذکرۃ الرشید ص ۱۱۸ ج ۱)۔

دیکھا جناب دنیاوی مفاد کے لئے بدعت کو قبول کرلیا، اب بھی یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہمیں سنت سے محبت ہے، حقیقت یہ ہے کہ ابن الوقتی متبدعین دیابنہ کو وراثت میں ملی ہے، امام محمد اور قاضی ابو یوسف خلیفہ ہارون الرشید کی خوشنودی کے لئے عیدین کی نماز میں باراں تکبیریں کہہ لیا کرتے تھے، تفصیل کے لئے تحفہ حنفیہ ص ۵۵۴ کی مراجعت کریں۔

غور کریں کہ مبتدعین دیابنہ کے اکابر اگر ارباب حکومت کی خوشنودی کے لئے اپنا مسلک و مذہب چھوڑ دیں تو فقیہی کہلائیں اور دنیاوی مفاد کے لئے بدعات کو اپنالیں تو حکیم الامت بن جائیں صریح جھوٹ بولیں تو شمس الاسلام اور الامام الکبیر بھی رہیں، اس دیس میں کوئی اہل حدیث فتنہ کے ڈر سے سنت ترک کردے تو قابل ملامت اور مستحق طعن ہے، جب اپنی باری آئی تو مصلحت وقت کی تمام آیات و احادیث کو بیان کردیا جائے، شاید تقیہ کے جواز کا فتویٰ بھی دیا جائے۔ مسند احمد ص۲۵، ۳۶۳ ج ۵ میں حدیث ہے کہ نبی ﷺ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور اس شرط پر مسلمان ہوا کہ میں صرف دو نمازیں پڑھوں گا، آپ علیہ الصلوۃ والسلام نے اس کو قبول فرمایا۔ گو مقلد مولوی سرفراز خاں صفدر نے اس پر فضول قسم کی جرح کی ہے مگر آخر میں لکھا ہے کہ۔

اس حدیث میں تو اس کا ذکر تک نہیں کہ آنحضرت ﷺ نے اس کو باقی تین نماز معاف کردی تھیں بلکہ اس کا ذکر ہے کہ اس شخص نے کہا کہ میں مسلمان اس شرط پر ہونا چاہتا ہوں کہ صرف دو نمازیں پڑھوں گا، چونکہ اسلام قبول کرنا افضل ترین عبادات میں داخل ہے اور نماز وغیرہ تمام عبادات پر مقدم ہے، اس لئے آنخضرت ﷺ نے نرمی اختیار کی کہ پہلے مسلمان ہوجائے پھر یہ خود بخود ان شاء اللہ پانچوں نمازیں پڑھتا رہے گا، اور اگر پہلے ہی اس کو پانچ نمازیں منوائی جائیں تو ممکن ہے کہ یہ اسلام ہی سے نہ بھاگ جائے۔ (دل کا سرور ۱٤١)۔

شاید مولانا سرفراز خاں مقلد صاحب کی اس فقاہت کی روشنی میں ہی مجلس عمل نے ساجد نقوی کی اقتداء میں نماز پڑھ لی تھی۔ اور تبلیغی جماعت والے بریلوی مکتب فکر کے علمائے کرام کی بھی اقتدا کر لیتے ہیں، خیر ہماری بلا جانے، ہمارا مقصود تو فقط اتنا ہے کہ مصلحت وقت بھی شریعت میں قابل تعریف چیز ہے۔ بالخصوص جس کے گھر میں مسئلہ رفع الیدین کی وجہ سے فتنہ کھڑا ہوجائے اولاد کو رفع الیدین کرتے ہوئے دیوبندی باپ برداشت نہ کر سکے، تو دیوبندی والدین کی طرف سے اٹھائے ہوئے فتنہ کو مٹانے کے لئے ان کے سامنے نہ کرے غیر حاضری میں کرلیا کرے، یہ سنت سے نفرت نہیں بلکہ مبتدعین دیابنہ کی پیدا کردہ مشکلات کا حل ہے اور اس کا گناہ ان کے مقدس سر پر ہے، ورنہ تحریک اہل حدیث کی بنیاد جن چیزوں پر رکھی گئی تھی، اس کے متعلق سید سلیمان ندوی فرماتے ہیں کہ بہرحال اس تحریک کے جو اثرات پیدا ہوئے اور اس زمانہ سے آج تک ہمارے دور ادبار کی ساکن سطح میں اس سے جو جنبش ہوئی وہ بھی ہمارے لئے بجائے خود مفید اور لائق شکریہ ہے، بہت سی بدعتوں کا استیصال ہوا۔ توحید کی حقیقت نکھاری گئی، قرآن پاک کی تعلیم و تفہیم کا آغاز ہوا، قرآن پاک سے براہ راست ہمارا رشتہ دوبارہ جوڑا گیا حدیث نبوی کی تعلیم و تدریس اور تالیف واشاعت کی کوششیں کامیاب ہوئیں اور دعویٰ کیا جاسکتا ہے کہ ساری دنیائے اسلام میں ہندوستان ہی کو صرف اس تحریک کی بدولت یہ دولت نصیب ہوئی، نیز فقہ

کے بہت سے مسئلوں کی چھان بین ہوئی۔ (یہ اور بات ہے کہ کچھ لوگوں سے غلطیاں بھی ہوئی ہوں) لیکن سب سے بڑی بات یہ ہے کہ دلوں سے اتباع نبوی کا جو جذبہ کم ہوگیا تھا وہ سالہا سال تک کے لئے دوبارہ پیدا ہوگیا، مگر افسوس ہے اب وہ بھی جارہا ہے، اس تحریک کی ہمہ گیر تاثیر یہ بھی تھی کہ وہ جہاد جس کی آگ اسلام کے مجمر میں ٹھنڈی پڑگئی تھی، وہ پھر بھڑک اٹھی۔

(مقدمہ تراجم علمائے حدیث ۳۵ص)۔

نوافل رواتب:

انوار خورشید صاحب نے تقلیدی ہاتھ کی صفائی دکھاتے ہوئے یہاں پر متعدد مسائل کو بیان کردیا ہے کہ یہ یہ سنتیں اہل حدیث کے ہاں متروک ہیں، رفع الیدین کے بعد نوافل روابت پر علمائے اہل حدیث کے فتاویٰ نقل کئے ہیں کہ ان کے پڑھنے سے ثواب ہوتا ہے، اورتارک گناہ گار اور کافر نہیں ہے۔ جماعت غرباء کے مفتی صاحب نے اس پر حدیث صحیح سے استدلال کیا تھا، مقلد انوار خورشید نے اس حدیث کا تو جواب نہیں دیا ہاں البتہ یہ کہہ دیا ہے کہ ان لوگوں کے یہاں مسئلہ ہی یہ ہے کہ سنت کی خلاف ورزی جائز اور اس کے ترک پر کوئی گناہ نہیں۔

(حدیث اور اھل حدیث ص ۱۱۵)۔

حالانکہ یہ دعویٰ کسی سلفی عالم نے قطعاً نہیں کیا کہ تارک سنت پر کوئی گناہ نہیں، یہ انوار خورشید کی زیادتی ہے فرض نماز کے بعد اور پہلے پڑھی جانے والی نماز کا درجہ نفل کا ہے۔، خود نبی رحمت ﷺ نے انہیں نفل قرار دیا ہے۔ سیدہ ام المومنین ام حبیبہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ۔

سمعت رسول الله ﷺ يقول ما من عبد مسلم يصلى لله كل يوم ثنتى عشره ركعة تطوعا غير فريضة الابنى الله له بيتا فى الجنته، او الا بنى له بيت فى الجنة۔

میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ آپ فرمارہے تھے کہ کوئی مسلمان ایسا نہیں جس نے اللہ کی رضا کے لئے ہر دن باراں رکعت نماز نفل غیر فرض کو پڑھا، مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں گھر بنوائے گا یا یہ فرمایا کہ اس کے لئے جنت میں گھر بنوایا جائے گا۔

(صحیح مسلم کتاب صلاۃ المسافرین باب فضل السنن الراتبہ ......رقم الحدیث ۱۶۹۶)، سنن ترمذی، رقم الحدیث ۴۱۵)۔

وغیرہ میں صراحت ہے کہ یہ باراں رکعات کون سی ہیں۔ اربعا قبل الظهر وركعتين بعدها وركعتين بعد المغرب وركعتين بعد العشاء وركعتين قبل الفجر، الحديث، یعنی چار رکعت نماز ظہر سے پہلے، اور دو رکعت بعد، اور دو رکعات نماز مغرب کے بعد اور دو رکعتیں ہی نماز عشاء کے بعد اور دو

رکعتیں نماز فجر سے پہلے۔

(كتاب الصلاة باب ماجاء فيمن صلى في يوم وليلة ثنتى عشرة......)

اس حدیث صحیح صریح سے ثابت ہوا کہ یہ باراں رکعتیں نفل ہیں اور نوافل کو ادا کرنا بہرحال فضیلت ضرور ہے مگر اس کا تارک گناہ گار نہیں، کیونکہ خود نبی کریم ﷺ نے ایک اعرابی صحابی اور دوسرے نجدی صحابی کو محض فرائض ادا کرنے پر جنت کی بشارت سنائی تھی۔

(بخاری و مسلم بحواله مشکوٰۃ رقم الحدیث ۱۴، ۱۶)۔

ان احادیث پر غور کریں یہ اپنے معنی ومفہوم میں کسی حاشیہ آرائی کی محتاج نہیں کہ نوافل رواتب ادا کرنے کی فضیلت ہے، مگر ان کا تارک گناہ گار اور فاسق وغیرہ نہیں، یہی جماعت اہل حدیث کے مفتی فتویٰ دے رہے ہیں، لیکن ضعیف حدیث کے بالمقابل قیاس کو ترک کرنے کا جھوٹا دعویٰ کرنے والے مقلد صاحب یہاں صحیح احادیث کو ترک کر کے جماعت اہل حدیث کو مطعون کر رہا ہے۔

حق مہر کی مقدار:

معروف پرویزی اسلم جیراجپوری کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ مولانا محمد بشیر سہسوانی رحمہ اللہ کی بیٹی ایک معزز اور دولت مند رئیس سے بیاہی گئی اور حق مہر پچاس ہزار اشرفی مقرر ہوا، جو خلاف سنت ہے۔

(حدیث اور اهل حدیث ص۱۱۷)۔

ظاہر ہے کہ مقلد انوار خورشید نے یہ حوالہ ہمیں مطعون کرنے کے لئے نقل کیا ہے اور اس پر اعتماد کیا ہے اس نالائق کو آج تک یہ خبر نہیں کہ ایسا بدعتی جس کی بدعت حد کفر کو پہنچ چکی ہو اس کی روایت قطعی طور پر قابل قبول نہیں کیونکہ راوی کا مسلمان ہونا شرط ہے۔ جب آپ نے اس بات کو بخوبی سمجھ لیا تو اب سنئے کہ اسلم جراجپوری منکرین حدیث کا لیڈر اور اس کی طرف دعوت دینے والا تھا، لہٰذا اس کی کوئی روایت قابل قبول نہیں ہے، مزید برآں یہ کہ حق مہر کی مقدار انسان کی توفیق پر ہے۔ حق مہر پچاس ہزار کجا پچاس لاکھ اور پچاس کروڑ بھی رکھا جاسکتا ہے، اور اگر حیثیت معمولی ہو تو اس کی مقدار معمولی بھی رکھی جاسکتی ہے، شرعاً زیادہ نہ کم میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ معروف مقلد محمد یوسف لدھیانوی فرماتے ہیں۔

ہمارے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک مہر کی کم سے کم مقدار دس درہم ہے اور زیادہ مہر کی کوئی مقدار نہیں۔ (آپ کے مسائل ص۱۴۹ ج۵)۔

حق مہر کی مقدار کے متعلق یہ باتیں ہم نے علی وجہ التسلیم عرض کردیں ہیں ورنہ ہمارے نزدیک یہ روایت افسانہ سے بڑھ کر نہیں ہے۔

مقلد انوار خورشید صاحب کے سیپارے واپس نہ لئے:

مقلد انوار صاحب فرماتے ہیں کہ راقم الحروف غیر مقلدین کے ایک مکتبہ پر ان کے مطبوعہ سیپارے تبدیل کروانے کے لئے گیا تو انہوں نے انتہائی حیل و حجت سے کام لیتے ہوئے تبدیل کرنے سے انکار کردیا اس پر راقم نے ان سے کہا کہ حدیث میں تو سودا واپس لینے کی فضیلت وارد ہوئی ہے، حضور علیہ الصلوۃ والسلام فرماتے ہیں۔

من اقال اقال اللہ عشراتہ ، او کما قال۔

جس نے سودا واپس لے لیا اللہ اس کے گناہ معاف فرما دیتے ہیں آپ اچھے اہل حدیث ہیں کہ سودا واپس کرنا تو کجا تبدیل بھی نہیں کر رہے،اس پر وہ منہ میں بڑ بڑاتے ہوئے کہنے لگے انہیں نماز (یعنی رفع الیدین) کی حدیثیں نہیں آتیں، یہ آتی ہے۔ (حدیث اور اهل حدیث ص۱۱۸)۔

الجواب: اولاً کس مکتبہ پر گئے تھے،اور تبدیل کروانے کی ضرورت کیوں پیش آئی، آیا وہ عیب دار تھے،؟ اور وہ عیب جناب کی کسی کتاہی سے آیا یا پہلے ہی موجود تھا، بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ دوکان دار سے کوئی چیز خریدی جاتی ہے وہ عیب دار ہوتی ہے، دوکان دار گاہک سے کہہ دیتا ہے کہ اس میں یہ عیب ہے لہذا واپس اور تبدیل نہ ہوگی، یہ تمام احتمال موجود ہیں۔ تو کس نکتہ نظر پر بحث کی جائے (۱) آپ کی روایت کی تصدیق مفقود ہے (۲) واپسی کی کوئی معقول وجہ موجود نہیں ہے۔

ثانیا: انسان سودا واپس لینے کا پابند نہیں بالخصوص جب کہ مال میں نقص بھی نہ ہو یہ دینے والے پر موقوف ہے ،شریعت میں بھی ترغیب دلائی گئی ہے، پابندی نہیں۔

ثالثا: بات تو مکتبہ کے مدیر نے اچھی کہی تھی کہ نماز جیسی اہم عبادت میں تو آپ احادیث رسول کو پیش نظر نہیں رکھتے یہاں مطلب برآری کے لئے احادیث یاد آگئی ہے۔

رابعا: پھر اس واقعہ کی صحت میں بھی مجھے تامل ہے۔ کیونکہ راقم نے انوار صاحب کو ۲۵ اپریل ۲۰۰۶ھ بروز پیر بعد نماز عصر، فون کیا اور سوال کیا کہ آپ کس مکتبہ پر گئے تھے، تو انہوں نے فرمایا کہ پردے میں ہی رہنے دیں، اور میرے اصرار کرنے پر بھی نہیں بتایا۔

مسائل اہل حدیث:

مقلد انوار صاحب نے یہاں پر اکیس مسائل کی بھی نشاندہی کی ہے کہ یہ یہ مسائل اہل سنت میں متفق ہیں۔ اور اہل حدیث ان کے خلاف عمل کرنے کو جہاد سمجھنے لگے ہیں، پھر موصوف ان مسائل کو درج

کرتے ہیں۔ وہ مسائل کیا ہیں تین چار چھوڑ کر بقایا وہی ہیں جن پر مقلد انوار صاحب نے قلم اٹھایا ہے اور اپنی کتاب میں جی بھر کر دلائل اکٹھے کرنے کی کوشش کی ہے، ان کی حقیقت تو اصل کتاب میں آ رہی ہے ہاں ان مسائل کی یہاں پر وضاحت کردی جاتی ہے جو کتاب میں بیان نہیں ہوئے۔

ایام قربانی:

مقلد انوار صاحب فرماتے ہیں کہ قربانی عید کے چوتھے دن کرنے کو احیاء سنت سمجھتے ہیں حالانکہ کسی صحیح صریح مرفوع حدیث سے چوتھے دن قربانی کرنا ثابت نہیں۔

(حدیث اور اہل حدیث ص ۱۲۲)۔

الجواب: اولا موصوف نے چند صفحات قبل یہ دعویٰ کیا تھا کہ احناف کے یہاں حدیث مرفوع بھی حجت ہے، حدیث موقوف بھی حجت ہے۔ حدیث مرسل بھی حجت ہے اور ضعیف حدیث بھی رائے و قیاس کے مقابلے میں مقدم اور حجت ہے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص۹۸)۔

چاہیئے تو یہ تھا کہ انوار صاحب ان تمام اقسام حدیث کی نفی کرتے کہ کسی بھی حدیث میں چار دن کی قربانی کا ذکر نہیں ہے، چونکہ موصوف کو حدیث کا یقیناً علم تھا اس لئے انکار حدیث کے لئے ساتھ شروط بھی درج کردیں ہیں، پہلی شرط صحیح ہونا، دوسری شرط صریح کا ہونا، تیسری کرنا ثابت ہو یعنی تقریری یا قولی نہ ہو بلکہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا اپنا عمل ہو، چوتھی شرط یہ کہ حدیث میں اسے سنت قرار دیا گیا ہو، پانچویں شرط یہ کہ اس سنت کے احیاء کا بھی ذکر ہو، قارئین کرام غور کریں ان شروط کی کوئی اہمیت ہے، بھلا حدیث کو قبول کرنے کے لئے صریح اور فعلی کا ہونا بھی کوئی شرط ہے، اگر محترم کے نزدیک حدیث کو قبول کرنے کا یہی معیار ہے تو یہ جھوٹا دعویٰ کرنے کی کیا ضرورت تھی کہ ہمارے نزدیک مرفوع و موقوف اور ضعیف بھی حجت ہے، حقیقت یہ ہے کہ ان کے نزدیک صرف قول امام ہی حجت ہے۔ اور جہاں قول امام کے خلاف حدیث ہوگی اس حدیث پر غور کریں گے، اگر فعلی ہوگی تو قولی کا مطالبہ ہوگا اگر قولی ہوگی تو فعلی کا ہوگا، اور اگر دونوں ہوں گی تو ساتھ خلفاء راشدین کے عمل کا مطالبہ پیش کردیں گے، اگر خلفاء کا عمل بھی ہو، تو فقہاء کے عمل کی موافقت کا مطالبہ کردیں گے، اگر فریق مخالف پیش نہیں کریں گا تو کہہ دیں کہ یہ حدیث امت مرحومہ کے نزدیک متروک ہے، غور کریں کہ جو ہمارے آقا ﷺ کی مبارک احادیث کو اپنانا چاہتا ہے اسے یہ کہنے کی کیا ضرورت ہے کہ ان الفاظ سے ہو، آپ کے ایسے ویسے مطالبے ہی ثابت کر رہے ہیں کہ آپ کے دل میں احترام حدیث نام کی کوئی چیز نہیں۔

ثانیا: آیئے ہم آپ کو چار دن کی حدیث دکھاتے ہیں، سیدنا جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

کل ایام التشریق ذبح یعنی تشریق کے تمام دن قربانی کے ہیں۔
(سنن دارقطنی ص ۲۸۴ ج ۴،مسند احمد ص ۸۲ ج ۴ ، ابن حبان (موارد) رقم الحدیث ۱۰۰۸،بیھقی ص ۲۹۶ ج ۹،طبرانی کبیر ص ۱۳۸ ج ۲ رقم الحدیث ۱۵۸۳)۔
ہیثمی فرماتے ہیں کہ مسند احمد کے راوی ثقہ ہیں اور اسے بزار نے بھی روایت کیا ہے اور اس کے راویوں کی توثیق کی گئی ہے۔ (مجمع الزوائد ص ۲٥٤ ج ۳)۔
اور تشریق کے دن دس ذوالحج کے بعد تین دن ہیں۔ بلفظ دیگر چار دن قربانی ثابت ہوئی، چار دن کی قربانی کے قائل سیدنا علی مرتضی رضی اللہ عنہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ اور امام عطا امام حسن امام عمر بن عبد العزیز اور امام شافعی امام اوزاعی ہیں۔ (المحلی بالاثار ص ٤١ ج ٦، والتمہید ص ١٩٦ ج ٢٣)۔

اونٹ کی قربانی میں دس افراد کی شرکت:

مقلد انوار صاحب فرماتے ہیں کہ اونٹ کی قربانی میں دس آدمیوں کو شریک کرنا بھی صحیح سمجھتے ہیں حالانکہ یہ کسی صحیح صریح مرفوع حدیث سے ثابت نہیں بلکہ صحیح حدیث کے خلاف ہے اور ائمہ اہل سنت ائمہ اربعہ میں سے کسی کا بھی مسلک نہیں۔ (حدیث اور اهل حدیث ص ١٢٢)۔
الجواب: دس افراد کے شریک ہونے کی حدیث بھی موجود ہے جیسا کہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ ہم ایک سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے کہ قربانی کا دن آگیا، ہم نے ایک گائے میں سات اور ،،فی الجزور عشرۃ،، اونٹ کی قربانی میں دس افراد نے شرکت کی۔
(ترمذی کتاب الحج ماجاء الاشتراك فی البدنة والبقرة،الحدیث ۹۰۴وسنن نسائی کتاب الضحایا باب ما تجزی عنه البدنة فی الضحایا، الحدیث ۴۳۹۷،، ابن ماجه کتاب الاضاحی باب عن کم تجزی البدنة، الحدیث ۳۱۳۱، ومسند احمد ص ۲۷۵ ج ۱)۔
بلاشبہ سات حصوں والی روایت زیادہ صحیح ہونے کی وجہ سے راجح ہے، مگر یہ روایت بھی حسن درجہ سے کم نہیں، لہٰذا دس حصے کا بھی جواز ثابت ہوا، ممکن ہے کہ انوار صاحب اس حدیث کی سند میں کیڑے ڈالیں تو یہ ان کے کہے ہوئے کے خلاف ہے کہ ضعیف حدیث بھی ہمارے نزدیک حجت ہے۔ رہا انوار صاحب کا کہنا کہ آئمہ اربعہ میں سے کسی کا یہ مسلک نہیں تو یہ بھی محترم کی بھول ہے، کیونکہ امام صرف چار ہی نہیں مزید بھی ہیں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ اور امام اسحاق بن راہویہ رحمہ اللہ کا مسلک تو امام ترمذی نے بیان کیا ہے، اور امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ بھی یہی مؤقف رکھتے تھے۔
بلاشبہ یہ مؤقف جمہور کے خلاف ہے، مگر جمہور کوئی دلیل نہیں احناف نے متعدد اور ان گنت مسائل میں جمہور کی مخالفت کی ہے، جس کی تھوڑی سی تفصیل راقم نے دین الحق کے حصہ دوم میں عرض کردی

ہے۔اور مولانا ابوالحسن سیالکوٹی نے، الظفر المبین جدید میں سو مسائل بیان کیے تھے جس میں امام ابوحنیفہ نے جمہور کی مخالفت کی ہے یہ بات ملحوظ رہے کہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کی مذکورہ روایت کے علاوہ بھی متعدد مرفوع وموقوف روایات ہیں۔ (راجع مرعاۃ ص۱۰۲ ج۵)۔

ایک مجلس کی تین طلاقیں:

موصوف نے ایسے بھی اہل حدیث کے ان مسائل میں ذکر کیا ہے، جس میں اہل سنت کی مخالفت کرتے ہیں، اس نادان دل میں کون یہ بات ڈالے کہ اکھٹی تین طلاقوں کو آئمہ احناف بھی بدعت تسلیم کرتے ہیں، اور بدعت اہل سنت کا مسلک نہیں، پھر اکھٹی تین طلاقوں کے ایک ہونے پر احادیث صحیحہ و مرفوعہ اور آثار صحابہ کرام موجود ہیں متعدد حنفی اور دیوبندی حضرات کے فتاویٰ بھی اس پر موجود ہیں۔ تفصیل دین الحق میں عرض کردی گئی ہے، اور بے شمار ایسے واقعات ہیں کہ حنفیوں نے اہل حدیث مفتی کی طرف رجوع کر کے اپنا گھر آباد کرلیا ہے۔ بعض حنفی علماء بھی رجوع کا مشورہ دے دیتے ہیں۔ (ہاں تحریری فتویٰ دینے سے گریز کرتے ہیں)۔

نارنگ منڈی میں ہمارے ایک مخلص دیوبندی نے دیوبندی علماء کے کہنے پر ہی بیٹی کی رخصتی کردی تھی، مفتی کفایت اللہ، پیر کرم شاہ بھیروی اور متعدد دیگر حنفی حضرات کے فتاویٰ تو مطبوع ہیں۔

(راجع دین الحق ص۶۷۷ ج۲)۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دورے خلافت کے دوسال تک تین طلاقیں ایک طلاق شمار کی جاتی تھی۔ (مسلم ص۳۷۷ ج۱)۔

انوار خورشید صاحب نے یہاں اجماع کا دعویٰ بھی کیا ہے۔ حالانکہ ایک مجلس میں دی ہوئی تین طلاقوں کے ایک شمار ہونے میں حدیث مذکورہ اجماع کی نفی کرتی ہے۔

ایک ہاتھ سے مصافحہ کرنا:

مقلد انوار صاحب فرماتے ہیں کہ مصافحہ ایک ہاتھ سے کرنے میں اپنی شان سمجھتے ہیں۔ حالانکہ ایک بھی صحیح صریح حدیث میں صرف داہنے ہاتھ سے مصافحہ کرنا ثابت نہیں۔

(حدیث اور اہل حدیث ص۱۲۲)۔

الجواب: اولاً مقلد انوار صاحب ہر جگہ پر حدیث صحیح وصریح کا مطالبہ کرتا ہے، جب کہ صحیح سے

نیچے حسن کا بھی درجہ ہے، جو قابل حجت ہے، اسی طرح صریح کا بھی مطالبہ کرتے ہیں، حالانکہ کسی مسئلہ میں صریح حدیث کا نہ ہونا اس بات کو مستلزم نہیں کہ مسئلہ غیر ثابت شدہ ہے، کیونکہ کسی مسئلہ کا کسی حدیث سے مستفاد ہونا بھی شرعی طور پر حجت ہے، اور اس کا انکار محض دھوکا ہے۔

ثانیاً: ایک ہاتھ سے مصافحہ کرنا نبی مکرم ﷺ سے ثابت ہے جیسا کہ سیدنا عبید اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے۔(التمهيد ص ۲۴۷ ج ۱۲)۔

اور بوقت بیعت داہنے ہاتھ سے مصافحہ کرنا بھی آپ علیہ الصلوۃ والسلام سے مروی ہے۔

(صحيح مسلم ص ۷۶ ج ۱)۔

اور بیعت کے وقت مصافحہ ہی کیا جاتا ہے، سیدہ امیمہ رضی اللہ عنہا راویہ ہیں کہ ہم بہت سی عورتیں دین اسلام پر بیعت کرنے کے لئے رسول اللہ ﷺ کے پاس آئیں اور ہم نے بیعت کے وقت مصافحہ کی درخواست کی تو آپ علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا۔

انی لا أصافح النساء،

میں عورتوں سے مصافحہ نہیں کرتا۔ (موطا امام مالك باب ما جاء فى البيعة)

حافظ ابن عبد البر فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں دلیل ہے کہ رسول اللہ ﷺ بیعت کے وقت مردوں سے مصافحہ کرتے تھے۔ (التمهيد ص ۲٤٣ ج ۱۲)۔

اتحاد امت کا قاتل کون؟

چور مچائے شور پر عمل کرتے ہوئے مقلد انوار خورشید صاحب نے یہ الزام بھی لگایا ہے کہ اہل حدیث کا مقصد احیاء سنت نہیں بلکہ امت میں اختلاف و انتشار پھیلانا ہے۔

(حدیث اور اهل حدیث ص ۱۲۲)۔

الجواب: اولاً امت کا اتحاد صرف اور صرف قرآن و سنت پر ہوسکتا ہے کسی امام اور مولوی کی تعلیم کو اپنانے سے اتحاد پارہ پارہ ہوجاتا ہے، ہم تو قرآن و سنت کی طرف دعوت دیتے ہیں، یہی اتحاد امت کا بنیادی پتھر ہے، ارشاد ہوتا ہے۔

واعتصموا بحبل الله جميعا و لا تفرقوا۔ (الايه آل عمران ۱۰۳)۔

اور سب مل کی اللہ تعالیٰ کی (ہدایت کی) رسی کو مضبوط پکڑے رہنا اور متفرق نہ ہونا۔(۳۔۱۰۳)۔

ثانیاً: تحریک اہل حدیث جن چیزوں پر استوار کی گئی تھی ان میں سے احیاء سنت بنیادی مقاصد میں سے ہے۔ آپ لاکھ انکار کریں، حقیقت یہی ہے۔

ثالثاً: پاک و ہند میں اختلاف وانتشار پھیلانے والے حنفی بالخصوص دیوبندی ہیں۔ یہ حضرات شیعہ کے قائد ساجد نقوی کی اقتداء میں تو نماز پڑھ لیتے ہیں۔ (جیسا کہ مجلس عمل نے پڑھی تھی)۔ ان کی اگر نماز نہیں ہوتی تو صرف اہل حدیث کے پیچھے نہیں! تمام متداول دیوبندی فتاویٰ میں اہل حدیث کی اقتداء کو ناجائز لکھا ہے۔

(علی الترتیب دیکھئے فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ص۲۹۱ ج۳و ص ۳۳۳ ج۳و امداد الفتاویٰ ص۲۴۹ ج۱و کفایت اللہ المفتی ص ۳۲ ج۳و خیر الفتاویٰ ص ۴۰۳ ج۲و فتاویٰ حقانیہ ص ۱۳۴ ج۳ وفتاویٰ رحیمیہ ص ۱۸۳ ج۴و عزیز الفتاویٰ ص ۱۹۴ و امداد المفتین ص۳۱۷و امداد الاحکام ص۵۳۷ ج۱و فتاویٰ مفتی محمود ۲۲۸ ج۲و احسن الفتاویٰ ص ۲۸۲ ج۳)۔

یہ ایک درجن فتاویٰ دیابنہ مقلد انوار خورشید کے دعویٰ اتحاد امت کا منہ چڑھا رہے ہیں۔ دیوبندی حضرات اہل حدیث کی اقتداء تو کرنا کجا جہاں بھی ان کا غلبہ ہوتا ہے وہاں ہی یہ اہل حدیث کو اپنی مساجد میں نماز نہیں پڑھنے دیتے وزیر آباد کی کسی کالونی میں اہل حدیث حضرات دیوبندی مسجد میں نماز پڑھا کرتے تھے اور آمین بھی دھیمی آواز سے کہتے تھے۔ ایک دن دیوبندی امام نے نماز توڑ کر مقتدیوں کی طرف منہ کر کے کہا، خنزیرو! تمہیں کیا تکلیف ہے؟

(ہفت روزہ اہل حدیث جلد۳۶ شمارہ ۴۷ مورخہ ۱۷ دسمبر ۲۰۰۵ء ص ۵)۔

یہ صرف ایک مثال ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ مقلدین کے ہر چھوٹے بڑے کی زبان بیہودہ اور قلم گستاخ ہے، حنفیت کا نامور وکیل محمد بن زاہد کوثری ہے جو حنفیت کے دفاع میں متعدد رسائل و کتب کا مصنف ہے، ان کی ایک کتاب تبدید الظلام ہے، اس میں امام ابن قیم رحمہ اللہ کے متعلق لکھتا ہے۔ گمراہ اور گمراہ کرنے والا ص۹، ۱۰، ۲۲، ۲۳، ۳۷،، بدعتی ص ۸ بے حیاء ص ۴۷، ۱۶۸، کذاب، ص ۴۱، ۵۷، ۱۶۹ کم عقل ص ۶۶ جاہل ص ۲۵ و ص ۶۰، خارجی ص ۲۸ سانڈ گدھا ص ۲۸، ۵۹،، ملعون ص ۳۷ یہود و نصاریٰ کے بھائیوں سے ص ۳۹، مقلد مولوی امین صفدر اکاڑوی نے، تجلیات صفدر ص ۱۹۹ ج ۴ میں تمام اہل حدیثوں کو بے پٹا کتا کہا ہے۔ خبیث اللسان اوکاڑوی ایک جگہ لکھتا ہے کہ غیر مقلدین کی پہچان کیسے ہو؟ کیونکہ بے دلیل دعویٰ تو مانا نہیں جاسکتا اس لئے سب (سے) پہلے تو غیر مقلد کی پہچان یہ ہے کہ وہ پہلے بجو کے کباب، مینڈک کا اچار، گوہ کا قیمہ، خارپشت کا شوربا، منی کا کسٹرڈ استعمال کرے تو اس دلیل سے اس کا غیر مقلد ہونا معلوم ہوجائے گا، پھر وہ گائے کے پیشاب سے وضو کرے، نماز پڑھنے کی جگہ مردار کتے کی انتڑیاں بچھالے، خنزیر کی غیر مدبوغ کھال کو بطور لباس پہن لے، منہ پر منی کا میک اپ اور کتے

کے خون کی سرخی لگالے، جسم پر نجاست کا آئل مل لے تاکہ مچھر اور مکھیوں کی دعوت کا سامان مکمل ہوجائے، پھر ننگے سر پاؤں کم از کم تین فٹ چوڑے کر کے کھڑا ہوجائے، سر ننگا ہو، سر اور داڑھی میں کم از کم ڈھیڑ سیر دھول ہو، وقت سے پہلے ہی بغیر نیت کے نماز میں کھڑا ہو، کہنیوں کو کندھے کے ساتھ ۹۰ درجے کا زاویہ بنا کر ہاتھوں کو چھاتیوں کی طرف اٹھا کر گلے کے قریب رکھ لے، لیکن فوراً ایک ہاتھ سے ناک سے چوہے نکالنا شروع کردے، دوسرے ہاتھ سے جسم کے اعضاء مخصوصہ کی خارش کو سہلاتا ہوا اور اپنی مخصوص کٹا قرآت سے قرآن پڑھے۔ ہاتھوں کو ہلاتے ہوئے رکوع میں جائے۔ تسبیحات کی بجائے اردو زبان میں مقلدین کو گالیاں اور بددعائیں دے، پھر سجدوں میں تسبیحات کی بجائے پنجابی زبان میں برطانیہ سامراج کے لئے دعائیں کرے، دوسری رکعت میں پاؤں مزید چوڑے کر کے مسجد کا محراب بنائے نماز کے آخر میں بھی سلام سے پہلے پنجابی میں مقلدین حنفیہ کو بددعائیں اور مقلدین حنبلیہ کے لئے دعائیں کرے، پھر سامنے کی طرف ایک سلام کرے، اور بغیر دعا کئے ہوئے علامہ شامی اور صاحب ہدایہ پر تبرا بازی شروع کردے اور حنفی مسلمانوں کو ایک ہی سانس میں کافر، مشرک، جہنمی، من حرامی، بدعتی کہتا چلا جائے۔ (تجلیات صفدر ص۹٦ ج۲)۔

ماشاء اللہ یہ تحریر اس شخص کی ہے جسے یہ حضرت فقیہ الامت اور مناظر اسلام ترجمان اہل سنت وکیل احناف جیسے بڑے بڑے القابات سے یاد کرتے ہیں۔ یہ تحریر جتنی بیہودہ ہے اس سے ہزار گنا زیادہ تکلیف دہ اور نفرت پھیلانے والی ہے۔ ثابت یہ کرنا چاہتے ہیں کہ اہل حدیث نماز اس طرح پڑھتے ہیں اور یہ طریقہ ان میں مروج ہے جس کے دل میں خوف خدا ہو اور قبر و موت یاد ہو وہ ایسے دل خراش جھوٹ بول کر فریق مخالف کے ذمہ نہیں لگاتا، شاید ماسٹر امین کذب وافتراء کو ہی حنفیت سمجھ بیٹھا تھا، یہی وجہ وہ اپنی کتاب میں کثرت سے جھوٹ بولتا ہے، رسول اللہ ﷺ بھی اس بدبخت اور موذی سے محفوظ نہیں رہے، اس نے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر بھی افتراء کیے ہیں جس ضدی ہٹ دھرم نالائق اور کور باطن سے ہمارے آقا ﷺ بھی محفوظ نہ رہے ہوں، اس سے ہمیں کیسے عزت و احترام اور حیاء کی توقع ہے۔ انوار صاحب اب بھی یہی دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم اتحاد امت کے داعی اور اختلاف و انتشار کے مخالف ہیں۔

خدمت حدیث کے پردہ میں:

مقلد انوار صاحب فرماتے ہیں کہ اس کتاب کے لکھنے سے ہمارے پیش نظر تین مقاصد ہیں۔ (۱) اشاعت حدیث میں حصہ لینا، (۲) احناف کے دلائل کو یکجا کرنا (۳) غیر مقلدین ان احادیث کے

منکر ہیں۔ ملخصا۔ (حدیث اور اهل حدیث ص ۱۳۵)۔

الجواب: اولا اشاعت حدیث آپ کا مقصود قطعا نہیں یہ جناب نے غلط بیانی اور اپنے ضمیر کے بھی خلاف کہا ہے۔ کیونکہ محترم نے کتاب میں صرف نبی علیہ الصلوۃ والسلام کی احادیث مبارکہ ہی درج نہیں کیں، بلکہ صحابہ کرام تابعین عظام اتباع تابعین اور تبع تابعین کے اقوال بھی درج کیے ہیں، اگر مقصود اشاعت حدیث ہوتا تو امتیوں کے اقوال نقل نہ کرتے صرف مرفوع حدیث ہی درج کرتے، پھر ان مرفوع احادیث میں بھی صحت کا خیال رکھتے مگر جناب نے تو ضعیف ومنکر بلکہ شاذ وموضوع روایات کو بھی درج کیا ہے۔ اور ان روایات کو بھی دلیل بنایا ہے۔

جو آج کے حنفی علماء اور ناشرین کی وضع کردہ ہیں۔

ثانیا: محترم آپ نے کتاب میں جگہ جگہ حدیث رسول اللہ ﷺ میں معنوی تحریف کے علاوہ متن حدیث کو مکمل نقل نہیں کیا۔ جس حصے سے آپ کا استدلال ہوتا ہے اسے درج کردیتے ہیں، اور مخالف حصے کو درج نہیں کرتے، اشاعت حدیث مقصود ہوتا تو مخالف ٹکڑے ہضم نہ کرتے انہیں بھی درج فرماتے اور فیصلہ قاری پر چھوڑ دیتے، مگر آپ کا اصلی اور حقیقی مطلب حنفیت کے دلائل جمع کرنا تھا، اور بلاشبہ آپ نے حنفیت کی خدمت کی ہے، حدیث نبوی کی خدمت کا دعویٰ کذب ہے۔

ثالثا: مبتدعین دیابنہ و بریلویہ کے تراجم کتب ستہ بھی آج کل مارکیٹ میں دستیاب ہیں، دونوں پارٹیاں خدمت کے پردہ میں پیش کررہی ہیں۔ مگر حقیقت اس کے برعکس ہے۔ ان کے تراجم میں زبردست معنوی تحریف ہے مقلد انوار صاحب کے تراجم احادیث میں بددیانتیاں اور تحریفات اصل کتاب کے ہر باب میں آرہی ہیں۔

کیا اہل حدیث کے فقط یہی بزرگ ہیں:

انوار مقلد صاحب نے ہدایہ المستفید کے مقدمہ سے میاں نذیر حسین محدث دہلوی فاتح قادیاں مناظر اسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری نواب صدیق حسن خاں محدث قنوجی علامہ وحید الزماں اور حافظ عبداللہ محدث روپڑی کے القابات بھی نقل کئے ہیں۔ (ص ۱۳۵)۔

بلاشبہ یہ ہمارے اسلاف تھے، مگر سوال یہ ہے کہ کیا صرف یہی ہمارے اسلاف تھے؟ نہیں قطعا نہیں، سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ کے بعد صحابہ کرام تابعین عظام تبع تابعین محدثین وفقہاء تمام کے تمام ہمارے اسلاف اور بزرگ ہیں۔ ہر وہ شخص جو توحید کا قائل اور اتباع سنت کے راستہ پر گامزن تھا وہ ہمارا بزرگ ہے، اجتہادی خطائیں ایک طرف ہمیں سب سے حسن ظن ہے۔ یہ سب ہم سے ہر لحاظ سے

بڑے تھے، ان کے اجتہادات کی قدر کرتے ہیں، مگر تقلید نہیں کرتے، کیوں؟ اس لئے کہ پیروی اس شخص کی کی جاتی ہے، جو خطاء سے معصوم ہو، اور وہ صرف انبیاء کرام علیہم السلام کا مقدس گروہ ہے، باقی سب سے غلطیاں ممکن ہیں، اس لئے ہم کسی بھی مجتہد سے کلی وابستگی اختیار نہیں کرتے، اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم آئمہ مجتہدین کے شاذ اقوال کو چن چن کر بغرض سہولت اپناتے ہیں، نہیں ہرگز نہیں، بلکہ اصل قرآن و سنت کو بناتے ہیں، اقوال رجال ہمارے ہاں ثانوی درجہ رکھتے ہیں، ہاں قرآن و حدیث کی تشریح و توضیح کے لئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے آثار کو حجت تسلیم کرتے ہیں خیر القرون کے تعامل کو بھی نظر انداز نہیں کرتے۔ ہم قرآن کو لغت کی بجائے صاحب قرآن کے اسوہ سے حل کرتے ہیں، جیسے حنفی خمر کے لفظ سے انگوری شراب مراد لیتے ہیں۔ اور ہم خمر کے لفظ سے ہر نشہ آور مشروب! کیوں؟ اس لئے کہ حدیث میں ہر نشہ آور مشروب کو خمر کہا گیا ہے۔ (صحیح مسلم کتاب الاشربة باب بیان ان کل مسکر خمر......رقم الحدیث/ ۵۲۱۹)۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

(۱) باب پانی کی طہارت

فصل اول

(۱) سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ سے ایسے پانی کے متعلق سوال ہوا، جو جنگلوں میں ہوتا ہے درندے اور چوپائے اس سے پانی پینے کے لیے آتے ہیں، تو رسول اللہ ﷺ نے جواب دیا۔

اذا کان الماء قلتین لم یحمل الخبث۔

''جب پانی دو مٹکے ہو تو وہ نجس نہیں ہوتا۔''

ترمذی مع تحفہ ص۷۰ ج۱ کتاب الطھارۃ باب منہ اخر، الحدیث ۶۷، وابو داود ص۹ ج۱ کتاب الطھارۃ باب ماینجس الماء رقم الحدیث ۶۳، ونسائی ص۳۹ ج۱ کتاب الطھارۃ باب التوقیت فی الماء، رقم الحدیث ۵۲، وابن ماجہ ص۴۰ ج۱ کتاب الطھارۃ باب مقدار الماء الذی لا ینجس رقم الحدیث ۵۱۷ ومسند احمد ص۲۷ ج۱ و مسند طیالسی ص۲۱۴، ودارقطنی ص۱۶ ج۱، وطحاوی ص۸ ج۱، وابن حبان (۱۲۴۹)۔

اس حدیث کو ابن حبان، ابن خزیمہ، حاکم، ذھبی، نووی، ابن حجر، ابن مندہ، طحاوی، امام ابن معین اور علامہ البانی نے صحیح کہا ہے۔

(بلوغ المرام ص۲، والتلخیص الحبیر ص۱۷ ج۱، ومرقاۃ ص۵۵ ج۲ وارواء الغلیل ۲۳)۔

(۲) سیدنا ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی مکرم ﷺ سے بضاعہ کے کنویں کے متعلق سوال کیا گیا جس میں ناپاک کپڑے اور مردار کا گوشت گر جاتا تھا۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:

''ان الماء طھور لا ینجسہ شیء''

''بلا شبہ پانی پاک ہے، اسے کوئی چیز ناپاک نہیں کر سکتی۔''

(ترمذی مع تحفہ ص۶۶ ج۱ کتاب الطھارۃ باب ماجاء ان الماء لا ینجسہ شیٔ رقم الحدیث ۶۶، ومسند احمد ص۳۱ ج۳، وابو داود ص۹ ج۱ کتاب الطھارۃ باب ماجاء فی ذکر بئر بضاعۃ الحدیث ۶۷، ونسائی ص۳۹ ج۱ کتاب المیاۃ باب ذکر بئر الحدیث ۳۲۷، ۳۲۸، ودارقطنی ص۳۱ ج۱)۔

اس حدیث کو امام احمد، امام یحییٰ بن معین، امام ابن حزم اور حاکم رحمہم اللہ نے صحیح کہا ہے اور امام ترمذی نے حسن اور علامہ البانی نے صحیح قرار دیا ہے۔ (ارواء الغلیل ۱٤)

(۳) سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ

"اذا کان الماء قلتین لم ینجسه شئ الا ما غلب علی ریحه و طعمه"
"جب پانی دو مٹکے ہو تو کوئی چیز اسے نجس نہیں کرتی مگر یہ کہ اس کا مزہ، اور بو بدل جائے۔
(بیھقی ص ۲۵۹ ج ا)

پہلی حدیث سے ثابت ہوا کہ جب پانی دو مٹکے کی مقدار میں ہو تو معمولی نجاست گرنے سے ناپاک نہ ہوگا۔ دوسری حدیث سے ثابت ہوا کہ کنواں بھی نجاست گرنے سے نجس نہیں ہوتا۔ تیسری حدیث سے ثابت ہوا کہ جب پانی کے اوصاف میں سے کوئی صفت تبدیل ہو جائے تو پانی نجس ہو جاتا ہے کیونکہ نجاست کے غلبہ سے وہ نجس ہو گیا۔

ان احادیث کے برعکس حنفیہ کا مسلک چوں چوں کا مربہ ہے، ان میں بارہ مذاہب ہیں۔ جن کی تفصیل مولانا عبد الحی لکھنوی مرحوم نے التعلیق المجد ص ۶۷ میں دی ہے، ان بارہ مذاہب میں سے دہ در دہ حوض کی مقدار کو متاخرین احناف نے ترجیح دی ہے۔

مولانا عثمانی فرماتے ہیں۔

احناف کے نزدیک قلیل وکثیر کی کوئی مقدار معین نہیں ہے، بلکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے اس کو رائے مبتلیٰ بہ پر چھوڑا ہے، البتہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے اتنی تحدید ضرور منقول ہے کہ جس پانی میں **خلوص اثر النجاسة الی الطرف الآخر** ہو وہ قلیل ہے۔ اور جس میں نہ ہو وہ کثیر ہے، اس کو امام قدوری نے ان الفاظ سے تعبیر کیا ہے۔ **مالم یتحرك بتحریك الطرف الآخر** اور فقہاء متاخرین کے یہاں عشر فی عشرہ کی جو تحدید مشہور ہوگئی ہے وہ ائمہ مذہب سے منقول نہیں۔ اس کی حقیقت صرف اتنی ہے کہ ایک مرتبہ ابوسلیمان جوزجانی نے اپنے استاذ امام محمد سے پوچھا کہ کتنا پانی کثیر ہوگا۔

اس پر امام محمد نے فرمایا کمسجدی ہذا، ابوسلیمان جوزجانی نے بعد میں مسجد کو ناپ لیا۔ تو اندر سے ثمانیة فی ثمانیة (آٹھ در آٹھ) اور باہر سے، عشرة فی عشرة (دہ در دہ) تھی احتیاطاً عشرة فی عشرة کو اختیار کر لیا گیا۔ لہٰذا حقیقت وہی ہے کہ حنفیہ نے کثیر کی کوئی مقدار مقرر نہیں کی اور اس کو رائے مبتلیٰ بہ پر چھوڑا گیا ہے۔ یعنی مبتلیٰ بہ پانی کی جس مقدار کو کثیر سمجھے، اس پر کثیر کے احکام جاری ہوں گے، ہاں البتہ جاہل عوام کی سہولت کے پیش نظر، عشرة فی عشرة، کے قول کو متاخرین نے اختیار کیا ہے۔ (درس ترمذی ص ۲۶۷ ج ۱)

الغرض متاخرین فقہاء نے دہ در دہ حوض کی مقدار کو پانی کثیر قرار دیا ہے اور دیوبندیوں کا (فتاوی دار العلوم ص ۱۵۸ ج ۱) میں اور بریلوی حضرات کی کتاب (بہار شریعت ص ۳۸ ج ۲) میں اسی پر فتویٰ ہے۔

فصل دوم

دلیل اول: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب کتا کسی برتن میں منہ ڈال دے تو اس سے (پانی وغیرہ کو) بہا کر سات مرتبہ دھویا جائے۔ دوسری روایت میں ہے۔ پہلی بار مٹی سے مانجھیں۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۱۳۷)

الجواب: اولاً: یہ حدیث حنفیہ کے خلاف ہے کیونکہ ان کے نزدیک کتے کے جوٹھے برتن کو تین بار دھونا چاہیے حالانکہ حدیث میں سات بار دھونے کا ذکر ہے۔ مفصل دیکھئے تحفہ حنفیہ حصہ اول۔

ثانیاً: اختلاف اس بات پر نہیں کہ پانی نجس ہوتا ہے کہ نہیں بلکہ اختلاف تو اس بات میں ہے کہ کتنی مقدار میں پانی ہو تو نجاست گرنے سے وہ ناپاک ہو جاتا ہے اس حدیث میں پانی کثیر اور قلیل کی مقدار کا بیان نہیں صرف برتن میں کتے کے منہ ڈال دینے پر برتن کو دھونے اور پانی کو بہا دینے کا حکم ہے۔

ثالثاً: اگر یہ کہہ دیا جائے کہ پانی خواہ کتنا ہی ہو تو اسے بہانے اور برتن کو مانجھنے کا حکم ہے تو یہ کہنے والے کی غلطی ہے۔

کیونکہ جب پانی کثیر ہو تو بہانے کی ضرورت نہیں اور نہ ہی برتن وغیرہ ناپاک ہوتا ہے دیوبندیوں کے فتاوی میں ہے۔

تالاب کی پیمائش دس ہاتھ چوڑی اور دس ہاتھ لمبی ہو تو کتے کے مرجانے سے اور سوج جانے سے ناپاک نہ ہو گا جب تک اس پانی میں اس مردار کی بدبو نہ آجائے (فتاوی دار العلوم ص ۱۶۱ ج ۱) اس تفصیل سے یہ ثابت ہوا کہ یہ حدیث پانی قلیل کے متعلق ہے۔

مقلد علامہ نیموی فرماتے ہیں۔

الحديث حجة على مالك ومن تبعه لانه يدل على ان الماء القليل ينجس بوقوع النجاسة۔

یعنی کتے کا برتن میں منہ ڈالنے والی حدیث امام مالک اور ان کے پیروکاروں پر حجت ہے۔ کیونکہ یہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ قلیل پانی نجاست گرنے سے ناپاک ہو جاتا ہے۔

(آثار السنن ص ۳)

دوسری دلیل: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ نہ پیشاب کرے تم میں سے کوئی ٹھہرے ہوئے پانی میں جو کہ بہہ نہیں رہا پھر اسی میں غسل کرے (بخاری ص ۳۷) اور ترمذی ص ۲۱ میں وضو کرنے کی بھی ممانعت ہے وجہ استدلال میں فرماتے ہیں کہ وضو و غسل سے ممانعت

اسی لیے ہے کہ پانی ناپاک ہو جاتا ہے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص۱۳۸ و ۱۳۹)

الجواب: اولاً کس اہل حدیث نے فتویٰ دیا ہے یا کسی جاہل سے جاہل نے بھی کہا ہو کہ ٹھہرے ہوئے پانی میں پہلے پیشاب وغیرہ کر کے بعد میں اس سے وضو وغسل کیا جائے۔

آخر عقل تو اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کو دی ہے، آپ نے یہ حدیث ہمارے خلاف کیسے سمجھ لی ہے۔

ثانیا: اگر آپ حنفیہ کا حوض ثابت کرنا چاہتے ہیں؟ تو کس لفظ کا یہ مفہوم ہے جو آپ عوام الناس کو مغالطہ دے رہے ہیں کہ اس سے حنفیہ کا مذہب ثابت ہوتا ہے سنئے یہ حدیث پانی قلیل کے متعلق ہے، مقلد علامہ شبیر احمد فرماتے ہیں کہ

"وهذا كله محمول على الماء القليل عند اهل العلم على اختلافهم في حد القليل"

یعنی اہل علم کے نزدیک یہ تمام احادیث قلیل پانی کے متعلق ہیں۔ ہاں البتہ پانی قلیل کی حد میں اہل علم کا اختلاف ہے۔ (فتح الملهم ص٤٤٧ ج١)

یہی بات ملا علی قاری نے، (مرقاۃ ص۵۱ ج۱) میں مولانا عبدالحق محدث دہلوی نے، (اشعة اللمعات ص٢٦١ ج٢) میں کہی ہے۔

مولوی قطب الدین حنفی فرماتے ہیں۔

مراد یہاں سے پانی قلیل ہے، اگر کثیر ہو حکم جاری کا رکھتا ہے، اور نجس نہیں ہوتا پیشاب وغیرہ سے اور نہانا اس میں جائز ہے۔ (مظاہر حق ص۱۵۶ ج۱ طبع نولکشور ص۳۵۹ ج۱ طبع جدید)

مسئلہ: پانی خواہ قلیل ہو یا کثیر ہو، ٹھہرا ہوا ہو یا جاری ہو اس میں پیشاب کرنا اسلامی تہذیب کے خلاف ہے، سیدنا جابر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ

نهى رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم ان يبال في الماء الجاري

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جاری پانی میں پیشاب کرنے سے منع فرمایا ہے۔

(طبرانی الاوسط ص۴۴۶ ج۲) (۱۷۷۰)۔

ہیثمی فرماتے ہیں اس کے راوی ثقہ ہیں۔ (مجمع الزوائد ص۲۰۴ ج۱) اگر اس کی سند میں ابو زبیر کی تدلیس کا شبہ نہ ہوتا تو راقم اس کی صحت کا حکم لگاتا۔

تیسری دلیل: فرماتے ہیں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی رات کو سو کر اٹھے تو جب تک ہاتھوں پر دو یا تین دفعہ پانی نہ بہا لے اس وقت تک برتن میں ہاتھ نہ ڈالے کیونکہ اسے معلوم نہیں کہ اس کے ہاتھ نے کہاں رات گزاری۔

(ترمذی ص۱۳ ج۱)۔

وجہ استدلال میں فرماتے ہیں کہ نیند سے بیدار ہو کر ہاتھ کو دھوئے بغیر پانی میں ڈالنے سے منع

فرمایا ہے کیونکہ ہو سکتا ہے سوتے میں ہاتھ شرمگاہ کو چھو جانے سے شرمگاہ پر رہ جانے والی نجاست ہاتھ کو لگ جائے جس کی وجہ سے پانی ناپاک ہو جائے اس لئے احتیاطا ہاتھ دھوئے بغیر پانی میں ڈالنے سے منع فرمایا۔ (حدیث اور اہل حدیث ص۳۸، ۱۴۰)

الجواب: اولاً یہ جناب کی آخری دلیل ہے افسوس کہ اس میں بھی آپ نے حنفی مذہب کی دلیل درج نہیں کی حالانکہ یہ آپ کا اخلاقی فرض تھا سنئے! صاحب بہادر اس میں سو کر اٹھنے پر ہاتھ دھوئے بغیر پانی میں ہاتھ ڈالنے کی ممانعت ہے جو عین ہمارا مسلک ہے مگر اس میں آپ کا حوض دہ دردہ موجود نہیں لہٰذا آپ کوئی ایسی دلیل نقل کریں جو آپ کے مذہب کی وکالت کرے کہ دہ دردہ حوض سے کم پانی معمولی نجاست گرنے سے ناپاک ہوجاتا ہے۔ مجھے میری زندگی کے مالک کی قسم ہے یہ آپ کبھی بھی ثابت نہ کر سکیں گے۔ ولو کان بعضکم لبعض ظھیرا۔

ثانیاً: یہ حکم پانی قلیل کے متعلق ہے اور اس کا قرینہ، برتن، کا لفظ ہے مولانا عثمانی فرماتے ہیں۔

ومن المعلوم ان ماء الاناء لم یکن الاقلیلۃ۔

یعنی یہ بات واضح ہے کہ برتن کا پانی قلیل ہوتا ہے

(فتح الملھم ص۴۳۹ ج۱)۔

آخر میں ہم مولانا عبد الحی لکھنوی حنفی مرحوم کا ایک قول نقل کرکے بحث کو ختم کرتے ہیں فرماتے ہیں۔

والتقدیر الذی ذکر الحنفیۃ فی عدم سرایۃ النجاسۃ الی العشر فی العشر لیس لہ اصل شرعی بخلاف تقدیر الشافعیۃ بالقلتین فانہ ثابت بالحدیث الصحیح وکذا تقدیر المالکیۃ بالتغیر۔

یعنی حنفیہ نے جو دہ دردہ کا اندازہ کثیر پانی کے لئے لگایا ہے اس کے لئے کوئی شرعی دلیل نہیں لیکن شافعیہ نے جو دو مٹکے کا اندازہ لگایا ہے وہ صحیح حدیث سے ثابت ہے اسی طرح مالکیوں کا اندازہ تغیر اوصاف ثلاثہ بھی صحیح حدیث سے ثابت ہے۔ (عمدۃ الرعایۃ ص۸۷ ج۱)۔

افترا کی بدترین مثال:

فرماتے ہیں کہ غیر مقلدین کے اس نظریہ کے مطابق اگر پانی کے ایک گلاس میں یا کسی چھوٹے برتن میں پیشاب کے قطرے پڑجائیں تو وہ پانی پاک ہونا چاہیئے کیونکہ پیشاب کے قطروں سے پانی کے رنگ بو مزہ میں کوئی چیز بھی نہیں بدلتی۔ (حدیث اور اہل حدیث ص۴۱)۔

الجواب اولاً: یہ آپ کا کذب صریح اور بہتان ہے کسی اہل حدیث کا یہ مؤقف و مذہب نہیں ہے۔

حضرت میاں محمد نذیر حسین محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ۔

سوال چہارم: ایک لوٹا پانی میں ایک بوند پیشاب کی پڑ جائے تو وہ پانی پاک ہے یا ناپاک؟۔

الجواب: وہ پانی بلاریب ناپاک ہے اور اس کی ناپاکی میں کچھ شک نہیں فتوی میاں صاحب مطبوعہ دہلی ۱۲۹۸ بحوالہ (ابراء اهل الحديث ص ۹۲)۔

ثانیا: آپ نے تو زیادتی کی ہے آیئے ہم آپ کو آپ کی فقہ سے ایسے مسائل کی نشان دہی کرواتے ہیں۔(۱) جس چھت پر جا بجا نجاست (پائخانہ) پڑا ہو اور اس پر بارش کا پانی اس قدر پڑے کہ پرنالے سے جاری ہو جائے تو وہ پانی پاک ہے۔ (فتاوی عالم گیری ص ۱۷ ج ۱)۔

(۲) ابن عابدین فقہ کی کتاب، الخزانۃ، سے نقل کرتے ہیں کہ۔

اناء ان ماء احدهما طاهر، والأخر نجس، فصبا من مكان عال،فاختلط في الهواء ثم نزلا طهر كله،ولو اجرى ماء الاناء ين في الأرض صار بمنزلة ماء جار، ونحوه في الخلاصة۔

دو برتن ہیں ایک میں پانی پاک ہے دوسرے میں ناپاک، اگر دونوں پانی اوپر سے گرا دیئے جائیں اور ہوا میں ملے ہوئے زمین پر پہنچیں یا زمین پر ہی بہائے جائیں تو وہ دونوں پانی پاک ہیں۔

(فتاوٰی شامی ص۱۸۷ ج۱ كتاب الطهارة)۔ مطلب الاصح انه لايشترط في الجريان المدد، طبع ایچ ایم سعید کراچی)۔

اس فقاہت کی رو سے فرض کرو دو لوٹے ہیں ایک میں پانی نا پاک ہے کہ آدھا پیشاب اور آدھا پانی ہے، دوسرے میں صاف و پاک پانی ہے فقہ حنفی کی رو سے اگر ان کو دو چار فٹ بلند کر کے دونوں کے سراخوں سے ایکدم پانی نکالا جائے جو ہوا ہی میں مل کر زمین پر گریں تو وہ پانی پاک ہے اس سے انوار صاحب وضوء کر کے امامت کروائیں تو درست ہے، العیاذ باللہ تعالیٰ۔

(۲) باب منی کی طہارت

فصل اول

(۱) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتیں کہ:

کان رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم یسلت المنی من ثوبه بعرق الأذخر ثم یصلی فیه، ویحته من ثوبه یابسا ثم یصلی فیه۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کپڑے کو اذخر (گھاس) کی نوک سے پونچھ (صاف) دیتے پھر اسی میں نماز ادا کرتے، اگر منی خشک ہوتی تو کپڑے سے کھرچ دیتے اور اس میں نماز پڑھ لیتے۔

(مسند احمد ص ۲۴۳ ج۶، وبیهقی ص ۴۱۸ ج۲، وصحیح ابن خزیمه ص ۱۴۹ ج۱، ۲۹۴)۔

امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ احمد البنا (الفتح الربانی ص ۲۵۰ ج ۱)۔

اور البانی نے حسن قرار دیا ھے۔ (ارواء الغلیل ص ۱۹۷ ج ۱)۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتیں ہیں کہ:

(۲) لقد رایتنی أفرك المنی من ثوب رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم وهو یصلی فیه۔

مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دیکھتے کہ میں آپ علیہ السلام کے کپڑے سے منی کو کھرچ رہی ہوتی اور آپ علیہ السلام اسی کپڑے میں نماز ادا فرماتے لیتے تھے۔ (صحیح ابن حبان رقم الحدیث ۱۳۷۷)۔

امام ابن حبان رحمہ اللہ نے صحیح کہا ہے۔

(۳) سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ۔

المنی یصیب الثوب امطه عنك، فانما هو بمنزلة البصاق والمخاط۔

منی (اگر) کپڑے کو لگ جائے تو اسے پونچھ دیا جائے کیونکہ یہ تھوک اور رینٹ کی طرح ہے۔

(بیهقی ص ۴۱۸ ج ۲)

(۴) امام قاسم فرماتے ہیں۔

عن عائشه انها قالت فی المنی اذا اصاب الثوب اذا رأیته فاغسله وان لم تره فانضحه۔

(طحاوی ص ۴۳ ج۱)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے منی سے آلودہ کپڑے کے بارے میں فرمایا کہ اگر تو کپڑے میں منی لگی ہوئی دیکھے تو اسے دھولے اور اگر نہ دیکھے تو پانی چھڑک دے۔ (حدیث اور اهل حدیث ص ۱۴۵)۔

مقلد مولوی انوارخورشید صاحب اس اثر کو نقل کرکے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ منی نجس ہے حالانکہ یہ

نتیجہ ہی سرے سے غلط ہے۔ امام طحاوی حنفی اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

لو كان حكمه عندها سائر النجاسات من الغائط والبول والدم لامرت بغسل الثوب كله اذا لم يعرف موضعه منه الاترى ان ثوبًالو اصابه بول فخفي مكانه انه لا يطهره النضح وانه لا بد من غسله كله حتى يعلم طهوره من نجاسة فلما كان حكم المنى عند عائشة اذا كان موضعه من الثوب غير معلوم النضح ثبت بذلك ان حكمه كان عندها بخلاف سائر النجاسات۔

یعنی اگر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے نزدیک منی کا حکم بول و براز اور خون کی نجاستوں جیسا ہوتا تو منی کے لگنے کی جگہ کو بھول جانے پر پورے کپڑے کو دھونے کا حکم صادر فرماتیں۔ کیا آپ دیکھتے نہیں کہ اگر کپڑے کو پیشاب لگ جائے اور لگنے کی جگہ انسان بھول جائے تو کپڑا پانی چھڑکنے سے پاک نہیں ہوتا بلکہ پورے کپڑے کو دھونا لازم ہے یہاں تک انسان کو کپڑے کی طہارت کا بخوبی علم ہو جائے جب سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے نزدیک منی آلود کپڑے کی جگہ بھول جانے پر پانی چھڑکنے سے طہارت ہو جاتی ہے تو اس سے ثابت ہوا کہ ان کے نزدیک منی کا حکم نجاستوں کے برعکس ہے۔ (طحاوی شرح معانی الاثار ص۴۳ ج ۱)۔

امام طحاوی نے جو وضاحت کی ہے اس سے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے نزدیک منی طاہر ثابت ہوتی ہے۔

(۵) امام یحیٰی بن عبد الرحمٰن فرماتے ہیں۔

انه اعتمر مع عمر بن الخطاب في ركب فيهم عمرو بن العاص وان عمر بن الخطاب عرس ببعض الطريق قريبا من ببعض المياه، فاحتلم عمرو قد كادان يصبح فلم يجد مع الركب ماء فركب حتىٰ اذا جاء الماء فجعل يغسل مارٰى من ذالك الاحتلام حتّى اسفر فقال له عمرو بن العاص اصبحت ومعنا ثياب فدع ثوبك يغسل فقال عمر بن الخطاب واعجبالك يا عمرو بن العاص لئن كنت تجد ثيابا افكل الناس يجد ثيابا والله لو فعلتها لكانت سنة بل اغسل مارايت وانضح مالم ار۔ (موطا امام مالك ص۳٦)۔

انہوں نے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک ایسی جماعت میں شریک ہو کر عمرہ کیا جس میں عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بھی تھے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے پانی کے قریب ایک جگہ رات کو پڑاؤ ڈالا (اتفاق سے) آپ کو احتلام ہو گیا صبح ہونے کے قریب تھی، لیکن آپ کو ساتھیوں سے پانی نہ ملا چنانچہ آپ سوار ہوئے اور پانی کے پاس پہنچ کر احتلام کے اثرات و نشانات کو دھونے لگے حتیٰ کہ خوب روشنی ہو گئی سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ آپ نے تو صبح کر دی ہمارے پاس کپڑے ہیں۔ اور اپنا کپڑا چھوڑئیے وہ بعد میں دھولیا جائے گا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ عمرو بن عاص تم پر تعجب ہے اگر تمہارے پاس کپڑے ہیں، تو کیا سب کے پاس کپڑے ہیں، بخدا اگر میں نے ایسا کیا تو ایک طریقہ بن جائے گا میں تو کپڑے میں منی دیکھتا ہوں تو دھولیتا ہوں ورنہ پانی چھڑک لیتا ہوں۔ (حدیث اور اهل حدیث ۱٤٣)۔

مقلد مولوی انوار خورشید نے جو تراجم میں اغلاط کی ہیں ان کو ہم سرے دست نظر انداز کرتے ہیں۔ ہم یہاں صرف ان کے باطل استدلال کا رد کرتے ہیں ۔ وباللہ التوفیق۔ محترم قارئین کرام سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہ کے اثر کے تحت ہم امام طحاوی حنفی کا قول نقل کر چکے ہیں کہ بول وبزار وغیرہ جیسی نجاستیں پانی چھڑکنے سے پاک نہیں ہوتی۔ بلکہ کپڑے کو دھونا لازم ہے اور امام طحاوی نے کھل کر اعتراف کیا کہ قول سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے منی کی طہارت ثابت ہوتی ہے بالکل وہی مسئلہ یہاں ہے، سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ منی پر پانی چھڑکنے کا حکم فرما رہے ہیں ظاہر ہے کہ اگر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک منی نجس ہوتی تو وہ کپڑا دھونے کا فتوی صادر فرماتے مگر ایسا ہرگز نہیں ۔ بلکہ امام خالد بن ابی عزہ راوی ہیں کہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے ایک شخص نے سوال کیا تو آپ نے فرمایا:"وان خفی علیك فارششه"

یعنی اگر کپڑے پر منی لگنے کی جگہ کا پتہ ہی نہ چلے تو اس پر پانی کے چھینٹے مار دو۔

(مصنف ابن ابی شیبه ص۸۵ ج ۱)

افسوس مولوی انوار خورشید نے اس اثر کو منی کی نجاست پر پیش کیا ہے۔ (حدیث اور اهل حدیث ص۱٤٤)۔

فارششه: کا معنی "ہلکا سا دھو ڈال" کیا ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حالانکہ رشش کا معنی دھونا ، یا ہلکا سا دھونا۔ لغت کی کسی کتاب میں نہیں لکھا۔ یہ مؤلف کی بددیانتی ہے اور اپنی طرف سے تصرف ہے۔ علامہ پٹنی حنفی مرحوم رشش کا معنی کرتے ہیں۔

"ینضحونه بالماء" یعنی پانی چھڑکنا۔ آگے فرماتے ہیں یہ دھونے کی نفی ہے۔

(مجمع بحار الانوار ص۳۳۲ ج۲)

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے نزدیک منی نجس نہیں ہے ورنہ آپ پانی چھڑکنے کی بجائے کپڑا دھونے کا فتوی دیتے۔ اس سلسلہ میں مزید آثار صحابہ کرام بھی پیش کئے جاسکتے ہیں مگر ہم انہیں پر اکتفا کرتے ہیں۔ مولانا خلیل احمد سہارنپوری دیوبندی لکھتے ہیں۔

وذهب كثير الى ان المنى طاهر روى ذلك عن على بن ابى طالب وسعد بن ابى وقاص و ابن عمرو عائشة و داود واحمد فى اصح الروايتين وهو مذهب الشافعى واصحاب الحديث۔

اور بہت زیادہ اہل علم کے نزدیک منی طاہر ہے اور یہ مذہب ہے سیدنا علی مرتضی رضی اللہ عنہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، ابن عمر رضی اللہ عنہ ،اماں عائشہ رضی اللہ عنہا، امام داؤد، امام احمد امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ،اور اہل حدیث کا۔

(بذل المجهود ص۲۱۷ ج ۱)۔

مولانا محمد یوسف بنوری فرماتے ہیں کہ امام شافعی، امام احمد، امام اسحاق رحمۃ اللہ علیہم، سیدنا علی مرتضی رضی اللہ عنہ سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ ، سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ اور ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے نزدیک منی پاک ہے۔ (معارف السنن ص۳۸۳ ج ۱)۔

فصل دوم

دلیل اول: ابن وهب عن افلح بن جبير عن ابيه قال عرسنا مع ابن عمر بالا ابواء ثم سرنا حين صلينا الفجر حتىٰ ارتفع النهار فقلت لابن عمر انى صليت فى ازارى وفيه احتلام ولم اغسله فوقف على فقال انزل فاطرح ازارك وصلى ركعتين واقم الصلاة ثم صلى الفجر ففعلت۔

(المدونه الكبرىٰ ص۲۲ ج۱)۔

حضرت ابن وہب بروایت افلح بن جبیر حضرت جبیر سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ ہم نے (ایک دفعہ) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ مقام ابواء میں رات گزاری ہم نے جب فجر کی نماز پڑھ لی تو وہاں سے چل پڑے یہاں تک کہ دن بلند ہوگیا میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ جس کپڑے میں میں نے نماز پڑھی ہے اس میں منی لگی ہوئی تھی اور میں اسے دھو نہیں سکا تھا۔ آپ میری وجہ سے رک گئے۔ اور فرمایا کہ اتر کر کپڑے بدلو اور دو رکعت سنتیں پڑھ کر نماز کی اقامت کہو اور فجر کی نماز پڑھو۔ میں نے ایسا ہی کیا۔ (حديث اور اهل حديث ص۱٤۳، ۱٤٤)۔

الجواب: اولاً یہ روایت دلیل شرعی نہیں۔ (اصول دوم کی مراجعت کریں)

ثانیا: کتاب المدونہ کی سند مخدوش ہے۔

دوسری دلیل: عن جابر بن سمرة قال سئل رجل النبى صلی اللہ علیہ وسلم اصلى فى الثوب الذى آتى فيه اهلى قال نعم الا ان ترى فيه شيا فتغسله۔

(موارد الظمان ص۸۲ ج۱)۔

حضرت جابر بن سمرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کیا میں ان کپڑوں میں نماز پڑھ سکتا ہوں جو میں نے بیوی سے صحبت کے وقت پہنے ہوتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ ہاں لیکن اگر تمہیں ان میں منی لگی ہوئی نظر آئے تو پھر انہیں دھولو۔

(حدیث اور اهل حدیث ص ۱۴۴)۔

الجواب: اولاً: اس کی سند میں عبد الملک بن عمیر راوی ہے،، (ابن حبان بحواله موارد الظمان ص۸۲ ج۱)۔ اور یہ مدلس ہے (طبقات المدلسين ص۱٤)۔

اور زیر بحث روایت میں تحدیث کی صراحت نہیں جس کی وجہ سے یہ روایت ضعیف ہے۔

ثانیاً: کسی چیز کے دھونے سے یہ کب لازم آتا ہے کہ وہ نجس ہے، ہم کپڑوں اور برتنوں کو دھوتے ہیں تو کیا وہ جب نجس ہوتے ہیں تب ہی دھوتے ہیں۔

تیسری دلیل: **عن معاویة بن ابی سفیان انه سئل اخته ام حبیبة زوج النبی ﷺ هل کان رسول الله ﷺ یصلی فی الثوب الذی یجامعها فیه فقالت نعم اذا لم یر فیه اذی۔**

(ابو داؤد ص۵۳ ج۱)۔

حضرت معاویہ بن ابی سفیان سے مروی ہے کہ آپ نے اپنی ہمشیرہ اور حضور ﷺ کی اہلیہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ کیا حضور ﷺ ان کپڑوں میں نماز پڑھ لیتے تھے جو آپ ﷺ نے صحبت کے وقت پہنے ہوئے ہوتے تھے؟۔ انہوں جواب دیا کہ ہاں لیکن اس وقت جبکہ آپ ان میں کوئی گندگی (منی) نہ دیکھتے ۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۱۴۵)۔

الجواب: اولاً آپ نے اذی، کا معنی گندگی ، پھر بریکٹ میں اس کی وضاحت منی کی ہے یہ آپ کی زیادتی ہے کیونکہ اذی کا لفظ ہر تکلیف دہ چیز پر بولا جاتا ہے، حدیث نبوی میں ہے کہ ایمان کی ستر (۷۰) کے قریب شاخیں ہیں ان میں افضل "لا الہ الا اللہ" کا کہنا اور ادنا درجہ اماطة الاذی عن الطریق، راستے سے تکلیف دہ چیز کو ہٹانا ہے۔

(مسلم کتاب الایمان باب عدد شعب الایمان رقم الحدیث ۱۵۲)۔

اس حدیث کا یہ مفہوم قطعاً نہیں کہ صرف نجاست کو راستہ سے دور کرنا ہی جزو ایمان ہے، بلکہ اس میں کانٹا، پتھر وغیرہ تمام چیزیں شامل ہیں۔

علامہ عثمانی اس حدیث کی شرح میں لفظ، اذی، کا معنی بیان کرتے ہیں۔

والاذی مصدر بمعنی الموذی او مبالغة او اسم لما یوذی به کشوکة اوحجر اور قذر۔

(فتح الملہم ص۲۱۱ ج۱)

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ اذی کا لفظ خالص گندگی کے لئے متحمل نہیں ہے۔

ثانیا: اذی کا معنی گندگی تو کیا ہی تھا مزید ستم یہ ڈھایا کہ بریکٹ میں اس کی وضاحت منی سے کردی، حالانکہ صحبت کے وقت کپڑے پر عورت کی شرمگاہ کی رطوبت بھی لگ سکتی ہے جو احناف کے نزدیک بالاتفاق پاک ہے۔ (درمختار مع شامی ص ۲۱۳ ج ۱)۔ و (بہار شریعت ص ۸۴ ج ۲)۔

چوتھی دلیل:

عن ابی هریرة قال فی المنی یصب الثوب ان رأیته فاغسله والا فاغسل الثوب کله۔

(طحاوی ص ۴۳ ج۱)۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے منی کے متعلق جو کہ کپڑے کو لگ گئی ہو ارشاد فرمایا کہ اگر وہ تمہیں دکھائی دے تو اسے دھولو ورنہ سارے کپڑے کو دھو۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۱۴۵)۔

الجواب: اولاً اس کی سند میں زہری ہیں جو مدلس ہیں۔ (طبقات المدلسین ص ۴۵) اور تحدیث کی صراحت نہیں جس کی وجہ سے روایت ضعیف ہے۔

ثانیا: دھونے سے نجاست ثابت نہیں ہوتی ۔

ثالثاً: سیدنا ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ کے قول کا اگر یہ مفاد تسلیم بھی کر لیا جائے کہ منی نجس ہے تو یہ ابن عباس رضی اللہ عنہ، عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے اقوال کا معارض ہے اور اصول نمبر ۲ کے موافق یہ دلیل شرعی نہیں۔

پانچویں دلیل:

عن عبد الملك بن عمير قال سئل جابر بن سمرة وانا عنده عن الرجل يصلي في الثوب الذي يجامع فيه اهله قال صل فيه الاان ترى شيا فتغسله ولا تنضحه فان النضح لايزيده الاشرا۔

(طحاوی ص ۴۴ ج ا)۔

عبد الملک بن عمیر فرماتے ہیں کہ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے میری موجودگی میں ایک ایسے شخص کے متعلق سوال کیا گیا جو انہی کپڑوں میں نماز پڑھ لیتا ہے جو اس نے بیوی سے صحبت کے وقت پہنے ہوتے ہیں آپ نے جواباً فرمایا کہ تو انہی کپڑوں میں نماز پڑھ لے اِلاَّ یہ کہ تو ان میں کوئی چیز (منی) دیکھے۔ ایسی صورت میں اس کو دھولو اور پانی نہ چھڑکو۔ کیونکہ اس سے تو مزید گندگی بڑھے گی۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ١٤٦)۔

الجواب: اولاً عبد الملک بن عمیر مختلط ہیں (تقریب ص ۲۱۹) جب تک یہ ثابت نہ کیا جائے کہ ان سے روایت کرنے والے نے اختلاط سے پہلے سماع کیا ہے تب تک یہ روایت دلیل و حجت نہیں ہے۔

ثانیاً: اگر اس کی صحت کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو یہ دیگر صحابہ کے اقوال کے مخالف ہے اصول نمبر ۲ کے تحت یہ حجت نہیں ہے۔

چھٹی دلیل:

عن عبد الكريم بن رشيد قال سئل انس بن مالك عن قطيفة اصابتها جنابة لايدرى اين موضعها قال اغسلها۔

(طحاوی ص ۴۴ ج ا)۔

عبد الکریم بن رشید فرماتے ہیں کہ سیدنا انس بن مالک سے ایک ایسی چادر کے متعلق سوال کیا گیا جس میں منی لگ گئی تھی لیکن یہ نہیں پتہ چلتا تھا کہ کہاں لگی ہے آپ نے فرمایا کہ (ساری) چادر کو دھو۔

(حدیث اور اہل حدیث ص ١٤٦)۔

الجواب: اولاً عبد الکریم صغیر تابعی ہیں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے تقریب میں انہیں پانچویں طبقہ کے راویوں میں شمار کیا ہے اور یہ وہ راوی ہیں جن کی ایک دو صحابی سے ملاقات ثابت ہو جو اس روایت کے متصل ہونے کا مدعی ہے وہ عبد الکریم کی سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے ملاقات ثابت کرے۔

ثانیاً: یہ مسئلہ صحابہ کرام میں مختلف فیہ تھا اور اصول دوم کی رو سے حجت نہیں۔

ساتویں دلیل:

عن عائشة قالت كنت افرك المنى من ثوب رسول الله ﷺ اذا كان يابسا واغسله اذا كان رطبا۔

(طحاوی ص۴۱ ج۱، و دارقطنی ص۱۲۵ ج۱ و ابو عوانه ص۲۰۴ ج۱)۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نبی علیہ الصلوۃ والسلام کے کپڑے سے منی کو کھرچ دیتی تھی جب کہ منی خشک ہوتی اور جب کہ منی تر ہوتی تو پھر میں اس کو دھو دیتی تھی (حدیث اور اہل حدیث ص۱۶۷)۔

الجواب: اولاً اس کی سند میں امام حمیدی ہیں جن کو اس روایت کے متن میں شک ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کپڑے کو دھوتی تھیں یا منی کو پونچھ دیتی تھیں۔

امام طحاوی فرماتے ہیں۔ **واغسله او امسحه اذا كان رطبا شك الحميدى۔**

امام ابوعوانہ فرماتے ہیں **وامسحه واغسله، شك الحميدى، اذا كان رطبا،** مگر مقلد مولوی انوار خورشید نے اس اختلاف کی طرف اشارہ تک نہیں کیا۔ حالانکہ ان کا حق تھا کہ وہ اس اختلاف کو ذکر کرتے پھر دلیل سے دھونے کے لفظ کو ثابت کرتے۔ مگر یہ کام ناممکن تھا۔ جس کی وجہ سے دیوبندی محقق نے اس سے آنکھیں بند کرلیں۔ اور ذکر نہ کر کے عوام الناس کو مغالطہ دیا اگر مولوی انوار خورشید صاحب دھونے سے نجاست ثابت کرتے ہیں تو امام حمیدی کو اس لفظ میں تردد ہے۔ پھر عین ممکن ہے کہ یہاں لفظ پونچھنا ہو جس سے طاہر ثابت ہوتی ہے۔

ثانیاً: دھونے سے نجاست ثابت کرنا سینہ زوری ہے کیونکہ ہم روزمرہ کپڑوں اور برتنوں کو دھوتے ہیں حالانکہ وہ پاک ہوتے ہیں۔

آٹھویں دلیل:

عن عمار بن ياسر قال اتى علىّ رسول ﷺ وانا على بئرا دلو ماء فى ركوة لى فقال يا عمار ما تصنع؟ قلت يا رسول الله ﷺ بابى وامى اغسل ثوبى من نخامة اصابته فقال يا عمار انما يغسل الثوبة من خمس من الغائط والبول والقئى والدم والمنى يا عمار ما نخامتك ودموع عينيك والماء الذى فى ركوتك الاسواء الحديث۔

(دار قطنی ص۱۲۷ ج۱)۔

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں کنوئیں میں اپنی چھاگل میں پانی کھینچ رہا تھا کہ میرے پاس حضور علیہ السلام تشریف لائے اور فرمایا کہ عمار کیا کر رہے ہو؟ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں میں اپنا کپڑا دھو رہا ہوں اسے تھوک لگ گیا ہے آپ

نے فرمایا: عمار کپڑے کو پانچ چیزیں لگ جانے کی وجہ سے دھونا چاہیے پیشاب، پاخانہ، قے، خون اور منی۔ عمار تمہارا تھوک تمہاری آنکھوں کے آنسو اور وہ پانی جو تمہاری چھاگل میں ہیں سب برابر ہیں (یعنی سب پاک ہیں) (حدیث اور اہل حدیث ص۱۴۷)۔

الجواب: اولاً جس فاضل کو "نخامة" کا معنیٰ نہیں آتا وہ اہل حدیث کا رد کرنے بیٹھا ہے انا اللہ وانا الیہ راجعون۔

ثانیاً: اس کی سند میں ثابت بن حماد الحرانی راوی ہے۔

(دار قطنی ص۱۲۷ ج۱ و طبرانی الأوسط ص ۴۴۸ ج۱ (۵۹۶۰) وعقیلی ص۱۷۶ ج۱ و بیہقی ص۱۴ ج۱ وعلل المتناهية ص۳۳۱ ج۱)

امام دارقطنی نے اسے روایت کرنے کے بعد کہا ہے کہ یہ سخت ضعیف ہے، جسے دیوبندی فاضل نے بددیانتی کرتے ہوئے ذکر نہیں کیا ہے اس کی سند میں دوسرا راوی علی بن زید جدعان ہے جو بالاتفاق ضعیف ہے، امام ابن سعد، امام احمد بن حنبل، امام معاویۃ امام عثمان دارمی، امام یحییٰ، امام نسائی، وغیرہ نے ضعیف قرار دیا ہے، امام جوزجانی نے واہی الحدیث امام ابو زرعہ اور ابو حاتم فرماتے ہیں قوی نہیں، امام ابن خزیمہ فرماتے ہیں اس کے سوٗ حفظ کی وجہ سے میں اس کے ساتھ احتجاج نہیں کرتا حماد بن زید کہتے ہیں کہ روایات کو الٹ پلٹ دیتا تھا متعدد اہل علم نے صراحت کی ہے کہ شیعیت کی طرف میلان تھا۔ (تہذیب ص۳۲۳ ج۱)۔

امام بیہقی نے اس روایت کو باطل، امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے کذب، امام ابن عدی نے ثابت کی مناکیر روایات میں سے قرار دیا ہے، اس کے علاوہ متعدد اہل علم نے اسے ضعیف کہا ہے۔

(لسان المیزان ص۷۶ ج۲ و نصب الرایة ص۲۱۰ ج۱ و مجمع الزوائد ص۲۸۳ ج۱)۔

(۳) باب شراب کی نجاست

فصل اول

شراب کی حرمت:

شراب کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول برحق سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ نے حرام قرار دیا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

یا یھا الذین امنوا انما الخمر والمیسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشیطٰن فاجتنبوہ لعلکم تفلحون۔(المائدہ :۹۰)

یعنی اے ایمان والو! بات یہی ہے کہ شراب اور جوا اور تھان اور فال نکالنے کے پانسے کے تیر یہ سب گندی باتیں شیطانی کام ہیں ان سے بالکل الگ رہو تاکہ تم فلاح یاب ہو(۵،۹۰)

اس آیت کا شان نزول حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں انصار اور مہاجرین کے کچھ لوگوں کے پاس گیا وہ کہنے لگے آؤ ہم تمہیں کھلائیں اور شراب پلائیں اس وقت شراب حرام نہ ہوئی تھی چنانچہ میں ان کے پاس اس باغ میں گیا وہاں ایک اونٹ کے سر کا گوشت بھونا گیا تھا اور شراب کی ایک مشک رکھی تھی، میں نے ان کے ساتھ گوشت کھایا اور شراب پی، پھر وہاں مہاجرین اور انصار کا ذکر آیا، میں نے کہا کہ مہاجرین انصار سے بہتر ہیں ایک شخص نے سری کا ٹکڑا لیا اور مجھے دے مارا جس سے میری ناک زخمی ہوگئی میں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آکر واقعہ بیان کیا تو اللہ تعالیٰ نے میری وجہ سے شراب کے بارے میں یہ آیت نازل فرمائی۔

اے ایمان والو! بات یہی ہے کہ شراب اور جوا اور تھان اور فال نکالنے کے پانسے کے تیر یہ سب گندی باتیں شیطانی کام ہیں ان سے بالکل الگ رہو تاکہ تم فلاح یاب ہو (صحیح مسلم ص۲۸۱ ج۲)۔

شراب کی تعریف: سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

"کل مسکر خمر و کل مسکر حرام"

الحدیث ہر نشہ آور چیز خمر (شراب) ہے اور ہر نشہ آور چیز حرام ہے۔

(مسلم کتاب الأشربة باب بیان ان کل مسکر خمر۔ رقم الحدیث ۵۲۱۸)۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا راویہ ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "کل شراب اسکر فھو حرام" ہر وہ مشروب جس کے پینے سے نشہ آئے وہ حرام ہے۔(بخاری کتاب الوضوء باب لایجوز بالنبیذ ولا

المسکررقم الحدیث ۲٤۲ و مسلم باب سابق رقم الحدیث ٥٢١٢)۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"ما اسکر کثیرہ فقلیله حرام"

جو چیز زیادہ مقدار میں نشہ لائے وہ تھوڑی مقدار میں بھی حرام ہے۔

(ابن ماجه کتاب الاشربة باب ما اسکر کثیرہ فقلیله حرام)۔ (الحدیث ۳۳۹۲)و بیهقی ص۲۹۶ ج۸)

یہی حدیث سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، ابو داؤد(۳۶۸۱) وترمذی (۱۸۶۵) وابن ماجۃ(۳۳۹۳) ومسند احمد ص۳۴۳ ج۳)۔ اور سیدنا عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے، (نسائی ۵۶۱۰)وابن ماجہ۳۳۹۴) و(بیہقی ص۲۹۶ ج۸)واحمد ص۱۶۷و۱۷۱ ج۲ میں آتی ہے۔

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

انه نزل تحریم الخمر وهی من خمسة من العنب والتمر والعسل والحنطةو الشعیر، والخمر ما خامر العقل،

اللہ تعالیٰ نے خمر (شراب) کوحرام قرار دیا ہے، اور یہ پانچ چیزوں سے (بنتی) ہے۔انگور، کھجور، شہد، گندم، جو، اورخمر وہ ہے جونشہ سے عقل کو متاثر کرے۔ (بخاری ۴۶۱۹)ومسلم(۷۵۵۹)۔

ان احادیث وآثار سے یہ ثابت ہوا کہ خمر (شراب) حرام ہے اور ہر وہ مشروب جونشہ آور ہے وہ خمر (شراب) ہے۔خواہ وہ قلیل مقدار میں نشہ آور ہو یا زیادہ پینے سے نشہ آتا ہو بہرحال وہ شرعی طور پر شراب ہے۔

امام ابوحنیفہ کا اختلاف: امام محمد لکھتے ہیں کہ:

محمد عن یعقوب عن ابی حنیفة قال الخمر حرام قلیلها وکثیرها والسکر وهو التی من ماء التمر ونقیع الذبیب اذا اشتد حرام مکروہ والطلا وهو الذی ذهب اقل من ثلثیة من ماء العنب وما سوی ذلك من الشربة فلاباس به۔

امام محمد قاضی ابو یوسف سے روایت کرتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا: خمر مطلقا حرام ہے۔ خواہ قلیل ہو یا کثیر، اور سکر چھواروں کا کچا پانی ہے اورنقیع الذبیب (یعنی کشمش کا کچا پانی سڑ کر) جب گاڑھا ہوجائے تو مکروہ ہے۔ طلاء یہ ہے کہ انگوروں کا شیرہ پکایا جائے اور اس کا دو تہائی سے کم اڑ جائے اور اس کے علاوہ باقی تمام شرابیں حلال ہیں۔

(الجامع الصغیر ص۴۸۵ کتاب الاشربة طبع ادارة القرآن والعلوم الاسلامیة کراچی)۔

علامہ مرغینانی المتوفی ص۵۹۳ھ اس قول کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

وقال فی الجامع الصغیر ماسوئی ذلك من الاشربة فلاباس به قالوا هذا الجواب علی هذا علی العموم والبیان لا یوجد فی غیره وهو نص علی ان ما یتخذ من الحنطة والشعیر والعسل والذرة حلال عند ابی حنیفة ولایحد شاربه عنده وان سکر منه ولا یقع السکران منه بمنزله النائم۔

یعنی امام محمد نے جامع الصغیر میں کہا ہے کہ ان چار شرابوں کے علاوہ باقی نشہ آور مشروبات کے پینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (اس قول کی تفصیل یہ ہے کہ) فقہاء نے کہا جس طرح اس کتاب میں عموم ہے وہ (محمد کی) اور کسی کتاب میں نہیں ہے، اور اس عبارت میں اس کی تصریح ہے کہ جو شراب، گندم، جو، شہد، اور جوار سے بنائی جائے وہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک حلال ہے اور اس کے پینے والے پر حد جاری نہیں ہو گی خواہ اس کو نشہ ہو جائے اور اس نشہ میں اس کی طلاق بھی واقع نہیں ہو گی جیسا کہ سونے والے کی طلاق واقع نہیں ہوتی۔

(هدایة آخیرین ص۴۹۵ و۴۹۶ مطبوۃ مکتبه امدادیة ملتان، وهدایة مع فتح القدیر ص۳۲ ج۹ کتاب الاشربة)۔

راقم الحروف نے ہدایۃ کی متعدد شروح اور حواشی کو دیکھا ہے تمام نے ہی اس پر سکوت اختیار کیا ہے اور علماء دیوبند کا اصول ہے کہ اختلاف کے مقام پر خاموشی سے گزر جانا راضی ہونے کی دلیل ہے۔

(السکوت فی معرض البیان بیان، تحفة اهل حدیث ص۱٤ حصه دوم)۔

ہاں صاحب ہدایۃ کی موافقت راقم کو ضرور ملی ہے۔

مولانا عبدالحی لکھنوی حنفی مرحوم امام محمد کے قول کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

قوله وماسوٰی ذلك، الخ، هذا الجواب علی العموم لایوجد فی غیرهنا الکتاب، وهذا نص علی ان ما یتخذ من الحنطة والشعیر والذرة حلال۔

فی قول ابی حنیفہ (نافع الکبیر ص۴۸٦) یہی بات مولانا محمد زکریا فرماتے ہیں (اوجز المسالك ص۸۷ ج٦) (عبارت کا مفہوم وہی ہے جو صاحب ہدایۃ کی عبارت کا ہے)۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ چار شرابوں میں سے انگور کی شراب امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک حرام قطعی ہے باقی تین کی حرمت ظنی ہے اور ان کے علاوہ باقی تمام نشہ آور شرابیں حلال ہیں۔ اس کی دلیل بھی فقہاء احناف نے درج کی ہے، علامہ مرتضیٰ زبیدی حنفی فرماتے ہیں۔

"الخمر ما اسکر من عصیر العنب خاصة وهو مذهب ابی حنیفة، والکوفین"

یعنی خمر صرف انگور کے اس شیرہ کو کہتے ہیں جو نشہ آور ہو۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور کوفیوں کا یہی مذہب ہے۔ (تاج العروس ص۱۸٦ ج۳)۔

مزید دیکھیے! (تکملہ فتح الملہم ص۶۰۰ ج۳) مؤلف محمد تقی عثمانی دیوبندی واعلاء السنن ص۲۵ ج۱۸ مؤلف ظفر احمد تھانوی دیوبندی۔

مگر ان بڑے لوگوں کے فقہی دماغ میں یہ بات کون اتارے کہ معاملہ قرآن کے لفظ خمر، کی تفسیر کا ہے اسے لغت کی بجائے پیارے نبی سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ کے فرمان میں دیکھئے کہ آپ اس کی کیا تفسیر کرتے ہیں۔ ہم بفضلہ تعالیٰ اس پر متعدد احادیث نقل کر چکے ہیں کہ ہر نشہ آور مشروب خمر ہے۔ جب آپ اتنی بات بخوبی سمجھ گئے ہیں کہ ان چار شرابوں کے علاوہ باقی تمام شرابیں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک حلال ہیں۔ معاملہ صاف ہے جب یہ شرابیں حلال ہیں تو پاک بھی ہیں۔ جلدی سے یہ نہ کہہ دینا کہ یہ غلط ہے، آیئے ہم آپ کو علماء دیوبند سے تصدیق کروا دیتے ہیں۔ مولانا محمد تقی عثمانی دیوبندی شرح صحیح مسلم میں فرماتے ہیں۔

واما غير الاشربة الأربعة فليست نجسة عند الامام ابی حنيفة رحمه الله تعالىٰ۔ وبهذا يتبين حكم الكحول المسكرة التی عمت بها البلوی اليوم فانها تستعمل فی كثير من الادوية والعطور والمركبات الاخرىٰ فانها وان اتخذت من غيرهما فالامر فيها سهل علی مذهب ابی حنيفة رحمه الله تعالىٰ ولا يحرم استعمالها للتداوی اولا غراض مباحة اخری مالم تبلغ حد الاسكار، لا نها انما تستعمل مركبة مع المواد الاخری ولايحكم بنجاستها أخذا بقول ابی حنيفة رحمه الله۔

اور ان چار شرابوں کے علاوہ باقی تمام شرابیں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک نجس نہیں ہیں۔ اس سے ہی نشہ آور الکحول کا حکم ظاہر ہو جاتا ہے۔ جو آج کل عموم بلوٰی کی وجہ سے داوؤں، عطروں اور دیگر مرکبات میں کثرت سے استعمال ہوتی ہے اگر یہ انگور اور کھجور سے بنائی جاتی ہے تو ان کے حلال و طاہر ہونے کا کوئی راستہ نہیں ہے اور اگر ان کے علاوہ دیگر چیزوں سے بنائی جاتی ہیں تو امام ابو حنیفہ کے مذہب کے موافق سہولت ہے علاج اور دیگر مباح امور کے لئے ان کا استعمال حرام نہیں اگر حد سکر کو نہ پہنچیں، کیونکہ یہ مرکبات میں دوسری اشیاء کے ساتھ استعمال ہوتی ہیں۔ لہٰذا امام ابو حنیفہ کے قول کے مطابق ان پر نجاست کا حکم نہیں لگایا جا سکتا۔

(تکملہ فتح الملهم ص۶۰۸ ج۳ مطبوعة دار العلوم كراچی ۱۴۱۹ھ)۔

مولوی خلیل احمد سہارنپوری فرماتے ہیں۔

"انها ليست بنجسة"

یعنی چار شرابوں کے علاوہ باقی تمام شرابیں نجس نہیں۔ (بذل المجهود ص۳۳۶ ج۵)۔

آخر میں ہم ایک بریلوی عالم کا اعتراف بھی نقل کرتے ہیں مولانا غلام رسول سعیدی فرماتے

ہیں۔خمر کے علاوہ باقی نشہ آور مشروبات جس مقدار میں نشہ آور ہوں اس مقدار میں حرام ہیں۔ اور اس سے کم مقدار میں حرام ہیں نہ نجس۔

(شرح صحیح مسلم ص۱۹۰ ج۶ وتبیان القرآن ص۶۹۹ ج۳)۔

قارئین کرام! اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ حنفیہ کے نزدیک صرف چار شرابیں حرام اور نجس ہیں ان کے علاوہ باقی تمام شرابیں جو آج کل سیب، جو، جوار، مالٹا، گندم، وغیرہ سے تیار کی جاتی ہے وہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک حرام ہیں نہ ہی نجس۔ یہ بھی صرف ہاتھی کے دانت ہیں دکھانے کے لئے ہیں ورنہ کھانے کے اور ہیں قاضی ابو یوسف کے نزدیک ایسا گوشت جو شراب میں پکایا گیا ہو وہ تین بار جوش دینے خشک کرنے سے پاک ہوجاتا ہے ابن عابدین فرماتے ہیں۔

''وعندی اذا صب فیه الخل وترك حتی صار الکل خلا لا باس به''

یعنی ایسی گندم جو شراب میں پکائی گئی ہو میرے نزدیک اگر اسے تھوڑی دیر کے لئے چھوڑا جائے یہاں تک کہ وہ سرکہ بن جائے تو اسے استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

(فتاویٰ شامی ص۳۳۵ ج۱)۔

قاضی ابو یوسف کہتے ہیں کہ

''ولو عجن خبز صب فیه خل حتی یذهب اثره فیطهر''

شراب میں گوندھے آٹے کی روٹی پکائی اگر اس پر اتنا سرکہ ڈالا جائے کہ اس کا اثر جاتا رہے تو روٹی پاک ہے۔ (درمختار مع شامی ۳۳۶ ج فتاوٰی عالم گیریه ص٤٤ ج١)۔

اس سلسلہ میں متعدد امثلہ ہیں باذوق حضرات، حقیقۃ الفقہ حصہ اول ۲۲۷ تا ۲۴۸ کا مطالعہ کریں۔

مولوی انوار خورشید نے دو سلفی علماء کے ذاتی اجتہاد کو نقل کر کے ان کے رد میں پورا باب لکھا ہے حالانکہ سب سے پہلے ان بزرگوں کے رد کی ضرورت تھی جو شراب کے حلال و طاہر ہونے کے قائل تھے۔مگر دیوبندی محقق نے اپنے گھر کے خرافات کا رد نہیں کیا اب ہم ترتیب وار مقلد انوار خورشید کے دلائل کی حقیقت واضح کرتے ہیں۔

فصل دوم

پہلی دلیل: یہ وہی دلیل ہے جو ہم نے سب سے پہلے قرآن سے شراب کے حرام ہونے پر نقل کی ہے مولوی صاحب استدلال میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے شراب جوئے اور انصاب (بت) ازلام (فال کے تیر) کو رجس قرار دیا ہے۔ جس کے معنی ناپاکی کے ہیں۔

(حدیث اور اھل حدیث ص ۱۵۳)۔

الجواب: اولاً اس آیت میں رجس سے مراد نجاست حسی نہیں بلکہ معنوی مراد ہیں، یعنی یہ کام گندے اور برے ہیں جیسا کہ امام راغب نے صراحت کی ہے۔

(المفردات فی غریب القرآن ص۱۸۸)۔

خود ہمارے مہربان نے اس کا معنی ،،گندے کام ہیں،، کیا ہے جس سے ثابت ہوا کہ وہ بھی اس کی نجاست کو حسی نہیں مانتا، ورنہ معنی یہ کیا جاتا کہ یہ تمام چیزیں نجس و پلید ہیں یہ بھی ملحوظ رہے کہ اس سے معنوی نجاست مراد ہونے پر فریقین کا اتفاق ہے، کیونکہ اس میں چار چیزوں کو رجس کہا گیا ہے۔

(۱) شراب (۲) جوئے (۳) بت (۴) فال کے تیر۔

ظاہر ہے کہ اس سے معنوی نجاست مراد ہے ورنہ یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ بت، فال کے تیر اور جوئے کے آلات بھی ناپاک ہیں حالانکہ اس بات کا کوئی بھی قائل نہیں کفار عرب نے بیت اللہ میں بت رکھے تھے جن کو نبی مکرم سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ نے فتح مکہ کے روز توڑا تھا۔

(بخاری ص ۶۱۴ ج۲و مسلم ص ۱۰۴ ج ۲)۔

فریق ثانی وضاحت کرے کہ کیا رسول اللہ ﷺ نے بت توڑنے کے بعد بوجہ نجاست کعبہ کو دھویا تھا اور اپنے ہاتھوں کو بھی، مگر رب محمد ﷺ کی قسم ہے کوئی حنفی یہ ثابت نہیں کر سکے گا ان شاء اللہ، اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ثابت کیا جائے کہ نبی ﷺ نے بوجہ بتوں کی نجاست بیت اللہ میں کبھی نماز ادا نہیں فرمائی۔ جبکہ حقیقت اس کے برعکس ہے، اس پر ہم بفضلہ تعالیٰ متعدد احادیث پیش کرسکتے ہیں کہ نبی ﷺ نماز ادا کی ہے۔ دیوبندیو! انکار سے پہلے سورہ العلق کی تفسیر (بخاری رقم الحدیث ۴۹۵۸)۔ سے ضرور دیکھ لینا تاکہ بعد میں شرمندگی نہ ہو۔

ثانیا: ہم شراب کی تعریف کے بیان میں متعدد احادیث لکھ چکے ہیں کہ ہر نشہ آور مشروب، خمر ہے۔ اگر اس آیت سے خمر کی نجاست ثابت ہوتی ہے تو ہر مسکر چیز بوجہ خمر ہونے کے پلید ہے حالانکہ احناف کے نزدیک چار قسم کی شرابوں کے علاوہ باقی تمام پاک ہیں، نبیذ کے ساتھ تو وضو کرنا بھی جائز بتاتے ہیں۔

وان طبخ ادنی طبخة یجوز الوضوء به حلوا کان مرا او مسکرا وهوا الاصح۔
یعنی اگر نبیذ کو تھوڑا سا پکایا گیا ہو تو اس سے وضوء کرنا جائز ہے خواہ اس کا ذائقہ میٹھا ہو یا کڑوا یا وہ نشہ آور ہو، اور یہی اصح ہے۔ (فتاوٰی عالم گیری ص۲۲ ج۱)۔

دوسری دلیل: فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے شراب اور خنزیر کے برتنوں میں دوسرے برتنوں کے ہوتے ہوئے کھانے پینے سے روکا ہے اور دوسرے برتن نہ ہونے کی صورت میں ان کو دھو کر استعمال کرنے کا حکم دیا ہے اس سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ شراب ناپاک ہے ورنہ آپ ان برتنوں کو دھو کر استعمال کرنے کا اور دوسرے برتنوں کے ہوتے ہوئے ان کے استعمال کا حکم نہ فرماتے۔ (حدیث اور اهل حدیث ص۱۵۳)۔

الجواب: اولاً آپ یہ ثابت کریں کہ کافر صرف اور صرف وہی چار شرابیں پیتے تھے جن کو فقہاء احناف حرام ونجس کہتے ہیں، ورنہ یہ حدیث آپ کے دعوٰی کی دلیل نہیں ہوسکتی، کیونکہ چار شرابوں کے علاوہ باقی کو تو جناب بھی طاہر ہی کہتے ہیں۔

ثانیاً: کفار کے برتنوں میں کھانا کھانے کی ممانعت مطلقا ہے رخصت صرف نہ ملنے کی صورت میں ہے حدیث کا یہ مفہوم قطعاً نہیں کہ برتن میسر ہونے پر بھی کفار کے برتنوں کو دھو کر استعمال کیا جاسکتا ہے بخاری ومسلم میں یہی حدیث ہے جس میں یہ الفاظ ہیں۔

"فان وجدتم غیرا نیتهم فلا تاکلوا فیها، وان لم تجد وا فاغسلوها ثم کلوا فیها"۔
یعنی اگر اہل کتاب کے برتنوں کے علاوہ برتن میسر نہیں تو تب ان کو دھو کر ان میں کھا لیا کرو۔
(بخاری کتاب الذبائح والصید باب ما جاء فی التصید الحدیث(۵۴۸۷)و مسلم کتاب الصید والذبائح باب الصید بالکلاب المعلمة والرمی (الحدیث ۴۹۸۳)۔
اس حدیث کی شرح میں علامہ تقی عثمانی فرماتے ہیں کہ یہ حکم تنزیہ پر محمول ہے۔
(تکملہ فتح الملهم ص۹۷ ج۳)۔

ثالثاً: اگر اس حدیث سے شراب کی نجاست ثابت ہوتی ہے تو تمام شرابوں کی نجاست ثابت کرتی ہے، صرف حنفیہ کے خمر اربعہ کی ہی نجاست پہ دلیل نہیں ہے آپ کوئی ایسی حدیث ثابت کریں جو آپ کے مذہب کی دلیل صریح ہو۔

تیسری دلیل: فرماتے ہیں کہ سیدنا عثمان بن عفان نے فرمایا: کہ شراب سے بچو کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اس کا نام ام الخبائث (تمام ناپاک چیزوں کی ماں)۔رکھا ہے المقاصد الحسنہ ص۲۰۲) وجہ استدلال میں فرماتے ہیں کہ شراب کو ام الخبائث قرار دیا ہے۔خبائث خبیثہ کی جمع ہے اور خبیثہ خبث سے بنا ہے جس کے معنی نجاست و ناپاکی ہیں۔ حدیث میں آتا ہے کہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام فرماتے ہیں۔

لا یصلین الرجل وھو یدافع الاخبثین۔

یعنی آدمی اسی حالت میں نماز نہ پڑھے کہ اسے شدت سے پیشاب پاخانہ آرہا ہو۔ اس حدیث میں حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے پیشاب، پاخانہ کو اخبث کہا ہے، اخبث خبث کا اسم تفضیل ہے جس کے معنی ہیں بہت ناپاک۔ شراب کو آپ نے ام الخبائث قرار دیا ہے۔ جس کے معنی ہونگے تمام ناپاک چیزوں کی اصل اور جڑ۔ (حدیث اور اھل حدیث ص ۱۵۳)۔

الجواب: اولاً یہ حدیث مرفوع تو ابن حبان (موارد) رقم الحدیث ۱۳۷۵)۔ اور موقوف سنن نسائی ص ۳۲۹ ج ۲ و مصنف عبد الرزاق ص ۲۳۶ ج ۹) وبیہقی ص ۲۸۷ ج ۸، میں موجود تھی۔ مگر انوار صاحب ان معروف و متداول کتب کی بجائے، المقاصد کا حوالہ دیتے ہیں جو ان کے علل الحدیث میں نالائق ہونے کی دلیل ہے۔

ثانیا: ''خبث'' کے لفظ سے نجاست ثابت کرنا آپ کی زیادتی ہے، یہ ذومعنی لفظ ہے جس کا اطلاق ہر بری چیز پر ہوتا ہے حتی کہ تکلیف دہ چیز پر بھی اس کا استعمال ہے ہم یہ تسلیم کرتے ہیں کہ بمعنی نجاست بھی یہ مستعمل ہے مگر اس معنی میں خاص نہیں ایک حدیث میں ہے۔ ''لایقولن احدکم خبث نفسی'' یعنی تم میں سے کوئی یہ نہ کہے کہ میرا نفس خبیث ہوگیا ہے بلکہ ''لقست نفسی'' (میرا نفس کاہل اور سست ہوگیا ہے) کہے (بخاری ۶۱۸۰ و مسلم ۵۸۸۰) غور کیجیے اس حدیث میں خبث کا لفظ بمعنی ''کاہل'' استعمال ہوا ہے آئمہ لغت صراحت کرتے ہیں کہ چونکہ یہ لفظ ذومعنی ہے جو باطل اعتقاد جھوٹے اقوال اور برے افعال پر بولا جاتا ہے۔ (تکمله فتح الملهم ص ۴۱۷ ج ۴)۔

ثالثا: آپ نے جو حدیث ''لا یصلین الرجل وھو یدافع الخبثین'' پیش کرکے ''خبیث'' بمعنی نجاست کیا ہے غلط ہے کیونکہ معدہ میں پاخانہ اور مثانہ میں پیشاب کی نجاست کا کوئی بھی قائل نہیں۔ یہ نجاست اس وقت ہے جب انسانی جسم سے باہر نکلیں۔ مگر۔ حدیث میں تو اس کا ذکر یدافع کی صورت میں ہے، یعنی انہیں روک کر نماز ادا کرے۔

محترم اس حدیث میں خبث بمعنی تکلیف، ردی، اور فضول کے آیا ہے کیونکہ اس سے نماز کا خشوع و خضوع نہیں رہتا یہ بالکل اسی طرح حدیث ہے جس طرح حضور ﷺ نے پیاز، اور لہسن پر ارشاد فرمایا کہ:

''من اکل من ھذہ الشجرۃ الخبیثة شیئا فلا یقربنا فی المسجد''

(الحدیث (مسلم کتاب المساجد باب نھی من اکل ثوما...... الحدیث ۱۲۵۶)۔

جو اس خبیث درخت سے کھائے وہ ہماری مسجد کے پاس نہ پھٹکے۔

سوال یہ ہے کہ کیا دیوبندی اس حدیث کی روشنی میں پیاز و لہسن کی نجاست کے بھی قائل ہیں؟

رابعا: اگر یہ تسلیم کر لیا جائے اس سے نجاست ہی مراد ہے، تو تب بھی یہ احناف کی دلیل نہیں کیونکہ یہ چار شرابوں کے علاوہ باقی کی طہارت کے قائل ہیں۔

خامسا: آپ نے خبث کے معنی پر جو حدیث نقل کی ہے اس کے درست الفاظ۔

"لاصلاة بحضرة الطعام ولا هو يدافعه الاخبثان" کے ہیں۔ (مسلم رقم الحديث ۱۲٤٦)۔

چوتھی دلیل: حضرت طارق بن سوید جعفی رضی اللہ عنہ نے نبی علیہ الصلاۃ والسلام سے شراب کے متعلق سوال کیا آپ نے انہیں روک دیا، اور دوا کے لئے شراب بنانے کو ناپسند کیا اور فرمایا یہ دوا نہیں یہ تو بیماری ہے۔ (مسلم ص۱۶۳ ج۲) وجہ استدلال میں فرماتے ہیں۔ اگر شراب پاک ہوتی تو کم از کم زخم پر لگانے کے لئے بنانی جائز ہوتی۔ (حدیث اور اهل حدیث ص ۱٥٤)۔

الجواب: اولاً اس حدیث میں ممانعت کی وجہ شراب کے حرام ہونے کو بتایا گیا ہے اور حرام ہونے سے ناپاک ہونا لازم نہیں آتا، یہ آپ کی زیادتی ہے، سونا چاندی مردوں پر حرام ہے، اس کے برتن استعمال کرنے پوری امت پر حرام ہیں۔ ریشمی کپڑا پہننا حرام ہے، تو کیا یہ تمام چیزیں ناپاک ہیں؟۔ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی غیر کی قسم اٹھانا حرام ہے، تو کیا اللہ کے علاوہ باقی تمام چیزیں ناپاک ہیں؟۔

ثانیا: حدیث کا مطلب صاف ہے کہ حرام اشیاء سے علاج جائز نہیں بلکہ حرام ہے کیونکہ حرام چیز میں شفاء نہیں بلکہ وہ تو خود بیماری ہے، مگر حنفیہ کے نزدیک حرام چیزوں سے مثلاً نکسیر، پیشاب، خون، اور مردار سے علاج جائز ہے (تحفہ حنفیہ ص۸۷ ج۱)۔ پر راقم نے اس پر متعدد حوالے نقل کیئے ہیں، یہاں پر مزید چند حوالے اکابر علماء دیوبند کے نقل کیے جاتے ہیں مولانا انور شاہ صاحب کشمیری نے، (فیض الباری ص۳۲۹ ج۱) میں مولانا محمد یوسف بنوری نے، (معارف السنن ص۲۷۸ ج۱) میں اور تقی عثمانی نے (تکملہ فتح الملہم ص۳۰۴ ج۲) میں حرام اشیاء کے ساتھ علاج جائز بتایا ہے۔

پانچویں دلیل: سلیمان بن موسیٰ فرماتے ہیں کہ حضرت خالد بن ولید نے جب ملک شام فتح کیا اور آمد (شہر) میں نزول فرمایا، تو وہاں کے رہنے والے عجمیوں نے حضرت خالد بن ولید کے لئے حمام اور جسم پر ملنے کے لئے ایک خوشبو تیار کی جو شراب سے خمیر کی گئی تھی، ان کے لشکر میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے بہت سے جاسوس بھی تھے۔ جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو رپوٹیں لکھ کر بھیجا کرتے تھے انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ بات بھی لکھ بھیجی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خالد بن ولید کو لکھا کہ اللہ تعالیٰ نے شراب حرام قرار دی ہے تمہارے بطنوں پر، تمہارے بالوں پر اور تمہاری کھالوں پر۔

(کنز العمال ص۵۲۳ ج ۹)۔

ابو عثمان و ربیع سے یا ابو حارثہ سے روایت ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو یہ اطلاع ملی کہ خالد بن ولید

حمام میں داخل ہوئے اور انہوں نے نورۃ کے بعد کوئی خوشبو ملی جو شراب سے خمیر کی گئی تھی، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا خالد بن ولید کو لکھا، مجھے پتہ چلا ہے کہ تم نے شراب کی مالش کی ہے، تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ بلاشبہ شراب کے ظاہر و باطن کو بھی حرام قرار دیا گیا ہے اور شراب کے پینے کی طرح اس کے چھونے کو بھی حرام قرار دیا گیا ہے، شراب جسموں پر مت لگاؤ کیونکہ یہ ناپاک ہے۔

(کنز العمال ص ۵۲۲ ج ۹)۔

الجواب: اولا صاحب کنز العمال نے یہ روایات سنن سعید بن منصور، اور تاریخ ابن عساکر کے حوالے سے بیان کی ہیں، اور ان میں صحیح وضعیف بلکہ من گھڑت اور جعلی روایات بھی ہیں "ثم ظھرلی" ابن عساکر کی روایت میں سیف بن عمر راوی ہے (تاریخ ابن عساکر ص ۱۹۱ ج ۱۸) اور یہ کذاب ہے دیکھئے (میزان ص ۲۵۵ و ۲۵۶ ج ۲) اگر ان کی صحت کو تسلیم کرلیا جائے تو ظاہر ہے کہ اس سے تمام شرابوں کی نجاست ثابت ہوتی ہے، حالانکہ حنفیہ کے نزدیک حرام صرف چار شرابیں ہیں باقی نہیں، اور ہم مولانا تقی عثمانی کا فتویٰ نقل کر چکے ہیں کہ ان کے علاوہ دیگر کو اگر ادویات و مرکبات اور خوشبو وغیرہ میں استعمال کیا جائے تو جائز ہے۔

مولوی غلام رسول سعیدی حنفی بریلوی لکھتا ہے کہ مذکورۃ الصدر تفصیل سے یہ واضح ہوگیا ہے کہ قلیل اور غیر نشہ آور مقدار میں الکوحل اور سپرٹ کا استعمال جائز ہے کیونکہ وہ حرام ہے نہ پلید اس لئے پرفیوم کا اسپرے جائز ہے۔ (شرح صحیح مسلم ص ۳۲۲ ج ٤)۔

ہم شراب کی تعریف کے سلسلہ میں متعدد احادیث نقل کر چکے ہیں کہ ہر نشہ آور مشروب خمر (شراب) ہے، اور یہ بات بالکل درست ہے کہ الکوحل نشہ آور ہے مگر حنفیہ کے نزدیک جس پرفیوم میں الکوحل کی آمیزش ہو، اس کا استعمال کرنا درست ہے، حالانکہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اسے نجس کہتے ہیں۔ واضح رہے کہ نجس کے الفاظ صرف ابن عساکر کی روایت میں ہیں اور یہ من گھڑت اور باطل ہے، جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ اور سلیمان بن موسیٰ کی روایت ہمارے خلاف نہیں کیونکہ ہم شراب کو جسم پر استعمال کرنا حرام سمجھتے ہیں۔

چھٹی دلیل: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے شراب اور اس کی قیمت کو، مردار اور اس کی قیمت کو، خنزیر اور اس کی قیمت کو۔

(ابوداؤد ص ۱۳۷ ج ۲)۔

وجہ استدلال میں فرماتے ہیں کہ خرید و فرخت کے حرام ہونے سے پہلے اس کا ناپاک ہونا ثابت ہے۔ (حدیث اور اهل حدیث ص ۱۵٤)۔

الجواب: اولاً شراب کی تعریف کے زیرعنوان ہم ثابت کر چکے ہیں کہ ہر نشہ آور چیز حرام ہے، اور افیون بلاشبہ نشہ آور ہے، مگر دیوبندیوں کے نزدیک اس کی تجارت جائز ہے، (احسن الفتاوٰی ص۴۹۵ ج٦) جس سے ثابت ہوا کہ حرام چیز کی تجارت دیوبندیوں کے نزدیک جائز ہے۔

ثانیا: خرید وفروخت کے حرام ہونے سے نجاست ثابت نہیں ہوتی، کتا احناف کے نزدیک حرام ہے اس کی خرید وفروخت بھی جائز ہے، مگر ناپاک نہیں، تفصیل اگلے باب میں آرہی ہے۔

ثالثا: گدھا حرام اور نجس ہے مگر اس کی بیع جائز ہے، جس سے ثابت ہوا کہ بیع کی ممانعت نجاست کی وجہ سے نہیں۔

ساتویں دلیل: حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ تمہارے کپڑے پر شراب لگ جائے تو اس کو دھوؤ یہ خون سے زیادہ شدید ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ص۱۹۳ ج۱).

(حدیث اور اھل حدیث ص ۱۵۳)۔

الجواب: اولاً اس اثر میں یہ صراحت نہیں کہ چار شرابوں کے علاوہ لگے تو تب کپڑے کو دھویا جائے، باقی میں معافی ہے، الغرض یہ حنفیہ کے مؤقف پر تقریب تام نہیں۔

ثانیا: اس کی سند میں عبدالرحمان المحاربی راوی مدلس ہے (تقریب ص۲۰۹) اور تحدیث کی صراحت نہیں۔ دوسرا راوی اس میں لیث بن ابی سلیم ہے جو مختلط ہیں ان کی روایات میں تمیز نہیں ہوسکی جس کی وجہ سے محدثین نے اسے ترک کردیاہے۔ (تقریب ص۲۸۷) الغرض یہ روایات محاربی کی تدلیس اور لیث کے ضعیف ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔

(۴) باب مردہ جانور، خون اور خنزیر کی نجاست:

فصل اول

مولانا انوار خورشید صاحب نے ص ۱۵۶ میں یہ بحث اٹھائی ہے کہ مردار، خون، اور خنزیر ناپاک ہیں۔ جب کہ اہل حدیث کے نزدیک یہ طاہر ہیں اس سلسلہ میں انہوں نے نواب صدیق حسن خاں محدث قنوجی وغیرہ کے اقوال کو بنیاد بنا کر تمام اہل حدیث کا یہی مؤقف بتایا ہے، حالانکہ اگر ان حوالاجات کی صحت کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو تب بھی یہ انفرادی اقوال ہیں، جماعت کا مسلک ہرگز نہیں مگر ہم دیکھتے ہیں کہ انوار صاحب نے ان اقوال کو نقل کرنے میں بھی انتہائی غیر ذمہ داری کا مظاہرہ کیا ہے۔

مردہ جانور کی نجاست:

نواب صدیق حسن خاں مرحوم فرماتے ہیں۔ دریں احادیث صحیحہ مقوی نجاست مطلقہ است زیرا کہ حدیث۔ **ایما اہاب دبغ فقد طهر**، مفید اُن است کہ اہاب مذکور نجس است الی ان قال وجوبہ نجاست مجموع میتہ بدلیل مستقدر شدہ پس تخصیص بعض میتہ بحکم میتہ بحکم طہارت محتاج دلیل است۔

یعنی ہماری ذکر کردہ احادیث صحیحہ میتہ (مردار جانور) کے مطلقاً نجس ہونے پر دلالت کرنے والے مؤقف کو تقویت دیتی ہیں کیونکہ ایما اہاب دبغ فقد طہر، والی حدیث نبوی غیر مدبوغ کھال کی نجاست پر دلالت کرتی ہے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ پورے کا پورا مردار جانور ناپاک ہے لہٰذا کسی جزو کو طاہر قرار دینے کے لئے دلیل شرعی کی ضرورت ہے (بدور الاہلہ)۔ نواب صاحب کی اس صراحت سے ثابت ہوا کہ مردار کی نجاست کے وہ بھی قائل ہیں۔

ثانیا: خود احناف کے نزدیک مردار جانور کی متعدد چیزیں پاک ہیں جو عام متداول کتب فقہ میں، کتاب الطہارۃ، کے تحت موجود ہے۔

علامہ ابن ہمام حنفی فرماتے ہیں کہ:

کل مالا تحله الحياة من اجزاء الهوية محكومة بطهارته بعد موت ما هى جزؤه كا لشعر والريش والمنقار والعظم والعصب والحافر والظلف والبن والبيض الضعيف القشر والانفحة لا خلاف بين اصحابنا فى ذلك۔

یعنی مردہ جانور کے جن اجزاء میں زندگی نہیں وہ (جانور کی) موت کے بعد پاک ہیں اور وہ مردار

کا حصہ نہیں جیسا کہ بال، پر، چونچ، ہڈی، پٹھے، کھر، ناخن، دودھ، کچا انڈا، اور ناک وغیرہ کے پاک ہونے میں ہمارے اصحاب میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ (فتح القدیر ص۹٤ ج۱)

اس عبارت کو ابن نجیم نے بھی، (البحر الرائق ص۱۰٦ ج۱)۔ میں نقل کیا ہے۔ اس کی جو دلیل درج کی جاتی ہے اسے آپ بھی پڑھ لیں فرماتے ہیں ان چیزوں میں زندگی نہیں ہوتی۔

اللہ اکبر! مگر ان سے یہ بات کون کرے کہ اس کی دلیل کیا ہے کہ مردار کی ہڈی مردار نہیں ہوتی۔ کیونکہ ہڈی میں زندگی ہونا تو نص قرآنی سے ثابت ہے، ارشاد ہوتا ہے۔

قال من یحی العظام وھی رمیم، قل یحییھا الذی انشاھا اول مرۃ (سورۃ یس)۔

کہنے لگا کہ ہڈیاں بوسیدہ ہوجائیں گی تو ان کو کون زندہ کرے گا؟ کہہ دو کہ ان کو وہ زندہ کرے گا جس نے ان کو پہلی بار پیدا کیا تھا (۳٦، ۷۸، ۷۹)۔

مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں، انسان، کہتا ہے کہ ہڈیوں کو جبکہ وہ بوسیدہ ہوگئی ہوں کون زندہ کردے گا؟ آپ جواب دے دیجئے کہ ان کو وہ زندہ کرے گا جس نے پہلی مرتبہ ان کو پیدا کیا ہے کہ پہلی تخلیق کے وقت ان ہڈیوں کا زندگی سے کوئی تعلق ہی نہ تھا اور اب تو ایک مرتبہ ان میں حیات ہوکر ایک قسم کا تعلق حیات سے ہوچکا ہے۔

(معارف القرآن ص۴۱۱ ج۷)۔

علامہ شبیر احمد عثمانی دیوبندی فرماتے ہیں۔

یعنی جس نے پہلی مرتبہ ان ہڈیوں میں جان ڈالی اسے دوسری بار جان ڈالنا کیا مشکل ہے، بلکہ پہلے سے زیادہ آسان ہونا چاہیئے، (تفسیر عثمانی ص۵۹۳)۔

قارئین کرام! آپ کسی بھی عربی، اردو، قدیم و جدید تفسیر کو اٹھا کر دیکھ لیں تمام مفسرین اس آیت کا یہی مفہوم بیان کرتے ہیں جس سے یہ حقیقت کھل جاتی ہے کہ قرآن کی رُو سے ہڈی میں زندگی ہوتی ہے۔ اور جب کوئی جانور بوجہ کسی چوٹ کے مرجاتا ہے اسے عربی زبان میں میتۃ کہتے ہیں۔ امام راغب فرماتے ہیں۔

"المیتہ من الحیوان ما زال روحہ بغیر تذکیۃ"

یعنی میتۃ، کا معنی ہے کسی جانور کی تذکیہ (ذبح) کے بغیر جان نکل جانی۔

(مفردات القرآن ص۴۷۷)۔

اس تفصیل سے یہ بات ثابت ہوئی کہ مردہ جانور کی ہڈی بھی مردار ہے، مگر حنفی اس کی نجاست کے قائل نہیں۔

قصہ مختصر یہ کہ مولانا انوار خورشید کا یہ پورا باب حنفیت کے بھی خلاف ہے۔ کاش مولانا صاحب

مردہ جانور کے انڈے اور دودھ کے پاک ہونے کی دلیل بھی درج کرتے اور مردار کے متعلق کھل کر بات کرتے تاکہ انہیں آٹے دال کا ریٹ معلوم ہوجاتا۔

خون کی نجاست:

اس سلسلہ میں نواب صاحب کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ہر خون کے ناپاک ہونے پر کوئی صحیح سنت ثابت نہیں ہوئی۔ (حدیث اور اہل حدیث ص۱۶۲)۔ اس نالائق کو یہ بات کون سمجھائے کہ یہ بات درست ہے اور ہر خون ناپاک وحرام نہیں ہے۔ محترم نے جو دلیل قرآن مجید سے سورہ الانعام کی پیش کی ہے اس میں لفظ ''اودما'' سے بہایا ہوا خون مراد ہے۔ کیونکہ جو خون گوشت کے ساتھ لگا ہوا ہو، وہ بالا جماع حرام و ناپاک نہیں۔ اسی طرح جگر و تلی کے حلال ہونے پر بھی اجماع ہے اور مچھلی کے ساتھ جو خون لگا ہوتا ہے وہ بھی حرام اور نجس نہیں ہے، خود مولانا صاحب نے جو آیت درج کی ہے اس میں ''اودما مسفوحا'' کے الفاظ ہیں (یا بہتا ہوا خون) احادیث و آثار کی روشنی سے یہ مسئلہ بھی ثابت ہے کہ انسانی جسم سے وہ خون جو غیر سبیلین سے بوجہ چوٹ لگنے کے نکلتا ہے وہ بھی طاہر ہے۔

سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ:

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان فی غزوۃ ذات الرقاع فرمی رجل بسهم فنذفه الدم فركع وسجد ومضى في صلاته۔

نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم ذات الرقاع کی جنگ میں تھے، ایک صحابی کو تیر لگا جس سے خون پھوٹ نکلا، اس صحابی نے اسی حالت میں رکوع اور سجدہ کیا اور (بقیہ) نماز کو پورا کیا۔ (بخاری ص۶۹ ج۱)۔

علامہ عینی نے اس پر مزید یہ الفاظ بھی نقل کئے ہیں کہ جب نبی علیہ السلام کو اس کی خبر ہوئی تو آپ علیہ السلام نے انہیں دوبارہ وضو کر کے نماز لوٹانے کا حکم ارشاد نہ فرمایا۔ (البنایۃ ص۱۲۲ ج۱)

امام حسن بصری فرماتے ہیں کہ: **مازال المسلمون يصلون في جراحاتهم**، یعنی مسلمان ہمیشہ (جہاد میں) اپنے زخموں میں نماز پڑھتے رہے۔ (بخاری ص۶۹ ج۱)۔

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے صحیح اسناد کے ساتھ ثابت ہے کہ انہوں نے اس حالت میں نماز پڑھی کہ آپ کے جسم کے زخموں سے خون ٹپک رہا تھا۔ (ابن ابی شیبہ ص۴۷۹ ج۲ فتح الباری ص۲۶۶ ج۲)۔

ان کے علاوہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ جسم سے خون نکلنے پر ناقض وضو کے قائل نہ تھے، مدینہ منورہ کے ساتوں فقہا نکسیر آنے پر وضو کے ٹوٹنے کے قائل نہ تھے، امام مالک اور امام شافعی کا بھی یہی مؤقف تھا، مفصل دیکھئے۔ (دین الحق ص۱۰۹ ج۱)۔

یہی بات حضرت نواب صاحب فرماتے ہیں کہ حیض و نفاس اور سبیلین سے خارج شدہ خون تو نجس

ہے مگر باقی جسم سے نکلا ہوا خون ناپاک نہیں ہے، ان کے الفاظ ہیں۔
وایں حکم طہارت خون غیر حیض و نفاس در غیر ما خرج من السبیلین است وبایں رفتہ اند آئمہ اہل بیت منہم زید بن علی والامام محمد باقر والحسن بن علی۔
یعنی خون کے پاک ہونے کی جو بات ہم نے کہی ہے وہ حیض و نفاس اور سبیلین (پیشاب و پاخانہ کے مقامات) سے خارج ہونے والے خون کو شامل نہیں ہے۔ یعنی یہ ناپاک ہیں۔ یہی مذہب ہے اہل بیت بشمول امام زید بن علی ومحمد باقر وحسین بن علی اور علی بن زین العابدین کا ہے۔
(دلیل الطالب ص ۳۳۰)۔
خود حنفی مذہب میں شہید کو اس کے جسم اور کپڑوں پر لگے ہوئے خون کو دھوئے بغیر دفن کیا جاتا ہے دیکھئے۔ (خیر الفتاوی ص ۲۹۴ ج ۳ واحسن الفتاوی ص ۲۵۴ ج ۴ وکفایت المفتی ص ۱۸۶ ج ۴ وفتاوی دار العلوم دیوبند ص ۴۷۵ ج ۴)۔
سوال یہ ہے کہ اگر شہدا کا خون نجس ہے تو اس کو دھوئے بغیر شہید کو دفن کرنے پر حنفی متفق کیوں ہیں۔ اس کے علاوہ مریض کو خون دینا بھی حرام ہوگا، کیونکہ جب خون نجاست غلیظہ ہے تو اس کا استعمال بھی ناجائز ہوگا۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ علمائے دیوبند اس کے جواز کے قائل ہیں مفتی محمد شفیع فرماتے ہیں کہ خون اگرچہ جزء انسانی ہے اس کو کسی دوسرے کے بدن میں منتقل کرنے کے لئے کاٹ چھانٹ کی ضرورت پیش نہیں آتی، انجکشن کے ذریعہ خون نکالا اور دوسرے بدن میں ڈالا جاتا ہے، اس لئے اس کی مثال دودھ کی سی ہوگئی۔ (معارف القرآن ص ۳٦٤ ج ۱)۔

خنزیر کی نجاست:

مولانا صاحب نے تیسرا مسئلہ خنزیر کی نجاست کا بیان کیا ہے حالانکہ نواب صاحب خنزیر کو نجس العین کہتے ہیں فرماتے ہیں کہ:
اولحم خنزیر فانہ رجس، مستفاد می شود کہ میتہ غیر خنزیر نجس باشد ای ان قال وازیں جا دریافت شد کہ دلیلے بر نجاست میتہ غیر خنزیر موجود نیست کائنۃ ما کانت۔
یعنی اللہ تعالیٰ کا ارشاد کہ "اولحم خنزیر فانہ رجس" سے خنزیر کے علاوہ مردار کا نجس ہونا مستفاد نہیں ہوتا پھر طویل بحث کے بعد فرماتے ہیں۔ اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ آیت میں خنزیر کا ناپاک ہونا بیان کیا گیا ہے، اس کے علاوہ مردار جانور کا ناپاک ہونا بیان نہیں کیا گیا۔
(دلیل الطالب ص ۲۲۴)۔
اس عبارت سے ثابت ہے کہ وہ خنزیر کو ناپاک کہتے ہیں ہاں مگر قرآن کی آیت سے مردار

''نجاست'' کا وہ انکار کرتے ہیں۔ اس کا مقصد یہ نہیں کہ ان کے نزدیک کسی بھی دلیل سے مردار کا ناپاک ہونا ثابت نہیں، ہم پہلے نواب صاحب کا قول درج کر چکے ہیں کہ مردار بحکم حدیث نبویہ ناپاک ہے۔

دراصل بات یہ ہے کہ نواب صاحب کے نزدیک آیت " فانه رجس " میں ضمیر فقط خنزیر کی طرف ہی ہے، مردار اور خون وغیرہ کی طرف راجع نہیں ہے۔فی الواقعہ ضمیر فقط خنزیر کی طرف ہی لوٹتی ہے۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی التوفی ۱۲۲۵ھ حنفی فرماتے ہیں کہ:یعنی خنزیر ناپاک ہے قرب کی وجہ سے ''ہ'' ضمیر خنزیر کی طرف راجع ہے، (تفسیر مظہری ص ۱۵۷ ج ۴ مترجم طبع کراچی)۔

علامہ مرغینانی حنفی متوفی ۵۹۳ھ فرماتے ہیں کہ:"اذالھا قولہ تعالیٰ فانه رجس منصرف الیه لقربه'' یعنی آیت قرآن ''فانہ رجس'' میں ضمیر خنزیر کی طرف راجع ہے، قرب کی وجہ سے،

(ھدایه مع فتح القدیر ص ۸۲ ج ۱)۔

مولانا عبدالحی لکھنوی حنفی متوفی ۱۳۰۴ھ فرماتے ہیں کہ:"مرفی بحث الدباغة من انه راجع الی الخنزیر فقط کما یقضیه السوق'' یعنی دباغت کی بحث میں یہ گزر چکا ہے کہ آیت ''فانہ رجس'' میں ضمیر ''ہ'' فقط خنزیر کی طرف ہی راجع ہے، جیسا کہ سیاق وسباق کا تقاضا ہے۔ (السعایة ص ٤٢٠ ج ١)

ان عبارات سے ثابت ہوا کہ نواب صاحب نے جو بات لکھی ہے وہی اکابر احناف نے بھی کہی ہے۔ مگر مولانا انوار صاحب نے نواب صاحب مرحوم کا تو رد لکھا ہے مگر اپنے اکابر سے چشم پوشی اختیار کی ہے، اس حق پوشی کے ساتھ مزید غلط بیانی یہ کی کہ: اللہ تعالیٰ نے مردار، خون، خنزیر تینوں کو یکجا کر کے فرمایا ''انہ رجس'' یہ ناپاک ہیں۔ (حدیث اور اھل حدیث ص ١٤٠)۔

محترم کی یہ قرآن میں معنوی تحریف ہے اس تحریف کو بنیاد بنا کر اہل حدیث کا رد لکھا جا رہا ہے، یہ احقاق حق نہیں بلکہ کتمان حق کی بدترین مثال ہے۔

فصل دوم

ہماری گزشتہ بحث کے بعد ضرورت نہیں کہ ہم مولانا صاحب کے پیش کردہ دلائل کا جائزہ پیش کریں، مگر ہم ان کے دلائل کا رد علیحدہ فصل میں اس لئے کر رہے ہیں تاکہ خورشید صاحب کی معنوی تحریفات کو واضح کریں، اور ان کی پیش کردہ حدیث و آثار کی فنی حیثیت کے علاوہ حنفیت کی مخالفت بھی ثابت کریں، وباللہ التوفیق۔

دلیل اول: عن ابن عباس قال اراد النبی ﷺ ان یتوضأ من سقاء فقیل له انه میتة قال دباغه یذھب بخبثه او نجسه او رجسه۔

(صحیح ابن خزیمه ص ٦٠ ج ١)۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ السلام نے ایک مشک سے وضو فرمانے کا ارادہ کیا تو آپ سے عرض کیا گیا کہ یہ تو مردار (کی کھال کی بنی ہوئی ہے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ اس کی دباغت اس کی ناپاکی کو دور کر دیتی ہے۔ وجہ استدلال میں فرماتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مردار کی کھال کو دباغت کے بعد پاک قراد دیا ہے اس سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ مردار کی کھال دباغت سے پہلے ناپاک تھی۔ (حدیث اور اھل حدیث ص۱۵۷)۔

الجواب: اولا: آپ کا یہ بیان کردہ مطلب مفہوم مخالف ہے، اور مفہوم مخالف احناف کے نزدیک جائز نہیں (مبسوط سرخسی کتاب السیر بحوالہ شرح صحیح مسلم ص۸۵ ج۴) ،للمولوی غلام رسول سعیدی حنفی بریلوی۔

ثانیا: اس حدیث سے مرے ہوئے جانور کا مردار ہونا ثابت ہوتا ہے، پہلے وضاحت کردی گئی ہے کہ ہڈی وغیرہ بھی مردار ہوتی ہے حالانکہ حنفی اس کی نجاست کے قائل نہیں، الغرض یہ حدیث حنفیہ کے خلاف ہے۔

دوسری دلیل: عن ابن عباس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم "ایما اھاب دبغ فقد طھر" (ترمذی ص۳۰۳ ج۱)۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ جو کھال دباغت دے لی گئی وہ پاک ہوگئی۔

وجہ استدلال میں فرماتے ہیں کہ ظاہر ہے پہلے ناپاک تھی۔ (حدیث اور اھل حدیث ص ۱۶۰)۔

الجواب: اولا یہ مفہوم مخالف ہے جو احناف کے نزدیک حجت نہیں۔

ثانیا: یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ کھال کو دباغت کے بعد استعمال میں لانا چاہئے اور یہ کہ دباغت کے بعد اس کی طہارت ہے اور حدیث میں وضاحت موجود ہے کہ مردے کی کھال اور پٹھے سے فائدہ مت اٹھاؤ، چنانچہ سیدنا عبداللہ بن حکیم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ:

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کتب الی جھینۃ قبل موتہ بشھران الاتنتفعوا من المیتۃ باھاب ولا عصب۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ جہینہ کی طرف اپنی وفات سے دو مہینے پہلے یہ لکھا کہ مردے کی کھال اور پٹھے سے فائدہ نہ اٹھاؤ۔ (ابو داؤد مع عون ص۱۱٤ ج ٤)۔

یہ حدیث ابو داؤد کے علاوہ مسند احمد ص۳۱۱ ج۴ ونسائی (۴۲۵۵) وابن ماجہ (۳۶۱۳) (طیالسی ۱۲۹۳) وبیہقی ص۱۴ ج۱) وغیرہ میں بھی موجود ہے۔ اور سند کے لحاظ سے صحیح ہے، علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس پر جملہ اعتراضات کے مسکت ومدلل جوابات دے کر اس پر صحیح کا حکم لگایا ہے۔ (ارواء الغلیل ۳۸)۔

امام نضر بن شمیل جو لغت عرب کے امام ہیں انہوں نے وضاحت کی ہے کہ جس کھال کو دباغت نہ دی گئی ہو اسے عربی زبان میں "اھاب" کہتے ہیں، اور دباغت دی ہوئی کھال کو "شنّا" اور "قربہ" کہتے ہیں۔ (ابو داؤد مع عون ص ۱۱٤ ج ٤)۔

اور زیر بحث حدیث میں نبی مکرم ﷺ نے "اھاب" یعنی دباغت سے قبل کھال سے فائدہ اٹھانے سے منع فرمایا، اور دوسری حدیث میں دباغت کے بعد اس کی طہارت کا حکم بیان فرمایا، اور ہمارے بھائی نے اس کا یہ نتیجہ بیان کیا ہے کہ اس سے پہلے ناپاک تھی۔ (حدیث اور اہل حدیث ص۱۴۰)۔

اس اعتراف حقیقت سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ کھال بہرحال دباغت کے بعد پاک ہوجاتی ہے، حالانکہ حنفیہ کے نزدیک ہر وہ کھال جو دباغت سے پاک ہوتی ہے وہ ذبح کرنے سے بھی پاک ہوتی ہے۔

دیوبندیت کے حکیم الامت فرماتے ہیں: کتا، بندر، بلّی، شیر وغیرہ جن کی کھال بنانے (دباغت) سے پاک ہوجاتی ہے بسم اللہ کہہ کر ذبح کرنے سے بھی کھال پاک ہوجاتی ہے۔ چاہے بنائی ہو یا بے بنائی ہو۔ (بهشتی زیور مکمل ومدلل ص٥٦ حصه اول مطبوعه مکتبه العلم لاهور)۔

حالانکہ مولانا انوار خورشید صاحب کی پیش کردہ روایت میں دباغت والی کھال کو پاک کہا گیا ہے، اور دوسری حدیث میں بلا دباغت فائدہ اٹھانے سے منع فرمایا ہے۔

تیسری دلیل: **عن جابر بن عبد الله انه سمع رسول الله ﷺ عام الفتح وهو بمكة يقول ان الله ورسوله حرم بيع الخمر والميتة والخنزير والاصنام فقيل يا رسول الله ا رأيت شحوم الميتة فانه يطلى به السفن ويدهن بها الجلود ويستصبح بها الناس قال لا هو حرام ثم قال رسول الله ﷺ عند ذلك قاتل الله اليهود ان الله حرم عليهم الشحوم فاجملوه ثم باعوه فاكلوا ثمنه۔**

(ترمذی ص۲۴۲ ج۱)۔

حضرت جابر بن عبد اللہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فتح مکہ کے سال مکہ مکرمہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ بے شک اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے شراب، مردار، خنزیر، اور بتوں کی خرید و فروخت کو حرام قرار دیا ہے۔ عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ ﷺ مردار کی چربی کے بارے میں جناب کی کیا رائے ہے؟ کیونکہ وہ کشتیوں پر ملی جاتی ہے، اور کھالوں پر ان کا روغن لگایا جاتا ہے، اور لوگ اس سے چراغ جلاتے ہیں، آپ نے فرمایا (یہ جائز) نہیں (ہے) حرام ہے، پھر اسی موقعہ پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: خدا یہودیوں کو ہلاک کرے، اللہ نے ان پر چربی کو حرام قرار دیا انہوں نے اسے پگھلا کر بیچا اور اس کی قیمت کھائی۔ وجہ استدلال میں فرماتے ہیں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مردار خون خنزیر کی خرید وفروخت کو حرام قرار دیا ہے۔ اس سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ یہ چیزیں ناپاک ہیں، ورنہ ان کی بیع جائز ہوتی۔ (حدیث اور اہل حدیث ص۱۶۱)۔

الجواب: اولا پہلے تفصیل گزر چکی ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک چار شرابوں کے علاوہ باقی کا استعمال جائز ہے، اور ان کی خرید وفروخت بھی جائز ہے۔ یہاں ایک دیوبندی فاضل کا مزید حوالہ نقل کیا جاتا ہے۔ مولانا تقی عثمانی فرماتے ہیں۔ ان کے علاوہ جو دوسری شرابیں ہیں چونکہ وہ اصلا نجس نہیں ہوتی اور ان کا جائز استعمال بھی ممکن ہے، اس لئے ان کی بیع امام صاحب کے نزدیک جائز ہے اور اسی پر فتوی ہے..........اس سے افیون، بھنگ اور چرس کا حکم بھی نکل آیا......کہ ان کی بیع جائز ہے۔ (تقریر ترمذی ص۲۲۳ ج۱ مطبوعة میمن اسلامك پبلیشرز ۱۹۹۹ھ)

یہی وجہ ہے کہ خورشید صاحب نے، مردار، خون، اور خنزیر کی بیع کو تو حرام لکھا مگر شراب کے متعلق کچھ نہیں لکھا۔

ثانیا: اس حدیث سے حیلہ کی تردید ہوتی ہے کیونکہ یہود نے حرام کو حیلے سے کھایا تھا، جب کہ احناف کے نزدیک حیلہ جائز ہے، فقہ حنفی کی کتب میں اس پر مستقل کتاب ''الحیل'' ہے جس میں حیلوں سے شریعت کے احکام کا مذاق اڑایا گیا ہے، فتاوی عالم گیری میں اس کی ابتدا وضو سے ہوتی ہے اور متفرقات تک لئے گئے ہیں جس میں زندگی کے تمام شعبے شامل ہیں اور دین اسلام کی عبادات ومعاملات بھی داخل ہیں۔ (دیکھئے فتاوی عالم گیری ص۳۹۰ تا ۴۳۶ ج۶)۔

حنفیہ کے نزدیک ایک مجلس میں تین طلاقیں دینے سے عورت حرام ہوجاتی ہے، جسے یہ لوگ حلالہ کر کے دوبارہ عقد میں لے آتے ہیں۔ اس کی محفوظ صورت بتاتے ہوئے لکھا ہے۔

''ان یقول الذی یرید التحلیل قبل ان یتزوجها ان تزوجتك وجامعتك مرة فانت طالق ثلاثا''

یعنی حلالہ کرنے والا نکاح سے پہلے عورت سے کہے کہ اگر میں تجھ سے نکاح کر کے ایک دفعہ ہی ہمبستری کروں تو تجھ پر تین طلاقیں۔ (فتاوی عالم گیری ص۳۹۵ ج۶)۔

اس عبارت کی وضاحت کرنا بھی ہم ضروری خیال کرتے ہیں تاکہ مسئلہ پوری طرح سمجھ میں آجائے، بتایا یہ جارہا ہے کہ اگر کسی نے اپنی عورت کو تین طلاقیں دے دیں، اب حنفی علماء نے حلالہ کا مشورہ دیا مگر مطلقہ بیوی کے خاوند کو خدشہ ہے کہ حنفی مفتی صاحب سے ہی نکاح ہوجائے، تو اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ رات لگانے کے بعد حنفی مفتی صاحب عورت کو طلاق دے دیں گے؟ اس کے لئے یہ حیلہ بتایا جارہا ہے کہ مفتی صاحب سے پہلے اقرار کروالیا جائے کہ اگر میں اس سے صحبت کروں تو اس پر تین طلاقیں ہیں، گویا حنفی مفتی اگر عورت سے لطف اندوز ہوتو اس پر خود بخود تین طلاقیں پڑجائیں گی،

اگر نہ ہو تو ایسی بیوی کس کام کی، انا اللہ وانا الیہ راجعون۔

ان فقہاء کو کون بتا کر جاہل، اجڈ، وہابی، غیر مقلد، کے القاب سنئے کہ حضرت جی ایسی شروط نکاح میں باطل ہیں، اور محمد مصطفیٰ ﷺ نے فرمایا ہے کہ نکاح سے قبل طلاق نہیں۔

بیھقی ۷/۳۱۸، ۳۲۰، ۳۲۱، مستدرک حاکم ۲/۴۱۹، ابن ابی شیبه ۵/۱۶، ۱۴، ۲۲۴، دارقطنی ۴/۱۷، ۳۶، وابو داؤد (۲۱۹۰، ۲۱۹۱) ابن ماجه (۲۰۴۷، ۲۰۴۸، ۲۰۴۹)

حاکم وذہبی اور علامہ البانی نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ (ارواء الغلیل ص ۱۵۱ ج ۷)۔

چوتھی دلیل: **عن نافع عن ابن عمر انه رأی فی ثوبه دمافغسله فبقی اثره اسود ودعی بمقص فقصه فقرضه۔**

(مصنف ابن ابی شیبه ص۱۹۸ ج۱)۔

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے اپنے کپڑے میں خون لگا ہوا دیکھا تو اسے دھویا لیکن سیاہ نشان باقی رہا آپ نے قینچی منگوائی اور اسے کاٹ دیا۔ (حدیث اور اهل حدیث ص۱۵۹)۔

الجواب: اولاً خون کس چیز کا تھا اثر میں بہرحال اس کی وضاحت نہیں عین ممکن ہے یہ خون، مکھی، کھٹمل، مچھر، کا ہو جو دیوبندیوں کے ہاں نجس نہیں۔ (بهشتی زیور ص۳ حصه دوم)۔

ثانیاً: کپڑے پر نجاست لگ جائے، اسے خوب دھویا جائے تو بالاتفاق کپڑا پاک ہوجاتا ہے، مولانا تھانوی فرماتے ہیں۔اگر ایسی نجاست ہے کہ کئی دفعہ دھونے اور نجاست کے چھوٹ جانے پر بھی بدبو نہیں گئی یا کچھ دھبّہ رہ گیا ہے۔تب بھی کپڑا پاک ہوگیا، صابون وغیرہ لگا کر دھبّہ چھوڑانا اور بدبو دور کرنا ضروری نہیں ہے، (بہشتی زیور ص۴ حصہ دوم مسلہ ۱۴)۔حالانکہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ نے دھبّہ رہ جانے پر کپڑے کا اتنا حصہ ہی کاٹ دیا تھا، جس سے ثابت ہوا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کا عمل دیوبندیوں کے بھی خلاف ہے۔

پانچویں دلیل: **حدثنا یزید بن هارون عن هشام عن الحسن فی الجب یقطر فیه القطر عن الخمر او الدم قال یهراق۔**

(مصنف ابن ابی شیبه ص۱۶۷)۔

حضرت حسن بصری نے فرمایا: کہ مٹکے میں شراب یا خون کے قطرے گر جائیں تو اسے بہا دیا جائے۔ (حدیث اور اهل حدیث ص۱۵۹)۔

الجواب: اولاً اثر میں بہانے کا ذکر تو ہے، مگر اس کی وضاحت نہیں کہ پانی کے مٹکے کو شراب اور خون کے حرام ہونے کی وجہ سے بہایا جائے یا نجاست کی وجہ سے برتن کو انڈیل دیا جائے، ہم گزشتہ صفحات میں بخاری سے امام حسن بصری کا قول نقل کر چکے ہیں کہ مسلمان ہمیشہ اپنے زخموں میں نماز

پڑھتے رہے۔ جس سے لازم آتا ہے کہ وہ خون وغیرہ کے قطرے گرنے پر مٹکے کو بہانے کا فتویٰ بوجہ حرام ہونے کے دیتے تھے۔

ثانیا: حنفیہ کے نزدیک کسی چیز میں شراب پڑ جائے اور اس کا اثر زائل ہو جائے تو وہ چیز پاک ہے، فتاوٰی ظہیریہ میں لکھا ہے۔

الخبز الذی عجن بالخمر لایطهر بالغسل ولو صب فیه الغل وذهب اثرها یطهر۔

یعنی ایسی روٹی جس کا آٹا شراب سے گوندھا گیا تھا اگر اسے دھویا جائے تو پاک نہ ہوگی، ہاں البتہ اس پر سرکہ ڈالا جائے جس سے شراب کا اثر زائل ہو جائے تو روٹی پاک ہے۔

بحواله (فتاوٰی عالم گیری ص ۴۴ ج۱)۔

جبکہ پانی کے بھرے مٹکے میں اگر چند قطرے شراب ڈال دی جائے تو شراب کا اثر پانی میں ظاہر نہیں ہوتا، جس سے ثابت ہوا کہ امام حسن بصری کا یہ قول حنفیہ کے بھی خلاف ہے۔

چھٹی دلیل: **حدثنا محمد بن ابی عدی عن اشعث عن الحسن، قال القی والخمر والدم بمنزلة یعنی فی الثوب۔**

(مصنف ابن ابی شیبه ص ۱۹۳ ج۱)۔

حضرت حسن بصری نے فرمایا کہ قے، شراب، اور خون سب ایک ہی طرح کے ہیں یعنی یہ اگر کپڑے پر لگ جائیں تو کپڑا ناپاک ہو جائے گا۔ (حدیث اور اهل حدیث ص ۱۵۹)۔

الجواب: اولا خورشید نے اثر کے ترجمہ میں جو یہ لکھا ہے، یعنی یہ اگر کپڑے پر لگ جائیں تو کپڑا ناپاک ہو جائے گا۔ یہ ان کی زیادتی ہے اثر میں کوئی ایسا لفظ تو کجا اشارہ تک بھی نہیں ۔ مگر خورشید صاحب متن روایت میں اپنی طرف سے اضافہ کرتے ہوئے یہ بات تحریر کرتے ہیں، مزید غلط بیانی یہ کی ہے کہ اسے بطور نتیجہ تحریر نہیں کیا بلکہ ترجمہ کے ساتھ بغیر بریکٹ کے لکھا ہے، تاکہ اردو خواں طبقہ اس اثر کا ترجمہ سمجھ کر قبول کر لے، حالانکہ امام حسن بصری یہ کہہ رہے ہیں کہ خون، قے، اور شراب کا کپڑے کو لگ جانا ''بمنزلة'' ہے اور بمنزلة کا معنی نجاست نہیں ہوتا۔ جو اس کا معنی و مفہوم نجاست کرتا ہے وہ بدترین جاہل اور عقل و خرد سے کورا ہے۔

محترم: ''**بمنزلة**'' کا فقط یہ مفہوم ہے کہ ان تینوں کا ایک ہی حکم ہے، اور بعض چیزوں کا ایک ہی حکم ہونے سے ان چیزوں کی نجاست ثابت نہیں ہوتی، آپ کا استدلال بالکل دو ضرب دو، برابر چار روٹیاں ہے۔

ثانیا: اثر میں اس بات کی وضاحت نہیں کہ کون سی قے ''**بمنزلة**'' خون اور شراب کے ہیں حالانکہ احناف میں قے کی بعض اقسام پاک بھی ہیں۔ ملاحظہ کیجئے۔

اذا تناول طعام اوماء ثم قاء من ساعته لاينقض لا نه طاهر حيث لم يستحل وانما اتصل به قليل القئى فلايكون حدثا فلا يكون نجسا وكذا الصبى اذا إرتضع وقاء من ساعته۔

یعنی جب کھانا کھانے اور پانی پینے کے فورا بعد قے کردی جائے تو اس سے وضونہیں ٹوٹتا کیونکہ یہ قے پاک ہے، کیونکہ یہ کھانا ابھی (معدہ) تک نہیں پہنچا تھا اور اسی سے ہی تھوڑی قے کا حکم بھی معلوم ہوگیا کہ وہ نہ وضوتوڑتی ہے اور نہ ہی ناپاک ہے، اور ایسا ہی جب بچے نے دودھ پی کر فورًا قے کردی تو وہ بھی ناپاک نہیں ہے۔

(البحر الرائق ص۳۴ ج۱ ومستملی ص۱۲۹ وفتح القدیر ص۴۱ ج۱)۔

ما يخرج من بدن الانسان اذا لم يكن حدثا لايكون نجس كالقئى القليل والدم اذا لم يسل۔

یعنی ہر وہ چیز جو انسانی بدن سے نکلے اور اس سے وضو نہ ٹوٹتا ہو تو وہ ناپاک نہیں ہے جیسے تھوڑی قے اور وہ خون جو جسم سے نکل کر بہتا نہ ہو۔ (فتاوی عالم گیری ص۱۱ ج۱)۔

اس قول کی روشنی میں حسب ذیل عبارت بھی ملاحظہ کیجئے۔

فان قاء بلغما فغير ناقض عند ابى حنفية و محمد

یعنی امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے نزدیک بلغمی قے آنے سے وضونہیں ٹوٹتا۔

(ہدایة مع فتح القدیر ص۴۱ ج۱)۔

اس قول کی شرح میں علامہ خوارزمی حنفی التوفی فرماتے ہیں: عندهما طاهر ، یعنی امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے نزدیک بلغمی قے پاک ہے۔ (الکفایة ص۱ ٤ ج۱)۔

ان عبارات سے یہ ثابت ہوا کہ کھانے کے فورا بعد کی ہوئی قے۔ ایسی قے جو تھوڑی ہو یعنی منہ بھر کر نہ آئے، اور بلغمی قے احناف کے نزدیک طاہر ہے۔ حالانکہ مذکورہ قول حسن بصری میں اس تقسیم کا سرے سے کوئی ذکر ہی نہیں۔

ساتویں دلیل: **عن عائشه انها قالت قالت فاطمة بنت حبيش لرسول الله ﷺ يا رسول الله ﷺ انى لا اطهر افادع الصلوٰة فقال رسول الله ﷺ انما ذلك عرق وليس بالحيضة فاذا اقبلت الحيضة فاترکی الصلوٰة فاذا ذهب قدرها فاغسلى عنك الدم وصلى۔**

(بخاری ص۴۴ ج۱)۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ فاطمہ بنت حبیش رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی کہ یا رسول اللہ ﷺ میں تو پاک ہی نہیں ہوتی تو کیا میں نماز (پڑھنی) چھوڑدوں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ یہ رگ (سے نکلنے والا خون) ہے حیض نہیں ہے۔ اس لئے جب حیض کے دن آئیں تو نماز

چھوڑ دے اور جب اندازہ کے مطابق وہ ایام گزر جائیں تو خون دھولے اور نماز پڑھ لے۔ (حدیث اور اهل حدیث ۱۶۰)۔

الجواب: اولاً یہ بات آپ نے کسی جاہل سے سنی ہے یا خود وضع کی ہے کہ اہل حدیث کے نزدیک حیض اور استحاضہ کا خون پاک ہے، ہم خون کی نجاست کے زیرعنوان نواب صاحب کا قول نقل کر چکے ہیں کہ حیض و نفاس اور استحاضہ وغیرہ کا خون ناپاک ہے، یہ اہل حدیث کا مؤقف ہے۔ تفصیل کے لئے، دین الحق ص۱۱۲ ج۱) کی مراجعت کریں۔ الغرض حیض وغیرہ کے خون کی طہارت ہماری طرف منسوب کرنی محترم کی زیادتی ہے۔

ثانیاً: اس حدیث کے بعض طرق میں ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: "توضأ لکل صلاۃ" یعنی مستحاضہ ہونے کی صورت میں ہر نماز کے لئے وضو کر، ابو داود (۳۰۴) و ابن ماجہ (۶۲۴) و ابن حبان (۱۳۵۱) و بیہقی ۶/۳۴۴ و مسند احمد ۶/۴۲، ۲۰۴، ۲۶۲) و دار قطنی ۱/۲۰۷، بلکہ ترمذی (۱۲۶) اور ابن حبان (۱۳۵۲) میں یہ الفاظ ہیں۔ "و تتوضا عند کل صلاۃ" ہر نماز کے لئے علیحدہ وضو کر، ان دونوں احادیث کی اسناد کو علامہ نیموی حنفی نے صحیح کہا ہے۔ (آثار السنن ص۳۴)۔ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے مستحاضہ ہر نماز کے لئے علیحدہ وضو کرے، اور ایک وضو سے دو یا تین نمازیں ادا نہیں کرسکتی، مگر حنفیہ کے نزدیک مستحاضہ ایک وضو سے متعدد نمازیں ادا کرسکتی ہے، مولانا عثمانی فرماتے ہیں، حنفیہ کے نزدیک یہ وضو آخر وقت باقی رہے گا اور اس سے فرائض و توابع کے علاوہ دوسرے نوافل پڑھنا اور تلاوت قرآن بھی جائز ہے۔ (درس ترمذی ص۳۶۸ ج۱)۔

حنفیہ کا یہی مذہب ان کی متعدد کتب میں بیان کیا گیا ہے کہ مستحاضہ ایک ہی وضو سے وقت کی نماز اور اس کے توابع کے علاوہ قضاء نمازیں بھی ادا کرسکتی ہے۔

(دیکھئے: هدایه ص۳۹ ج۱ و شرح نقایة ص۳۹ ج۱، حلبی کبیر ص۱۳۳، ومعارف السنن ص۴۲۳ ج۱، واعلاء السنن ص۶۸ ج۱، وشرح معانی الأثار ص۶٤ ج۱)۔

الغرض حنفی دیوبندی اس حدیث پر ایمان تو لاتے ہیں مگر صرف اہل حدیث کی تردید کی غرض سے ورنہ یہ حضرات اس حدیث کو قبول کرنے کے لئے قطعاً تیار نہیں ہے۔

آٹھویں دلیل: عن ابی ثعلبة الخشنی انه سال رسول الله ﷺ قال انا نجاور اهل کتاب وهم یطبخون فی قدورهم الخنزیر ویشربون فی آنیتهم الخمر فقال رسول الله ﷺ ان وجدتم غیرها فکلوا فیها واشربوا وان لم تجدوا غیرها فارحضوها بالماء وکلوا واشربوا۔

حضرت ثعلبہ خشنی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ ہم اہل کتاب کے پڑوس میں رہتے ہیں یہ لوگ اپنی ہانڈیوں میں خنزیر پکاتے ہیں اور اپنے برتنوں میں شراب پیتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ

نے فرمایا: کہ تمہیں ان کے علاوہ دوسرے برتن ملیں تو ان میں کھاؤ پیئو، اور اگر دوسرے نہ ملیں تو پھر ان کو پانی سے دھوکر ان میں کھاؤ پیئو۔ (ابو داؤد ص ۱۸۱ ج ۱)۔

وجہ استدلال میں فرماتے ہیں۔

دوسرے برتنوں کی موجودگی میں شراب اور خنزیر والے برتن میں کھانے پینے سے منع فرمایا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ خنزیر بھی ناپاک ہے۔(حدیث اور اھل حدیث ص ۱۶۰ و ۱۶۲)۔

الجواب: اس حدیث کے متعلق حنفیہ کا مؤقف تو ہم، شراب کی نجاست کے زیر عنوان دوسری فصل کے نمبر۲ میں بیان کر چکے ہیں اسے ایک بار مکرر ملاحظہ کیجئے۔ اور غور فرمایئے کہ جس حدیث کو یہ خود تو تسلیم نہیں کرتے اسے ہم پر بطور حجت نقل کرتے ہیں۔ باقی رہی خنزیر کی نجاست اور اس کے ناپاک ہونے کا مسئلہ، تو یہ ہمیں قبول ہے۔ مولانا صاحب بلاوجہ ہم سے ناراض ہیں، اور ایک ایسا مؤقف ہماری طرف منسوب کر رہے ہیں جس سے ہمارا دامن صاف ہے، ہمارا دعویٰ ہے کہ کسی بھی سلفی نے آج تک یہ دعویٰ نہیں کیا کہ خنزیر پاک و طاہر ہے، گزشتہ اوراق میں ہم، خنزیر کی نجاست کے زیر عنوان اس کی تفصیل درج کر چکے ہیں۔

مزید عرض ہے کہ نواب سید محمد صدیق حسن خان محدث قنوجی خاص اسی حدیث کی شرح کرتے ہوئے خنزیر کو نجس قرار دیا ہے۔ (السراج الوهاج ص ۲۲۳ ج ۱)۔

اور مسک الختام ص ۵۵ ج ۱ میں فرماتے ہیں کہ خنزیر نجس العین ہے اس کی کھال دباغت دینے سے پاک نہیں ہوتی۔

اس کے برعکس حنفیہ کے اقوال خنزیر کے متعلق ملاحظہ کیجئے، قاضی ابو یوسف کے نزدیک خنزیر نجس العین نہیں (فتاوٰی شامی ص ۲۰۴ ج ۱)۔ اس کی کھال دباغت سے پاک ہوجاتی ہے اور اس کی بیع جائز ہے اور اس سے فائدہ اٹھانا بھی درست ہے اس کی کھال پر نماز پڑھنا جائز ہے۔

(مستملی ص ۱۴۷ ومنية المصلی ص ۴۶)۔

حنفیہ کے نزدیک شراب اور خنزیر کا حق مہر مقرر کرنے سے نکاح ہوجاتا ہے۔

(شرح وقایہ ص ۳۱ حصہ ج ۲۔ باب المہر) اور ہاتھی وغیرہ کا مہر مقرر کرنا بھی درست ہے (بہشتی زیور ص ۱۲ حصہ چہارم)، حالانکہ امام محمد کے نزدیک ہاتھی خنزیر کی طرح نجس العین ہے۔ (مستملی ص ۱۵۴) فتاوٰی عالم گیری میں لکھا ہے۔

"والخنزير اذ وقع فی المملحة فصار ملحا يطهر عندهما"

یعنی امام ابو حنیفہ اور محمد کے نزدیک اگر خنزیر نمک سار میں گر کر نمک ہوگیا تو (نمک) پاک ہے۔

(فتاوٰی عالم گیری ص ۴۵ ج ۱)۔

مولانا محترم کو اپنے گھر کے یہ اقوال تو نظر نہیں آئے۔ اور مولانا نور الحسن خان صاحب کے قول کو نقل کر دیا ہے وہ کہتے ہیں کہ: کتے اور خنزیر کے نجس العین ہونے کا دعویٰ نا تمام ہے، (حدیث اور اہل حدیث ۱۶۲)۔ جواباً عرض ہے کہ اس کا وہی جواب ہے ۔ جو دیوبندیوں کی طرف سے قاضی ابو یوسف کا دیا جائے گا۔ واضح رہے کہ نواب نور الحسن خاں صاحب نے خنزیر اور کتے کی نجاست کا انکار نہیں کیا، صرف نجس العین ہونے کے دعویٰ کو ناتمام قرار دیا ہے۔ اور یہی قاضی ابو یوسف کا مؤقف ہے کیونکہ خنزیر کو نجس العین وہ بھی تسلیم نہیں کرتے۔

فصل سوم

کتے کے جوٹھے کی طہارت ونجاست:

دلیل اول: **عن ابی هریرة قال قال رسول الله ﷺ اذا ولغ الکلب فی اناء احدکم فلیرقه ثم لیغسل سبع مرار۔**

(مسلم ص۱۳۷ ج۱)۔

جب کتا تم میں سے کسی کے برتن میں منہ ڈال دے تو اسے چاہیے کہ وہ اسے بہا کر سات مرتبہ دھولے۔ وجہ استدلال میں فرماتے ہیں کہ: کتے کے جوٹھے کے پھینکنے اور برتن کے دھونے کا حکم دیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کے کتے کا جوٹھا ناپاک ہے، اور کتے کے جوٹھے کا ناپاک ہونا اسی وجہ سے ہے کہ خود کتا ناپاک ہے۔ (حدیث اور اهل حدیث ص۱۶۳، ۱۶۵)۔

الجواب: اولاً اس حدیث میں کتے کے جوٹھے برتن کو سات بار دھونے کا حکم و ارشاد نبوی علیہ التحیة والسلام بھی موجود ہے حالانکہ احناف کے نزدیک تین بار دھونا ہی کافی ہے، ہدایہ میں ہے۔ "**وسور الکلب نجس ویغسل الانامن ولوغه ثلاث**"۔ یعنی کتے کا جوٹھا ناپاک ہے۔ اور اس کے منہ ڈالے ہوئے برتن کو تین بار دھویا جائے۔

(ہدایہ مع فتح القدیر ص ۹۴ ج۱)۔

اس سے ثابت ہوا کہ احناف کے نزدیک یہ حدیث حجت شرعی نہیں ہے، اور اس شخص سے زیادہ کون جاہل و نادان ہے کہ جس حدیث کو وہ خود تو قبول نہیں کرتا وہی حدیث مخالف پر حجت باور کرائے۔

ثانیاً: احناف کے نزدیک یہ حدیث منسوخ ہے، جیسا کہ طحاوی نے (شرح معانی الآثار ص۲۳ ج۱) میں ابن ہمام نے، (فتح القدیر ص۹۶ ج۱) میں ابن نجیم نے، (البحر الرائق ص ۱۲۸ ج۱) میں، مولانا شبیر احمد دیوبندی نے، (فتح الملہم ص۴۴۴ ج۱) میں اور مولانا عثمانی نے، (درس ترمذی ص ۳۲۵ ج۱) میں

صراحت کی ہے۔

غور کیجئے جس حدیث کو مولانا کے اکابر منسوخ کہتے ہیں محترم اسی حدیث سے ہم پر حجت قائم کرتے ہیں۔ اگر دیوبندی کہہ دیں کہ صرف ''سات بار دھونے'' کا حصہ ہی منسوخ ہے باقی نہیں، ہم کہتے ہیں کہ یہ کتنی بھونڈی تقسیم ہے کہ مخالف حصے کو تو بلا دلیل منسوخ کہا جائے اور موافق حصے کو قبول کیا جائے، آخر اس کی دلیل کیا ہے کہ موافق حصہ منسوخ نہیں اور باقی حصہ ہے؟۔

ثالثا: جانور کا پسینہ اور لعاب کا حکم ایک ہونا شرعی اصول کا تقاضہ ہے کیونکہ لعاب اور پسینہ دونوں ہی گوشت سے پیدا ہوتے ہیں آیئے اس بات کی تصدیق علماء احناف سے ملاحظہ کریں۔

وعرق کل شئی معتبر بسؤره لانهما یتولدان من لحمه۔

(هدایه مع فتح القدیر ص ۹۴ ج۱)۔

یہی بات فتح القدیر اور کفایۃ وغیرہ شروح ھدایہ میں ہے کنز میں ہے، **والعرق کالسؤر** اس کی شرح میں ہے **لان السؤر مختلط باللعاب وهو العرق متولدان من اللحم،** (البحر الرائق ص۱۲۶ ج۱) درمختار میں ہے۔ ''**وحكم عرق كسؤره لتولد كل منهما من اللحم**'' (فتاوٰی شامی ص ۲۲۸ ج۱)۔ ان عبارات کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ حیوان کا پسینہ اس کے جوٹھے کے حکم میں ہے۔چونکہ ان دونوں کی پیدائش گوشت سے ہوتی ہے۔ یہ بات فقہ حنفی کی تمام متداول کتب فقہ متون و شروح اور فتاوٰی میں کتاب الاسار۔ کے ابتداء یا آخر میں ہے۔ قارئین کرام جب آپ نے اتنی بات کو سمجھ لیا تو اب ہماری گزارشات کو ٹھنڈے دل سے ملاحظہ کریں، فقہ کی تمام متداول کتب میں یہ فتوٰی منقول ہے کہ حوض وغیرہ میں اگر کتا گر جائے اور اس کا منہ پانی میں نہ لگے تو پانی پاک ہے مگر اس کی وضاحت نہیں کی گئی کہ اگر کتے کے جسم پر پسینہ ہو تو تب بھی حوض وغیرہ پاک ہے یا ناپاک ہے۔ حالانکہ ضرورت اس بات کی تھی کہ یہاں اس کی وضاحت کی جاتی، مگر ایسا ہرگز نہیں کیا۔ جس سے لازم آتا ہے کہ فقہا احناف کے نزدیک کتے کا پسینہ پاک ہے۔ یہ دلیل اسی طرح کی دلیل ہے، جس طرح فقہاء احناف نے گدھے کے پسینہ کو پاک کہا ہے کہ نبی مکرم سیدنا محمد ﷺ بغیر پالان کے گدھے پر سوار ہوئے تھے، اور گمان غالب ہے کہ اس کا پسینہ بھی آپ علیہ التحیۃ والسلام کو لگا ہوگا مگر حضور علیہ السلام سے بدن یا کپڑا دھونا ثابت نہیں ہے۔ (فتاویٰ شامی ص۲۲۸ ج۱)۔

رابعا: بلاشبہ اس حدیث سے کتے کے جوٹھے کی نجاست ثابت ہوتی ہے مگر اس حدیث کی سند میں کلام ہے۔کیونکہ اس میں ایک راوی الاعمش، ہے۔

(مسلم ص۱۳۷ ج۱ وابن خزیمه ص۱۵ ج۱، و بیهقی ص۱۸ ج۱، ونسائی ۳۳۶)۔

اور یہ مدلس ہے، حافظ ذہبی فرماتے ہیں۔ یدلس وربما دلس عن ضعیف، یعنی تدلیس کرتے

ہیں اور کبھی کبھار ضعیف راوی سے بھی تدلیس کر جاتے ہیں۔ (میزان ص۲۲۴ ج۲)۔کرابیسی، نسائی اور دارقطنی وغیرہ نے بھی مدلس قرار دیا ہے۔ (طبقات المدلسین ص۳۳)۔

اور زیر بحث روایت میں تحدیث کی صراحت نہیں معنعن مروی ہے۔ امام نسائی، امام حمزہ کنانی، امام ابن مندہ اور علامہ ابن عبد البر نے اس روایت کو بوجہ ،فلیرقہ، کے اضافہ کے معلول قرار دیا ہے۔ (فتح الملهم ص ٤٤٤ ج ١ والتمهيد ص ٢٧٣ ج ١٨)۔

دوسری دلیل: **عن ابی هريرة قال قال رسول الله ﷺ طهور اناء احدكم اذا ولغ فيه الكلب ان يغسله سبع مرات اولا هن بالتراب۔**

(مسلم ص۱۳۷ ج۱ و ابو داؤد ص۱۰)۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تمہارے برتن کی پاکی جبکہ کتا اس میں منہ ڈال دے یہ ہے کہ اسے سات مرتبہ دھوئیں پہلی مرتبہ مٹی سے مانجھیں۔

وجہ استدلال میں فرماتے ہیں کہ دوسری حدیث سے معلوم ہورہا ہے کہ جس برتن میں کتا منہ ڈال دے وہ برتن ناپاک ہوجاتا ہے اس کے پاک کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اسے مانجھا جائے پھر پانی سے دھویا جائے اس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ کتا ناپاک ہے۔

(حدیث اور اهل حدیث ص ۱۶۳و ۱۶۵)۔

الجواب: کتا شکار کرتے ہوئے جانور کو زخمی تک کر دیتا ہے، جس میں یقیناً اس کا لعاب بھی لگتا ہے۔مگر تمام حنفی اس جانور کو طاہر ہی کہتے ہیں چنانچہ مولانا اشرف علی تھانوی سے سوال کیا جاتا ہے کہ کتے کا لعاب نجس ہے۔ پھر کتے کا پکڑا ہوا شکار جس کی نجاست بذریعہ دندان دوران خون کے ساتھ تمام گوشت میں سرایت کر جاتی ہے۔ کیونکر پاک ہوا، علاوہ ازیں یہ زہریلا جانور ہے۔ جس کا زہر بوسیلہ دوران دم تمام گوشت میں پہنچ جاتا ہوگا تو اس کا پکڑا ہوا شکار کیونکر حلال ہوگا۔ حالانکہ زہر حرام ہے۔ اس کے جواب میں تھانوی صاحب ارشاد فرماتے ہیں کہ۔اگر شبہ والا مسلمان نہیں تو تب تو اس وجہ سے جواب لاحاصل ہے کہ کفار سے اصول میں گفتگو ہے فروع میں کیوں تطویل کلام کی جائے اور اگر مسلمان ہے تو اس کو اتنا جواب کافی ہے کہ دلیل شرعی سے جو امر ثابت ہو ہم کو اس کی ''لم'' کی تفتیش اور طبعیات ظنیہ بلکہ وہمیہ کے معارضات کا جواب وتطبیق ہم پر ضروری نہیں۔ (امداد الفتاوی ص٦١٨ ج٣)۔

سائل کا سوال آسان الفاظ میں یہ ہے کہ: بالفرض دس کلو پانی میں اگر کتا منہ ڈال دے تو وہ ناپاک کیوں ہے؟۔ جبکہ ڈیڑھ کلو کے خرگوش کو شکار کرتے ہوئے دانت مار مار کر اس کے جسم کو اپنے لعاب سے لت پت کردے اور خرگوش سے نکلا ہوا خون بھی زبان سے چاٹتا ہوا ہلاک کردے، اور کتے کے نجس لعاب کے اثرات تمام گوشت میں پھیل جائیں، تو وہ خرگوش حلال اور پاک کیوں ہے؟ غور کیجئے

سوال کتنا معقول ہے۔ اور مولانا تھانوی کا جواب کتنا فضول ہے کہ ہم حکم شرعی کے پابند ہیں، یہ جواب تو تب درست تھا جب سائل شرعی مسئلہ کی حکمت دریافت کرتا، مگر وہ تو طہارت کے متعلق اپنے شبہات رفع کروانا چاہتا ہے، مگر مولانا تھانوی تو اسے ایسی خاموشی کا درس دے رہے ہیں جیسے سائل نے صفات باری تعالیٰ کے متعلق سوال کر دیا ہو، یا تقدیر کے مسئلہ میں شکوک ڈالے ہوں، نہیں ہرگز نہیں، وہ احکام شرعی دریافت کر رہا ہے اور وجہ فرق سمجھنا چاہتا ہے، بلاشبہ علماء حکم کے پابند ہیں مگر دینی مسائل کو سمجھانے کے مکلّف ہیں۔ خود نبی مکرم سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مسائل دریافت کئے ہیں۔ آئمہ محدثین نے کتب حدیث میں "کتاب العلم" کے نام سے ایک حصہ کتب حدیث کا لکھا ہے جس میں مختلف عنوان کے تحت متعدد واقعات منقول ہیں۔ بخاری کتاب العلم، کی پہلی حدیث میں ہے کہ صحابی نے قیامت کے متعلق دریافت کیا تو آپ علیہ التحیۃ والصلاۃ والسلام نے فرمایا: "**فاذا ضیعت الامانة فانتظر الساعة**" جب امانت ضائع ہو تو تب قیامت کے منتظر رہو، صحابی نے اس خبر نبوی علیہ التحیۃ والسلام کی وضاحت پوچھی، "**کیف اضاعة**" اس کا ضائع ہونا کیسے ہے؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: "اذا وسد الامر الی غیر اہلہ" یعنی امانت کا ضائع ہونا یہ ہے کہ نااہل کو کام سونپا جائے۔ (بخاری ۵۹)۔ دیکھئے نبی ﷺ نے سائل کی بات کو رد نہیں کیا بلکہ اس کی وضاحت کر دی ہے، مگر مولانا تھانوی، ہم پابند ہیں، کہہ کر پلہ چھوڑانے کی کوشش کرتے ہیں، ہاں البتہ مولانا یہ فرماتے کہ ہم چونکہ مقلد ہیں، لہٰذا فقہ حنفی کے اس تناقض کو دور کرنا ہم پر لازم نہیں۔ تو ایک بات تھی کیونکہ سائل کا جواب حکم شرع پر نہ تھا، بلکہ فقہ حنفی پر تھا۔ اس کے الفاظ پر غور کریں۔

ثانیاً: کتا کو نجس مان کر آپ اس سے شکار کے قائل ہیں۔ سوال یہ ہے، خنزیر بھی نجس ہے اس سے آپ شکار کے کیوں قائل نہیں؟ وجہ بیان کریں۔ صاحب ھدایہ فرماتے ہیں کہ خنزیر سے شکار جائز نہیں کیونکہ یہ نجس العین ہے اس سے فائدہ اٹھانا درست نہیں۔

(ھدایة آخرین ص ۵۰۲ مطبوعة مشرکه علمیه ملتان)۔

ثالثاً: اس حدیث میں "**طهور اناء**" کے الفاظ سے محترم نے استدلال کیا ہے مگر ان الفاظ سے استدلال کمزور ہے۔ اسلام میں وضو اور تیمّم کو طہارت کہا گیا ہے۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "**لا تقبل صلاة بغیر طهور**" نماز طہارت کے بغیر قبول نہیں ہوتی (**مسلم ۵۳۵**)۔ مولانا عثمانی اس حدیث کے لفظ "طہور" کی شرح میں فرماتے ہیں کہ مراد اس سے وضو غسل اور تیمّم ہے۔ (فتح الملهم ص ۳۸۷ ج ۱)۔

ہاں یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا بے وضو انسان پلید ہوتا ہے۔ نہیں ہرگز نہیں، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: **سبحان الله! ان المؤمن لا ینجس** " پاک ہے اللہ! مومن نجس نہیں ہوتا۔

(بخاری ۲۸۳)ومسلم ٨٢٤).

بخاری کتاب الصوم باب سواك الرطب واليابس للصائم میں حدیث ہے کہ السواك "مطهرة للفم" مسواک منہ کو پاک کرنے والی ہے۔گو یہ حدیث بخاری میں تعلیقا ہے مگر سند صحیح ہے تفصیل کے لئے ارواء الغلیل ص۱۰۵ ج۱ کی مراجعت کریں۔

خورشید صاحب کے استدلال کے موافق اس حدیث کا مفہوم تو یہی ہونا چاہئے کہ مسواک سے قبل منہ نجس ہوتا ہے"لاحول ولا قوۃ"۔قرآن حکیم میں ارشاد ربانی ہے کہ:

"خذ من اموالهم صدقة تطهرهم" (التوبہ آیت ۱۰۳).

ان کے مال سے صدقات لے کر ان کو پاک کیجئے (۹-۱۰۳)۔

سوال یہ ہے کہ صدقہ کے بغیر مال پلید ہوتا ہے؟ وضاحت فرمائیے کہ ایسے مال کو ہاتھ لگانے سے ہاتھ پاک ہی رہتا ہے یا بوجہ نجاست کو چھونے سے ہاتھ ناپاک ہوجاتا ہے۔اگر آپ نے ہاتھ کو ناپاک تسلیم کرتے ہیں تو بلاشبہ آپ کا استدلال درست ہے، اگر نہیں مانتے، یقیناً نہیں مانتے، تو وضاحت کیجئے ایک ہی لفظ سے نجاست بھی ثابت کرتے ہیں اور اسی سے طہارت کے بھی قائل ہیں خلاصہ کلام یہ کہ لفظ"طہور" سے نجاست پر استدلال درست نہیں ہے۔

تیسری دلیل: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب کتا تم میں سے کسی کے برتن میں منہ ڈال دے تو اسے چاہیے کہ پانی بہا دے اور برتن کو تین بار دھولے۔ (الکامل ابن عدی بحوالہ اعلاء السنن ص۱۹۷ ج۱)۔ (حدیث اور اهل حدیث ص ١٦٤).

الجواب: اولا: اس روایت کے موقوف ومرفوع ہونے میں کلام ہے۔بعض راوی اس کو مرفوع نقل کرتے ہیں تو بعض سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا قول بیان کرتے ہیں اور بعض سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا عمل روایت کرتے ہیں۔امام طحاوی حنفی نے اس کو موقوف قرار دیا ہے۔ (نصب الرایۃ ص۱۳۱ ج۱)۔

اور اصول یہ ہے کہ جب موقوف روایت مرفوع کے مخالف ہو تو تب موقوف حجت نہیں ہوتی۔

ثانیا: اس کی سند میں، عبد الملک بن ابی سلیمان راوی ہے جو کہ بلاشبہ صدوق ہے، مگر اس کی روایات میں، اوہام، ہیں (تقریب ص۲۱۹)۔امام بیہقی فرماتے ہیں کہ ان الفاظ سے روایت کرنے میں عبد الملک منفرد ہے اور اس کا شیخ عطاء سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کرنے میں منفرد ہے۔اور سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حفاظ اور ثقات تلامذہ، سبع مرات، کے الفاظ ہی روایت کرتے ہیں، اور عبد الملک کی روایات جب حفاظ اور ثقات راویوں کے برعکس ہوں تو انہیں قبول نہیں کیا جاتا (معرفۃ السنن والآثار ص۳۱۱ ج۱، ونصب الرایۃ ص۱۳۱ ج۱ والسعایۃ ص۴۴۸ ج۱)۔ابن عدی نے اس کو روایت کرنے کے بعد منکر کہا ہے۔بحوالہ۔(لسان المیزان ص۳۰۴ ج۲)۔اور ابن جوزی نے "لم یصح" کہہ کر اس پر

جرح کی ہے۔ (العلل المتناهية ص۳۳۳ ج ۱)۔

چوتھی دلیل: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی علیہ واصلوٰۃ والسلام سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کتا برتن میں منہ ڈال دے تو برتن کو تین یا پانچ یا سات دفعہ دھویا جائے۔

(دار قطنی ص۴۵ ج۱)۔

الجواب: امام دارقطنی نے آگے محدثانہ فیصلہ بھی کیا تھا جسے ہمارے محترم مولانا صاحب نے نقل نہیں کیا۔ امام دارقطنی فرماتے ہیں کہ

"تفرد به عبد الوهاب عن اسماعيل وهو متروك الحديث وغيره يرويه عن اسماعيل بهذالاسناد فاغسلوه سبعا وهو الصواب"۔

یعنی اسماعیل سے روایت کرنے میں عبد الوہاب منفرد ہے اور یہ متروک الحدیث ہے۔ اس کے برعکس متعدد راویوں نے اسی سند کے ساتھ اسماعیل سے "سات بار دھونے" کے الفاظ روایت کئے ہیں اور یہی درست ہیں۔ (السنن دارقطنی ص٤٥ ج ١)۔

غور کیجئے کہ جس جگہ سے محترم نقل کر رہے ہیں اسی مقام پر اس کے سخت ضعیف ہونے کی صراحت بھی ہے۔ مگر مولانا کمال دیانت داری سے حدیث تو نقل کرتے ہیں۔ مگر اس کے وجود کی نفی کا ذکر نہیں کرتے، انا اللہ وانا الیہ راجعون۔

امام دارقطنی کے منصفانہ فیصلے کے علاوہ عبد الوہاب کو متعدد آئمہ جرح و تعدیل نے کذاب و متروک کہا ہے۔ امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ اس کے پاس عجائبات ہیں۔ امام ابو داؤد کہتے ہیں میں نے اسے دیکھا ہے یہ احادیث وضع کرتا تھا۔ امام نسائی امام عقیلی، امام بیہقی وغیرہ نے متروک الحدیث قرار دیا ہے امام صالح فرماتے ہیں کہ منکر الحدیث ہے اس کی عام روایات جھوٹ ہیں۔ امام محمد ابن عوف کہتے ہیں کہ یہ فوائد ابی الیمان سے روایات لیتا اور اسماعیل بن عیاش کے نام سے بیان کرتا ہے، اور کثرت سے من گھڑت روایات بیان کرتا۔ میں اس کی ملاقات کے لئے گیا اور اسے کہا کہ اللہ تعالیٰ سے ڈر اور ایسی روایات بیان نہ کیا کر، اس نے مجھ سے آئندہ نہ بیان کرنے کا عہد کیا۔ (تہذیب ص۳۹۶ ج۶) و (میزان الاعتدال ص۶۷۹ ج۱)۔ علامہ زیلعی نے (نصب الرایۃ ص۱۳۱ ج۱) میں، مولانا عبد الحی لکھنوی نے (السعایۃ ص۴۴۸ ج۱) میں، مولانا محمد تقی عثمانی نے (درس ترمذی ص۳۲۵ ج۱) میں، اس روایت کو ضعیف و معلول قرار دیا ہے۔ اس تفصیل سے یہ بات ثابت ہوگئی ہے کہ یہ روایت قابل احتجاج نہیں ہے۔

پانچویں دلیل: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب کتا برتن میں منہ ڈال دے تو اس کا پانی گرا کر تین دفعہ اسے دھو دو۔ (سنن دارقطنی ص٦٦ ج ١)۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اگر کتا برتن میں منہ ڈال دیتا تو آپ پانی گرا کر تین مرتبہ دھو لیتے۔ (دارقطنی ص٦٦ ج١)۔

الجواب: اولاً سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرنے والے عطاء بن ابی رباح ہیں اور ان سے روایت کرنے والے، عبد الملک، ہیں امام دارقطنی فرماتے ہیں کہ عطاء سے عبد الملک کے علاوہ یہ روایت کسی نے بھی روایت نہیں کی۔ (سنن دارقطنی ص٦٦ ج١)۔

تیسری دلیل: کے جواب میں تفصیل گزر چکی ہے کہ امام بیہقی نے صراحت کی ہے کہ عبد الملک جب حفاظ ثقات کی مخالفت کرے تب وہ حجت نہیں ہوتا اور یہاں عبد الملک نے اپنے سے اوثق راویوں کی مخالفت کی ہے۔ امام دارقطنی نے روایت بیان کی ہے کہ سیدنا ابوھریرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس برتن میں کتا منہ ڈال دے اس کے (پانی وغیرہ) کو گرا کر سات بار دھویا جائے۔

(السنن دار قطنی ص٦٤ ج١)۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

فقد ثبت انه افتی بالغسل سبعا وروایة من روی عنه موافقة لروایة ارجح من روایة من روی عنه مخالفتها من حیث الاسناد ومن حیث النظر اما النظر فظاهر واما الاسناد فالموا فقه وردت من روایة حماد بن زید عن ایوب عن ابن سرین عنه وهذا من اصح الاسانید واما المخالفة فمن روایة عبد الملك بن ابی سلیمان عن عطاء عنه وهو دون الاول فی القوة بکثیر۔

یعنی سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث کے موافق سات بار دھونے کا فتوٰی بھی ثابت ہے، اور مرفوع حدیث کے مخالف تین بار دھونے کے فتوٰی سے، یہ عقلا اور سندا راجح ہے۔ عقلی بات تو واضح ہے، اور مرفوع حدیث کے موافق سات بار دھونے کا فتوٰی حماد بن زید عن ایوب عن ابن سرین، کی سند سے مروی ہے اور یہ سب سے صحیح ترین سند ہے اور مرفوع حدیث کے مخالف تین بار دھونے کا فتوٰی عبدالملک کی سند سے مروی ہے۔ اور یہ پہلے (سات بار دھونے کے فتوٰی) کی نسبت ڈھیروں قوۃ کے اعتبار سے گرا ہوا ہے۔ (فتح الباری ص٢٢٢ ج١)۔

ثانیاً: کسی چیز کو ضائع کردینے سے اس کی نجاست ثابت نہیں ہوتی۔ دودھ خراب ہوجائے تو ہمیشہ اسے ضائع کردیا جاتا ہے۔ یا پانی میں چھپکلی گر جائے تو اسے ضائع کردیا جاتا ہے۔ انڈا خراب ہوجائے تو اسے بھی ضائع کر دیا جاتا ہے، کیوں؟ اس لئے کہ یہ انسانی صحت کے لئے مضر ہیں۔ اسی طرح کتے کا جوٹھا بوجہ مضر ہونے کے ضائع کرنے کا حکم ہے، نہ کہ نجاست کی وجہ سے، کیونکہ کتے کے لعاب میں زہر ہوتا ہے، دلیل اس کی یہ ہے کہ اگر دھونے کا حکم نجاست کی وجہ سے ہوتا تو مٹی سے مانجھنے کی تلقین

نہ کی جاتی اس لئے کہ تمام نجاستیں فقط دھونے سے ہی زائل ہوجاتی ہیں ۔ جبکہ کتے کے جوٹھے برتن کو مانجھنے کا بھی ارشاد بھی ہے جس سے لازم آتا ہے کہ زہر کو مٹانے کے لئے یہ حکم ہے کہ کیونکہ مٹی جراثیم کو ختم کرتی ہے۔ جیسا کہ نبی مکرم سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ استنجاء کے بعد مٹی سے ہاتھ کو مل کر دھوتے تھے۔ (ابو داوٗد (۴۵) و ابن ماجہ (۳۵۸) یہ حدیث حسن درجہ کی ہے، جیسا کہ علامہ البانی نے صراحت کی ہے۔(صحیح سنن ابی داوٗد (۳۵) وضاحت کی جائے کہ آیا استنجاء کے بعد بھی ہاتھ نجس ہوتا ہے کہ بعد میں ہاتھ کو مٹی سے صاف کرنا سنت خیر الانام ﷺ ہے۔خلاصہ کلام یہ کہ کسی چیز کو بوجہ مضر ہونے کے ضائع کرنے سے اس کی نجاست ثابت کرنا زیادتی ہے کیونکہ شرعی اصول یہ ہے کہ تمام چیزیں پاک و طاہر ہیں مگر وہی جسے اللہ اوراس کا رسول ﷺ ناپاک قرار دے۔ افسوس کہ آپ کتے کے جوٹھے کو نجس ہونے کا دعوٰی تو کرتے ہیں مگر اس پر ایک حدیث بھی نقل نہیں کرتے جس کا یہ معنی ہو کہ کتے کا جوٹھا ناپاک ہے۔ ہاں غیر متعلقہ احادیث نقل کرکے اس مضبوط و مستحکم قلعہ کو محض خلط مبحث سے فتح کرنے کی سعی لاحاصل کرتے ہیں۔

(۵) باب جو جانور حلال ہے اس کا پیشاب نجس نہیں

فصل اول:

(۱) سیدنا انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ:

قدم اناس من عكل اوعرينة فاجتووا المدينة فامرهم النبی صلی اللہ علیہ وسلم بلقاح وان يشربوا من ابوالها والبانها۔ (الحديث)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس قوم "عکل" یا عرینہ کے لوگ آئے ان کو مدینہ کی آب و ہوا راس نہ آئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اونٹنیوں کے باڑے میں جانے کا حکم دیا اور ان سے فرمایا کہ وہ اونٹنیوں کا دودھ اور پیشاب (ملا کر) پئیں۔

(بخاری رقم الحديث ۲۳۳) و مسلم رقم الحديث ۴۳۵۵)۔

(۲) سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ:

ان نفرا من عكل ثمانية قدموا على رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم فبايعوا على السلام فاستوخموا الارض فسقمت اجسامهم فشكوا ذلك الى رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم قال افلاتخرجون مع راعينا فى ابله فتصيبون من البانها وابوالها؟ قالوا! بلى، فخرجوا فشربوا من البانها وابوالها فصحوا۔ (الحديث)۔ قبیلہ عکل کے آٹھ آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے انہوں نے آپ علیہ السلام (کے ہاتھ پر) اسلام پر بیعت کی۔ ان کو اس جگہ (مدینہ) کی آب و ہوا راس نہ آئی اور ان کے جسم کمزور ہوگئے اور وہ بیمار ہوگئے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی شکایت کی، آپ نے فرمایا: تم ہمارے چرواہوں کے ساتھ اونٹوں کے باڑے میں کیوں نہیں چلے جاتے؟ وہاں جا کر ان کا دودھ اور پیشاب پینا۔ انہوں نے کہا ٹھیک، وہ وہاں گئے اور انہوں نے اونٹنیوں کا دودھ اور پیشاب پیا پھر وہ تندرست ہوگئے۔

(بخاری رقم الحديث ۶۸۹۹) و مسلم رقم الحديث ۴۳۵۴)۔

یہ حدیث اپنے معنی و مفہوم میں بالکل واضح ہے کہ حلال جانور کا پیشاب نجس نہیں۔ کیونکہ کسی نجس و حرام چیز سے علاج کرنا شرعاً جائز نہیں ہے۔

(۳) سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سیدنا سوید الجعفی رضی اللہ عنہ نے شراب سے علاج کے متعلق دریافت کیا تو آپ علیہ السلام نے منع فرماتے ہوئے کہا کہ "**انه ليس بداوء ولكنه داء**"۔ یعنی یہ دوا نہیں بلکہ بیماری ہے۔ (مسلم رقم الحدیث ۵۱۴۱)۔

(۴) ام المؤمنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا راویہ ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"ان الله لم يجعل شفاء كم في حرام"۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے حرام چیز میں شفاء نہیں رکھی۔

ابن حبان (موارد ص۳۳۹ رقم الحدیث ۱۳۹۱) وبیہقی ص ۵ ج ۱۰)۔

یہ بات مسلّمہ فریقین ہے کہ نجس چیز حلال نہیں ہوتی بلکہ حرام ہوتی ہے۔ اور حرام سے علاج کرنا درست نہیں۔ علاوہ ازیں مؤلف حدیث اور اہل حدیث کے نزدیک ''خبیث'' کا لفظ نجاست پر صریح ہے ان کے الفاظ ہیں کہ: خبائث خبیثہ کی جمع ہے اور خبیثہ خبث سے بنا ہے جس کے معنی نجاست و ناپاکی کے ہیں (حدیث اور اہل حدیث ص۱۵۳)۔

جب کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خبیث چیز سے علاج کرنے سے منع فرمایا ہے۔

(۵) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ

"نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن الدواء الخبيث" یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبیث چیز کے ساتھ علاج کرنے سے منع فرمایا ہے۔

(ابو داؤد ۳۸۷۰ و ترمذی ۳۰۵، ۴۴۶، ۴۷۸ و مستدرک ۴/۴۱۰ و بيهقی ۱۰/۵)۔

حاکم و ذہبی نے اس حدیث کو بخاری و مسلم کی شرط پر صحیح کہا ہے۔ اور محترم مولانا انوار خورشید کے مطابق اس کا معنی یہ ہے کہ نجس چیز سے علاج کرنا درست نہیں۔ مولانا خلیل احمد سہارنپوری حنفی دیوبندی نے بھی اس کا معنی نجس و حرام کیا ہے۔ (بذل المجہود ص ۵ ج ۷)

اس تفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ نجس و حرام چیز کے ساتھ علاج کرنا جائز نہیں، اور حلال جانور کے پیشاب سے خود نبی مکرم سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے علاج کیا ہے۔ جس سے بطور نتیجہ یہ بات کھل جاتی ہے کہ حلال جانور کا پیشاب بھی طاہر ہے۔

شرعی اصول کا بھی یہ تقاضا ہے کیونکہ شرعی طور پر اصل حلت ہے، اور حلت کسی چیز کے طاہر ہونے کو مستلزم ہے۔ الغرض تمام چیزیں اصل میں طاہر ہیں نجس وہی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول برحق نبی مکرم سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نجس قرار دیں۔ یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ علمائے اہل حدیث میں یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے۔ امام ابن حزم رحمہ اللہ ماکول اللحم جانور کے پیشاب کو نجس قرار دیتے ہیں۔ (المحلی بالآثار ص۱۶۹ ج۱ مسالۃ ۱۳۷) ایسے ہی احناف میں بھی اختلاف ہے۔ امام محمد بن حسن حنفیہ کے اجل امام ہیں وہ حلال جانور کے پیشاب کو طاہر کہتے ہیں۔ (عمدۃ القاری ص۹۱۹ ج۱) وتکملہ فتح الملہم ص ۲۹۸ ج ۲ والبحر الرائق ص۱۱۵ ج۱ درمختار مع شامی ص۲۱۰) بلکہ سید محمد انور شاہ صاحب کشمیری حنفی دیوبندی نے تو یہی مذہب امام زفر کا بیان کیا ہے۔

(فیض الباری ص۳۲۶)۔

یہی وجہ ہے کہ امام محمد کے نزدیک حلال جانور کے پیشاب میں لت پت کپڑے میں نماز پڑھنی جائز ہے۔ (جامع الصغیر ص۸۱) ۔ اور اگر بکری کنواں میں پیشاب کر دے تو پانی پاک ہے۔ (ایضا ص۸۰۷)۔کیا خوب تھا کہ مؤلف یہاں پر احادیث نقل کر کے امام محمد اور امام زفر کی خبر لیتا اور بعد میں مولانا اشرف علی تھانوی کی تحریر نقل کرتا کہ چمگادڑ کا پیشاب پاک ہے۔

(بهشتی زیور ص ۲ ج۲)۔

پھر بکری اور چمگادڑ کے پیشاب کا فقہی طور پر فرق کر کے عوام الناس کو مسئلہ کی نوعیت پوری طرح سمجھاتا تو ایک بات تھی، مگر انوار خورشید کو غصہ آیا تو صرف بچارے علامہ وحید الزمان پر جس نے کتب حدیث کے تراجم کر کے ایک بہترین خدمت سرانجام دی۔

فصل دوم

دلیل اول: عن ابی هريرة قال قال رسول الله ﷺ اكثر عذاب القبر من البول۔

(مستدرك حاكم ص۱۸۳ ج۱)۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اکثر قبر کا عذاب پیشاب (سے نہ بچنے) کی وجہ سے ہوتا ہے۔

وجہ استدلال میں فرماتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پیشاب سے بچنے کی تاکید فرمائی ہے اور نہ بچنے پر وعید ذکر کی ہے۔ اس کی وجہ یہی ہوسکتی ہے۔ کہ پیشاب ناپاک ہے۔ آگے فرماتے ہیں ۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پیشاب کے ناپاک ہونے میں حلال وحرام جانور کی کوئی تخصیص نہیں فرمائی۔ (حديث اور اهل حديث ص۱٦٦ و ۱٦۹)۔

الجواب: اولا آپ کا یہ دعوٰی کہ کسی حدیث میں حلال وحرام جانور کی کوئی تخصیص نہیں۔ دعوٰی بلا دلیل ہے۔ تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔

ثانیا: یہ حدیث عام نہیں بلکہ انسان کے اپنے پیشاب سے خاص ہے۔ جیسا کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے "باب ماجاء في غسل البول" میں صراحت کی ہے۔ قبر پر شاخیں لگانے والی حدیث اس مؤقف کی تائید کرتی ہے اس میں نبی مکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ "لايستتر من بوله" یعنی قبر کے عذاب میں مبتلا ان دونوں قبر والوں میں سے ایک اپنے پیشاب کی چھینٹوں سے پرہیز نہیں کرتا تھا۔ (بخاری ح ۱۲٦) من بوله۔ کے الفاظ سے مذکورہ حدیث کی تخصیص ثابت ہے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

قال ابن بطال اراد البخاري ان المراد بقوله في روايةا لباب كان لايستتر من البول بو ل الناس لا بول سائر الحيوان فلايكون حجة لمن حمله على العموم في جميع الحيوان۔

یعنی امام ابن بطال فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ کا باب میں مزکورہ حدیث سے مقصود یہ ہے کہ یہ صرف انسانوں کے پیشاب سے خاص ہے نہ کہ تمام حیوانات کے پیشاب کے متعلق ہے۔ لہٰذا جن حضرات نے اس روایت کو عموم پر رکھ کر تمام جانوروں کو اس میں شامل کیا ان کے لئے اس میں کوئی دلیل نہیں ہے۔ (فتح الباری ص۲۵۶ ج۱)۔

سید انور شاہ صاحب کشمیری حنفی دیوبندی فرماتے ہیں کہ:

وقد مرمنی فی الباب السابق ان لفظ الاستنزاہ والا ستبراء یعشربان المراد منہ بول الانسان فانہ لا یتحقق الافی الانسان فلفظ الاستنزاہ فی ھذا الحدیث یومی الی ان المراد بہ بول الناس خاصۃ وحینئذ یسقط الاحتجاج بہ علی نجاسۃ سائرالا بوال۔

یعنی میری طرف سے پہلے باب میں گزر چکا ہے کہ ''الاستنزاہ''اور ''الاستبراء'' کے لفظ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس سے مراد انسان کا پیشاب ہے، کیونکہ ایسا صرف انسان سے ہی محقق ہوسکتا ہے، اور اس حدیث میں ''الاستنزاہ'' کے لفظ سے انسان کا پیشاب ہونا ہی خالص مراد ہے لہٰذا اس حدیث سے تمام پیشابوں کے نجس ہونے کا استدلال ساقط ہوجاتا ہے۔

(فیض الباری ص۳۱۳ ج۱)۔

اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ یہ حدیث صرف انسان کے پیشاب کے ساتھ خاص ہے۔ لہٰذا ہمارے مہربان کا اسے عموم پر رکھ کر حلال جانوروں کے پیشاب کو ناپاک ثابت کرنا غلط بیانی ہی نہیں بلکہ ہٹ دھرمی اور ضد بھی ہے۔

ثالثاً: حدیث ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ کو گو امام حاکم علامہ ذہبی اور البانی نے صحیح کہا ہے (ارواء الغلیل ص۳۱۱ ج۱)۔ مگر راقم کو اس میں تأمل ہے۔ کیونکہ سند میں۔ سلیمان بن مہران، الاعمش، راوی ہے۔ (ابن ماجہ راقم الحدیث ۳۴۸) ومستدرک حاکم ۱/۱۸۳، دارقطنی ۱/ ۱۲۸، مسند احمد ۲/۳۲۶،۳۸۸،۳۸۹ ومصنف ابن ابی شیبہ ۱/۱۲۲) جبکہ الاعمش مدلس ہیں۔ تقریب ص۱۳۶) اور انہوں نے تحدیث کی صراحت نہیں کی بلکہ لفظ عن سے روایت کی ہے امام ابو حاتم نے اس روایت کو باطل قرار دیا ہے۔ (علل الحدیث ص۳۶۶ ج۱) و(تلخیص الحبیر ص۱۰٦ ج۱)۔

دوسری دلیل: **عن ابن امامۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال تقوا البول فانہ اول ما یحاسب بہ العبد فی القبر۔**

(مجمع الزوائد ص۲۰۹ ج۱)۔

سیدنا ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا پیشاب سے بچو کیونکہ قبر میں بندہ کا سب سے پہلے اسی پر محاسبہ ہوتا ہے۔ (حدیث اور اھل حدیث ص۱٦٧)۔

الجواب: اولا یہ روایت ذو وجھوں سے معلول ہے۔ (ا) اس کی سند میں ایوب بن مدرک الحنفی راوی ہے۔ (طبرانی کبیر ص۱۳۳ ج۸) راقم الحدیث ۷۶۰۷)۔

امام ابن معین فرماتے ہیں کہ کذاب ہے۔ امام ابو حاتم نسائی، امام دارقطنی نے متروک قرار دیا ہے امام ابن حبان فرماتے ہیں کہ اس کے پاس من گھڑت روایات پر مشتمل ایک کتاب کا نسخہ تھا جس میں سے یہ مکحول سے روایات نقل کرتا تھا۔

امام ابو زرعہ اور صالح جذرہ نے ضعیف قرار دیا ہے۔ (میزان ص۲۹۳ ج۱) و (لسان ص۴۸۸ ج۱)۔

ثانیا: ایوب امام مکحول سے روایت نقل کر رہا ہے، امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایوب کی امام مکحول سے روایت ہی مرسل ہے۔ (لسان المیزان ص۸۲)۔

ثالثا: یہ بات بھی غلط ہے کہ سب سے پہلے پیشاب کے متعلق پوچھ گچھ ہوگی، کیونکہ صحیح احادیث میں وضاحت ہے کہ سب سے اول نماز کے بارے محاسبہ کیا جائے گا۔

(نسائی رقم الحدیث ۳۹۹۶)۔

تیسری دلیل: عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ مرفوعا استنزھوا من البول فان عامۃ عذاب القبر منہ۔

(فتح الباری ص۲۸۹ ج۲)۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پیشاب سے بچو۔ کیونکہ عام طور پر عذاب قبر پیشاب (سے نہ بچنے) کی وجہ سے ہوتا ہے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص۱۱۷)۔

الجواب: ہم محترم کی ورق گردانی کی قدر کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنی پہلی دلیل کی دوسری سند کی طرف اشارہ کیا ہے۔ گو جناب نے من گھڑت روایت پر پردہ ڈالنے کے لئے فتح الباری کا حوالہ بھی نقل کیا ہے۔ مگر جس کو زمانہ خراب کردے اس کو عطار کی خوشبو درست نہیں کرسکتی، واضح رہے کہ اس کی سند میں۔ محمد بن صباح بصری راوی ہے۔ (سنن دارقطنی ص۱۲۸ ج۱)۔ اور یہ مجہول ہے۔ علامہ ذہبی نے اس روایت کو منکر کہا ہے۔ (میزان ص۵۸۳ ج۳ واللسان ص۲۰۴ ج۵)۔

چوتھی دلیل: عن عبادۃ بن الصامت قال سالنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن البول فقال اذا مسکم شیء فاغسلوہ فانی اظن انہ منہ عذاب القبر۔

(تلخیص الحبیر ص۱۰۶ ج۱)۔

سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پیشاب کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا: کہ جب تمہارے ذرا سا بھی پیشاب لگ جائے تو اسے دھو دو کیونکہ میرا گمان یہی ہے کہ اس سے بھی عذاب قبر ہوتا ہے۔ (حدیث اور اھل حدیث ص۱۶۷)۔

الجواب: اس کی سند میں، یوسف بن خالد السمتی راوی ہے۔ (مجمع الزوائد ص۲۱۳ ج۱)۔

اور یہ معروف دجال و کذاب ہے امام ابن معین فرماتے ہیں : خبیث ،زندیق، کذاب، ہے اس نے ایک کتاب تحریر کی ہے جس میں قیامت او رمیزان اعمال کا انکار کیا تھا، امام عمرو بن علی، امام ابوداؤد، نے کذاب کہا ہے، امام ابن حبان فرماتے ہیں احادیث وضع کرتا تھا، امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں محدثین نے اس پر سکوت کیا ہے۔ (یعنی اس قابل ہی نہیں کہ اس کا ذکر کیا جائے)۔ (تہذیب ص۴۱۲ ج۱۱)۔ الغرض یوسف کی وجہ سے یہ روایت سخت ضعیف ہے۔

پانچویں دلیل: **عن عمار بن یاسر قال اتی علی رسول الله ﷺ وانا علی بئرا دلو ماء فی رکوۃ لی فقال یا عمار ما تصنع؟ قلت یارسول الله ﷺ بابی وامی اغسل ثوبی من نخامة اصابته فقال یا عمار انما یغسل الثوب من خمس من الغائط والبول والقئی والدم والمنی یا عمار مانخامتك ودموع عینیك والماء الذی فی رکوتك الاسواء ۔**

(دارقطنی ص۱۲۷ ج۱)۔

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں کنوئیں پر اپنی چھاگل میں پانی کھینچ رہا تھا کہ میرے پاس رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور فرمایا: کہ عمار کیا کر رہے ہو؟ میں نے عرض کیا یا رسول ﷺ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں میں اپنے کپڑے دھو رہا ہوں اسے تھوک لگ گیا ہے۔ آپ نے فرمایا: عمار کپڑے کو پانچ چیزیں لگ جانے کی وجہ سے دھونا چاہیئے ۔ پیشاب، پاخانہ، قے،خون،اور منی، عمار تمہارا تھوک تمہاری آنکھوں کے آنسو اور وہ پانی جو تمہاری چھاگل میں ہے سب برابر یعنی پاک ہیں۔

(حدیث اور اہل حدیث ص۱۶۸)۔

الجواب: اولا ایک نہایت ہی مفید عبارت آگے بھی امام دارقطنی نے لکھی تھی، جسے مولانا صاحب نے بوجہ نقل نہیں کیا، امام دارقطنی فرماتے ہیں۔

لم یروہ غیر ثابت بن حماد وھو ضعیف جدا وابراھیم وثابت ضعیفان۔

یعنی اسے ثابت کے علاوہ کسی نے روایت نہیں کیا وہ سخت ضعیف ہے۔ اور ابراہیم اور ثابت دونوں ضعیف ہیں۔ (سنن دارقطنی ص۲۱۷ ج۱)۔

اس جرح کے بعد اس کی حیثیت کیا رہ جاتی ہے، مگر محترم نے اسے نقل ہی نہیں کیا۔ علاوہ ازیں ایک درجن کے قریب آئمہ جرح و تعدیل نے اس روایت کو سخت ضعیف وغیرہ کہا ہے، ابن عدی،بیہقی، عقیلی،ابونعیم نے ثابت کی وجہ سے ضعیف قرار دیا ہے۔ اور بعض نے اسے وضع احادیث سے متہم قرار دیا ہے لالکائی فرماتے ہیں اس کی روایات کے ترک پر اجماع ہے۔

(التلخیص الحبیر ص۳۳ ج۱)۔

امام بیہقی فرماتے ہیں یہ روایت بے اصل اور باطل ہے۔ (السنن الکبریٰ ص١٤ ج١)۔

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ اہل معرفت کے نزدیک کذب و افترا ہے۔ (اللسان ص۷۶ ج۲)۔

ثانیا: اس کی سند میں علی بن زید الجدعان، راوی ہے۔ (دارقطنی ص۱۲۷ ج۱)، (بیہقی ص۳۳۱ ج۱)، طبرانی الاوسط ص۴۴۸ ج۱)، عقیلی ص۱۷۶ ج۱)، والعلل المتناہیۃ ص۳۳۱ ج۱)، مسند ابو یعلی ص۲۶۲ ج۱)، اور علی بن زید بالاتفاق ضعیف ہے، (تقریب ص۲۴۶)۔

ثالثا: آپ کا ''نخامۃ'' کا معنیٰ تھوک کرنا، انتہا درجہ کی غفلت ہے۔ اس کا معنی بلغم ہوتا ہے خواہ سینے سے نکلے یا ناک سے خارج ہو۔ (لسان العرب ص۵۷۲ ج۱۲)۔ ہاں البتہ اس کا غالبا استعمال کھنکار پر ہوتا ہے۔ مقلد انوار صاحب وضاحت کریں دیوبند کے نزدیک بلغی رطوبت (کھنکار وغیرہ) اور کنویں کا پانی ایک ہی حکم رکھتا ہے؟ بالخصوص جب وہ کپڑے پر لگ جائے۔

چھٹی دلیل: روی انہ علیہ السلام لما فرغ من دفن صحابی صالح ابتلی بعذاب القبر جاء الی امرأتہ فسالھا عن اعمالہ فقالت یرعی الغنم ولا یتنزہ من بولہ فحینئذ قال علیہ السلام استنزھوا من البول فان عامۃ عذاب القبر منہ۔ نور الانوار ص۶۸ وعذاہ فی حاشیتہ الی الحاکم۔

مروی ہے کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام ایک نیک وصالح صحابی کی تدفین سے فارغ ہوئے تو آپ کو احساس ہوا کہ وہ عذاب قبر میں مبتلا ہوئے ہیں آپ ان کی اہلیہ کے پاس تشریف لائے اور ان صحابی کے اعمال کے متعلق دریافت فرمایا: انہوں نے عرض کیا کہ یہ بکریاں چرایا کرتے تھے۔ اور ان کے پیشاب سے نہیں بچتے تھے، اس موقع پر حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا: پیشاب سے بچو! کیونکہ قبر کا عذاب عام طور پر اسی کی وجہ سے ہوتا ہے۔ (حدیث اور اھل حدیث ص۶۹)۔

الجواب: نور الانوار، فقہ حنفی کے اصول پر کتاب ہے۔ جس میں رطب ویابس کے علاوہ من گھڑت اور وضعی روایات بھی ہیں بعض مقام پر خود مؤلف نے بھی احادیث وضع کی ہیں۔ تفصیل کے لئے۔ (تحفہ حنفیہ ص۳۷ ج۱)۔ کی مراجعت کریں، یہی حال اس روایت کا ہے اس سیاق کے ساتھ کتب حدیث میں کوئی ایسی حدیث نہیں۔ رہا محشی نور الانوار کا اسے مستدرک حاکم کی طرف منسوب کرنا تو یہ ان کا وہم ہے، مستدرک میں یہ روایت قطعا نہیں سید محمد انور شاہ کاشمیر حنفی دیوبندی فرماتے ہیں۔

فلم اجدہ فی النسخۃ المطبوعہ ولا فی القدر الموجود من النسخۃ القلمیۃ عندی۔ یعنی مجھے یہ روایت مستدرک کے مطبوعہ نسخہ سے نہیں ملی، ایسا ہی جو قلمی نسخے مستدرک کے میری دسترس میں ہیں ان میں بھی یہ روایت نہیں ہے۔ (فیض الباری ص۳۱٤ ج۱)۔

مولانا رشید احمد گنگوہی حنفی دیوبندی نے بھی اس روایت کو، (الکوکب الدری ص۴۸ ج۱)۔ میں درج کیا ہے۔ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے مولانا تقی عثمانی فرماتے ہیں۔ یہ قصہ احقر کو حدیث کی کسی کتاب میں نہیں ملا۔ (درس ترمذی ص۲۹۰ ج۱)۔ الغرض یہ روایت بے اصل اور باطل ہے۔

(٦) باب پگڑی پر مسح کرنا

فصل اول

(۱) سیدنا عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ:

"رایت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یمسح علی عمامته وخفیه"

میں نے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو عمامہ مبارک اور موزوں پر مسح کرتے دیکھا ہے۔

(بخاری کتاب الوضوء باب المسح علی الخفین رقم الحدیث ۲۰۵)۔

(۲) سیدنا بلال رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ:

"ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسح علی الخفین والخمار"

بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (وضو میں) موزوں اور پگڑی پر مسح کرتے۔

(مسلم کتاب الطهارة باب المسح علی الخفین رقم الحدیث ٦٣٧)۔

(۳) سیدنا ثوبان رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر کو بھیجا ان کو سردی لگ گئی، واپسی پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں۔

"امرهم ان یمسحوا علی العصائب والتساخین"

حکم دیا کہ جرابوں اور پگڑی پر مسح کرنے کا۔

(ابو داؤد کتاب الطهارة باب المسح علی العمامة رقم الحدیث ۱۴٦) و(مسند احمد ص۲۷۷ ج۵) و(مستدرک حاکم ص۱٦۹ ج۱)۔

حاکم و ذهبی نے صحیح کہا ہے۔

(۴) سیدنا سلیمان فارسی رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ:

"فانی رایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یمسح علی خماره وعلی خفیه"

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پگڑی اور موزوں پر مسح کرتے دیکھا ہے۔

(ابن حبان ح۱۳۴۲، ومسند طیالسی رقم الحدیث ٦۵٦ ص۹۱)۔

(۵) سیدنا خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

"ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یمسح علی الخفین والخمار"

بلاشبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم موزوں اور پگڑی پر مسح فرمایا کرتے تھے۔

(معجم طبرانی الاوسط ص۲۵٦ ج۲ ح۱۴۵۴)۔

علامہ ھیثمی فرماتے ہیں کہ اس کی سند حسن ہے، (مجمع الزوائد ص ۲۵٦ ج ۱)۔

(٦) سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ:

"توضاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ومسح علی الخفین والعمامة"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضوء کیا اور پگڑی اور موزوں پر مسح کیا۔

(سنن ترمذی کتاب الطھارة باب ماجاء فی المسح علی العمامة ح۱۰۰)۔

(۷) سیدنا ابو ذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

"رایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یمسح علی الموقین والخمار"

یعنی میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو موزوں اور پگڑی پر مسح کرتے دیکھا ہے۔

(معجم طبرانی الاوسط ص ۱۲۴ ج۷، ح۶۲۱۶، والمحلی بالاثار ص ۳۰۵ ج۱)۔

(۸) سیدنا ابوطلحہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ:

"ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم توضاء فمسح علی الخفین والخمار"

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا اور موزوں اور پگڑی پر مسح کیا۔

(طبرانی صغیر ص ۲۰۴ ج۲) رقم الحدیث ۱۰۳۱)

ھیثمی فرماتے ہیں کہ اس کے راویوں کی توثیق کی گئی ہے۔ (مجمع الزوائد ص ۲۵٦ ج ۱)۔

(۹) امام عبدالرحمٰن بن عسیلہ بیان کرتے ہیں کہ:

"رایت ابابکر الصدیق یمسح علی الخمار"

میں نے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو وضو کرتے دیکھا آپ نے پگڑی پر مسح کیا۔

(المحلی بالاثار ص ۳۰۵ ج۱)، مصنف ابن ابی شیبہ ص ۲۲ ج۱)۔

(۱۰) سوید بن غفلۃ بیان کرتے ہیں کہ:

"قال عمران شئت فامسح علی العمامة وان شئت فانزعھا"

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر تو چاہئے تو پگڑی پر مسح کرلے اور اگر تو چاہے تو پگڑی اتار دے (اور سر پر مسح کرلے)۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص ۲۲ ج۱)، (المحلی بالاثار ص ۳۰۵)۔

(۱۱) امام غالب کہتے ہیں کہ: "رایت ابا امامة یمسح علی العمامة" میں نے سیدنا ابوامامۃ رضی اللہ عنہ کو پگڑی پر مسح کرتے دیکھا ہے۔ (منصف ابن ابی شیبہ ص ۲۲ ج ۱)۔

(۱۲) امام حسن بصری کی والدہ راویہ ہیں کہ:

"عن ام سلمه انھا کانت تمسح الخمار"

ام المؤمنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سر پر اوڑھے ہوئے کپڑے پر مسح کرتیں تھیں۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص۲۲ والمحلی بالاثار ص۳۰۶ ج۱)۔

ان کے علاوہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے سیدنا سلیمان فارسی رضی اللہ عنہ، سیدنا ابی موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ، سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ بھی پگڑی پر مسح کے قائل ہیں۔

(المحلی بالاثار ص۳۰۶ ج۱)۔ ،(مصنف ابن ابی شیبہ ص ۲۲ ج۱)۔

امام ترمذی فرماتے ہیں متعدد صحابہ کرام کا یہی مسلک ہے، مثلاً ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، عمر فاروق رضی اللہ عنہ، انس بن مالک رضی اللہ عنہ اور یہ قول ہے امام اوزاعی، امام احمد اور اسحاق وغیرھم رحمۃ اللہ علیہم۔

(ترمذی مع تحفہ ص۱۰۵ ج۱)۔

یہی بات امام ابن منذر کہتے ہیں۔ (بحوالہ فتح الباری ص۲۴۷ ج ۱)۔

علامہ بنوری دیوبندی فرماتے ہیں کہ:

امام اوزاعی، امام سفیان ثوری، امام احمد، امام اسحاق، امام ابو ثور امام ابن جریر، امام ابن منذر، پگڑی پر مسح کے قائل ہیں یہی مذہب سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، عمر فاروق رضی اللہ عنہ انس بن مالک رضی اللہ عنہ ابی امامۃ رضی اللہ عنہ، سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ ، ابودرداء رضی اللہ عنہ عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ مکحول رحمۃ اللہ علیہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اور قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ (معارف السنن ص۳۵۳ ج ۱)۔

دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث اور مبتدعین دیابنہ کے محدث اعظم علامہ انور شاہ کاشمیری فرماتے ہیں کہ:

والحق عندی ان المسح علی العمامۃ ثابت فی الحدیث، کیف لا وقد ذھب الیہ الائمۃ الثلاثہ ولو لم یکن لہ اصل فی الدین لما اختاروہ البتہ، وانی لست ممن یاخذون الدین من الفاظ بل اولی الامور عندی توارث الائمۃ واختیار الأئمۃ فانھم ھداۃ الدین واعلامہ ولم یصل الدین الینا الامنھم فعلیھم الاعتماد فی ھذا الباب فلا نسئی بھم الظن۔

یعنی میرے نزدیک خالص حق بات یہ ہے کہ پگڑی پر مسح کرنا، احادیث سے ثابت ہے۔ اس کا ثبوت کیسے ممکن نہیں جبکہ اس نظریہ کی طرف آئمہ ثلاثہ رضی اللہ عنہم گئے ہیں۔ اگر اس کی دین میں کوئی اصل نہ ہوتی تو وہ اسے اختیار نہ کرتے۔ اور میں ان لوگوں میں سے نہیں جو دین کو الفاظ سے اخذ کرتے ہیں بلکہ میرے نزدیک امت کا تواتر اور آئمہ کا اختیار کردہ مذہب اولیٰ ہے۔ کیونکہ وہ لوگ دین سے ھدایت یافتہ اور اس کے نشان تھے۔ اور ہمارے پاس دین انہیں کے ذریعہ پہنچا ہے۔ لہٰذا ان پر بدظنی نہیں بلکہ کلی اعتماد ہے۔ (فیض الباری ص۲۰۴ ج ۱)۔

فصل دوم

دلیل اول: یا یھا الذین امنوا اذا قمتم الی الصلوۃ فاغسلوا وجوھکم وایدیکم الی المرافق وامسحوا بروٴسکم وارجلکم الی الکعبین، الآیۃ۶۵۔

اے ایمان والو! جب تم نماز کے لئے اٹھنے لگو تو اپنے چہروں کو دھوؤ اور اپنے ہاتھوں کو کہنیوں سمیت (دھوؤ) اور اپنے سر پر مسح کرو، اور اپنے پیروں کو بھی ٹخنوں سمیت (دھوؤ)۔

مولانا وجہ استدلال میں فرماتے ہیں کہ:

آیت کریم سے معلوم ہو رہا ہے کہ دوران وضو میں سر پر مسح کرنا فرض ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم دیا ہے۔ لہٰذا جو شخص وضو میں سر پر مسح نہیں کرے گا۔ اس کا وضو نہیں ہوگا۔

(حدیث اور اھل حدیث ص۱۷۱، ۱۷۳)۔

الجواب: اولا آپ کا استدلال بالکل ان لوگوں کی طرح ہے جن کا یہ موٴقف ہے کہ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے نماز کے قیام کے وقت وضوٴ کرنے کا حکم دیا ہے۔ لہٰذا ہر نماز کے وقت نیا وضوٴ کرنا فرض ہے خواہ پہلے سے وضوٴ ہو بھی، مگر آپ کے اکابر نے اس استدلال کو غلط قرار دیتے ہوئے، ان لوگوں پر، ظاہریت، کا فتویٰ لگایا۔ دیکھئے۔ (السعایہ ص۳۰ ج۱)۔

مگر جب اپنی باری آئی تو فقہ پرست ظاہر پرست نہ کہلائے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ثانیا: آیئے ہم آپ کو سیدھے راہ پر چلاتے ہیں مگر شرط یہ ہے کہ آپ ضد اور تعصب کو چھوڑ کر حق بات سمجھنے پر آمادہ ہوں۔

ہمارے محترم صاحب! سیدنا رسول کریم ﷺ نے جس کیفیت اور طریقہ سے بھی سر کا مسح کیا ہے وہی۔ ''بروٴسکم'' کی عملی تفسیر ہے۔ اور سیدنا نبی کریم ﷺ کی عملی تفسیر کو آپ یا کسی بھی امتی کو خلاف قرآن کہنے کا حق نہیں کیونکہ نبی ﷺ کا یہ منصب ہے کہ آپ علیہ التحیۃ والسلام قرآن کی عملی تفسیر امت مرحومہ کے لئے بیان کریں۔ اگر آپ یہاں اسوہ رسول اللہ ﷺ کی بجائے لغت کو لیکر بیٹھ جائیں کہ پگڑی کو، ''راس'' (سر) نہیں کہتے لہٰذا پگڑی پر مسح سرے سے حکم قرآن کی تعمیل ہی نہیں کیونکہ یہ مسح سر پر ہوا ہی نہیں۔ دیکھئے! (معارف السنن ص۳۵۲ ج۱)۔

جواباً عرض ہے کہ اسی آیت میں پاؤں کے دھونے کا حکم بھی موجود ہے۔ حالانکہ حنفیہ کے نزدیک موزوں پر مسح کرنا جائز ہے۔ کتب فقہ حنفی میں ایک مستقل ''باب علی الخفین'' کے عنوان سے موجود ہے، حالانکہ ظاہر ہے کہ پاؤں کو موزہ نہیں کہتے، مگر حنفیہ نے موزوں پر مسح پاؤں کو دھونے کے برابر قرار دیا ہے۔ وجہ فرق بیان کریں کہ پگڑی پر مسح کیوں ناجائز ہے اور موزوں پر کیوں جائز ہے۔ جو بھی صورت

اختیار کریں وہی ہمارا جواب ہے۔

ثالثاً: سر کے لئے عربی زبان میں ”راس“ کا لفظ آتا ہے۔ (جمع رؤس) اور اس کا اطلاق پورے عضو پر ہوتا ہے۔ سر کے چوتھائی حصے یا کچھ حصے کو ”راس“ نہیں کہتے۔ مگر حنفیہ کے نزدیک سر کے چوتھائی حصے پر مسح کرنا ہی فرض ہے۔ اس سے زیادہ پر نہیں۔ مزید ظلم یہ کیا کہ فقہاء احناف نے قرآن کی اس آیت کو مجمل قرار دیتے ہوئے اس آیت کے حکم سے مذاق کیا۔ صاحب ھدایہ لکھتا ہے:

والمفروض فی مسح الرأس مقدار الناصیة وھو ربع الرأس، لما روی المغیرة بن شعبة ان النبی ﷺ اتی سباطة قوم فبال وتوضا ومسح ناصیة وخفیة والکتاب مجمل فالتحق بیانابه

سر پر پیشانی کی مقدار میں مسح کرنا فرض ہے اور وہ چوتھائی سر ہے۔ کیونکہ سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ قوم کی کوڑا ڈالنے کی جگہ پر آئے وہاں پیشاب کیا۔ پھر وضو کیا اور اپنے سر کی پیشانی پر مسح کیا اور موزوں پر بھی، اور قرآن مجید کی آیت میں مسح کی مقدار مجمل ہے اور یہ حدیث اس کا بیان ہے۔ (هدایه اولین ص٤،٥).

ھدایہ کے شارح علامہ ابن ھمام نے اس پر نقد کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ حدیث بھی مجمل ہے۔ اور تفصیل سیدنا انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے۔ (فتح القدیر ص١٥ ج١).

(جبکہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ والی روایت ہی ضعیف ہے۔ تفصیل مقلد انوار خورشید کی دوسری دلیل میں آ رہی ہے)۔

خلاصہ بحث یہ نکلا کہ قرآن وسنت میں مسح کی مقدار ثابت نہیں مگر ان بڑے لوگوں کے دماغ میں یہ چھوٹی بات کون ڈالے کہ اللہ تعالیٰ نے سر کے مسح کے لئے رأس کا لفظ استعمال کیا ہے جو پورے سر کو کہتے چوتھائی یا کچھ حصے کو ”رأس“ نہیں کہتے، خلاصہ کلام یہ کہ حنفیہ نے قرآن کی اس آیت کی مخالفت کی ہے مگر افسوس کہ پگڑی پر مسح کا رد بھی اس آیت سے کرتے ہیں۔ اس شخص سے زیادہ کون جاہل و نادان ہے کہ جس بات کو وہ خود تسلیم نہیں کرتا وہی مخالف پر حجت بارو کرائے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

دوسری دلیل: **عن انس بن مالك قال رأیت رسول الله ﷺ یتوضا وعلیه عمامة قطریة فادخل یده من تحت العمامة فمسح مقدم رأسه ولم ینقض العمامة۔**

(ابو داؤد ص١٩ ج١)۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو وضو فرماتے ہوئے دیکھا آپ ﷺ کے سر مبارک پر قطری پگڑی تھی، آپ ﷺ نے پگڑی کے نیچے سے ہاتھ ڈال کر سر کے اگلے حصے پر مسح فرمایا: اور پگڑی کو کھولا نہیں۔ (حدیث اور اهل حدیث ص١٧١)۔

الجواب: اس کی سند میں ابو معقل، راوی ہے۔ (ابو داوٗد رقم الحدیث ۱۴۸)، ابن ماجہ رقم الحدیث

۵۶۴)، اور یہ مجہول ہے، جیسا کہ امام ابن قطان اور ابن بطال نے کہا ہے یہی علامہ ذہبی کا فیصلہ ہے، اور ابن السکن فرماتے ہیں کہ اس کی سند ثابت نہیں۔ (تہذیب ص۵۷۲ ج۴)۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ وفی اسناد نظر ،یعنی اس کی سند میں جرح ہے۔ (التلخیص الحبیر ص۵۸ ج۱، نیل الاوطار ص۱۷۲ ج۱) دیوبندیوں کے محدث کبیر خلیل احمد سہارنپوری نے ابن قطان وغیرہ کی جرح نقل کر کے سکوت اختیار کیا ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ ان کے نزدیک بھی یہ روایت ضعیف ہے۔ (بذل المجهود ص۸۸ ج۱)۔

سرفراز خاں صفدر حنفی دیوبندی فرماتے ہیں ہمیں اللہ تعالیٰ نے ہرگز اس کا مکلّف نہیں ٹھہرایا کہ ہم اپنا دین مجہول شخصیتوں سے لیتے پھریں۔ (راہ سنت ص۲۸۷)۔

تیسری دلیل: **قال الشافعی اخبرنا مسلم عن ابن جریج عن عطاء ان رسول اللہ ﷺ توضاء فحسر العمامة عن راسه ومسح مقدم رأسه او قال ناصیته بالماء۔**

(کتاب الام ص۲۶ ج۱)۔

سیدنا عطاء بن ابی رباح رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے وضو کیا تو اپنی پگڑی کو سر سے اوپر کیا اور سر کے اگلے حصہ پر مسح فرمایا: حضرت عطاء نے فرمایا: کہ آپ ﷺ نے اپنی ناصیة پر مسح فرمایا پانی سے۔ (حدیث اور اهل حدیث ۱۷۲)۔

الجواب: اولاً یہ روایت مرسل ہے کیونکہ امام عطاء بن ابی رباح صحابی نہیں تابعی ہیں۔ امام بیہقی نے بھی امام شافعی کی سند سے یہ روایت نقل کی ہے (سنن کبریٰ ص۶۱ ج۱)۔ اور مرسل ہی روایت کی ہے اور مرسل ضعیف ہوتی ہے۔ مقدمہ میں تفصیل عرض کر دی گئی ہے۔

ثانیا: اس کی سند میں: ابن جریج، ہیں جو زبردست مدلس ہیں۔

امام دارقطنی فرماتے ہیں۔

تجنب تدلیس ابن جریج فانه قبیح التدلیس لا یدلس الافیما سمعه من مجروح، یعنی ابن جریج کی تدلیس سے بچئے کیونکہ وہ بدترین تدلیس کرتے ہیں، وہ صرف مجروح راوی سے ہی تدلیس کرتے ہیں۔ (تهذیب ص۳۰۹ ج۶)۔

الغرض ارسال کے علاوہ بوجہ تدلیس ابن جریج یہ روایت ضعیف ہے۔

ثالثاً: آپ نے حسر کا معنی ''اوپر'' کرنا کیا ہے جو غلط ہے درست معنی یہ ہے کہ سر کو پگڑی سے ننگا کیا۔ (مجمع بحار الانوار ص۴۹۵ ج۱)۔ ایسا ہی محترم نے اثر ابن عمر رضی اللہ عنہ میں ''رفع'' کا معنی ''ہٹانا'' کیا ہے۔ (حدیث اور اهل حدیث ص۱۷۶)۔

حالانکہ ''رفع بمعنی ''اٹھانا'' آتا ہے۔

تنبیہ: قرآن کریم کی آیت اور مزکورہ دونوں احادیث کے بعد مولانا صاحب نے صحابہ کرام کے اقوال نقل کیئے ہیں۔ اور ہم مقدمہ میں وضاحت کر آئے ہیں کہ جب صحابہ کرام کے اقوال مرفوع احادیث کے خلاف ہوں تو تب وہ دلیل نہیں ہوتے، مزید یہ کہ جس مسئلہ میں صحابہ کرام میں اختلاف ہوتو وہاں بھی ان کے اقوال ناقابل عمل ہوا کرتے ہیں، یہی صورت پگڑی پر مسح کی ہے کہ یہاں صحابہ کرام میں اختلاف کے علاوہ مانعین کے اقوال مرفوع احادیث کے خلاف ہے۔

(۷) باب کیا وضو میں پاؤں کا دھونا فرض نہیں

مولانا محترم کا یہ سارا باب کذب و افترا اور غلط بیانی پر مبنی ہے، بھلا جس بات کا قرآن حکم دے اور رسول اللہ ﷺ کی متواتر سنت ہو، اس کا کوئی کلمہ گو انکار کرسکتا ہے، ہاں کوئی بدبخت بدعتی و جاہل اور پاگل ہو تو اس کی بات علیحٰدہ ہے، مگر مولانا انوار خورشید صاحب شرم و حیاء کو بالائے طاق رکھ کر یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ آیت کریم احادیث اور اجماع امت کے خلاف غیر مقلدین کا کہنا ہے کہ اگر کوئی دوران وضو پاؤں پر مسح کرلے تو اسے منع نہیں کرنا چاہئے ایک غیر مقلد صاحب اتنے آگے بڑھے کہ انہوں نے فرمایا کہ مسح ہی فرض ہے۔

(بلفظہ حدیث اور اہل حدیث ص۱۷۷)۔

یہ اتنا بڑا جھوٹ ہے، جو صرف دیوبند کا تربیت یافتہ ہی بول سکتا ہے کوئی مسلمان اور کلمہ گو جس کے دل میں رتی بھر بھی ایمان ہو وہ اتنی دلیری نہیں کرسکتا، پھر جو دلیل درج کی ہے وہ "اذا حدث کذب،، منافق جب بات کرتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے (بخاری ۳۳)۔ کے عین مطابق ہے کہ ایک غیر مقلد صاحب، ان کا نام کیا تھا علمی حیثیت کیا تھی اور کہاں یہ بات کہی یا لکھی، سرے سے اس چیز کا بیان ہی نہیں۔

اس بات کو مزین کرنے کے لئے آگے خیر سے دو حوالے بھی نقل کیے ہیں۔

نواب وحید الزمان لکھتے ہیں کہ۔

"ولا یجوز الانکار علی امور مختلفۃ فیما بین العلماء کغسل الرجل و مسحہ"

(ھدیۃ المھدی ص۶۸)۔

یعنی جن امور میں علماء کے درمیان اختلاف ہے، ان پر انکار جائز نہیں جیسا کہ (دوران وضو پاؤں کا دھونا اور مسح کرنا۔ (حدیث اور اہل حدیث ص۱۷۷)۔

غور کیجئے کہ کن الفاظ کا یہ معنی ہے کہ وضو میں پاؤں دھونے کی بجائے ان پر مسح کرنا فرض ہے؟ دراصل نواب وحید الزمان خاں مرحوم یہاں بحث یہ کر رہے ہیں کہ ان جیسے اختلافی مسائل میں جو حضرات قرآن و سنت کی نصوص کے باوجود اپنے نظریہ کے مطابق عمل کرتے ہوں، ان پر سختی و توعید وتہدید وتوبیخ کے ساتھ نکیر نہیں ہونی چاہئے، ہاں البتہ نرمی و سہولت کے ساتھ ان پر نکیر کرنی چاہئے۔ان کے الفاظ یہ ہیں۔

یجوز الانکار بالیسر والسھولۃ بان یقرآ الحدیث علی فاعلھا ولا یعنف ولا یزجر ولا یشدد ولا ینھر فیہ۔

(هدية المهدى ص ۱۱۸)۔

یہ بات عین حکم قرآن ہے، چنانچہ فرعون جیسے مدعی الوہیت اور حرام کام کرنے والے جابر و ظالم حکمران کی طرف جب سیدنا موسیٰ علیہ السلام اور ان کے بھائی سیدنا ھارون علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے دعوت و تبلیغ کے لئے بھیجا تو ان دونوں رسولوں کو حکم دیا کہ:

فقولا له قولا لينا لعله يتذكر او يخشى (سورہ طٰہٰ آیت ٤٤)۔

اور اس سے نرمی سے بات کرنا شاید وہ غور کرے یا ڈر جائے۔ (۲۰-٤٤)۔

قرآن کریم کے اس حکم کا جو شخص یہ مفہوم بیان کرے کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام اور ان کے بھائی سیدنا ھارون علیہ السلام فرعون کے عقائد و نظریات کے مصدق تھے۔ اس شخص سے بڑھ کر کوئی جاہل و نادان اور خبطی نہیں۔ بالکل یہی معاملہ علامہ وحید الزماں خاں مرحوم کی عبارت کا ہے۔ واضح رہے کہ خود نواب وحید الزماں خان نے اپنی متعدد کتب میں اس بات کی صراحت کی ہے کہ وضو میں پاؤں کا دھونا فرض ہے۔ دیکھئے (کنز الحقائق ص ۱۱ ونزل الابرار ص ۱۲ ج ۱)۔

انہوں نے سنن ابن ماجہ، کے ترجمہ میں اس مسئلہ پر بڑی تفصیل سے لکھا۔ امامیہ کے جملہ اعتراضات کا مدلل جواب تحریر کرتے ہوئے بحث کے بالکل ابتداء میں لکھا ہے کہ یہ دونوں باب کی حدیثیں دلالت کرتی ہیں کہ پاؤں دھونا فرض ہے اور جمہور کا یہ قول ہے۔

رفع العجاجة ترجمہ سنن ابن ماجہ ص ۲۳۹ ج ۱ كتاب الطهارة باب ماجاء فى غسل القدمين)۔ اس کے علاوہ مزید عبارات بھی پیش کی جاسکتی ہیں مگر امید ہے کہ طالب حق کی اس سے ہی تسلی ہوجائے گی۔ جبکہ جاہل و متعصب کے لئے دلائل کا انبار بھی بے سود ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ علامہ وحید الزماں خاں نے یہ بات قطعاً نہیں کہی کہ وضوٗ میں پاؤں پر مسح کرنا ہی فرض ہے۔

دوسری دلیل: ہمارے معاصر نے یہ نقل کی ہے کہ مولوی ابراہیم لکھتے ہیں کہ پاؤں دھونے کے بجائے مسح فرض ہے۔ (فتاویٰ ابراہیمہ ص ۲۱ بحوالہ فتح المبین ص ۴۵۲)۔

ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ یہ الزام ہے جو برصغیر کے حنفیوں نے اہل حدیث کو بدنام کرنے کی غرض سے لگایا تھا۔ اس کی حقیقت سیدنا یوسف علیہ السلام کی قمیض پر لگائے گئے خون جیسی ہے۔ اب اس حوالے کا پس منظر اور پیش منظر ملاحظہ کریں، فتح المبین، ظفر المبین کے رد میں لکھی ہوئی ایک حنفی مولوی کی کتاب ہے اس کے آخر میں مؤلف نے ص ۴۴۱ تا ۴۹۴ تک مولوی وصی احمد سورتی کا فتویٰ "جامع الشواہد فی اخراج الوہابین عن المساجد" درج کیا ہے ہمارے مخاطب نے بھی اسی سے اس کو نقل کیا ہے، مگر لاعلمی کہیے یا مصلحت کہ اصل کتاب کی بجائے فتح المبین کا حوالہ دیا ہے پھر اپنی غلط

بیانی پر مٹی ڈالنے کے لئے صفحہ نمبر بھی غلط لکھا ہے حالانکہ مذکورہ عبارت ص ۴۵۸، پر ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ یہ عبارت جامع الشواہد سے نقل کی ہے۔

(جامع الشواهد مندرجه فتح المبین ص۴۵۸ و جامع الشواهد ص۴۰ ناشر اداره معارف نعمانیه لاهور ۱۹۹۹ء)

جامع الشواہد کا مصنف بقول مولانا عبد الحی الحسنی حنفی دیوبندی، اہل حدیث کا سخت دشمن، متعصب، علم حدیث میں کم علم اور شدید النفس تھا، (نزہۃ الخواطر ص ۵۱۷ ج ۸)۔

مولوی وصی احمد سورتی کی زندگی میں، شیخ الاسلام فاتح قادیان حضرت مولانا ابوسعید محمد حسین بٹالوی مرحوم نے اشاعۃ السنۃ جلد ۶ شمارہ نمبر ۵ مورخہ مئی ۱۸۸۳ھ کے سر ورق پر اشتہار شائع کیا تھا جس میں انہوں نے مؤلف جامع الشواہد، کو چیلنج دیا کہ اگر وہ ان مفتریات و بہتانات کو کتب اہل حدیث سے ثابت کردے تو خاکسار ایک ہزار روپیہ نقد سکہ رائج الوقت کا اس شخص کو وعدہ انعام دیتا ہے۔ مگر مولوی وصی احمد نے پوری زندگی اس چیلنج کو قبول نہ کیا اور اپنی کتاب میں لگائے گئے الزمات کو ثابت نہ کرسکا۔ ''جامع الشواہد'' کے جواب میں متعدد کتب مارکیٹ میں آئیں جن میں مذکورہ الزام کو باطل قرار دیتے ہوئے اس کا مؤلف سے ثبوت مانگا گیا تھا۔ حضرت مولانا حافظ عبد اللہ محدث غازی پوری فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ کا انتساب بھی اہل حدیث کی طرف صحیح نہیں ہے۔ ان پر اتہام بے جا ہے، ہم نے اہل حدیث کی کسی کتاب میں یہ مسئلہ نہیں دیکھا ہے اہل حدیث کی کتابیں جہاں تک ہماری نظر سے گزریں ہیں سب میں یہی لکھا ہے کہ وضو میں پاؤں کا دھونا فرض ہے۔.......... اور فتاویٰ ابراہیمہ کو ہم نے نہیں دیکھا ہے۔ اور نہ ہم جانتے ہیں کہ وہ کیسی کتاب ہے اور نہ ہم اس کے مصنف کے حال سے واقف ہیں۔ مجیب صاحب کو چاہئے کہ اصل کتاب کا معائنہ کرا دیں۔ (ابراء اهل الحدیث والقرآن مما فی جامع الشواهد من التهم والبهتان ص ۹٤)۔

مگر افسوس کہ جامع الشواہد کے مصنف مولوی وصی احمد نے علمائے اہل حدیث کے اس جائز مطالبہ کو پوری زندگی پورا نہ کیا۔ لیکن کتنے ستم کی بات ہے کہ وصی احمد کی ذریت معنوی شرمندگی کی بجائے مکرر اس بات کا دعویٰ کر رہے ہیں اس پر انہیں شرم ہے نہ حیاء۔ ماضی قریب میں بریلوی مکتب فکر کے ترجمان، رضوان، میں ان الزامات کو دھرایا گیا تو مولانا اسماعیل سلفی مرحوم نے ''الاعتصام'' مورخہ کیم جون ۱۹۶۱ میں تحریر کیا۔ معلوم نہیں یہ مولوی ابراہیم کون ہے، اور فتاویٰ ابراہیمہ کیا بلا ہے ہم صراحۃ گزارش کرنا چاہتے ہیں کہ اہل حدیث کا یہ مسلک نہیں اور غالبا شیعہ کے سوا آئمہ سنت سے کسی کا بھی یہ مسلک نہیں۔ بحوالہ (فتاویٰ سلفیہ ص ۱۲۷)۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ اہل حدیث کے نزدیک وضو میں پاؤں کا دھونا فرض ہے۔ آئمہ حدیث کا اس پر اتفاق و اجماع ہے۔ اگر ہم اس پر حوالے نقل کرنا شروع کردیں

تو ہزاروں حوالے بفضلہ تعالیٰ نقل کر سکتے ہیں۔ لیکن یہ چیز بات کو بہت لمبا کر دے گی۔ قارئین کرام سے التماس ہے کہ وہ خود کسی بھی سلفی کی کتاب جو نماز پر لکھی ہوئی ہے یا قرآن پاک کی تفسیر ہے یا حدیث کی شرح کو نکال کر دیکھ سکتا ہے۔

باقی مولانا انوار خورشید کے بیان کردہ دو حوالوں کی حقیقت ہم بیان کر چکے ہیں۔ کہ ان کی حقیقت زیب داستان سے زیادہ نہیں، ہم دیوبندی علماء سے مؤدبانہ گزارش کرنا بھی ضروری خیال کرتے ہیں کہ وہ اس بات پر یقین کرلیں کہ ایک زندہ اور قائم اللہ تعالیٰ کی ذات بھی ہے اور رہے گی۔ اور ہم سب نے مر کر مٹی میں دفن ہونا ہے اور قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے حضور اپنے کیے کا جواب دہ ہونا ہے یہ دنیا عارضی ٹھکانہ ہے اس میں کسی انسان کو قرار نہیں واہ واہ کروانے کی غرض سے کتب تحریر نہ کریں، فریق مخالف پر اتہام حجت اور ان کو دعوت فکر کی غرض سے لکھا کریں ۔ اس میں خیر و برکت بھی ہوگی اور اخروی زندگی کے لئے بھی بہتر نہ ہوگا تو کم از کم آپ کی حسن نیت کی وجہ سے عین ممکن ہے کہ مؤاخذہ ہی نہ ہو۔ فی الحال آپ کے چند نوجوان اور جوشیلے ممبروں نے دستور العمل بنا رکھا ہے وہ دجال و کذاب اور خبیث لوگوں کا کردار ہے، علم پرور اور متین و سنجیدہ اور دین دار لوگوں کا نہیں۔ ہم ارباب دیوبند کے ذمہ دار اور شریف النفس علماء کو مخاطب کرتے ہوئے ان سے مطالبہ کرتے ہیں کہ ایسے لوگوں کی حوصلہ شکنی کی جائے اور انہیں اس بات کا یقین دلایا جائے کہ حق اپنی ذاتی خوبی کی وجہ سے دلوں کو فتح کرتا ہے حق پھیلنے کے لئے ، جھوٹ، فریب، دغا، بہتان کا محتاج نہیں بلکہ حق گوئی کی ضرورت ہے اس میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول برحق سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ کی خوشنودی ہے۔ علاوہ ازیں اس میں ہی ملک قوم اور تمام مسلمانوں کی بہتری ہے۔ آپ غلط بیانی کر کے کسی کے دل کو فتح نہیں کر سکتے، الزام لگا کر اپنے مؤقف کو منوا نہیں سکتے۔ اور جھوٹ سے سلفیت کو مٹا کر حنفیت کا غلبہ دیکھنا آپ کا محض خواب و خیال ہے۔

(۸) باب بسم اللہ پڑھے بغیر وضو نہیں ہوتا

فصل اول

پہلی دلیل: سیدنا ابوھریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لاصلاۃلمن لا وضوء له ولا وضوء لمن لم یذکر اسم الله علیه۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس شخص کی نماز نہیں ہوتی جس کا وضو نہیں اور اس شخص کا وضو نہیں جو اللہ کا نام نہیں لیتا۔

(ابوداؤد کتاب الطھارۃ باب فی التسمیة عند الوضؤ ح۱۰۱) و ابن ماجه کتاب الطھارۃ باب ماجاء فی التسمیة فی الوضوء ح۳۹۹، ومسند احمد ص ۴۱۸ ج۲، ودار قطنی ص۷۹ ج۱، ومستدرك حاکم ص۱۴۶ ج۱، وبیھقی ص ۴۳ ج۱)۔

دوسری دلیل: سیدنا سعید بن زید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

سمعت رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم یقول: لا وضؤ لمن لم یذکر اسم الله علیه۔

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ علیہ التحیۃ والسلام فرما رہے تھے کہ اس شخص کا وضو نہیں جو اللہ کا نام نہیں لیتا۔ (ترمذی کتاب الطھارۃ باب التسمیة عند الوضوء رقم الحدیث ۲۵) و (ابن ماجه باب سابق رقم الحدیث ۳۹۸) و (مسند احمد ص ۷۰ ج٤) (دارقطنی ص ۷۲و۷۳ ج۱) ومستدرك حاکم ص ٦٠ ج٤)۔

تیسری دلیل: سیدنا ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔

"ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لا وضؤ لمن لم یذکر اسم الله علیه"

نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ اس شخص کا وضو نہیں جو اللہ کا نام نہیں لیتا۔ (ابن ماجه کتاب الطھارۃ باب ماجاء فی التسمیة فی الوضوء رقم الحدیث ۳۹۷) و (مسند احمد ص ٤١ ج۳) و (دارمی ص۱۸۷ ج۱) و (دار قطنی ص۷۱ ج۱) و (مستدرك حاکم ص۱٤۷ ج۱) و (بیھقی ص٤۳ ج۱) و (مسند ابو یعلی ص۱۹ ج۲ وحدیث نمبر ۱۰۵۵)۔ تقریباً انہیں الفاظ کے قریب ہی یہ حدیث سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔ (مسند ابو یعلی رقم الحدیث ٤٦٦٨ و٤٧٧٧ و٤٨٤٤)۔

سیدنا سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے (ابن ماجه رقم الحدیث ٤٠٠) اورسیدنا ابوسبرہ الانصاری سے، (طبرانی کبیر ص۲۹٦ ج۲۲ راقم الحدیث ۷۵۵)۔ میں مروی ہے۔ بلاشبہ ان میں سے بعض روایات پر جرح موجود ہے، مگر اس کی تصحیح وتحسین کرنے والے آئمہ محدثین بھی موجود ہیں۔ حدیث ابی ہریرہ

رضی اللہ عنہ کو حاکم نے صحیح علامہ البانی نے شواہد کی وجہ سے حسن کہا ہے۔ منذری، عسقلانی نے قوی، ابن الصلاح، ابن کثیر اور علامہ عراقی نے حسن کہا ہے۔ (ارواء الغلیل ص ۱۲۲ ج ۱ رقم الحدیث ۸۱)۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ سب روایات کا ذکر نے کے بعد فرماتے ہیں کہ مجموعہ روایات سے پتہ چلتا ہے کہ اس حدیث کی اصل ہے۔ امام ابن ابی شیبہ کہتے ہیں کہ ہمارے نزدیک یہ ثابت ہو چکا ہے کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ (التلخیص الحبیر ص ۷۵ ج ۱)۔ ان صریح حدیث کی موجودگی میں مولانا فرماتے ہیں۔

اس مسئلہ میں غیر مقلدین نے داؤد ظاہری کی تقلید کی ہے۔

(حدیث اور اهل حدیث ص ۱۸۲)۔

امام داؤد ظاہری نے بھی وجوب کا مؤقف ان صریح احادیث کی بنا پر اپنایا تھا۔ اور بفضلہ تعالیٰ اہل حدیث نے بھی فرمان نبوی علیہ التحیۃ والسلام کی وجہ سے اپنا دستور العمل قرار دیا ہے۔ مگر مولانا کو یہ تقلید نظر آتی ہے جیسے ساون کے اندھے کو ہرا ہی ہرا نظر آتا ہے، ویسے ہی علماء دیوبند کو ہر چیز میں تقلید ہی تقلید نظر آتی ہے۔ مگر ان فقہی دماغوں میں یہ چھوٹی سی بات کون ڈالے کہ حضرت دلیل شرعی کی پیروی کو تقلید نہیں بلکہ اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کہتے ہیں۔ افسوس جو تقلید اور اتباع کے فرق کو نہیں جانتے وہ چودہویں صدی میں مصنف بن بیٹھے ہیں اور رد کر رہے ہیں اہل حدیث کا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

فصل دوم

دلیل اول: **عن ابی هريرة قال قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم يا ابا هريرة اذا توضات فقل بسم الله والحمد لله فان حفظتك لاتبرح تكتب لك الحسنات حتى تحدث من ذالك الوضوء۔**

(معجم طبرانی صغیر ص ۷۳ ج ۱ و اسناده حسن، مجمع الزوائد ص ۲۲ ج ۱)۔

سیدنا ابوھریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابوھریرہ رضی اللہ عنہ جب تو وضو کرنے لگے تو کہہ "**بسم الله والحمد الله**" بلاشبہ تیرے محافظ فرشتے تیرے لئے مسلسل نیکیاں لکھتے رہیں گے حتی کہ تو اس وضو سے بے وضو ہو جائے۔ (حدیث اور اهل حدیث ص ۱۷۸)۔

الجواب: اولا مؤلف حدیث اور اہل حدیث کے نزدیک "حکم" سے فرضیت ثابت ہوتی ہے۔

(حدیث اور اهل حدیث ص ۱۷۶)۔

جبکہ اس حدیث میں اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے "بسم اللہ" پڑھنے کا حکم دیا ہے۔ لہٰذا ان کے اصول کے موافق اور پیش کردہ روایت سے فرضیت ثابت ہے۔

ثانیا: اس کی سند میں ابراہیم بن محمد راوی ہے جو صاحب مناکیر ہے۔ (میزان ص ۵۶ ج ۱)۔

علامہ پٹنی مرحوم نے (تذکرۃ ص ۳۱) میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے، (لسان المیزان ص ۹۸ ج ۱) میں

اس روایت کو منکر قرار دیا ہے۔ ابن جوزی فرماتے ہیں کہ اس کی کوئی اصل نہیں ۔
(کتاب الموضوعات ص۱۸۶ ج۳)۔
دوسری دلیل: عن البراء مرفوعا "مامن عبد یقول حین یتوضا بسم الله ثم یقول بکل عضوا اشهد ان لا اله الا الله وحده لا شریك له واشهد ان محمد عبده ورسوله" ثم یقول حین یفرغ اللهم اجعلنی من التوابین واجعلنی من المتطهرین، الافتحت له ثمانیة ابواب الجنة یدخل من ایها شاء فان قام من فوره ذالك فصلی رکعتین یقراء فیما ویعلم ما یقول انتقل من صلاته کیوم ولدته امه ثم یقال له استأنف العمل۔
(کنز العمال ص۲۹۹ ج۹)۔
سیدنا براء رضی اللہ عنہ سے مرفوعا مروی ہے کہ جو شخص وضو کرتے وقت کہے "بسم الله" پھر ہر عضو کو دھوتے وقت کہے "اشهد ان الا اله الا الله وحده لا شریك له واشهد ا ن محمدا عبده ورسوله" پھر وضو سے فارغ ہو کر کہے۔ "اللهم اجعلنی من التوابین واجعلنی من المتطهرین" تو اس کے لئے جنت کے آٹھوں دروازے کھول دیئے جائیں گے۔ جس سے چاہیے داخل ہو جائے۔
پھر اگر وضو سے فارغ ہوتے ہی فورا دو رکعتیں اس طرح پڑھے کہ ان میں قرأۃ کرے اور جو کچھ کہہ رہا ہے اس کا اسے علم بھی ہو وہ اپنی نماز سے ایسے منتقل ہوتا ہے جیسے وہ اس دن تھا جس دن اسے اس کی ماں نے جنا تھا۔ پھر اسے کہا جاتا ہے کہ اب نئے سرے سے عمل کر۔
(حدیث اور اهل حدیث ص۱۷۹)۔
الجواب: اولا یہ روایت المستغفر ی کی تالیف "الدعوات" سے منقول ہے۔ (کنز العمال رقم الحدیث ۲۶۰۸۴)۔ مطبوعہ نشر السنہ ملتان۔ مستغفری کی کتاب معروف ہے نہ متداول، اور کنز میں اس کی سند درج نہیں۔ ہاں البتہ امام ابن ملقن نے (البدر المنیر ص ۲۷۸ ج۲) میں مستغفری کی کتاب سے سند نقل کی ہے، جس میں دو راوی، ابوبکر البیکند ی اور ابو محمد محتاج عدالت ہیں۔ کتب رجال ان کے تراجم سے خالی ہیں۔
خاکسار کمپیوٹر کی مدد سے مکتبہ الفیہ اور شاملہ کے علاوہ علامہ ذھبی کی، تاریخ الاسلام، سید اعلام النبلاء، میزان الاعتدال، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی تہذیب التہذیب، حافظ مزی کی، تہذیب الکمال، بغدادی کی تاریخ امام بخاری رحمہ اللہ کی تاریخ کبیر اور صغیر ابوحاتم کی، الجرح والتعدیل، ابن حبان کی کتاب الثقات جیسی مبسوط کتب کے علاوہ متعدد چھوٹی چھوٹی کتب رجال کی مراجعت کی ہے مگر ان کے حالات دستیاب نہیں ہوئے۔
حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے (التلخیص الحبیر ص۱۰۰ ج۱) میں اس روایت کے متعلق کہا ہے۔ اسناده

واھی، یعنی اس کی سند سخت ضعیف ہے۔

ثانیا: محترم نے وضاحت نہیں کی کہ اس روایت سے حنفیہ کا مؤقف کسی طرح ثابت ہوتا ہے غالبا انہوں نے ''اجر وثواب'' سے استدلال کیا ہے۔ جس سے موصوف کی وسعت علم معلوم ہوجاتی ہے۔

کیونکہ اجر وثواب اور بخشش کے وعدہ سے یہ کب لازم آتا ہے کہ یہ کام فرض و واجب نہیں کیا نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج کا اجر وثواب نہیں ملتا کیا ان کے کرنے والوں سے بخشش و مغفرت کا وعدہ نہیں ہے۔ کاش آپ نے کتب حدیث میں۔ طہارۃ کے ابواب پر ہی نظر ڈالی ہوتی۔ تو موصوف کو وضو کے اجر وثواب کی احادیث بھی مل جاتی۔

(مسلم کتاب الطھارۃ باب فضل الوضوء والصلوٰۃ عقبہ)۔

تو کیا فریق ثانی کے نزدیک نماز کے لئے وضو بھی فرض کی بجائے مستحب ہے۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون۔

ثالثا: اس روایت میں وضو کرتے وقت ہر عضو کو دھوتے وقت مذکورہ دعا پڑھنے کا ذکر ہے، حالانکہ اکابر دیوبند کے نزدیک اس سلسلہ میں جتنی روایات بیان کی جاتی ہیں وہ تمام کی تمام من گھڑت اور وضعی ہیں۔

مولانا سرفراز خاں صفدر حنفی دیوبندی فرماتے ہیں۔

حافظ ابن القیم (زاد المعاد ص۴۹ ج۱) میں لکھتے ہیں کہ وضو کے وقت مختلف قسم کے اذکار اور دعائیں جو ذکر کی گئیں ہیں سب کی سب کذب ومختلق ہیں نہ تو آنحضرت ﷺ نے دعائیں کیں اور نہ امت کو تعلیم دی۔ (خزائن السنن ص۱۲۳ ج۱)۔ ناشر مکتبہ صفدریہ گوجرانوالہ ۲۰۰۰ھ۔

مولانا محمد تقی عثمانی حنفی دیوبندی فرماتے ہیں۔ وضو کے دوران ہر عضو کو دھوتے وقت جو دعائیں مروّج ہیں۔ قرآن وحدیث میں ان کا ثبوت نہیں ہے۔ (درس ترمذی ص۲۶۲ ج۱)۔

خلاصہ کلام یہ کہ سندا روایت ضعیف ہونے کے علاوہ دیوبندیت کے خلاف بھی ہے اور اس سے ان کا مؤقف بھی واضح نہیں ہوتا۔

تیسری دلیل: عن رفاعۃ بن رافع انہ کان جالسا عند النبی ﷺ فقال انھا لا تقم صلاۃ لاحد حتی یسبغ الوضوء کما امرہ اللہ تعالیٰ یغسل وجھہ ویدیہ الی المرفقین ویمسح برأسہ ورجلیہ الی الکعبین۔

(ابو داؤد ص۱۲۴ وابن ماجہ ص۳۶)۔

حضرت رفاعۃ بن رافع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ نبی علیہ الصلاۃ والسلام کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ نے فرمایا: کسی کی نماز اس وقت تک پوری نہیں ہوتی جب تک وہ اچھی طرح سے وضوٗ نہ کرے۔ جیسا کہ اللہ نے وضو کرنے کا حکم دیا ہے۔ اپنے چہرے کو دھوئے دونوں ہاتھ کہنیوں سمیت دھوئے، اپنے سر کا مسح کرے اور دونوں پاؤں ٹخنوں سمیت دھوئے۔ وجہ استدلال میں فرماتے ہیں۔ حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے ایک صاحب کی نماز کی اصلاح کرتے ہوئے وضو کا طریقہ بتلایا لیکن انہیں یہ نہیں فرمایا کہ پہلے بسم اللہ پڑھو۔ (حدیث اوراهل حدیث ص۱۷۹،۱۸۱)۔

الجواب: اولا: اچھا آپ کی اس تقریر کا مطلب تو یہ نکلا کہ نماز کے جن احکام کا اس حدیث میں ذکر ہے وہ فرض ہیں۔ محترم اس حدیث میں تعدیل ارکان کا بیان بھی ہے، اور سورۃ فاتحہ کو پڑھنے کا حکم نبوی علیہ التحیۃ والسلام بھی ہے۔ وضاحت کیجئے۔ تعدیل ارکان اور سورۃ فاتحہ آپ کے نزدیک کیوں فرض نہیں۔ مؤلف نے اس اعتراض سے جان چھڑانے کے لئے پوری حدیث ہی نقل نہیں کی۔ غور کیجئے یہ کن لوگوں کا کردار ہے۔

پھر ابو داؤد کا صفحہ نمبر بھی غلط تحریر کیا ہے حدیث اگلے صفحہ پر تھی او راس کے دوسرے طریق میں وضاحت ہے۔

"اذاقمت فتوجهت الى القبلة فكبر ثم اقرأ بام القرآن وبما شاء الله"

یعنی جب نماز کے لئے کھڑا ہو تو قبلہ رخ منہ کر، اور تکبیر تحریمہ کہہ کر سورۃ فاتحہ پڑھ اور اس کے ساتھ جو اللہ چاہے۔ (ابو داؤد ص۱۲۵ ج۱)و (ابن حبان (موارد) رقم الحدیث ٤٨٤)۔

مولانا خلیل احمد سہارنپوری حنفی دیوبندی فرماتے ہیں۔

"هذا الحديث يدل على فرضيت الفاتحة"

یعنی یہ حدیث نماز میں فاتحہ کی فرضیت پر دلالت کرتی ہے۔ (بذل المجهود ص۷۵ ج۲)۔

بلکہ امام اسماعیل الانصاری کی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں۔

"ثم اسجد فاعتدل ساجدا ثم اجلس فاطمئن جالسا ثم قم۔

پھر سجدہ کر اور سجدہ سے اٹھ کر بیٹھ جا یہاں تک کہ تو بیٹھنے میں اطمینان پکڑے پھر کھڑا ہو جا۔

(ترمذی رقم الحدیث ۳۰۲)۔

ان الفاظ سے جلسہ استراحت ثابت ہوتا ہے جو مولانا کے قانون کے مطابق فرض ثابت ہو رہا ہے۔ مگر مؤلف حدیث اور اہل حدیث اس کا منکر ہے اس نے اس کے رد میں ص۴۳۶ پر ایک مستقل باب تحریر کیا ہے۔

ثانیا: عدم ذکر سے عدم شئی لازم نہیں آتا یہ آپ کی زیادتی ہے ابن ہمام فرماتے ہیں کہ عدم

النقل لاینفی الوجود، یعنی عدم نقل سے وجود کی نفی نہیں ہوتی (فتح القدیر ص۲۰ ج۱)۔ علاوہ ازیں اس حدیث کی جمیع طرق میں سے ''نیت'' قعدہ اخیر'' نبی ﷺ پر درود پڑھنا اور آخر میں سلام پھیرنے کا ذکر نہیں ملتا۔ (فتح الباری ص۲۲۲ ج۱)۔ جبکہ احناف کے نزدیک نیت نماز کی شرائط سے ہے۔ (البحرائق ص۲۷۵ ج۱)۔ ''قعدہ آخیر'' ان کے نزدیک فرض ہے۔ (ھدایہ ص۶۲ ج۱) و(شرح نقایہ ص۶۹ ج۱) ومستملی ص۲۸۹) لفظ سلام کے ساتھ نماز سے نکلنا حنفیہ کے نزدیک واجب ہے۔ (ھدایہ ص۷۳ ج۱)۔ و(شرح نقایہ ص۷۰ ج۱) ومستملی ص۲۹۸) فما کان جوابکم فھو جوابنا۔ خاص وضوء کی مثال سنئے کہ اس حدیث میں داڑھی کے خلال اور مسواک کا ذکر نہیں، حالانکہ یہ احناف کے نزدیک سنت ہیں۔ (ھدایہ ص۵ ج۱) خلاصہ کلام یہ کہ عدم ذکر سے عدم شئی ثابت کرنا مؤلف حدیث اور اہل حدیث کا زعم باطل اور سینہ زوری ہے۔

چوتھی دلیل: **عن عبد اللہ بن مسعود قال سمعت رسول اللہ ﷺ یقول اذا تطھر احدکم فلیذکر اسم اللہ علیہ فانہ یطھر جسدہ کلہ فان لم یذکر احدکم اسم اللہ علی طھورہ لم یطھر الاما مر علیہ الماء الحدیث۔**

(بیھقی ص۴۴ ج۱)۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جب تم میں سے کوئی وضو کرے تو اسے چاہیئے کہ اللہ کا نام لے لے۔ اس طرح سارا جسم پاک ہوگا اور اگر کسی نے دوران وضو اللہ کا نام نہ لیا تو جس عضو پر پانی جائے گا وہ ہی پاک ہوگا۔ (حدیث اور اہل حدیث ص۱۸۰)۔

الجواب: اولا آپ نے بددیانتی کی ہے امام بیہقی نے آگے ہی صراحت کی ہے کہ

وھذا ضعیف لا اعلمہ رواہ عن الاعمش غیر یحی بن ھاشم و یحی بن ھاشم متروک الحدیث

یعنی یہ روایت ضعیف ہے اور مجھے معلوم نہیں کہ الاعمش سے یحیٰی بن ھاشم کے علاوہ بھی کسی نے روایت کیا ہے اور یحیٰی متروک الحدیث ہے۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی ص۴۴) امام نسائی نے متروک کہا ہے ابن عدی کہتے ہیں کہ احادیث وضع کرتا تھا۔ امام صالح جذرہ امام ابو حاتم امام یحیٰی بن معین امام عقیلی نے اسے کذاب کہا ہے۔ امام نقاش فرماتے ہیں من گھڑت اور وضعی روایات، الاعمش سے نقل کرتا تھا۔ (لسان المیزان ص۲۸۰ ومیزان ص۴۱۲)۔

ثانیا: سند میں الاعمش راوی ہے جو مدلس ہیں (تقریب ص۱۳۶)۔ اور تحدیث کی صراحت نہیں۔ امام دراقطنی نے اس روایت پر ضعف کا حکم لگایا ہے۔ (سنن دارقطنی ص۷۴ ج۱)۔

راقم عرض کرتا ہے کہ امام دارقطنی کے قول کا مقصود یہ ہے کہ یہ روایت سخت ضعیف ہے کیونکہ سند میں تدلیس کے علاوہ ایک راوی کذاب ہے۔

پانچویں دلیل: **عن ابن عمر قال قال رسول الله ﷺ من توضاء فذكر اسم الله علىٰ وضوئه كان طهورا لجسده قال ومن توضاء ولم يذكر اسم الله على وضوئه كان طهورا لاعضائه۔**

(دارقطنی ص ۷۴ ج۱)۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے وضوٗ کیا اور وضوٗ کرتے وقت اللہ کا نام لیا تو یہ اس کے سارے بدن کی طہارت ہوگا۔ فرمایا: جس نے وضوٗ کیا اور وضو کرتے وقت اللہ کا نام نہ لیا تو یہ صرف اس کے اعضاء وضو کی طہارت ہوگا۔

(حدیث اور اهل حدیث ص ۱۸۰)۔

الجواب: اس کی سند میں عبد اللہ بن حکیم ابو بکر الداہری راوی ہے امام بیہقی اس روایت کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ بوجہ ابو بکر الداہری یہ روایت ضعیف ہے۔ (بیہقی ص ۴۴ ج۱)۔ امام احمد اور علی بن مدینی فرماتے ہیں۔ "لیس بشیء" ہیچ محض ہے، امام ابن معین اور نسائی کہتے ہیں ثقہ نہیں۔ امام جوزجانی کہتے ہیں۔ کذاب ہے ابن عدی کہتے ہیں، منکر الحدیث ہے۔ امام عقیلی کہتے ہیں ثقات سے باطل روایات نقل کرتا ہے۔ امام ابو نعیم کہتے ہیں۔ اسمعیل وغیرہ سے موضوع روایات نقل کرتا ہے۔ (لسان المیزان ص ۲۷۸ ج۳)، ومیزان ص ۴۱۱ ج۲)۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے، التلخیص الحبیر ص ۷۶ ج ۱ میں متروک قرار دیا ہے۔

چھٹی دلیل: **عن ابی هريرة رضی اللہ عنہ قال قال رسول الله ﷺ من توضاء و ذكر اسم الله تطهر جسده كله ومن توضاء ولم يذكر اسم الله لم يطهر الا موضع الوضوء۔**

(دارقطنی ص ۷۴ ج۱)۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے وضو کیا اور اللہ کا نام لیا تو اس کا بدن پاک ہوگیا اور جس نے وضوٗ کیا اور اللہ کا نام نہ لیا تو صرف اس کے وضوٗ کی جگہ پاک ہوگی۔

(حدیث اوراهل حدیث ص ۱۸۰)۔

الجواب: اس کی سند میں مرداس بن محمد راوی مجہول ہے اور علامہ ذہبی فرماتے ہیں کہ اس کی یہ روایت منکر ہے۔ (میزان الاعتدال ص ۸۸ ج ٤)۔

امام بیہقی نے۔ (السنن الكبرى ص ٤٤ ج ١) میں اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے (التلخيص الحبير ص ٧٦ ج ١) میں اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔

اس کے بعد مؤلف نے امام حسن بصری کا قول نقل کیا ہے مگر اس کی سند میں۔ ربیع راوی ہے اس کی تعین کی جائے کہ کون ہے۔ تہذیب میں اس نام کے متعدد راوی ہیں۔ جو امام حسن بصری سے روایت کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں ہم کسی بصری و کوفی پر ایمان نہیں لائے بلکہ اللہ و رسول کی بات ہم پر حجت ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

"**اما اذا انتھی الامر الی ابراھیم والشعبی والحسن وعطاء فاجتھد کما اجتھدوا**" جب معاملہ ابراہیم، شعبی، حسن اور عطاء کی طرف آیا تو جیسے انہوں نے اجتہاد کیا اسی طرح میں بھی اجتہاد کرتا ہوں (مناقب الامام ابی حنیفہ ص۲۰)۔اس قول میں، حسن ، سے مراد حسن بصری ہیں۔ افسوس !جس بات کو ان کا امام قبول نہیں کرتا اسی بات کو خصم پر حجت کے لئے نقل کرتے ہیں۔

اجماع کا جھوٹا دعوٰی:

فرماتے ہیں کہ اگر وضو کرتے ہوئے بسم اللہ نہ پڑھی جائے تو وضو ہوجائے گا حضرت حسن بصری یہ فتوٰی دیتے تھے۔ اسی پر اجماع امت بھی ہے۔ (حدیث اور اهل حدیث ص۱۸۱)۔

قارئین کرام! اس پر امت مرحومہ کے اجماع کا دعوٰی کذب صریح اور کھلم کھلا دغا وفریب ہے۔ آئمہ اہل بیت، اہل حدیث، امام اسحاق اورایک روایت میں امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا یہی مسلک ہے بسم اللہ کا پڑھنا واجب ہے۔ (نیل الاوطار ص۱۵۱ ج۱)۔

پوری امت کا اجماع تو کجا اس پر تو حنفیت کا بھی اتفاق نہیں۔حنفیوں کے محقق علی الاطلاق اور مجتہد فی المذہب علامہ ابن ہمام کے نزدیک بسم اللہ کا پڑھنا واجب ہے۔

(فتح القدیر ص۲۰ ج۱ ،احکام القنطرة ص۳۳، ومجموعه رسائل لکنوی ص۶۵ ج۱وفیض الباری ص۲۴۳ ج۱)۔

(۹) باب گردن کا مسح ثابت نہیں

فصل اول

دین عبارت ہے قرآن و حدیث سے، جو چیز ان سے ثابت ہے وہ عین اسلام اور تعلیمات محمدیہ علیہ التحیۃ والسلام ہے۔ جو چیز ان سے ثابت نہیں وہ دین اور اسلام کا جزء نہیں۔ جو صاحب اسے دین کہتا ہے اس کا اپنا عمل ہے، قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے وضو کا حکم دیا ہے، مجمل طریقہ بھی بیان ہوا ہے سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ نے اس کی اپنے عمل سے تفسیر کی ہے۔ حضور نبی مکرم علیہ السلام کا وضوٗ متواتر اسناد سے ہم تک پہنچا ہے۔ کسی صحیح حدیث میں گردن کا مسح ثابت نہیں۔ اس سلسلہ میں جو بھی بیان کیا جاتا ہے اس کی حیثیت زیب داستان سے بڑھ کر نہیں، بعض میں معنوی تحریف بھی ہے۔ تفصیل انور خورشید کے دلائل میں آرہی ہے۔

جس کتاب کا ہم جواب تحریر کر رہے ہیں یہ بزرگ خیر سے دیوبندی حلقہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ جن کا دعویٰ ہے کہ ہم بدعات کے خلاف ہیں۔ بلاشبہ بعض بدعات کے خلاف ہیں بالخصوص جن پر بریلوی عام و خاص عمل پیرا ہیں، بدعت کی تعریف اور اس کے حکم میں ہم دونوں قدرے مشترک ہیں، سوچ اور نظریہ بدعت کے متعلق اتفاق کے باوجود مجھے یہ سمجھ نہیں آئی کہ دیوبندیوں کے نزدیک نماز جنازہ کے بعد دعا بدعت کیوں ہے اور گردن کا مسح مستحب کیوں ہے؟ میری حیرانگی کی وجہ یہ ہے کہ دونوں ہی بے ثبوت اور احداث فی الدین (دین میں بدعت) ہیں ۔ پھر ایک پر اصرار اور دوسرے کا انکار۔ کیا اعتقادی و عملی طور پر تضاد نہیں۔ گردن کے مسح کے دلائل تلاش کرنے کے لئے آپ کتب فقہ کا مطالعہ کریں تو ایک بھی ایسی دلیل نہ ملے گی جس پر آئمہ محدثین نے سخت جرح نہ کی ہوگی۔ اس حقیقت سے فقہاء احناف اور علماء نے جس بے چارگی سے جان چھڑائی ہے وہ لطیفہ سے کم نہیں کہتے ہیں فضائل اعمال میں ضعیف روایات معتبر ہیں حالانکہ اس اصول کا یہاں تذکرہ ہی بے محل ہے کیونکہ ایک ہے عمل، اور دوسرا ہے اس عمل کی فضیلت، اس اصول کا تذکرہ تب درست تھا جب حنفی گردن کا مسح کسی صحیح یا حسن حدیث سے ثابت کرتے اور اس کی فضیلت کسی ضعیف روایت سے ثابت ہوتی۔ مگر علماء دیوبند نے اس حقیقت پر پردہ ڈالنے کے لئے بات کو گڈ مڈ کر دیا ہے اسے مطلب بر آری کہیں یا جہالت سے تعبیر کریں۔ علاوہ ازیں فضائل اعمال میں ضعیف روایات پر عمل کا دعویٰ بھی باطل ہے جیسا کہ علامہ عبدالحی لکھنوی نے صراحت کی ہے۔

(الاثار المرفوعہ ص۷۷)۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اس سلسلہ میں کوئی بھی روایت ایسی نہیں جو قابل عمل ہو۔امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: گردن پر مسح نبی ﷺ سے ثابت نہیں بلکہ تمام وہ احادیث جو وضو کی کیفیت کے متعلق ہیں ان میں گردن کے مسح کا ذکر نہیں اس وجہ سے جمہور علماء کے نزدیک یہ مستحب نہیں جیسا کہ امام مالک، امام شافعی، امام احمد وغیرہم رحمہم اللہ۔ (مجموع فتاوی ابن تیمیه ص۱۲۷ ج۲۱)۔

امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ گردن کے مسح کے بارے میں قطعاً کوئی صحیح حدیث نہیں۔

(زاد المعاد ص۱۹۵ ج۱)۔

علامہ نووی اور علامہ فیروز آبادی نے گردن کے مسح کو بدعت کہا ہے۔

بحواله (السعاية ص۱۷۸ ج۱، خزائن السنن ص۱۰۴ ج۱)۔

فصل دوم

عن ابن عمران النبی ﷺ قال من توضاء ومسح بیده علی عنقه وقی الغل یوم القیمة۔

(التلخیص الحبیر ص۹۳ ج۱)۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی الصلوۃ والسلام نے فرمایا: جس نے وضو کیا اور دونوں ہاتھوں سے اپنی گردن (گدی) پر مسح کیا۔تو وہ قیامت کے دن طوق (پہنائے جانے) سے بچا لیا جائے گا۔ (حدیث اور اهل حدیث ص۱۸۳)۔

الجواب: آپ نے عنق کا معنی گردن کر کے پھر اس سے مراد ''گدی'' لیا ہے جو روایت کے الفاظ میں تحریف معنوی ہے عنق بمعنی گلا آتا ہے۔ علامہ ابن منظور فرماتے ہیں۔ ''العنق والعنق وصلة ما بین الراس والجسد'' (لسان العرب ص۲۷۱ ج۱)۔مگر افسوس! ہمارا مہربان اس کا معنی گردن کر کے اس سے مراد گدی لیتا ہے۔ یہ بددیانتی اس مقصد کے تحت کی گئی ہے کہ گلے کا مسح تو خود احناف کے نزدیک بھی بدعت ہے۔ (البحرائق ص۲۸ ج۱و فتاوی عالم گیری ص۸ ج۱ وخیر الفتاوی ص۶۵ ج۲)۔ محترم گدی کے لئے عربی میں رقبہ کا لفظ مستعمل ہے۔خود جناب نے بھی کتاب میں عنوان ''المسح علی الرقبة'' قائم کیا ہے۔ (حدیث اور اهل حدیث ص۱۸۲)۔

ثانیا: حافظ ابن حجر رحمہ اللہ مذکورہ روایت کو بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں: ابن فارس، اور فلیح راویوں کے درمیان ہلاک کی جگہ ہے لہٰذا دیکھا جائے ان میں کون راوی ہے (التلخیص الحبیر ص۹۳ ج۱)۔ علامہ شوکانی ان درمیانی راویوں کی نشان دہی کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حسین بن علوان، اور خالد واسطی ہیں۔ (نیل اوطار ص۱۸۱ ج۱ باب مسح العنق)۔

حسین بن علوان کو امام یحیٰی نے کذاب، علی بن مدینی نے سخت ضعیف کہا ہے۔

امام ابو حاتم، امام نسائی، امام دارقطنی نے متروک الحدیث قرار دیا ہے۔ ابن حبان فرماتے ہیں یہ احادیث وضع کرتا تھا۔ صالح جزرہ کہتے ہیں احادیث وضع کرتا تھا۔ عقیدہ کے لحاظ سے شیعہ تھا طوسی نے شیعہ مصنفین میں اس کا شمار کیا ہے (لسان المیزان ص۳۰۰ ج۲)۔ و میزان الاعتدان ص۵۴۲ ج۱)۔ دوسرا راوی ابو خالد واسطی بھی ضعیف ہے (میزان ص۵۱۹ ج۴)۔

الغرض یہ روایت محض کذب و افترا ہے۔ اور دیوبندیت کے خلاف بھی ہے۔

دوسری دلیل: عن ابن عمران النبی ﷺ قال من توضاء ومسح یدیه علی عنقه امن یوم القیمة من الغل

(مسند فردوس ص۴۴ ج۴)۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا: جس نے وضو کیا اور دونوں ہاتھ اپنی گردن پر پھیرے تو وہ قیامت کے دن طوق (پہنائے جانے) سے مامون رہے گا۔ (حدیث اور اہل حدیث ص۱۸۳)۔

الجواب: اولا یہ روایت بھی حنفیت کے موافق نہیں بلکہ مخالف ہے۔ عنقہ کے لغوی معنی پر بحث پہلے گزر چکی ہے۔

ثانیا: اس کی سند میں محمد بن احمد بن محمد ابو بکر المغیر، راوی ہے

(حاشیہ مسند فردوس ص۴۵ ج۴) و (تاریخ اصبہان ص۱۱۵ ج۲)۔

اور یہ وضع احادیث سے متہم ہے۔ جیسا کہ علامہ ذہبی اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے صراحت کی ہے۔

(میزان الاعتدال ص۴۶۱ ج۳)، ولسان المیزان ص۴۵ ج۵)۔

دوسرا راوی اس کی سند میں محمد بن عمر الانصاری ہے۔ اور یہ سخت ضعیف ہے جیسا کہ امام ابن معین نے صراحت کی ہے (میزان ص٦٧٦ ج٣)، وتهذیب ص٣٧٨ ج٩)۔ تیسرا راوی اس میں عمرو بن محمد بن الحسن ہے جس کا ترجمہ خطیب نے (تاریخ ص٢٠٤ ج١٢)۔ میں نقل کیا ہے، ابن حبان فرماتے ہیں ثقات سے مناکیر روایات کرتا ہے۔ امام حاکم فرماتے ہیں اعتبار سے گرا ہوا ہے۔ موضوع روایات ان لوگوں سے نقل کرتا ہے جس کا کوئی اصل ان کی روایات میں موجود نہیں ہوئی۔ امام دارقطنی فرماتے ہیں ضعیف ہونے کے علاوہ کثیر الوہم ہے۔

(لسان المیزان ص۳۷۵ ج۴)۔ (و میزان ص۲۷۶ ج۳)۔

علامہ نووی اور البانی نے اس روایت کو موضوع قرار دیا ہے (الضعیفه ٦٩، ٧٤٤)۔

تیسری دلیل: "عن لیث عن طلحة بن مصرف عن ابیه عن جده انه رأی رسول الله ﷺ مسح مقدم راسه حتی بلغ القذال من مقدم عنقه"

(طحاوی ص۲۸ ج ۱)۔

حضرت طلحہ بن مصرف بروایت اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ نے اپنے سر کے اگلے حصہ پر مسح کیا حتیٰ کہ آپ ﷺ نے (اپنے ہاتھ) سر کے آخر حصہ تک لے گئے۔

مولانا انور خورشید صاحب نے مکرر اس روایت کو (مسند احمد ص۴۸۱ ج ۳)۔ سے نقل کر کے چوتھی دلیل باور کرایا ہے۔ اور تیسری بار، طبرانی کبیر بحوالہ غایۃ المقصود، درج کر کے۔ چھٹی دلیل کے عنوان سے لکھا ہے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص۱۸۳، ۱۸۴)۔

الجواب: اولا ہم مولانا صاحب کی مجبوری جانتے ہیں کہ وہ ایک ہی روایت کو مکررات سے نقل کر کے عوام کو دھوکہ کیوں دیتے ہیں۔ تفصیل میں جانے سے پہلے ان تینوں کتابوں کی سند کو ملاحظ کر لیا جائے۔

طحاوی کی سند ہے، **حدثنا ابن مرزوق قال ثنا عبد الصمد بن عبد الوارث قال ثنا ابی حفص بن غياث عن ليث عن طلحة بن مصرف عن ابيه عن جده**، مسند احمد، کی سند یہ ہے، **حدثنا عبد الله حدثنی ابی ثنا عبد الصمد بن عبد الوارث قال حدثنی ابی قال ثنا ليث عن طلحة عن ابيه عن جده**۔

طبرانی کبیر کی سند یہ ہے۔

حدثنا الحسين بن اسحاق التستری ثنا شيبان بن فروخ ثنا ابو سلمه الكندی ثنا ليث بن ابی سليم حدثنی طلحة بن مصرف عن ابيه جده۔

(طبرانی کبیر ۱۸۰ ج۱۹ (وغایۃ المقصود ص ۴۰۴ ج۱)۔

تینوں کتابوں کی سند آپ کے سامنے ہے۔ ان کو بغور ملاحظہ کیجئے۔ اس کے مرکزی راوی ایک ہیں۔ لیث بن ابی سلیم طلحہ سے روایت کرتا ہے۔ طلحہ اپنے والد مصرف سے، اور مصرف طلحہ کے دادا سے نقل کرتا ہے۔ مگر ہمارے معاصر اس کو علیحدہ علیحدہ ذکر کر کے تین روایات باور کراتے ہیں۔ جس شخص کو علم حدیث کا دھواں بھی لگا ہو، وہ یہ فضول دعوٰی نہیں کرے گا۔ لیکن مؤلف حدیث اور اہل حدیث یہ دعوٰی کرتے ہیں۔ واضح رہے یہ جہالت نہیں شرارت ہے کیونکہ انہوں نے مغالطہ نہیں کھایا بلکہ اپنے مذہب کی جھوٹی وکالت میں جھوٹ بولا ہے۔

ثانیا: اس روایت سے گردن کا مسح ثابت کرنا سینہ زوری ہے۔ لفظ، قذال، بمعنی گردن نہیں آتا بلکہ یہ لفظ بمعنی سر کا آخری حصہ آتا ہے۔ آئمہ لغت فرماتے القذال، مؤخر الراس (المصباح المنیر ۴۹۵)۔ یعنی قذال سر کے آخری حصے کو کہتے ہیں۔ مولانا خلیل احمد سہارنپوری حنفی دیوبندی فرماتے ہیں۔

"حتی بلغ القذال وھو اول القفاء ای مسح راسه من قرن الراس الی منتھی الراس"
یعنی قذال، قفا کے اول کو کہتے ہیں۔ حدیث کا معنی یہ ہے کہ اپنے سر اقدس پر نبی ﷺ نے مسح کیا۔ پہلے حصے سے شروع کیا تو آخر تک سر کا مسح کیا۔ (بذل المجہود ص۷۹ ج۱)۔
پھر یہ حدیث ابو داؤد میں بھی ہے۔ جس میں راوی "قذال" کی تفسیر، قفاء سے کرتا ہے۔ امام مسدد کی روایت میں بلغ القذال، کی بجائے یہ الفاظ ہیں۔ مسح راسه من مقدمه الی مؤخره، (ابو داؤد مع بذل المجھود ص۷۹ ج۱ وابو داؤد مع عون ص۴۹ ج۱)۔
یعنی نبی ﷺ نے مسح سر کے ابتدائی حصہ سے شروع کیا اور آخری حصہ تک لے گئے۔ (ابو داؤد باب صفة وضوء النبی ﷺ رقم الحدیث ۱۳۲) الغرض اس روایت سے گردن کا مسح ثابت نہیں ہوتا۔ دیوبندیت کے مفتی اعظم اور فقیہ العصر مولوی رشید احمد صاحب لکھتے ہیں۔ حتی بلغ القفاء کے الفاظ سے مسح رقبہ ثابت نہیں ہوتا۔ قفاء اور رقبہ میں فرق ہے۔ قفاء سر کا جزء ہے اور رقبہ مستقل عضو ہے۔ (احسن الفتاوٰی ص۱۲ ج۱)۔
شارح سنن ابو داؤد محدث عظیم آبادی فرماتے ہیں کہ

والحدیث مع ضعفه لایدل علی استحباب مسح الرقبة لان فیه مسح الرأس من مقدمه الی مؤخر الرأس او إلی مؤخر العنق، علی اختلاف الروایات، وھذا لیس فیه کلام، انما الکلام فی مسح الرقبة المتعاد بین الناس انھم یمسحون الرقبة بظھور الاصابع بعد فراغھم عن مسح الرأس وھذه الکیفیة لم تثبت فی مسح الرقبة۔

یعنی یہ حدیث ضعیف ہونے کے علاوہ گردن کے مسح کے استحباب پر دلالت نہیں کرتی۔ کیونکہ اس میں تو یہ (بیان ہے کہ) سر کے مسح کو پہلے حصہ سے شروع کیا اور آخیر سر تک (ہاتھوں کو) لے گئے۔ یا سر کے آخری حصہ تک لے گئے۔ روایات کے اختلاف کی بنا پر، او راس میں نزاع و کلام نہیں بلکہ عوام الناس میں متعارف گردن کے مسح میں کلام ہے جو سر کے مسح کے بعد الٹے ہاتھوں سے کیا جاتا ہے۔ اور یہ کیفیت (احادیث رسول ﷺ سے) ثابت نہیں ہے۔
(غایة المقصود ص۳۸۴ ج۱ وعون المعبود ص۵۰ ج۱)۔
ثالثاً: اس کی سند میں لیث بن ابی سلیم، راوی ضعیف ومختلط ہے اور اس کی روایات میں تمیز نہیں ہو سکی جس کی وجہ سے اسے ترک کر دیا گیا۔ (تقریب۲۸۷)۔
دوسرا راوی اس میں طلحہ کا والد مصرف ہے جو مجہول ہے (تقریب۳۳۸)۔ جس کی وجہ سے یہ روایت سخت ضعیف ہے۔ البانی نے اس پر ضعف کا حکم لگایا ہے، (ضعیف ابو داؤد)۔

چوتھی دلیل: عن موسیٰ بن طلحة قال من مسح قفاه مع راسه وقی الغل یوم القیمة قلت فیحتمل ان یقال هذا وانکان موقو فافله حکم الرفع۔

(التلخیص الحبیر ۹۲ ج ا)۔

سیدنا موسیٰ بن طلحہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں جس نے اپنے سر کے ساتھ گدی کا بھی مسح کیا وہ قیامت کے دن طوق (پہنائے جانے) سے بچالیا جائے گا۔حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اگر چہ موقوف ہے لیکن حکماً مرفوع ہے۔ (حدیث اور اهل حدیث ۱۸٤)۔

الجواب: اولاً لفظ قفاء، سے گردن کا مسح ثابت نہیں ہوتا، قفاء بمعنی، مؤخر الرأس (سر کا آخر) آتا ہے۔ (مجمع بحار الانوار ص۳۱۲ ج۴)۔ الغرض قفاء سر کا حصہ ہے۔ اور گردن علیحدٰہ عضو ہے۔سر کا مسح فرض اور گردن کا بدعت ہے مولانا انوار خورشید کی چالاکی دیکھئے وہ بدعت کو ثابت کرنے کے لئے لغت عرب میں تبدیلی کر رہے ہیں۔

ثانیا: امام موسیٰ بن طلحہ تابعی ہیں جس کی اسلام میں حیثیت محض ایک امتی کی ہے اور یہ بات واضح ہے کہ دین عبارت ہے قرآن و حدیث سے۔ امتی کے اقوال تب ہی قابل قبول ہوتے ہیں جب وہ قرآن وسنت سے مؤید ہوں۔

پانچویں دلیل: عن وائل بن حجر (فی حدیث طویل) فغسل وجهه ثم ادخل خنصره فی داخل اذنه لیبلغ الماء ثم مسح رقبة و باطن لحیته من فضل ماء الوجه۔

الحدیث۔ (معجم طبرانی کبیر ص۴۲ ج۲۲)۔

حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے اپنے چہرہ کو تین مرتبہ دھویا پھر داڑھی میں خلال کیا اور کانوں کے اندر مسح فرمایا، چھینگلی کان میں ڈال کرتا کہ پانی اندر پہنچ جائے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے گردن (گدی) کا اور داڑھی کے اندر کے حصہ کا مسح کیا، چہرہ کے بچے ہوئے پانی سے۔ ہمارے مخاطب نے مکرر اس روایت کو مسند بزار سے نقل کرکے حدیث نمبر۸ کا عنوان لگایا ہے۔

(حدیث اور اهل حدیث ص۱۸۵)۔

الجواب: اولاً یہ ایک لمبی حدیث کا ٹکڑا ہے، اس میں سینہ پر ہاتھ باندھنے، آمین کہنے، اور رکوع کرتے اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین کرنے کا بھی ذکر ہے، (مسند بزار رقم الحدیث ۲۶۸ وطبرانی کبیر ص۵۰ ج۲۲ ح۱۱۷ ومجمع الزوائد ۲۳۷ ج۱ وفی نسختی الاخری ص۲۳۲ ج۱)۔ حالانکہ مؤلف ان سنتوں کا منکر ہے اوران کے رد میں مفصل ابواب تحریر کرتا ہے۔ اگر اس حدیث کو بوجہ استدلال یہ صحیح یا حسن تسلیم کرتا ہے تو کیا وجہ ہے کہ مذکورہ تینوں سنتوں کا منکر ہے۔حنفیوں کے کردار اور افعال پر غور کیجئے کہ یہ ایک ہی حدیث کو

مطلب برآری کے لئے قبول کرتے ہیں اور اسی حدیث کے باقی حصہ کو قوم موسیٰ علیہ السلام کی پیروی میں ترک کرتے ہیں۔

ثانیا: اس روایت میں اگر گردن کا مسح ثابت ہوتا ہے، تو تین بار کرنے کا ثابت ہوتا ہے۔ مسند بزار کے الفاظ یہ ہیں "ومسح ظاهر رقبة و باطن لحيته ثلاثا "یعنی گردن کے اوپر والے حصہ پر اور داڑھی کے اندر تین بار مسح کیا، (مجمع الزوائد ص۱۳۵ ج۲ باب صفة الصلاة والتكبير فيها)۔ اس کے بعد روایت کا تسلسل اس طرح ہے کہ دونوں بازو کہنیوں تک دھوئے اور پھر سر کا مسح تین بار کیا۔ ظاہر ہے کہ اس کیفیت سے حنفی گردن کا مسح نہیں کرتے اور نہ ہی گردن پر تکرار مسح کے قائل ہیں۔

ثالثا: یہ روایت ضعیف ہے علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ اس کی سند میں سعید بن عبد الجبار راوی ہے جس کو نسائی کہتے ہیں قوی نہیں۔ دوسرا راوی محمد بن حجر ضعیف ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ "فيه بعض النظر" ذھبی کہتے ہیں اس کی منکر روایات ہیں۔

(مجمع الزوائد ص۳۵ ج۲ و ۲۳۳ ج۱)۔

(۱۰) باب جسم سے خون نکلنے پر وضو نہیں ٹوٹتا

فصل اول

پہلی دلیل: سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

"ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان فی غزوة ذات الرقاع فرمی رجل بسهم فنزفه الدم فركع وسجد ومضى في الصلاة"

یعنی نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم ذات الرقاع کی جنگ میں تھے کہ ایک صحابی کو تیر لگا جس سے خون پھوٹ نکلا اس آدمی نے اسی حالت میں رکوع اور سجدہ کیا اور نماز کو پورا کیا۔

(بخاری ص۲۹ ج۱)۔

یہی حدیث، (ابو داؤد رقم الحدیث ۱۹۸)و (ابن حبان رقم الحدیث ۱۰۹۳)و (ابن خزیمہ رقم الحدیث ۳۶) و(بیہقی ص ۱۴۰ ج۱)ودار قطنی ص۲۴۴ ج۱)ومستدرک للحاکم ص۱۵۶ ج۱)۔ میں مختلف اسانید سے مطول ومختصر مروی ہے۔ حافظ ابن حجر نے (تغلیق التعلیق ص۱۱۵ ج۲) میں اس کے طرق کو جمع کیا ہے۔ ابن حبان، ابن خزیمہ، حاکم و ذہبی نے صحیح کہا ہے۔ علامہ عینی حنفی فرماتے ہیں۔ **"فبلغ ذلك رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم فدعالهما قال ولم يامره بالوضوء ولا باعادة الصلوة"** جب اس کی اطلاع نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ملی تو آپ علیہ التحیۃ والسلام نے ان دونوں صحابہ کرام کے لئے دعائے خیر فرمائی اور انہیں دوبارہ وضو کر کے نماز لوٹانے کا حکم نہیں دیا۔

(شرح ھدایہ ص۱۲۲ ج۱)۔ (بحوالہ ابکار المنن)۔

صحابہ کرام کے آثار:

(۱) سیدنا مسعود بن مخرمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

"ان عمر بن الخطاب صلى وان جرحه يشعب دما"

یعنی سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھی تو آپ کے جسم سے خون ٹپک رہا تھا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص۴۷۹ ج۲)۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں **"وقد صح ان عمر صلى وجرحه ينبع دما"** بلاشبہ یہ صحیح سند کے ساتھ ثابت ہے کہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھی تو آپ کے زخموں سے خون ٹپک رہا تھا۔ (فتح الباری ص۲۶۶ ج۲)۔

(۲) امام میمون بن مہران بیان کرتے ہیں۔

رایت ابا ھریرۃ رضی اللہ عنہ ادخل اصبعہ فی انفہ فخرجت مغضبۃ دما ففتہ ثم صلی فلم یتوضا۔

میں نے سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ آپ نے اپنی انگلی ناک میں داخل کی جب اسے نکالا تو خون سے آلودہ تھی، تو آپ نے دوسری انگلی سے خون مل دیا، پھر نماز ادا کی اور وضو نہ کیا۔

(مصنف عبد الرزاق ص۱۴۶ ج۱)،و مصنف ابن ابی شیبہ ص۱۳۸ ج۱)۔

(۳) امام بکر بن عبد اللہ مزنی فرماتے ہیں۔

"انہ رای ابن عمر عصر بثرہ بین عینیہ فخرج منھا شئی ففتہ بین اصبعیہ ثم صلی ولم یتوضاء" انہوں نے سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ انہوں نے آنکھوں کے درمیان کیل کو نکالا جس سے جو کچھ نکلا اسے اپنی انگلیوں کے درمیان مل دیا اور وضو کیے بغیر نماز ادا فرمائی۔ (مصنف عبد الرزاق ص۱۴۵ ج۱) و (ابن ابی شیبہ ص۱۳۸ ج۱) و (بیہقی ص۱۴۱ ج۱)۔

فقہائے مدینہ کا عمل:

امام ابی الزناد رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ

"کل من ادرکت من فقھائنا الذین ینتھی الی قولھم منھم سعید بن المسیب وعروۃ بن الزبیر والقاسم بن محمد و ابو بکر بن عبد الرحمن و خارجۃ بن زبیر وعبید اللہ بن عبد اللہ و سلیمان بن یسار فی مشیخۃ جلد سواھم یقولون فیمن رعف غسل الدم ولم یتوضاء۔

وہ تمام فقہاء جن کو میں نے پایا ہے اور جن کے اقوال کو حجت سمجھا جاتا ہے مثلاً، سعید بن مسیّب رضی اللہ عنہ عروۃ بن زبیر رضی اللہ عنہ قاسم بن محمد رضی اللہ عنہ ابو بکر بن عبد الرحمٰن رضی اللہ عنہ خارجہ بن زبیر رضی اللہ عنہ عبید اللہ بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ اور سلیمان بن یسار رضی اللہ عنہ یہ تمام اس مسئلہ میں متفق تھے کہ جس کو نکسیر آئے تو وہ خون کو دھولے اور وضو نہ کرے۔ (السنن الکبریٰ ص١٤٥ ج١)۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

"ھولاء الفقھاء ھم السبعۃ الذین درات علیھم الفتوٰی بالمدینۃ"

یہ وہ سات فقہاء مدینہ ہیں جن کا مدینہ منورہ میں فتوی چلتا تھا۔

(تغلیق التعلیق ص۱۱۸ ج۱)۔

امیر المؤمنین فی الحدیث امام بخاری رحمہ اللہ نے۔ (صحیح بخاری ص۲۹ ج۱) میں **"واھل الحجاز لیس فی الدوضوء"**، کہہ کر مذکورہ اثر کی طرف اشارہ کیا تھا۔ جس پر حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

وقد رواه عبد الرزاق من طريق ابی هريرة وسعيد بن جبير واخرجه ابن ابی شيبة من طريق ابن عمرو سعيد بن المسيب واخرجه اسماعيل القاضی من اهل المدينة وهو قول مالك والشافعی۔

امام عبد الرزاق نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور سعید بن جبیر رحمہ اللہ سے روایت کی ہے اور ابن ابی شیبہ نے ابن عمر رضی اللہ عنہ اور سعید بن مسیّب رحمہ اللہ سے اور قاضی اسماعیل نے فقہاء مدینہ سے روایت کی ہے کہ خون نکلنے سے وضو نہیں ٹوٹتا اور یہی مؤقف ہے امام شافعی اور مالک کا۔

(فتح الباری ص۲۲۶ ج۱)۔

تعامل خیر القرون:

حضرت امام حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں **"مازال المسلمون يصلون فی جراحاتهم"** یعنی مسلمان ہمشہ اپنے زخموں میں نماز پڑھتے رہے۔ (بخاری ص۲۹ ج۱)۔ اس قول کا مقصد یہ ہے کہ مسلمان ہمیشہ جہاد کرتے ہوئے جب زخمی ہوجاتے تو اسی حالت میں نماز پڑھ لیا کرتے اور زخموں سے بہنے والے خون کو ناقض وضو خیال نہ کرتے تھے۔

فصل دوم

دلیل اول: **عن عائشة رضی اللہ عنہا قالت قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم من اصابه قئی او رعاف او قلس او مذی فلينصرف فليتوضاء ثم ليبن علی صلاته وهو فی ذالك لايتكلم**

(ابن ماجه ص۸۷)۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جسے دوران نماز الٹی ہوجائے یا نکسیر بہہ پڑے یا منہ بھر کے قئے ہوجائے یا مذی نکل آئے تو اسے چاہئے کہ جاکر وضو کرے اور نماز پر بنا کرے بشرط کہ اس دوران کوئی کسی سے بات چیت نہ کی ہو۔ وجہ استدلال میں فرماتے ہیں معلوم ہو رہا ہے کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے نکسیر بہنے کی صورت میں وضو کرنے کا حکم دیا ہے، اور ظاہر ہے کہ نکسیر بہتی ہے تو خون ہی نکلتا ہے۔ (حدیث اور اهل حدیث ص۱۸۸، ۱۸۹)۔

الجواب: اولاً اس کی سند میں اسماعیل بن عیاش راوی ہے جو ابن جریج حجازی سے روایت بیان کر رہا ہے۔ امام احمد بن حنبل، امام علی بن مدینی، امام بخاری، ابو داؤد، امام ابو حاتم، امام ابن معین، امام ابن ابی شیبہ، امام عقیلی، امام ترمذی وغیرہم آئمہ جرح و تعدیل فرماتے ہیں کہ اس کی صرف شامی راویوں سے روایات صحیح ہیں حجازی راویوں سے ضعیف ہیں۔

(تهذیب ص ۳۲۴ ج۱ و ترمذی تحفه ص ۱۲۴ ج۱ و بیهقی ۱۴۲)۔
علامہ زیلعی فرماتے ہیں۔

"اسماعیل بن عیاش: ممن یکتب حدیثه ویحتج به فی حدیث الشامین فقط واما حدیثه عن الحجازین فلا یخلو من ضعف"

یعنی اسماعیل کی صرف ان ہی روایات کو لکھا جائے اور احتجاج کیا جائے جو وہ شامی راویوں سے بیان کرے جبکہ حجازی علماء سے اس کی روایات ضعف سے خالی نہیں۔ (نصب الریہ ص ۳۸ ج۱) یہی بات ابن حجر رحمہ اللہ نے (درایہ ص ۳۱ ج۱ میں اور علامہ حلبی نے (مستملی ص ۱۲۸) میں کہی ہے۔

دوسرا راوی اس میں ابن جریج ہے۔ جو زبردست مدلس ہے۔ (تقریب ص ۲۱۹) اورزیر بحث سند میں تحدیث کی صراحت نہیں۔ ثانیا: اس روایت سے حنفیہ کا استدلال باطل اور کمزور ہے، تفصیل، تحفہ حنفیہ ص ۱۸۰ ج۱ میں ملاحظہ کریں۔

دوسری دلیل: **عن عائشة رضی اللہ عنہا انها قالت قالت فاطمة بنت ابی حبیش لرسول الله صلی اللہ علیہ وسلم یا رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم انی لا اطهر افادع الصلوة فقال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم انما ذلك عرق ولیس بالحیضة فاذا اقبلك الحیضة فاترکی الصلوة فاذا ذهب قدرها فاغسل عنك الدم وصلی۔**

(بخاری ص ۴۴ ج۱)۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ فاطمہ بنت ابی حبیش رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں تو پاک ہی نہیں ہوتی تو کیا میں نماز پڑھنی چھوڑ دوں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ رگ سے نکلنے والا خون ہے، حیض نہیں ہے۔ اس لئے جب حیض کے دن آئیں تو نماز چھوڑ دے اور جب اندازہ کے مطابق وہ ایام گزر جائیں تو خون کو دھولے اور نماز پڑھ لے۔

وجہ استدلال میں فرماتے ہیں کہ: دوسری حدیث سے معلوم ہورہا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فاطمہ بنت ابی حبیش کو خون استحاضہ آنے کی صورت میں نماز کے لئے وضو کا حکم دیا ہے۔ تو پھر ہر وہ خون جو بدن کے کسی حصہ سے بھی نکل کر بہہ پڑے وہ بھی ناقض وضو ہوگا۔

(حدیث اور اهل حدیث ۱۸۸، ۱۸۹)۔

الجواب: اولاً زخم کے اندر خون رہنے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ (فتاوی دار العلوم ص ۱۲٦ ج ۱)۔
جب کہ استحاضہ کا خون فرج کے اندر بھی ہو تب بھی وضو ٹوٹ جاتا ہے۔

ثانیا: آپ نے استحاضہ کے خون پر باقی جسم کے خون کو قیاس کیا ہے۔ آخر آپ نے استحاضہ کے خون کو حیض کے خون پر قیاس کرکے غسل کے وجوب کا دعویٰ کیوں نہیں کیا؟ حالانکہ استحاضہ اور حیض کا خون ایک ہی جگہ قبل سے نکلتا ہے۔

ثالثاً: سبیلین سے خون نکلنے پر ہمارے نزدیک بھی وضوٹوٹ جاتا ہے۔ تفصیل دین الحق ص۱۱۲ ج۱ میں عرض کردی گئی ہے۔

تیسری دلیل: عن زید بن ثابت قال قال رسول اللہ ﷺ الوضوء من کل دم سائل۔
(کامل ابن عدی ص۱۹۳ ج۱)۔

حضرت زید بن ثابت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بہنے والے خون (کے نکلنے سے) وضو لازم ہوجاتا ہے۔ (حدیث اور اهل حدیث ص۱۸۸)۔

الجواب: اس کی سند میں احمد بن فرج حمصی راوی ہے اس اس کے ہم وطن امام محمد بن عوف حمصی نے سخت ضعیف اور کذاب کہا ہے، اور فرماتے ہیں کہ بقیہ کی جو روایات اس کے پاس ہیں ان کی کوئی اصل نہیں ہے، (یہ روایت بھی بقیہ سے ہی نقل کر رہا ہے)۔ اور یہ اللہ کی مخلوق میں سب سے زیادہ کذاب شخص ہے۔ شراب پیتا تھا۔ (تاریخ بغداد ص۳٤۱ ج٤)۔ (الضعیفة ٤۷۰)۔

الغرض یہ روایت سخت ضعیف ہے۔

چوتھی دلیل: عن عمر بن عبد العزیز قال قال تمیم الداری قال رسول اللہ ﷺ الوضوء من کل دم سائل۔

(دارقطنی ص۱۵۷ ج۱)۔

حضرت عمر بن عبد العزیز فرماتے ہیں کہ حضرت تمیّم داری نے فرمایا: کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ ہر بہنے والے خون (کے نکلنے) سے وضوء لازم آتا ہے۔

(حدیث اور اهل حدیث ص۱۸۹)۔

الجواب: امام دارقطنی نے آگے ہی لکھا ہے۔

"عمر بن عبد العزیز لم یسمع من تمیم الداری ولا راہ ویزید بن خالد ویزید بن محمد مجھولان"

یعنی عمر بن عبد العزیز کا سیدنا تمیم داری سے سماع اور ملاقات نہیں ہے۔ اور سند میں دو راوی یزید بن خالد اور یزید بن محمد مجہول ہیں۔ (دار قطنی ص۱۵۷ ج۱ ونصب الرایه ص۳۷ ج۱ ومشکوٰۃ ص٤۲)

علامہ البانی فرماتے ہیں۔ اس سند میں ایک تیسری علت بقیہ بن ولید کی تدلیس ہے۔

(الضعیفه ۴۷۱)۔

الغرض یہ روایت تین وجہ سے ضعیف ہے۔ سند منقطع ہے، درمیان میں دو راوی مجہول ہیں، اور بقیہ مدلس ہے۔ تحدیث کی صراحت نہیں۔

علامہ حلبی نے۔ (مستملی ص۱۲۷) میں ابن ہمام نے (فتح القدیر ص۵۳ ج۱) میں اس روایت کو

ضعیف قرار دیا ہے۔

یانچویں دلیل: **عن معمر عن ایوب عن ابن سیرین فی الرجل یبصق دما قال اذا کان الغالب علیه الدم توضا۔**

(مصنف عبد الرزاق ص۱۴۷ ج۱)۔

حضرت ابن سیرین نے اس شخص کے متعلق جسے خون آلود تھوک آتا ہے فرمایا: کہ جب تھوک غالب ہوتو وضو کرے۔ (حدیث اوراھل حدیث ص۱۸۹)۔

الجواب: اولاً اس کی سند میں ایوب، راوی کی تعین کی جائے۔ ثانیا: مقدمہ میں تفصیل گزر چکی ہے کہ مختلف فیہ مسائل میں اقوال علماء حجت نہیں ہوتے۔ امام ابن سیرین بلاشبہ ہمارے اسلاف میں سے ہیں تابعیت کا شرف بھی حاصل ہے مگر اس مسئلہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال مختلف فیہ ہے مؤلف حدیث اور اہل حدیث ۔ ہمارے پیش کردہ آثار صحابہ اور اقوال تابعین کا جو جواب دے گا وہی جواب اس کا ہے۔

(۱۱) باب چند نئی دریافتیں

دین اسلام کامل و اکمل ہے اس میں عبادات کا پورا پورا طریقہ بیان کر دیا گیا ہے اس میں اپنی طرف سے لاحقہ و اضافہ بدعت اور گمراہی ہے۔ قارئین کرام یہاں ایک بار دین الحق حصہ دوم میں بدعت کے متعلقہ مباحث کا مطالعہ کرلیں۔ مذکورہ عنوان ہمارے فاضل معاصر مولانا انوار خورشید نے، (حدیث اور اھل حدیث ص۲۰۳) میں قائم کیا ہے (فرق صرف یہ ہے کہ ہم نے واحد کی بجائے جمع کا صیغہ استعمال کیا ہے)۔

اس میں فرماتے ہیں کیا کپڑے کے ٹخنوں سے نیچا ہوجانے سے وضوٹوٹ جاتا ہے؟ اس کا نہ کسی حدیث میں تذکرہ ہے نہ آئمہ اربعہ میں سے کسی کا مسلک ہے۔ ہاں غیر مقلدین نے اسے نواقض وضوء میں شمار کیا ہے۔ ان کے نزدیک اگر کپڑا ٹخنوں سے نیچے ہوجائے تو از سر نو وضو کرنا چاہیے۔ چنانچہ یونس قریشی صاحب رقمطراز ہیں۔ ٹخنوں سے نیچے پاجامہ پہننے والوں کو از سر نو وضو کرنا چاہئے۔ (دستور المتقی ص۷۸)، (حدیث اور اہل حدیث ص۲۰۳)۔

مولانا صاحب نے اس مسئلہ سے انکار اس لئے کیا ہے کہ اس پر کوئی حدیث موجود نہیں ظاہر ہے کہ مولانا صاحب کا انکار محض ضد اور تقلیدی تعصب ہے۔ کیونکہ اس پر ایک روایت سیدنا ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے ایک شخص کو اس حالت میں نماز پڑھتے دیکھا کہ اس کا کپڑا ٹخنوں سے نیچے تھا تو آپ علیہ الصلوۃ والسلام نے اسے حکم دیا کہ "اذھب فتوضاء" جا اور وضو کر۔ (سنن ابی داؤد رقم الحدیث ۶۳۸ باب الاسبال فی الصلوۃ)۔

اس کی سند میں ابو جعفر راوی مجہول ہے جیسا کہ علامہ منذری نے (مختصر سنن ابی داؤد ص۳۲۴ ج۱) میں علامہ شوکانی نے، (نیل الاوطار ص۱۱۸ ج۳) میں اور علامہ البانی نے (تحقیق مشکوٰۃ ص۲۳۸ ج۱) میں صراحت کی اس حدیث کا حوالہ مولانا یونس قریشی نے بھی دستور المتقی میں دیا ہے۔ لیکن اس کے باوجود ہمارا معاصر اس مسئلہ کا انکار کرتا ہے۔ ان کے انکار کی یہی وجہ ہوسکتی ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے اور ضعیف روایات سے کوئی مسئلہ شرعی ثابت نہیں ہوتا۔ قریشی صاحب کے مؤقف کو وہ نئی دریافت کا نام دیتے ہیں۔ کیوں؟ اس لئے کہ احادیث صحیحہ سے یہ مذہب ثابت نہیں۔ گو ضعیف روایت ہے۔ مگر اس کا وجود اور عدم وجود برابر ہے۔ یہی ہم قے اور قہقہ وغیرہ کے متعلق عرض کرتے ہیں کہ یہ نئی دریافتیں ہیں کیونکہ ادلہ شرعیہ سے ان کا ثبوت نہیں ملتا، غور کیجئے یہ بات مولانا کے دل کی پسند ہے اب دیکھئے اس کو قبول کرتے ہیں یا نہیں۔

آخر میں ہم اس بات کی بھی وضاحت کردینا ضروری خیال کرتے ہیں کہ مولانا یونس قریشی

صاحب نے یہ دعویٰ قطعاً نہیں کیا کہ ٹخنوں سے نیچے پاجامہ ہونے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، یہ انوار صاحب کی زیادتی ہے، صرف انہوں نے یہ کہا ہے کہ از سر نو وضو کرنا چاہئے، اور حدیث میں بھی فقط اس قدر ہی ہے، مکرر وضو کرنا، ٹوٹنے کو مستلزم نہیں، یہ محترم کی بھول ہے، گو یہ حدیث راقم کی تحقیق کے مطابق ضعیف ہے، لیکن بعض علمائے اہل حدیث کے نزدیک یہ روایت حسن درجہ کی ہے، ممکن ہے کہ مولانا قریشی بھی اسے حسن جانتے ہوں، ان سے بھی قبل امام نووی نے تو اسے صحیح قرار دیا ہے۔ (ریاض الصالحین ص۲۲٦)۔

اور اکابر علماء دیو بند نے بھی اس حدیث کے پیش نظر وضو لوٹانے کا حکم دیا ہے، بعض نے تو نماز بھی لوٹانے کا کہا ہے۔

مفتی عزیز الرحمٰن فرماتے ہیں، نماز میں ٹخنوں سے نیچے پائجامہ لٹکا کر نماز پڑھنا مکروہ ہے، ثواب سے محروم رہے گا۔ (فتاویٰ دار العلوم دیو بند ص۱۲۷ ج٤)۔

انوار صاحب کے فقیہ العصر اور مفتی اعظم مولوی رشید احمد لدھیانوی فرماتے ہیں کہ مرد کے لئے نماز اور غیر نماز دونوں حالتوں میں ٹخنے ڈھانکنا ناجائز اور گناہ ہے حدیث میں اس پر جہنم کی وعید آئی ہے، نماز کے اندر گناہ کا ارتکاب اور بھی زیادہ برا ہے، نماز میں ٹخنے ڈھانکنے سے اگرچہ نماز ہو جائے گی مگر متکبرین کا شعار ہونے کی وجہ سے مکروہ ہے، اور واجب الاعادہ ہے۔

(احسن الفتاویٰ ص۴۰۴ ج۳)۔

مفتی ابراہیم حنفی دیو بندی صادق آبادی فرماتے ہیں

بہت سے نمازیوں کے پاجامے لنگیاں ٹخنوں سے نیچے رہیں، ٹخنے ڈھانکنے پر حدیث میں عذاب جہنم کی وعید آئی ہے، (بخاری) ٹخنوں کو کھلا رکھنا یوں تو ہر حال میں واجب ہے، مگر نماز میں اس کا خاص اہتمام ضروری ہے ورنہ نماز مکروہ تحریمی ہوگی، ایک صحابی وضو کر کے نماز کے لئے ایسی حالت میں آئے کہ ان کے ٹخنے ڈھکے ہوئے تھے، تو آپ ﷺ نے زجرا انہیں مسجد سے واپس فرما کر وضو کا اعادہ کرایا۔ (چار سو اہم مسائل ص۵۰)۔

جامعہ خیر المدارس ملتان کے مفتی محمد انور صاحب فرماتے ہیں کہ

چادر وغیرہ کو ٹخنوں سے نیچے کر کے نماز پڑھی تو اس کا اعادہ کیا جائے (اس کی دلیل دیتے ہوئے مفتی صاحب نے مشکوٰۃ سے سیدنا ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ کی مذکورہ حدیث نقل کی ہے)۔

(خیر الفتاویٰ ص٦۵ ج۲)۔

ان عبارات علمائے دیو بند پر غور کریں، مولانا قریشی کی حرف بحرف تائید ہوتی ہے مگر انوار صاحب اسے نئی دریافت قرار دیتے ہیں، محترم یہ نئی دریافت نہیں صرف آپ کے علم میں قصور ہے۔

(۱۲) باب قے اور نکسیر سے وضو ٹوٹنے کے دلائل کی حقیقت

دلیل اول: عن عائشة رضی اللہ عنہا قالت قال رسول الله ﷺ من اصابه قئی او رعاف اوقلس او مذی فلینصرف فلیتوضاء۔

الحدیث۔ (ابن ماجه ص۸۷)۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جسے دوران نماز الٹی ہوجائے یا نکسیر بہہ جائے یا منہ بھر کر قے ہوجائے یا مذی نکل آئے تو اسے چاہیئے کہ جا کر وضو کرے۔

مولانا محترم نے ،سنن دارقطنی ص۱۵۳ ج۱، سے اس روایت کو نقل کر کے دوسری دلیل کا عنوان دیا ہے۔ (حدیث اور اهل حدیث ۱۹۱)۔

الجواب: اولاً یہ ایک ہی روایت ہے دو قطعاً نہیں جیسا کہ مؤلف باور کرانا چاہتا ہے۔ علاوہ ازیں سند کے لحاظ سے ضعیف بھی ہے تفصیل باب ۱۰ کی دوسری فصل میں گزر چکی ہے۔

ثانیاً: پھر اس کا معنی بھی غلط کیا ہے۔ تفصیل ،تحفہ حنفیہ ص۸۰ میں دیکھئے۔ الغرض یہ روایت ضعیف ہونے کے علاوہ حنفیہ کے خلاف ہے۔

دوسری دلیل: عن ابی الدرداء ان رسول الله ﷺ قاء فتوضاء فلقیت ثوبان فی مسجد دمشق فذکرت ذلك له فقال صدق وانا صببت له وضوئه۔

(ترمذی ۲۵ ج۱)۔

سیدنا ابو درداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور علیہ الصلاوۃ والسلام کو قے ہوئی تو آپ نے وضو فرمایا: راوی کہتے ہیں کہ میں جامع مسجد دمشق میں حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے ملا تو میں نے ان سے اس بات کا تذکرہ کیا انہوں نے فرمایا: ابو درداء رضی اللہ عنہ نے سچ کہا اور میں نے ہی حضور علیہ الصلوۃ والسلام پر وضو کا پانی ڈالا تھا۔ (حدیث اور اهل حدیث ص۱۹۲)۔

الجواب: اولا، اس حدیث سے حنفیہ کا دعوٰی ثابت نہیں ہوتا۔ کیونکہ ان کے نزدیک صرف وہی قے ناقض ہے جو منہ بھر کر آئے، ھدایہ میں "والقئی مل الفم" (هدایه مع فتح القدیر ص۳٤ ج۱)۔ یعنی قے وہی ناقض وضو ہے جو منہ بھر کر آئے۔ یہی بات فقہ حنفی کی تمام متداول کتب میں موجود ہے۔ مثلاً دیکھئے (البحر الرائق ص۳٤ ج۱)، وبدائع الصنائع ص۲٦ ج۱)، وفتاوی عالم گیری ص۱۱ ج۱)، و(فتاوی قاضی خاں ص۳٦ ج۱)۔ وفتاوی شامی ص۱۳۷ ج۱)، ومستملی ص۱۲۹)، یہی دیوبندی علماء کا فتوٰی ہے۔ مولانا تھانوی فرماتے ہیں۔

اگر بھر منہ قے ہوئی تو وضو ٹوٹ گیا اور بھر منہ قے نہیں ہوئی تو وضو نہیں ٹوٹا۔ (بہشتی زیور ص۴۷

حصہ اول)۔ یہ مسئلہ تمام دیوبندی علماء میں مسلم ہے۔ خلاصہ کلام یہ کہ حنفیہ کے نزدیک صرف اسی قے سے وضوٹوٹتا ہے جو منہ بھر کر آئے۔ ورنہ نہیں۔ جب کہ زیر بحث حدیث میں منہ بھر کر آنے کی صراحت نہیں۔

ثانیا: حنفیہ کے نزدیک بلغمی قے اگر منہ بھر کر بھی آئے تو تب بھی وضونہیں ٹوٹتا۔ جیسا کہ فتاوٰی شامی ص۱۴۷ ج۱ وغیر میں صراحت ہے۔ مولانا تھانوی فرماتے ہیں۔

اگر قے میں نرا بلغم ہو تو وضونہیں گیا چاہئے جتنا ہو بھر منہ ہو جائے چاہئے نہ ہو۔ (بہشتی زیور ص۴۷ ج۱) حالانکہ مذکورہ حدیث میں یہ وضاحت نہیں کہ قے بلغمی نہ تھی۔

ثالثا: حدیث کے الفاظ "قاء فتوضاء" میں حرف "ف" سببیت کے لئے نہیں بلکہ مطلق تعقیب کے لئے ہے۔ یہ بات حنفیہ کے نزدیک بھی مسلم ہے۔ کیونکہ قاء فتوضاء" کے الفاظ صرف ترمذی میں ہیں۔ باقی آئمہ حدیث نے "قاء فافطر" کے الفاظ روایت کئے ہیں۔

(مسند احمد ص۱۹۵ ج۵)، ابو داؤد ص۳۲۴ ج۱)، دارمی ص۲۴ ج۱)، دارقطنی ۱۵۸ ج۱)، وطحاوی ص۴۰۴ ج۱)، (مستدرك ص۴۲۶ ج۱)، بیهقی ص۲۲۰ ج۴)۔

خود امام ترمذی نے کتاب الصیام میں "قاء فافطر" کے الفاظ روایت کئے ہیں (ترمذی مع تحفہ ص۴۴ ج۲)۔ اگر حدیث میں ف کو سببیت کے لئے مانا جائے تو اس سے لازم آئے گا کہ قے روزہ کو توڑ دیتی ہے۔ حالانکہ احناف کے نزدیک قے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ چنانچہ امام طحاوی "قاء فافطر" کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔

ولیس فی هذین الحدیثین دلیل علی ان القئی کان مفطر اله انما فیه انه قاء فافطر بعد ذلك۔

یعنی ان دونوں احادیث (ابو درداء رضی اللہ عنہ اور ثوبان رضی اللہ عنہ) میں اس چیز کی دلیل نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قے کی وجہ سے روزہ افطار کیا بلکہ اس میں تو یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قے کی اور اس کے بعد روزہ افطار کیا۔ (شرح معانی الاثار ص۴۰۵ ج۱)۔

الشیخ عبد الرحمٰن محدث مبارکپوری احناف کو ان کے مسلّمہ قاعدہ کی روشنی میں جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

"فکذالك یقال انه لیس فی لفظ قاء فتوضاء دلیل علی ان القئی کان ناقضا للوضو انما فیه قاء فتوضاء بعد ذلك"

یعنی اسی طرح یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ "قاء فتوضاء" میں اس چیز کی دلیل نہیں کہ قے وضو کو توڑ

دیتی ہے۔ کیونکہ اس میں تو یہ ہے کہ آپ ﷺ نے قے کی اور اس کے بعد وضو کیا۔
(ابکار المنن ص ۶۵)۔

تیسری دلیل: اس دلیل کو مولانا صاحب نے، بیہقی ص ۱۵۹ ج ۱، اور مصنف عبد الرزاق ص ۳۳۹ ج ۲، سے سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کے اقوال نقل کر کے لکھا ہے۔ اور ان پر چوتھی اور پانچویں دلیل کا عنوان دیا ہے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۱۹۲)۔

الجواب: اولاً خون نکلنے سے وضو نہیں ٹوٹتا یہ مذہب سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کا ہے۔ جس کی بحوالہ ہم گزشتہ باب میں وضاحت کر چکے ہیں ان آثار میں وضو سے مراد دھونا ہے شرعی وضو مراد نہیں، دلیل اس کی سابقہ آثار ہیں۔

ثانیاً: محترم نے قول ابن عمر رضی اللہ عنہما کو دو کتابوں سے نقل کر کے دو علیحدہ علیحدہ دلیلیں قرار دیا ہے۔ جو درست نہیں۔ علاوہ ازیں بیہقی کا حوالہ بھی درست نہیں صحیح حوالہ ۲۵۶ جلد دوم۔

ثالثاً: اگر مؤلف اس پر ہی بضد ہو کہ اس سے مراد وضو شرعی ہے لغوی نہیں تو ہم کہتے ہیں کہ ان آثار کا تعلق بناء سے ہے۔ اور ان میں وضاحت موجود ہے کہ حدث (یعنی وضو ٹوٹنے) سے پہلے نماز سے علیحدہ ہو کر وضو کر لینا بھی جائز ہے۔ چنانچہ امام بیہقی ان آثار کا یہی مفہوم بیان کرتے ہیں۔ ان کے الفاظ ہیں۔

وفی کل هذا ان صح دلالة علی جواز الانصراف بالرز قبل خروج الحدث ثم البناء علی مامضی من الصلوة۔

یعنی اگر یہ آثار صحیح ہوں تو اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ رز (پیٹ میں آواز پیدا ہونے سے وضو توڑنے والی چیز) کے خارج ہونے سے پہلے ہی نماز سے علیحدہ ہو جائے پھر پڑھی ہوئی نماز پر بناء کرے۔ (بیہقی ص ۲۵۷ ج ۲)۔ امام بیہقی نے جو مفہوم بیان کیا ہے۔ ان پر مؤلف کی درج کردہ روایت عبد الرزاق سے بھی تائید ہوتی ہے۔ جس میں یہ الفاظ ہیں "او ذرعة القئی" یا جسے قے آنے کے قریب ہو (مصنف عبد الرزاق ص ۳۳۹ ج ۲)۔ حالانکہ یہ صورت احناف کے نزدیک جائز نہیں (الجوهر النقی ص ۲۵۶ ج ۲)۔ "فما کان جوابکم فهو جوابنا"

(۱۳) باب نماز میں قہقہہ لگانے سے وضو ٹوٹنے کے دلائل کی حقیقت

پہلی دلیل: عن ابی موسیٰ قال بینما النبی ﷺ یصلی اذ دخل رجل فتردی فی حفرة کانت فی المسجد وکان فی بصره ضرر فضحک کثیر من القوم وهم فی الصلوٰة فامر رسول الله ﷺ ان یعید الوضوء ویعید الصلوٰة۔ (رواه الطبرانی فی الکبیر۔ (مجمع الزوائد ص٢٤٦ ج١)۔

حضرت ابوموسیٰ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نماز پڑھا رہے تھے کہ ایک صاحب آئے اور مسجد کے ایک گھڑے میں گر گئے۔ ان صاحب کی آنکھ میں تکلیف تھی، بہت سے لوگ دوران نماز ہی ہنس پڑے، رسول اللہ ﷺ نے ان لوگوں کو وضو اور نماز دونوں کے لوٹانے کا حکم دیا۔

(حدیث اور اہل حدیث ص ۱۹۴)۔

الجواب: اولاً علامہ ہیثمی نے آگے ہی لکھا ہے، "فیه محمد بن عبد الملك الدقيقی ولم أرمــــن" یعنی سند میں محمد بن عبدالملک دقیقی راوی ہے اور مجھے معلوم نہیں کہ کس نے اس کا ترجمہ لکھا ہے۔ (مجمع الزوائد ٢٤٦ ج١) وفی نسخة لآخری ص ٢٥١)۔ راقم عرض کرتا ہے اس کی سند میں دوسرا راوی محمد بن ابی نعیم الواسطی ہے۔ (نصب الرایہ ص٤٧ ج١ وآثار السنن ص٤٢) اور یہ محمد بن موسیٰ واسطی ہے۔ امام ابوحاتم فرماتے ہیں کہ میں نے یحییٰ بن معین سے اس کے متعلق پوچھا تو انہوں نے ہیچ محض کہا ہے۔ امام ابوداؤد کہتے ہیں کہ یحییٰ بن معین فرماتے ہیں کہ اکذب الناس (تمام جھوٹے لوگوں سے زیادہ کاذب ہے (میزان میں خبیث کا لفظ بھی ہے)۔ ابن عدی کہتے ہیں کہ کوئی ثقہ راوی اس کا متابع نہیں ہوتا یہ اکیلا ہی روایت کرتا ہے۔

(تہذیب ص۴۸۱ ج۹ و میزان ص۵۰ ج۴)۔

دوسرا راوی اس کی سند میں ہشام بن حسان ہے۔ امام علی بن مدینی اور ابو حاتم نے صراحت کی ہے کہ یہ مدلس ہے (طبقات المدلسین ص۴۷)۔ اور اس نے تحدیث کی صراحت نہیں۔

ثانیاً: یہ روایت دراصل مرسل ہے۔ مہدی بن میمون کے علاوہ، ھشام کے کسی شاگرد نے اسے متصل بیان نہیں کیا۔ علامہ نیموی حنفی دیوبندی فرماتے ہیں کہ صحیح یہی ہے کہ یہ روایت مرسل ہے۔ (آثار السنن ص۴۲) مقدمہ میں وضاحت گزر چکی ہے کہ مرسل روایت ضعیف روایت کی ایک قسم ہے۔

دوسری دلیل: عن ابی العالیة (الریاحی) ان رجلا اعمٰی تردی فی بئر والنبی ﷺ یصلی باصحابه فضحك بعض من كان يصلی مع النبی ﷺ فامر النبی ﷺ من ضحك منهم ان یعید الوضوء والصلوة۔

(مصنف عبد الرزاق ص۳۷۶ ج۱) درست جلد دوم ھے۔ (ابو صهیب)۔

حضرت ابو العالیہ الریاحی سے مروی ہے کہ ایک نابینا آدمی ایک کنوئیں میں گر پڑا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام صحابہ کرام کو نماز پڑھا رہے تھے۔ کچھ لوگ جو آپ کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے ہنس پڑے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہنسنے والوں کو حکم دیا کہ وہ وضو اور نماز دونوں لوٹائیں۔

(حدیث اوراهل حدیث ۱۹۴)۔

الجواب: اولاً یہ روایت ابو العالیہ کی مرسل ہے اور امام شافعی فرماتے ہیں کہ ابو العالیہ کی مرسل روایات ریاح (ہوا) ہیں امام حاکم علوم الحدیث میں صراحت کرتے ہیں کہ اس سے مراد یہی ہنسنے والی روایت ہے۔ (درایہ ص۳۷ ج۱)۔

ثانیاً: اس کی سند میں دوسرا راوی قتادہ ہیں اور مدلس ہیں۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **وهو مشهور بالتدليس وصفه به النسائي وغيره**، یعنی قتادہ تدلیس میں مشہور ہیں جیسا کہ امام نسائی نے صراحت کی ہے۔ (طبقات المدلسين ص٤٣)۔ علامہ زیلعی حنفی نے (نصب الرايه ص١٥٥ ج٣ وص١٥٩ ج٣) میں علامہ ماردینی حنفی نے، (الجوهر النقی ص٤٩٨ ج٢،ص١٢٦ ج١ و٢٣٧ ج٢ وص٧ ج٤و٢٠٩ ج١) میں قتادہ کو زبردست مدلس قرار دیا ہے۔ علامہ یوسف محمد بنوری فرماتے ہیں کہ "**لكن قتادة يرويه عن انس بالعنعنة وهو مدلس**"

لیکن قتادہ نے اسے معنعن روایت کیا ہے اور وہ مدلس ہے۔ (معارف السنن ص٦٧ ج٣)۔

جب کہ زیر بحث سند میں سماع کی صراحت نہیں بلکہ معنعن ہے جس کی وجہ سے یہ روایت مرسل ہونے کے علاوہ سنداً سخت ضعیف بھی ہے۔ جیسا کہ امام محمد بن یحییٰ الذہلی نے صراحت کی ہے۔ (بیهقی ص١٤٨ ج١)۔

انوار خورشید کی عالمانہ بددیانتی

ان دونوں روایات سے ہمارے معاصر نے قہقہہ لگانے سے نماز کے باطل اور وضو کے ٹوٹ جانے پر استدلال کیا ہے۔ مگر مذکورہ دونوں روایات سے حنفیہ کا مؤقف ثابت نہیں ہوتا، کیونکہ ان کے نزدیک قہقہہ سے تو بلاشبہ نماز اور وضو ٹوٹ جاتا ہے مگر ہنسنے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔

(شرح نقايه ص١٢ ج٢)وحلبی کبیر ص١٤٣ و شرح وقايه ص٧٢ ج١)وهدايه مع الفتح القدير ص٤٦ ج١)وبدائع الصنائع ص٣٢ ج١)والبحر الرائق ص٤٢ ج٢ وغيره)

مولوی عبد الحی لکھنوی مرحوم نے حنفیت کا اس پر اتفاق بتایا ہے (السعایۃ ص۴۲ ج۱)۔ صوفی عبدالحمید سواتی حنفی دیوبندی صاحب فرماتے ہیں۔(ضحک) ہنسنے سے صرف نماز فاسد ہوتی ہے (نماز

مسنون ص۴۸۶) جب کہ قہقہہ اور ہنسنے میں فرق ہے۔ صاحب نقایہ فرماتے ہیں: **قهقهه وهي ماتكون مسموعة له ولجيرانه سوآه ظهرت اسنانه اولا والضحك ما يكون مسموعاله دون غيره وتبطل به الصلوة دون الوضوء والتبسم مالا يسمع اصلا وليس لمبطل لواحد مهنما۔**

یعنی قہقہہ کی تعریف یہ ہے کہ جو خود اپنے آپ کو اور ساتھ والوں کو سنائی دے۔ برابر ہے کہ دانت ظاہر ہوں یا نہ ہوں۔ اور ''ضحک'' وہ ہوتا ہے کہ جو خود اپنے آپ کو سنائی دے دوسرے کو سنائی نہ دے اس کے ساتھ نماز تو باطل ہوجاتی ہے لیکن وضونہیں ٹوٹتا، اور تبسم وہ ہوتا ہے۔ جوکسی کو نہ سنائی دے اور اس سے نماز باطل ہوتی ہے نہ وضوء۔(شرح نقاية ص١٢ ج١، وكذافي حلبي كبير ص١٤٣)۔

جب کہ مذکورہ دونوں روایات میں ضحک کے الفاظ ہیں اور یہ حنفیت پر حجت ہیں کیونکہ ضحک (تبسم) سے ان کے نزدیک نماز اور وضونہیں ٹوٹتا، مگر ہمارے مہربان اس سے اہل حدیث کا رد کر رہے ہیں۔

قہقہہ کی دلیل: **عن الحسن البصرى عن النبى ﷺ انه قال بينما هوفى الصلوة اذا اقبل رجل اعمى من قبل القبلة يريد الصلوة والقوم فى الصلاة الفجر فوقع فى زبية فاستضحك بعض القوم حتى قهقهه فلما فرغ رسول الله ﷺ قال من كان قهقهه منكم فليعد الوضوء والصلاة۔**

(كتاب الآثار للامام ابى حنفية بروايت الامام محمد ص٣٥)۔

حضرت حسن بصری حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے روایت کرتے ہیں فرماتے ہیں حضور علیہ الصلوۃ والسلام نماز پڑھا رہے تھے کہ ایک نابینا آدمی قبلہ کی جانب سے نماز کے ارادے سے آیا لوگ فجر کی نماز میں مشغول تھے۔ یہ نابینا ایک گڑھے میں گر گیا۔ کچھ لوگ ہنس پڑے حتیٰ کہ انہوں نے ٹھٹھہ لگایا۔ جب حضور علیہ الصلو ۃ والسلام نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا: تم میں سے جس نے ٹھٹھہ مارا ہے وہ وضو اور نماز دونوں لوٹائے۔ (حدیث اور هل حدیث ص١٩٥)۔

الجواب: اولاً یہ روایت حسن بصری سے ہے۔ جو تابعی ہیں اصول حدیث کی رو سے یہ مرسل ہے۔ اور مرسل ضعیف روایت کی ایک قسم ہے۔ تفصیل مقدمہ میں عرض کردی گئی ہے۔

ثانیا: اس کی سند میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ ہیں۔ جو حافظہ کے لحاظ سے سئی الحفظ ہیں تفصیل فاتحہ خلف الامام کی بحث میں آرہی ہے۔

ثالثا: کتاب الآثار کا مؤلف امام محمد مجروح ومتکلم فیہ ہے۔ تفصیل راقم کی تالیف تحفہ حنفیہ ص۴۴۵ ج ا میں دیکھئے۔ الغرض یہ روایت سخت ضعیف ہے۔

رابعا: اس روایت کے سات طرق ہیں جو تمام کے تمام معلول ہیں، دیکھئے العلل المتناھیۃ ص۳۶۹

ج۱) لیکن چھ طرق میں قہقہہ کی بجائے (ضحک) ہنسنے کے الفاظ ہیں، ان الفاظ سے حنفیہ کا مؤقف ثابت نہیں ہوتا۔

ایک مزید دلیل: **عن الحسن عن معبد رضی اللہ عنہ عن النبی ﷺ انه بينماهو فى الصلوة اذا اقبل رجل اعمىٰ يريد الصلوٰة فوقع فى زبية فاستضحك بعض القوم حتى قهقهه فلما انصرف النبى ﷺ قال من كان منكم قهقهه فليعد الوضؤ والصلوٰة۔**

(کتاب الأثار للامام ابو حنیفه بروایت الامام ابی یوسف ص۲۸)۔

حضرت معبد نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نماز پڑھانے میں مشغول تھے کہ ایک نابینا آدمی نماز کے ارادہ سے آیا اور ایک گڑھے میں گر گیا کچھ لوگ ہنس پڑے حتی کہ انہوں نے قہقہہ لگایا، جب نبی علیہ الصلواۃ والسلام نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا: تم میں سے جس نے قہقہہ لگایا ہے وہ وضوء اور نماز دونوں لوٹائے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص۱۹۶)۔

الجواب: اولاً یہ روایت بھی بوجہ امام ابو حنیفہ کے سیئی الحفظ ہونے کے ضعیف ہے۔

ثانیا: یہ روایت بھی مرسل ہے کیونکہ معبد صحابی نہیں بلکہ تابعی ہے۔ امام بیہقی فرماتے ہیں۔ **معبد هذا لاصحبة له وهو اول من تكلم فى القدر بالبصر۔** یعنی معبد صحابی نہیں اور یہ وہ شخص ہے جس نے بصرہ میں سب سے پہلے تقدیر کا انکار کیا تھا۔ (بیہقی ص۱٤٦ ج۱)۔

امام دارقطنی فرماتے ہیں۔ "**ومعبد هذا لاصحبة له ويقال انه اول من تكلم فى القدر من التابعين**" یعنی معبد صحابی نہیں اور کہا جاتا ہے کہ تابعین میں سے سب سے پہلے تقدیر کا انکار اس نے ہی کیا تھا۔

(سنن دارقطنی ص۱۶۷ ج۱)۔

امام ابن حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں "**وليست له صحبة**" یعنی صحابی نہیں۔

(کتاب الثقات ص۴۳۳ ج۵)۔

امام ابن سعد فرماتے ہیں، اہل بصرہ میں سے تابعی ہیں (بحواله تهذيب ص۲۲۵ ج ۱۰)۔

امام ابو حاتم فرماتے ہیں، تقدیر کا انکار کرنے والوں کا سرکردہ تھا۔ مدینہ میں آیا اور لوگوں (کے عقائد) کو فاسد کرنے لگا۔ (الجرح والتعديل ص۲۸۰ ج۸) و(تهذيب ۲۲۵ ج ۱۰)۔

امام حسن بصری فرماتے ہیں لوگو! معبد سے بچو! کیونکہ یہ گمراہ اور گمراہ کرنے والا ہے۔ امام عجلی فرماتے ہیں تابعی ہے (تهذيب ص۲۲٦ ج ۱۰)۔ بلاشبہ بحیثیت راوی صدوق ہے جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے تقریب میں صراحت کی ہے۔ مگر یہ صحابی نہیں تابعی ہے جس کی وجہ سے یہ روایت مرسل ہے۔

علامہ زیلعی حنفی نے (نصب الرایہ ص۵۱ ج۱) میں اس کو مرسل ہی قرار دیا ہے اور مرسل روایت

ضعیف روایات کی ایک قسم ہے۔

فقہاء احناف کی بے بسی:

شرعی اصول کا یہ تقاضہ ہے کہ جس چیز سے وضو ٹوٹ جاتا ہے اس سے ہر حالت میں اور مرد وعورت بالغ و نابالغ کا بھی ٹوٹ جانا چاہیئے۔ مگر حنفیہ کے نزدیک نماز کی حالت میں ہی قہقہہ لگانے سے وضو ٹوٹتا ہے۔ اور وہ بھی صرف بالغ مردوں کا، نابالغ اس سے مستثناء ہیں، پھر نماز بھی فرائض وغیرہ ہو نماز جنازہ یا سجدہ تلاوت وغیرہ میں قہقہہ لگانے سے وضو نہیں ٹوٹتا (یہ مسئلہ ان کی تمام متداول فقہ کی کتابوں میں موجود ہے) یہ چیز جہاں اصول شرع کے خلاف ہے وہاں عقل سلیم کے بھی منافی ہے۔ مگر انٰ بڑے بڑے فقہی دماغوں میں یہ چھوٹی سی بات کون ڈالے کہ جس چیز سے خارج نماز میں وضو نہیں ٹوٹتا اس سے نماز کے بیچ میں کیسے ٹوٹ جاتا ہے؟ پھر اس کی جو دلیل دی جاتی ہے اسے پڑھ کر ان کی حالت زار پر ترس بھی آتا ہے اور ہنسی بھی، آپ بھی پڑھ لیں۔

کہتے ہیں: حدیث میں جو واقعہ منقول ہے وہ خاص حالت نماز کا ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ماشاء اللہ یہ وہ لوگ ہیں جن کا اصول یہ ہے کہ اعتبار عموم لفظ کا ہوتا ہے خصوص سبب کا نہیں دیکھیے۔ (الکلام المفید ص۷۶ واحسن الکلام ص۱۷۲ ج۱)۔ جب کہ بعض روایات میں عموم ہے ''العلل المتناھیہ'' میں امام ابن جوزی رحمہ اللہ نے اس روایت کے طرق کو جمع کیا ہے، جس میں سے بعض میں عموم ہے۔ علاوہ ازیں اگر راوی یہ خبر دے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو شام کی طرف منہ کر کے قضائے حاجت کرتے دیکھا ہے۔ (بخاری رقم الحدیث ۱۴۸)۔

تو آپ اس کا یہ مفہوم بیان کریں کہ افغانستان کی طرف منہ کر کے قضائے حاجت کرنا ناجائز ہے۔ یا راوی یہ خبر دے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک برتن کے پانی سے استنجا کیا اور میں دوسرے برتن میں پانی لایا تو اس سے حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے وضو کیا۔ (ابو داؤد راقم الحدیث ۴۵)، نسائی رقم الحدیث ۴۳)، وابن ماجہ رقم الحدیث ۳۵۸)۔ تو کیا آپ اس کا یہ مفہوم بیان کریں کہ جس برتن سے استنجاء کیا جائے اس سے وضو کرنا جائز نہیں۔ بالفرض راوی یہ خبر دے کہ آپ علیہ السلام نے کالے رنگ کے موزوں پر مسح کیا تھا۔ تو آپ اس کا یہ مفہوم بیان کریں کہ سفید موزوں پر مسح جائز نہیں۔ افسوس آپ حضرات ساری زندگی تفقہ تفقہ کا راگ آلاپتے ہیں اور اہل حدیث کو ظاہر پرست اور سفہاء کہتے نہیں تھکتے!

لیکن یہاں ساری فقاہت کو بھول جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حنفیہ میں سے بعض حضرات کا یہ موقف ہے کہ قہقہہ لگانے سے وضو نہیں ٹوٹتا، دوبارہ وضو کرنے کا حکم محض زجر و توبیخ کی وجہ ہے۔

(البحر الرائق ص۴۰ ج۱)۔

(۱۴) باب شرمگاہ کو ہاتھ لگنے سے وضوٹوٹ جاتا ہے

فصل اول

پہلی دلیل: سیدہ بسرہ بنت صفوان رضی اللہ عنہا راویہ ہیں کہ

"انها سمعت رسو ل الله ﷺ يقول اذا مس احدكم ذكره فليتوضاء"

میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ آپ فرماتے تھے کہ جب تم میں سے کوئی اپنی شرم گاہ کو چھوئے تو وضو کرے۔

(موطا امام مالك باب الوضوء من مس الفرج، مسند احمد ص۴۰۶، ۴۰۷ ج۶، سنن دامی كتاب الطهارة باب الوضوء من مس الذكر ص۱۹۹ ج۱ ۷۲۴، ۷۲۵، ابو داؤد كتاب الطهارة باب الوضوء من مس الذكر ح۱۸۱، ترمذی كتاب الطهارة باب الوضوء من مس الذكر ح۸۲، نسائی ح۱۶۳، ۱۶۴ وابن ماجه كتاب الطهارة باب الوضوء من مسی الذكر ح۴۷۹، ابن حبان ح۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ابن خزيمه ح۳۳، مستدرك حاكم ص۱۳۸ ج۱، دارقطنی ص۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸ ج۱، بیهقی ص۱۲۸ ج۱)۔

امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس سلسلہ کی تمام روایات سے یہ زیادہ صحیح ہے۔ امام ترمذی، امام احمد، امام ابن حبان، امام ابن خزیمہ، امام حاکم، امام دارقطنی، امام یحییٰ بن معین، امام بیہقی علامہ ذہبی حافظ ابن حجر اور علامہ البانی رحمہم اللہ نے صحیح کہا ہے۔

(التلخیص الحبیر ص۱۲۲ ج۱)، (ارواء الغلیل ص۱۵۰ ج۱)، مسائل الامام احمد ص۳۰۹)۔

حنفی علماء سے شوق نیموی نے (آثار السنن ص۴۲ میں)، مولانا عثمانی نے (درس ترمذی ص۳۰۵ ج۱) میں مولانا عبدالحی لکھنوی نے، (السعایة ص۲۶۷ ج۱) میں، اور مولانا بنوری نے، معاف السنن ص۲۹۵ ج۱ میں، ابن ہمام اور ملا علی قاری نے (مرقاۃ ص۳۴۱ ج۱) میں، حدیث بسرہ رضی اللہ عنہا کی صحت کو تسلیم کیا ہے۔

دوسری دلیل: ام المؤمنین سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا روایہ ہیں کہ

"سمعت رسول الله ﷺ يقول من مس فرجه فليتوضاء"

میں نے نبی مکرم ﷺ سے سنا کہ آپ فرماتے تھے کہ جو شخص اپنی شرمگاہ کو چھوئے وہ وضو کرے۔

(ابن ماجه رقم الحديث ۴۸۱، ابو يعلى ص۳۳۶ ج۶، ۷۱۰۸، بیهقی ص۱۳۰ ج۱، طحاوی ص۴۵ ج۱)۔

امام ابو زرعہ، امام حاکم، امام احمد نے صحیح کہا ہے۔ امام ابن السکن فرماتے ہیں:

لا اعلم به علة۔

(التلخیص الحبیر ص ۱۲۴ ج۱، التمهید ص ۱۹۲ ج۱۷)۔

علامہ البانی نے بھی صحیح کہا ہے۔ (ارواء الغلیل ۱۱۷)۔

تیسری دلیل: سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ

"قال رسول الله ﷺ اذا أفضى احدكم بيده الى فرجه، وليس بينهما ستر ولاحجاب فليتوضاء"

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ جب تم میں سے کوئی شخص اپنا ہاتھ شرمگاہ کو پہنچائے اور (ہاتھ اور شرمگاہ) دونوں کے درمیان کوئی پردہ نہ ہو تو وہ وضو کرے۔

(صحیح ابن حبان رقم الحدیث ۱۱۱۵)، بیهقی ص ۱۳۰، ۱۳۱ ج۱)، مستدرك حاكم ص ۱۳۸ ج۱)، دار قطنی ص ۱۴۷ ج۱)، طبرانی صغیر ح ۱۱۰)، طبرانی الاوسط ح ۸۸۲۹، ۶۶۶۴، ۸۹۰۴)۔

امام ابن حبان، امام حاکم، علامہ ذہبی نے صحیح اور ابن عبدالبر نے اس کی سند کو صالح کہا ہے۔

(التمهید ص ۱۹۵ ج ۱۷)۔

چوتھی دلیل: سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ

"قال رسول الله ﷺ اذا مس احدكم ذكره فعليه الوضوء"

نبی مکرم ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی اپنی شرم گاہ کو چھوئے تو اس پر وضو کرنا لازم ہے۔ (ابن ماجه كتاب الطهارة باب الوضوء من مس الذكر، الحديث ٤٨٠)۔

ابن عبدالبر فرماتے ہیں اس کی سند صالح ہے۔ علامہ ضیاء کہتے ہیں لا اعلم باسناده باسا۔

(التمهید ص ۱۹۳ ج ۱۷)، والتلخیص ص ۱۲٤ ج ۱)۔

پانچویں دلیل: سیدنا عبداللہ بن عمرو العاص رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ

"قال رسول الله ﷺ من مس ذكره فليتوضاء وأيما امراة مست فرجها فلتتوضاء"

نبی مکرم ﷺ نے فرمایا: کہ جو شخص اپنے آلہ تناسل کو چھوئے وہ وضو کرے اور جو عورت اپنی شرمگاہ کو ہاتھ لگائے وہ بھی وضو کرے۔

(مسند احمد ص ۲۲۳ ج۲)، (بیهقی ص ۱۳۲ ج۱)، (دارقطنی ص ۱۴۷ ج۱)۔

امام ترمذی نے کتاب "العلل" میں امام بخاری رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ یہ حدیث میرے نزدیک صحیح ہے۔ (بحواله التلخیص الحبیر ص ۱۲٤ ج ۱)۔

چھٹی دلیل: سیدنا زید بن خالد الجہنی رضی اللہ عنہ راوی ہیں

"سمعت رسول الله ﷺ يقول من مس فرجه فليتوضاء"

میں نے نبی مکرم ﷺ سے سنا آپ علیہ التحیۃ والسلام فرما رہے تھے کہ جو شخص اپنی شرمگاہ کو چھوئے وہ وضو کرے۔

(مسند احمد ص ۱۹۴ ج ۵)، مصنف ابن ابی شیبہ ص ۱۶۳ ج ۱)، طبرانی کبیر ص ۲۴۳ ج ۵ رقم الحدیث ۵۲۲۱، ۵۲۲۲)، مسند بزار بحوالہ مجمع الزوائد ص ۲۴۵ ج ۱)، (بیہقی فی الخلافیات و اسحاق بن راھویہ فی مسندہ) التلخیص الحبیر ص ۱۲۴ ج ۱)۔

ہیثمی فرماتے ہیں اس کے تمام راوی صحیح کے ہیں۔ صرف ابن اسحاق نہیں۔ اور وہ مدلس ہے لیکن یہاں اس نے سماع کی صراحت کی ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کی سند صحیح ہے۔

ساتویں دلیل: سیدنا ابی ایوب الانصاری رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ

"سمعت رسول اللہ ﷺ یقول من مس فرجه فلیتوضاء"

میں نے نبی مکرم ﷺ سے سنا کہ آپ ﷺ فرما رہے تھے کہ جو شخص اپنی شرمگاہ کو چھوئے وہ وضو کرے۔ (ابن ماجه رقم الحديث ٤٨٢)۔

آٹھویں دلیل: سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ

"ان النبی ﷺ قال من مس فرجه فلیتوضاء"

نبی مکرم ﷺ نے فرمایا: کہ جو شخص اپنی شرمگاہ کو چھوئے وہ وضو کرے۔

(مسند بزار و طبرانی کبیر بحوالہ مجمع الزائد ۲۴۵ ج ۱)، دارقطنی ص ۱۴۶ ج ۱)۔

نویں دلیل: صدیقہ کائنات ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا راویہ ہیں کہ

"ان رسول اللہ ﷺ قال ویل الذین یمسون فروجھم ثم یصلون و لایتوضون"

نبی مکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ان لوگوں کے لئے ہلاکت ہے جو اپنی شرمگاہوں کو چھوتے اور نماز کو بغیر وضو کئے پڑھتے ہیں۔ (دارقطنی ص ۱۴۷ ج ۱)۔

دسویں دلیل: تقریباً انہیں الفاظ کے ساتھ یہ حدیث سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مستدرک حاکم میں، سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بیہقی میں سیدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ، سیدنا انس رضی اللہ عنہ، سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سیدنا معاویہ بن حیدہ رضی اللہ عنہ سے ابن مندہ میں، سیدہ اروی بنت انیس رضی اللہ عنہا سے بیہقی میں آتی ہے۔ (التلخیص الحبیر ص ۱۲۶ ج ۱)، والسعایۃ ص ۲۶۴ تا ۲۶۵ ج ۱)۔

اور سیدنا طلق بن علی رضی اللہ عنہ کی حدیث کا ذکر آگے مولانا انوار خورشید صاحب کی پہلی دلیل کے جواب میں بحوالہ طبرانی کبیر آرہا ہے۔

بلاشبہ ان احادیث میں سے بعض میں کلام ہے مگر شواہد کی وجہ سے حسن درجہ کی ہیں۔

آثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

(۱) ام المؤمنین صدیقہ کائنات رضی اللہ عنہا فرماتیں ہیں ۔

"اذا مست المرأة فرجها توضأت" یعنی جب عورت اپنی شرم گاہ کو چھوئے تو وضو کرے۔

(مستدرك حاكم ص١٣٨ ج١)، وبيهقى ص١٣١ ج١)۔

امام حاکم اور ذہبی نے اس اثر کو صحیح کہا ہے۔

(۲) امام ابن ملیکہ رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ راشد سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے متعلق بیان کرتے ہیں کہ:

"ان عمر بن الخطاب بينما هو يوم الناس اذا زلت يده على ذكره فاشار الى الناس ان امكثوا ثم خرج ثم رجع فاتم بهم ما بقى من الصلوٰة"

یعنی سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہمارے درمیان لوگوں کو نماز پڑھا رہے تھے کہ اتفاقا آپ کا ہاتھ اپنی شرمگاہ کو لگ گیا تو آپ نے لوگوں کو ٹھہرنے کا اشارہ کیا اور جا کر وضو کیا پھر آ کر باقی ماندہ نماز کو لوگوں کے ساتھ (امامت میں) پورا کیا۔

(بیھقی ص١٣١ ج١)، عبد الرزاق ص ١١٤ ج١ رقم الحدیث ٤١٦)۔

(۳) سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"اذا مس احدكم ذكره فقد وجب عليه الوضوء"

یعنی جب تم میں سے کوئی اپنے ذکر (شرمگاہ) کو چھوئے اس پر وضو کرنا واجب ہے۔

(موطا امام مالك باب الوضوء من مس الفرج)۔

آپ کے بیٹے سالم کہتے ہیں۔

"رايت ابى عبد الله بن عمر يغتسل ثم يتوضاء فقلت له يا ابت اما يجزئك الغسل من الوضوء قال بلىٰ ولكن احيانا امس ذكرى فاتوضاء"

یعنی میں نے اپنے والد سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ غسل کرنے کے بعد وضو کرتے میں نے کہا کہ اے والد محترم کیا غسل وضو کو کفایت نہیں کرتا؟ تو آپ نے فرمایا: ہاں، لیکن کبھی کبھار ایسا ہوتا ہے کہ غسل کرنے کے بعد میں اپنی شرمگاہ کو چھولیتا ہوں، تو وضو کرتا ہوں۔

(موطا امام مالك باب ايضاء)، (بیھقی ص١٣١ ج١)، (عبد الرزاق ص ١١٥ ج١)۔

امام سالم اپنے والد سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ کا دوسرا واقعہ اس طرح نقل کرتے ہیں کہ ہم ایک سفر میں تھے آپ نے آفتاب کے طلوع ہونے کے بعد نماز پڑھی میں نے سوال کیا کہ ایسی نماز پڑھتے میں نے آپ کو پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ تو آپ نے جواب دیا کہ میں نے صبح کی نماز کے لئے وضو کیا اور ہاتھ

ذکر (شرمگاہ) کو لگ گیا اور مجھے یاد نہ رہا اور اسی حالت میں صبح کی نماز ادا کی۔ ''فتوضات وعدت لصلوتی'' اب میں نے دوبارہ وضو کر کے نماز کو لوٹایا ہے۔

(موطا امام مالك باب ایضا ، (بیهقی ص ۱۳۱ ج ۱)

(۵،۴) فصل دوم میں پانچویں دلیل کے جواب میں سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا اثر اور چھٹی دلیل کے جواب میں سیدنا ابن عمر اور ابن عباس رضی اللہ عنہ کا اثر آرہا ہے۔

(۶ تا ۱۲) امام حازمی اپنی کتاب ''الناسخ والمنسوخ'' میں فرماتے ہیں کہ (مذکورہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے علاوہ) ابی ایوب الانصاری رضی اللہ عنہ، زید بن خالد رضی اللہ عنہ ، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ،عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ، جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ، ام حبیبہ رضی اللہ عنہا اور بسرہ بنت صفوان رضی اللہ عنہا شرمگاہ کو چھونے سے وضو کے واجب ہونے کے قائل ہیں (بحوالہ غایۃ المقصود ص ۱۰۵ ج ۲)، امام ترمذی فرماتے ہیں متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین کا یہی مسلک ہے۔ امام اوزاعی، امام شافعی، امام احمد، امام اسحاق کا بھی یہی نظریہ ہے۔

(ترمذی مع تحفه ص ۸۵ ج ۱)۔

تعامل امت مرحومہ:

امام ابن حزم رحمہ اللہ چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نام لینے کے بعد فرماتے ہیں کہ امام عطاء بن ابی رباح، امام عروہ، امام سعید بن مسیّب، ابان بن عثمان، ابن جریج، امام اوزاعی، امام لیث ، امام شافعی، امام داؤد، امام احمد، امام اسحاق وغیرہ کا یہی مسلک ہے کہ شرمگاہ کو چھونے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ (المحلی بالاثار ص ۲۲۲ ج ۱) مسالة ۱۶۳)۔

مولانا عبد الحی لکھنوی مرحوم کا اعتراف حقیقت:

مولانا نے اس مسئلہ پر السعایۃ میں تقریبا بارہ صفحات پر مشتمل طویل بحث کی ہے۔ چنانچہ فریقین کے دلائل کا ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔

قلت هذا تحقيق حقيق بالقبول فانه بعد ادارة النظر من الجانبين يتحقق ان احاديث النقض اكثر واقوى من احاديث الرخصة وان احاديث الرخصة متقدمة۔

میں کہتا ہوں کہ یہ تحقیق (کہ طلق بن علی کی روایت منسوخ ہے) قبولیت کی حق دار ہے کیونکہ جانبین کے دلائل دیکھنے کے بعد ثابت ہوتا ہے کہ وضو ٹوٹ جانے کی احادیث نہ ٹوٹنے کی احادیث سے تعداد میں زیادہ اور قوی ہیں اور نہ ٹوٹنے کی احادیث پہلے کی ہیں۔ (السعایۃ ص ۲۶۷ ج ۱)۔

اس کے بعد انہوں نے علامہ طحاوی اور عینی کے رویے کی سخت تردید کرتے ہوئے ان کی متعصبانہ

روش پر تعجب کا اظہار کیا جو قابل ذکر ہے، اور آخر میں صاف صاف لکھا کہ۔

والحاصل ان کلمات القائلین بالنقض فی ھذا الباب قویة و کلمات الطائفة الاخری لا توازیھا فی القبول نعم فی مسالة نقض لمس امرآة کلاما القائلین بعدم النقض قوی لشھادة حجة من الاخبار والاثار بذلك فاعلم ذلك ولقد اطنبنا الکلام فی ھاتین المسالتین لیتحقق الحق ویبطل الباطل ولو کرہ الکارھون وباللہ اعتمدو علیه فلیتوکل المتوکلون۔

خلاصہ کلام یہ کہ اس باب میں وضوٹوٹ جانے والوں کی بات قوی ہے اور دوسری جماعت کی بات قبولیت میں ان کے برابر نہیں ہے۔ البتہ جو حضرات عورت کو چھونے سے وضو نہ ٹوٹنے کے قائل ہیں اخبار و آثار کی بناء پر ان کا قول قوی ہے اسے خوب سمجھ لو کہ ہم نے ان دونوں مسئلوں پر تفصیلا کلام اس لئے کیا ہے کہ تا کہ حق واضح اور باطل کا بطلان ظاہر ہو جائے، اگر چہ ناپسند کرنے والے اسے نہ پسند ہی جانیں، مجھے اللہ پر اعتماد ہے اور توکل کرنے والوں کو اسی پر بھروسہ کرنا چاہیے۔ (السعایة ص۲۶۸ ج ۱)۔

فصل دوم

دلیل اول: **عن طلق بن علی قال قال رجل مسست ذکری او قال الرجل یمس ذکرہ فی الصلوة اعلیه الوضوء؟ فقال النبی ﷺ لا انما ھو بضعة منك اخرجه الخمسة وصححه ابن حبان وقال ابن المدینی ھو احسن من حدیث بسرة۔**

(بلوغ المرام مترجم ص ۶۳)۔

حضرت طلق بن علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے (رسول اللہ ﷺ) سے عرض کیا کہ میں اپنی شرمگاہ کو ہاتھ لگاؤں یا کہا کہ کوئی شخص بھی ایسا کرے تو کیا اسے وضو کرنا پڑے گا؟ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ نہیں وہ تمہارے جسم کا حصہ ہے۔امام احمد، ابو داود، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے یہ حدیث ذکر کی ہے اور امام ابن حبان نے اسے صحیح قرار دیا ہے، اور ابن مدینی کا کہنا ہے کہ یہ حدیث حضرت بسرہ کی حدیث سے زیادہ بہتر ہے۔ (حدیث اور اہل حدیث ۱۹۷)۔

الجواب: اولاً: یہ حدیث سستی کی حالت پر محمول ہے اور آپ علیہ السلام کے فرمان

"انما ھوا بضعة منك"

(وہ تیرے جسم کا ٹکڑا ہے) میں لطیف اشارہ ہے کہ سستی کی حالت میں وضو نہیں ٹوٹتا۔ کیونکہ اسی حالت کو ہی بدن کے دوسرے عضو سے تشبیہ دی گئی ہے۔ اس کے برعکس اگر شہوت کی حالت میں ہاتھ لگ جائے تو اسے جسم کے دوسرے اجزا سے مشابہت نہیں کیونکہ بدن کے دوسرے اجزا میں شہوت نہیں آتی۔ یہ ایسی بین حقیقیت ہے جس سے انکار ممکن نہیں۔ لہٰذا یہ حنفیہ کی قطعا دلیل نہیں ہے۔ کیونکہ ان

کے نزدیک دونوں صورتوں (شہوت اور بغیر شہوت کے) میں وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ جمع و تطبیق کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ شرمگاہ پر جب ہاتھ لگے اور اس پر کوئی کپڑا وغیرہ نہ ہو تو تب وضو ٹوٹ جاتا ہے اور جب کپڑا وغیرہ ہو تو تب وضو نہیں ٹوٹتا سابقہ فصل کی تیسری حدیث اس تطبیق پر دلالت کرتی ہے۔

ثانیا: اگر اس جمع و تطبیق کو تسلیم نہ کیا جائے تب بھی ان کے درمیان کوئی اختلاف نہیں، کیونکہ سیدنا طلق رضی اللہ عنہ کی روایت میں منسوخ ہونے کا احتمال ہے کیونکہ حضرت طلق بن علی رضی اللہ عنہ کی حدیث پہلے کی ہے۔ اورسیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی بعد کی ہے۔ اور حنفیہ کے نزدیک دو متعارض احادیث میں سے جو پہلے کی ہوگی وہ منسوخ ہوتی ہے۔(قواعد فی علوم الحدیث ص۴۷) لہٰذا حنفیہ کے اصول کے مطابق حدیث طلق بن علی رضی اللہ عنہ منسوخ ہے امام ابن حبان فرماتے ہیں۔

خبر طلق بن علی الذی ذکرنا خبر منسوخ لان طلق بن علی کان قدومه علی النبی ﷺ اول سنة من سنی الهجرة حیث کان المسلمون یبنون مسجد رسول الله ﷺ بالمدینة وقد روی ابو هریرة رضی اللہ عنہ ایجابه الوضو من مس الذکر علی حسب ما ذکرناه قبل وابو هریرة اسلم سنة سبع من الهجرة فدل ذالك علی ان خبر ابی هریرة کان بعد خبر طلق بن علی بسبع سنین۔

یعنی سیدنا طلق بن علی رضی اللہ عنہ کی روایت منسوخ ہے کیونکہ سیدنا طلق رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کے پاس ہجرت کے پہلے سال کے اوائل میں آئے جب مسلمان مسجد نبوی کی تعمیر کر رہے تھے، اور سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث وجوب وضو کی (بعد کی ہے)۔ جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے سات ہجری میں اسلام قبول کیا تھا۔ تو یہ چیز دلالت کرتی ہے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سیدنا طلق رضی اللہ عنہ کی روایت کے سات سال بعد کی ہے۔

(صحیح ابن حبان زیر رقم الحدیث ۱۱۱۹)۔

اس کے بعد امام ابن حبان صحیح سند کے ساتھ سیدنا طلق بن علی رضی اللہ عنہ کے اسلام قبول کرنے کا واقعہ لکھا ہے۔ وہ ہجرت کے پہلے سال کے ابتدا میں ہوا تھا، اور اسی موقعہ پر ہی انہوں نے مس ذکر سے وضو نہ ٹوٹنے کی حدیث نبی ﷺ سے سنی تھی۔ جیسا کہ (سنن نسائی رقم الحدیث ۱۶۵ باب ترک الوضوء من ذلك)۔ سے ثابت ہے۔ مولانا عبدالحی لکھنوی حنفی فرماتے ہیں

احتمال ان یکون طلقا سمع هذا الحدیث بعد اسلام ابی هریرة مردود بروایة النسائی فانها صریحة فی ان سماعه هذا الحدیث کان فی یوم قدومه۔

یعنی یہ احتمال کہ سیدنا طلق رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے اسلام قبول کرنے کے بعد نبی ﷺ سے سنی تھی، مردود ہے روایت نسائی کی وجہ سے کیونکہ وہ اس بات پر صریح ہے کہ طلق بن علی

رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث مدینہ آنے کے روز سنی تھی۔(السعایة ص ٢٦٠ ج ١)۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے ڈنکے کی چوٹ سے لکھا ہے کہ

"والانصاف فی هذا البحث انه ان اختیر طریق النسخ فالظاهر انتساخ حدیث طلق لا العکس"۔

اس بحث میں انصاف یہ ہے کہ اگر نسخ کا طریقہ اختیار کیا جائے تو ظاہر یہ ہے کہ حدیث طلق منسوخ ہے نہ کہ اس کے برعکس (التعلیق الممجد ص ٥٥)۔

ثالثاً: حدیث طلق بن علی رضی اللہ عنہ مضطرب ہے۔ امام طبرانی نے طلق بن علی رضی اللہ عنہ کی حدیث ان الفاظ سے روایت کی ہے۔

"ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من مس ذکره فلیتوضاء"

نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے اپنے ذکر کو مس کیا وہ وضو کرے۔

(طبرانی کبیر ص ۳۳۴ ج۸ رقم الحدیث ۸۲۵۲)۔ سند ضعیف ہے

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حدیث طلق مضطرب ہے۔ (درایة ص ٤٢ ج ١)۔

رابعا: اس کی سند میں جرح بھی ہے۔ حدیث طلق بن علی رضی اللہ عنہ چار اسناد سے مروی ہے، اور ان کا مدار قیس بن طلق پر ہے قیس صدوق قسم کا راوی ہے جیسا کہ (تقریب میں ص ۲۸۳) میں ہے اور ایسے راویوں کی روایات متابعت کے بغیر قابل قبول نہیں ہوتی۔ چنانچہ امام ابو حاتم فرماتے ہیں کہ یہ ان لوگوں میں سے نہیں جن کی روایات سے حجت پکڑی جائے۔ (تھذیب ۳۹۹ ج ۸)۔

امام شافعی امام ابو حاتم امام ابوزرعہ دارقطنی امام بیہقی اور ابن جوزی وغیرہ نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔ (التلخیص الحبیر ص ١٢٥ ج ١)۔

دوسری دلیل: **عن سلام الطویل عن اسماعیل بن رافع عن حکیم بن سلمة عن رجل من بنی حنیفة یقال له جری ان رجلا اتی رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم فقال یا رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم انی ربما اکون فی الصلوة فتقع یدی علی فرجی فقال امض فی صلاتك۔**

(رواه ابن منده فی معرفة الصحابة (بحواله اعلاء السنن ص ۱۱۶ ج۱)۔

حکیم بن سلمہ بنو حنیفہ کے ایک شخص سے جسے جری کہا جاتا ہے، روایت کرتے ہیں کہ ایک صاحب نبی علیہ الصلوۃ والسلام کے پاس آئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بسا اوقات میں نماز میں مشغول ہوتا ہوں اور میرا ہاتھ شرمگاہ پر پڑ جاتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نماز جاری رکھا کرو۔ (حدیث اور اهل حدیث ص ١٩٨)۔

الجواب: اس کی سند میں سلام الطّویل، راوی ضعیف و متروک ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں اسے

محدثین نے ترک کردیا تھا۔ امام یحیٰ فرماتے ہیں ہیچ محض ہے، امام احمد رحمہ اللہ کہتے ہیں منکر الحدیث ہے۔
امام نسائی کہتے ہیں متروک الحدیث ہے (میزان ص۱۷۵ ج۱)۔

دوسرا راوی اسماعیل بن رافع ہے۔ امام احمد اور یحیٰ کے علاوہ ایک جماعت محدثین نے اسے ضعیف کہا ہے۔ دارقطنی کہتے ہیں متروک الحدیث ہے، ابن عدی فرماتے ہیں اس کی تمام مرویات میں کلام ہے (میزان ۲۲۷ ج۱)۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے (الاصابة ص۲۳٤ ج۱ زیررقم الترجمه ۱۱۳۹) میں اورمولوی عبدالحی لکھنوی حنفی نے، (السعایة ص۲۰۸ ج۱) میں اس روایت کوضعیف قرار دیا ہے۔

تیسری دلیل: عن ارقم بن شرجیل قال حككت جسدى وانا فى الصلوٰة فافضيت الى ذكرى فقلت لعبد الله بن مسعود فقال لى اقطعه وهويضحك اين تعزله منك انما هو بضعة منك۔

(رواه الطبرانی فی الکبير ورجاله موثقون ، مجمع الزوائدص ۲۴۴ ج۱)۔

حضرت ارقم بن شرجیل فرماتے ہیں دوران نماز میں نے اپنا بدن کھجایا تو (ہاتھ) شرمگاہ تک پہنچ گیا، میں نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے عرض کیا آپ نے ہنستے ہوئے فرمایا اسے کاٹ دو، اسے اپنے سے جدا کر کے کہاں لے جاؤ گے؟ یہ تمہارے بدن کا ہی ایک ٹکڑا ہے۔

(حدیث اور اھل حدیث ۱۹۸)۔

الجواب: اولاً یہ دلیل اور بعد کی تمام دلیلیں مولانا صاحب نے اقوال صحابہ سے دیں ہیں، حالانکہ اس مسئلہ میں صحابہ کے اقوال سرے سے حجت ہی نہیں کیونکہ یہ مسئلہ صحابہ کرام میں مختلف فیہ تھا۔ اور جن مسائل میں صحابہ کا اختلاف ہو وہاں اقوال صحابہ حجت نہیں ہوتے۔ تفصیل مقدمہ میں عرض کردی گئی ہے۔

ثانیاً: اس کی سند میں ابو اسحاق راوی ہے۔ (طبرانی کبیر ص۲٤٤۷ ج۹ رقم الحدیث ۹۲۱٤)۔ اور ابو اسحاق راوی مدلس ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

مشهور بالتدلیس......وصفه النسائی وغیره بذلك،
یعنی تدلیس میں مشہور ہیں جیسا کہ امام نسائی وغیرہ نے صراحت کی ہے۔
(طبقات المدلسین ص۴۲)۔

امام ابن حبان، امام کرابیسی، امام طبری اور امام شعبہ نے مدلس قرار دیا ہے۔ (تهذیب ص٦٦ ج۸)۔
جبکہ زیر بحث روایت میں سماع کی صراحت نہیں بلکہ معنعن مروی ہے۔
ابو اسحاق سے سفیان ثوری روایت کرتے ہیں اور ثوری مدلس ہیں، علامہ ذہبی فرماتے ہیں یدلس

عن الضعفاء، یعنی ضعیف راویوں سے تدلیس کرتے ہیں (میزان ص١٦٩ ج١) اور امام سفیان ثوری نے بھی سماع کی صراحت نہیں کی۔ اگر کہا جائے کہ سفیان کا اسرائیل متابع موجود ہے۔ تو راقم عرض کرتا ہے کہ ابواسحاق مختلط بھی ہے، اور اسرائیل کی روایات ابواسحاق سے اختلاط کے بعد کی ہیں (نہایۃ الاغتباط ص٢٧٨)۔

الغرض اس روایت کی سند میں دو جگہ پر تدلیس کا شبہ ہے۔

رابعا: اگر کہا جائے کہ طبرانی میں امام ثوری اور اسرائیل کا ایک تیسرا متابع، امام معمر بھی موجود ہیں تو جواب اس کا یہ ہے کہ معمر کے آگے حرف ''و'' تصحیف ہے دراصل ''عن'' ہونا چاہئے، دلیل اس کی یہ ہے کہ امام طبرانی نے یہ روایت امام عبدالرزاق کے طریق سے نقل کی ہے۔ اور (مصنف عبد الرزاق ص١١٨ ج١ رقم الحدیث ٤٣٠) میں سلسلہ سند یوں ہے۔ عبدالرزاق، عن معمر، عن الثوری واسرائیل، اور یہی درست ہے۔

چوتھی دلیل: **عن الحسن ان خمسة من اصحاب محمد ﷺ علی بن ابی طالب و ابن مسعود و حذیفة و عمران بن حصین و رجلا آخر، قال بعضهم ما ابالی مسست ذکری او ارنبتی وقال الآخر فخذی وقال الآخری رکبتی۔**

(رواه الطبرانی فی الکبیر، مجمع الزوائد ص٢۴۴ ج١)۔

حسن بصری سے مروی ہے کہ اصحاب محمد ﷺ میں سے ۵ صحابہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ، حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ اور ایک اور صحابی کا (شرمگاہ کو ہاتھ لگ جانے کے متعلق مذاکرہ ہوا)، ایک نے کہا مجھے کوئی پرواہ نہیں ہے کہ شرمگاہ کو چھوؤں یا ناک کو، دوسرے نے کہا کہ یا اپنی ران کو، اور تیسرے نے کہا کہ یا اپنے گھٹنے کو، (حدیث اور اهل حدیث ١٩٩)۔

الجواب: اولاً ہیثمی نے آگے ہی لکھا ہے کہ **''ان الحسن مدلس ولم یصرح بالسماع''** یعنی اس کی سند میں حسن بصری مدلس ہیں اور انہوں نے سماع کی صراحت نہیں کی۔

ثانیا: اس میں انقطاع ہے کیونکہ حسن بصری کا کسی بدری صحابی سے سماع ثابت نہیں (اور سیدنا علی مرتضیٰ اور عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بدری ہیں) ایسا ہی عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے بھی سماع ثابت نہیں (مراسیل ابن ابی حاتم ص٣١، ٣٨)۔ مستدرک حاکم ص٥٦٧ ج٤) میں ایک راویت الحسن عن عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کے طریق سے مروی ہے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے مولانا سرفراز خاں صفدر حنفی دیوبندی

فرماتے ہیں۔ مولوی صاحب کا اس حدیث سے استدلال باطل اور مردود ہے اولاً اس لئے کہ اس کی سند میں الحسن بصری عن عمران بن حصین رضی اللہ عنہ ہے۔ امام ابو حاتم ، یحییٰ بن سعید القطان، علی بن مدینی اور ابن معین وغیرہ نے تصریح کی ہے حسن کا حضرت عمران سے سماعت ثابت نہیں ہے۔ دیکھئے! (تھذیب ص ۲۶۸ ج ۲)۔ اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حسن کثرت سے ارسال و تدلیس کرتے تھے۔ علامہ ذہبی لکھتے ہیں وہ مدلس ہیں جب وہ اس شخص سے روایت کریں جس سے ملاقات نہیں تو ان کی بات حجت نہیں۔ (تذکرہ ص ۷ ج ۱) ۔جب کہ اس کی سماعت ہی صحیح نہیں اور ارسال و تدلیس کا سنگین الزام بھی ان پر عائد کیا گیا ہے۔ تو اصول حدیث کی رو سے یہ روایت کیسے صحیح ہو سکتی ہے۔ (ازالة الریب ص ۲۳۷)۔ الغرض یہ روایت بوجہ تدلیس وانقطاع ضعیف ہے۔

پانچویں دلیل: **عن قیس قال سال رجل سعدا عن مس الذکر فقال ان علمت ان منك بضعة نجسة فاقطعها۔**

(مصنف ابن ابی شیبہ ص ۱۶۴ ج۱)۔

حضرت قیس رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک صاحب نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے شرمگاہ کو چھونے کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا: کہ اگر تم جانتے ہو کہ یہ تمہارے بدن کا ناپاک ٹکڑا ہے تو اسے کاٹ دو۔

(حدیث اور اهل حدیث ۱۹۹)۔

الجواب: حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے وضو ٹوٹ جانے کی روایت بھی موجود ہے۔ آپ کے بیٹے مصعب رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ

"کنت امسك المصحف علی سعد بن ابی وقاص فاحتککت فقال سعد لعلك مسست ذکرك قال قلت نعم قال قم فتوضاء فقمت فتوضات ثم رجعت"

میں قرآن کریم کو سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے پڑھنے کے لئے اٹھائے رکھتا تھا، ایک روز میں کھجایا تو حضرت سعد نے فرمایا کہ شاید تو نے اپنے ذکر کو چھوا ہے میں نے کہا: ہاں! تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کہ اٹھ کر وضو کرلو۔ میں کھڑا ہوا اور وضو کر کے لوٹا۔ (موطا امام مالك باب الوضوء من مس الفرج، بیھقی ص ۱۳۱ ج ۱ ، مصنف ابن ابی شیبه ص ۱۶۳ ج ۱) یہ اثر امام محمد نے بھی، موطا ص ۵۰ میں روایت کیا ہے، امام طحاوی کی روایت میں " **فامرنی ان اتوضاء**"یعنی مجھے حکم دیا وضو کرنے کا،، (شرح معانی الآثار ص ۵۸ ج ۱) کے الفاظ ہیں۔ لہذا ما کان جوابکم فھو جوابنا۔

چھٹی دلیل: **اخبرنا ابو العوام البصری قال سال رجل عطاء بن ابی رباح قال یا ابا محمد رجل مس فرجه بعد توضاء قال رجل من القوم ان ابن عباس کان یقول ان کنت تستنجسه فاقطعه قال عطاء**

بن ابی رباح هذا والله قول ابن عباس۔(موطا امام محمد ص۵۲)۔

ابو العوام بصری فرماتے ہیں کہ حضرت عطاء بن ابی رباح سے ایک شخص نے سوال کیا کہ اے ابا محمد ایک شخص نے وضو کرنے کے بعد اپنی شرمگاہ کو ہاتھ لگا لیا تھا۔لوگوں میں سے ایک صاحب بولے کہ حضرت ابن عباس فرمایا کرتے تھے کہ اگر تو اسے ناپاک سمجھتا ہے تو کاٹ دے، حضرت عطاء بن ابی رباح نے فرمایا: بخدا یہ ابن عباس کا قول ہے۔ (حدیث اور اهل حدیث ص ۲۰۰)۔

الجواب: اولاً اس اثر کو بیان کرنے میں امام محمد بن حسن شیبانی منفرد ہیں۔ اور ان پر سنگین قسم کی جرح موجود ہے حتی کہ امام یحییٰ بن معین نے کذاب کہا ہے۔ (لسان المیزان ص۱۲۲ ج۵)۔ لہٰذا فریق ثانی پر لازم ہے کہ اس کی دوسری سند ثابت کرے۔

ثانیاً: سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اس کے مخالف بھی روایت ہے۔ امام عطاء بن ابی رباح بیان کرتے ہیں۔ "قال كان ابن عمرو ابن عباس يقولان في الرجل يمس ذكره قالايتوضاء" یعنی سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ ایسے شخص کو وضو کرنے کا فرمایا کرتے تھے جو ذکر کو چھولے۔ (طحاوی ص۵۸ ج۱ مبیهقی ص۱۳۱ ج۱)،(ومصنف ابن ابی شیبه ص٦٤ ج۱)۔

ساتویں دلیل: عن علي بن ابي طالب في مس الذكر قال ما ابالي مسسته او طرف انفي۔ (موطا امام محمد ص۵۲)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے شرمگاہ کو چھونے کے متعلق مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: مجھے کوئی پرواہ نہیں کہ میں اپنی شرمگاہ کو چھوؤں یا اپنی ناک کا کنارہ۔ (حدیث اوراهل حدیث ص ۲۲۰)۔

الجواب: اولاً سند میں ابراہیم نخعی ہیں جو رویت کے لحاظ سے تو تابعی ہیں مگر روایت کے لحاظ سے تابعی نہیں، یعنی ابراہیم کا کسی صحابی سے سماع ثابت نہیں۔امام ابو حاتم فرماتے ہیں لم يلق ابراهيم النخعي احد من اصحاب النبي ﷺ، یعنی ابراہیم نخعی کی کسی صحابی سے ملاقات ثابت نہیں یہی امام علی بن مدینی کہتے ہیں۔ (مراسيل ابن ابی حاتم ص۹) امام ابو زرعہ کہتے ہیں ابراہیم کی سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت مرسل ہے۔ (ایضا ص ۱۰)۔

ثانیاً: سند میں امام ابو حنیفہ ہیں جو حافظہ کے لحاظ سے سیئ الحفظ ہیں۔ الغرض یہ روایت مرسل ہونے کے علاوہ سنداً ضعیف بھی ہے۔

آٹھویں دلیل: عن البراء بن قيس قال سألت حذيفة بن اليمان عن الرجل مس ذكره فقال انما هو كمسه رأسه۔(موطا امام محمد ص۵۵)۔

حضرت براء بن قیس رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت حذیفہ بن یمان سے ایسے شخص کے متعلق سوال کیا جس نے اپنی شرمگاہ کو ہاتھ لگایا ہو تو آپ نے فرمایا ایسے ہی ہے جیسے سر کو ہاتھ لگا لینا۔

(حدیث اوراھل حدیث ۲۰۰)۔

الجواب: اس کی سند میں البراء بن قیس راوی ہے جس کا امام ابو حاتم نے (کتاب الجرح والتعدیل ص۳۹۹ ج ۱) قسم اول میں ذکر کیا ہے، لیکن کوئی جرح یا تعدیل بیان نہیں کی، ہاں البتہ امام ابن حبان نے، کتاب الثقات ص ۷۷ ج ۴ میں ذکر کیا ہے۔ لیکن ابن حبان متساہل ہے وہ مجہول اور ضعیف راویوں کو ثقہ کہنے میں معروف ہیں۔

لہٰذا فریق ثانی پر لازم ہے کہ وہ براء کی بحوالہ ثقات ثابت کریں۔ ورنہ اصول حدیث کی رُو سے یہ روایت بوجہ جہالت براء ضعیف ہے۔ اگر کہا جائے کہ اس کی دوسری سند بھی ہے۔ جیسا کہ (مصنف ابن ابی شیبہ ص۱٦٤ ج ۱) میں ہے، تو خاکسار عرض کرتا ہے کہ اس میں حصین ہے اس کی بحوالہ صراحت کی جائے کہ یہ کون ہے؟ اگر حصین بن عبد الرحمٰن کوفی ہے تو مجہول ہے "کما فی تقریب" لہٰذا مولانا عثانی کا اس کی سند کو صحیح قرار دینا (اعلاء السنن ص۱۹٤ ج ۱)۔ درست نہیں۔

نویں دلیل: "عن عمیر بن سعد النخعی قال کنت فی مجلس فیه عمار بن یاسر فذکرمس الذکر فقال انما هو بضعة منك وان لكفك موضعا غيره" (موطا امام محمدص۵۵)۔

عمیر بن سعد نخعی فرماتے ہیں کہ میں ایک ایسی مجلس میں موجود تھا جس میں حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ بھی تھے کہ شرمگاہ کو ہاتھ لگانے کا تذکرہ ہوا۔ آپ نے فرمایا: وہ تیرے بدن کا ہی ایک ٹکڑا ہے۔ البتہ تیری ہتھیلی کے لئے اس کے علاوہ بھی جگہ ہے۔ (حدیث اور اھل حدیث ص۲۰۱)۔

الجواب: اولاً بلاشبہ یہ اثر سنداً صحیح ہے گو موطا امام محمد میں محمد بن حسن راوی مجروح ہے مگر (مصنف ابن ابی شیبہ ص۱٦٤ ج ۱) میں محمد بن فضیل اور امام وکیع اس کے ثقہ متابع ہیں۔ لیکن یہ حجت نہیں کیونکہ اس مسئلہ میں صحابہ کرام کا اختلاف ہے اور جن مسائل میں صحابہ کرام کا اختلاف رائے ہو۔ وہاں اقوال صحابہ حجت نہیں ہوتے۔ (مقدمہ میں تفصیل عرض کر دی گئی ہے)۔

ثانیاً: اس میں حنفیہ کی دلیل نہیں کیونکہ "ان لكفك موضعا غيره" میں کراہت کی طرف اشارہ ہے۔ مولانا عبد الحی لکھنوی حنفی، موطا، کے حاشیہ بین السطور میں اس کا معنی کرتے ہیں۔ "اولى ان لایمسه من غیر ضرورة" یعنی بلاضرورت چھوا نہ جائے۔ (التعلیق الممجد ص۵٥)۔

اب ضرورت کا تو یہی مفہوم ہے کہ انسان کی کیفیت اضطراری ہو۔ اور مجبوری کی وجہ سے مس کرنا حنفیہ کا مؤقف نہیں ہے۔ الغرض حنفیہ کا دعوٰی عام اور اس کی دلیل خاص دی جارہی ہے۔ انا لله وانا الیه راجعون۔

یہ دلیل ایسے ہی ہے جیسے کوئی سور کے گوشت کو مباح قرار دے، جب اس سے دلیل طلب کی جائے تو مضطر کی آیت تلاوت کردے۔ کوئی دانا اس کو دلیل سے تعبیر نہیں کرے گا۔

ثالثاً: اس اثر اور احادیث مرفوعہ کے درمیان تعارض نہیں، کیونکہ یہ انتشار کی حالت پر محمول ہے "هو بضعة منك ،، میں اسی طرف اشارہ ہے جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا ہے۔

نویں دلیل: عن ابی الدرداء انه سئل عن مس الذكر فقال انما هو بضعة منك (موطا امام محمد ص ۵۸)۔

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے شرمگاہ کو ہاتھ لگانے کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: وہ تیرے بدن کا ہی حصہ ہے۔ حدیث اور اہل حدیث ص ۲۰۱۔

الجواب: اولاً یہ روایت مرسل ہے ۔ کیونکہ سیدنا ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت کرنے والے حبیب بن عبید ہیں۔ اور امام ابو حاتم رحمہ اللہ نے صراحت کی ہے کہ حبیب کی ابو درداء سے روایات مرسل ہیں۔ (کتاب المراسیل ص ۲۹)۔

ثانیاً: اگر کوئی حنفی کہے کہ موطا کے مطبوعہ نسخہ میں حبیب عن عبید ہے تو جواب اس کا یہ ہے کہ یہ تصحیف ہے معتمد نسخوں میں حبیب بن عبید بن ابی درداء ہے تفصیل کے لئے (التعليق المجد ص ۵۸، ۴۰۹ وابكار المنن ص ٦٩) کا مطالعہ کریں۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ مذکورہ روایت بوجہ مرسل ہونے کے ضعیف ہے۔

حنفیہ کا تناقض:

حنفیہ کے نزدیک مباشرۃ الفاحشہ (بالکل برہنا ہوکر ایک دوسرے کے ساتھ لیٹنے) سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ حالانکہ ان کے اصول اور فقہ کے مطابق نہیں ٹوٹنا چاہئے کیونکہ اس میں زیادہ سے زیادہ یہی امکان ہے کہ ایک دوسرے کے جسم کو شرمگاہیں لگ جائیں گی۔ اور جب شرمگاہ کو ہاتھ لگانے سے وضو نہیں ٹوٹتا تو جسم کے باقی حصہ پر لگنے سے کیسے ٹوٹ جاتا ہے۔ جیسے سر، ہاتھ، ناک ، وغیرہ لگنے سے وضو نہیں ٹوٹتا، اور انوار صاحب نے ایسے آثار نقل کیے ہیں جن کا مفہوم ہے کہ مرد کا آلہ تناسل اور ناک سر، گھٹنے ، کا ایک ہی حکم ہے اگر ان کا ایک ہی حکم ہے ،تو وجہ فرق بیان کریں کہ زید اور عمر کے سر ملنے سے وضو نہیں ٹوٹتا تو ذکر کے ملنے سے کیوں ٹوٹ جاتا ہے۔

یہ چیز ہمارے معاصر کے دل میں بھی باعث اضطراب بنی تو اپنے دل کے بوجھ کو ہلکا کرنے کی غرض سے علامہ وحید الزمان کا قول نقل کر دیا کہ وضو نہیں ٹوٹتا۔ (حدیث اوراهل حديث ص ۲۰۳)۔ محترم کا اگر یہی مقصود ہے تو ہم کہتے ہیں کہ علامہ وحید الزمان کی یہ بات بلا دلیل اور مس ذکر والی احادیث کے خلاف ہے ۔ اور اگر کیڑے نکالنے کی غرض سے لکھا ہے تو جواباً عرض ہے کہ یہی قول امام محمد کا ہے (شرح وقاية ص ۷۲ ج ۱)۔ لہٰذا وحید الزمان سے پہلے محمد بن حسن شیبانی کی خبر لیں۔

(۱۵) باب اگر ناخن پالش لگی ہو تو کیا وضو ہو جاتا ہے

السلام علیکم ورحمة الله وبرکاة، فتاوی اہل حدیث میں ہے کہ

سوال: کیا عورت ناخن پالش ناخنوں پر لگا کر وضو کر کے نماز پڑھ سکتی ہے؟ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ناخن پالش لگا کر وضو کرنے سے وضو نہیں ہوتا۔

جواب: ناخن پالش مہندی کی قسم سے ہے مہندی کا رنگ بھی دو تین دفعہ لگانے سے گاڑھا ہو جاتا ہے جو بالاتفاق جائز ہے ایسا ہی ناخن پالش کو سمجھنا چاہئے۔ (فتاویٰ اہل حدیث ص ۳۵۱)۔

کیا یہ فتویٰ صحیح ہے؟ امید ہے کہ آپ جواب سے محروم نہیں کریں گے۔(سائل محمد داؤد ارشد)۔

بسم الله الرحمن الرحيم

الجواب بعون الله الوهاب وهو الملهم للحق والصواب، حضرت مفتی علیہ الرحمہ نے ناخن پالش کو مہندی کے گاڑھے رنگ پر قیاس کرتے ہوئے نیل پالش والے ناخنوں پر وضو کو جائز قرار دیا ہے، گویا نیل پالش گاڑھے رنگ والی مہندی کے حکم میں ہے (صغریٰ) اور مہندی کے سخت گاڑھے رنگ کے باوجود وضو بالاتفاق جائز ہے (کبریٰ) لہٰذا ناخنوں پر نیل پالش کی موجودگی میں وضو جائز ہے (حد اوسط) مگر ان کا یہ قیاس درست معلوم نہیں ہوتا، ان کا یہ فرمانا کہ دو تین دفعہ مہندی لگانے سے اس کا رنگ گاڑھا ہو جاتا ہے، بالکل درست ہے مگر اس کے باوجود ناخنوں پر اس کی ایسی تہ نہیں بنتی جو ناخنوں کے تر ہونے اور دھلنے میں مانع ہو، جب کہ نیل پالش ناخنوں کو رنگین نہیں کرتی بلکہ اس کی تہ ہے جو ناخنوں تک پانی کو پہنچنے ہی نہیں دیتی، یعنی ناخنوں پر پانی بہانے کے باوجود وہ خشک اور ان دھلے ہی رہتے ہیں جب کہ قرآن و حدیث کی نصوص کے مطابق وضو کے اعضا کو مکمل اور پوری طرح دھونا فرض ہے، چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد ہے

﴿يايها الذين أمنوا اذا قمتم الى الصلوٰة فاغسلوا وجوهكم وايديكم الى المرافق وامسحو برء وسكم وارجلكم الى الكعبين﴾ (المائده ٦)۔

اے ایمان والو! جب تم نماز پڑھنے کے لیے اٹھو تو اپنے چہروں کو اور ہاتھوں کو کہنیوں سمیت دھولیا کرو اور اپنے سروں کا مسح کر لیا کرو اور اپنے پاؤں کو ٹخنوں سمیت دھولیا کرو،،۔

صحیح بخاری میں حضرت اسامہ بن زید سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں:

((فلما جاء المزدلفة تنزل فتوضا فاسبغ الوضو......)) (باب اسباغ الوضو)

رسول اللہ ﷺ جب عرفات سے مزدلفہ پہنچے تو آپ نے سواری سے اتر کر خوب اچھی طرح وضو

کیا پھر جماعت کھڑی کی گئی۔

قال الحافظ: الاسباغ فی اللغة الاتمام و منه درع سابغ۔

(فتح الباری بشرح صحیح البخاری ج۱ ص۱۹۳۲)۔

سیدنا ابوھریرۃ فرماتے ہیں لوگو!

اسبغوا الوضوء فان أبا القاسم ﷺ قال ((وویل للاعقاب من النار)) (باب غسل الاعقاب)

اچھی طرح وضو کرو کیونکہ سیدنا ابو القاسم ﷺ نے فرمایا: خشک ایڑیوں کے لئے عذاب ہے،،۔

و کان ابن سیرین یغسل موضع الخاتم اذا توضا، (فتح الباری ج ۱ ص ۲۱٤)

امام محمد بن سیرین (تابعی) وضو کرتے وقت انگوٹھی آگے پیچھے کر کے انگلی دھویا کرتے تھے،،۔

اس حدیث کا منشا یہ ہے کہ وضو کا کوئی عضو خشک نہ رہ جائے ورنہ وہی عضو قیامت کے دن عذاب الٰہی میں مبتلا کیا جائے گا۔

چونکہ ہاتھ کی انگلیاں اور ان کے ناخن میں اعضاء وضو داخل ہیں لہٰذا ان تک پانی پہنچانا ضروری (فرض) ہے اور ناخن پالش مجسم ہونے کی وجہ سے پانی کو ناخنوں تک پہنچنے سے مانع ہے۔ لہٰذا جب تک ناخن پالش اتار کر اور کرید کر وضو نہیں کیا جائے گا وضو صحیح نہیں ہوگا۔ جب وضو صحیح نہیں ہوگا تو نماز بھی نہیں ہوگی۔ اس کے لئے مزید چار تائیدی فتاویٰ بھی پیش خدمت ہیں۔

(۱) صاحب فقہ السنہ سید محمد سابق کا فتویٰ:

الشیخ السید محمد سابق فرماتے ہیں۔

وجود الحائل مثل الشمع علی أی عضو من اعضاء الوضوء یبطله ، وأما اللعون وحده کالخضاب بالحناء مثلا فإنه لا یؤثر فی صحة الوضوء إنه لایحول بین البشره وبین وصول الماء إلیها ۔(فقه السنة ج۱ ص۵۲)۔

اگر وضو کے کسی عضو پر ایسی چیز لگی ہو جو پانی اور عضو کے درمیان ہو تو یہ رکاوٹ وضو کو باطل کردے گی مہندی وغیرہ کا رنگ تو وضو کی صحت پر کوئی منفی اثر نہیں ڈالتا کیونکہ وہ پانی کو عضو تک پہنچنے میں رکاوٹ نہیں بنتا، (کیونکہ مہندی وغیرہ کا رنگ عرض ہے یعنی غیر مجسم)۔

(۲) الشیخ محمد بن صالح عثیمین کا فتویٰ:

الشیخ محمد بن صالح عثیمین عالم اسلام کے مشہور مفتی تھے، درج ذیل سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

سوال: میں نے بعض علماء سے سنا ہے کہ تیل ایسی رکاوٹ ہے جو بوقت وضو پانی کو جسم تک پہنچنے

سے روک لیتا ہے یعنی تیل کی موجودگی میں وضو نہیں ہوتا، کیا ان علماء کا یہ کہنا درست ہے؟۔

جواب: اس سوال کا جواب دینے سے قبل میں یہ چاہوں گا کہ اللہ تعالیٰ کا مندرجہ ذیل ارشاد پیش کروں:

﴿یایھا الذین أمنوا اذا قمتم الی الصلوٰۃ فاغسلوا وجوھکم وایدیکم الی المرافق وامسحو برء وؤ سکم وارجلکم الی الکعبین﴾(المائدہ ٦)۔

اے ایمان والو! جب تم نماز پڑھنے کے لیے اٹھو تو اپنے چہروں کو اور ہاتھوں کو کہنیوں سمیت دھولیا کرو اور اپنے سروں کا مسح کرلیا کرو اور اپنے پاؤں کو ٹخنوں سمیت دھولیا کرو،،۔

ان اعضا کو دھونے اور ان کے مسح کرنے کا حکم اس بات کو لازم کرتا ہے کہ ہر اس چیز کا ازالہ ضروری ہے جو پانی کو اعضا تک پہنچنے سے روکتی ہو، کیونکہ اس کے باقی رہنے کی صورت میں اعضاء وضو دھل نہیں سکیں گے، بنا بریں ہم کہہ سکتے ہیں کہ انسان جب اعضاء وضو پر تیل کا استعمال کرتا ہے تو یہ دو صورتوں سے خالی نہیں، یا تو تیل جامد (جما ہوا) ہوگا تو اس صورت میں وضو سے قبل اس کا ازالہ کرنا ضروری ہے کیونکہ تیل اگر اپنی موٹائی کی صورت میں ہی رہے گا تو وہ جسم تک پانی پہنچنے میں رکاوٹ ہوگا اور اس طرح طہارت نہ ہوگی۔

دوسری صورت یہ ہے کہ تیل سیال ہے اور اس میں موٹائی نہیں ہے صرف اس کا اثر عضا پر موجود ہے تو ایسا تیل غیر مضر ہے، ایسی صورت میں تمام اعضاء وضو پر پانی گرانا ضروری ہے کیونکہ عادۃ تیل پانی سے الگ رہتا ہے اس طرح بسا اوقات پانی اعضا تک نہیں پہنچتا۔

لہٰذا ہم سائلہ سے یہ کہنا چاہیں گے کہ اگر اعضاء وضو پر تیل وغیرہ جامد شکل میں ہو تو وضو سے قبل اس کا ازالہ ضروری ہے اور اگر تیل سیال شکل میں ہو تو صابن استعمال کئے بغیر وضو کرنے میں کوئی حرج نہیں پس اعضا کو دھوتے وقت انہیں اچھی طرح مل لیا جائے تا کہ پانی پھسل کر نہ گزر جائے اور یوں اعضاء وضو خشک نہ رہ جائیں۔ (فتاوی برائے خواتین ص ۸۰، ۸۱ دار السلام لاہور)۔

(۳) فضیلۃ الشیخ عبدالعزیز بن باز کا فتوی:

الشیخ عبدالعزیز بن باز بین الاقوامی مفتی تھے آپ درج ذیل سوال کے جواب میں تصریح فرماتے ہیں:

سوال ناخن بڑھانے اور ناخن پالش لگانے کا کیا حکم ہے؟ واضح رہے میں ناخن پالش لگنے سے وضو کرلیتی ہوں اور چوبیس گھنٹے کے بعد اس کو اتار دیتی ہوں۔

جواب: ناخن بڑھانا خلاف سنت ہے نبی ﷺ کا ارشاد ہے

(الفطرۃ خمس الختان والا ستحداد وقص الشارب ونطف الابط وقلم الا ظفار) (رواہ مسلم کتاب الطھارت باب ١٦)۔

پانچ چیزیں فطرت میں سے ہیں: ختنہ کروانا، زیر ناف بالوں کی صفائی، مونچھیں ترشوانا، بغلیں صاف رکھنا اور ناخن تراشنا،،۔

نیز اس لئے بھی کہ ناخن بڑھانا درندوں اور کفار کے ساتھ مشابہت ہے جہاں تک نیل پالش وغیرہ کا تعلق ہے تو وضو کے لئے اس کا اتارنا واجب ہے کیونکہ یہ ناخنوں تک پانی پہنچنے میں رکاوٹ ہے۔

(فتاوی برائے خواتین ص ۲۶۵، ۲۶۶)۔

(۴) حضرت الشیخ ابوالبرکات احمد البنارسی کا فتویٰ:

سوال: کیا عورت ناخنوں پر نیل پالش لگا کر وضو کر کے نماز پڑھ سکتی ہے؟ بعض حضرات کہتے ہیں کہ ناخن پالش پر وضو نہیں ہوتا۔ وضاحت فرمائیں۔

جواب: ناخن پالش کا جسم ہے جس کی وجہ سے ناخن کو پانی نہیں پہنچتا لہٰذا جب تک ناخن پالش کو کرید کر نہ اتاریں وضو نہیں ہوتا اور جب تک وضو نہ ہو نماز نہیں ہوتی اس لئے ناخن پالش نہیں لگانی چاہئے۔ (فتاوی برکاتیہ ص ۲۰)۔

خلاصہ بحث یہ ہے کہ ناخنوں پر پالش کی موجودگی میں وضو نہیں ہوتا۔ کیونکہ ناخن پالش جو ہر یعنی جسم دار ہے۔ اس کے لگانے سے ناخنوں پر ایک تہ جم جاتی ہے جس کی وجہ سے ناخنوں تک پانی نہیں پہنچتا اور ناخن پالش کو مہندی کے رنگ پر قیاس کرنا ہرگز درست نہیں کیونکہ مہندی کا رنگ عرض یعنی غیر مجسم ہے، لہٰذا مجسم چیز کو غیر مجسم کے حکم پر قیاس کرنا قطعا غلط ہے۔

هذا ما عندي والله تعالىٰ أعلم بالصواب وإليه المرجع والمأب في يوم الحساب۔

(محمد عبيد الله خان عفيف)۔

صح الجواب، مبشر احمد ربانی۔ الجواب صحیح، محمد یحییٰ گوندلوی۔ ۱

یہی بات صحیح ہے کہ ناخنوں پر پالش کی موجودگی میں پانی نہ پہنچنے کی وجہ سے وضو نہیں ہوتا کیونکہ یہ **فاغسلوا وجوهكم وايديكم** کے خلاف ہے۔ عبد السلام جامعۃ الدعوۃ الاسلامیہ ۱۵ ذوالقعدہ ۱۴۲۶ھ مریدکے

مولانا عبید اللہ عفیف حفظہ اللہ تعالیٰ کا یہ فتویٰ تنظیم اہل حدیث اور پھر الاعتصام میں چھپ گیا تھا۔ راقم نے فون پر رابطہ کر کے بعض شیوخ اہل حدیث سے اس کی توثیق طلب کی تو جن سے رابطہ ہوا ان سب نے اس کی تائید کی۔ حسب ذیل نام قابل ذکر ہیں۔

مولانا ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ تعالیٰ، ۱۷ دسمبر ۰۵ھ۔

مفتی جماعت مولانا عبد الستار حماد حفظہ اللہ تعالیٰ ۱۷ دسمبر ۰۵ھ۔

شارح سنن ابن ماجہ مولانا محمد علی جانباز حفظہ اللہ تعالیٰ۔ ۶ اپریل ۰۶ء۔

(۱۶) باب قضائے حاجت کے وقت قبلہ کی طرف منہ اور پیٹھ کرنا

فصل اول

پہلی دلیل: سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ میں اپنی ہمشیرہ ام المؤمنین سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے مکان کی چھت پر گیا تو

"فرأيت رسول الله ﷺ يقضي حاجته مستدبر القبلة مستقبل الشام"

میں نے نبی مکرم ﷺ کو دیکھا کہ آپ کعبہ کی طرف پیٹھ اور شام کی طرف منہ کر کے قضائے حاجت کر رہے تھے۔

(بخاری کتاب الوضوء باب التبرز في البيوت، الحديث ۱۴۸) و مسلم كتاب الطهارة باب الستطابة، الحديث ۶۱۱، ۶۱۲)۔

دوسری دلیل: سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

"نهى نبي الله ﷺ ان نستقبل القبلة ببول فرايته قبل ان يقبض بعام يستقبلها"

نبی مکرم ﷺ نے ہمیں قبلہ کی جانب منہ کر کے پیشاب کرنے سے منع فرمایا: پھر میں نے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو وفات کے ایک سال پہلے قبلہ رخ ہو کر قضائے حاجت کرتے دیکھا۔

(ابو داؤد رقم الحديث ۱۳)، (ترمذی رقم الحديث ۹، ۱۰)، (وابن ماجه رقم الحديث ۳۲۵)، (مسند احمد ۳۶۰ ج۳)، (دارقطنی ۵۷ ج۱)، (ومستدرك حاكم ص۱۵۵ ج۱)، (ابن حبان رقم الحديث ۱۴۱۷)، (ابن خزيمه رقم الحديث ۵۸)۔

امام بخاری، امام دارقطنی، امام ابن حبان، امام ابن خزیمہ، امام ابن سکن، امام حاکم، اور علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح کہا ہے۔ امام ترمذی اور علامہ نیموی حنفی دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ نے حسن قرار دیا ہے۔ (التلخيص الحبير ص ۱۰٤ ج ۱ وآثار السنن ص ۲٦) اور علامہ البانی نے صحیح کہا ہے۔ (صحيح ترمذی ص ۹)۔

دونوں احادیث اس بات کی دلیل ہیں کہ ممانعت صحرا اور کھلی جگہ کے متعلق ہے۔ اگر پردہ وغیرہ ہو تو پھر جائز ہے، سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

عن مروان الاصفر قال رأيت ابن عمر اناخ راحلته مستقبل القبلة ثم جلس يبول اليها فقلت يا ابا عبدالرحمن! أليس قد نهى عن هذا؟ قال بلى انما نهى عن ذلك في الفضاء فاذا كان بينك وبين القبلة شئي يسترك فلا باس۔

مروان اصفر رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ انہوں نے

اونٹ بٹھایا اور پھر اس کی آڑ میں قبلہ رخ منہ کر کے پیشاب کیا۔ میں نے کہا اے ابوعبد الرحمٰن کیا یہ منع نہیں؟ انہوں نے کہا ہاں خالی میدان میں منع ہے لیکن جب تیرے اور قبلے کے درمیان میں کوئی آڑ ہو تو تب کوئی قباحت نہیں ہے۔

سنن ابی داؤد کتاب الطهارة باب کراهية استقبال القبله عند قضاء الحاجة رقم الحديث١١۔ (صحيح ابن خزيمه رقم الحديث ٦٠)،(سنن دار قطني ص٥٨ ج١)،(مستدرك حاكم ص ١٥۴ ج١)۔

امام ابن خزیمہ اور حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح کہا ہے، حازمی اور علامہ نیموی حنفی نے حسن قرار دیا ہے۔
(كتاب الاعتبار ص٢٦ و آثار السنن ص٢٦)۔

مذاہب فقہاء:

اس مسئلہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے لے کر ہمارے دور تک اختلاف چلا آرہا ہے۔ امت مرحومہ میں چیدہ چیدہ اور قابل ذکر آٹھ نظریات پائے جاتے ہیں تفصیل حسب ذیل ہے۔

(۱) استقبال و استدبار دونوں ہی ناجائز ہیں خواہ کھلی فضا میں ہو یا آبادی میں، یہ مؤقف سیدنا ابو ایوب انصاری، مجاہد، ابراہیم نخعی، سفیان ثوری، ایک روایت میں امام احمد، امام ابوحنیفہ، علامہ ابن حزم، علامہ ابن قیم، متعدد اہل علم کے علاوہ علماء اہل حدیث میں سے علامہ شوکانی مولانا عبد الرحمٰن مبارکپوری اور علامہ البانی کا ہے۔

(۲) استقبال و استدبار دونوں ہی جائز ہیں خواہ صحرا ہو یا آبادی، یہ مسلک سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا عروۃ بن زبیر رضی اللہ عنہ، امام مالک کے استاذ ربیعہ الرائی، اور داؤد ظاہری کا ہے۔

(۳) صحرا میں استقبال و استدبار دونوں ناجائز اور آبادی میں دونوں جائز، یہ مسلک سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سیدنا عبد اللہ بن عمر عامر شعبی، امام مالک، امام شافعی اور اسحاق بن راھویہ کا ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ کی ایک روایت بھی اس کے مطابق ہے۔

(۴) استقبال ناجائز اور استدبار بہر صورت جائز ہے۔ امام احمد اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت ہے۔

(۵) استقبال بہر صورت ناجائز ہے اور استدبار آبادی میں جائز اور صحرا میں ناجائز ہے۔ یہ مسلک قاضی ابو یوسف کا ہے۔ امام ابوحنیفہ سے بھی ایک روایت اس کے مطابق ہے۔

(٦) استقبال و استدبار، کعبہ اور بیت المقدس، دونوں کا مطلقا کرنا ناجائز ہے۔ امام ابن سیرین اور ابراہیم نخعی بھی ایک روایت میں اسی کے قائل ہیں۔

(۷) استقبال و استدبار فقط اہل مدینہ کے ساتھ خاص ہے حافظ ابوعوانہ کا یہ قول ہے۔

(۸) استقبال و استدبار مکروہ تنزیہی ہے۔ امام ابوحنیفہ شاہ ولی اللہ اور علامہ شوق نیموی کا یہ مذہب ہے۔

(بخاری ص۱۹۸ ج۱)،(عمدۃ القاری ص۷۰۵ ج۱)،(المحلی بالاثار ص۱۸۹ ج۱)،(مسالۃ۱۴۶)، نیل الاوطار ص۹۴ ج۱)،(وغایۃ المقصود ص۱۱۷ ج۱)،(تحفۃ الاحوذی ص۱۹ ج۱)،درس ترمذی ص۱۸۵ ج۱)،(آثار السنن ص۲۶)،(وتمام المنۃ ص۶۰) وغیرہ۔

محاکمہ بر مذاہب:

احتیاط کے لحاظ سے سیدنا ابو ایوب الانصاری رضی اللہ عنہ کا مؤقف درست ہے اسی پر ہی عام اہل حدیث کا عمل ہے۔ خاکسار کی برس کے لگ بھگ عمر ہے۔ راقم الحروف نے سن تمیز سے لے کر تا دم تحریر کسی سلفی کو کعبہ کی طرف پردہ وغیرہ کی اوٹ میں قضائے حاجت کرتے نہیں دیکھا، نہ ہی کسی مسجد میں استنجا خانے کا رخ قبلہ کی طرف نظر آیا ہے، ہاں البتہ دلائل کے لحاظ سے سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کا مؤقف درست ہے۔ یہ صرف مختلف قسم کی احادیث میں ایک تطبیق کی صورت ہے۔ عمل کے لحاظ سے پہلا مؤقف ہی قابل اتباع ہے۔ مولانا عطاء اللہ حنیف رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **فالاصح دليلا ما ذهب اليه ابن عمر ولا حوط ما ذهب اليه ابو ايوب ۔ والله اعلم۔**

یعنی دلیل کے اعتبار سے وہ نظریہ درست ہے جس طرف سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ گئے ہیں اور احتیاط کے لحاظ سے وہ جس طرف ابو ایوب رضی اللہ عنہ گئے ہیں۔ (التعلیقات السّلفیہ ص۶ ج۱)، مولانا عبید اللہ رحمانی محدث مبارکپوری فرماتے ہیں: **وعندی الاحتراز عن الاستقبال والاستدبار فی البیوت احوط وجوبا لاندبا۔**

گھروں میں بھی منہ اور پیٹھ کر کے قضائے حاجت کرنے سے پرہیز کرنا ہی میرے نزدیک احتیاط کے لحاظ سے واجب ہے نہ کہ حکم شرعی کی بناء پر۔ (مرعاۃ المفاتیح ص٤٧ ج٢)۔

استنجا کرنے کا مسئلہ: خاکسار کے نزدیک استنجاء کرتے وقت بھی پرہیز ہی اولیٰ ہے، علامہ وحید الزماں مرحوم نے نزل الابرار ص۵۳ ج۱ میں اس کو ''مکروہ نہیں'' لکھا تھا۔ مولانا انوار خورشید صاحب نے نمک مرچ لگا کر ص۲۱۲ پر نقل کیا ہے حالانکہ علامہ وحید الزمان صاحب اس سے پہلے فرماتے ہیں: **ولا يستقبل القبلة ولايستديرها فی غيره معد ويحرمان بالصحراء اذا لم يكن بينه وبين القبلة شئی ساتر۔** (نزل الابرار ص۵۳ ج۱)۔

مؤلف نے اسے چھوڑ کر استنجاء کے متعلق جو عبارت تھی اسے نقل کر دیا ہے۔ جس سے ان کا مقصود صرف اہل حدیث کو بدنام کرنا ہے اصلاح کرنا نہیں، ورنہ وہ علامہ موصوف کے اصل مؤقف کو سامنے

لاتے۔ باقی رہا استنجاء کا مسئلہ تو بے چارہ وحید الزمان ہی کیوں آنکھ کا شہتیر بنا ہوا ہے۔ فقہ حنفی کی متداول کتابوں میں لکھا ہے کہ کعبہ کی طرف منہ اور پیٹھ کر کے استنجاء کرنا جائز ہے۔
(فتاوی شامی ص۳۴۱ ج۱ و مستملی ص۳۸ وحاشیہ شرح وقایة ص۱۲۷ ج۱) حتی کہ دیوبندیت کے حکیم الامت اشرف علی تھانوی نے بھی، (امداد الفتاوی ص۸۶ ج۱) میں جائز لکھا ہے۔

باقی رہا خورشید صاحب کا مفتی رشید احمد لدھیانوی کے حوالے سے یہ تحریر کرنا کہ کراچی میں انہوں نے (اہل حدیث) نے اپنی مسجد کے استنجا خانے گرا کر ازسرنو قبلہ رخ تعمیر کرائے ہیں۔ وجہ پوچھنے پر ارشاد ہوا کہ یہ سنت چودہ سو سال سے مردہ تھی ہم نے اس کو زندہ کیا ہے۔ (حدیث اور اهل حدیث ص۲۱۲ بحواله احسن الفتاوی ص۱۰۹ ج۳)۔ یہ تمام قصہ محض الزام اور بہتان ہے بتایا جائے کراچی کے کس محلّہ میں یہ مسجد ہے اسے سنت قرار دینے والے مفتی صاحب کا اتا پتا کیا ہے۔ یقین جانئے یہ صرف سنی سنائی بات ہے جس کی شرعی حیثیت فقط اتنی ہے "**کفی بالمرأ کذبا ان یحدث بکل ما سمع**" یعنی کسی شخص کے جھوٹے ہونے کے لئے یہی کافی ہے کہ جو سنے وہی آگے بیان کردے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث۷)۔ علاوہ ازیں دیوبندی مکتب فکر سے علماء لدھیانہ کی اہل حدیث سے نفرت اور بغض کس حد تک ہے۔ یہ گروہ الزام تراشی، بہتان بازی، میں اپنی مثال آپ ہے۔ یہ اس خاندان کے چشم و چراغ ہیں جنہوں نے "**انتظام المساجد باخراج اهل الفتن و المفاسد**" میں لکھا کہ حکام اہل اسلام کو لازم ہے کہ ان کو قتل کریں اگر وہ لاعلمی کے عذر سے توبہ کریں تو ان کی توبہ قبول نہ کریں۔
(**بحواله فتاوی سلفیه ص۱۵۸**)۔

خاندانی روایات انسان کے گوشت پوست اور خون میں پیوست ہوتی ہیں۔ ان رسمی بندشوں سے نکلنا آسان نہیں۔ ابو الکلام ہر روز پیدا نہیں ہوتے۔ جس نے خاندانی اغلال و سلاسل کو ہوش و حواس سنبھالتے ہی تار تار کر دیا اور اپنے لئے خود اپنی دنیا بسا لی۔

فصل دوم

دلیل اول: عن ابی ایوب الانصاری (رضی اللہ عنہ) ان النبی ﷺ قال اذا اتیتم الغائط فلا تستقبلوا القبلة ولا تستدبروها ببول ولا غائط ولكن شرقوا وغربوا، قال ابو ایوب فقدمنا الشام فوجدنا مراحیض قد بنیت قبل القبلة فننحرف عنها ونستغفر الله۔

(مسلم ص۱۳۰ ج۲)۔

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا: کہ جب تم بیت الخلاء آؤ تو پیشاب پاخانہ کرتے وقت قبلہ کی طرف نہ رخ کرو نہ پیٹھ کرو، البتہ مشرق یا مغرب کی طرف رخ کرلو۔ حضرت ابو ایوب انصاری فرماتے ہیں کہ ہم لوگ ملک شام میں آئے تو ہم نے بیت الخلاء قبلہ رخ بنے ہوئے پائے ہم تو رخ تبدیل کر لیتے تھے، اور اللہ سے استغفار کر لیتے تھے۔ (حدیث اور اهل حدیث ص۲۰۷)۔

الجواب: اولاً حضرت ابو ایوب الانصاری رضی اللہ عنہ کا عمل حنفیہ کے موافق نہیں بلکہ مخالف ہے۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ "عنہا" کی ضمیر قبلہ کی طرف راجع ہے یا مراحیض کی طرف، اگر قبلہ کی طرف ہو تو تب معنی یہ بنتا ہے کہ ہم قبلہ سے معمولی انحراف کر لیتے تھے، اگر مراحیض کی طرف ہو تب معنی یہ بنتا ہے کہ ہم ان بیوت الخلاء میں بیٹھتے ہی نہ تھے۔ مولانا بنوری فرماتے ہیں کہ قبلہ کی جانب ضمیر کا لوٹانا اقرب ہے۔ (معارف السنن ص۹۰ ج۱)۔ اگر اس بات کو تسلیم کر لیا جائے تو بات واضح ہے کہ سیدنا ابو ایوب الانصاری رضی اللہ عنہ تھوڑے سے انحراف کے باوجود استغفار کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے اپنے کئے کی معافی طلب کرتے، حالانکہ احناف کے نزدیک یہ صورت بالکل جائز ہے۔ مولانا تقی عثانی فرماتے ہیں۔

اگر قبلہ سے معمولی انحراف بھی ہو جائے تو کراہت ختم ہو جاتی ہے یہاں تک کہ فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص وجہا مستقبل اور فرجا منحرف ہو تب بھی کراہت نہیں رہتی۔

(درس ترمذی ص۱۸۹ ج۱)۔

ثانیا: رہا مرفوع حدیث کا معاملہ تو اس میں مولانا محترم نے اپنی طرف سے بیت الخلاء کا لفظ داخل کیا ہے۔ الفاظ نبوی میں کوئی ایسا لفظ نہیں۔ الفاظ نبوی علیہ التحیۃ والسلام "الغائط" کے ہیں۔ جس کا معنی پست زمین ہوتا ہے اور یہ کنایۃ ہے کہ شرم و حیاء والا انسان پیشاب کے لئے گہری جگہ کا متلاشی ہوتا ہے۔ (لسان العرب ص۳۲۵ ج۷ "مادہ غوط")۔

اس لغوی معنی سے حدیث کا مفہوم واضح ہو جاتا ہے کہ اس سے مراد صحرا ہے، چنانچہ علامہ سندھی حنفی بخاری کے حاشیہ میں فرماتے ہیں۔

فالوجه ان حديث النهي من اصله مخصوص بالفضاء لايعم البناء اصلا۔ یعنی ممانعت کی حدیث کا تعلق خالص صحرا کے ساتھ مخصوص ہے بیت الخلاء وغیرہ کے متعلق نہیں۔ (بحواله مرعاة ص ۴۹ ج ۱)۔

اس لغوی معنی کوملحوظ رکھ کر امام بخاری رحمہ اللہ نے (صحیح بخاری ص ۲۶ ج ۱ میں)

باب لا يستقبل القبلة بغائط او بول الاعند البناء جدار او نحوه۔

کا عنوان لگا کر سیدنا ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی حدیث درج کر کے یہ بات سمجھائی ہے کہ اس حدیث کا تعلق کھلی جگہ اور فضاء سے ہے۔

ثالثا: اگر کوئی حنفی کہے کہ حدیث کا یہ معنی راوی حدیث کے خلاف ہے تو جوابا عرض ہے کہ راوی کا فہم فقط ہمارے ہی خلاف نہیں جناب کے بھی ہے۔ تفصیل گزر چکی ہے۔

دوسری دلیل: **عن ابی هريرة** رضی اللہ عنہ **عن رسول الله** صلی اللہ علیہ وسلم **قال اذا جلس احدكم على حاجته فلا يستقبلن القبلة ولا يستدبرها۔**

(مسلم ص ۱۳۱ ج ۱)۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب کوئی تم میں سے قضاء حاجت کے لئے بیٹھے تو ہرگز ہرگز قبلہ کی طرف رخ کرے نہ پیٹھ۔ (حدیث اور اهل حدیث ۲۰۸)۔

الجواب: اولاً: اس حدیث کے بعض طرق میں۔ (اذا اتيتم الغائط) کے الفاظ ہیں۔ (ابوداؤد رقم الحديث ۸، ابن ماجه رقم الحديث ۳۱۳، مسند احمد ص ۲۴۷ ج ۲)، اور بعض طرق میں "**اذا ذهب احدكم الغائط**" کے ہیں۔ (مسند حميدى ۹۸۸) و بيهقى ص ۱۰۲ ج، ابن حبان (موارد) ۱۲۸) ان الفاظ کوملحوظ رکھا جائے تو صحیح مسلم کی روایت "**اذا جلس احدكم على حاجته**" کا معنی واضح ہو جاتا ہے کہ اس سے مراد صحرا ہے۔

ثانیا: اس حدیث میں، (**وامر بثلاثه أحجار**) یعنی تین ڈھیلے استعمال کرنے کا حکم دیا۔ کے الفاظ بھی ہیں (حوالہ مذکورہ) اور یہ چیز حنفیہ کے خلاف ہے۔ کیونکہ ان کے نزدیک ڈھیلے کا عدد مسنون نہیں (هدايه فتح القدير ص ۱۸۷ ج ۱)۔ زیادہ سے زیادہ حنفیہ کے نزدیک مستحب ہے (مرقاة ص ۳۰۵ ج ۱)، غور کیجئے کہ اس حدیث میں استقبال و استدبار کی ممانعت ہے تو ساتھ ہی تین ڈھیلے استعمال کرنے کا حکم ہے۔ ممانعت کے حکم کو حرمت پر محمول کرتے ہیں اور تین ڈھیلے استعمال کرنے کے حکم کو مستحب کہتے ہیں، حالانکہ حنفیہ کے استدلال کے موافق تین ڈھیلوں کی فرضیت یا کم از کم وجوب ثابت ہوتا ہے۔ حدیث کے بعض طرق بھی اس کے مؤید ہیں۔ (**ولانستكفى بدون ثلاثة احجار**) یعنی تین پتھروں سے کم پتھر استنجاء میں کفایت نہیں کرتے۔ (سنن دار قطنى ص ۵۴ ج ۱)۔

مگر تقلید کا کرشمہ دیکھئے کہ ایک کو قبول کرلیا دوسرے کو رد کردیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

تیسری دلیل: **عن سهل بن حنيف ان النبی ﷺ بعثه قال انت رسولی الی اهل مكة قل ان رسول الله ﷺ ارسلنی يقراء عليكم السلام ويامركم بثلث لاتحلفوا بغير الله واذا تخليتم فلا تستقبلوا القبلة ولاتستدبروها ولا تستنجو بعظم ولا ببعرة۔**

(مسند احمد ص۴۸۷ ج۳)۔

سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے انہیں قاصد بنا کر بھیجا فرمایا تم میرے قاصد بن کر اہل مکہ کے پاس جاؤ اور ان سے کہو کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے بھیجا ہے۔ وہ تمہیں سلام کہتے ہیں اور تین چیزوں کا حکم دیتے ہیں (۱) غیر اللہ کی قسم نہ کھاؤ! (۲) جب بیت الخلاء میں جاؤ تو قبلہ کی طرف منہ نہ کرو نہ پیٹھ (۳) ہڈی اور مینگنی سے استنجاء نہ کرو۔ (حدیث اور اهل حدیث ص۲۰۸)۔

الجواب: اولاً اس کی سند میں۔ عبد الکریم بن ابی المخارق راوی ہے، ہیثمی فرماتے ہیں یہ ضعیف ہے، (مجمع الزوائد ص۲۰۵ ج۱)، امام دارمی نے بھی اسے روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ سند میں عبد الکریم راوی متروک ہے، (سنن دارمی ص۱۷۸ ج۱)۔ امام احمد، امام نسائی، امام دارقطنی نے بھی متروک قرار دیا ہے (میزان ص۲۴۶ ج۲)، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے، حبیب بن مخنف۔ کے ترجمہ میں عبد الکریم کو متروک لکھا ہے۔ (لسان المیزان ص۱۷۳ ج۲)، الغرض یہ روایت ضعیف ہے۔

ثانیاً: اگر ضعیف روایات بھی کسی شرعی مسئلہ کا حل ہیں تو دو ایک ضعیف ہم سے بھی سن لیجئے۔ **عن عبد الله بن الحارث بن جزء الزبيدی قال رايت رسول الله ﷺ يبول مستقبل القبلة۔**

(مجمع الزوائد۲۰۵ ج۱)۔

عبد اللہ بن حارث رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو کعبہ کی طرف منہ کر کے پیشاب کرتے دیکھا۔

عن عمار بن ياسر قال رايت النبی ﷺ مستقبل القبلة بعد النهی لغائط اوبول،

سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ منع کرنے کے بعد میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ قبلہ کی طرف منہ کر کے قضائے حاجت کرتے ہوئے۔

(مجمع الزوائد ص۲۰۵ ج۱، وفی نسخة الأخری ص۲۱۱ ج۱)۔

چوتھی دلیل: **عن سهل بن سعد قال قال رسول الله ﷺ اذا ذهب احدكم الخلاء فلا يستقبل القبلة ولايستدبرها۔**

(مجمع الزوائد ص۲۰۵ ج۱)۔

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی بیت الخلاء جائے تو قبلہ کی طرف رخ نہ کرے نہ پشت۔ (حدیث اور اھل حدیث۲۰۹)۔

الجواب: اولاً علامہ ھیثمی نے مجمع الزوائد کے مذکورہ مقام پر ہی لکھا ہے کہ "رواہ الطبرانی فی الکبیر وفیہ محمد بن واقدی وھو ضعیف" یعنی اسے طبرانی نے (معجم کبیر ص۱۲۸ ج۶) میں روایت کیا ہے اور سند میں واقدی راوی ضعیف ہے (مجمع الزوائدص۲۰۵ ج۱)۔ راقم عرض کرتا ہے واقدی کو امام احمد نے کذاب کہا ہے، ابن معین فرماتے ہیں لیس بشیء" ہیچ محض ہے۔اما بخاری، امام ابوحاتم نے متروک، امام نسائی اور ابو حاتم کہتے ہیں احادیث وضع کرتا تھا۔ (میزان الاعتدال ص۶۶۳ ج۳)۔

الغرض یہ روایت سخت ضعیف ہے۔

ثانیا: ضعیف کے بالمقابل ہم سے بھی ایک ضعیف سن لیجئے۔

عن خالد الحذاء عن خالد بن الصلت عن عراك بن مالك عن عائشة رضی اللہ عنہا قال ذكر عند رسول الله ﷺ قوم يكرهون ان يستقبلوا بفروجهم القبلة فقال اراهم قد فعلوها استقبلوا بمقعدني القبلة،،

ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک قوم کا ذکر ہوا جو قبلہ کی طرف اپنی شرمگاہیں کرنے کو مکروہ خیال کرتے تھے۔ تو آپ علیہ التحیۃ والسلام نے کہا کہ انہوں نے ایسے ہی کیا۔ میرے بیت الخلاء میں بیٹھنے کی جگہ کو قبلہ رخ کردو۔ (ابن ماجہ رقم الحدیث ۳۲٤)۔

پانچویں دلیل: **عن سلمان قال قال له بعض المشركين وهو يستهزئى به انى لارٰى صاحبكم يعلمكم كل شئى حتى الخرأة قال اجل امرنا ﷺ ان لانستقبل القبلة ولا نستدبرها۔**

(الحديث دارقطنى ص ۵۴ ج۱)۔

سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ان سے کسی مشرک نے استہزاءً کہا کہ تمہارے صاحب تو تمہیں ہر چیز سکھاتے ہیں حتی کہ پیشاب پاخانہ کا طریقہ بھی۔ آپ نے کہا کہ ہاں نبی ﷺ نے حکم دیا ہے کہ ہم قبلہ کی طرف نہ رخ کریں نہ پشت۔ (حدیث اور اھل حدیث ص۲۰۹)۔

الجواب: اولاً یہ روایت حنفیہ کے خلاف ہے، تفصیل کے لئے (تحفہ حنفیہ ص۸۲ ج۱) کی مراجعت کریں۔ ثانیا یہ روایت (صحیح مسلم ص۱۳۰ ج۱) میں بھی ہے مگر اس میں صرف استقبال کا ذکر ہے۔ استدبار کا نہیں۔ اور زیر بحث روایت میں استدبار کا اضافہ معلول ہے۔ علاوہ ازیں اس کی سند میں "الاعمش" راوی ہے جو کہ مدلس ہے جیسا کہ امام کرابیسی، امام نسائی اور دارقطنی نے صراحت کی

ہے۔ (طبقات المدلسین ص۳۳)۔ اور زیر بحث سند میں تحدیث کی صراحت نہیں۔ الغرض یہ روایت ضعیف ہے۔

چھٹی دلیل: **عن معقل بن ابی معقل الاسدی قال نهی رسول الله ﷺ ان نستقبل القبلتين ببول اوغائط۔**

(ابو داؤد ص۳ ج۱)۔

سیدنا معقل بن ابی معقل اسدی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں پیشاب پاخانہ کرتے وقت دونوں قبلوں کی طرف رخ کرنے سے منع فرمایا۔ (حدیث اوراھل حدیث۲۰۹)۔

الجواب: اولاً یہ حنفیہ کے موافق نہیں بلکہ مخالف ہے کیونکہ دونوں قبلوں سے مراد کعبہ اور بیت المقدس مراد ہیں۔ (بذل المجهود ص۸ ج۱)، (عون المعبود ص۷ ج۱)، اس روایت سے لازم آتا ہے کہ قبلہ اول بیت المقدس کی طرف منہ یا پیٹھ کر کے قضائے حاجت کرنا منع ہے، حالانکہ حنفیہ کے نزدیک استقبال واستدبار کی ممانعت فقط کعبہ کے ساتھ خاص ہے۔

ثانیا: مذکورہ روایت سنداً ضعیف ہے اس میں ایک راوی ابو زید ہے جو کہ مجہول ہے جیسا کہ امام علی بن مدینی اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے صراحت کی ہے۔(تهذیب ص۱۰۳ ج۱۲ ،(تقریب ۴۰۷) علامہ البانی نے اس روایت کوضعیف قرار دیا ہے۔(ضعیف ابن ماجه ٦٦) ،ضعیف ابوداؤد ۲)۔

ساتویں دلیل: **عن سلمة بن وهرام قال سمعت طاؤس قال قال رسول الله ﷺ اذا اتى احدكم البراز فليكرم قبلة الله فلا يستقبلها ولا يستدبرها، الحديث۔**

(دارقطنی ص۵۷ ج۱)۔

سیدنا سلمہ بن وھرام فرماتے ہیں کہ میں نے سیدنا طاؤس کو سنا کہ انہوں نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ تم میں سے کوئی پاخانہ کے لیے آئے تو اسے چاہئے کہ وہ اللہ کے قبلہ کا اکرام کرے۔ نہ اس کی طرف رخ کرے نہ پشت۔ (حدیث اور اهل حدیث ۲۱۰)۔

الجواب: اولاً یہ روایت مرسل ہے کیونکہ طاؤس تابعی ہیں۔ اور مرسل روایات ضعیف ہوتی ہیں۔ تفصیل مقدمہ میں عرض کردی گئی ہے۔

ثانیا: اس کی سند میں، زمعہ بن صالح راوی ضعیف ہے (تقریب ۱۰۸) امام احمد، امام ابن معین، امام ابو داؤد، امام عمرو بن علی، امام ابو حاتم ، امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے ضعیف کہا ہے۔

(تهذیب ص۳۳۹ ج۳)۔

علامہ البانی نے اس روایت کوضعیف قرار دیا ہے (الضعیفه۲۰۰۲)۔

ثالثا: امام وکیع نے یہی روایت زمعہ عن سلمہ عن طاؤس۔نقل کی ہے مگر اس میں مذکورہ حصہ نہیں صرف ایک دعا کا ذکر ہے۔(مصنف ابن ابی شیبہ ص۲ ج۱) جس سے ثابت ہوا کہ ضعیف ہونے کے علاوہ متن میں اضطراب بھی ہے۔

آٹھویں دلیل: عن ابی ھریرة رضی اللہ عنہ قال قال رسول الله ﷺ من لم یستقبل القبلة ولم یستدبرھا فی الغائط کتبت حسنة ومحی عنه سیئة۔

(مجمع الزوائد ص۲۰۶ ج۱)۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے بیت الخلاء میں نہ قبلہ کی طرف منہ کیا نہ پیٹھ کی تو اس کے لئے ایک نیکی لکھی جائے گی، اور ایک گناہ مٹادیا جائے گا۔ (حدیث اوراھل حدیث ۲۱۰)۔

الجواب: اولاً بیت الخلاء کا لفظ حدیث میں نہیں یہ انوار خورشید صاحب کا اپنی طرف سے اضافہ ہے، حدیث میں غائط، کا لفظ ہے اس کے متعلق پہلے عرض کردیا گیا ہے کہ کھلی فضاء اور نشیبی زمین کو کہتے ہیں الغرض یہ حدیث صحرا کے بارے میں ہے۔

ثانیا: اس کی سند میں ایک راوی یحییٰ بن ابی کثیر ہے۔(طبرانی اوسط ص۱۹۰ ج۲ (۱۳۴۳) اور یہ کثرت سے ارسال کرتے ہیں اور تدلیس بھی کرتے ہیں۔ (طبقات المدلسین ص۳۶) اور زیر بحث روایت میں تحدیث نہیں لہٰذا ضعیف ہے۔

ثالثا: کسی چیز کے متعلق ثواب کا منقول ہونا اس کے واجب ہونے کی دلیل نہیں کسی کو معاف کردینا باعث ثواب ہے۔مگر فرض واجب نہیں بلکہ بدلہ لینے کا جواز بھی ہے۔

(۱۷) باب جمعہ کے دن غسل کرنا واجب ہے

فصل اول

(۱) سیدنا ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ:

"ان رسول الله ﷺ قال غسل يوم الجمعة واجب على كل محتلم"

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جمعہ کے دن غسل کرنا ہر بالغ پر واجب ہے۔

(بخاری کتاب الجمعة باب فضل الغسل يوم الجمعة رقم الحديث ۸۷۹ ومسلم کتاب الجمعة باب وجوب غسل الجمعة على...... رقم الحديث ۱۹۵۷)۔

(۲) سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ:

"ان رسول الله ﷺ قال اذا جاء احدكم الجمعة فليغتسل"

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص جمعہ (کے لیے) آئے وہ غسل کرے۔

(بخاری باب سابق رقم الحدیث ۸۷۷، مسلم کتاب الجمعة باب سابق رقم الحديث ۱۹۵۱، ۱۹۵۲، ۱۹۵۳، ۱۹۵۴)۔

(۳) سیدنا ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ رواى ہیں کہ نبی مکرم ﷺ نے فرمایا کہ:

حق على كل مسلم ان يغتسل في كل سبعة ايام يوم يغسل فيه راسه وجسده"

ہر مسلمان پر واجب ہے کہ وہ سات دنوں میں سے کسی دن غسل کرے (اور) جمعہ کے روز غسل کرے سر اور پورے جسم کو دھوئے۔ (بخاری کتاب الجمعة باب هل على من لم يشهد الجمعة غسل من النساء...... رقم الحديث ۸۹۷)، مسلم کتاب الجمعة باب وجوب غسل الجمعة ...... رقم الحديث ۱۹۶۳)۔

(۴) سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ:

"ان رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم يامر بالغسل" یعنی رسول اللہ ﷺ جمعہ کے لئے غسل کرنے کا حکم دیا کرتے تھے۔

(بخاری باب سابق رقم الحدیث ۸۷۸، مسلم کتاب الجمعة رقم الحديث ۱۹۵۵)۔

(۵) سیدنا ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ:

قال رسول الله ﷺ غسل يوم الجمعة واجب على كل محتلم كغسل الجنابة۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ جمعہ کے دن غسل ہر بالغ (مسلمان) پر واجب ہے، جیسے جنابت کا غسل واجب ہے۔

(صحیح ابن حبان رقم الحديث ۱۲۲۶، موارد الظمان رقم الحديث ۵۶۳)۔

امام ابن حبان رحمہ اللہ نے صحیح کہا ہے، اورحافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری ص۲۹۰ ج۱ میں اس پرسکوت کیا ہے اور مبتدعین دیابنہ کو اعتراف ہے کہ فتح الباری میں جس روایت پر حافظ ابن حجر سکوت کریں وہ کم از کم حسن ہوتی ہے۔

(قواعد فی علوم الحدیث ص۸۹، درس ترمذی ص۷۴ ج۱،معارف السنن ۳۸۵ ج۱)۔

(۶) سیدنا جابر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ:

"قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم علی کل رجل مسلم فی کل سبعة ایام غسل یوم وهو یوم الجمعة"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر مسلمان مرد پر سات دنوں میں سے ایک دن غسل کرنا لازم ہے اوروہ جمعہ کا دن ہے۔

(سنن نسائی کتاب الجمعة باب ایجاب الغسل یوم الجمعه، الحدیث ۱۳۷۹، ابن حبان رقم الحدیث ۱۲۱۶)۔

(۷) سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ:

"قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم حقا علی المسلمین ان یغتسلوا یوم الجمعة ولیمس من طیب اهله فان لم یجد فالماء له طیب"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ مسلمانوں پر ہر جمعہ کے دن غسل کرنا واجب ہے۔ اور اپنی بیوی کی خوشبو سے (کچھ) لگانا، اور اگر وہ میسر نہ ہوتو پانی ہی اس کی خوشبو ہے۔

(ترمذی کتاب الجمعة باب فی السواك والطیب یوم الجمعه الحدیث ۵۲۸، مسند احمد ص۲۸۲ ج۴، ابو یعلی ص۲۸۰ ج۲، رقم الحدیث ۱۶۵۵، مصنف ابن ابی شیبه ص۱۵۵ ج۲)۔

وللفظ لابی یعلی، وان یمس من الطیب ان کان عند اهله، ولفظ ابن ابی شیبه وان یمسه طیب ان کان عنده۔

امام ترمذی نے اس حدیث کوحسن قرار دیا ہے، جو شواہد کی وجہ سے ہے۔ کیونکہ سندا یہ روایت ضعیف ہے۔ اس میں راوی یزید بن ابی زیاد، ہے جوضعیف ومختلط ہے۔

اور تلقین کوقبول کرلیتا تھا۔ علامہ البانی نے اس روایت کوضعیف قرار دیا ہے۔

(تحقیق مشکوٰۃ ۱۴۰۰)۔

(۸) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

"اوصانی خلیلی صلی اللہ علیہ وسلم بثلاث لا ادعهن ابدا الوتر قبل النوم وصوم ثلاثة ایام من کل شهرو الغسل یوم الجمعة"

نبی مکرم ﷺ نے مجھے تین چیزوں کی وصیت فرمائی کہ انہیں کبھی بھی نہ چھوڑنا۔
(۱) سونے سے پہلے وتر، (۲) ہر مہینے میں تین روزے (۳) اور جمعہ کے دن غسل کرنا۔
(مسند ابو یعلی ص ۴۵۴ ج۵، مسند طیالیسی رقم الحدیث ۲۴۷۱، مسند احمد ۲۲۹، ۲۳۳، ۲۵۴، ۲۶۰، ۲۷۱، ۳۲۹، ۴۷۲، ۴۸۹ ج۲)۔

(۹) ایک انصاری صحابی رضی اللہ عنہ راوی ہے کہ: "قال رسول اللہ ﷺ حق علی کل مسلم ان یغتسل یوم الجمعة و ان یتطیب من طیب ان کان عنده"
رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ ہر ایک مسلمان پر جمعہ کے دن غسل کرنا واجب ہے، اور اگر اس کے پاس خوشبو ہو تو وہ بھی لگائے۔ (شرح معانی الأثار للطحاوی ص ۸۲ ج ۱)۔

(۱۰) سیدنا ابی ایوب انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:
"قال رسو ل اللہ ﷺ یامعشر المسلمین من جاء منکم الجمعة فلیغسل" الحدیث۔
رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے مسلمانوں کا گروہ! تم میں سے جو بھی جمعہ کے لئے آئے وہ غسل کرے۔ (طبرانی کبیر ص ۱۴۹ ج ۴ رقم الحدیث ۳۹۷۱)۔
هیثمی فرماتے ہیں کہ اس کی سند میں معاویہ بن یحییٰ صدفی راوی ہے جس میں کلام کثیر ہے۔
(مجمع الزوائد ص ۱۷۲ ج ۲)۔

(۱۱) سیدنا جابر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ:
"عن النبی ﷺ الغسل یوم الجمعة واجب علی کل محتلم" نبی مکرم ﷺ نے فرمایا: ہر بالغ پر جمعہ کے دن غسل کرنا واجب ہے۔
(طبرانی الاوسط ص ۱۴۶ ج ۵ رقم الحدیث ۴۲۷۹)۔
ھیثمی فرماتے ہیں کہ اس کی سند میں عبداللہ بن محمد بن سعید راوی سخت ضعیف ہے۔
(مجمع الزوائد ص ۱۷۶ ج ۲)۔
راقم عرض کرتا ہے کہ امام طحاوی نے (شرح معانی الأثار ص ۸۲ ج ۱) میں اس کو ایک دوسری سند سے بھی روایت کیا ہے جس کے تمام راوی ثقہ ہیں لیکن اس میں ابو زبیر مدلس ہے اور روایت معنعن ہے الغرض یہ شاہد کی وجہ سے حسن ہے۔

(۱۲) سیدنا ابی امامۃ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ:
قال رسول اللہ ﷺ اغتسلوا یوم الجمعة فانه من اغتسل یوم الجمعة فله کفارة ما بین الجمعة و زیادة ثلاثة ایام۔
رسول ﷺ نے فرمایا: کہ جمعہ کے دن غسل کرو۔ جس نے جمعہ کے روز غسل کیا اس کے لئے یہ

غسل جمعہ سے لے کر اگلے جمعہ تک مزید تین دن کے گناہوں کا کفارہ ہے۔
(طبرانی کبیر ص۱۷۸ ج۸ رقم الحدیث ۷۷۴۱، طبرانی الاوسط ص۴۱ ج۸ رقم الحدیث ۷۰۸۳)۔

ھیثمی فرماتے ہیں کہ اس کی سند میں سوید بن عبدالعزیز راوی ہے جس کو امام احمد اور ابن معین نے ضعیف اور امام دحیم نے ثقہ کہا ہے (مجمع الزوائد ص۱۷۳ ج۲)۔

اس سلسلہ میں مزید دس بارہ احادیث بھی پیش کی جاسکتی ہیں۔ باذوق حضرات کنز العمال کتاب الصلوٰۃ الباب السادس والخامس کا مطالعہ کرلیں۔ ان احادیث مبارکہ میں صریحا واجب کا لفظ ہے۔ ملاحظہ ہو حدیث (۱،۵،۱۱) اور بعض میں حق کا لفظ ہے۔ ملاحظہ ہو حدیث (۳،۷،۹) اور حدیث نمبر ۵ میں صاف الفاظ ہیں کہ یہ غسل جنابت کی طرح واجب ہے۔ اور بقایا احادیث میں نبی مکرم ﷺ نے جمعہ کے دن غسل کرنے کا حکم وارشاد فرمایا ہے۔

امام بیہقی نے، (السنن الکبریٰ ص۱۸۸ ج۳) میں ان احادیث کو نقل کر کے جمعہ کے روز غسل کرنے کو سنت قرار دیا تھا۔ جس کا رد کرتے ہوئے، علامہ ماردینی حنفی فرماتے ہیں کہ:

"قلت ظاهر الامر الوجوب وكذا الحديث الذى بعده ورد بلفظ الامر و الحديث الخدرى صرح فيه بلفظ الوجوب، فهذه الاحاديث غير مناسبه لهٰذا الباب وقوله عليه السلام فى حديث ابى هريرة رضی اللہ عنہ حق على كل مسلم ان يغتسل الاظهر فى استعمال حق انها بمعنى الواجب"

(سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں امر ہے) اور میں کہتا ہوں کہ یہ بات عیاں ہے کہ امر وجوب کے لئے ہے۔ جیسا کہ اس کے بعد والی حدیث میں بھی امر (حکم) ہے اور حدیث ابی سعید الخدری میں تو صریحا وجوب کا لفظ ہے لہٰذا یہ احادیث اس باب کے مناسب نہیں۔ اور آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ فرمان "حق على كل مسلم ان يغتسل" (سے بھی وجوب ہی ثابت ہوتا ہے کیونکہ) حق کے لفظ کا استعمال بمعنی واجب ظاہر ہے۔
(الجوھر النقی ص۱۸۸ ج۳)۔

حکم سے وجوب ثابت ہوتا ہے:

مذکورہ حوالے کے علاوہ ہم مناسب خیال کرتے ہیں کہ مبتدعین دیابنہ کے اکابرین سے بھی اس کی تصدیق کروادیں۔ چنانچہ (۱) علامہ مرغینانی نے، ھدایہ مع فتح القدیر ص۳۶۹ ج۱، میں (۲) علامہ خوازمی نے الکفایہ ص۳۷۰ ج۱ میں، (۳) علامہ کاسانی نے بدائع الصنائع ص۲۷۱ ج۱ میں، (۴) علامہ ابن نجیم

نے البحرالرائق ص۳۷ ج۲ میں ،(۵) علامہ حلبی نے مستملی ص۴۱۱ میں، (۶) علامہ شرنبلالی نے مراقی الفلاح ص۴۷-۳ میں ، (۷) ملا علی القاری نے، مرقاۃ ص۱۶۴ ج۳ میں، (۸) دیوبند کے مفتی اعظم مولوی رشید احمد گنگوہی نے، الکوکب الدری ص۱۸۹ ج۱ میں، (۹) مولوی احمد علی سہارنپوری نے حاشیہ بخاری ص۱۳۶ ج۱ میں، (۱۰) مولوی خلیل احمد نے، بذل المجھود ص۳۲۱ ج۲ میں (۱۱) مولوی ظفر احمد تھانوی نے، اعلاء السنن ص۱۴ ج۶ میں ، (۱۲) مولوی شبیر احمد عثمانی نے، فتح الملہم ص۳۰۰ ج۲ میں، (۱۳) مولوی زکریا نے، اوجز المسالک ص۴۳۰ ج۱ میں، (۱۴) مفتی رشید احمد لدھیانوی نے احسن الفتاوی ۵۰۳ ج۳ میں (۱۵) مولوی تقی عثمانی نے، درس ترمذی ص۲۰۹ ج۲ میں (۱۶) مولوی سرفراز خاں صفدر نے، خزائن السنن ص۱۵۵ جلد اول حصہ دوم میں، (۱۷) اور خود ہمارے معاصر مولوی انوار خورشید نے حدیث اور اہل حدیث ۵۵۱ میں لکھا ہے۔

اور امر (حکم) سے وجوب ثابت ہوتا ہے۔

قارئین کرام یہ ڈیڑھ درجن سے حوالے اس بات کا ثبوت ہیں کہ مبتدعین دیابنہ کا اس پر اتفاق و اتحاد ہے کہ حکم سے وجوب ثابت ہوتا ہے۔اورمذکورہ احادیث میں جمعہ کے روز غسل کرنے کا حکم نبوی موجود ہے۔جس سے حنفی اصول کے موافق بھی جمعہ کا غسل واجب ثابت ہوتا ہے۔

آثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

(۱،۲) سیدنا عمر فاروق کا قول اور سیدنا ابن عباس کا وجوب غسل کے متعلق فرمان آگے فصل دوم میں آرہا ہے۔

(۳) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

”غسل یوم الجمعة واجب علی کل محتلم کغسل الجنابة“

ہر بالغ پر جمعہ کا غسل واجب ہے جیسا کہ جنابت کا غسل واجب ہے۔

(موطا امام مالك باب العمل فی غسل یوم الجمعة، مصنف عبد الرزاق ۵۳۰۵)۔

امام عبدلرزاق نے امام مالک کی سند کے علاوہ بھی دو سندوں سے سیدنا ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے۔ (مصنف عبد الرزاق ۵۲۹۷،۵۲۹۸)۔

(۴) سیدنا عمار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

”رجلا فاستطال علیه فقال اناذا انتن من الذی لایغتسل یوم الجمعه“

ایک شخص نے آپ پر تکبر کیا تو آپ نے فرمایا: کہ کیا میں اس شخص سے بھی زیادہ گندہ ہوں جو جمعہ کے روز غسل نہیں کرتا؟ (مصنف ابن ابی شیبه ص۹٤ ج۲)۔

(۵) سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

"حق علی کل مسلم غسل یوم بین سبعة ایام وهو یوم الجمعة"

ہر مسلمان پر سات دنوں میں سے ایک دن غسل کرنا لازم ہے اور وہ جمعہ کا دن ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص ۹۵ ج۲)۔

(۶) سیدنا امام عبد اللہ بن سعد فرماتے ہیں کہ:

"کان ابن عمر رضی اللہ عنہ اذا حلف قال انا اذا شر ممن لایغتسل یوم الجمعة"

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ جب قسم اٹھاتے تو کہتے: (اگر میری قسم جھوٹی ہوتو) میں اس شخص سے بھی بدتر جو جمعہ کے دن غسل نہیں کرتا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ص۹۵ ج۲)۔

(۷تا۱۰) سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میرے خیال میں کوئی مسلمان جمعہ کا غسل ترک نہیں کرتا، سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ جب کسی چیز کے متعلق اظہار رائے کرتے تو فرماتے کیا میں اس شخص سے بھی زیادہ احمق ہوں جو جمعہ کے دن غسل نہیں کرتا۔ سیدنا ابی سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے جمعہ کے دن کا غسل نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے واجب فرمایا۔ (المحلی بالآثار ص۲۵٦ ج۱)۔

فصل دوم

(۱) عن ابی هریرة رضی اللہ عنہ قال قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم من توضأ فاحسن الوضوء ثم أتی الجمعة فدنی واستمع وانصت غفرله ما بینه وبین الجمعة وزیادة ثلثة ایام ومن مس الحصا فقد لغا۔

(رواه الترمذی وقال هذا حدیث حسن صحیح ص ۱۱۲ ج۱)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے خوب اچھی طرح وضو کیا پھر نماز جمعہ کے لئے آیا اور قریب ہوکر کان لگائے اور خاموش رہا تو اس جمعہ سے اگلے جمعہ اور مزید تین دن کے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔ اور جس نے کنکریوں کو چھوا اس نے لغو کام کیا۔ (حدیث اور اهل حدیث ص۲۱٤ ج۱)۔

الجواب: اولاً مولانا عثمانی نے، اعلاء السنن ص۲۳۱ ج۱ میں چونکہ ترمذی سے نقل کیا ہے اسے لئے ہمارے بھائی نے بھی ان کی تقلید میں ترمذی کا ہی حوالہ دیا ہے۔ حالانکہ یہ حدیث صحیح مسلم ۲۸۳ ج۱ (۱۹۸۸) میں بھی ہے۔ صرف "فدنی" کے الفاظ نہیں۔

ثانیاً: اس حدیث میں غسل کی نفی نہیں، عدم ذکر عدم شئی کو مستلزم نہیں ہوتا۔

ثالثاً: اس حدیث میں اس شخص کا ذکر ہے جو غسل کے بعد وضو کر کے آئے، چنانچہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہی حدیث ان الفاظ سے مروی ہے۔ "**من اغتسل ثم أتى الجمعة فصلى ما قدر له ثم انصت حتى يفرغ من خطبة ثم يصلي معه غفر له ما بين وبين الجمعة الاخرىٰ وفضل ثلاثة ايام**" یعنی جو شخص غسل کر کے نماز جمعہ کے لئے آیا جس قدر اسے میسر ہوا نماز (نفل) پڑھی پھر خاموش رہا یہاں تک خطیب خطبہ جمعہ سے فارغ ہو گیا۔ پھر جماعت کے ساتھ نماز ادا کی تو اس جمعہ سے دوسرے جمعہ کے درمیان اور مزید تین دن کے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔ (صحیح مسلم ص ۲۸۳ ج ۱ رقم الحدیث ۱۹۸۷)۔

یہ حدیث سند کے لحاظ سے پہلی حدیث سے فائق ہے کیونکہ وضو والی روایت میں "الاعمش" راوی مدلس ہے اور تحدیث کی صراحت بھی نہیں۔ پھر یہ مفصل ہے جس میں غسل کا ذکر ہے۔

قارئین کرام آپ اس تفصیل سے ہمارے مخاطب کی مجبوری بھی بخوبی سمجھ گئے ہوں گے کہ مسلم کی بجائے ترمذی شریف کا حوالہ کیوں دیا ہے۔ نہیں سمجھ سکے تو آیئے ہم آپ کو بتاتے چلیں کہ مسلم کے حوالے سے نقل کرنے میں اس بات کا خدشہ تھا کہ قارئین نے اگر مراجعت کی تو وضو والی حدیث کے اوپر ہی غسل والی حدیث ہوگی جس سے پڑھنے والا ہمارے استدلال کی کمزوری سے بخوبی واقف ہو جائے گا، اس کمزوری پر پردہ ڈالنے کے لئے یہ مخلص تلاش کیا گیا ہے۔

(۲) **عن سمرة بن جندب قال قال رسول الله ﷺ من توضاء يوم الجمعة فبها ونعمت ومن اغتسل فالغسل افضل۔**

(ترمذی ص ۱۱۱ ج ۱، ابو داؤد ص ۵۱ ج ۱)۔

سیدنا سمرۃ بن جندب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ جس شخص نے جمعہ کے دن وضو کیا تو خیر اچھا کیا اور جس شخص نے غسل کیا تو غسل افضل ہے۔

(حدیث اور اھل حدیث ص ۲۱۵)۔

الجواب: اولاً بلاشبہ غسل وضو سے افضل ہے اس میں کلام نہیں۔ دلیل یہ دیجئے کہ جمعہ کے دن غسل واجب نہیں۔ باقی رہا آپ کا استدلال باطل کہ غسل واجب نہیں افضل ہے (ص ۲۱۸) تو جواباً عرض ہے کہ قرآن کریم میں ہے۔ "**ولو امن اهل الكتاب لكان خيرا لهم**" (آل عمران آیت ۱۱۰) اور اگر اہل کتاب ایمان لاتے تو ان کے لئے بہتر تھا (۳۔۱۱۰)۔

وضاحت کیجئے کیا اہل کتاب پر ایمان لانا فرض نہیں۔

ثانیاً: اس کی سند میں حسن بصری ہیں وہ کبھی سمرۃ بن جندب رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں، کبھی سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے، کبھی سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے، کبھی عبد الرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے اور کبھی سیدنا جابر رضی اللہ عنہ

ہے۔ (الضعفاء الکبیر للعقیلی ص١٦٧ ج١)، (نصب الرایة ص٩٢، ٩٣ ج١)۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"وله علتان احدهما انه من عنعنة الحسن والأخرى انه اختلف عليه فيه واخرجه ابن ماجه من حديث انس والطبرانی من حديث عبد الرحمن بن سمرة والبزار من حديث ابی سعيدو ابن عدی من حديث جابر وكلها ضعيفة"۔

یعنی اس میں دو علتیں ہیں پہلی تو یہ کہ حسن بصری (مدلس ہے اور صیغہ) عن سے روایت کر رہا ہے۔ دوسری یہ کہ اس پر یہ روایت مختلف ہوگئی ہے۔ ابن ماجہ میں انس رضی اللہ عنہ سے طبرانی میں عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے بزار میں ابی سعید رضی اللہ عنہ سے اور ابن عدی ؒمیں جابر رضی اللہ عنہ سے ہے۔ اور یہ تمام کی تمام ضعیف ہیں۔ (فتح الباری ص٢٨٩ ج٢)۔

ثالثاً: حسن بصری کا سیدنا سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے سماع بھی محل نظر ہے۔ امام علی بن مدینی کے نزدیک ثابت ہے۔ امام ابن حبان، امام ابن معین اور شعبہ کے نزدیک سماع ثابت نہیں۔ امام نسائی، امام دارقطنی، امام عبدالحق، امام بزار وغیرہ کہتے ہیں کہ صرف عقیقہ کی حدیث کا ہی سماع ثابت ہے۔ (نصب الریہ ص٨٩ ج١) آخری قول ہی حق وصواب ہے۔ خود متبدعین دیابنہ کے نزدیک بھی حسن بصری کا سیدنا سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے سماع محقق نہیں۔ تفصیل اس اجمال کی یہ کہ امام حسن بصری سیدنا سمرۃ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔

"ان النبی ﷺ من قتل عبده قتلناه ومن جدع عبده جدعناه"

نبی مکرم ﷺ نے فرمایا: جو شخص اپنے غلام کو قتل کرے گا ہم اس کو قتل کریں گے، اور جو اپنے غلام کا عضو (ناک کان وغیرہ) کاٹے گا ہم اس کا عضو کاٹیں گے۔

(مسند احمد ص١٠ ج٥)، (ابو داؤد رقم الحدیث ۴۵۱۵)، (ترمذی ۱۴۱۴)، (ابن ماجہ ۲۶۶۳)، (نسائی ۴۷۴۰، ۴۷۴۱، ۴۷۴۲)۔

حنفی اس حدیث کو تسلیم نہیں کرتے عذر یہ پیش کرتے ہیں کہ حسن کا سیدنا سمرہ سے سماع مختلف فیہ ہے لہٰذا روایت میں ضعف ہے۔

(حاشیہ سنن ابی داؤد ص۲۶۴ ج۲ از مولوی فخر الحسن دیوبندی)۔

دیکھا آپ نے جب حسن بصری سیدنا سمرہ رضی اللہ عنہ سے ان کے تقلیدی مذہب کے خلاف روایت نقل کرتا ہے تو یہ ضعیف کہہ کر پلہ چھڑا جاتے ہیں لیکن جب موافق نقل کرتا ہے تو اسے دلیل بناتے ہیں۔ یہ دین میں خواہشات کی پیروی نہیں تو اور کیا ہے؟ الغرض یہ روایت کوفی فقہ کے دیوبندی خراد پر بھی ضعیف ہے۔

(۳) "عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال قال رسول الله ﷺ ان هذا يوم عيد جعله الله للمسلمين فمن جاء الجمعة فليغتسل وان كان طيب فليمس وعليكم بالسواك"

(ابن ماجه ص۷۷)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک یہ عید کا دن ہے جسے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لئے خاص کر دیا ہے، پس جو شخص جمعہ کی نماز پڑھنے آئے اسے چاہیئے کہ وہ غسل کر لے اور اگر خوشبو ہو تو وہ بھی لگا لے اور تم پر مسواک لازم ہے۔

وجہ استدلال میں فرماتے ہیں کہ غسل کے ساتھ خوشبو لگانے اور مسواک کرنے کا بھی حکم دیا ہے اس سے بھی معلوم ہوا کہ غسل واجب نہیں ورنہ غسل کے ساتھ خوشبو لگانے اور مسواک کرنا بھی واجب ہوتا۔ (حدیث اور اهل حدیث ص۲۱۵، ۲۱۸)۔

الجواب: اولاً اگر ہم یہ کہہ دیں کہ خوشبو لگانا اور مسواک کرنا بھی واجب ہے اور اس پر سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا صحیح سند کے ساتھ فتویٰ بھی موجود ہے۔

(فتح الباری ص۲۸۹ ج۲، السعاية ص۳۲۶ ج۱)۔

تو بتایئے محترم آپ کے پاس اس جھوٹ کا کیا جواب ہے کہ اس کا کوئی بھی قائل نہیں ص۲۱۸۔

ابن ماجہ کی سند میں صالح بن ابی الاخضر راوی ضعیف ہے۔ (تقریب ص۱٤۷)۔ اور صالح نے اس روایت کو امام زہری سے نقل کیا ہے جب کہ زہری سے یہ روایت امام مالک رحمہ اللہ بھی نقل کرتے اور وہ مرسل بیان کرتے ہیں۔ امام بیہقی فرماتے ہیں کہ یہی صحیح ہے اور موصول درست نہیں (السنن الکبریٰ ص۲۴۳ ج۳) حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی اس روایت کو ضعیف کہا ہے۔ پھر امام مالک نے جو روایت بیان کی ہے اس کے الفاظ۔ "ومن كان عنده طيب فلا يضره ان يمس منه" یعنی جس کے پاس خوشبو ہو تو اس پر کوئی حرج نہیں کہ وہ اسے لگا لے۔

(بيهقی ص۲۴۳ ج۳)۔

خلاصہ کلام یہ کہ یہ روایت دراصل مرسل ہے اسے موصول بیان کرنے میں صالح بن ابی الاخضر نے خطا کی ہے، اور مرسل روایت کے الفاظ سے مؤلف کا استدلال باطل ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ غسل کا تو حکم دیا ہے۔ اور خوشبو کو میسر ہونے پر "فلا یضر" سے تعبیر کیا ہے۔

ثالثاً: اس حدیث میں بہرحال نبی ﷺ نے غسل کا حکم دیا ہے۔

(۴) "عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ قال من السنة الغسل يوم الجمعة"

(مجمع الزوائد ص۱۷۳ ج۱)۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جمعہ کے دن غسل کرنا سنت ہے۔

(حدیث اور اھل حدیث۲۱۵)۔

الجواب: اولاً یہ اثر مصنف عبد الرزاق ص۲۰۰ ج ۲، مصنف ابن ابی شیبہ ص۹۶ ج۲ میں بھی ہے۔ اور بلاشبہ سنداً صحیح ہے۔ مگر حنفیہ کا مؤقف اس سے ثابت نہیں ہوتا، کیونکہ ان کے نزدیک غسل جمعہ سنت نہیں مستحب ہے (فتح القدیر ص۵۸ ج ۱)، (والبحر الرائق ص٦٤ ج ۱)، (اعلاء السنن ص۲۳۳ ج ۲)۔ اور مستحب تو معمولی چیز ہے اس کے تارک پر کوئی نکیر نہیں جب کہ سنت کا تارک گمراہ ہوتا ہے ابن عابدین فرماتے ہیں: ''السنن المؤکدة القریبة من الواجب التی یضلل تارکها لأن ترکها استخفاف بالدین'' یعنی سنت مؤکدہ واجب کے قریب قریب ہے جس کا تارک گمراہ ہے کیونکہ اس کا ترک کرنا دین کے ساتھ استخفاف ہے۔ (فتاوٰی شامی ص۱۰۳ ج ۱)۔

ایمان سے کہنا اور اپنے ضمیر سے پوچھ کر بتانا کہ آپ حضرات غسل جمعہ کے تارک پر گمراہی اور استخفاف بالدین کا فتوی لگاتے ہیں؟ نہیں یقیناً نہیں۔ محترم آپ کے نزدیک تو جمعرات کے روز کا غسل بھی جمعہ کے لئے کفایت کرجاتا ہے۔ (احسن الفتاوی ص۱۵۱ ج ۱)۔

قارئین کرام یہ سنت پر عمل ہے یا اس کے ساتھ مذاق؟ لا حول ولا قوة الا باللہ العلی العظیم۔

ثانیا: یہ قول صحابی ہے جو فرمان نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔

(۵) ''عن علی قال یستحب الغسل یوم الجمعة ولیس بحتم''

(رواه الطبرانی فی الاوسط ورجاله ثقات مجمع الزوائدص۱۷۵ ج۲)۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جمعہ کے دن غسل کرنا مستحب ہے واجب نہیں۔

(حدیث اور اھل حدیث ص۲۱۵)۔

الجواب: اولاً سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرنے والا راوی ''ابو البختری سعید بن فیروز کوفی ہے۔ (طبرانی الاوسط ص۱۰۵ ج۳ رقم الحدیث ۲۲۱٤)۔

امام ابن معین فرماتے ہیں کہ اس کا سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے سماع نہیں۔ امام ابن سعد فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے کثرت کے ساتھ مرسل روایت کرتا ہے۔ لہٰذا جن احادیث میں سماع کی صراحت ہے وہ حسن ہیں دوسری ضعیف ہے۔

(تهذیب التهذیب ص۶۵ ج۴ تهذیب الکمال ص۱۹۱ ج۳)۔

امام ابو حاتم فرماتے ہیں کہ ابو بختری نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو نہیں پایا۔ (مراسیل ابن ابی حاتم ص۷٦)۔ الغرض یہ روایت بوجہ منقطع ہونے کے ضعیف ہے۔

ثانیا: مقدمہ میں تفصیل گزر چکی ہے کہ جس مسئلہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مختلف فیہ ہوں وہاں ان

کے اقوال حجت نہیں ہوتے اور زیر بحث مسئلہ میں اختلاف ہے ،علاوہ ازیں احادیث نبوی علیہ التحیۃ والسلام کا ان ضعیف روایات کے ساتھ کوئی تقابل ہی نہیں۔

(٦) عن عكرمة ان ناس من اهل العراق جاء وا فقالوا يا ابن عباس اترى الغسل يو م الجمعة واجبا قال لا ولكنه اطهر وخير لمن اغتسل ومن لم يغتسل فليس بواجب۔

(الحدیث ابو داؤد ص۱۵ ج۱)۔

حضرت عکرمہ سے مروی ہے کہ کچھ اہل عراق (حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس) آئے اور کہنے لگے ابن عباس رضی اللہ عنہ کیا تم جمعہ کے دن غسل کرنے کو واجب سمجھتے ہو؟ آپ نے فرمایا: نہیں البتہ زیادہ پاکیزگی کا سبب ہے اور جو غسل کرے اس کے لئے بہتر ہے اور جو نہ کرے تو واجب بھی نہیں ہے۔

(حدیث اور اہل حدیث ص۲۱٦)۔

الجواب: اولا یہ حدیث عمرو بن ابی عمرو عن عکرمہ کے طریق سے مروی ہے اور یہ طریق حنفیہ کے نزدیک ضعیف ہے تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ، (سنن ابی داؤد کتاب الحدود باب فيمن أتي بهيمة الحديث ٤٤٦٤) میں عمرو بن ابی عمرو عن عکرمۃ عن ابن عباس رضی اللہ عنہ مرفوعا مروی ہے۔

"من أتي بهيمة فاقتلوه واقتلوها معه" یعنی جو شخص چار پائے سے وطی کرے اسے بھی اور جانور (دونوں) کو قتل کردو۔ یہ حدیث چونکہ کوفی فقہ کے خلاف ہے اس لئے کہتے ہیں کہ ضعیف ہے۔ (اعلاء السنن ص٦٠٠ ج۱۱) علامہ زیلعی فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عمرو بن ابی عمرو صدوق تو ہے مگر عکرمہ سے مناکیر روایت کرتا ہے، (نصب الراية ص ٣٤٠ ج ٣) غور کیجئے کہ کوفی فقہ کی وکالت میں اس کو ضعیف قرار دیا جارہا ہے، مگر افسوس کہ اس ساری کاروائی کو بھول کر عمرو بن ابی عمرو عن عکرمہ کی روایت سے استدلال کرلیا ہے یہ حدیث کی نہیں تقلید کی پیروی ہے۔

ثانیا: یہ حدیث سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے آگے جو انہوں نے حدیث بیان فرمائی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں۔ "ایھاالناس! اذا كان هذا اليوم فاغتسلوا (الحديث)۔

یعنی نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگو! جب یہ دن (جمعہ) کا ہو تب غسل کیا کرو۔ (سنن ابی داؤد ص٥١ ج١ رقم الحديث ص٣٥٣)۔

الفاظ نبوی علیہ التحیۃ والسلام میں حکم ہے اور مولانا انوار خورشید کے نزدیک حکم سے وجوب ثابت ہوتا ہے۔ (حدیث اور اهل حدیث ص٥٥١)۔

اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ یہ دلیل آپ کے خلاف ہے۔

ثالثا: سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کا پورا قول آپ نے نقل نہیں کیا،آپ کے نقل کردہ الفاظ کے آگے مفصل حدیث اس طرح ہے۔

"وسأخبركم كيف بدء الغسل كان الناس مجهودين يلبسون الصوف ويعملون على ظهوره كان مسجدهم ضيقا مقارب السقف انما هو عريش فخرج رسول الله ﷺ في يوم حار وعرق الناس في ذلك الصوف حتى ثارت منهم رياح ، اذى بذلك بعضهم بعضا فلما وجد رسول الله ﷺ تلك الريح قال، ايها الناس! اذا كان هذا اليوم فاغتسلوا وليمس احدكم افضل مايجد من دهنه وطيبه، قال ابن عباس ثم جاء الله تعالىٰ ذكره بالخير ولبسوا غير الصوف وكفوا العمل ووسع مسجدهم وذهب بعض الذى كان يؤذى بعضهم بعضا من العرق"

یعنی تم کو خبر دیتا ہوں جمعہ کا غسل کیسے شروع ہوا، لوگ غریب تھے کمبل پہنا کرتے تھے اوراپنی کمروں پر (بوجھ اٹھا کر) کام کرتے ، مسجد تنگ اور نیچے چھت والی تھی، محض ایک کھجوروں کی شاخوں کا چھپر تھا ،ایک دن رسول اللہ ﷺ باہر نکلے گرمی کا موسم تھا اورلوگوں کو کمبلوں میں پسینہ آیا، اور بدبو پھیل گئی بعض کو بعض سے تکلیف ہوئی ،جب نبی ﷺ کو بدبو پہنچی تو آپ نے فرمایا: لوگو! جب یہ دن (جمعہ) ہوتو نہایا کرو اور اچھے سے اچھا جو تیل وخوشبو میسر ہو لگایا کرو۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں پھر لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے مال دار کردیا اور کمبل کے علاوہ کپڑے پہننے لگے اور کام تقسیم ہوگیا۔ (یعنی ملازم اور غلام وغیرہ سے کام لینے لگے) اور مسجد بھی کشادہ ہوگئی اور پسینہ کی وجہ سے ایک کو دوسرے سے تکلیف ہوتی تھی۔ وہ بھی جاتی رہی۔

(ابو داؤد كتاب الطهارة باب الرخصة فى ترك الغسل يوم الجمعة الحديث ۳۵۳)۔

غسل جمعہ کی اس حدیث سے محض وجوب کی ہی نہیں بلکہ سنت ومستحب کی بھی نفی ہوتی ہے۔ امام طحاوی حنفی اس حدیث کونقل کر کے بطور نتیجہ لکھتے ہیں۔

"وانما كان لعلة ثم ذهبت تلك العلة فذهب الغسل" غسل کا حکم بوجہ علت تھا،، پھر جب علت ختم ہوئی تو غسل بھی جاتا رہا۔(شرح معانی الآ ثار ص۸۳ ج۱)۔ ہم کہتے ہیں کہ علت کہاں ختم ہوئی کیا مسلمانوں میں آج کوئی غریب نہیں؟ ان میں آج محنت مزدوری کرنے والے نہیں؟ کیا ان میں کمروں پر بوجھ اٹھانے والے نہیں؟ کیا ان میں کام کاج کی وجہ سے کسی کا پسینہ نہیں بہتا؟

خامساً: سبب ختم ہونے پر مسبب کا ختم ہونا، یہ بات ہی سرے سے درست نہیں، جیسے رمل اور جمار کی کیفیت کا سبب ختم ہونے کے باوجود کالعدم نہیں ہوئے، (فتح الباری ص۲۸۹ ج۱)۔

رابعا: مذکورہ اثر ابن عباس رضی اللہ عنہ میں نفی ہے جب کہ اس کے برعکس بھی ان سے روایت موجود ہے۔ (بخاری كتاب الجمعة باب الدهن للجمعة الحديث ۸۸۴)۔ اور دیوبندیوں کے نزدیک ثبوت نفی پر

مقدم ہوتا ہے۔ (احسن الکلام ص۲۵۹ ج۱)۔

(۷) عن ابی وائل قال ذکروا غسل یوم الجمعة عنده، فقال ابو وائل انه لیس بواجب رب شیخ کبیر لو اغتسل فی البرد الشدید یوم الجمعة لمات، (منصف ابن ابی شیبه ص۹۷ ج۲)۔

حضرت عبیدہ (راوی حدیث) فرماتے ہیں کہ کچھ لوگوں نے حضرت وائل رضی اللہ عنہ کے سامنے جمعہ کے دن غسل کا تذکرہ کیا تو آپ نے فرمایا: (جمعہ کے دن) غسل واجب نہیں ہے کیونکہ اگر ایسا ہوتا ہے تو بہت سے بوڑھے جمعہ کے دن سخت سردی میں نہاتے اور مرجاتے۔ (حدیث اور اهل حدیث ص۲۱۶)۔

الجواب: اولاً جس بے چارے کو رب شیخ کبیر ، کا معنی کرنا نہیں آتا وہ اہل حدیث کا رد کرنے بیٹھا ہے۔ پھر مزید ستم کی بات دیکھئے کہ ایسے فاضل کو دیوبندیوں نے۔ جامعہ مدنیہ میں استاذ رکھا ہوا ہے۔

ثانیا: علم معانی کے علاوہ ہمارے مخاطب صاحب طبقات علماء سے بھی کورے چٹے ہیں۔ ابو وائل پر رضی اللہ عنہ کی علامت لگا کر صحابی باور کرا رہے ہیں، کتب رجال میں ابو وائل دو ہیں (۱) شقیق بن سلمہ (۲) عبد اللہ ابن بجیر، اور یہ دونوں ہی صحابی نہیں کتب رجال کا مطالعہ کر کے پہلے اس کا تعین کیجئے یہ کون ہیں؟ اس سے روایت کرنے والا راوی عبیدہ بن معتب ہے جو کوفہ کے رہنے والے تھے۔ امام یحییٰ بن سعید فرماتے ہیں سئی الحفظ اور متروک الحدیث ہے۔ ابن مبارک نے اس کی مرویات کو ترک کر دیا تھا۔ امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں محدثین نے اسے ترک کر دیا تھا۔ امام ابن معین نے ضعیف کہا ہے۔ ابو زرعہ کہتے ہیں لیس بالقوی (قوی نہیں) امام ابوحاتم اور نسائی نے ضعیف کہا ہے۔ ابن حبان فرماتے ہیں آخری عمر میں اختلاط ہو گیا تھا (حافظہ بگڑ گیا تھا) لہٰذا اس سے احتجاج باطل ہے۔ ساجی فرماتے ہیں صدوق (تو ہے مگر) سیئی الحفظ ہونے کی وجہ سے محدثین کے نزدیک ضعیف ہے ابن مبارک نے اس سے (روایت لینے سے) روکا ہے۔

سفیان ثوری اس کی مرویات سے بچتے تھے (تھذیب ص۸۷ ج۷) ،(میزان ص۲۵ ج۳)۔ عبیدہ بن معتب کے حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ ابو وائل اتباع تابعین سے ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ مذکورہ روایت ضعیف ہونے کے علاوہ اتباع تابعین میں سے ابو وائل کا قول ہے، مگر مولانا انور خورشید صاحب شرم و حیاء کو بالائے طاق رکھ کر اسے صحابی باور کراوتے ہیں۔ اسے جہالت سے تعبیر کریں یا چالاکی کہہ لیں، بہر حال بات غلط ہے۔

ثالثا: اگر آپ اتباع تابعین کے اقوال سے ہی فریق مخالف کو زیر کرنا چاہتے ہیں تو بخوبی سن لیجئے ان سے اوپر والے کبائر تابعین میں سے امام عطاء بن رباح فرماتے ہیں جمعہ کا غسل واجب ہے (مصنف عبد الرزاق ۵۳۰۴) عمرو بن سلیم الانصاری (بخاری کتاب الجمعة باب الطیب للجمعة الحدیث

۸۸۰) اور (مسيب بن رافع، المحلى لابن حزم ص٢٥٦ ج ١) "فما كان جوابكم فهوا جوابنا"۔

رابعا: ابو وائل نے دلیل بھی نرالی دی ہے کہ بوڑھا مرجائے گا۔ سوال یہاں پیدا ہوتا ہے کیا بوڑھے شخص پر غسل جنابت فرض نہیں، اور جمعہ کی رات کو اپنی عورت سے ہمبستری کرنے کی شریعت نے ترغیب بھی دی ہے (ترمذی۴۹۶)، (ابوداؤد ۳۴۵)، (ابن ماجہ ۱۰۸۷)، (ابن خزیمہ ۱۷۵۸) فرض کریں کوئی بوڑھا اس ترغیب نبوی کو اپنائے تو وہ جمعہ کے روز غسل کر کے مرجائے گا۔ علاوہ ازیں اہل حدیث کے بوڑھے نہیں ہوتے؟ ہم نے آج تک دیکھا اور سنا نہیں کہ فلان بوڑھا وہابی غسل جمعہ کی وجہ سے مرگیا ہے۔ یہ سب اسوۂ رسول اللہ ﷺ کو رد کرنے اور احکام شریعت کو حیلوں سے ٹالنے کے طریقے ہیں۔

(۸) عن زاذان قال سالت علی عن الغسل فقال اغتسل اذا شئت فقلت انما اسئلك عن الغسل الذی هو الغسل قال یوم الجمعة ویوم عرفة ویوم الفطر ویوم الاضحی۔

(طحاوی ص ۸۴ ج۱)۔

حضرت زاذان فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے غسل کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا: جب چاہو غسل کرلو۔ میں نے عرض کیا کہ میں تو اس غسل کے متعلق پوچھ رہا ہوں جس کے کرنے میں فضیلت ہے۔ آپ نے فرمایا جمعہ کے دن، عرفہ کے دن، عید الفطر اور عید الضحیٰ کے دن۔ (حدیث اوراهل حدیث ص۲۱۷)۔

الجواب: اولاً یہ قول سیدنا علی مرتضی رضی اللہ عنہ کا ہے اس کے بالمقابل سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ، وجوب کے قائل ہیں (السعایۃ۳۲۲ ج۱)۔ فما کان جوابکم فھوا جوابنا۔

ثانیا: روایت میں،، جس کے کرنے میں فضیلت ہے کے الفاظ نہیں۔ یہ مؤلف کا ذاتی خیال ہے۔ اور اس اضافہ سے اثر سے جمعہ کے لئے غسل کا مستحب ہونا ثابت ہوتا ہے سنت ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ حالانکہ مؤلف کے نزدیک سنت ہے۔

ثالثا: اس قول میں سرے سے اس بات کا ذکر ہی نہیں کہ غسل جمعہ واجب ہے یا سنت و مستحب ہے، غالبا مؤلف نے طحاوی کی تقلید میں اس اثر کو نقل کردیا ہے۔ حالانکہ مبتدعین دیابنہ کے اکابر بن مثلا علامہ نیموی نے (آثار السنن ص٢٩٤) میں مولانا عبد الحی لکھنوی نے، (السعاية ص٣٢٤ ج ١) میں، مولانا بنوری نے (معارف السنن ٣٢٠ ج ١) میں، مولانا زکریا نے، (اوجز المالك ص٣٢٦ ج ١) میں، مولانا شبیر احمد عثمانی نے (فتح الملهم ص٣٨٦ ج ١) میں، اور مولانا تقی عثمانی نے (درس ترمذی ص ٢٦٤ ج ١) میں، اس اثر کو حنفیہ کے دلائل میں ذکر نہیں کیا۔ کیوں؟ اس لئے کہ اس اثر سے حنفیہ کا مؤقف ثابت نہیں ہوتا، اور نہ وجوب کی نفی ہوتی ہے۔ باقی رہا طحاوی کا یہ استدلال کہ جمعہ کے غسل کو ان

غسلوں میں شمار کیا ہے، جو فرض نہیں لہٰذا جمعہ کا غسل بھی نہیں۔(شرح معانی الآثار ص۸۵ ج۱)۔ راقم عرض کرتا ہے کہ عیدین اور عرفہ کے روز غسل کرنے کی کوئی صحیح تو کجا حسن درجہ کی بھی حدیث نہیں ہے۔ تفصیل کے لئے، (ارواء الغلیل ص۱۷٦ ج۱) (۱٤٦) اور (التلخیص الحبیر ص۸۰ ج۱) کا مطالعہ کریں۔ جو بھی اس سلسلہ میں نقل کیا جاتا ہے وہ زیب داستان سے بڑھ کر نہیں۔ وضاحت کیجئے کہ آیا آپ کے نزدیک غسل جمعہ بھی بے اصل ہی ہے یہاں فقہائے احناف کے اقوال نقل کر کے عیدین اور یوم عرفہ کے غسل کو سنت ثابت نہ کرنا آپ سے دلیل شرعی مانگی ہے۔ جو آپ یقیناً نہیں دے سکتے۔

(۹) عن ابن عمر ان عمر بن الخطاب بینا هو قائم فی الخطبة یوم الجمعة اذ جاء رجل من المهاجرین الأولین من اصحاب النبی ﷺ فناداه عمر اية ساعة هذه قال انی شغلت فلم انقلب الیٰ اهلی حتی سمعت التاذین فلم ازد ان توضات قال والوضو ایضا وقد علمت ان رسول الله ﷺ کان یامر بالغسل۔

(بخاری ص۱۲۰ ج۱)۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت عمر جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے مہاجرین اولین صحابہ میں سے ایک صاحب (حضرت عثمان رضی اللہ عنہ) حاضر ہوئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پکار کر ان سے کہا کہ یہ (آنے کا) کونسا وقت ہے، انہوں نے عرض کیا کہ میں کسی کام میں مشغول تھا اور ابھی گھر بھی نہیں لوٹا تھا کہ اذان سنی اور وضو سے زیادہ کچھ نہیں کیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا وضو ہی کیا؟ حالانکہ تمہیں معلوم ہے کہ رسول اللہ ﷺ غسل کا حکم دیا کرتے تھے،

وجہ استدلال میں فرماتے ہیں کہ

جمعہ کے دن غسل سنت ہے واجب نہیں کیونکہ حضرت عثمان کے وضو کر کے آنے پر حضرت عمر نے صرف انہیں ٹوکا تھا واپس نہیں بھیجا تھا اگر واجب ہوتا تو واپس بھیج دیتے۔

(حدیث اور اہل حدیث ص۲۱۷, ۲۱۸)

<u>الجواب</u>: اولاً: ہم کب کہتے ہیں کہ جمعہ کے لیے غسل شرط ہے، اگر ہم ایسا کہتے تو آپ کا اعتراض درست تھا، افسوس آپ نے طحاوی کی تقلید میں استدلال تو کر لیا مگر استدلال کی کمزوری کی طرف آپ نے توجہ نہیں دی، مولانا عبدالحی لکھنوی طحاوی کا رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

انما ینهض ردا علی من قال بکون الغسل شرطا للصلوٰة واما من یقول بوجوبه مستقلاً فلا لان له ان یقول الغسل وان کان واجبا لکن لما شغل عثمان بامرو ضاق الوقت ترك الغسل بوجوب السعی عند سماع الاذان فهو معذور فی ترکه ولا یلزم من ترکه ان لا یکون واجبا نعم لوترکه اختیارا مع سعة الوقت لکان فیه دلالة علی عدم الوجوب وانما لم یا مره

بالرجوع الی الغسل لانه قد وجب علیه واجب آخرو هو سماع الخطبة فوق الغسل فلو امره بالرجوع لزم اختیار الادنی وترك الا علی فلا یلزم من عدم امره للرجوع ایضاً عدم الوجوب وبالجملة وجوب الغسل مقیدبسعة الوقت و عند ضیقه و خوف فوت واجب آخر فوقه یسقط و جوبه،

یعنی یہ ان لوگوں کا قوی رد ہے جو نماز جمعہ کے لیے غسل کو شرط کہتے ہیں، لیکن جو اس کو مستقل وجوب کا درجہ دیتے ہیں ان کا نہیں اس لیے کہ وہ کہہ سکتے ہیں کہ گو غسل واجب ہے لیکن جب سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کام میں مشغول ہوگئے اور وقت تنگ ہوگیا تو انہوں نے غسل کو ترک کر دیا، اذان سننے کے بعد ان پر (مسجد کی طرف) سعی واجب ہوگئی، لہذا وہ غسل کو چھوڑنے پر معذور ہیں۔ اور ان کے ترک کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ غسل واجب نہیں، ہاں اگر وہ وسعت وقت کے باوجود اختیاری طور پر غسل کو ترک کرتے تو پھر اس میں عدم و جوب کی دلیل تھی، اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے انہیں غسل کے لیے لوٹنے کا حکم اس لیے نہ دیا کہ ان پر ایک دوسرا واجب بھی واجب ہو چکا تھا اور وہ سماعت خطبہ تھا جو غسل سے فائق ہے، اگر وہ غسل کا حکم دیتے تو اس سے ادنی کو اختیار کرنے اور اعلیٰ کو چھوڑنا لازم آتا، لہذا لوٹنے کا حکم نہ دینے سے عدم و جوب ثابت نہیں ہوتا، بالجملہ (ان کا یہ جواب بھی ممکن ہے کہ) غسل وسعت وقت کے ساتھ مقید ہے اور تنگیٔ وقت اور دوسرا واجب جو اس سے فوق ہے کے فوت ہونے سے اس کا وجوب ساقط ہو جاتا ہے۔

(السعایه ص۳۲۶ ج۱)

امام اسحاق بن راہویہ فرماتے ہیں۔

ان قصة عمرو عثمان تدل علی وجوب الغسل لا علی عدم وجوبه من جهة ترك عمر الخطبة واشتغال بمعاتبة عثمان و توبیخ مثله علی رؤس الناس فلو کان ترك الغسل مباحا لما فعل عمر ذلك وانما لم یرجع عثمان للغسل لضیق الوقت اذ لو فعل لفاتته الجمعة،

یعنی سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا واقعہ غسل جمعہ کے وجوب پر دلالت کرتا ہے، نہ کہ عدم وجوب پر، اس لحاظ سے کہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے خطبہ جمعہ چھوڑ کر لوگوں کے سامنے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے عتاب و توبیخ میں مشغول ہوئے، اگر غسل کو چھوڑنا مباح تھا تو سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایسا کیوں کیا؟ اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ وقت کی تنگی کی وجہ سے غسل کے لیے نہیں گئے کیونکہ اگر وہ جاتے تو ان کا جمعہ رہ جاتا۔ (بحوالہ فتح الباری ص۲۸۹ ج۲)

ثانیاً: اگر کہا جائے کہ اس قصہ سے وجوب ثابت نہیں ہوتا کیونکہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو غسل اور سعی جمعہ میں تاخیر کی وجہ سے ڈانٹا تھا۔ اور اس چیز کا احتمال ہے کہ انہوں نے سنت

مؤکدہ کے ترک کی وجہ سے ڈانٹا ہو، کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سنت کا اہتمام مبالغہ کی حد تک کرتے تھے، واجبات کی طرح۔

تو جواب اس کا یہ ہے کہ اس استدلال سے غسل جمعہ کا مستحب ہونا تو ثابت ہوتا ہے لیکن سنت ہونا ثابت نہیں ہوتا، مولانا عبدالحی لکھنوی فرماتے ہیں،

فلا ینهض هذه القصة دليلا على القائلين بالسنية نعم تنهض على القائلين بمجرد الاستحباب البتة۔

(یعنی اس صورت میں) سنت کے قائلین کے لیے کوئی دلیل نہیں ہاں البتہ جو اسے محض مستحب کہتے ہیں ان کے لیے (ضرور) ہے۔ (السعایہ ص۳۲۷ ج ۱)

فضول بھرتی:

ہمارے مہربان کو معلوم نہیں کیا سوجھی تھی کہ غسل جمعہ کی بحث کے آخر میں علامہ وحیدالزمان مرحوم کی عبارات سے چند مسائل نقل کر کے ہمیں مطعون کرنا شروع کر دیا، حالانکہ کتب فقہ مرتب کرنا ہی ہمارے نزدیک غلط ہے، بالخصوص غیر پیش آمدہ مسائل پر اپنی صلاحیتوں کو لگانا اور ان کے متعلق تحقیقات کرتے رہنا نہایت ہی قابل مذمت اور برا فعل ہے، سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ اس شخص پر لعنت کرتے تھے جو غیر پیش آمدہ مسئلہ کے بارے سوال کرتا۔ (سنن دارمی ص٦٢ ج ١)

علامہ وحیدالزمان صاحب کا کتب فقہ مرتب کرنے کو علمائے اہل حدیث نے اچھی نظر سے نہیں دیکھا، اور نہ ہی کبھی اس کی تائید کی ہے، (مفصل تحفہ حنفیہ ص٣٨٩) میں دیکھئے یہی وجہ ہے کہ وحیدالزمان کی اشاعت کے بعد کسی سلفی نے ان کتب کو شائع نہیں کیا، یہ شرف بھی مؤلف حدیث اور اہل حدیث کے مقدر میں تھا، جیسے انہوں نے اپنی کتاب کو قلمی نام سے شائع کیا ہے ویسے ہی علامہ وحیدالزمان کی کتب کو ایک فرضی انجمن کے نام سے شائع کیا ہے،

فقہ وحیدالزمان یا فقہ حنفی:

ہمارے مخاطب نے تین مسائل کی نشان دہی کی ہے، آپ بھی ملاحظہ کریں۔

(ا) ولو ادخل ذكره في دبر نفسه لا يلزم الغسل الا بالانزال۔

(نزل الابرار ص۲۴ ج۱)

اگر کسی شخص نے اپنا عضو تناسل اپنے پچھلے حصہ میں داخل کیا تو اس پر غسل واجب نہیں ہوگا مگر یہ کہ انزال ہو جائے۔

(۲) ولو لف الحشفة فی خرقة ثم اولجها فان وجد لذة الجماع اغتسل والا لا۔

(نزل الابرار ص ۲۴ ج ا)

اگر کسی نے اپنا عضوتناسل پٹی میں لپیٹ کرعورت کی شرمگاہ میں داخل کیا تو اس صورت میں اگر صحبت کا مزہ پایا ہے تو غسل کرے گا ورنہ نہیں۔

(۳) ولو اتی عذراء ولم یزل عذرتها لا یجب الغسل ولو حبلت۔

(نزل الابرار ص ۲۴ ج ا)۔

اگر کسی نے کنواری لڑکی سے صحبت کی اور لڑکی کا پُردہ بکارت زائل نہ ہوا ہو تو غسل واجب نہیں ہوگا اگرچہ وہ لڑکی حاملہ ہو جائے۔ (حدیث اور اهل حدیث ص ۲۲۰)۔

یہ تینوں مسائل دراصل فقہ حنفی کے ہیں، ثبوت حاضر ہیں آپ بھی ملاحظہ کرلیں۔

(ا) امام فی دبرنفسه فرجح فی النهر عدم الوجوب الابالانزال۔

ہاں البتہ کوئی شخص اپنی دبر میں عضو تناسل کو داخل کرے تو (فقہ حنفی کی کتاب) نھر میں ہے کہ غسل واجب نہیں ہوتا مگر یہ کہ انزال ہو۔ (در مختار مع شامی ص ۱٦۲ ج ۱)

(۲) اولج حشفته او قدرها ملفوفة بخرقة ان وجدلذة الجماع وجب الغسل والا لا۔

یا کسی نے اپنے عضو تناسل پر پٹی لپیٹ کرعورت کی شرمگاہ میں داخل کیا اگر صحبت کا مزہ آیا تو غسل واجب ہے ورنہ نہیں۔ (در مختار مع شامی ص ۱٦٤)

(۳) ولواتی عذراء ولم یزل عذرتها الااذاحبلت۔

اگر کسی نے کنواری لڑکی سے صحبت کی اور لڑکی کا پردہ بکارت زائل نہ ہوا ہو تو غسل واجب نہیں مگر یہ کہ وہ حاملہ ہو۔ (در مختار مع شامی ص ۱٦۷ ج ۱)

اس آخیری مسئلہ میں آپ کو قدرے جو اختلاف نظر آ رہا ہے تو وہ صرف نزل الابرار میں کتابت کی غلطی ہے، الا اذا، کی بجائے، ولو، چھپ گیا ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ مذکورہ تینوں مسئلے فقہ حنفی کے ہیں اور ان تینوں مسائل پر اکابر علمائے دیوبند کا بھی یہی مسلک و مذہب اور نظریہ ہے، دیکھئے۔

(خیر الفتاوٰی ص ۷۹ ج ۲ و امداد الفتاوٰی ص ۲۳ ج ا فتاوٰی دارالعلوم دیوبند مکمل و مدلل ص ۱۵۱ ج ا و ص ۱۵۳ ج ا)

اگر ہم چاہتے تو مبتدعین دیابنہ کے اکابرین (خواہ متقدمین ہوں یا متاخرین) سے اس پر بیسیوں حوالے متون وشروح اور فتاوٰی سے نقل کر سکتے ہیں۔ مگر امید ہے کہ صرف درمختار اور مبتدعین دیابنہ کے علماء کے فتاوٰی ہی کافی ہیں، ہاں اگر ضرورت پیش آئی اور ہم مجبور کر دیئے گئے تو تفصیل سے بھی عرض

کر دیں گے، انشاء اللہ تعالیٰ، یہاں ہم ایک وضاحت بھی کر دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ، نزل الابرار، دراصل فقہ حنفی کی معروف کتاب، درمختار، کا اختصار ہے۔

نزل الابرار میں ایسے تمام مسائل کا مرجع حنفیہ کی یہ مایہ ناز کتاب ہے، علاوہ ازیں علامہ وحیدالزمان مرحوم گو حنفیت کو چھوڑ کر اہل حدیث ہو گئے تھے مگر ان کے بعض تفردات و شذوذ بھی ہیں، مولانا عبدالحی الحسنی فرماتے ہیں کہ

کان شدیدا فی التقلید فی بدایة امره ثم رفضه تحرر و اختیار مذهب اهل الحدیث مع شذوذ عنهم فی بعض المسائل۔ (نزهة الخواطر ص۵۱۵ ج۸)

(۱۸) باب تیمّم میں صرف ایک ہی ضرب ہے

فصل اول

(۱) امام عبدالرحمٰن ابزی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں۔

جاء رجل الی عمر بن الخطاب فقال انی اجنبت فلم أصب الماء فقال عمار بن یاسر لعمر بن الخطاب اما تذکر انا کنا فی سفر انا وانت؟ امانت فلم تصل واما انا فتمعکت فصلیت فذکرت ذلك للنبی ﷺ فقال النبی ﷺ انما کان یکفیك هکذا وضرب النبی ﷺ بکفیه الارض ونفخ فیهما ثم مسح بهما وجهه وکفیه۔

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس ایک آدمی آیا اور اس نے کہا کہ میں جنبی ہو گیا اور مجھے پانی نہ مل سکا تو سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ فرمانے لگے اے امیر المومنین آپ وہ واقعہ یاد کریں جب ہم دونوں ایک سفر میں تھے اور جنبی ہو گئے تھے، میں نے تو زمین پر لوٹ پوٹ ہو کر نماز پڑھ لی تھی البتہ آپ نے نماز نہ پڑھی تھی، جب نبی مکرم ﷺ سے اس کا ذکر کیا گیا تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ آپ کے لیے یہی کافی تھا (یہ کہہ کر) نبی مکرم ﷺ نے دونوں ہاتھ زمین پر مارے اور ان میں پھونک مار کر (گرد اڑائی) پھر دونوں ہاتھوں سے چہرہ اور ہاتھوں کا مسح کیا،

(بخاری کتاب التیمم باب التیمم هل ینفخ فیهما، الحدیث ۳۳۸، ومسلم کتاب الحیض باب التیمم، الحدیث ۸۲۰)

(۲) امام شقیق بن سلمہ رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ

کنت جالسا مع عبدالله وابی موسٰی الاشعری فقال له ابو موسٰی ان رجلا اجنب فلم یجد الماء شهرا، ما کان تیمم ویصلی؟ فکیف تصنعون فی سورة المائدة، فلم تجدوا ماء فتیمموا صعیدا طیباً فقال عبدالله لو رخص لهم فی هذا لا وشکوا اذا برد علیهم الماء أن یتیمموا الصعید؟ قلت وانما کرهتم هذا لذا؟ قال نعم فقال ابو موسٰی الم تسمع قول عمار لعمر بعثنی رسول الله ﷺ فی حاجة فاجنبت فلم اجد الماء فتمرغت فی الصعید کما تمرغ الدابة فذکرت ذلك للنبی صلی الله علیه وسلم فقال انما کان یکفیك ان تصنع هکذا، فضرب بکفه ضربة علی الارض ثم نفضها، ثم مسح بها ظهر کفیه بشماله او ظهر شماله بکفه ثم مسح بها وجهه۔ الحدیث۔

یعنی میں سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابو موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا، تو ابو موسیٰ

الاشعری رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے کہا کہ ایک شخص کو جنابت ہوئی اور ایک مہینہ تک پانی نہیں پاتا تو کیا وہ تیمّم کر کے نماز نہ پڑھے؟ تو سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہاں؟ تو سیدنا ابو موسیٰ الاشعریٰ رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کہ آپ اس آیت کا کیا کریں گے سورہ مائدہ میں ہے کہ اگر تم پانی نہ پاؤ تو پاک مٹی کا ارادہ کرو، سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اگر ان کو اس میں رخصت دی جائے تو قریب ہے کہ جب انہیں پانی ٹھنڈا لگے تو مٹی پر تیمّم کر لیں، میں نے (امام شقیق) کہا کہ آپ نے اس کو اس لیے ناپسند کیا ہے، سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا ہاں! اس پر سیدنا ابو موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ نے کہا کہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کا قول نہیں سنا کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کام کے لیے بھیجا تو مجھے جنابت ہوئی اور پانی نہ ملا، تو میں مٹی پر اس طرح لوٹ پوٹ ہوا جس طرح چار پایہ لیٹتا ہے، میں نے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ تجھے یہی کافی تھا کہ ایسا کرتا یہ کہہ کر نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین پر ایک ضرب لگائی اور پھر ہاتھوں کو جھاڑا پھر ان کے ساتھ مسح کیا دائیں ہاتھ کی پیٹھ کو بائیں سے یا بائیں کی پیٹھ کو داہنے ہاتھ سے پھر دونوں ہاتھوں کے ساتھ چہرہ انور کا مسح کیا۔

بخاری کتاب التیمم باب التیمم ضربة الحدیث ۳۴۷) ومسلم کتاب الحیض باب التیمم، الحدیث ۸۱۸)

(۳) سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

سالت النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن التیمم فامرنی ضربة واحدة للوجه والکفین،

میں نے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے تیمّم کے متعلق سوال کیا تو آپ علیہ الصلوٰہ والسلام مجھے حکم دیا ایک ضرب لگانے کا، چہرہ اور ہاتھوں کے لیے،

ابوداؤد رقم الحدیث ۳۲۷) وترمذی رقم الحدیث ١٤٤) ومسند امام احمد ص۲٦۳ ج٤ ودارمی ج١ (٧٤٥) ودارقطنی ص١٨٢ ج١

(۴) سیدنا ابو جھیم رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ

اقبل النبی صلی اللہ علیہ وسلم من نحو بئر جمل فلقیه رجل فسلم علیه فلم یرد علیه النبی صلی اللہ علیہ وسلم حتی اقبل الجدار فمسح بوجهه ویدیه ثم رد علیه السلام۔

یعنی نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم جمل کے کنواں کی طرف سے تشریف لائے اور آپ علیہ السلام کو ایک آدمی ملا اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام عرض کیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے جواب نہ دیا یہاں تک کہ اقبل الجدار، ہوئے ہاتھوں اور چہرہ اقدس کا مسح کیا پھر سلام کا جواب دیا۔

(بخاری کتاب التیمم باب التیمم فی الحضر اذا لم یجد الماء وخاف فوت الصلاۃ، الحدیث ۳۳۷، ومسلم کتاب الحیض باب التیمم، الحدیث ۸۲۲)

اقبل الجدار، کا معنی ہم نے قصداً ترک کر دیا ہے، واضح رہے کہ اس کا معنی وضع ید علی الجدار (یعنی دیوار پر ہاتھ مار کر ہاتھوں اور چہرہ کا مسح کیا) ہے، دلیل اس کی یہ ہے (دارقطنی ۱۷۷ ج۱) میں یہی الفاظ مروی ہیں، اور امام شافعی کی روایت میں حتی قام الی الجدار فحته بعصا کانت معه ثم وضع یدیه علی الجدار (یعنی آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس جو لاٹھی تھی اس کو دیوار کے ساتھ رگڑا پھر دیوار پر ہاتھ مارا)۔ (کتاب الام ۵۱ ج۱ وبیہقی ۲۰۵ ج۱) بلا شبہ امام شافعی کی روایت بوجہ ابراھیم ضعیف ہے لیکن سنن دارقطنی کی روایت کم از کم حسن درجہ کی ہے، جس سے (اقبل الجدار) کے معنی کی وضاحت ہو جاتی ہے، خلاصہ کلام یہ کہ سیدنا ابو جھیم رضی اللہ عنہ کی روایت سے تیمّم کے لئے ایک ضرب ثابت ہے۔

(۵) سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ

ان رسول الله ﷺ اقبل من الغائط فلقیه رجل عند بئر جمل فسلم علیه فلم یرد علیه رسول الله ﷺ حتی اقبل علی الحائط فوضع رسول الله ﷺ یده علی الحائط ثم مسح وجهه ویدیه ثم رد رسول الله ﷺ علی الرجل السلام۔

یعنی رسول اللہ ﷺ قضائے حاجت کر کے تشریف لا رہے تھے، تو بئر جمل کے نزدیک آپ ﷺ کو ایک شخص ملا جس نے آپ کو سلام عرض کیا تو نبی ﷺ نے اسے جواب نہ دیا یہاں تک ایک دیوار پر تشریف لائے اس پر پہلے ہاتھ رکھا پھر ہاتھوں اور چہروں انور کا مسح کیا پھر نبی مکرم ﷺ نے اس شخص کے سلام کا جواب دیا۔

(صحیح ابن حبان رقم الحدیث ۱۳۱۳) وبیہقی ص۲۰۶ ج۱ وابوداؤد رقم الحدیث ۳۳۱)

(۶) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

لما نزلت آیة التیمم لم ادر کیف اصنع فاتیت النبی ﷺ فلم اجده فانطلقت الطلبه فاستقبلته فلم رای عرف الذی جئت له، فبال ثم ضرب یدیه الارض فمسح بهما وجهه وکفیه۔

جب آیت تیمّم نازل ہوئی تو مجھے معلوم نہ تھا کہ کیسے (تیمّم کیا جائے) تو میں نبی مکرم ﷺ کے پاس آیا، لیکن مجھے نہ ملے، میں آپ علیہ السلام کی تلاش کے لئے نکلا، تو آپ کو پالیا، آپ نے جب مجھے دیکھا تو پہچان لیا کہ میں کس غرض کے لیے آیا ہوں، آپ علیہ السلام نے پہلے پیشاب کیا پھر زمین پر ہاتھوں سے ایک ضرب لگائی پھر چہرہ انور اور ہاتھوں کا مسح کیا،

(مصنف ابن ابی شیبہ ص۱۶۰ ج۱ وکنز العمال رقم الحدیث ۲۷۵۶۵)

(۷) سیدنا ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

فاهوى النبی ﷺ بیدیه الی الارض فوضعهما ثم نفضهما ثم مسح بهما وجهه ویدیه۔

نبی مکرم ﷺ ہاتھوں کے ساتھ زمین کی طرف جھکے اور دونوں ہاتھوں کو زمین پر رکھا (ضرب لگائی) پھر ان دونوں کے ساتھ ہاتھوں اور چہرہ انور کا مسح کیا۔

(مصنف عبدالرزاق ص۲۳۹ ج۱ واللفظ له وکنزالعمال رقم الحدیث ۲۷۵۶۹، وابن ابی شیبه ص۱۵۸ ج۱)

(۸) سیدنا عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے تیمّم کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے جواب دیا۔

امر النبی ﷺ عمارا ان یفعل هکذا، وضرب بیدیه الی الارض ثم نفضهما ومسح علی وجهه قال الحکم ویدیه وقال سلمة ومرفقیه،

نبی مکرم ﷺ نے سیدنا عمار رضی اللہ عنہ کو اس طرح کرنے کا حکم دیا تھا (یہ کہہ کر سیدنا عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ حکم نبوی کی وضاحت کی کہ) زمین پر دونوں ہاتھوں کو مارا پھر ان کو جھاڑا اور اپنے چہرہ اور ہاتھوں پر مسح کیا۔

(ابن ماجه کتاب الطهارة باب ماجاء فی التیمم ضربة واحدة، الحدیث ۵۷۰)

علامہ البانی فرماتے ہیں کہ اس میں، مرفقیه، کے الفاظ منکر ہیں (ضعیف ابن ماجہ) جس کی وجہ سے ہم نے ان الفاظ کا ترجمہ رہنے دیا ہے۔

خلاصہ کلام: ان مذکورہ احادیث سے ایک ضرب کے ساتھ تیمّم کرنا ثابت ہے یہی مؤقف ہے سیدنا علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ سیدنا عمار رضی اللہ عنہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ اور تابعین سے امام شعبی امام عطاء امام مکحول وغیرہ بھی اسی کے قائل ہیں۔ امام احمد امام اسحاق اور امام بخاری رحمہ اللہ وغیرہ بھی یہی فرماتے ہیں۔

(ترمذی مع تحفه ص۱۳۳ ج۱، المحلیٰ لا بن حزم ص۳۷۶ ج۱ ومصنف ابن ابی شیبه ص۱۵۸ ج۱)

فصل دوم

(۱) عن ابن عمر النبی ﷺ قال التیمم ضربتان ضربة للوجه وضربة للیدین الی المرفقین۔

(دارقطنی ص۱۸۰ ج۱)

سیدنا عبداللہ بن عمر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا تیمّم میں دو ضربیں ہوتی ہیں کہ ایک چہرہ کے لیے اور ایک کہنیوں سمیت دونوں ہاتھوں کے لئے، (حدیث اور اهل حدیث ص ۲۲۱) اس دلیل کو مولانا صاحب نے (مستدرك حاکم ص۱۷۹ ج۱) سے نقل کر کے دلیل نمبر۳ کا عنوان دیا ہے ص۲۲۲۔

الجواب اولاً: ہم مولانا صاحب کی مجبوری کو بخوبی جانتے ہیں کہ وہ ایک ہی روایت کو مختلف کتب احادیث سے نقل کر کے علیحدہ علیحدہ دلیل کیوں بتلاتے ہیں۔

قارئین کرام یہ صرف تقلیدی ہاتھ کی صفائی ہے، ورنہ یہ روایت متن اور سند کے لحاظ سے ایک ہی ہے، اور اس کا دارومدار، علی بن ظبیان راوی پر ہے،

علامہ زیلعی حنفی فرماتے ہیں

اما حدیث ابن عمر فرواه فی المستدرك والدارقطنی فی سننه من حدیث علی بن ظبیان عن عبدالله بن عمر عن نافع عن ابن عمر۔

یعنی ابن عمر کی حدیث کو حاکم نے مستدرک میں اور دارقطنی نے سنن میں علی بن ظبیان کی سند سے روایت کیا ہے۔ (نصب الرایہ ص ۱۵۰ ج ۱)

قارئین کرام اس تفصیل سے آپ مولانا صاحب کی ہیرا پھیری اور بد دیانتی کو معلوم کر چکے ہونگے۔

ثانیاً: علی بن ظبیان، راوی مجروح ہے۔ ابوداؤد کہتے ہیں ہیچ محض ہے، ابن معین فرماتے ہیں کذاب خبیث اور غیر ثقہ ہے امام بخاری امام ابن محرز نے منکر الحدیث قرار دیا ہے۔ امام محمد بن عبداللہ فرماتے ہیں ضعیف ہے اور اسکی تمام مرویات ضعیف ہیں۔ امام نسائی امام ابو حاتم امام ابو الفتح متروک الحدیث قرار دیتے ہیں امام ابو زرعہ کا کہنا ہے سخت واہی الحدیث ہے، ساجی کہتے ہیں ضعیف اور مناکیر روایت کرتا ہے، دارقطنی نے ضعیف کہا ہے، ابن حبان کہتے ہیں اسکی مرویات سے احتجاج ساقط ہے، امام علی بن مدینی فرماتے ہیں اس نے مجھ سے تین روایات منکر بیان کی تھیں۔

(تھذیب ص ۳۴۲ ج ۷ ومیزان ص ۱۳۴ ج ۳)

الغرض یہ روایت سخت ضعیف ہے۔

(۲) عن جابر عن النبی ﷺ قال التیمم ضربة للوجه وضربة للزراعین الی المرفقین۔

(دارقطنی ص ۱۸۱ ج ۱)

حضرت جابر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا تیمّم میں ایک ضرب چہرہ کے لئے ہے اور ایک کہنیوں سمیت دونوں بازوؤں کے لئے۔

(حدیث اور اھل حدیث ص ۲۲۱)

الجواب اولاً: اسکی سند میں ابو زبیر، راوی ہے۔ (دراقطنی ص ۱۸۱ ج ۱، ومستدرک حاکم ص ۱۸۰ ج ۱، وبیھقی ص ۲۰۷ ج ۱) اور یہ تدلیس میں مشہور ہے جیسا کہ امام نسائی وغیرہ نے صراحت

کی ہے (طبقات المدلسین ص ٤٥) اور زیر بحث روایت میں تحدیث کی صراحت نہیں بلکہ معنعن مروی ہے، لہذا ضعیف ہے۔

ثانیاً: امام دارقطنی فرماتے ہیں درست یہ ہے کہ یہ روایت موقوف ہے، پھر آگے امام دارقطنی نے (سنن ص ١٨٢ ج ١) میں اسے موقوف روایت بھی کیا ہے۔راوی حدیث عذرہ بن ثابت کے حفاظ شاگرد اسکو موقوف روایت کرتے ہیں صرف عثمان بن محمد اسکو مرفوع نقل کرتا ہے۔اور جب ثقہ اپنے سے اوثق کی مخالفت کرے تو ایسی روایات شاذ کہلاتیں ہیں۔یہی وجہ ہے کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس روایت پر شاذ کا حکم لگایا ہے۔ (التلخیص الحبیر ص ١٥٢ ج ١)۔

(۳) اس نمبر کا جواب پہلے نمبر میں گزر چکا ہے

(۴) عن ابن عمر رضی الله عنهما قال كان تيمم رسول الله ﷺ ضربتين ضربة للوجه وضربة لليدين الى المرفقين۔

(جامع المسانيد ص ۲۳۳ ج ۱)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا تیمّم دو ضربیں تھا ایک ضرب چہرہ کے لیے اور دوسری کہنیوں سمیت دونوں ہاتھوں کے لئے۔ (حدیث اور اهل حدیث ص ۲۲۲)۔

الجواب: جامع المسانید کے مرتب نے اس روایت کو محمد بن مظفر کی مسند سے نقل کیا ہے جس میں سلسلہ سند اس طرح ہے، **عن ابی اسحاق ابراهيم بن احمد بن عبدالله القذوينی عن يوسف بن موسیٰ المروزی عن ابی بكر موسیٰ بن سعيد عن ابی حنيفة۔**

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے پہلے تینوں راوی مستور ومجھول ہیں، ہمارا فاضل معاصر اصول جرح وتعدیل کو سامنے رکھ کر ان کی عدالت وثقات ثابت کرے۔

خاکسار نے تقریباً تمام متداول رجال کی کتابوں کو سرسری نظر سے دیکھا ہے، مگر ان کے تراجم نہیں ملے علاوہ ازیں امام ابوحنیفہ بحیثیت راوی سیئی الحفظ ہیں تفصیل فاتحہ خلف الامام کی بحث میں آرہی ہے، پانچواں راوی اس میں امام ابوحنفیہ کا استاد، عبدالعزیز بن ابی رواد ہے اور یہ صدوق قسم کا راوی ہے اور ایسے راویوں کی روایات متابعت کی صورت میں قابل قبول ہوتی ہیں، ورنہ نہیں۔

الغرض جس روایت میں تین راویوں کی جہالت ہو چوتھا سیئی الحفظ ہو پانچواں صدوق تو ہو مگر متابعت ثابت نہ ہو اس کے باطل اور من گھڑت ہونے میں کیا کلام ہوسکتا ہے۔

(۵) عن نافع ان ابن عمر تيمم فی مربد النعم فقال بيديه علی الارض فمسح بهما

وجهه ثم ضرب بهما على الارض ضربةاخرى ثم مسح بهما يديه الى المرفقين۔

(مصنف ابن ابی شیبه ص۱۵۸ ج۱)۔

حضرت نافع سے مروی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر نے چوپایوں کے باڑہ میں تیمّم کیا، آپ نے اپنے ہاتھ زمین پر جھکائے اور ان سے چہرہ کا مسح کیا پھر دوسری مرتبہ دونوں ہاتھ زمین پر مارے اور ان سے کہنیوں سمیت دونوں ہاتھوں پر مسح کیا۔ (حدیث اور اهل حدیث ص۲۲۲)

الجواب اولاً: اس اثر سے ثابت ہوا کہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک ماکول اللحم جانوروں کا پیشاب وگوبر پاک ہے، کیونکہ روایت میں صراحت ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے باڑہ میں تیمّم کیا اور تیمّم میں مٹی وغیرہ کا پاک ہونا شرط ہے، اور یہ بات واضح ہے کہ باڑہ میں پیشاب وگوبر لازمی ہوتا ہے جس کا نتیجہ لازمی یہی ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ ان کو طاہر جانتے تھے، حالانکہ حنفیہ کے نزدیک یہ نجس ہیں، خود مولانا صاحب نے (حدیث اور اهل حدیث ص۱۶۶) میں اس مسئلہ پر ایک مستقل باب تحریر کیا ہے، الغرض یہ روایت آپ کے بھی خلاف ہے۔ فما كان جوابكم فهو جوابنا۔

ثانیاً: اسکی سند میں، ایوب بن وائل راوی ہے امام ازدی فرماتے ہیں مجھول ہے امام بخاری رحمہ اللہ کہتے ہیں اس کا کوئی متابع نہیں ہے (میزان الاعتدال ص۲۹۵ ج۱)

الغرض یہ روایت سنداً ضعیف ہے۔

ثالثاً: یہ روایت موقوف ہے اور ہم نے صحیح مرفوع احادیث نقل کی ہیں، اور موقوف روایت مرفوع کے بالمقابل ناقابل حجت ہوتی ہے، راجع مقدمہ۔

(۶) عن نافع قال سالت ابن عمر عن التيمم فضرب بيديه الى الارض ومسح بهما يديه ووجهه وضرب ضربة اخرٰى فمسح بهما زراعيه۔

(طحاوی ص۸۱ ج۱)۔

حضرت نافع فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمر سے تیمّم کے بارے میں سوال کیا آپ نے اپنے دونوں ہاتھ زمین پر مارے اور ان سے ہاتھوں اور چہرہ کا مسح کیا پھر دوسری بار دونوں ہاتھ مارے اور ان سے دونوں بازوؤں کا مسح کیا، (حدیث اور اهل حدیث ص۲۲۳)

الجواب اولا: یہ روایت موقوف ہے جو مرفوع کے بالمقابل ناقابل حجت ہے، راجع مقدمہ۔

ثانیا: یہ مسئلہ صحابہ کرام میں مختلف فیہ ہے، لہٰذا حجت نہیں، راجع مقدمہ۔

ثالثا: ذراع، کا لفظ چھوٹی انگلی سے لیکر کہنی تک کے حصہ پر بولا جاتا ہے، جس میں کہنی کا حصہ شامل نہیں ہوتا، لغت عرب کے مسلم امام زمخشری فرماتے ہیں۔

ذرع من طرف المرفق الی طرف الوسطی۔

(اساس البلاغہ۔ (ص ۱۴۲)

علامہ ابن منظور افریقی فرماتے ہیں مابین طرف الموفق الی طرف الاصبح الوسطی۔ (لسان العرب ص۹۳ ج۸) یہی معنیٰ علامہ زبیدی نے کیا ہے (تاج العروس ص۳۳۳ ج۵)۔

الغرض ذراع میں کہنی شامل نہیں۔ اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ نے کہنی پر مسح نہیں کیا تھا، جبکہ مبتدعین دیابنہ کے نزدیک کہنی کا مسح بھی تیمّم میں شامل ہے۔ (بہشتی زیور ص۶۲ حصہ اول) فما کان جوابکم فھو جوابنا۔

(۷) عن علی بن ابی طالب کرم اللہ وجھہ قال التیمم ضربتان ضربۃ للوجہ وضربۃ للذراعین الی المرفقین۔

(مسند امام زید ص ۷۷)

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تیمّم دو ضربیں ہوتی ہیں ایک ضرب چہرہ کے لئے اور ایک ضرب کہنیوں سمیت دونوں ہاتھوں کے لئے۔

(حدیث اور اہل حدیث ص ۲۲۳)

الجواب: انوار صاحب کو یہ دلیل درج کرتے ہوئے کچھ شرم و حیا کرنا چاہئے تھا۔

مسند زید امام زید بن علی کی طرف منسوب ہے، یہ رافضی راویوں کی وضع کردہ ہے۔ اس کتاب کی پوزیشن بالکل اسی طرح ہے، جو حافظ بارک اللہ مرحوم نے، زینت الاسلام میں ایک حکایت لکھی ہے کہ ایک نالائق شخص تھا، محنت کرنے میں اسے عار تھی، والدین نے شادی کردی کہ چلو اب ہی سہی، مگر وہ بدستور کاہل ہی رہا، بیوی نے مجبور کیا تو گاؤں سے محنت مزدوری کرنے کے لئے شہر چلا آیا، مگر یہاں بھی وہ، جو گاؤں بھوکا وہ شہر میں بھی بھوکا، کا مصداق تھا، اپنی گزر بسر کے لے محنت کرتا، بیوی کو کچھ نہ بھیجتا آخر دو تین سال کے بعد اس کی بیوی نے خط لکھا کہ تیری بیوی بیوہ ہوگئی ہے، خط پڑھ کر وہ زور زور سے رونے لگا، اہل محلّہ نے دریافت کیا تو کہنے لگا کہ میری بیوی کا خط آیا ہے کہ میں بیوہ ہوگئی ہوں، دوست احباب نے سمجھایا کہ تیرے زندہ ہوتے ہوئے وہ بیوہ کیسے ہوگئی؟ بات دل کو لگی، خاموش ہوگیا، مگر تھوڑی دیر بعد مکرر رونے لگ گیا، لوگوں نے پوچھا اب کیا ہوا ہے؟ کہنے لگا بات آپ کی درست ہے مگر خط میں بھی لکھا ہے کہ تیری بیوی بیوہ ہوگئی ہے، انوار صاحب کی یہ دلیل بھی بالکل اسی حکایت جیسی ہے کہ مسند زید میں لکھا ہے، محترم سنئے مسند زید کو جمع کرنے والا شیر بہادر، عبد العزیز بن اسحاق بغدادی ہے، امام ابو قاسم تنوجی فرماتے ہیں شیعہ کے متکلمین سے ہے، امام ابو فوارس فرماتے ہیں

خبیث العقیدہ تھا میں نے اس کی تالیفات کو دیکھا ہے، اس میں ردی روایات ہیں۔

(تاریخ بغداد ص۴۵۸ ج۱۰ رقم الترجمہ ۵۶۲۷)۔

کتاب کی سند میں ایک راوی ابو خالد عمرو بن خالد واسطی ہے۔

وکیع فرماتے ہیں کہ میرا ہمسایہ تھا حدیث وضع کرتا تھا، امام یحییٰ بن معین امام احمد بن حنبل اور امام دارقطنی رحمہم اللہ نے کذاب قرار دیا ہے۔

(میزان ص۲۵۷ ج۳)۔

امام احمد رحمہ اللہ نے یہاں تک صراحت کی ہے کہ یہ زید بن علی کے آباء واجداد سے موضوع روایات نقل کرتا اور جھوٹ بولتا ہے امام اسحاق بن راہویہ اور ابو زرعہ کہتے ہیں کہ احادیث وضع کرتا تھا، امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے کذاب قرار دیا ہے۔ امام ابو حاتم نے متروک الحدیث اور ذاہب الحدیث کہا ہے۔

(تہذیب الکمال ص۴۰۸ ج۵)۔

جوزجانی کہتے ہیں کہ غیر ثقہ ہے اسے برقی نے کذاب قرار دیا ہے، امام حاکم فرماتے ہیں کہ زید بن علی سے موضوعات روایت کرتا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے منکر الحدیث قرار دیا ہے، امام احمد نے حسن بن ذکوان سے روایت لینا ترک کردی تھی کہ یہ عمرو سے روایت کرتا ہے۔ (تہذیب ص۲۷ ج۸)۔

دوسرا راوی نصر بن مزاحم ہے، یہ رافضی ہے، امام عجلی فرماتے ہیں رافضی ثقہ و مامون نہیں، ابوخیثمہ نے کذاب قرار دیا ہے ابو حاتم کہتے ہیں واہی الحدیث اور متروک ہے۔

(میزان ص۲۵۴ ج۴ ولسان ص۱۵۷ ج۶)۔

الغرض مسند زید کے راوی دجال و کذاب او رخبیث العقیدہ لوگ ہیں ان پر اعتماد صرف انوار خورشید جیسے محقق ہی کرسکتے ہیں، ہم تو اس سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔

(۸) عن جابر انه ضرب بيديه الارض ضربة فمسح بهما وجهه ثم ضرب بهما الارض ضربة الاخرى فمسح بهما ذراعيه الى المرفقين۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص۱۵۱ ج۱)۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے اپنے دونوں ہاتھ زمین پر مارے اور ان سے چہرہ کا مسح کیا پھر دوبارہ دونوں ہاتھ زمین پر مارے اور ان سے کہنیوں سمیت دونوں ہاتھوں کا مسح کیا، (حدیث اوراہل حدیث ص۲۲۴)

الجواب: اولا یہ روایت قول صحابی ہے جو مرفوع حدیث کا معارض نہیں ہوسکتا جیسا کہ مقدمہ میں تفصیل عرض کردی گئی ہے۔

ثانیا: اس کی سند میں ابی الزبیر راوی ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ص۱۵۹ ج ۱). اور یہ تدلیس کرنے میں مشہور ہے جیسا کہ امام نسائی نے صراحت کی ہے۔ (طبقات المدلسین ص۴۵) (مزید تفصیل آگے مسئلہ فاتحہ میں انشاء اللہ آرہی ہے) اور زیر بحث سند میں تحدیث کی صراحت نہیں، الغرض یہ روایت ضعیف ہے۔

(۹) عن حبیب الشهید انه سمع الحسن سئل عن الیتمم فضرب بیده علی الارض فمسح بهما وجهه ثم ضرب بیدیه علی الارض ضربة اخری فمسح بهما یدیه الی المرافقین۔

(مصنف ابن ابی شیبه ص۱۵۸ ج۱)۔

حضرت حبیب شہید سے مروی ہے کہ آپ نے حضرت حسن (بصری) کو سنا کہ آپ تیمّم کے بارے سوال کیا گیا آپ نے اپنے دونوں ہاتھ زمین پر مارے اور ان سے چہرے کا مسح کیا پھر دوبارہ دونوں ہاتھ زمین پر مارے اور ان سے کہنیوں سمیت دونوں ہاتھوں کا مسح کیا۔

(حدیث اور اهل حدیث ص۲۲۴)۔

الجواب: اولاً: آپ نے پہلی غلطی تو یہ کی کہ حبیب بن شہید کو حبیب شہید قرار دیا، دوسری غلطی یہ کی ہے حسن سے مراد حسن بصری سمجھا، حالانکہ جس حسن سے حبیب روایت کرتا ہے وہ حسن بن ثابت ہے (تہذیب ص۱۶۲ ج ۲) جبکہ حسن بصری کی ولدیت ابی الحسن بن یسار ہے، معلوم نہیں ہمارا معاصر اور دیوبندیت کا محقق طبقات علماء سے اتنا ناواقف کیوں ہے؟

واضح رہے کہ حسن بن ثابت متکلم فیہ راوی ہے (میزان ص۴۸۱ ج ۱)

ثانیاً: اگر حسن بصری بھی تسلیم کر لیا جائے تو تب بھی مضائقہ نہیں کیونکہ حسن تابعی ہیں۔ اور تابعین کے اقوال احادیث مرفوعہ کے معارض نہیں ہو سکتے، خود امام ابو حنیفہ تابعین کے اقوال کو نا قابل حجت کہتے ہیں راجع مقدمہ۔

(۱۰) عن ابن طاؤس عن ابیه انه قال التیمم ضربتان ضربة للوجه و ضربة للذراعین الی المرفقین۔

(مصنف ابن ابی شیبه ص۱۵۹ ج۱)

ابن طاؤس اپنے والد طاؤس سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا تیمّم میں دو ضربیں ہوتی ہیں ایک ضرب چہرہ کے لیے اور ایک کہنیوں سمیت دونوں ہاتھوں کے لیے۔

(حدیث اور اهل حدیث ص۲۲۴)

الجواب :امام طاؤس درمیانے درجہ کے تابعین ہیں،اور ہم مقدمہ میں وضاحت کر چکے ہیں کہ تابعین کے اقوال حجت نہیں ہوتے بالخصوص جب وہ مرفوع احادیث کے مخالف ومعارض ہوں،علاوہ ازیں امام طاؤس کے کتنے ہی اقوال ہیں جن کو خود حنفی بھی تسلیم نہیں کرتے ان کی تفصیل تو بات کو لمبا کر دے گی،ہم یہاں صرف یہ وضاحت کرنا چاہتے ہیں کہ امام طاؤس سے صحیح سند کے ساتھ روایت ہے کہ نبی ﷺ سینہ پر ہاتھ باندھا کرتے تھے۔ (مراسیل ابوداؤد ص٦)

لیکن حنفی اس روایت کو تسلیم نہیں کرتے ،حالانکہ حنفی اصول کے موافق یہ روایت صحیح حدیث ہے کیونکہ ان کے نزدیک مرسل حجت ہے،غور کیجئے کہ ایک طرف امام طاؤس کی بیان کردہ حدیث کو بھی قبول نہیں کرتے (اس لیے ان کے تقلیدی مذہب کے خلاف ہے) جبکہ دوسری طرف ان کا فتوی بھی حجت باور کراتے ہیں۔اور خصم پر بطور دلیل نقل کرتے ہیں۔فریق مخالف کو یہ دعوت فکر نہیں بلکہ سراسر مجادلہ ومکابرہ ہے جو محققین کی بجائے الدالخصام پارٹی کا شیوہ وشعار ہے،

ہم عرض کرتے ہیں کہ مرفوع احادیث کے خلاف علماء کے اقوال کو زیادہ سے زیادہ یہ درجہ حاصل ہے کہ ان کو ان احادیث کا علم نہ تھا،سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ جنبی کے لیے تیمّم کو ناجائز سمجھتے تھے،اس پر تبصرہ کرتے ہوئے امام ابن عبدالبر فرماتے ہیں کہ

هذا يدلل على ان اخبار الاحاديث العدول من علم الخاصة قد يخفى علىَ الجليل من العلماء منها الشئى۔

یہ آپ کے لیے دلیل ہیں کہ صحیح مرفوع احادیث خاص علم سے ہے اور کبھی یہ جلیل القدر علماء پر بھی اس کا کوئی پہلو مخفی رہ جاتا ہے۔ (التمهيد ص٢٧١ ج١٩)

(۱۱) عن الزهری قال التيمم ضربتان ضربة للوجه وضربة للزراعين،

(مصنف ابن ابی شیبہ ص۱۵۹ ج۱)

امام زھری فرماتے ہیں کہ تیمّم میں دوضربیں ہوتی ہیں کہ ایک ضرب چہرہ کے لیے اور ایک دونوں ہاتھوں کے لیے، (حدیث اور اهل حدیث ص٢٢٤)

الجواب اولاً: یہ قول امام زھری کا ہے اور امام زھری اتباع تابعین سے ہیں۔ظاہر ہے کہ دین میں اتباع تابعین کے اقوال کی حیثیت محض امتی کے قول جیسی ہے،

ثانیاً: اس قول میں ذراع تک مسح کرنے کا بیان ہے،اور حنفیوں کے نزدیک ہاتھ کا مسح کفایت نہیں کرتا بلکہ ان کے نزدیک مسح میں کہنی شامل ہے، فما کان جوابکم فھو جوابنا۔

ثالثاً: امام زھری سے دوسرا قول یہ مروی ہے کہ کندھوں تک مسح کرے۔

(التمهيد ص ۲۸۳ ج۱۹)

اور یہ چیز بھی حنفیوں کے خلاف ہے، امام زھری کے اقوال کو خصم پر حجت بنانے والو بتاؤ اس قول کو تسلیم کیوں نہیں کرتے؟ علاوہ ازیں امام زھری سری نمازوں میں امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھتے تھے، (مصنف عبدالرزاق ص۱۳۲ ج۲ وکتاب القرأة ص۷۵، ۱۰۰) اس کو کیوں نہیں مانتے، آخر آپ کا معیار، میٹھا میٹھا ہپ اور کڑوا کڑوا تھو، کیوں ہے، آپ میٹھا کے لالچ میں جوٹھا کیوں نہیں کھاتے۔

(۱۲)عن ابراهيم فی التيمم قال تصنع راحتيك فی الصعيد فتمسح وجهك ثم تضعهما ثانية فتنفضهما فتمسح يديك وزراعيك الى المرفقين۔

(كتاب الاثار للامام ابی حنيفة بروايت امام محمد ص۱۵)

حضرت ابراھیم نخعی سے تیمّم کے بارے میں مروی ہے کہ آپ نے فرمایا اپنے دونوں ہاتھ مٹی پر رکھ کر چہرہ کا مسح کر لو پھر دوبارہ دونوں ہاتھ رکھ کر جھاڑو اور کہنیوں سمیت دونوں ہاتھ اور بازوؤں کا مسح کرلو، (حدیث اور اهل حدیث ص۲۲۵)

الجواب اولاً: ابراھیم نخعی رویت کے لحاظ سے بلاشبہ تابعی ہیں اور دین میں تابعین کے اقوال حجت نہیں، راجع مقدمہ،

ثانیاً: احناف کے نزدیک تیمّم کے لیے مٹی وغیرہ پر ہاتھ مارنے چاہیے، فقہ حنفی میں فقط مٹی پر رکھنے کا ذکر نہیں، خود ہمارے مہربان نے ضربتان، کا عنوان لگایا ہے، ص۲۲۱

ثالثاً: احناف کے نزدیک دونوں ضربوں میں ہاتھوں کو جھاڑنا چاہیے، جیسا کہ امام محمد نے کتاب الاثار میں مذکورہ روایت کے متصل وضاحت کی ہے، حالانکہ ابراھیم نخعی کے قول میں صرف دوسری ضرب مین جھاڑنے کا بیان ہے، فما كان جوابكم فهو جوابنا،

رابعاً: اسکی سند میں امام محمد ہے، جو بحیثیت راوی مجروح ہے،

دوسرا راوی امام ابوحنفیہ ہیں، جو سیئی الحفظ ہیں، تفصیل فاتحہ کے مسئلہ میں آرہی ہے،

خلاصہ کلام: مذکورہ تفصیل سے یہ بات واضح ہوئی کہ مؤلف حدیث اور اہل حدیث اپنے مؤقف پر دو حدیثیں تین آثار صحابہ کرام اور چار اقوال تابعین عظام نقل کیئے ہیں، جن کی حقیقت عرض کر دی گئی ہے۔

(۱۹) باب حیض کی مدت عادت اور خون اسود وغیرہ کی پہچان ہے

فصل اول

(۱) ام المؤمنین سیدہ عائشۃ رضی اللہ عنہا راویہ ہیں کہ

ان فاطمة بنت ابی حبیش کانت تستحاض فسالت النبی ﷺ فقال ذلك عرق ولیست بالحیضة فاذا اقبلت الحیضة فدعی الصلاة و اذا ادبرت فاغسلی و صلی۔

یعنی سیدہ فاطمہ بنت حبیش رضی اللہ عنہا مستحاضہ تھیں انہوں نے نبی مکرم ﷺ سے سوال کیا تو آپ علیہ التحیۃ والسلام نے فرمایا یہ حیض نہیں بلکہ عرق (رگ کا خون) ہے، جب حیض آئے تو نماز چھوڑ دے پھر جب حیض چلا جائے تو غسل کر کے نماز پڑھ،

(صحیح بخاری کتاب الحیض باب اقبال المحیض و ادباره، الحدیث ۳۲۰) ومسلم کتاب الحیض باب المستحاضة وغسلها وصلاتها، الحدیث ۷۵۳)

اس حدیث کا مطلب صاف ہے کہ تیری عادت کے موافق جتنے دن حیض رہے اتنے دن ہی نماز وغیرہ ترک کر دے اور جب تیری عادت کے مطابق دن پورے ہو جائیں تو تب غسل کر کے نماز وغیرہ پڑھا کرو، چنانچہ حدیث کے دوسرے طریق میں اس کی وضاحت ہے۔

(۲) عن عائشة ان فاطمة بنت ابی حبیش سالت النبی ﷺ قالت انی استحاض فلا اطھر، أفادع الصلاۃ؟ فقال: لا، ان ذلك عرق ولكن دعی الصلاة قدر الایام التی كنت تحیضین فیھا، ثم اغتسلی وصلی۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتیں ہیں کہ حضرت فاطمہ بنت ابی حبیش نے نبی مکرم ﷺ سے سوال کیا کہ مجھے استحاضہ ہوتا پھر پاک نہیں ہوتی (یعنی حیض بند نہیں ہوتا) تو کیا میں نماز چھوڑ دوں؟ تو آپ علیہ السلام نے کہا نہیں یہ تو رگ کا خون ہے، لیکن تو نماز اتنے دن چھوڑ دے جتنے دن تجھے (اس بیماری سے پہلے) حیض آیا کرتا تھا۔ پھر غسل کر کے نماز پڑھ،

(بخاری کتاب الحیض باب اذا حاضت فی شهر ثلاث حیض، الحدیث ۳۲۵)

(۳) عن عائشة زوج النبی ﷺ انھا قالت ان ام حبیبة بنت جحش التی كانت تحت عبدالرحمن بن عوف۔ شكت الی رسول الله ﷺ الدم فقال لھا، امكثی قدر ما كانت تحبسك حیضتك، ثم اغتسلی، فكانت تغتسل عند كل صلاة۔

ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا راویہ ہیں کہ ام حبیبہ بنت جحش رضی اللہ عنہا جو عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کی بیوی تھیں، انہوں نے نبی ﷺ سے خون کی شکایت کی تو آپ علیہ التحیۃ والسلام نے فرمایا اتنے دن ٹھہری رہو جتنے دن (بیماری سے پہلے) حیض آیا کرتا تھا، اور پھر غسل کر کے (عبادات بجا لاؤ) چنانچہ وہ (استحباباً) ہر نماز کے لیے غسل کیا کرتی تھیں۔

(مسلم کتاب الحیض باب المستحاضة وغسلها وصلاتها، الحدیث ۷۲۰)

(۴) عن ام سلمة زوج النبی ﷺ ان امرأة كانت تهراق الدماء فی عهد رسول الله ﷺ فاستفتت لها ام سلمة رسول الله ﷺ فقال لتنظر الی عدد الليالی والايام التی كانت تحيضهن من الشهر قبل ان يصيبها الاذی اصابها فلتترك الصلوٰة قدر ذلك من الشهر فاذا خلفت ذلك فلتغتسل ثم لتستثفر ثم لتصلی۔

نبی مکرم ﷺ کی بیوی محترمہ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں ایک عورت کا خون بہتا تھا، میں نے اس عورت کے لیے آپ علیہ التحیۃ والسلام سے فتوی پوچھا، تو نبی مکرم ﷺ نے فرمایا جتنے دن اور راتیں اس بیماری سے پہلے اس کو حیض آتا تھا اتنے دن اور راتیں نماز چھوڑ دے، اور ہر مہینے میں جب وہ عادت کی مدت گزر جائے تو غسل کرے اور شرمگاہ پر کپڑا باندھ کر نماز پڑھے۔

(موطا امام مالك باب المستحاضة، الحديث ۲۹) ومسند احمد ص ۲۹۳، ۳۲۰ ج۶ وابوداؤد رقم الحديث ۲۷۴) ونسائی رقم الحديث ۲۰۹، ۳۵۵) وابن ماجة رقم الحديث ۶۲۳)

(۵) سیدنا عروہ بن زبیر رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں۔

عن فاطمة بنت ابی حبيش قال، انها كانت تستحاض، فقال لها النبی ﷺ اذا كان دم الحيضة فانه دم اسود يعرف فاذا كان ذلك فامسكی عن الصلاة فاذا كان الاخر فتوضی وصلی فانما هو عرق۔

حضرت فاطمہ بنت ابی حبیش رضی اللہ عنہا مستحاضہ تھیں، ان کو نبی مکرم ﷺ نے فرمایا کہ حیض کا خون سیاہ ہوتا ہے، جو معلوم ہو جاتا ہے، جب یہ خون ہو تو نماز نہ پڑھو، اور جب اس کے علاوہ ہو تو وضو کر کے نماز پڑھ لیا کرو کیونکہ یہ رگ کا خون ہے،

(ابو داؤد رقم الحديث ۲۸۶، ونسائی رقم الحديث ۳۶۲، ودارقطنی ص۲۰۷ ج۱ ومستدرك حاكم ص ۱۷۴ ج۱ وبيهقی ص ۳۲۵ ج۱ ومشكل الآثار ص۳۰۶ ج۱ وابن حبان رقم الحديث ۱۳۴۵)

(۶) عن ابن عباس فی المستحاضة قال اذا رأت الدم البحر انی فلا تصلی و اذا رأت الطهر ولو ساعة فلتغسل وتصلی۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے مستحاضہ کے متعلق فرمایا کہ جب وہ گاڑھا سیاہ خون دیکھے تو نماز نہ پڑھے اور جب پاکی دیکھے خواہ تھوڑی سی ہی دیر ہو غسل کر کے نماز پڑھے۔

(ابوداؤد کتاب الطھارۃ باب اذا اقبلت الحیضة تدع الصلوٰۃ، الحدیث ۲۸۶، وسنن دارمی ص ۲۲۴ ج ارقم الحدیث ۸۰۰،۸۰۱)

(۷) سُئل ابن عباس عن المراۃ تستحاض؟قال،تنتظر قدر ما کانت تحیض فلتحرم الصلوٰۃ ثم لتغتسل ولتصل۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مستحاضہ عورت کے متعلق سوال ہوا، تو آپ نے فرمایا اتنی مدت انتظار کرے اور نماز سے علیحدہ رہے جتنی مدت اسے (بیماری سے پہلے) حیض آتا تھا، پھر غسل کر کے نماز پڑھے۔

(سنن دارمی ص ۲۲۴ ج ا کتاب الطھارۃ باب فی غسل المستحاضة الحدیث ۷۹۷)

(۸) قال مکحول ان النساء لاتخفی علیھن الحیضة ان دمھا اسود غلیظ فاذا ذھب ذلک وصارت صفرۃ رقیقةفانھا مستحاضة فلتغتسل ولتصلی،

امام مکحول فرماتے ہیں کہ عورتوں سے حیض کا خون مخفی نہیں ہوتا، بلاشبہ وہ گاڑھا سیاہ ہوتا ہے، جب یہ ختم ہو کر پتلی زردی سی آنے لگے تو وہ استحاضہ ہے اسے غسل کر کے نماز پڑھ لینا چاہیے۔

(سنن ابی دائود کتاب الطھارۃ باب اذا اقبلت الحیضة تدع الصلوٰۃ)۔

(۹) عن عطاء قال ادنی وقت الحیض یوم۔

امام عطاء بن ابی رباح فرماتے ہیں کہ حیض کی کم مدت ایک دن ہے۔

(السنن الکبریٰ للبیھقی ص ۳۲۰ ج ا کتاب الحیض باب اقل الحیض)

ان آحادیث وآثار سے ثابت ہو رہا ہے کہ حیض کے دن عادت اور شناخت کے مطابق ہیں۔احادیث نمبر ا،۲،۳،۴، ۷سے عادت کا ثبوت ہے اور احادیث نمبر ۵اور ۸ سے شناخت کا ثبوت ہے،اس کا انکار صحیح احادیث کا انکار ہے۔

فصل دوم

(۱) عن ابی امامة عن النبی ﷺ قال اقل الحیض ثلاث واکثرہ عشر۔

(رواہ الطبرانی فی الکبیر والاوسط، مجمع الزوائد ص۲۸۰ ج۱)

حضرت ابو امامۃ رضی اللہ عنہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا حیض کی کم از کم مدت ۳ دن اورزیادہ سے زیادہ دس دن ہے۔ (حدیث اور اھل حدیث ص۲۲۶)

الجواب اولاً: آپ نے جہاں سے روایت نقل کی ہے وہاں ہی آگے لکھا ہے کہ اسکی سند میں عبدالملک کوفی راوی ہے جسے کوئی نہیں جانتا۔

(مجمع الزوائد ص۲۸۰ ج۱)

ثانیاً: ابی امامۃ رضی اللہ عنہ سے روایت کرنے والے امام مکحول ہیں۔ (طبرانی کبیر ص۱۲۹ ج۸(۷۵۸۶) وطبرانی الاوسط ص۳۵۶ ج۱ (۶۰۳) اور امام ابو حاتم فرماتے ہیں کہ سیدنا ابی امامۃ رضی اللہ عنہ سے امام مکحول کا سماع اور ملاقات نہیں ہوئی، (مراسیل ابن ابی حاتم ص۲۱۲) امام دارقطنی فرماتے ہیں۔اس روایت کی سند میں عبدالملک راوی مجھول ہے،علاء بن کثیر ضعیف ہے اور مکحول نے ابی امامۃ سے کچھ بھی نہیں سنا(سنن دارقطنی ص۲۱۸ ج۱) جس روایت کی سند میں ایک راوی مجھول ہو دوسرا ضعیف ہو،سند بھی منقطع ہو اس کے باطل ہونے میں کیا کلام ہوسکتا ہے۔

(۲) عن واثلة بن الاسقع قال قال رسول الله ﷺ اقل الحیض ثلثة ایام واکثرہ عشرہ ایام۔

(دارقطنی ص۲۱۹ ج۱)

حضرت واثلۃ بن اسقع فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا حیض کی کم از کم مدت ۳ دن اور زیادہ سے زیادہ دس دن ہے۔ (حدیث اور اھل حدیث ص۲۲۶)

الجواب اولاً:امام دارقطنی نے آگے ہی محدثانہ فیصلہ صادر فرمایا ہے کہ اسکی سند میں حماد بن المنھال بصری راوی مجھول ہے اور احمد بن انس ضعیف ہے۔ (دارقطنی ص۲۱۹ ج۱) امام ابن حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کی سند میں (دوسرا) راوی محمد بن راشد ہے جو کثرت سے مناکیر روایت کرتا ہے،جس کی وجہ سے مستحق ترک ہوگیا ہے۔ (کذافی نصب الرایہ ص۱۹۲ ج۱)

راقم عرض کرتا ہے کہ سیدنا واثلۃ بن اسقع رضی اللہ عنہ سے روایت کرنے والے امام مکحول ہیں اور امام ابوحاتم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مکحول کا سیدنا واثلۃ رضی اللہ عنہ سے سماع نہیں ہوا۔

(مراسیل ابن ابی حاتم ص۲۱۳)

الغرض جس روایت میں جہالت راوی کے علاوہ دو ضعیف راوی ہوں اور سند بھی منقطع ہو، اس کے من گھڑت اور باطل ہونے میں کیا کلام ہوسکتا ہے، امام ابن جوزی رحمہ اللہ نے مذکورہ دونوں روایات کو احادیث واہی قرار دیا ہے۔ (العلل المتناهية ص ٣٨٤ ج ١)

ثانیاً: دونوں روایات میں امام مکحول ہیں جو فریق ثانی کے نزدیک معیاری ثقہ نہیں۔ (احسن الکلام ص۹۶)

دیکھئے یہاں بھی اس بات پر قائم رہتے ہیں کہ نہیں۔

(۳) عن انس قال ادنی الحیض ثلثة ایام۔

(رواه الدارمی ص۱۷۲ ج۱ قلت رجاله رجال مسلم، اعلاء السنن ص۲۴۷ ج۱)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حیض کی کم از کم مدت ۳ دن ہے، (حدیث اور اہل حدیث ص۲۲۶)

الجواب: یہ روایت بلاغات ثوری ہے سلسلہ سند یہ ہے **قال سفیان بلغنی عن انس۔**

(دارمی ص۲۳۱ ج۱ رقم الحدیث ۸۴۳)

الغرض یہ روایت منقطع ہے، لہذا ضعیف ہے، آگے مصنف نے جو متصل نقل کی ہے، اسکی تفصیل نمبر ۴ میں آتی ہے۔

(۴) عن انس قال ادنی الحیض ثلثة واکثره عشرة۔

(دارقطنی ص۲۰۹ ج۱)

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حیض کی کم از کم مدت ۳ دن اور زیادہ سے زیادہ دس دن ہے،

(حدیث اور اهل حدیث ص۲۲۷)

الجواب اولاً: اسکی سند میں، جلد بن ایوب راوی ہے، امام ابن راھویہ امام احمد امام ابو حاتم امام ابن عیینہ نے ضعیف قرار دیا ہے، امام دارقطنی متروک الحدیث کہتے ہیں، ابو زرعہ، لیس قوی، (قوی نہیں) فرماتے ہیں۔ ابن معین مضطرب قرار دیتے ہیں۔ ابو معمر فرماتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن مبارک سے کسی کے متعلق برے الفاظ نہیں سنئے سوائے جلد بن ایوب کے۔ (لسان المیزان ص۱۳۳ ج ۲)

دوسرا راوی امام سفیان ہیں جو ثقہ و ثبت ہیں مگر مدلس ہیں (تفصیل رفع الیدین کی بحث میں آرہی ہے) اور تحدیث کی صراحت نہیں تیسرا راوی ابو احمد الزبیری (محمد بن عبداللہ) ہیں یہ بھی ثقہ و ثبت ہیں مگر سفیان کی روایات میں خطائیں کرتے ہیں۔ (تقریب ص ۳۰٤) امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سفیان ثوری کی روایات میں کثرت سے خطائیں کرتے ہیں۔ (تهذیب ص٢٥٥ ج ٩) اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ یہ روایت دراصل بلاغات سفیان ثوری سے ہے جس کو متصل بیان کرنے میں، ابو احمد الزبیری سے غلطی ہوئی ہے، امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے اس روایت کو منکر کہا ہے۔ (سنن دارقطنی ص ٢١٠ ج ١)

ثانیاً: من گھڑت اور سخت ضعیف اقوال صحابہ سے احادیث نبوی علیہ التحیۃ والسلام کو رد کرنا محض اہل الرائے کا ہی دستور ہے کیونکہ یہ تقلیدی مذہب کو تقویت دینے کے چکر میں ہیں ورنہ موقوف مرفوع کے بالمقابل حجت نہیں، راجع مقدمہ۔

(۵) عن الحسن ان عثمان بن ابی العاص الثقفی قال الحائض اذا جاوزت عشرة ایام فهی بمنزلة المستحاضة تغسل وتصلی۔ (دارقطنی ص۲۱۰ ج۱)

حضرت حسن بصری حضرت عثمان بن ابی العاص ؓ ثقفی سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا حائضہ عورت جب دس دن سے تجاوز کر جائے تو وہ بمنزلہ مستحاضہ عورت کے ہیں غسل کر کے نماز پڑھے گی۔ (حدیث اور اهل حدیث ص۲۲۷)

الجواب اولاً: سیدنا عثمان سے روایت کرنے والے حسن بصری ہیں اور حسن کثرت سے ارسال کرتے ہیں۔ تدلیس کا الزام بھی ان پر ہے۔ (تقریب ص۲۹) فریق ثانی پر لازم ہے وہ دلائل سے حسن کی سیدنا عثمان سے ملاقات وسماع ثابت کرے پھر اس روایت میں تحدیث کی وضاحت دکھائے، اگر یہ تمام چیزیں مفقود ہیں تو مجرد علامہ تھانوی کا یہ لکھنا کہ اسکی سند لاباس بہ، ہے اپنے اندر کوئی وزن نہیں رکھتا۔

ثانیاً: موقوف مرفوع کے بالمقابل مرجوع ہوتی ہے، علاوہ ازیں جو مسائل صحابہ کرام میں مختلف فیہ ہوں وہاں ان کے اقوال حجت نہیں ہوتے، راجع مقدمہ

(۶) عن سفیان قال اقل الحیض ثلث واکثره عشر۔ (دارقطنی ص۲۱۰ ج۱)

حضرت سفیانؒ فرماتے ہیں کہ حیض کی کم از کم مدت ۳ دن اور زیادہ سے زیادہ دس دن ہے۔

(حدیث اوراهل حدیث ص۲۲۷)

الجواب امام سفیان اتباع تابعین سے ہیں۔ اور اقوال علماء دین میں حجت نہیں ہوتے دین عبارت ہے قرآن وحدیث سے'' گووہ ہمارے اسلاف ہیں مگر دین میں حجت صرف اللہ اور اس کے رسول کی بات ہے، افسوس فریق مخالف خصم پر ایک امتی کے قول کو بھی بطور حجت نقل کر رہا ہے، اس نالائق کو اتنا بھی معلوم نہیں کہ امتی کا کام سن کے عمل کرنا ہے، شریعت سازی نہیں۔

خلاصہ کلام: آخر میں ہمارا بھائی چند عبارات علمائے اہل حدیث نقل کر کے لکھتا ہے کہ احادیث و آثار سے تو حیض کی اقل واکثر مدت ثابت ہوری ہے لیکن غیر مقلدین کہتے ہیں کہ نہیں صاحب حیض کی کوئی مدت متعین نہیں، قارئین فیصلہ فرمایئے کہ یہ حدیث کی موافقت ہے یا مخالفت۔ (ص ۲۲۸)

ہم بھی قارئین کو فیصلہ کی دعوت دیتے ہیں کہ وہ غور کریں ایک طرف بخاری ومسلم کی متفق علیہ احادیث ہیں دوسری طرف من گھڑت دجال وکذاب اور مجہول راویوں کی روایات ہیں، فیصلہ کریں صحیح احادیث کو چھوڑ کر من گھڑت روایات پر عمل کرنا حدیث کی موافقت ہے یا مخالفت۔

(۲۰) باب قرآن کریم کو چھونے کے لیے وضو شرط نہیں

فصل اول

(۱) سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

قال ابو سفیان ثم دعا بکتاب رسول الله ﷺ فقری فاذا فیه، بسم الله الرحمن الرحیم، من محمد عبدالله ورسوله، الی هرقل عظیم الروم، سلام علی من اتبع الهدی اما بعد فانی ادعوك بدعایة الاسلام اسلم تسلم، واسلم یوتك الله اجرك مرتین فان تولیت فعلیك اثم الاریسیین ویاهل الکتب تعالوا الی کلمة سوآء بیننا وبینکم الا نعبد الاالله ولا نشرك به شیا ولا یتخذ بعضنا بعضنا اربابا من دون الله فان تولوا فقولوا اشهدوا بانا مسلمون۔

(آل عمران ۶۴)

ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے کہا کہ پھر قیصر روم نے رسول اللہ ﷺ کا خط منگوایا وہ پڑھا گیا اس میں یہ لکھا تھا، بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، محمد (ﷺ) اللہ کے بندے اور اس کے رسول کی طرف سے بادشاہ روم ہرقل کی طرف، جو شخص سیدھے راستہ پر چلے اس پر سلام، اس کے بعد میں تجھے اسلام کے کلمے کی طرف بلاتا ہوں، مسلمان ہوجاؤ تو سلامت رہو گے، اللہ تجھے دوہرا اجر دے گا اگر تو مسلمان نہ ہوا تو غریب رعیت کا بھی گناہ تجھ پر پڑے گا۔ اور سورہ آل عمران کی یہ آیت لکھی۔ **یاهل الکتب تعالوا الی کلمة سوآء بیننا وبینکم الا نعبد الاالله ولا نشرك به شیا ولا یتخذ بعضنا بعضنا اربابا من دون الله فان تولوا فقولوا اشهدوا بانا مسلمون۔** (آل عمران ٦٤)

اے اہل کتاب ایک بات کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر ہے، یہ کہ ہم اللہ کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کریں اور نہ اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائیں اور نہ ہی کوئی ہم میں سے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کو مربی سمجھے پس اگر منہ پھیریں تو کہہ دو کہ گواہ رہو ہم تابعدار ہیں۔

(بخاری کتاب الجهاد باب دعاء النبی ﷺ الی الاسلام والنبوۃ.......... الحدیث ٢٩٤١)

یہ حدیث اپنے معنیٰ ومفہوم میں بالکل واضح ہے کہ قرآن کریم کو بلاوضو چھویا جاسکتا ہے، کیونکہ نبی مکرم ﷺ نے قیصر روم جو عقیدۃً غیر مسلم عیسائی تھا، اس کو خط تحریر کیا جس میں قرآن کریم کی آیت درج کی، اور یہ بات بھی کسی شک وشبہ سے بالاتر ہے کہ عیسائی وغیرہ وضو نہیں کرتے جبکہ قرآن کے کچھ حصہ اور تمام قرآن کریم کی حرمت وتقدس میں کوئی فرق نہیں ہے جو اس بات کا مدعی ہے وہ دلیل شرعی دے۔

(۲تا۸) اس خط کے علاوہ تقریباً سات خطوط مزید بھی ہیں جو رسول اللہ ﷺ نے مختلف بادشاہوں اور امراء کے نام تحریر کیئے ان تمام کی ابتداء بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے ہوتی ہے، بعض میں آیات قرآن کریم بھی ہیں، اللہ ورسول کا نام بھی موجود ہے۔ تفصیل کے لیے (الرحیق المختوم ص ٤٧٦ وزادالمعاد ص ٦١ ج ٣، وضیاء النبی ﷺ ص ١٨١ ج ٤ سیرۃ المصطفیٰ ﷺ ص ٣٧٧ ج ٢) ہم نے چار حوالے نقل کیئے ہیں۔ (۱)اہل حدیث (۲)محقق ابن قیم (۳) بریلوی (۴)دیوبندی، ان میں سے جس پر چاہیں اعتماد کرلیں۔

فصل دوم

لَا يَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ۔ (۵۶۔۷۹)۔نہیں چھوتے اس کو مگر پاک لوگ۔

(حدیث اور اہل حدیث ص۲۲۹)

الجواب: یہ خبر ہے حکم نہیں ہے، خبر کو بمعنیٰ امر لینے کے لیے، قرآن وحدیث سے دلیل دیجئے جو آپ کے پاس قطعاً نہیں، واضح رہے کہ یہاں پر دراصل کفار کے ان الزامات کی تردید مقصود ہے جو وہ قرآن پر لگایا کرتے تھے کہ یہ کلام آپ پر جن شیاطین القا کرتے ہیں۔اس کا جواب قرآن کا کریم میں متعدد مقامات پر دیا گیا ہے (مثلاً سورہ شعراء آیت ۲۱۰ تا ۲۱۲) اسی مضمون کو یہاں پر مطہرین کے الفاظ سے بیان کیا گیا ہے یعنی اسے شیاطین کا لانا یا نزول کے وقت دخل انداز ہونا تو درکنار جس وقت یہ لوح محفوظ سے نبی پر نازل کیا جاتا ہے اس وقت مطہرین یعنی پاک فرشتوں کے علاوہ کوئی قریب بھی پھٹک نہیں سکتا، فرشتوں کے لیے مطہرین کا لفظ بمعنیٰ ہر قسم کے ناپاک جذبات اور خواہشات سے پاک ہونا ہے۔اس آیت کی یہی تفسیر سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سیدنا سلیمان فارسی رضی اللہ عنہ، تابعین کرام سے سعید بن جبیر، عکرمہ، مجاہد، قتادہ، ابوالعالیہ، سدی، ضحاک، اور ابن زید نے بیان کیا ہے۔

(تفسیر ابن کثیر ص۲۹۸ ج۴ ودرمنشور ص۱۶۲ ج۶ والمحلیٰ لابن بن حزم ص۹۸ ج۱ وابن جریر ص۲۴۰ ج۲۷، وزاد المسیر ص۲۲۸ ج۴ وقرطبی ص۱۹۳ ج۱۷)

نظم قرآن کے ساتھ بھی یہی تفسیر مناسبت رکھتی ہے، فریق ثانی کے نزدیک صحابی کی تفسیر مرفوع حدیث کے حکم میں ہوتی ہے۔ (احسن الکلام ص ١٢١ ج ١)

دیوبندی حلقے کے نامور اور جید عالم مولانا تقی عثمانی فرماتے ہیں۔

واضح رہے کہ جمہور کے مسلک پر آیت قرآنی: لا یمس الا المطهرون۔ سے استدلال کرنا ضعیف ہے کیونکہ وہاں مطہرون سے مراد فرشتے ہیں (درس ترمذی ص ٣٩٠ ج ١)۔

خلاصہ یہ کہ مذکورہ آیت میں فرشتوں کے متعلق خبر دی گئی ہے، امت مرحومہ کو حکم نہیں دیا گیا اور بقول مولانا عثمانی یہ استدلال کمزور ہے۔

(ا) عن حکیم بن حزام ان النبی ﷺ لما بعثه والیا الی الیمن قال لا تمس القرآن الاوانت طاهر۔

(مستدرك حاكم ص ۴۸۵ ج ۳ ودارقطنی ص ۱۲۲ ج۱)

حضرت حکیم بن حزام سے مروی ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب انہیں یمن کا حاکم بنا کر بھیجا تو فرمایا کہ تم قرآن کو نہ چھونا مگر اس حالت میں کہ تم پاک ہو۔

(حدیث اور اهل حدیث ۲۲۹)

الجواب اولاً: اسکی سند میں، مطر الوراق، راوی ہے جس کو ابن معین اور ابو حاتم نے ضعیف کہا ہے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں، صدوق کثیر الخطاء، یعنی سچا (تو ہے مگر) کثرت سے خطائیں کرتا ہے (تقریب ص ۳۳۸) دوسرا راوی اس میں ابو حاتمسوید بن ابراهیم ہے جو گو صدوق ہے مگر سیئ الحفظ اور غلطیاں کرتا ہے۔ (تقریب ص ۱۴۰) امام نسائی وغیرہ نے ضعیف قرار دیا ہے۔

ثانیاً: طاہر سے کیا مراد ہے، فریق ثانی کے نزدیک وضو مراد ہے جبکہ اس سے حسی نجاست مراد لیا جاسکتا ہے جیسا کہ حدیث میں آتا ہے، **جعلت لی الارض طهوراً۔** یعنی ساری زمین میرے لیے پاک کرنے والی بنائی گئی۔ (صحیح مسلم کتاب رقم الحدیث ۱۱۶۷)

اور لغوی لحاظ سے طھارت کا معنی نجاست کی ضد ہے (تاج العروس ص ۳۶۲ ج ۳) اس احتمال کو اگر تسلیم کر لیا جائے تو بات صاف ہے کہ جنبی وحیضہ قرآن کو مس نہ کرے۔

ثالثاً: امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک کافر کو تعلیم قرآن دینی جائز ہے۔ (التمهید ص ۲۰۴ ج ۱۵)

مفتی کفایت اللہ دهلوی حنفی دیوبندی سے سوال کیا جاتا ہے۔

ایک شخص ہندو اپنے شوق سے قرآن مجید پڑھنا چاہتا ہے بلکہ قرآن مجید پڑھنے کا دل سے بہت شوق رکھتا ہے، پڑھانے والا بوجہ حرمت وادب کلام پاک تامل کرتا ہے۔ جواب: غیر مسلم کو قرآن شریف کی تعلیم دینا جائز ہے معلم اس کو احترام کلام مجید کی تعلیم بھی دے اور اپنے اوپر بے حرمتی کا کام نہ ہونے دے۔ (کفایت المفتی ص ۱۴ ج ۲)

کافر جو جنابت وغیرہ کا غسل بھی نہیں کرتے ان کے لیے تو مصحف کو مس کرنا جائز ہے مگر مسلمان کے لیے نا جائز؟ **تلك اذا قسمة ضیزی،** علاوہ ازیں احناف کے نزدیک نابالغ بچہ مصحف کو بلاوضو چھوسکتا ہے۔ جو ان کی تمام کتب فقہ وفتاوی میں کتاب الحیض کے آخر میں لکھا ہوا ہے، مثلاً دیکھئے۔

(ھدایه مع فتح القدير ص ۱۵۰ ج ۱ وکفایه ص ۱۵۰ ج ۱)

حالانکہ حدیث میں اسکی تخصیص نہیں ہے، اگر کہا جائے کہ بچہ مکلّف نہیں تو راقم عرض کرتا ہے کہ کیا بچہ بلاوضو نماز بھی ادا کر سکتا ہے؟ کیونکہ بقول حنفیہ کے وہ طہارت کا مخاطب نہیں۔

خلاصہ کلام یہ کہ اس روایت سے حنفیہ کا مؤقف ثابت نہیں ہوتا۔

(۲) عبدالله بن عمر ان رسول الله ﷺ قال لا یمس القرآن الاطاهر، رواه الطبرانی فی الکبیر والصغیر ورجاله موثقون۔

(مجمع الزوائد ص۲۷۶ ج۱)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قرآن کو پاک آدمی کے سوا کوئی نہ چھوئے۔ (حدیث اور اهل حدیث ص۲۲۹)

الجواب: اس روایت کو سعید بن محمد، راوی بیان کرنے میں منفرد ہے جیسا کہ امام طبرانی نے صراحت کی ہے اور خطیب نے۔ (تاریخ بغداد ص۹٤ ج۹) میں سعید کا ذکر کیا ہے مگر کوئی جرح یا تعدیل بیان نہیں کی، لہٰذا یہ مجھول الحال کے مشابہ ہے، دوسری علت اس میں یہ ہے کہ سند میں ابن جریج ہیں۔ اور یہ زبردست قسم کے مدلس ہیں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

وصفه النسائی وغیره بالتدلیس قال الدارقطنی شرالتدلیس تدلیس ابن جریح فانه قبیح التدلیس لایدلس الا فیما سمعه من مجروح،

یعنی امام نسائی وغیرہ نے ان کی تدلیس کی صراحت کی ہے، امام دارقطنی فرماتے ہیں بدترین تدلیس ابن جریج کی ہے وہ قبیح التدلیس ہیں اور صرف ضعیف ومجروح راویوں سے ہی تدلیس کرتے ہیں۔

(طبقات المدلسین ص٤١)

جبکہ زیر سند میں تحدیث کی صراحت نہیں بلکہ معنعن مروی ہے۔

(طبرانی کبیر ص۲۴۲ ج۱۲ رقم الحدیث ۱۳۲۱۷) وطبرانی صغیر رقم الحدیث ۱۱۶۲) ودارقطنی ص۱۲۱ ج۱ وبیهقی ص۸۸ ج۱)

الغرض یہ رویت سعید کی جہالت اور ابن جریج کی تدلیس کی وجہ سے ضعیف ہے، اور علامہ ہیثمی کا یہ کہنا کہ اس کے راویوں کی توثیق کی گئی ہے اپنے اندر کوئی وزن نہیں رکھتا۔

(۳) عبدالله بن ابی بکر بن حزم ان فی الکتاب الذی کتبه رسول الله ﷺ لعمر وبن حذم ان لا یمس القرآن الا طاهر۔

(موطا امام مالك ص۱۸۵)

حضرت عبداللہ بن ابوبکر بن حزم سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جو خط عمرو بن حذم کو لکھا تھا اس میں یہ بات بھی تھی کہ قرآن کو ناپاک آدمی کے سوا کوئی نہ چھوئے۔

(حدیث اور اهل حدیث ص۲۲۹)

الجواب اولاً: آپ نے کافر (جو نص سے نجس ہے) اور بچہ کو کس دلیل سے مستثنا کیا ہے، حالانکہ حدیث میں عموم ہے خصوصی نہیں۔

ثانیاً: یہ روایت مرسل ہے کیونکہ عبداللہ صغیر تابعی ہیں، اور مرسل روایت ضعیف ہوتی ہے۔ راجع مقدمہ

ثالثاً: اگر کہا جائے کہ (سنن دارقطنی ص۱۲۲ ج۱ اور بیہقی ص۸۸ ج۱) وغیرہ میں سلیمان بن داوٗد کے طریق سے یہ روایت متصل بھی مروی ہے، تو جواب اس کا یہ ہے کہ امام ابوداوٗد اور نسائی نے کہا ہے کہ راوی الحکم بن موسیٰ نے، سلیمان بن داوٗد کہنے میں غلطی کی ہے درست سلیمان بن ارقم ہے اور سلیمان متروک ہے۔ (کذا فی نصب الرایہ ص۱۹۷ ج۱) امام نسائی پہلے سلیمان بن داود کی سند سے نقل کرتے ہیں پھر سلیمان بن ارقم کا طریق نقل کر کے فرماتے ہیں۔

وهذا شبه بالصواب والله اعلم وسليمان بن ارقم متروك الحديث۔

یعنی صحیح سلیمان بن ارقم ہی ہے اور سلیمان بن ارقم متروک الحدیث ہے۔

(سنن نسائی رقم الحدیث ۴۸۵۸)

ابن ترکمانی حنفی نے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔ (جوهر النقی ص۸۸ ج۱)

(۴) عن انس بن مالك قال خرج عمر متقلد السيف فقيل له ان ختنك واختك قد صبوفاتا هما عمر و عندها رجل من المهاجرين يقال له خباب و كانو يقرؤن طه فقال عمر اعطوني الكتاب عندكم اقرأه و كان عمر يقرأالكتاب فقالت له اخته انك رجس ولا يمسه الا المطهرون فقم فاغتسل او توضا فقام عمر فتوضاء ثم اخذ الكتاب فقرأ طه

(دارقطنی ص۱۲۳ ج۱)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر تلوار لٹکا کر نکلے آپ سے کہا گیا کہ آپ کے بہنوئی اور بہن صابی ہوگئے ہیں۔ آپ سیدھے بہن بہنوئی کے پاس آئے ان کے پاس مہاجرین میں سے ایک صاحب جنہیں خباب کہا جاتا ہے موجود تھے یہ سب سورہ طٰہ پڑھ رہے تھے حضرت عمرؓ نے کہا کہ وہ کتاب دو جو تم پڑھ رہے تھے میں بھی پڑھوں اور کتاب پڑھنے لگے آپ سے آپ کی بہن نے کہا کہ تم ناپاک ہو اور کتاب اللہ کو پاک لوگ ہی چھوتے ہیں۔ اس لیے کھڑے ہو اور غسل یا وضو کرو حضرت عمرؓ اٹھے وضو کیا پھر کتاب لے کر سورہ طٰہ پڑھی۔

(حدیث اور اهل حدیث ص۲۳۰)

الجواب : امام دارقطنی نے آگے ہی لکھا ہے کہ سند میں، قاسم بن عثمان راوی ہے جو قوی نہیں جسے مولانا صاحب نے نقل نہیں کیا، امام بخاری اور عقیلی فرماتے ہیں کہ اسکا کوئی متابع نہیں علامہ ذھبی کہتے ہیں یہ روایت سخت منکر ہے۔

(میزان ص۷۵ ج۳ ولسان ص۴۶۳ ج۴ ونصب الرایہ ص۱۹۹ ج۱)۔

(۵) کان ابو وائل یرسل خادمه وھی حائض الی ابی رزین فتاتیه بالمصحف فتمسك بعلاقته۔

(بخاری ص۴۳ ج۱)

حضرت ابو وائل رحمۃ اللہ علیہ اپنی خادمہ کو حالت حیض ہی میں حضرت ابو رزین کے پاس بھیجتے تھے اور خادمہ ان کے یہاں قرآن مجید ڈوری سے پکڑ کر لاتی تھی۔ (حدیث اور اھل حدیث ص ۲۳۰)

الجواب اولاً: یہ اثر آپ کے بھی خلاف ہے کیونکہ آپ کے نزدیک بھی بعض شرائط سے حیضہ قرآن کو اٹھا سکتی ہے، مولانا تھانوی فرماتے ہیں۔

اگر کلام مجید جزدان میں یا رومال میں لپیٹا ہو یا اس پر کپڑے وغیرہ کی چولی چڑھی ہوئی ہو اور جلد کے ساتھ سلی ہوئی نہ ہو بلکہ الگ ہو کہ اتارے سے اتر سکے تو اس حال میں قرآن مجید کا چھونا اور اٹھانا درست ہے۔ (بهشتی زیور ص۵۷ حصه دوم باب بست ونهم مسئله نمبر ۱)

حالانکہ مذکورہ اثر میں رسی وغیرہ سے اٹھا کر لانے کا بیان ہے پکڑ کر لانے کا ذکر نہیں اور یہ بات محتاج دلیل نہیں کہ عموماً قرآن کریم پر غلاف وغیرہ علیحدہ کپڑے کا ہوتا ہے۔

ثانیاً: امام بخاری رحمہ اللہ نے اس اثر کو تعلیقاً روایت کیا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے (تغلیق التعلیق ص۱۶۸ ج۲) میں بحوالہ ابن ابی شیبہ اسکی سند ذکر کی ہے، جس میں جریر بن حازم راوی ہے، جس پر تدلیس کا الزام ہے۔ (طبقات المدلسین ص۲۰)

اور یہ یہاں تحدیث کی صراحت نہیں ہے۔

ثالثاً: ابو وائل تابعی ہیں۔ اختلافی مسائل میں تابعین کے اقوال حجت نہیں ہوتے (راجع مقدمہ) اس کے بالمقابل ملاحظہ کیجئے۔

عن علقمة بن قیس انه کان اذا اراد ان یتخذ مصحفا امر نصرانیا فنسخه له۔

یعنی حضرت علقمہ بن قیس جب مصحف کو پکڑنے کا ارادہ کرتے تو ایک عیسائی کو حکم دیتے وہ آپ کے لیے لے آتا۔ (المحلی بالاثار ص۹۹ ج۱)

مولانا انوار خورشید کی بددیانتی

فرماتے ہیں نواب وحید الزمان لکھتے ہیں۔

وقیل لا یشترط الطهارة لمس المصحف وجزم به الشوکانی وغیره من اصحابنا۔

(نزل الابرار ص۹ ج۱) اور کہا گیا کہ قرآن کو چھونے کے لیے طہارت شرط نہیں ہے، اسی پر ہمارے اصحاب سے شوکانی وغیرہ نے جزم کیا ہے۔ (حدیث اور اهل حدیث ص۳۳۱)

آگے چل کر اس کا یہ مفہوم بیان کیا کہ بلا طہارت بھی چھونا جائز ہے۔ (ص ۲۳۲) شرط ہونے کے انکار سے جائز ہونا کس اصول کی کتاب میں لکھا ہے۔ بحوالہ صراحت کریں۔ آپ کا استدلال بالکل اس جاہل ونادان کی طرح ہے جو یہ کہے کہ حنفیہ کے نزدیک نماز میں قیام شرط نہیں لہذا حنفیہ کے نزدیک قیام کے بغیر نماز درست ہے، اناللہ وانا الیہ راجعون آپ نے جو عبارت نواب صاحب کی نقل کی ہے اس سے قبل کی عبارت یہ ہے۔ **ومس المصحف علی القول المحقق**، یعنی تحقیقی قول یہ ہے کہ مصحف کو بلا وضو چھونا جائز نہیں۔ (نزل الابرار ص۹ ج۱) اس عبارت کی موجودگی میں آپ کی نقل کردہ عبارت میں، قیل، کا صیغہ تمریض ہے جو ضعف پر دال ہے۔ مگر ان تمام حقائق کو آپ نے پسے پشت ڈال کر بددیانتی کی ہے،

الغرض اس مؤقف کو علامہ وحید الزمان کی طرف سے منسوب کرنا غلط بیانی ہے وہ تو اس مسئلہ میں حنفیوں سے بھی زیادہ متشدد ہیں۔ علامہ موصوف کے نزدیک قرآن مجید کا غلاف اور جلد بھی بلا وضو چھونا جائز نہیں۔

(ترجمه کشف المغطا عن الموطا موطا امام مالك ص۷۱ مطبوعه اسلامی اکادمی ۱٤۰۲ھ)

(۲۱) باب حنفیہ کی شرائط نماز

فصل اول

شرائط نماز

قرآن وسنت سے احکام نماز کو فرض واجب، سنت ومستحب اور شرائط میں تقسیم کرنا ثابت نہیں امت مرحومہ کے جلیل القدر اور بزرگ ہستیاں صحابہ کرام رضی اللہ عنھم سے بھی اس کا ثبوت نہیں، یہ تمام اصطلاحات بعد کی ہیں اسلام میں تمام عبادات بالخصوص نماز کا طریقہ سادہ عام فہم ہے، نبی رحمت رسول مکرم ﷺ فرماتے ہیں۔

صلوا کمارایتمونی اصلی۔ نماز اس طرح ادا کرو جس طرح مجھے پڑھتے دیکھتے ہو۔

(بخاری رقم الحدیث ۶۳۰)

جگہ وبدن اور کپڑوں کی طہارت

قرآن وسنت سے ان تینوں چیزوں کا نماز کے لیے ہونا لازمی وضروری ہے، اور ان کے بغیر نماز نہیں ہوتی، ہاں البتہ کوئی شخص لاعلمی اور غلطی سے، نجس جگہ یا پلید بدن اور گندے کپڑوں میں نماز ادا کرتا ہے تو اس کی نماز ہو جائے گی اسے لوٹانے کی ضرورت نہیں۔

دلائل حسب ذیل ہیں۔

(۱) سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمار رضی اللہ عنہ کا واقعہ جس کی بحوالہ پہلے تیمّم میں ایک ضرب، کے ابتدا میں بحث گزر چکی ہے، اس کو ایک بار مکرر ملاحظہ کر لیا جائے، اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ لاعلمی سے اگر کسی مقام پر نماز کا رکن یا شرائط وغیرہ کما حقہ ادا نہ ہوں تو نماز بہر حال ہو جائے گی، کیونکہ نبی مکرم ﷺ نے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمار رضی اللہ عنہ کو نماز لوٹانے کا حکم نہیں دیا۔

(۲) عن ابی سعید الخدری قال بینما رسول اللہ ﷺ یصلی باصحابہ اذخلع نعلیہ فوضعھما عن یسارہ فلما رای ذلک القوم القوا نعالھم فلما قضی رسول اللہ ﷺ صلاتہ قال ماحملکم علی القائکم نعالکم؟ قالوا رایناک القیت نعلیک فالقینا نعالنا فقال رسول اللہ ﷺ ان جبریل علیہ السلام اتانی فاخبرنی ان فیھا قذرا، اوقال أذی، وقال اذا جاء احدکم الی المسجد فلینظر فان رای فی نعلیہ قذرا او اذی فلیمسحہ ولیصلی فیھما۔

سیدنا ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ صحابہ کرام کو نماز پڑھا رہے تھے کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جوتیاں اتار کر بائیں طرف رکھ دیں۔ جب قوم نے یہ دیکھا تو انہوں نے بھی جوتیاں اتار دیں، نبی مکرم ﷺ جب نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا کہ تمہیں جوتیاں اتارنے پر کس چیز نے ابھارا تھا؟ صحابہ کرام نے جواب دیا کہ ہم نے آپ کو جوتیاں اتارتے دیکھا تو ہم نے بھی اتاردیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میرے پاس جبریل آئے اور مجھے خبر دی کہ آپ کی جوتیوں میں ناپاکی ہے، مزید رسول اللہ ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا کہ تم میں سے جب کوئی شخص مسجد میں آئے تو وہ اپنی جوتیوں کو دیکھے اگران میں گندگی لگی ہو تو اسے زمین پر رگڑ کر صاف کر لے اور پھر ان میں نماز ادا کرے۔

(سنن ابی داؤد رقم الحدیث ۶۵۰، وبیهقی ص۴۰۲، ۴۳۱ ج۲ ومستدرك حاکم ص۲۶۰ ج۱ ومسند احمد ص۲۰، ۹۲ ج۳ ومسند طیالسی رقم الحدیث ۲۱۵۴)

امام حاکم وذھبی، نووی اور علامہ البانی وغیرہ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ (ارواء الغلیل ص٣١٤ ج١) اس حدیث سے یہ مسئلہ ثابت ہوا کہ اگر کپڑے وغیرہ پر نجاست ہو بوجہ غلطی نماز پڑھ لی جائے تو لوٹانے کی ضرورت نہیں کیونکہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نماز کا جو حصہ نجس جوتی سمیت ادا کیا تھا اسے لوٹایا نہیں تھا، ہمارے فاضل دوست نے بھی (ص ٢٣٣) پر اس حدیث کو نقل کر کے اگلے صفحہ پر لکھا ہے۔

رہی یہ بات کہ آپ نے ان جوتیوں میں پڑھی ہوئی نماز کیوں نہیں لوٹائی تو اس کی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ نجاست تھوڑی ہوگی جو معاف ہے۔ (حدیث اور اهل حدیث ص٢٣٤)

لیکن یہاں ہوسکتی ہے سے بات نہیں چلے گی صریحاً دلیل دیجئے، علاوہ ازیں اس کی بھی دلیل عنایت کریں کہ تھوڑی نجاست معاف ہے، خالی آپ کے دعوے کون سنتا ہے،

(۳) سیدنا عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب آیت **حتی یتبین** نازل ہوئی تو میں نے سیاہ وسفید ایک ایک ڈوری رکھ لی انہیں دیکھتے رہے اور کھاتے پیتے رہے صبح اس کا تذکرہ نبی مکرم ﷺ سے کیا تو آپ علیہ السلام نے فرمایا۔

انما ذلك سواد اللیل وبیاض النهار

نہیں بلکہ یہ رات کا اندھیرا اور دن کی روشنی مراد ہے۔ (بخاری رقم الحدیث ١٩١٦)

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے سیدنا عدیؓ کو مسئلہ تو سمجھایا ہے مگر روزے کی قضاء کا حکم نہیں دیا۔

(۴) نماز میں قبلہ کی طرف منہ کرنا شرط ہے، مگر جب قبلہ تبدیل ہوگیا تو قبا کی بستی والے صحابہ اس

حکم سے ناواقف تھے وہ بدستور بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے رہے اگلے روز صحابی نے آ کر انہیں اطلاع دی تو انہوں نے نماز کی حالت میں ہی بیت اللہ کی طرف منہ کر لیا۔ (بخاری رقم الحدیث ۴۰۳)

لیکن نبی ﷺ نے انہیں نماز لوٹانے کا حکم نہ دیا تھا، ان دلائل سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ اگر لاعلمی سے کوئی شخص نجاست کے ساتھ نماز پڑھ لے تو اس کی نماز ہو جاتی ہے جیسے بھول کر کھانے پینے سے روزہ نہیں ٹوٹتا ویسے ہی لاعلمی میں صحت نماز میں فرق نہیں آتا۔

فصل دوم

(انوار صاحب کے دلائل کا تجزیہ)

آخر میں ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ اپنے بھائی کے پیش کردہ دلائل میں سے ضعیف روایات کی نشان دہی کریں اور یہ بھی بتاتے جائیں کہ جو صحیح احادیث ہیں ان کو حنفی فقط رد اہل حدیث میں ہی قبول کرتے ہیں ورنہ ان احادیث سے جو دیگر شرعی مسائل ثابت ہوتے ہیں ان کا تقلید کی وجہ سے انکار کرتے ہیں۔

(۱) حیض کی مدت کے سلسلہ میں ہم ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی صحیح حدیث نقل کر چکے ہیں۔ جس کا مفاد یہ ہے کہ حیض کی مدت عادت وغیرہ ہے، مولانا انوار خورشید صاحب نے ص۲۳۲ پر اس حدیث کو بحوالہ (بخاری ص ٤٤ ج ۱) نقل کر کے بدن وغیرہ کی طہارت کے شرط ہونے پر استدلال کیا ہے، مگر اس حدیث میں یہ الفاظ بھی مروی ہیں۔ فاذا ذهب قدرها۔ جب اندازہ کے مطابق ایام گزر جائیں۔ (حدیث اور اهل حدیث ص۲۳۳)

مگر افسوس ان الفاظ نبوی علیہ التحیۃ والسلام پر خورشید صاحب ایمان لانے کو تیار نہیں۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

(۲) عن ابن عمر ان النبی ﷺ نھی ان یصلی فی سبعة مواطن فی المذبلة ولمجذرة والمقبرة وقارعة الطریق وفی الحمام ومعاطن الابل وفوق ظهر بیت الله۔

(ترمذی ص۸۱ ج۱)۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سات جگہ پر نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے کوڑے کرکٹ کی جگہ میں جانور ذبح کرنے کی جگہ میں، قبرستان میں راستہ چلنے کی جگہ میں، حمام میں، اونٹوں کے باڑے میں اور بیت اللہ کی چھت پر۔

(حدیث اور اهل حدیث ص۲۳۶)

پہلی بات تو یہ ہے کہ ممانعت سے آپ نے جگہ کی طہارت کو شرط قرار دیا ہے، مگر اس پر آپ نے غور نہیں کیا کہ اس حدیث میں تو بیت اللہ کی چھت پر نماز پڑھنے کی بھی ممانعت ہے جبکہ بیت اللہ کی چھت کا نہ ہونا آپ کے نزدیک شرط نہیں، بلکہ آپ کے نزدیک بیت اللہ کی چھت پر نماز ہو جاتی ہے، (هدایه ص۱۸۵ ج۱) ودرس ترمذی ص۱۲۵ ج۲) حالانکہ حدیث میں جس طرح کوڑے کرکٹ کی جگہ پر نماز پڑھنے سے منع کیا گیا ویسے ہی بیت اللہ کی چھت پر نماز ادا کرنے سے منع فرمایا گیا ہے، یہ بات تو درست ہے کہ ممانعت کا سبب تو مختلف ہے مگر ممانعت بہر حال ہے جس کو آپ قبول نہیں کرتے دوسری بات یہ ہے کہ امام ترمذی نے اس پر بوجہ زید بن جبیر ضعف کا حکم لگایا تھا جسے آپ بے ڈکار ہضم کر گئے ہیں۔امام ابن عبدالبر فرماتے ہیں کہ زید کے ضعیف ہونے پر محدثین کا اتفاق ہے،امام ساجی فرماتے ہیں یہ حدیث سخت منکر ہے،حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس حدیث کو سخت ضعیف قرار دیا ہے۔ (التلخیص الحبیر ص۲۱۵ ج۱ وارواء الغلیل ص۳۱۹ ج۱۔

(۳) مقلد خورشید صاحب نے صفحہ ۲۳۷ میں سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث کو (صحیح مسلم ص۱۳۸ ج۱) سے نقل کیا ہے مگر افسوس کہ خود حنفیہ نے اس حدیث کا انکار کیا ہے تفصیل کے لیے۔ (تحفه حنفیه ص۸۰ ج۱) کی مراجعت کریں۔

(۴) عن عائشة قالت قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم لا تقبل صلوٰة الحائض الا بخمار۔

(ترمذی ص۸۶ ج۱ ابو دائود ص۹۴ ج۱)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جوان عورت کی نماز اوڑھنی کے بغیر قبول نہیں ہوتی۔

(۵) عن عبدالله بن ابی قتادة عن ابیه رفعه لا یقبل الله من امراة صلاة حتی تواری زینتها ولا جاریة بلغت المحیض حتی تختمر۔

(اخرجه الطبرانی فی الاوسط بحواله الدرایه ص۱۲۲ ج۱)

حضرت عبداللہ بن ابی قتادہ اپنے والد سے مرفوعا روایت کرتے ہیں کہ اللہ عورت کی نماز اس وقت تک قبول نہیں فرماتے جب تک کہ وہ اپنی زینت نہ چھپالے اور نہ کسی ایسی لڑکی کی نماز قبول فرماتے ہیں جو کہ بالغ ہوگئی ہو حتی کہ وہ اوڑھنی اوڑھ لے۔ (حدیث اور اهل حدیث ص۲۳۹)

ان احادیث سے ہمارے معاصر نے صحت نماز کے لیے ستر کے ڈھانپنے کے شرط ہونے پر استدلال کیا ہے مگر دوسری طرف توجہ نہیں دی کہ ان احادیث سے یہ مسئلہ بھی ثابت ہو رہا ہے کہ مرد کا ننگے سر نماز ادا کرنا درست ہے اور اسکی نماز میں کوئی کمی نہیں رہ جاتی کیونکہ حدیث میں اوڑھنی کا عورت

کے ساتھ خاص ہونے کا ذکر ہے، لیکن خورشید صاحب اس مسئلہ کو تسلیم نہیں کرتے۔ اور ننگے سر نماز پڑھنے کو اہل سنت کی مخالفت سے تعبیر کرتے ہیں۔ (حدیث اور اهل حدیث ص ۱۲۱)

بلاشبہ پہلی حدیث تو صحیح ہے مگر دوسری روایت کی سند میں اسحاق بن اسماعیل بن عبدالاعلیٰ الایلی، راوی ہے، امام طبرانی فرماتے ہیں کہ اسے روایت کرنے میں یہ منفرد ہے، (طبرانی الاوسط ص ۲۹٤ ج ۸ رقم الحدیث ۷٦۰۲ وطبرانی صغیر ص ۱۳۸ ج ۱ رقم الحدیث ۹۲۰) علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ مجھے اس کا ترجمہ نہیں ملا (مجمع الزوائد ص ۵۲ ج ۲)

راقم عرض کرتا ہے کہ اسحاق کو امام ابوحاتم نے (الجرح والتعدیل ص ۲۱۲ ج ۲) میں ذکر کیا ہے مگر کوئی جرح یا تعدیل بیان نہیں کی جس سے ثابت ہو کہ اسحاق مجھول الحال ہے، لہذا یہ روایت ضعیف ہے۔

(۲۲) باب فجر کی نماز کو غلس (اندھیرے) میں ادا کرنا

فصل اول

(۱) ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا راویہ ہیں کہ

کن نساء المؤمنات یشھدن مع رسول الله ﷺ صلاۃ الفجر متلفعات بمروطھن ثم ینقلبن الی بیوتھن حین یقضین الصلاۃ لا یعرفھن احد من الغلس۔

یعنی مومنوں کی عورتیں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز فجر پڑھتیں تھیں، چادروں میں لپیٹی ہوئی، اور جب نماز پڑھکر اپنے گھروں کو آتی تھیں تو انہیں کوئی شخص اندھیرے کی وجہ سے پہچان نہیں سکتا تھا۔

(بخاری کتاب مواقیت الصلاۃ باب وقت الفجر، الحدیث ۵۷۸) ومسلم کتاب المساجد باب استحباب التکبیر بالصبح فی اول وقتھا،......الحدیث ۱۴۵۷)

(۲) سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ

انھم تسحروا مع النبی ﷺ ثم قاموا الی الصلاۃ قلت کم بینھما؟ قال قدر خمسین او ستین یعنی آیة۔

میں نے نبی مکرم ﷺ کے ساتھ (رمضان المبارک) میں سحری کھائی پھر نماز پڑھی (سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ) میں نے (سیدنا زید رضی اللہ عنہ سے) پوچھا کہ نبی مکرم ﷺ کی سحری اور نماز کے درمیان کتنا وقفہ تھا؟ تو انہوں نے جواب دیا تقریباً پچاس ساٹھ آیات (کی تلاوت جتنا)۔

(بخاری کتاب مواقیت الصلاۃ باب وقت الفجر الحدیث ۵۷۵)

(۳) عن انس بن مالك ان النبی ﷺ وزید بن ثابت تسحرا فلما فرغا من سحورھما قام نبی ﷺ الی الصلاۃ فصلیا، قلت لانس کم کان بین فراغھما من سحو رھما ودخولھما فی الصلاۃ؟ قال قدر ما یقرأ الرجل خمسین آیة۔

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی مکرم ﷺ اور سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے سحری کھائی پھر آپ علیہ التحیۃ والسلام نماز کے لیے اٹھے اور نماز پڑھی (راوی حدیث امام قتادہ کہتے ہیں کہ) میں نے سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ سحری سے فراغت اور نماز کو شروع کرنے کا درمیانی وقت کتنا تھا تو انہوں نے کہا کہ اتنا کہ ایک شخص پچاس آیتیں پڑھ سکے۔

(بخاری کتاب المواقیت باب وقت الفجر، الحدیث ۵۷۶)

(۴) عن ابی حازم انه سمع سھل بن سعد یقول کنت اتسحر فی اھلی ثم یکون سرعة

بی ان ادرک صلاۃ الفجر مع رسول اللہ ﷺ۔

سیدنا سھل بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں اپنے اہل وعیال میں سحری کھاتا پھر نبی مکرم ﷺ کے ساتھ نماز فجر پانے کے لیے مجھے جلدی کرنی پڑتی تھی۔

(بخاری کتاب المواقیت الصلاۃ باب وقت الفجر، الحدیث ۵۷۷)

آخری تینوں احادیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ نبی مکرم ﷺ سحری کھا کر تھوڑی دیر (بقدر پچاس آیات کی تلاوت کے) ٹھہر کر نماز صبح ادا فرما لیتے تھے صحابہ کہتے ہیں کہ ہم بھی آپ علیہ التحیۃ والسلام کے ساتھ نماز پانے کے لیے جلدی کرتے تھے، اور یہ وقت اسفار کا نہیں ہوتا بلکہ غلس (اندھیرے) کا ہوتا ہے، علمائے دیوبند بھی تسلیم کرتے ہیں کہ ان احادیث سے اندھیرے میں نماز پڑھنا ثابت ہے چنانچہ سید محمد انور شاہ صاحب کاشمیری فرماتے ہیں۔

ولعل ھذا التغلیس کان فی رمضان خاصۃ وھکذا ینبغی عندنا اذا اجتمع الناس علیہ العمل فی دارالعلوم بدیوبند من عھد الاکابر۔

یعنی ممکن ہے کہ اس غلس (اندھیرے) میں نماز پڑھنا خاص رمضان میں ہی ہو، میرے نزدیک جب نمازی جمع ہو جائیں تو تب بھی ایسا کرنا درست ہے اور دارالعلوم دیوبند میں اکابر کے زمانہ سے لیکر اسی پر ہی عمل چلا آرہا ہے۔ (فیض الباری ص۱۳۶ ج۲)

شاہ صاحب کی اس شہادت سے ثابت ہوا کہ ان احادیث میں غلس (اندھیرا) ہی مراد ہے، اور دارالعلوم دیوبند میں اسی پر ہی عمل ہے ہاں البتہ یہ رمضان سے خاص ہے وغیرہ شاہ صاحب کی شہادت سے ہمارا مقصود فقط اس قدر ہی ہے کہ ان احادیث میں غلس (اندھیرا) مراد ہے رہا رمضان سے خاص ہونا تو اس کی تردید سیدنا ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ہوتی ہے جو آگے آرہی ہے۔

(۵) سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں

کان النبی ﷺ یصلیھا بغلس۔ الحدیث۔

یعنی نبی ﷺ صبح کی نماز اندھیرے میں پڑھا کرتے تھے۔

(بخاری کتاب مواقیت الصلاۃ باب وقت المغرب الحدیث ۵۶۰، ومسلم کتاب المساجد باب استحباب التکبیر بالصبح فی اول وقتھا،......الحدیث ۱۴۶۰)

(۶) سیدنا ابی برزہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

کان النبی ﷺ یصلی الصبح واحد نایعرف جلیسہ، ویقرأ فیھا مابین الستین الی المائۃ۔ الحدیث۔

یعنی نبی مکرم ﷺ کی صبح کی نماز پڑھتے تھے اور ہم میں سے کوئی ایک شخص (نماز سے فارغ ہو

کر) اپنے پاس والے کو پہچان لیتا تھا اور آپ علیہ التحیۃ والسلام ساٹھ آیات سے سو کے درمیان قرآت کرتے تھے۔

(بخاری کتاب مواقیت الصلاۃ باب وقت الظهر عند الزوال،الحدیث ۵۴۱، ومسلم کتاب المساجد باب مذکوره،الحدیث ۱۴۶۲)

مولانا شبیر احمد عثمانی دیوبندی نے اعتراف کیا ہے کہ اس حدیث سے نماز فجر کا غلس (اندھیرے) میں پڑھنا ثابت ہوتا ہے، کیونکہ ہم نشین کو مشکل سے پہچاننا غلس کے آخر میں ہی ہوتا ہے۔ (فتح الملهم ص ٢١٤ ج ٢)

(۷) سیدنا ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

وصلى الصبح مرة بغلس ثم صلى مرة اخرى فاسفر بها ثم كانت صلاته بعد ذلك التغليس حتى مات ولم يعد الى ان يسفر۔

آپ علیہ التحیہ والسلام نے (امامت جبریل میں) پہلی بار نماز صبح اندھیرے میں ادا فرمائی دوسری بار روشنی میں پھر اس کے بعد آپ کی نماز اندھیرے ہی میں تھی کہ آپ کی وفات ہوگئی اور صبح کی نماز روشنی میں ادا نہ کی۔

(ابو داؤد کتاب الصلاۃ باب فی المواقیت،الحدیث ۳۹۴ وابن حبان رقم الحدیث ۱۴۹۲)وصحیح ابن خزیمه رقم الحدیث ۳۵۲) ومستدرك حاكم ص ۱۹۲ ج ۱ وبیهقی ص ۳۶۳، ۳۱۴، ۴۳۵ ج ۱ وسنن دار قطنی ص ۲۵۰ ج ۱)

امام ابن حبان ابن خزیمہ حاکم، خطابی اور علامہ ذھبی رحمۃ اللہ علیہم نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

(۸) امام مغیث بن سمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

صليت مع عبدالله بن الزبير الصبح بغلس فلما سلم اقبلت على ابن عمر فقلت ماهذه الصلاة قال هذه صلاتنا كانت مع رسول الله ﷺ وابى بكر وعمر فلما طعن عمر اسفر بها عثمان۔

میں نے سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی اقتدا میں صبح کی نماز غلس (اندھیرے) میں پڑھی تو جب آپ نے سلام پھیرا تو میں سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور ان سے کہا یہ کیسے (وقت) نماز ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ صبح کی نماز اندھیرے ہی میں تھی، ہماری رسول اللہ ﷺ اور سیدنا ابی بکر رضی اللہ عنہ اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ساتھ پھر جب سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ (اندھیرے کی وجہ سے) شہید کر دیئے گئے تو سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے فجر کو اجالے میں پڑھنا شروع کر دیا۔

(سنن ابن ماجه کتاب الصلاۃ باب وقت صلاۃ الفجر،الحدیث ۶۷۱)وصحیح ابن حبان رقم الحدیث ۱۴۹۴)وبیهقی ص ۴۵۶ ج ۱ وطحاوی ص ۱۲۱ ج ۱)

اس حدیث کو امام ابن حبان اور علامہ البانی نے صحیح اور امام بخاری رحمہ اللہ نے حسن قرار دیا ہے۔
(ارواء الغلیل ص۲۷۹ ج۱)

اس حدیث کا مفاد ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء الراشدین رضی اللہ عنھم بھی نماز فجر کو غلس (اندھیرے) میں پڑھا کرتے تھے، رہے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ تو وہ بھی نماز کو اندھیرے ہی میں پڑھا کرتے تھے صرف چند ایام جن میں آپ ابھی خلیفہ منتخب نہ ہوئے تھے اور مدینہ منورہ کے سیاسی حالات خراب تھے ان میں اسفار میں نماز پڑھائی بعد میں آپ ہمیشہ غلس (اندھیرے) میں ہی نماز پڑھاتے رہے۔ جیسا کہ اگلی حدیث کا مفاد ہے۔

(۹) امام ایاس تابعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

کنا نصلی مع عثمان الفجر فنصرف وما یعرف بعضنا وجوہ بعض۔

ہم سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ صبح کی نماز پڑھکر سلام پھیرتے تھے تو ہم ایک دوسرے کے چہرے کو پہچان نہ سکتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ص ۳۲۱ ج ۱)

امام ابن عبدالبر نے اس اثر کو صحیح کہا ہے (التمہید ص ۳۴۰ ج ٤)

اس سلسلہ میں مزید مرفوع و موقوف روایات پیش کی جاسکتی ہیں مگر ہم اختصار کی وجہ سے انہیں پر ہی اکتفا کرتے ہیں۔

فصل دوم

(۱) عن عبداللہ بن مسعود قال مارأیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم صلیٰ صلاۃ لغیر میقاتھا الا صلوٰتین جمع بین المغرب والعشاء (بجمع) وصلی الفجر قبل میقاتھا۔
(بخاری ص۲۲۸ ج۱)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کبھی نہیں دیکھا کہ آپ نے کوئی نماز بھی بے وقت پڑھی ہو سوائے دو نمازوں یعنی مغرب وعشاء کے کہ ان کو آپ نے مزدلفہ میں اکٹھا پڑھا اور فجر کو وقت سے پہلے (حدیث اور اھل حدیث ص ۲٤۱)

وجہ استدلال میں ارشاد فرماتے ہیں کہ

آپ نے ایک دفعہ حج کے موقعہ پر مزدلفہ میں، غلس (اندھیرے) میں نماز پڑھی تو اسے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے عام معمول کے وقت سے پہلے نماز پڑھنا ذکر فرمایا۔
(حدیث اور اھل حدیث ص۲۴۶)

الجواب اولاً: آپ نے معنوی تحریف کی ہے، لغت کی کسی کتاب میں، قبل میقاتھا، کا معنی غلس

اور غلس بمعنیٰ اندھیرا نہیں لکھا۔اگر آپ کے قول میں صداقت ہے تو آئمہ لغت سے ثابت کریں مجھے میری زندگی کے مالک کی قسم ہے پوری دنیا کے مبتدعین دیابنہ اکٹھے ہو کر سر توڑ کوشش کریں تو تب بھی اس پر کوئی دلیل نہیں دے سکتے۔

سنئے، قبل میقاتھا ، کا معنی ہے نماز کو وقت سے پہلے ادا کیا، جبکہ غلس اس اندھیرے کو کہتے ہیں جس میں صبح کی روشنی مل گئی ہو آئمہ لغت اور شارحین حدیث کی عبارات کے لیے دین الحق ص ۱۴۷ ج ۱ و تحفہ حنفیہ ص ۸۷ ج ۱ کی مراجعت کریں۔

یہاں پر مزید چند عبارات اکابر دیوبند کی نقل کی جاتی ہیں، مولانا یوسف بنوری فرماتے ہیں۔

الغلس ظلمة آخر الليل اذا اختلطت بضوء الصباح۔

(معارف السنن ص ۳۵ ج ۲)

مولانا خلیل احمد فرماتے ہیں۔

الغلس ظلمة آخر الليل استعمل على الاتساع فيما بقى منه بعد الصباح۔

(بذل المجهود ۲۴۴ ج ۱)

مولانا تقی عثمانی فرماتے ہیں

غلس کا معنی **ظلمة الليل** کے ہیں اور اس کا اطلاق اس اندھیرے پر بھی ہوتا ہے جو طلوع فجر کے بعد کچھ دیر تک چھایا رہتا ہے (درس ترمذی ص ۴۰۲ ج ۱)

اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ غلس اس اندھیرے کو کہتے ہیں جس میں صبح کی روشنی مل جل گئی ہو اور طلوع فجر بالاتفاق نماز فجر کا وقت ہے، فقہ حنفی کی معروف کتاب، مبسوط سرخسی میں ہے۔

انه يستحب التغليس فى الفجر والتعجيل فى الظهر اذا اجتمع الناس۔

یعنی جب نمازی اکھٹے ہو جائیں تو فجر کی نماز کو غلس میں اور ظہر کی نماز کو جلدی ادا کرنا مستحب ہے (بحواله فيض البارى ص ۱۳۶ ج ۲)

ثانیاً: آیئے ہم آپ کو بتائیں کہ: قبل میقاتھا کا معنی و مفہوم کیا ہے، عبدالرحمٰن بن یزید بیان کرتے ہیں کہ

خرجت مع عبدالله الى مكة ثم قدمنا جمعا فصلى الصلاتين كل صلوة وحدها باذان واقامة والعشاء بينهما ثم صلى الفجر حين طلع الفجر قائل يقول طلع وقائل يقول لم يطلع الفجر۔

میں سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے ساتھ مکہ مکرمہ میں گیا اور ہم دونوں مزدلفہ پہنچے تو دو نمازوں کو جمع کیا اور ہر ایک نماز کے لیے علیحدہ علیحدہ اذان و تکبیر کہی اور ان دونوں نمازوں کے درمیان کھانا کھایا پھر صبح کی نماز پڑھی جب طلوع فجر ہوئی تھی اور بعض حضرات کہتے تھے کہ صبح ہو گئی اور بعض کہتے تھے کہ صبح نہیں

ہوئی۔

(بخاری ۲۲۸ ج۱ کتاب الحج باب من یصلی الفجر بجمع، الحدیث ۱۶۸۳)

دیکھئے سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے سنت نبوی پر عمل کر کے دکھا دیا کہ قبل میقاتھا کا معنیٰ، حین طلع الفجر کے ہیں اور اس چیز کے ہم بھی صرف جواز کے ہی قائل ہیں عمل کے لحاظ سے دیکھا جائے تو اہل حدیث طلوع فجر کے وقت اذان کہتے ہیں پھر کچھ تاخیر کی جاتی ہے جو عموماً بیس منٹ سے لیکر آدھا گھنٹہ تک ہوتی ہے۔

(۲) عن رافع بن خدیج قال سمعت رسول اللہ ﷺ یقول اسفروا بالفجر فانه اعظم للاجر۔ (ترمذی ص ٤٠ ج ١)

حضرت رافع بن خدیج فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ فجر کو خوب روشنی میں پڑھو کیونکہ اس میں بہت ثواب ہے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص۲۴۱)

الجواب اولاً: آپ نے حدیث کا معنیٰ غلط کیا ہے روایت میں کوئی ایسا لفظ نہیں جس کا معنیٰ خوب ہو، یہ آپ کی زیادتی ہے، لفظ، اسفر، کا معنیٰ صبح کی روشنی ہے عربی کا محاورہ ہے خرجوا فی السفر، جو بمعنی فی بیاض الفجر، آتا ہے (اساس البلاغه ٢١٢)

علامہ فتنی حنفی مرحوم اس حدیث کا لغوی معنیٰ کرتے ہیں۔ اذا انکشف واضاء یعنی جب پو پھٹ جائے، روشنی ہو جائے (مجمع بحار الانوار ص٧٩ ج٣) اس لغوی معنیٰ کو ملحوظ رکھ کر آئمہ حدیث نے اس روایت کو یہ معنیٰ کیا ہے کہ جب فجر متحقق ہو جائے۔ امام ترمذی فرماتے ہیں۔

قال الشافعی واحمد واسحاق معنی الاسفار ان یضع الفجر فلا یشك فیه۔

یعنی امام شافعی امام احمد اور امام اسحاق رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ۔ اسفار، کا معنی ہے جب فجر واضح ہو جائے اور شک نہ رہے۔ (ترمذی مع تحفه ص١٤٥ ج ١)

امام ابو نعیم فرماتے ہیں۔

انما هو اذا تبین الفجر فقد اسفر۔

یعنی جب فجر ہو گئی تو اسفر ہو گیا۔ (التمهید ص ٣٤٠ ج ٤)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اسفر کا لفظ بمعنی تاخیر نہیں آتا جیسا کہ حنفیہ کا دعویٰ ہے بلکہ اس سے مراد طلوع فجر کا متحقق ہونا ہے۔

ثانیاً: اس کی سند میں امام مغازی محمد بن اسحاق راوی ہیں جو فریق ثانی کے نزدیک دجال وکذاب ہے۔ (احسن الکلام ص٧٠ ج٢)

مگر حنفیہ کی خود غرضی اور مطلب برآری ملاحظہ کیجئے کہ جس راوی کو فاتحہ کے مسئلہ میں دجال

وکذاب قرار دیتے ہیں اسی کی روایت سے یہاں استدلال کرتے ہیں۔

ثالثاً: پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ احناف کے نزدیک بھی اگر نمازی جمع ہو جائیں تو غلس میں نماز فجر کا ادا کرنا مستحب ہے، بلکہ اکابر دیوبند تو فرماتے ہیں اس حالت میں غلس میں نماز کا پڑھنا افضل ہے، مولانا تقی عثمانی فرماتے ہیں۔

حنفیہ کے نزدیک رمضان میں تغلیس بہتر ہے، اس لئے کہ اگر غلس میں جماعت کا اجتماع ہو جائے یا غلس کی صورت میں نمازیوں کی تعداد زیادہ رہتی ہو، اس وقت احناف بھی تغلیس کی افضلیت کے قائل ہیں۔ (درس ترمذی ص٤٠٦)

صوفی عبدالحمید سواتی حنفی دیوبندی فرماتے ہیں۔۔

تمام نمازی فجر کی نماز کے لیے غلس میں اکٹھے ہو جائیں تو پھر غلس میں پڑھنا افضل ہے (نماز مسنون س ١٨٠)

(۳) عن محمود بن لبید عن رجال من قومه من الانصار ان رسول الله ﷺ قال ما اسفرتم بالصبح فانه اعظم للاجر (نسائی ص٦٥ ج ١)

حضرت محمود بن لبید نے اپنی قوم کے کئی انصاریوں سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جتنا روشن کرو گے فجر کو اتنا ہی زیادہ ثواب ہوگا۔ (حدیث اور اهل حدیث ص ٢٤١)

الجواب اولاً: یہ روایت سیدنا رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کی ہی ہے۔ امام طحاوی نے، شرح معانی الاثار ص١٢٣ ج ١ میں محمود بن لبید عن رافع بن خدیج سے روایت کیا ہے۔ جس سے ثابت ہوا کہ مؤلف حدیث اور اہل حدیث نے محض نمبر بڑھانے کی غرض سے اسے نقل کر دیا ہے۔

ثانیاً: اگر اس بات کو قبول کر لیا جائے کہ جتنی زیادہ روشنی کی جائے اتنا ہی زیادہ ثواب ملتا ہے، تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر نماز فجر کو اس وقت شروع کیا جائے کہ ادھر سلام پھیرا اُدھر ایک منٹ کے بعد سورج طلوع ہو گیا تو کیا یہ عمل زیادتی ثواب کا موجب ہے؟ حالانکہ احناف کے نزدیک بھی اس قدر تاخیر جائز نہیں چنانچہ ان کے نزدیک نماز فجر کو اس ٹائم پر ادا کرنا چاہیے کہ اگر سلام پھیرنے کے بعد بوجہ عارض نماز لوٹانے کی ضرورت پیش آئے تو سنن نماز تک کی رعایت رکھ کر دوبارہ نماز سورج طلوع ہونے سے پہلے پڑھی جا سکے۔ (فیض الباری ص١٣٤ ج ١)

حالانکہ روایت مذکورہ میں ہے کہ جتنا روشن کر کے نماز پڑھو گے اتنا ہی زیادہ اجر و ثواب ملے گا اور یہ بات کسی دلیل کی محتاج نہیں کہ سورج طلوع ہونے سے دس منٹ پہلے جتنی روشنی ہوتی ہے وہ نصف گھنٹا پہلے نہیں ہوتی۔

الغرض اگر اس سے تاخیر مراد لی جائے تو یہ حنفیہ کے بھی خلاف ہے۔

(۴) عن بیان قال قلت لانس حدثنی بوقت رسول الله ﷺ فی الصلوٰۃ قال کان یصلی الظهر عندلوك الشمس ویصلی العصر بین صلوتکم الاولیٰ والعصر وکان یصلی المغرب عند غروب الشمس ویصلی العشاء عند غروب الشفق ویصلی الغداۃ عند طلوع الفجر حین یفتتح البصر کل مابین ذالك وقت او صلوٰۃ۔ (رواہ ابویعلی ،مجمع الزوائد ص ٣٠٤ ج ١)

حضرت بیان فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت انسؓ سے عرض کیا کہ آپ مجھے رسول اللہ ﷺ کی نماز کے اوقات بتلایئے حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ ظہر کو سورج کے ڈھل جانے کے وقت پڑھتے تھے اور عصر اور مغرب غروب آفتاب کے وقت پڑھتے تھے اور عشاء غروب شفق کے وقت پڑھتے تھے اور فجر صبح صادق کے طلوع ہونے کے وقت پڑھتے تھے جب آنکھ دور سے کسی چیز کو دیکھ لیتی تھی ان کے درمیان نماز کا وقت ہے یا نماز ہے۔

(حدیث اور اهل حدیث ص۲۴۱،۲۴۲)

الجواب اولاً: یہ حدیث نماز فجر کو غلس میں ادا کرنے کی دلیل ہے،مگر آپ نے حدیث کا معنٰی ومفہوم بدل کر اس سے استدلال کیا ہے، حدیث کے الفاظ ہمارے سامنے ہیں۔ ویصلی الغداۃ عند طلوع الفجر حین یفتتح البصر، یعنی صبح کی نماز طلوع فجر کے قریب پڑھتے جب آنکھ کھلتی ہے۔

(مسند ابو یعلی ص۱۱۵ ج۴ رقم الحدیث ۳۹۹۱)

مگر مولانا انوار خورشید صاحب، فتح البصر، کا معنی کرتے ہیں، جب آنکھ دور سے کسی چیز کو دیکھ لیتی تھی (لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم)۔

جس شخص نے نحو میر بھی پڑھی ہوگی وہ بھی اس قدر فضول ترجمہ نہیں کرے گا لیکن افسوس کہ دیوبندیت کا محقق اور جامعہ مدنیہ کا استاد اس کا یہ معنٰی کرتا ہے۔ سنئے یفتتح البصر ایک محاورہ ہے جس کا معنٰی نیند سے بیدار ہونا ہے۔ حدیث کا معنٰی یہ بنتا ہے جب نیند سے بیدار ہوتے تو طلوع فجر کے قریب صبح کی نماز پڑھتے تھے،اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ یہ حدیث غلس میں نماز ادا کرنے کی دلیل ہے۔

ثانیاً: ویصلی العصر بین صلوتکم الاولیٰ والعصر، کے الفاظ کو بھی ہمارے مخاطب نے نہیں سمجھا،اس عبارت کا جو معنٰی نقل کیا ہے اسکی رو سے عصر کی نماز غروب آفتاب کے بعد بنتی ہے، جون ۲۰۰۲ء کی اشاعت میں اسکے ترجمہ کو درست کرنے کی کوشش تو کی ہے مگر وہ بھی صحت سے گرا ہوا ہے، سنئے حدیث کا مفہوم بالکل واضح ہے کہ عصر کی نماز ظہر اور مغرب کے درمیانی وقت میں ادا کرتے۔

مگر مقلد انوار خورشید کہیں اور ہی دھکے کھا رہا ہے۔

ثالثاً: اس روایت کی سند میں کلام ہے، تفصیل اگلی حدیث کے جواب میں آرہی ہے۔

(۵) ثنا المعتمر سمعت بیانا ابا سعید قال سمعت انسا یقول کان رسول الله ﷺ یصلی الصبح حین یفسح البصر۔

(رواہ الامام ابو محمد القاسم ثابت السرقسطی فی کتاب غریب الحدیث وقال یقال فسح البصر وانفسح اذا رای الشی من بعد یعنی بہ اسفار الصبح۔ (نصب الرایہ ص۲۳۹ ج۱)

حضرت معتمر نے بیان کیا کہ میں نے بیان یعنی ابوسعید کو سنا انہوں نے فرمایا کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ ﷺ صبح کی نماز اس وقت پڑھتے تھے جس وقت کہ آنکھ دور سے کسی چیز کو دیکھ لیتی تھی۔ یہ حدیث امام ابو محمد قاسم ثابت سرقسطی نے کتاب، غریب الحدیث، میں روایت کی ہے اور فرمایا ہے کہ: فسح البصر و انفسح، اس وقت کہا جاتا ہے جب کہ آنکھ دور سے کسی چیز کو دیکھے اور مراد اس سے حدیث میں صبح کا اجالا ہے۔ (حدیث اور اهل حدیث ص۲۴۳)

الجواب اولاً: اس سے پہلی روایت بھی ''راوی بیان'' سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے نقل کرتا ہے اور یہ روایت بھی بیان ہی روایت کرتا ہے، بیان کی ابن حبان کے علاوہ کسی نے توثیق نہیں، ابن حبان کا تساہل اہل علم کے ہاں معروف ہے، ابن حبان نے توثیق کے ساتھ یہ بھی لکھا ہے کہ خطائیں کرتا ہے۔ (کتاب الثقات ص۷۹ ج۴ ولسان المیزان ص۶۹ ج۲) اور زیر بحث روایت بھی اس بات کی دلیل ہے کہ بیان خطائیں کرتا ہے، چنانچہ پہلی روایت میں یہ الفاظ، یصلی الغداۃ عند طلوع الفجر حین یفتتح البصر، اور اس روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ یصلی الصبح حین یفسح البصر، ظاہر ہے کہ اس سے متن روایت میں اضطراب ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ پہلی روایت میں، عند طلوع الفجر کی، یہ تفسیر بیان کی گئی ہے۔ حین یفتتح البصر، اور اس روایت میں تفسیر کو ہی روایت باور کرایا گیا ہے۔

ثانیاً: فسح البصر، کا اگر یہ معنی تسلیم بھی کر لیا جائے کہ دور سے آنکھ کا دیکھنا تو تب بھی یہ روایت غلس کے منافی نہیں، آج دور رمضان المبارک کو خاکسار اذان فجر کے دس منٹ بعد مسجد میں نماز کے لیے آیا۔ صحن مسجد میں کھڑے ہو کر راقم نے باہر کی طرف دیکھا تو دور دور تک آنکھ دیکھ رہی تھی، اگر رات چاندنی ہوتی تو مزید صاف نظر آتا۔ یہ روایت جہاں بوجہ بیان ضعیف ہے وہاں ہی حنفیہ کے موافق نہیں بلکہ مخالف ہے،

(۶) عن رافع بن خدیج یقول قال رسول الله ﷺ لبلال رضی اللہ عنہ نور بصلوۃ الصبح حتی یبصر القوم مواقع نبلھم من الاسفار۔

(رواہ ابن ابی حاتم وابن عدی والطیالسی واسحاق وابن ابی شیبۃ والطبرانی واسنادہ حسن، آثار السنن ص۵۸)

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ صبح کو روشنی میں پڑھو یہاں تک لوگ روشنی کی وجہ سے اپنے تیر اندازی کے نشانے کو دیکھنے لگیں۔ (حدیث

اور اھل حدیث ص۲۴۳)

الجواب: اسکی سند میں، ھریر بن عبدالرحمٰن راوی ہے جس کی ابن معین نے توثیق کی ہے اور ازدی نے کلام کیا ہے (تھذیب ص ۲۹ ج ۱۱) یہی وجہ ہے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے تقریب میں مقبول کہا ہے یعنی متابعت کی صورت میں ورنہ لین الحدیث ہے (کمافی مقدمہ تقریب) اور ہریر نے یہ الفاظ بیان کرنے میں اپنے سے اوثق محمود بن لبید وغیرہ کی مخالفت کی ہے، اور ثقہ جب اپنے سے اوثق کی مخالفت کرے اس کی روایت شاذ ہوتی ہے جو ضعیف روایت کی ایک قسم ہے۔

اسفروا، کا معنٰی و مفہوم

پہلے گزر چکا ہے کہ بعض آئمہ دین نے اسفروا۔ کا یہ معنٰی بیان کیا ہے کہ طلوع فجر متحقق ہو جائے، یہ معنٰی انہوں نے اپنے ذوق اور معلومات کی حد تک کیا ہے، جبکہ امام طحاوی حنفی کے نزدیک محقق بات یہ ہے کہ اس کا یہ مفہوم ہے کہ غلس میں نماز کو شروع کیا جائے اور اسفار میں نماز کو قرأۃ لمبی کر کے ختم کیا جائے تو یہ چیز زیادتی ثواب کا باعث ہے، بلکہ انہوں نے تو یہاں تک دعوٰی کیا ہے کہ:

وهو قول ابی حنفية وابی يوسف ومحمد بن الحسن رحمهم الله تعالى۔

یعنی یہی قول ہے امام ابوحنیفہ قاضی ابو یوسف اور امام محمد وغیرھم کا۔

(شرح معانی الاثار ص۱۲۶ ج۱)

گو یہ قول فقہ حنفی کی کتابوں سے ہمیں دستیاب نہیں ہوا لیکن امام طحاوی حنیفہ کے مسلم امام ہیں ان کی بات کو عدم دستیابی کی وجہ سے رد نہیں کیا جاسکتا ممکن ہے کہ ان کے پاس فقہ کی کوئی ایسی کتاب ہو جس میں یہ قول منقول ہو اور بعد میں اس کتاب میں تصحیف و تحریف ہو گئی ہو۔ والله اعلم بالصواب

بہر حال اس معنٰی کی تائید حسب ذیل صحیح حدیث سے ہوتی ہے۔

عن ابی صدقة مولی انس قال سالت انسا عن صلاة رسول الله ﷺ فقال كان رسول الله ﷺ يصلی الظهر اذا زالت الشمس، والعصر بين صلاتكم هاتين والمغرب اذا غربت الشمس والعشاء اذا غاب الشفق والصبح اذا طلع الفجر الى ان ينفسح البصر۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے ان کے غلام ابی صدقہ نے نمازوں کے اوقات کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے کہا کہ نبی مکرم ﷺ ظہر کی نماز اس وقت ادا کرتے جب سورج ڈھلتا تھا اور عصر کی نماز تمہاری ان دونوں نمازوں ظہر وعصر کے درمیان تھی (یعنی عصر تم نماز لوگوں سے قبل ادا کرتے تھے) مغرب کی نماز غروب آفتاب کے وقت ادا کرتے اور عشاء کی نماز کو غروب شفق کے وقت پڑھتے تھے، اور صبح کی نماز

جب طلوع فجر ہوتی، یہاں تک کہ جب نظر پھیل جاتی۔

(سنن نسائی کتاب المواقیت باب آخر وقت الصبح الحدیث ۵۵۳)ومسند احمد ص۱۲۹،۱۶۹ ج۳) و اللفاظ له)۔

اس حدیث سے امام طحاوی کے موقف کو تقویت ملتی ہے،اور بات صاف ہو جاتی ہے کہ نماز کو تو غلس میں ہی شروع کرتے تھے ہاں البتہ قرأۃ لمبی کر کے نماز کو ختم روشنی میں کرتے تھے اور یہ چیز ہمارے موافق اور حنفیہ کے مخالف ہے۔بعض علمائے اہل حدیث نے بھی یہی تطبیق کی صورت اختیار کی ہے،دیکھئے،نیل الاوطار ص، ارواء الغلیل ص ۲۸۰ ج ۱

(۷) عن عبدالرحمن بن یزید قال کان عبدالله بن مسعود یسفر بصلوٰۃ الغداۃ۔ (معجم طبرانی کبیر ص۲۵۸ ج ۹)

حضرت عبدالرحمٰن بن یزید فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود فجر کی نماز خوب اجالا کر کے پڑھتے تھے۔ (حدیث اور اھل حدیث ص۲٤۳)

الجواب : آپ نے خوب کس لفظ کا ترجمہ کیا ہے،یقین جانیئے کہ یہ مؤلف کا خبط اور معنوی تحریف ہے،روایت میں کوئی ایسا لفظ نہیں ہے اس بددیانتی کے علاوہ دوسری ہیرا پھیری یہ کی کہ یہ روایت (طحاوی ص۱۲۵ ج ۱ مصنف ابن ابی شیبه ص۳۲۱ ج ۱ اور مصنف عبدالرزاق ص ۲۱٦۰) میں بھی تھی، اور اہل علم کے ہاں انہیں کتب کے حوالے سے یہ روایت معروف تھی مگر مقلد انوار خورشید صاحب نے طبرانی کبیر کا اس پر حوالا نقل کر دیا ہے، ہم ان کی ورق گردانی کی قدر کرتے ہیں لیکن یہ بات بھی انہیں بتا دینا چاہتے ہیں کہ کتاب بدل جانے سے دلیل نہیں بدل جاتی۔

طبرانی کی سند میں بھی وہی کلام ہے جو مذکورہ کتب حدیث میں ہے،تفصیل (دین الحق ص۱٦۹ ج ۱) میں عرض کر دی گئی ہے وہاں سے دیکھ لی جائے ہاں البتہ بواسطہ عبدالرزاق سند میں ابی اسحاق کی تدلیس کے علاوہ امام سفیان ثوری کی تدلیس بھی ہے،

گویا روایت کے دونوں طریق میں دو مختلف علتیں ہیں عبدالرزاق والی سند میں اوپر نیچے بالترتیب دو مدلس راوی معنعن روایت کرتے ہیں جبکہ طحاوی کی سند میں ابو اسحاق کی تدلیس کے علاوہ اختلاط بھی ہے،مگر انوار خورشید صاحب پرانے شکاری نیا روپ پر عمل کرتے،

(۸) عن علی بن ربیعة قال سمعت علیا رضی اللہ عنہ یقول لموذنه اسفر اسفر یعنی بصلاۃ الصبح۔

(مصنف عبدالرزاق ص۵٦۹ جا ومصنف ابن ابی شیبه ص۳۲۱ وطحاوی ص ۱۲۳ جا)

حضرت علی بن ربیعہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو سنا آپ اپنے مؤذن کو کہہ رہے

تھے کہ خوب اجالا کر خوب اجالا کر، مراد یہ تھی کہ صبح کی نماز اجالے میں پڑھو۔
(حدیث اور اہل حدیث ص۲۴۴)

الجواب: آپ نے اثر کے الفاظ کا ترجمہ غلط کیا ہے اسفر کا معنیٰ صرف اجالا ہے، اس میں خوب کا لفظ آپ نے اپنی طرف سے داخل کیا ہے، واضح رہے کہ سیدنا علی مرتضی رضی اللہ عنہ کے فرمان کا مقصد بھی تحقق طلوع فجر یا لمبی قرأت کر کے اسفار میں ختم کرنا مراد ہے، قرۃ بن حیان راوی ہیں کہ

تسحرنا مع علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ فلما فرغ من السحور امر المؤذن فاقام الصلوٰۃ۔
ہم نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ سحری کا کھانا تناول کیا اور جب کھانے سے فارغ ہوئے تو انہوں نے مؤذن کو حکم دیا اور نماز پڑھی (طحاوی ص۱۲۳ ج۱)

(۹) عن جبیر بن نفیر قال صلی بنا معاویۃ الصبح بغلس فقال ابو الدرداء السفروا بھذہ الصلاۃ فانہ افقہ لکم انما تریدون ان تخلوا بحوائجکم۔
(طحاوی ص۱۲۶ ج۱)

حضرت جبیر بن نفیر فرماتے ہیں کہ ہمیں حضرت معاویہ نے فجر کی نماز اندھیرے میں پڑھائی حضرت ابودرداء نے فرمایا کہ اس نماز کو خوب اجالے میں پڑھو کیونکہ یہ تمہارے لیے زیادہ سمجھداری کی بات ہے تم چاہتے ہو کہ اپنے کام کاج کے لیے فارغ ہو جاؤ۔
(حدیث اور اھل حدیث ص۲۴۴)

الجواب: اس اثر میں بہر حال یہ بات تو ثابت ہے کہ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی اور امیر المومنین کا غلس میں ہی نماز فجر ادا کرنے کا عمل تھا باقی سیدنا ابو درداء رضی اللہ عنہ کا ان سے اختلاف کو غالبًا مؤلف نے دلیل بنایا ہے حالانکہ مؤلف کا حق تھا کہ سیدنا ابو درداء رضی اللہ عنہ کے اثر کو دلیل بناتے ہوئے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے عمل کا جواب دیتا مگر افسوس کے خود تو مؤلف اقوال صحابہ کو اس قابل ہی نہیں سمجھتا کہ ان کا جواب بھی لکھا جائے مگر فریق مخالف پر صحابہ کے اقوال کو بطور حجت نقل کرتا ہے پھر مزید دکھ کی بات یہ کہ جس روایت کو دلیل بنا رہے ہیں اسی میں ہی ان کے مخالف بھی اثر موجود ہے، مقدمہ میں ہم تفصیل عرض کر چکے ہیں کہ جن مسائل پر صحابہ کرام کا اختلاف ہے ان میں اقوال صحابہ حجت نہیں ہیں مولانا انوار صاحب بھی اس حقیقت سے بہر حال واقف ہیں مگر عوام کی آنکھوں میں مٹی ڈالنے کی غرض سے اور عامۃ الناس پر رعب جمانے اور نمبر بڑھانے کے لیے ایسا کرنے پر مجبور ہیں۔

(۱۰) عن مجاھد قال کنت اقود مولای قیس بن السائب فیقول ادلکت الشمس فاذا قلت نعم صلی الظھر ویقول ھکذا کان رسول اللہ ﷺ یفعل وکان النبی ﷺ یصلی العصر والشمس بیضاء وکان النبی ﷺ یصلی المغرب والصائم یتماری ان یفطر وکان

النبی ﷺ یصلی الفجر حتی یتغشی النور السماء۔

(رواہ الطبرانی فی الکبیر مجمع الزوائد ص۳۰۵ ج۱)

حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ میں اپنے آقا قیس بن سائبؓ کا ہاتھ پکڑ کر لے جاتا تھا، اور فرماتے سورج ڈھل گیا میں کہتا ہاں تو آپ ظہر کی نماز پڑھتے اور فرماتے کہ ایسے ہی رسول اللہ ﷺ کیا کرتے تھے اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام عصر کی نماز ادا فرماتے تھے اس حال میں کہ سورج بالکل سفید ہوتا اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام مغرب کی نماز ادا فرماتے تھے اس حال میں کہ روزہ دار روزہ افطار کرنے کے متعلق شک میں ہوتا کہ ابھی افطار کرے یا نہ کرے اور نبی علیہ الصلوۃ والسلام فجر ادا فرماتے تھے یہاں تک کہ روشنی آسمان پر چھا جاتی۔

(حدیث اور اہل حدیث ص۲۴۵)

الجواب اولاً: جب طلوع فجر ہوتی ہے تو افق مشرق میں روشنی پھیلنا شروع ہوتی ہے جو بتدریج بڑھتی جاتی ہے، نبی مکرم ﷺ فرماتے ہیں۔

عن جابر بن عبداللہ قال قال رسول اللہ ﷺ الفجر فجران فاما الفجر الذی یکون کذنب السرحان فلا تحل الصلوٰۃ فیہ ولا یحرم الطعام واما الذی یذھب مستطیلا فی الافق فانہ یحل الصلوٰۃ ویحرم الطعام۔

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی مکرم ﷺ نے فرمایا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا فجر دو قسم کی ہوتی ہے ایک فجر (کاذب) وہ ہوتی ہے۔ بھیڑے کی دم کی طرح (اوپر کو اٹھی ہوئی نظر آتی ہے) سو ایسی فجر نہ نماز کو جائز قرار دیتی ہے اور نہ کھانے کو حرام کر دیتی ہے۔ دوسری فجر (صادق) وہ ہوتی ہے جو آسمان کے کنارے (افق) پر پھیل جاتی ہے تو اس میں نماز پڑھنی جائز اور (روزے دار پر) کھانا حرام ہو جاتا ہے۔ (مستدرك للحاكم ص١٩١ ج١)

یہی وقت صبح کی نماز کا ہے اسی کو ہی سیدنا قیس بن سائب رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کا عمل نقل کرتے ہیں ان کے الفاظ۔

یصلی الفجر حین یتغشی النور السماء، یعنی فجر کی نماز اس وقت پڑھتے جب روشنی آسمان پر پھیل جاتی، (طبرانی کبیر ص٣٦٤ ج١٨)

ان الفاظ کا واضح مطلب یہ ہے کہ نبی ﷺ طلوع فجر کے وقت نماز پڑھتے تھے اور یہ وقت غلس کا ہوتا ہے نہ کہ اجالے کا۔ لہٰذا اس حدیث سے مؤلف کا حنفیہ کے مذہب پر استدلال کرنا خلط مبحث ہے۔

ثانیاً: اس کی سند پر بھی جرح ہے، اسکی سند میں مسلم بن کیسان ملائی راوی ہے۔

(طبرانی کبیر ص ۳۶۳ ج ۱۸ رقم الحدیث ۹۳۱) وطبرانی الاوسط ص ۴۹۸ ج ارقم الحدیث ۹۱۴)

ھیثمی فرماتے ہیں۔

روی عنه شعبة وسفیان وضعفه بقیة الناس احمد وابن معین وجماعة۔

یعنی ملائی سے امام شعبہ اور سفیان روایت کرتے ہیں اور باقی آئمہ جرح وتعدیل مثلا امام احمد ابن معین اور ایک جماعت محدثین اس کو ضعیف قرار دیتے ہیں (مجمع الزوائد ص ۳۰۵ ج ۱) امام عمرو بن علی کہتے ہیں سخت منکر روایات نقل کرتا ہے، امام ابو زرعہ امام ابو حاتم امام بخاری امام ابوداؤد امام ترمذی امام دارقطنی، امام علی بن مدینی امام عجلی وغیرھم نے ضعیف اور ذاھب الحدیث قرار دیا ہے، امام نسائی اور امام فلاس نے متروک الحدیث کہا ہے، ساجی کہتے ہیں منکر الحدیث ہے۔ (تھذیب ص ۱۳۵ ج ۱۰) الغرض یہ روایت سنداً ضعیف ہے۔

(۱۱) عن ابراھیم قال ما اجمع اصحاب محمد علی شی مااجمعوا علی التنویر بالفجر۔

(ومصنف ابن ابی شیبه ص ۳۲۲ ج ا طحاوی ص ۱۲۶ ج ا)

حضرت ابراھیم نخعی فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام کا کسی چیز پر اتنا اتفاق رائے نہیں ہے جتنا اتفاق فجر کے روشنی میں پڑھنے پر ہے، (حدیث اور اهل حدیث ص ۲۴۵)۔

الجواب اولاً: اسکی سند میں، الاعمش راوی ہے جو مدلس ہے، طبقات میں ہے کہ

کان یدلس وصفه بذلك الکرابیسیی والنسائی والدارقطنی وغیرهم۔

یعنی اعمش تدلیس کرتے ہیں جیسا کہ امام کرابیسی نسائی اور دارقطنی وغیرھم نے صراحت کی ہے۔

(طبقات المدلسین ص ۳۳)

اور زیر بحث سند میں تحدیث کی صراحت نہیں بلکہ معنعن مروی ہے جس کی وجہ سے یہ روایت سند کے لحاظ سے ضعیف ہے۔

ثانیاً: بلاشبہ ابراھیم رویت کے لحاظ سے صغیر تابعی ہے مگر روایت کے لحاظ سے نہیں امام علی بن مدینی وغیرہ جید محدثین فرماتے ہیں کہ ابراھیم کا کسی صحابی سے لقا وسماع ثابت نہیں ہے۔

(مفصل دیکھئے، دین الحق ص ۱۷۳ ج ا)

الغرض سند کے لحاظ سے یہ روایت ضعیف ہونے کے علاوہ منقطع بھی ہے۔

مقلد انوار خورشید کی غلط بیانی:

لکھتا ہے کہ احادیث سے ثابت ہورہا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فجر کی نماز اجالے میں

پڑھتے تھے۔ (حدیث اور اهل حدیث ص۲٤٦)

یہ اتنی بڑی غلط بیانی ہے جو کوئی بھی عالم دین نہیں کرے گا، لیکن خورشید صاحب نے شرم وحیا کی تمام حدود وقیود کو توڑ کر یہ جھوٹ بولا ہے، بلاشبہ اسفار کے متعلق قولی حدیث ہے لیکن فعلی حدیث میں اسفار کا قطعاً ذکر نہیں۔

مولانا سرفراز خاں صفدر حنفی دیوبندی لکھتے ہیں۔

نبی ﷺ نے صلوٰۃ الصبح اندھیرے ہی میں پڑھی ہے اور آپ کا عمل یہی تھا لیکن امت کو یہ حکم دیا کہ: **اسفروا بالفجر فانه اعظم للاجر** اور پہلے باحوالہ گزر چکا ہے کہ قولی اور فعلی حدیث میں تعارض کے وقت قولی کو ترجیح ہوتی ہے۔

(خزائن السنن ص۲۰ حصه دوم)

مولانا صفدر کی اس عبارت پر غور کریں وہ صاف اعتراف کرتے ہیں کہ فعلی احادیث میں غلس (اندھیرے) میں نماز پڑھنا ہی ثابت ہے، مگر مولانا انوار خورشید صاحب اس کے برعکس دعویٰ کرتے ہیں جو غلط بیانی ہے، واضح رہے کہ مولانا صاحب نے جو فعلی احادیث نقل کی ہیں وہ حنفیہ کے موافق نہیں مخالف ہیں۔ تفصیل عرض کر دی گئی۔

(۲۲۳) باب ظہر کی نماز کو اول وقت پڑھنا ہی افضل ہے

فصل اول

(۱) سیدنا ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

ان رسول اللہ ﷺ قال لو یعلم الناس مافی النداء والصف الاول ثم لم یجدوا الا ان یستھموا علیہ لاستبقوا الیہ ولو یعلمون مافی التھجیر لا ستقبوا الیہ ولو یعلمون مافی العتمة والصبح لا توھما، ولو حبواً۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر لوگوں کو اذان اور پہلی صف میں نماز پڑھنے کا ثواب معلوم ہوتا تو پھر انہیں بغیر قرعہ ڈالے اس چیز کا موقع نہ ملتا تو ضرور قرعہ اندازی کرتے، اور اگر ظہر کے اول وقت کے ثواب کو جانتے تو اس کے لیے ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتے،اور اگر لوگوں کو معلوم ہو جاتا کہ عشاء اور صبح کی نماز کا کتنا ثواب ہے تو آتے خواہ سرین کے بل گھسیٹ کر آنا پڑتا۔

(بخاری کتاب الاذان باب الاستھام فی الاذان،الحدیث ۶۱۵،ومسلم کتاب الصلاۃ باب تسویۃ الصفوف واقامتھا......الحدیث ۹۸۱)

امام خلیل فرماتے ہیں۔

المراد الاتیان الی صلاۃ الظھر فی اول الوقت لان التھجیر مشتق من الھاجرۃ وھی شدۃ الحرنصف النھار وھو اول وقت الظھر،

یعنی تھجیر سے نماز ظہر کے لیے اول وقت میں جانا مراد ہے کیونکہ تجھیر ہاجرۃ سے مشتق جو نصف النھار کی سخت گرمی کو کہتے ہیں اور یہی نماز ظہر کا اول وقت ہے۔

(بحوالہ فتح الباری ص ۷۷ ج۲ وفتح الملھم ص۶۷ ج۲)

(۲) امام زھری فرماتے ہیں۔

اخبرنی انس بن مالک ان رسول اللہ ﷺ خرج حین زاغت الشمس فصلی الظھر، الحدیث

مجھے سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے خبر دی کہ نبی مکرم ﷺ باہر نکلے جب سورج ڈھلا ہی تھا تو آپ علیہ التحیۃ والسلام نے (اس وقت) نماز ظہر پڑھی، الحدیث۔

(بخاری کتاب مواقیت الصلاۃ باب وقت الظھر عند الزوال، الحدیث ۵۴۰)

(۳) سیدنا ابی برزہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

وکان یصلی الظھر اذا زالت الشمس،الحدیث،

نبی مکرم ﷺ نماز ظہر کو سورج ڈھلتے ہی پڑھتے تھے،

(بخاری کتاب مواقیت الصلاة باب وقت الظهر عندا لزوال، الحدیث ۵۴۱) ومسلم کتاب المساجد باب استحباب التکبیر بالصبح فی اول وقتها...... الحدیث ۱۴۶۲)

(۴) سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ

كنا اذا صلينا خلف رسول الله ﷺ بالظهائر سجدنا على ثيابنا اتقاء الحر۔

ہم نبی مکرم ﷺ کی اقتدا میں نماز ظہر پڑھا کرتے تھے اور گرمی (کی شدت) سے بچنے کے لیے کپڑوں پر سجدہ کیا کرتے تھے۔

بخاری کتاب مواقیت الصلاة باب وقت الظهر عندا لزوال،الحدیث ۵٤۲)

(۵) یہی حدیث صحیح مسلم میں ہے، اس کے الفاظ ہیں۔

كنا نصلي مع رسول الله ﷺ في شدة الحر فاذا لم يستطع احدنا ان يمكن جبهة من الارض بسط ثوبه فسجد عليه۔

ہم سخت گرمی میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز ظہر پڑھا کرتے تھے،سو اگر ہم میں سے کسی سے اپنی پیشانی سجدہ میں رکھنا ممکن نہ ہوتا تو اپنا کپڑا بچھا کر اس پر سجدہ کر لیتا تھا۔

مسلم کتاب المساجد باب استحباب تقدیم الظهر......الحدیث ۱٤۰۷)

(۶) سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ

كان النبي ﷺ يصلي الظهر بالهاجرة، الحديث۔

نبی مکرم ﷺ ظہر کی نماز سخت گرمی میں پڑھا کرتے تھے، الحدیث۔

(بخاری کتاب مواقیت الصلاة باب وقت المغرب،الحدیث ۵۶۰ ومسلم کتاب المساجد باب استحباب التکبیر بالصبح فی اول وقتها، ...... الحدیث ۱۴۰۶)

(۷) سیدنا جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ

كان النبي ﷺ يصلي الظهر اذا دحضت الشمس۔

نبی مکرم ﷺ ظہر کی نماز سورج کے ڈھلتے ہی پڑھا کرتے تھے۔

(مسلم کتاب المساجد باب تقدیم الظهر......الحدیث ۱۴۰۴)

(۸) سیدنا خباب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

اتينا رسول الله ﷺ فشكونا اليه حر الرمضاء فلم يشكنا، قال زهير قلت لابي اسحاق آفي الظهر؟ قال نعم، قلت آفي تعجيلها قال نعم۔

ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سخت دوپہر کی شکایت کی تو آپ علیہ السلام

نے ہماری شکایت قبول نہ کی، (راوی حدیث امام) زہیر فرماتے ہیں میں نے (اپنے استاد) ابو اسحاق سے دریافت کیا کیا ظہر کی نماز کی شکایت کی تھی، انہوں نے کہا ہاں، میں نے کہا کیا جلدی پڑھنے کی، انہوں نے کہا ہاں۔

(مسلم کتاب المساجد تقدیم الظهر...... الحدیث ۱۴۰۶)

(۹) سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

شکوت الی رسول الله ﷺ الرمضاء فما اشکانا وقال اذا زالت الشمس فصلوا۔

میں نے رسول اللہ ﷺ سے سخت دوپہر کی شکایت کی تو میری شکایت قبول نہ فرمائی، اور آپ علیہ السلام نے فرمایا جب سورج ڈھل جائے تو ظہر کی نماز پڑھو۔

(ابن منذر بحوالہ نصب الرایہ ص۲۴۵ ج۱ و فتح الباری ص۱۳ ج۲ و فی نسخة الاخری ص۱۷ ج۲، واللفظ لہ و طبرانی کبیر ص۷۹ ج۴ رقم الحدیث ۳۷۰۱، ۳۷۰۳) و بیہقی ص۴۳۹ ج۱)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں اس روایت پر سکوت کیا ہے اور اکابر علماء دیوبند کو اعتراف ہے کہ جس روایت پر حافظ صاحب فتح وغیرہ میں سکوت کریں وہ کم از کم حسن درجہ کی ہوتی ہے۔

(معارف السنن ص۳۸۵ ج۱ و درس ترمذی ص۴۷ ج۱ و قواعد فی علوم الحدیث ص۸۹)

ہیثمی فرماتے ہیں کہ طبرانی کے راویوں کی توثیق کی گئی ہے۔

(مجمع الزوائد ص۳۰۶ ج۱ و فی نسخة الاخری ص۳۱۱ ج۱)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ یہ روایت کم از کم حسن درجہ کی ہے۔

(۱۰) سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ

کان النبی ﷺ یصلی الظهر بالهاجرة ولم یکن یصلی صلوٰة اشدا علی اصحاب رسول الله ﷺ منها فنزلت حافظوا علی الصلوٰت والصلوٰة الوسطیٰ وقال ان قبلها صلوتین و بعدها صلوٰتین۔

نبی مکرم ﷺ ظہر کی نماز سخت گرمی میں پڑھا کرتے تھے، اور یہ نماز تمام لوگوں پر سب سے زیادہ سخت تھی، اس وقت یہ آیت نازل ہوئی، حفظوا علی الصلوٰت والصلوٰة الوسطی (یعنی نماز پر حفاظت کرو (بالخصوص) درمیانی نماز پر) سیدنا زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ (یہ وسطی اس لیے ہے کہ) اس سے پہلے بھی دو نمازیں (عشاء اور فجر) ہیں اور اس کے بعد بھی دو نمازیں ہیں (عصر اور مغرب)

(سنن ابی دائود کتاب الصلاة باب وقت العصر، الحدیث ۴۱۱) و بیہقی ص۴۵۸ ج۱ و مسند احمد ص۱۸۳ ج۵)

(۱۱) سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ

شکونا الی النبی ﷺ حر الرمضاء فلم یشکنا۔

ہم نے نبی مکرم ﷺ سے سخت گرمی کی شکایت کی (مقصد یہ تھا کہ ظہر کی نماز میں دیر کریں تاکہ ٹھنڈک ہو جائے) تو ہماری اس شکایت کو آپ علیہ السلام نے دور نہیں کیا۔

(سنن ابن ماجه كتاب الصلاة باب وقت الظهر، الحديث ٦٧٦) و مسند بزار بحواله كشف الاستار ص ١٨٨ ج١ رقم الحديث ٣٧٠ و طبرانی كبير ص١٥ ج١٠ رقم الحديث ٩٧٩٤)

ہیثمی فرماتے ہیں بزار اور طبرانی کے راوی ثقہ ہیں۔

(مجمع الزوائد ص٣٠٥ ج١ و فی نسخة الاخری ص٣١٠ ج١)

(۱۲) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ

ما رايت احدا كان اشد تعجيلا لظهر من رسول الله ﷺ ولا من ابی بكر ولا من عمر۔

یعنی رسول اللہ صلی اللہ ﷺ اور سیدنا ابی بکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے زیادہ کسی کو نماز فجر میں جلدی کرتے ہوئے میں نے نہیں دیکھا۔

(سنن ترمذی كتاب الصلاة باب ما جاء فی التعجيل بالظهر، الحديث ١٥٦)

امام ترمذی نے حسن اور علامہ البانی نے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے (ضعیف ترمذی ص١٦)

ان احادیث سے نماز ظہر کو شدید گرمی کے ایام میں اول وقت ادا کرنے کی فضیلت ثابت ہے اور اسی پر ہی نبی ﷺ اور خلفاء راشدین کا عمل تھا۔

فصل دوم

(۱) عن انس بن مالك قال كان رسول الله ﷺ اذا كان الحر ابرد بالصلوٰة واذا كان البرد عجل۔ (نسائی ص۵۸ ج ۱)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ظہر کی نماز گرمی میں ٹھنڈے وقت میں پڑھتے تھے اور سردی میں جلدی پڑھ لیتے تھے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۲۴۷)

الجواب اولاً: یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ سردی کے دنوں میں نماز ظہر جلدی ادا کی جائے، مگر تمام حنفی دسمبر اور جنوری کے مہینوں میں بھی ظہر کی اذان ڈیڑھ بجے ہی کہتے ہیں۔ حالانکہ ان ایام میں سورج ۱۲ بجکر چھ سات منٹ تک ڈھل جاتا ہے، مگر کوئی حنفی ان مہینوں میں بھی سوا باراں بجے ظہر کی اذان نہیں کہتا، علاوہ ازیں جون جولائی کے مہینوں میں بھی بعض مقام پر سردی ہوتی ہے، مثلاً پاکستان کے شہر کوئٹہ اور مری وغیرہ میں ان دنوں بھی سردی ہوتی ہے مگر حنفی ان شہروں میں بھی ایک بجے سے لیکر ڈیڑھ بجے تک ظہر کی اذان دیتے ہیں۔ جو کہ اس حدیث کے خلاف ہے۔

ثانیاً: اس حدیث میں گرمیوں کے دنوں میں نماز ظہر کو قدرے زوال کے بعد ادا کرنے کا بیان ہے، چنانچہ جماعت اہل حدیث بفضلہٖ تعالیٰ اس پر عامل ہے، ہماری مساجد میں جنوری کے مہینے میں تو سوا باراں بجے اذان ہوتی ہے جبکہ جون جولائی کے دنوں مین پونے ایک اور بعض مقام پر ایک بجے اذان ہوتی ہے، یہی حدیث کا مقصد ہے یہ مقصد نہیں کہ جب نماز کا اول وقت ختم ہو جائے تو تب نماز ظہر کو پڑھا جائے۔

(۲) عن ابی هريرة قال قال رسول الله ﷺ ابردوا بالظهر فان شدة الحر من فيح جهنم۔ (نسائی ۵۸ ج۱)۔

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ظہر کی نماز ٹھنڈی کر کے پڑھو کیونکہ گرمی کی شدت جہنم کے بھاپ (کی وجہ) سے ہوتی ہے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۲۴۸)

الجواب جون جولائی کے مہینوں میں گرمی تو رات گئے تک رہتی ہے، سحری کے وقت قدرے خنکی ہوتی ہے، اگر حدیث کا یہ مفہوم لیا جائے جب گرمی ختم ہو جائے تو تب نماز ظہر ادا کرو، تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ آدھی رات کے وقت نماز کو پڑھا جائے، حالانکہ اس کا کوئی بھی قائل نہیں ہے، اگر اس کا یہ مطلب لیا جائے کہ قدرے ٹھنڈک ہو تو یہ بھی حنفیہ کے خلاف ہے، کیونکہ دوپہر تو دو مثلوں کے بعد ختم ہوتی ہے، علامہ خوارمی حنفی فرماتے ہیں۔ **لا يتغير الحر الا بعد المثلين**، یعنی گرمی میں تبدیلی نہیں آتی مگر دو مثلوں کے بعد۔ (الکفایہ شرح ہدایہ ص ۱۹۴ ج ۱ مطبوعہ کوئٹہ)

حالانکہ احناف کے نزدیک بھی دو مثلوں کے بعد نماز ظہر کا وقت نہیں ہے، الغرض حدیث کا یہ مطلب ہی سرے سے نہیں، بلکہ الفاظ نبوی علیہ التحیۃ والسلام اور آپ کے عمل میں موافقت کی صورت یہ ہے کہ نماز ظہر کو اول وقت ہی سخت گرمی میں ادا کیا جائے البتہ سردیوں کی نسبت گرمیوں میں قدرے مؤخر کر کے پڑھا جائے، یہی اہل حدیث کا عمل ہے کہ سردی کے دنوں میں سورج ڈھلتے ہی اور گرمیوں کے موسم میں تھوڑی سی مؤخر کر کے نماز ظہر پڑھتے ہیں، مگر حنفی اس حدیث کو قبول نہیں کرتے، کیونکہ یہ دونوں موسموں میں نماز ظہر کی اذان ڈیڑھ بجے ہی کہتے ہیں۔

(۳) عن ابی ذر الغفاری کنا مع رسول اللہ ﷺ فی سفر فاراد المؤذن ان یؤذن للظهر فقال النبی ﷺ ابرد ثم اراد ان یؤذن فقال له ابرد حتی رأینا فیئی التلول فقال النبی ﷺ ان شدۃ الحر من فیح جهنم فاذا اشتد الحر فابردوا بالصلوٰۃ۔

(بخاری ص۷۷ ج۱ و مسلم ص۲۲۴ ج۱)

حضرت ابو ذر غفاری فرماتے ہیں کہ ایک سفر میں ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے، مؤذن نے ظہر کی اذان دینے کا ارادہ کیا تو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ٹھنڈا کر، مؤذن نے دوبارہ اذان دینے کا ارادہ کیا تو آپ نے اس سے پھر فرمایا ٹھنڈا کر حتی کہ ہمیں ٹیلوں کا سایہ نظر آنے لگا، نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا گرمی شدت دوزخ کی بھاپ سے ہوتی ہے، لہذا جب گرمی شدید ہو تو نماز کو ٹھنڈے وقت میں پڑھا کرو۔ (حدیث اور اہل حدیث ص۲۴۸)

الجواب اولاً: پہلے عرض کر دیا گیا ہے کہ ابراد سے مراد قدرے تاخیر ہے اور اس حدیث میں بھی یہی مراد ہے، کیونکہ نماز ظہر کا وقت ایک مثل پر ختم ہو جاتا ہے، اور خود حنفیہ کے نزدیک بھی نماز ظہر کو ایک مثل سے لیٹ کر کے ادا نہیں کرنا چاہئے۔

ابن نجیم فرماتے ہیں کہ

و ذکر شیخ الاسلام ان الاحتیاط ان لا یوخر الظهر الی المثل۔

اور شیخ الاسلام نے بیان کیا ہے کہ احتیاط یہی ہے کہ نماز ظہر کو ایک مثل سے زیادہ لیٹ نہ کیا جائے (البحر الرائق ص۲۴۵ ج۱ و فتاوٰی شامی ص۳۵۹ ج۱)

ثانیاً: جلدی نماز پڑھنے کی احادیث اور انوار صاحب کی نقل کردہ روایات میں کوئی اختلاف نہیں ہے، کیونکہ گرمی میں پڑھنے والی احادیث افضلیت پر دلالت کرتی ہیں، اور ابراد والی روایات میں رخصت ہے، افضلیت اور رخصت میں اختلاف نہیں ہوتا، رخصت کی دلیل یہ ہے کہ سخت گرمی کے دنوں میں بھی سورج ڈھلتے ہی نماز ظہر کا وقت بالاتفاق شروع ہو جاتا ہے۔

اور اس وقت نماز ادا کرنا مکروہ و حرام نہیں، حالانکہ ابراد کا حکم ہے، اس حکم کی وجہ حدیث میں یہ

بتائی گئی ہے کہ، گرمی جہنم کی فیح (بھاپ) کی وجہ سے ہے، اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ فیح جہنم کی وجہ سے یہ وقت مکروہ ہے تو اس سے لازم آئے گا کہ سخت سردی کے دنوں میں بھی نماز ظہر کو لیٹ کیا جائے کیونکہ جس طرح گرمی فیح جہنم کی وجہ سے ہے اسی طرح سردی بھی جہنم کے سانس لینے سے آتی ہے۔

(بخاری کتاب مواقیت الصلاۃ باب الابراد بالظهر فی شدة الحر، الحدیث ۵۳۷) ومسلم کتاب المساجد باب استحباب الابراد بالظهر......الحدیث ۱۴۰۱)

ممکن ہے کہ کوئی یہ کہہ دے کہ شدید گرمی میں زوال کے بعد نماز ادا کرنا تو جائز ہے مگر افضل نہیں کیونکہ گرمی فیح جہنم کی وجہ سے ہے، تو راقم عرض کرتا ہے کہ پھر سردی میں بھی نماز کو جلدی ادا کرنا افضل نہ رہا، کیونکہ دونوں کی علت ایک ہی ہے، خلاصہ کلام یہ کہ شدید گرمی میں نماز کو قدرے تاخیر سے ادا کرنا افضل نہیں بلکہ رخصت ہے۔

انوار خورشید کی غلط بیانی فتاوٰی ثنائیہ ص۵۵۳ ج ۱ کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ نماز ہر حالت میں اول وقت پڑھنی افضل ہے، (حدیث اور اھل حدیث ص۲٤۹)

تبصرہ بلاشبہ سخت گرمی میں بھی نماز ظہر کو اول وقت پر ادا کرنا افضل ہے، لیکن خورشید صاحب نے جو عبارت نقل کی ہے، اس کا تعلق نماز ظہر سے نہیں بلکہ نماز فجر کے ساتھ ہے، ہم قارئین کرام کے لیے فتاوٰی ثنائیہ سے سوال وجواب دونوں نقل کرتے ہیں۔

سوال: صبح کی نماز ہر روز اول وقت پڑھنے میں چند اشخاص تہجد خواں سنتیں پڑھ کر شریک ہوتے ہیں اور لمبی قرأت کرنے میں پہلے (خود) تنگ ہوتے ہیں اور (پھر) مسبوق ہر روز سنتیں بعد نماز پڑھتے ہیں۔ ان کی ہر روز سنتیں فوت ہو جانے کو مدنظر رکھ کر باقی نمازیوں کا انتظار کر کے درمیانہ وقت میں نماز بہتر ہے کہ صبح صادق کے ہوتے ہی موجود اشخاص کے ساتھ نماز جماعت کرا لینا بہتر ہے۔

جواب نماز ہر حالت میں اول وقت پڑھنی افضل ہے، دیر سے آنے والوں کو جماعت میں شامل ہونے کی ترغیب دیں، ہاں اول وقت پڑھنے والے اس حدیث کا خیال رکھیں جس میں اتنی انتظار کا حکم ہے کہ کھانا کھانے والا اور صاحب حاجت قضائے حاجت سے فارغ ہو کر نماز میں شامل ہو سکے، اس کی مقدار آج کے لحاظ سے پندرہ بیس منٹ ہے، سست نمازیوں کے انتظار میں نماز کو دیر سے پڑھنا گناہ ہے۔ (فتاوٰی ثنائیہ ص۵۵۳ ج ۱)

اس عبارت کو مکرر پڑھیئے یہ کسی حاشیہ آرائی کی محتاج نہیں بلکہ اپنی تفسیر آپ ہے، اس فتوٰی میں نماز صبح کے متعلق فتوٰی دیا گیا ہے، مگر دیوبندیت کا علامۃ العصر اسے نماز ظہر کے بارے باور کرا رہا ہے، شاید تقلیدی لغت میں صبح بمعنی ظہر لکھا ہو، لیکن دنیا اہل علم اور عقل مندوں سے ابھی خالی نہیں ہوئی۔ ایک جاہل واجڈ بھی جانتا ہے کہ صبح، صبح ہی ہے۔

(۲۴) باب طلوع آفتاب اور غروب شمس کے وقت نماز ادا کرنا

فصل اول

سیدنا ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ

(۱) ان رسول اللہ ﷺ قال من ادرک من الصبح رکعة قبل ان تطلع الشمس فقد ادرک الصبح ومن ادرک رکعة من العصر قبل ان تغرب الشمس وفقد ادرک العصر۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے سورج طلوع ہونے سے پہلے نماز صبح کی ایک رکعت بھی پالی (پڑھ لی) تو اس نے صبح کی نماز پالی، اور جس شخص نے نماز عصر کی ایک رکعت پالی اس نے عصر کی نماز پالی۔

(بخاری کتاب مواقیت الصلاۃ باب من ادرک من الفجر رکعة، الحدیث ۵۷۹) و مسلم کتاب المساجد باب من ادرک رکعة من الصلاۃ فقد ادرک تلک الصلاۃ، الحدیث ۱۳۷۴)

(۲) سیدنا ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ

قال رسول اللہ ﷺ اذا ادرک احدکم سجدة من صلاۃ العصر قبل ان تغرب الشمس فلیتم صلاته واذا ادرک سجدة من صلاۃ الصبح قبل ان تطلع الشمس فلیتم صلاته۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں کوئی ایک (بھی) نماز عصر کی ایک رکعت سورج غروب ہونے سے پہلے پالے تو وہ نماز عصر کو پورا کرے اور جب فجر کی نماز کی ایک رکعت پالے تو (وہ بھی) صبح کی نماز کو پورا کرے۔

(بخاری کتاب مواقیت الصلاۃ باب من ادرک رکعة من العصر قبل الغروب الحدیث ۵۵۶)

(۳) ام المؤمنین صدیقہ کائنات سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا راویہ ہیں کہ

قال رسول اللہ ﷺ من ادرک من العصر سجدة قبل ان تغرب الشمس او من الصبح قبل ان تطلع، فقد ادرکھا، والسجدة انما ھی الرکعة۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے نماز عصر کا ایک سجدہ بھی سورج غروب ہونے سے پہلے، یا صبح کی نماز کا ایک سجدہ آفتاب طلوع ہونے سے پہلے پالیا تو اس نے (ان دونوں نمازوں کو) پالیا، اور سجدہ کا مطلب رکعت ہے۔

(مسلم کتاب المساجد باب من ادرک رکعة من الصلاۃ فقد ادرک تلک الصلاۃ۔ الحدیث ۱۳۷۵)

(۴) سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سیدنا ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ

من ادرك من العصر ركعة قبل ان تغرب الشمس فقد ادرك، ومن ادرك من الفجر ركعة قبل ان تطلع الشمس فقد ادرك۔

جس شخص نے نماز عصر سے ایک رکعت پالی سورج غروب ہونے سے پہلے تو اس نے نماز پالی اور جس نے صبح کی نماز سے ایک رکعت پالی سورج طلوع ہونے سے پہلے تو اس نے نماز پالی۔

(مسلم كتاب المساجد باب من ادرك ركعة من الصلاة فقد ادرك تلك الصلاة، الحديث ۱۳۷۷)

(۵) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ

عن النبی ﷺ قال من صلى سجدة واحدة من العصر قبل غروب الشمس ثم صلى ما بقى بعد غروب الشمس فلم تفته العصر، قال ومن صلى سجدة واحدة من الصبح قبل طلوع الشمس ثم صلى ما بقى بعد طلوع الشمس فلم تفته الصبح۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے عصر کی نماز سے ایک رکعت بھی سورج غروب ہونے سے پہلے پڑھ لی پھر بقیہ نماز کو آفتاب غروب ہونے کے بعد ادا کیا تو اس کی نماز فوت نہ ہوئی، اور جس نے صبح کی نماز سے ایک رکعت بھی سورج طلوع ہونے سے پہلے پڑھ لی پھر بقیہ نماز کو طلوع آفتاب کے بعد پڑھا تو اس کی نماز فوت نہ ہوئی۔

(مسند السراج ص ۳۰۴ رقم الحديث ۹۳۶) و ارواء الغليل ص ۲۷۴ ج۱)

(۶) سیدنا ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ

ان رسول الله ﷺ قال من ادرك من العصر ركعة قبل ان تغرب الشمس فقد ادركها ومن ادرك من الصبح ركعة قبل ان تطلع الشمس فقد ادركها۔

بلا شبہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص عصر کی نماز سے ایک رکعت پالے سورج کے غروب ہونے سے پہلے اس نے عصر کی پوری نماز (وقت پر) پالی اور جو شخص صبح کی نماز میں سے ایک رکعت سورج طلوع ہونے سے پہلے پالے اس نے صبح کی نماز (وقت پر) پالی۔

(سنن ابن ماجه كتاب الصلاة باب وقت الصلاة فى العذر والضرورة، الحديث ۶۹۹) و ابو عوانه ص۳۵۸ ج۱)

(۷) سیدنا ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ

ان النبیؐ ﷺ قال من صلى من العصر ركعة قبل ان تغرب الشمس فلم تفته۔

نبی مکرم ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے نماز عصر سے ایک رکعت بھی سورج غروب ہونے سے

پہلے پڑھ لی تو اس کی نماز فوت نہ ہوئی۔ (مسند ابو عوانہ ص۳۸۸ ج ۱)

(۸) سیدنا ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

قال رسول الله ﷺ من ادرك من العصر ركعتين او ركعة قبل ان تغرب الشمس فلم تفته ومن ادرك من الصبح ركعة قبل ان تطلع الشمس فلم تفته۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے نماز عصر کی دو یا ایک رکعت آفتاب غروب ہونے سے پہلے پالی اس کی نماز عصر فوت نہ ہوئی، اور جس نے صبح (کی نماز) سے ایک رکعت سورج طلوع ہونے سے پہلے پالی اس کی نماز صبح فوت نہ ہوئی۔

(مسند ابو داؤد طیالسی ص۳۱۳ رقم الحدیث ۲۳۸۱)

(۹) سیدنا ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ

ان النبی ﷺ قال اذا ادرك احدكم اول سجدة من صلوة العصر قبل ان تغرب الشمس فليتم صلوته واذا ادرك اول سجدة من صلوة الصبح قبل ان تطلع الشمس فليتم صلوته،

نبی مکرم ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی ایک عصر کی نماز کی پہلی رکعت سورج غروب ہونے سے پہلے پالے (پڑھ لے) تو وہ نماز پورا کرے، اور جب صبح کی نماز کی پہلی رکعت آفتاب کے طلوع ہونے سے پہلے پالے وہ نماز کو پورا کرے۔

(سنن نسائی کتاب المواقیت باب من ادرك ركعتين من العصر، الحدیث ۵۱۷ و بیهقی ص۳۷۸ ج۱)

(۱۰) سیدنا ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

ان رسول الله ﷺ قال من صلى من صلوٰة الصبح ركعة قبل ان تطلع الشمس فطلعت فليصل اليها اخرى۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے نماز صبح میں سے ایک رکعت سورج طلوع ہونے سے پہلے پڑھ لی، پھر سورج (اسی حالت میں) طلوع ہوگیا تو وہ (شخص) باقی نماز بھی پڑھ لے۔

(بیهقی ص۳۷۹ ج۱ و مسند احمد ۴۸۹ و ۵۲۱ ج۲ و دارقطنی ص۳۸۲ ج۱)

(۱۱) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ

عن النبی ﷺ قال اذا صلى احدكم ركعة من صلوٰة الصبح ثم طلعت الشمس فليصل اليها اخرى۔

نبی مکرم ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی ایک صبح کی ایک رکعت نماز پڑھ لے پھر سورج طلوع

ہو جائے تو وہ باقی نماز بھی پڑھ لے۔

(بیھقی ص۳۷۹ ج۱ و دارقطنی ص۳۸۲ ج۱)

(۱۲) سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من نسی عن صلاۃ فلیصل اذا ذکر لا کفارۃ لھا الا ذلک۔ الحدیث۔

نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص نماز بھول گیا تو جب اسے یاد آئے وہ نماز پڑھ لے، اس (نماز کا) کوئی کفارہ نہیں مگر یہی (کہ اسے پڑھا جائے)

(بخاری کتاب مواقیت الصلاۃ باب من نسی صلاۃ فلیصل اذا ذکر، ......الحدیث ۵۹۷ و مسلم کتاب المساجد باب قضاء الصلاۃ الفائتۃ......الحدیث ۱۵۶۶)

(۱۳) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

من نسی الصلاۃ فلیصلھا اذا ذکر، الحدیث

جو شخص نماز بھول گیا اسے جب یاد آئے وہ نماز پڑھ لے۔

(مسلم کتاب المساجد باب قضاء الصلاۃ الفائتۃ واستحباب تعجیل قضائھا، الحدیث ۱۵۶۰)

(۱۴) سیدنا ابی قتادہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اما انہ لیس فی النوم تفریط انما التفریط علی من لم یصلی الصلاۃ حتی یجئی وقت الصلاۃ الاخری فمن فعل ذلک فلیصلھا حین ینتبہ لھا۔

سو جانے میں تفریط نہیں ہے قصور تو اس پر ہے جو شخص نماز نہ پڑھے حتی کہ دوسری نماز کا وقت آ جائے، لہٰذا اگر کسی سے یہ فعل سرزد ہو جائے تو جب وہ بیدار ہو تو نماز پڑھ لے۔

(مسلم کتاب المساجد باب قضاء الصلاۃ لفائتۃ واستحباب تعجیل قضائھا، الحدیث ۱۵۶۲)

(۱۵) سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے ایک دن صبح کی نماز میں اتنی قرأت لمبی کی کہ عوام الناس نے خدشہ ظاہر کیا کہ سورج طلوع ہو گیا ہے، سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

لو طلعت لم تجدنا غافلین۔ یعنی اگر سورج طلوع ہو جاتا تو ہمیں غافل نہ پاتا۔

(بیھقی ص۳۷۹ ج۱ وطحاوی ص۱۲۵ ج۱)۔

(۱۶) اسی طرح کا واقعہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے اور آپ نے بھی یہی فرمایا تھا (بیہقی ص۳۷۹ج۱) لیکن اس اثر کی سند ضعیف ہے۔ راجع: (دین الحق ص ۱۷۰ ج ۱)۔

(۱۷) ابو سعید المقبری فرماتے ہیں:

کان ابو ہریرۃ یقول من نام أو غفل عن صلوۃ الصبح فصلی رکعۃ من صلاۃ الصبح قبل ان تطلع الشمس ولاخری بعد طلوعھا فقد اجذاھا ومن نام او غفل عن صلاۃ العصر فصلی

رکعتین قبل غروب الشمس ورکعتین بعدہ فقد ادرکھا۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا (فتوی دیا) کرتے تھے کہ جو شخص سو گیا یا صبح کی نماز بھول گیا اور اس نے ایک رکعت نماز سورج طلوع ہونے سے پہلے پڑھ لی اور باقی نماز سورج طلوع ہونے کے بعد پڑھی تو اس کی نماز ہو گئی اور ایسا ہی جس کی نماز عصر نیند یا بھول سے رہ گئی اور اس نے دو رکعت سورج غروب ہونے سے پہلے پڑھ لیں اور دو غروب کے بعد ادا کی تو اس کی نماز ہو گئی۔

(معرفة السنن و الاثار بحوالة اعلام اهل العصر ۱۷۹)

ان احادیث و اثار سے ثابت ہو رہا ہے کہ صبح کی نماز اور عصر کی نماز کے دوران اگر سورج طلوع ہو جائے تو نماز ہو جائے گی، سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کے متعدد طرق کے مختلف الفاظ اس بات کا کھلا اور واضح ثبوت ہیں، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کی احادیث سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے، اور احادیث ۱۲، ۱۳، ۱۴ کا مقصود بھی واضح ہے کہ نیند سے بیدار ہونے والا اور نماز کو بھول جانے والا بھی تمام اوقات میں نماز پڑھ لے، اور آخری تین آثار صحابہ سے ثابت ہو رہا ہے کہ خلفاء راشدین اور عام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہی عمل تھا، اس کے برعکس حنفیہ کا مؤقف ہے کہ صبح کی نماز کے دوران اگر سورج طلوع ہو گیا تو نماز باطل ہو جائے گی جبکہ عصر کی نماز کا پڑھنا درست ہے اور اس صورت میں نماز ہو جائے، تفصیل فصل دوم میں آ رہی ہے۔

قارئین کرام! فیصلہ کریں کہ یہ حدیث کی مخالفت ہے کہ نہیں؟

فصل دوم

(۱) عن عقبة بن عامر الجهنی یقول ثلث ساعات کان رسول الله ﷺ ینهانا ان نصلی فیهن او ان نقبر فیهن موتانا حین تطلع الشمس بازغة حتی ترتفع وحین یقوم قائم الظهیرة حتی تمیل الشمس وحین تضیف الشمس للغروب حتی تغرب۔ (مسلم جلد اول ص۲۷٦)

حضرت عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہمیں منع فرماتے تھے تین اوقات میں نماز پڑھنے سے بھی اور مردوں کے دفنانے سے بھی ایک تو جب سورج طلوع ہو رہا ہو یہاں تک کہ بلند ہو جائے، دوسرے جس وقت، کہ ٹھیک دوپہر ہو جب تک زوال نہ ہو جائے، تیسرے جس وقت سورج ڈوبنے لگے جب تک کہ پورا ڈوب نہ جائے۔

وجہ استدلال میں فرماتے ہیں کہ

حدیث سے ثابت ہو رہا ہے کہ تین اوقات ایسے ہیں کہ جن میں کوئی نماز بھی جائز نہیں، نہ فرض نہ واجب نہ سنت، نہ نفل (۱) طلوع آفتاب (۲) زوال آفتاب (۳) غروب آفتاب، حضور علیہ الصلوٰۃ

وسلام نے ان اوقات میں نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے اور کسی نماز اور کسی دن کو اس ممانعت سے خاص نہیں کیا۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۲۵۰)

الجواب اولاً: اس حدیث میں جس طرح تین اوقات میں نماز پڑھنے سے منع فرمایا گیا ہے اسی طرح ان اوقات میں مردوں کو دفن کرنے سے بھی منع کیا گیا ہے، حالانکہ ان اوقات میں احناف کے نزدیک مردوں کو دفن کرنا جائز ہے، تفصیل کے لیے تحفہ حنفیہ ص ۸۷ ج ۱ کی مراجعت کریں، بعض حنفیہ نے اس کی یہ تاویل کی ہے کہ، دفنانے، سے مراد نماز جنازہ پڑھنا ہے، (اعلاء السنن ص ۵۷ ج ۳) یہ تاویل جیسی بھی ہے، اگر اس کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو تب بھی حدیث ان کے خلاف ہی ہے، کیونکہ، نقبر، سے دفنانا مراد لیں یا جنازہ بہر حال نبی مکرم ﷺ نے تینوں اوقات میں ان کا کرنا منع فرمایا ہے، حالانکہ احناف کے نزدیک ان مکروہ اوقات میں جنازہ کا پڑھنا بھی بلا کراہت جائز ہے۔ (معارف السنن ص ۸۷ ج ۲ و البحر الرائق ص ۲۵۰ ج ۱)۔

ثانیاً: سابقہ فصل کی احادیث میں تفصیل گزر چکی ہے کہ اگر صبح اور عصر کی نماز کے دوران سورج طلوع یا غروب ہو گیا تو نمازی اپنی نماز کو پورا کر لے اور اس کی نماز (ان شاء اللہ) ادا ہو جائے گی، لیکن افسوس حنفیہ کے نزدیک صبح کی نماز کے دوران اگر سورج طلوع ہو گیا تو نماز باطل ہو جائے گی جبکہ عصر کی نماز کے دوران اگر غروب ہو جائے تو نماز ادا ہو جائے گی، پھر ان پر جو دلائل بیان کیئے جاتے ہیں وہ تمام کے تمام من گھڑت اور قیاس فاسد سے ہیں۔ مولانا محمد تقی عثمانی فرماتے ہیں۔

اس حدیث (ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ) میں فجر اور عصر کے درمیان کوئی فرق نہیں کیا گیا، حدیث باب حنفیہ کے بالکل خلاف ہے، مختلف مشائخ حنفیہ نے اس کا جواب دینے میں بڑا زور لگایا ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ کوئی شافی جواب نہیں دیا جا سکا یہی وجہ کہ حنفیہ کے مسلک پر اس حدیث کو مشکلات میں شمار کیا گیا ہے (درس ترمذی ص ۴۳۴ ج ۱)

مولانا آگے ایک ایک تاویل کو نقل کر کے ان کا رد تحریر کرتے ہیں، بحث کے آخر میں فرماتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ اس مسئلہ میں حنفیہ کی طرف سے کوئی ایسی توجیہ اب تک احقر کی نظر سے نہیں گزری جو کافی اور شافی ہو، اس لئے حدیث کو توڑ موڑ کر حنفیہ کے مسلک پر فٹ کرنا کسی طرح مناسب نہیں، یہی وجہ ہے کہ حضرت گنگوہی نے فرمایا کہ اس حدیث کے بارے میں حنفیہ کی تمام تاویلات باردہ ہیں، اور حدیث میں کھینچ تان کرنے کے بجائے کھل کر یہ کہنا چاہیئے کہ اس بارے میں حنفیہ کے دلائل ہماری سمجھ میں نہیں آ سکے، اور ان اوقات میں نماز پڑھنا ناجائز تو ہے لیکن اگر کوئی پڑھ لے تو ادا ہو جائے گی، حضرت گنگوہی کے علاوہ صاحب بحر الرائق اور علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی نے بھی دلائل کے اعتبار سے ائمہ ثلاثہ کے مسلک کو ترجیح دی ہے، شاید یہی وجہ ہے کہ امام ابو یوسف سے ایک روایت یہ مروی ہے کہ

طلوع شمس سے فجر کی نماز فاسد نہیں ہوتی۔

(درس ترمذی ص۴۳۹ ج۴۴۰ ج۱)

اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ خود احناف بھی ان مکروہ اوقات میں مردے دفنانے کے قائل ہیں اور یہ کہ عصر کی نماز کو جائز کہتے ہیں۔

ثالثاً: سیدنا عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ اور سابقہ فصل کی حدیث کے درمیان قطعاً تعارض نہیں ہے، سابقہ فصل کی احادیث سے ان اوقات میں، فرض نماز، واجب نماز اور سنن وغیرہ کی اجازت ثابت ہے، اور سیدنا عقبہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ممانعت عام نوافل کی ہے۔

امام شافعی امام احمد امام مالک اور جمہور آئمہ محدثین کرام رحمہم اللہ کا یہی مسلک و مذہب اور مؤقف ہے، آثار صحابہ کرام بھی اس کے مؤید ہیں، تفصیل کے لیے دیکھئے۔

(فتح الباری ص۴۵ ج۲ و اعلام اھل العصر ص۱۴۷ و التمھید ص۲۷۰ ج۳ و الاستذکار ص۶۳ ج۱ مطبوعھہ نشر المجلس الاعلی للشؤون ۱۳۹۱ھ)

جمعہ کے دن زوال وقت نوافل پڑھنا:

ہمارے معاصر نے، فتاوی ثنائیہ ص۵۴۳ ج۱) سے نقل کیا ہے کہ مگر زوال کے وقت جمعہ کے روز نفل وغیرہ پڑھنی جائز ہے۔ (حدیث اور اھل حدیث ص ۲۵۱)

جمعہ کے دن زوال کے وقت نوافل ادا کرنے کی روایات سنداً سخت ضعیف ہیں، تفصیل کے (التلخیص الحبیر ص۱۸۸ ج۱ (۲۷۳) کی مراجعت کریں۔

اس لیے ہماری تحقیق یہ ہے کہ مولانا امرتسری رحمہ اللہ کا فتوی درست نہیں ہے، لیکن یہ مؤقف فقط مولانا ثناء اللہ صاحب مرحوم کا ہی نہیں بلکہ متعدد اہل علم کا ہے، اور احناف سے قاضی ابو یوسف کا بھی یہی نظریہ ہے (فیض الباری ص۱۰۶ ج۲)

امام ابن ہمام رحمہ اللہ جو فقہ حنفی میں محقق علی الاطلاق اور مجتہد فی المذہب کا درجہ رکھتے ہیں انہوں نے قاضی ابو یوسف کے قول کو ترجیح دی ہے اور صاحب حلیہ وغیرہ نے ان کی موافقت کی ہے۔

(البحر الرائق ص۲۵۰ ج۱ و فتح القدیر ص۲۰۵ ج۱ و حلبی کبیر ص۲۳۷ و بذل المجھود ص۱۷۹ ج۲)

قاضی ابو یوسف کی حیثیت حنفیت میں جو کچھ ہے وہ محتاج بیان نہیں، افسوس کہ خورشید صاحب نے قاضی ابو یوسف کے قول کو نظر انداز کر کے حضرت شیخ الاسلام کا فتوی نقل کر کے اہل حدیث کو مطعون کیا ہے مگر یہ سوچنے کی زحمت نہیں کی کہ اس رد میں ان کا نامور امام بھی شامل ہے، خلاصہ کلام یہ کہ قاضی ابو یوسف نے حدیث کی مخالفت کی ہے یا موافقت کی ہے، جو بھی مولانا صورت اختیار کریں پھر اس کے دفاع میں جو بھی زیب رقم فرمائیں وہی ہماری طرف سے حضرت امرتسری رحمہ اللہ کا سمجھ لینا۔

(۲۵) باب عذر کی وجہ سے دو نمازیں جمع کرنا

فصل اول

(۱) سیدنا ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

خرج علینا رسول الله ﷺ بالهاجرة فصلى بالبطحاء الظهر والعصر ركعتين ونصب بين يديه عنزة الحديث۔

یعنی رسول اللہ ﷺ دوپہر میں بطحاء کی طرف نکلے (اور وضو کیا) دو رکعت ظہر کی اور دو ہی عصر کی پڑھیں، اور آپ علیہ التحیۃ والسلام کے آگے نیزہ گاڑا ہوا تھا۔

(بخاری کتاب الصلاة باب السترة بمكة وغيرها، الحديث ۵۰۱ و مسلم كتاب الصلاة باب سترة المصلى والندب ......الحديث ۱۱۲۲)

(۲) سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ

كان النبى ﷺ اذا ارتحل قبل ان تزيغ الشمس اخر الظهر الى وقت العصر ثم نزل فجمع بينهما فاذا زاغت الشمس قبل ان يرتحل صلى الظهر ثم ركب۔

یعنی نبی مکرم ﷺ جب سورج ڈھلنے سے پہلے سفر پر جاتے تھے تو ظہر کی نماز کو عصر کے وقت تک مؤخر کرتے پھر (سواری سے) اتر کر دونوں نمازوں کو جمع کرتے اور اگر سورج ڈھلنے کے بعد کوچ کرتے تو ظہر کی نماز پڑھ کر (سواری پر) سوار ہوتے۔

(بخاری كتاب التقصير باب اذا ارتحل بعد ما زاغت الشمس صلى الظهر ثم ركب، الحديث ۱۱۱۲) و مسلم كتاب صلاة المسافرين باب جواز الجمع بين الصلاتين فى السفر، الحديث ۱۶۲۵)

(۳) سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ

كان النبى ﷺ اذا اراد ان يجمع بين الصلاتين فى السفر اخر الظهر حتى يدخل اول وقت العصر ثم يجمع بينهما۔

نبی مکرم ﷺ جب سفر میں دو نمازوں کو جمع کرنے کا ارادہ کرتے تو ظہر کی نماز کو اتنا لیٹ کرتے یہاں تک نماز عصر کا اول وقت داخل ہو جاتا پھر ظہر وعصر کی دونوں نمازوں کو جمع کرتے،

(مسلم كتاب صلاة المسافرين باب جواز الجمع بين الصلاتين فى السفر، الحديث ۱۶۲۶)

(۴) سیدنا انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ

عن النبی ﷺ اذا عجل علیه السفر یؤخر الظهر الی اول وقت العصر فیجمع بینهما و یؤخر المغرب حتی یجمع بینها و بین العشاء حین یغیب الشفق۔

جب نبی مکرم ﷺ کو سفر میں جلدی ہوتی تو نماز ظہر کو اتنا لیٹ کرتے کہ عصر کی نماز کا اول وقت آجاتا، پھر دونوں نمازوں کو جمع کرتے، اور مغرب کی نماز کو اتنا لیٹ کرتے یہاں تک کہ شفق ڈوب جاتی تو پھر مغرب کی نماز کو عشاء کی نماز کے ساتھ جمع کر کے پڑھتے تھے۔

(مسلم کتاب صلاۃ المسافرین باب جواز الجمع بین الصلاتین فی السفر، الحدیث ۱۶۲۷)

(۵) سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

کان رسول الله ﷺ اذا کان فی السفر فزالت الشمس صلی الظهر و العصر جمیعا ثم ارتحل،

یعنی رسول اللہ ﷺ جب سفر میں ہوتے اور سورج ڈھل جاتا تو ظہر وعصر کو جمع کر کے پڑھتے تھے پھر کوچ فرماتے

(السنن الکبریٰ للبیهقی ص ۱۶۲ ج ۳)

(۶) سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ

ان النبی ﷺ کان اذا کان فی سفر فزاغت الشمس قبل ان یرتحل صلی الظهر والعصر جمیعا وان ارتحل قبل ان تزیغ الشمس جمع بینهما فی اول وقت العصر و کان یفعل فی المغرب والعشاء۔

جب نبی مکرم ﷺ سفر میں ہوتے اور کوچ کرنے سے پہلے سورج ڈھل جاتا تو ظہر وعصر کی دونوں نمازوں کو کوچ کرنے سے پہلے جمع کر کے پڑھتے تھے، اور جب سورج ڈھلنے سے پہلے کوچ کرتے تو نماز عصر کے وقت میں ظہر وعصر کی نمازیں جمع کر کے پڑھتے تھے، اسی طریقہ سے مغرب و عشاء کی نمازوں میں کرتے تھے۔

طبرانی الاوسط ص ۲۷۲ ج ۸ رقم الحدیث ۷۵۴۸)

ہیثمی فرماتے ہیں کہ اس کے راویوں کی توثیق کی گئی ہے۔ (مجمع الزوائد ص ۱۶۰ ج ۲) یہ روایت دوسری سند سے امام حاکم نے بھی، الاربعین، میں روایت کی ہے، علامہ البانی اور منذری اور حافظ ابن حجر اور علامہ العلائی فرماتے ہیں کہ اس کی سند صحیح ہے۔

(ارواء الغلیل ص ۳۳ ج ۳) التلخیص الجبیر ص ۴۹ ج ۲)

تیسری سند امام اسحاق بن راھویہ رحمہ اللہ کے طریق سے امام اسماعیلی نے اور ان سے امام بیہقی نے (السنن الکبری ص ۱۶۲ ج ۳) میں روایت کیا ہے، نووی فرماتے ہیں کہ اس کی سند صحیح ہے (المجموع ص ۳۱۱ ج ٤)

(۷) سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ

ان النبی ﷺ کان فی غزوۃ تبوك اذا ارتحل قبل ان تزیغ الشمس اخر الظهر حتی یجمعها الی العصر فیصلیهما ثم سار وکان اذا ارتحل قبل المغرب اخر المغرب حتی یصلیها مع العشاء واذا ارتحل بعد المغرب عجل العشاء فصلاها مع المغرب۔

یعنی نبی مکرم ﷺ غزوہ تبوک کے سفر میں جب آفتاب ڈھلنے سے پہلے کوچ کرتے تو نماز ظہر کو لیٹ کرتے یہاں تک اسے عصر کی نماز کے ساتھ ملا کر پڑھتے تھے اور جب سورج ڈھلنے کے بعد کوچ کرتے تو ظہر وعصر پڑھ کر چلتے اور جب مغرب سے پہلے کوچ کرتے تو نماز مغرب میں تاخیر کرتے یہاں تک کہ اسے عشاء کی نماز کے ساتھ پڑھتے اور جب سورج غروب ہونے کے بعد چلتے تو عشاء کی نماز کو مغرب کی نماز کے ساتھ پڑھ کر چلتے تھے۔

(سنن ابی داؤد کتاب صلاۃ السفر باب الجمع بین الصلاتین، الحدیث ۱۲۲۰) و ترمذی کتاب الجمعة باب ما جاء فی الجمع بین الصلاتین، الحدیث ۵۵۳، و مسند احمد ص۲۴۱و ۱۴۲ ج۵و دارقطنی ص۳۹۲ ج۱ و ابن حبان رقم الحدیث ۱۵۹۱)

(۸) سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

انهم خر جوامع رسول الله ﷺ عام تبوك فکان رسول الله ﷺ یجمع بین الظهر والعصر والمغرب والعشاء قال فاخر الصلوٰۃ یوماً ثم خرج فصلی الظهر والعصر جمیعا ثم دخل ثم خرج فصلی المغرب والعشاء جمیعا، الحدیث۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی مکرم ﷺ کے ساتھ غزوہ تبوک کے سال (سفر کے لیے) نکلے تو رسول اللہ ﷺ ظہر وعصر اور مغرب وعشاء کو جمع کرکے پڑھا کرتے تھے ایک دن ظہر کی نماز میں تاخیر کرکے نکلے اور اسے عصر کے ساتھ جمع کرکے پڑھا پھر ایک مقام پر داخل ہوئے تو مغرب کی نماز میں تاخیر کرکے عشاء کے ساتھ جمع کرکے پڑھی، الحدیث

(موطا امام مالك کتاب الصلاۃ باب الجمع بین الصلاتین فی الحضر والسفر، و مسلم کتاب الفضائل باب فی معجزات النبی ﷺ، الحدیث ۵۹۴۷)

(۹) سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

الا احدثکم عن صلاۃ رسول الله ﷺ فی السفر؟ قلنا بلی، قال کان اذا زاغت الشمس فی منزله جمع بین الظهر والعصر قبل ان یرکب واذا لم تزغ له فی منزله سار حتی اذا حانت العصر نزل فجمع بین الظهر والعصر و اذا حانت المغرب فی منزله جمع بینها و بین العشاء و اذا لم تحن فی منزله رکب حتی اذا حانت العشاء نزل فجمع بینهما۔

کیا میں آپ کو نبی مکرم ﷺ کی سفر کی نماز نہ بتاؤں؟ لوگوں نے کہا کہ کیوں نہیں، تب سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ جب سورج ڈھل جاتا اور آپ ابھی منزل میں ہی ہوتے تو کوچ کرنے سے پہلے ظہر وعصر کی دونوں نمازیں جمع کر کے پڑھتے تھے، اور جب منزل میں ہی ہوتے اور سورج نہ ڈھلتا تو چل پڑتے حتی کہ جب نماز عصر کا وقت آتا تو سواری سے اتر کر ظہر وعصر کو جمع کر کے پڑھتے اور جب نماز مغرب کا وقت منزل میں ہی ہو جاتا تو مغرب و عشاء کی نمازیں جمع کر کے پڑھتے تھے، اور جب منزل میں مغرب کی نماز کا وقت نہ آتا تو کوچ کرتے حتی کہ جب عشاء کی نماز کا وقت آتا تو تب اتر کر ان دونوں کو جمع کرتے۔

(مسند احمد ص۳۶۷، ۳۶۸ ج۱ و دارقطنی ص۳۸۸ ج۱ و بیہقی ص۱۶۳، ۱۶۴ ج۳ و مصنف عبدالرزاق ص۵۴۸ ج۲)

(۱۰) امام اسلم رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ

کنت مع عبدالله بن عمر رضی اللہ عنہ بطریق مکة فبلغه عن صفية بنت ابی عبيد شدة وجع فاسرع السير حتى اذا كان بعد غروب الشفق ثم نزل فصلى المغرب والعتمة جمع بينهما وقال انى رايت النبی ﷺ اذا جدبه السير اخر المغرب وجمع بينهما۔

میں مکہ مکرمہ کے راستہ میں سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ تھا آپ کو صفیہ بنت ابی عبید (بیوی سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ) کی سخت بیماری کی خبر پہنچی وہ (ابن عمرؓ) جلدی جلدی چلنے لگے یہاں تک شفق غروب ہوگئی تو تب آپ (اونٹ سے) اترے اور مغرب وعشاء کی نمازیں جمع کر کے پڑھیں، اور فرمایا کہ میں نے نبی مکرم ﷺ کو دیکھا جب سفر میں جلدی ہوتی تو مغرب کی نماز کو لیٹ کر کے عشاء کی نماز کے ساتھ ملا کر جمع کر کے پڑھتے تھے۔

(بخاری کتاب الجهاد والسير باب السرعة فی السير، الحديث ۳۰۰۰)

(۱۱) امام نافع بیان کرتے ہیں کہ

ان ابن عمر كان اذ اجد به السير جمع بين المغرب والعشاء بعد ان يغيب الشفق ويقول ان رسول الله ﷺ كان اذ اجدبه السير جمع بين المغرب والعشاء

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ کو جب سفر میں جلدی چلنا ہوتا تو غروب شفق کے بعد مغرب وعشاء کی نمازیں جمع کر کے پڑھتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ جب رسول اللہ ﷺ کو بھی جلدی چلنا ہوتا تو مغرب و عشاء کی نمازیں اسی طرح جمع کرتے تھے۔

(مسلم کتاب صلاة المسافرين باب جواز الجمع بين الصلاتين فی السفر، الحديث ۱۶۲۲)

(۱۲) امام عبداللہ بن دینار بیان کرتے ہیں کہ

غابت الشمس وانا عند عبداللہ بن عمر فسرنا فلما رایناہ قدامسیٰ قلنا الصلاۃ فسار حتی غاب الشفق وتصوبت النجوم ثم انہ نزل فصلی الصلاتین جمیعا ثم قال رایت رسول اللہ ﷺ اذ اجد بہ السیر صلی صلاتی ھذہ، یقول یجمع بینھما بعد لیل،

میں سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ کے پاس تھا اور آفتاب غروب ہوگیا جب ہم نے سمجھا کہ رات ہوگئی ہے تو انہیں نماز پڑھنے کے لیے کہا مگر آپ نے سفر جاری رکھا اور جب شفق غروب ہوگئی اور تارے نکل آئے تو تب اونٹ سے اتر کر مغرب وعشاء کی دونوں نمازیں جمع کی، پھر کہا کہ جب رسول اللہ ﷺ کو بھی جلدی چلنا ہوتا تو ایسا ہی کرتے، رات میں دونوں نمازوں کو جمع کرتے۔

(سنن ابی داؤد کتاب الصلاۃ السفرباب الجمع بین الصلاتین، الحدیث ۱۲۱۷)

(۱۳) امام اسماعیل بن عبدالرحمٰن بیان کرتے ہیں کہ

صحبت ابن عمر الی الحمی فلما غربت الشمس ھبت ان اقول لہ الصلوٰۃ فسار حتی ذھب بیاض الافق فحمۃ العشاء ثم نزل فصلی المغرب ثلاث رکعات ثم صلی رکعتین علی اثرھا ثم قال ھکذا رایت رسول اللہ ﷺ یفعل۔

میں سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ (سفر میں گیا) حمی تک، جب سورج غروب ہوگیا تو میں انہیں نماز کے متعلق کہنے سے ڈرا، آپ نے سفر جاری رکھا حتی کہ آسمان کے کناروں سے سفیدی چلی گئی، اور رات کے ابتدائی حصے کا اندھیرا چھا گیا تب آپ سواری سے اترے اور مغرب کی تین رکعت نماز پڑھی اس کے بعد دو رکعتیں (عشاء کی نماز) ادا کیں اور کہا کہ نبی مکرم ﷺ اسی طرح (سفر میں) کرتے تھے۔

(سنن نسائی کتاب المواقیت باب الوقت الذی یجمع فیہ المافرین المغرب العشاء الحدیث ۵۹۲ ومسند حمیدی ص۲۹۹ ج۲)

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت کے مزید بھی طرق ہیں، تفصیل کے لیے، دین الحق ص ۵۷۷ ج ۱ اور بیہقی ص ۱۵۹ ج ۳ کی مراجعت کریں،

(۱۴) امام سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ

عن ابن عباس قال جمع رسول اللہ ﷺ بین الظھر والعصر والمغرب والعشاء بالمدینۃ فی غیر خوف ولا مطر وفی حدیث وکیع قال قلت لا بن عباس لم فعل ذلک؟ قال کیلا یحرج امتہ، وفی حدیث ابی معاویۃ قیل لا بن عباس ما ذا اراد الی ذلک قال اراد ان لا یحرج امتہ۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ میں بغیر خوف اور بارش

کے ظہر وعصر اور مغرب وعشاء کو جمع کر کے پڑھا، اور وکیع کی روایت میں ہے کہ میں نے ابن عباسؓ سے کہا کہ آپؐ نے ایسا کیوں کیا، انہوں نے فرمایا تا کہ امت کو حرج نہ ہو، اور ابو معاویہ کی روایت میں ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا گیا کہ آپ ﷺ نے ایسا کیوں کیا؟ بولے کہ یہ چاہا کہ آپ کی امت کو تکلیف نہ ہو،

(مسلم کتاب صلاۃ المسافرین باب الجمع بین الصلاتین الحضر، الحدیث ۱۶۳۳)

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کی اس روایت کے متعدد طرق ہیں، تفصیل کے لیے، ارواء الغلیل ص ۳۶ ج ۳ کی مراجعت کریں، اس حدیث سے آفتاب کی طرح یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ نبی مکرم ﷺ کے مبارک عہد میں مدینہ منورہ میں بوجہ بارش نمازیں جمع کی جاتی تھیں ورنہ اس روایت میں نفی کا کوئی معنی ہی نہیں بنتا۔

(۱۵) امام نافع بیان کرتے ہیں کہ

ان عبداللہ بن عمر کان اذ اجمع الامراء بین المغرب والعشاء فی المطر جمع معھم۔

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ بوجہ بارش امراء کے ساتھ مغرب وعشاء کی نمازیں جمع کر لیتے تھے

(موطا امام مالك باب الجمع بین الصلوٰاتین فی الحضر والسفر، و بیھقی ص۱۶۸ ج۳)

(۱۶) امام ہشام بن عروہ فرماتے ہیں کہ

ان اباہ عروۃ و سعید بن المسیب وابا بکر بن عبدالرحمن بن الحارث بن ھشام بن المغیرۃ المخذومی کانوا یجمعون بین المغرب والعشاء فی اللیلۃ المطیرۃ اذ اجمعوا بین الصلاتین ولا ینکرون ذلك

ان کے والد امام عروہ بن زبیر اور سعید بن میّب اور ابا بکر بن عبدالرحمٰن مخذومی بارش کی رات مغرب وعشاء کی نمازیں جمع کر لیا کرتے تھے اور جب دو نمازوں کو جمع کرتے تھے تو کوئی بھی انکار نہ کرتا تھا۔ (بیھقی ص۱٦٨ ج۳)

(۱۷) امام موسیٰ بن عقبۃ فرماتے ہیں کہ

ان عمر بن عبدالعزیز کان یجمع بین المغرب والعشاء الاخرۃ اذا کان المطر وان سعید بن المسیب وعروۃ بن الزبیر وابا بکر بن عبدالرحمن و مشیخه ذلك الزمان کانوا یصلون معھم ولا ینکرون ذلك۔

سیدنا عمر بن عبدالعزیز جب بارش ہوتی تو مغرب وعشاء کی نمازیں جمع کر کے ادا کرتے تھے، اور سعید بن میّب، عروۃ بن زبیر اور ابا بکر بن عبدالرحمٰن وغیرہ اس زمانے کے شیوخ آپ کے ساتھ نمازیں (جمع کر کے) پڑھا کرتے اور کوئی انکار نہ کرتا تھا۔ (بیھقی ص١٦٩ ج۳)

فصل دوم

حفظوا علی الصلوٰت والصلوٰۃ الوسطی (۲۔۲۳۸)

محافظت کرو سب نمازوں کی اور درمیانی والی نماز کی۔

ان الصلوٰۃ کانت علی المومنین کتبا موقوتا (۴۔۱۰۳)

بے شک نماز مسلمانوں پر فرض ہے اپنے مقررہ وقتوں میں۔

فویل للمصلین الذین ھم عن صلاتھم ساھون۔ (۱۰۷۔ ۴تا۵)

پھر خرابی ہے ان نمازیوں کی جو اپنی نماز سے بے خبر ہیں۔

وجہ استدلال میں مولانا فرماتے ہیں۔

آیات کریمہ سے معلوم ہو رہا ہے کہ نمازوں کے اوقات مقرر ہیں ان کی محافظت واجب ہے اور ان کی خلاف ورزی باعث عذاب ہے (حدیث اور اھل حدیث ص۲۵۲، ۲۵۶)

الجواب اولاً: اگر ان آیات سے وہی بات ثابت ہے جو مولانا کہی ہیں تو اوقات کی محافظت واجب نہیں فرض ثابت ہوتی ہے، کیونکہ جو چیز نص قطعی سے ثابت ہو وہ فرض ہوتی ہے، اور جو دلیل ظنی سے ثابت ہو وہ واجب کہلاتی ہے، مگر مولانا اسے واجب کہتے ہیں، جس سے ثابت ہوا کہ وہ خود بھی ان آیات کو زیر بحث مسئلہ میں قطعی نہیں بلکہ غیر منصوص تسلیم کرتے ہیں۔

ثانیاً: نبی مکرم ﷺ نے جس طرح سفر و حضر میں نمازیں ادا فرمائی ہیں وہ دراصل **حفظوا علی الصلوٰۃ**، اور **کتابا موقوتا**، کی عملی تفسیر ہیں۔ لہذا سفر وغیرہ میں نمازوں کو جمع کرنا، ساھون، میں شامل نہیں ہے، تفصیل کے لیے دین الحق ص۵۸۶ ج۱ کی مراجعت کریں۔

ثالثاً: حفاظت نماز، اور، اقامت صلوٰۃ، میں فقط وقت ہی شامل نہیں بلکہ نماز کے تمام ارکان و شرائط بھی داخل ہیں، مگر حنفی جس برق رفتاری سے نمازیں ادا کرتے ہیں وہ ان آیات کے خلاف ہیں۔ قارئین کرام آپ کسی بھی حنفی مسجد میں جا کر اس کا مشاہدہ کر سکتے ہیں۔ (مسجد خواہ بریلویوں کی ہو یا دیوبندیوں کی) اول تو نماز کے اوقات کا لحاظ نہ رکھا جائے گا۔ پھر اس کے بے جا شروط کا تو پاس رکھا جائے گا مگر مسنون طریقہ کو قطعاً نظر انداز کر دیا جائے گا، رکوع و سجود کی تسبیحات اور دونوں سجدوں کے درمیان کی دعا، اور تشہد میں مسنون دعائیں عوام الناس تو کجا بعض علماء احناف کو بھی نہیں آتیں، ہمارے گاؤں کے ساتھ میوات کے مہاجر راجپوت فیملی کا ڈیرہ ہے جو، بنگلہ کوٹلی ورکاں، کے نام سے معروف ہے، تھوڑا عرصہ قبل کی بات ہے کہ وہاں ایک جنازہ پڑھنے کا اتفاق ہوا، (مماتی دیوبندی ہیں مگر جس مولوی صاحب کو انہوں نے جنازہ کے لیے بلایا ہوا تھا وہ بریلوی تھا) خیر مولوی صاحب نے جنازہ

پڑھایا، سلام کے بعد فرمانے لگے کہ گیارہ بار قل اور درود کو پڑھا جائے، خاکسار نے کہا کہ یہ کام بدعت ہے، جنازہ میں شامل نہیں، مولوی صاحب نے اصرار کیا تو، راقم نے کہا کہ آپ کو مکمل جنازہ نہیں آتا، اگر آپ سنا دیں تو میری طرف سے آپ کو دس ہزار روپے نقد انعام دیا جائے گا، جس پر انہوں نے تھوڑی سے خفت کے بعد تسلیم کر لیا کہ واقعی مجھے جنازہ نہیں آتا، یہ بالکل سچا واقعہ ہے، وکفی باللہ شہید۔

الغرض شرعی طور پر، حفاظت، اقامت اور ساہون کا جو مفہوم پایا جاتا ہے وہ حنفیت کے صریحاً خلاف ہے۔

راقم کا ذاتی تجربہ اور مشاہدہ ہے کہ اگر یہاں کبھی کوٹلی میں تبلیغی جماعت آ جائے تو انہیں کافی دقت پیش آتی ہے، پیش امام ابھی رکوع سے کھڑا ہی ہوتا ہے اور اللھم ربنا ولك الحمد الخ پڑھ رہا ہوتا ہے، اور پیچھے سے دیوبندی مقتدی سجدہ میں جا چکے ہوتے ہیں، پھر جب پہلے سجدہ سے سر اٹھا کر پیش امام، اللھم اغفرلی، کو شروع ہی کرتا ہے تو سجدہ میں جبین لگا چکے ہوتے ہیں۔ دیوبندی وضاحت کریں کہ امام کی مخالفت، حفظوا، موقوتا، کے خلاف ہے یا نہیں اور آیا یہ، ساہون، میں داخل ہے کہ نہیں۔

ثالثاً: ہمارے فاضل بھائی کے نزدیک بھی عذر کی وجہ سے نمازیں جمع کرنا جائز ہے، کیونکہ انہوں نے کتاب میں اس باب کا عنوان، بلا عذر دو نمازوں کو اکٹھا کر کے پڑھنا جائز نہیں (حدیث اور اہل حدیث ۲۵۲) قائم کیا ہے، جس سے ثابت ہوا کہ عذر شرعی کی وجہ سے جائز ہے، ورنہ یہ عنوان بے معنی ہو جاتا ہے، اور سفر عذر شرعی ہے کہ کیونکہ سفر میں نمازیں جمع کرنا سنت سے ثابت ہیں۔

(۱) عن عبداللہ قال کان رسول اللہ ﷺ یصلی الصلوۃ لوقتھا الا بجمع و عرفات۔

(نسائی ص۳۶ ج۲)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نماز وقت پر پڑھتے تھے، سوائے مزدلفہ اور عرفات کے۔ (حدیث اور اہل حدیث ۲۵۲)

الجواب: یہ حدیث (بخاری ص۲۲۸ ج۱ و مسلم ص۴۱۷ ج۱) میں بھی ہے مگر اس میں فقط مزدلفہ میں مغرب وعشاء کی نمازوں کو جمع کرنے کا ذکر ہے، دیکھئے (حدیث اور اہل حدیث ص ۲۴۰) مگر اس حدیث میں عرفات میں بھی ظہر وعصر کو جمع کرنے کا ذکر ہے حالانکہ بخاری کی حدیث میں نفی ہے، اگر کہا جائے کہ ثبوت نفی پر مقدم ہوتا ہے گو بخاری کی روایت میں نفی ہے مگر اس میں اثبات ہے لہذا مُسلّمہ اصول سے نسائی کی روایت مقدم ہے تو ہم کہتے ہیں کہ واقعی ثبوت نفی پر مقدم ہوتا ہے، اور سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنی دید کو بیان کیا ہے جبکہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ وغیرھم نے اپنی دید بیانی کی ہے کہ نبی مکرم ﷺ سفر میں نمازیں جمع کرتے تھے، اور حنفیہ کا مُسلّمہ

اصول کہ ثبوت نفی پر مقدم ہوتا ہے (دیکھئے احسن الکلام ص۲۵۹ ج۱) کے پیش نظر سفر میں نمازیں جمع کرنے کی احادیث مقدم ہیں۔

(۲) عن عبداللہ قال ما رایت رسول اللہ ﷺ صلی صلاۃ الالمیقاتھا، الاصلاتین صلوٰۃ المغرب والعشاء یجمع و صلی الفجر یومئذ قبل میقاتھا،

(مسلم ص۴۱۷ ج۱)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو جب دیکھا نماز وقت پر پڑھتے دیکھا سوائے دو نمازوں یعنی مغرب و عشاء کے مزدلفہ میں اس دن آپ نے فجر کی نماز وقت (معتاد) سے پہلے پڑھی (حدیث اور اہل حدیث ص۲۵۳)

الجواب اولاً: یہ حدیث حنفیہ کے خلاف ہے تفصیل نماز فجر کے وقت کے سلسلہ میں کتاب ہذا میں گزر چکی ہے، مزید دیکھئے، تحفہ حنفیہ ص۸۶ ج۱ و دین الحق ص۱۶۴ ج۱)

ثانیاً: اگر اس حدیث سے سفر میں نمازیں جمع کرنے کی ممانعت ثابت ہوتی ہے، تو عرفات میں ظہر وعصر کو جمع کرنا بھی ناجائز ہے، کیونکہ اس میں اس کی بھی نفی ہے، حالانکہ احناف کے نزدیک بھی عرفات میں ظہر وعصر کو اکٹھا کرنے کا حکم ہے، دیکھئے۔ (ھدایہ مع فتح القدیر ص ۳۷۰ ج ۲) **فما کان جوابکم فھو جوابنا۔**

(۳) عن عثمان بن عبداللہ بن موھب قال سئل ابو ھریرۃ رضی اللہ عنہ ما التفریط فی الصلوۃ قال ان تؤخر حتی یجئی وتت الاخری۔

(طحاوی ص۱۱۴ ج۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سوال ہوا کہ نماز میں تفریط (قصور) کا کیا مطلب ہے، آپ نے فرمایا کہ نماز کو اس قدر تاخیر سے پڑھے کہ دوسری نماز کا وقت آ جائے (حدیث اور اہل حدیث ص۲۵۳)

الجواب اولاً: مولانا صاحب نے اس اثر کے متعلق کوئی وضاحتی نوٹ رقم نہیں فرمایا کہ اس سے سفر میں نمازوں کو جمع کرنے کا رد کس طرح ہوتا ہے، اگر مؤلف کا اس سے یہ استدلال ہے کہ سفر میں ظہر کو عصر کے وقت میں پڑھا جاتا ہے، کیونکہ تفریط (قصور) ہے، تو جواباً عرض ہے کہ خود احناف بھی مزدلفہ میں مغرب کو لیٹ کر کے عشاء کے وقت میں ادا کرتے ہیں، **فما کان جوابکم فھو جوابنا،**

ثانیاً: سفر میں دو نمازوں کو جمع کرنا احادیث مرفوعہ سے ثابت ہے جبکہ زیر بحث اثر سفر کے متعلق نہیں جیسا کہ علامہ نیموی نے، آثار السنن ص۲۷۷ میں، **باب النھی عن الجمع فی الحضر**، کے تحت اس قول کو نقل کر کے صراحت کی ہے۔

امید ہے کہ دیوبندی اپنے محدث اعظم کی گواہی پر اعتماد کرلیں گے۔

(۴) عن ابي قتادة (في حديث طويل) ان رسول الله ﷺ قال اما انه ليس فى النوم تفريط انما التفريط على من لم يصل الصلوٰة حتى يجئى وقت الصلوٰة الاخرى، الحديث

(مسلم ص۲۳۹ ج۱)

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ خبردار نیند میں کوئی تفریط نہیں ہے، تفریط اس شخص کی طرف سے ہے جو نماز نہ پڑھے حتی کہ دوسری نماز کا وقت آ جائے۔

(حدیث اور اھل حدیث ص۲۵۳)

الجواب اولاً: یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ حالت نیند میں نماز قضاء نہیں ہوتی اور جب بھی انسان بیدار ہوتو وہ نماز کو پڑھ لے، خواہ سورج طلوع ہی ہو رہا ہو، حدیث کے اگلے الفاظ ہیں کہ **فمن فعل ذلك فليصلها حين ينتبه لها،**

یعنی جس سے یہ فعل سرزد ہوتو وہ جب بیدار ہوتو نماز پڑھ لے،

(صحيح مسلم ص۲۳۹ ج۱ كتاب المساجد باب قضاء الصلاة الفائتة و استحباب تعجيل قضائها، الحديث ۱۵۶۲)

ان الفاظ نبوی میں اس مسئلہ کی دلیل ہے کہ بیدار ہونے والا اسی وقت ہی نماز پڑھ لے خواہ سورج طلوع ہی ہو رہا ہو۔

ثانیاً: اگر اس حدیث سے سفر میں دو نمازوں کو جمع کرنا ناجائز ثابت ہوتا ہے تو مزدلفہ میں مغرب کو عشاء کے وقت میں پڑھنے کا بھی رد ہوتا ہے، حالانکہ حنفیہ کا مسلک اس کے خلاف ہے، **فما كان جوابكم فهو جوابنا۔**

(۵) عن ابی ذر قال قال لی رسول الله ﷺ كيف انت اذا كانت عليك امراء يؤخرون الصلوٰة عن وقتها اويميتون الصلوٰة عن وقتها، قال قلت فما تامرنی قال صلی الصلوٰة لوقتها فان ادركتها معهم فصل فانها لك نافلة۔ (مسلم ص۲۳۹ ج۱)

حضرت ابو ذر (غفاری) رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے کہا کہ (اے ابا ذر) تمہارا اس وقت کیا حال ہوگا جب کہ تمہارے حکمران ایسے ہوں گے جو نماز کو اس کے وقت سے مؤخر کرکے یا نماز کو مار کے پڑھیں گے، حضرت ابو ذرؓ فرماتے ہیں میں نے عرض کیا کہ پھر میرے لیے آپ کا کیا حکم ہے، آپ نے فرمایا تم نماز کو اس کے وقت پر پڑھ لینا، پھر اگر ان کے ساتھ بھی نماز مل جائے تو پھر پڑھ لینا کہ وہ تمہارے لیے نفل ہو جائیں گے۔

(حدیث اور اھل حدیث ص۲۵۴)

الجواب اولاً: اس حدیث میں سفر میں دونمازوں کو جمع کرنے کی ممانعت بیان نہیں ہوئی بلکہ حالت حضر میں اول وقت میں تاخیر مراد ہے، مطلب یہ ہے کہ نماز تو وقت پر ہی پڑھی جائے مگر اس کا اول وقت جو افضل ہے اس میں تاخیر نہ کی جائے، علامہ عثمانی، یؤخرون الصلوٰۃ عن وقتها، کا معنیٰ کرتے ہیں کہ قال النووی ای عن وقتها المختار لا عن جمیع وقتها،

نووی نے کہا ہے کہ مختار وقت (میں تاخیر مراد ہے) نا کہ تمام وقت نکلنا۔

(فتح الملهم ص۲۱۵ ج۲)

ثانیاً: جب پیش امام نماز کے اول وقت میں تاخیر کرے تو مقتدی کو اول وقت میں نما پڑھنا افضل ہے، جس پر حدیث کے الفاظ، صل الصلوٰۃ لوقتها فان ادرکتها معهم فصل، دلالت کرتے ہیں۔ مگر حنفیہ کے نزدیک اول وقت کی بجائے امام کے ساتھ تاخیر میں نماز پڑھنا افضل ہے، مولانا عثمانی پہلے مذکورہ الفاظ کا اوپر والا مفہوم تسلیم کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

فیه ان الامام اذا اخرها عن اول وقتها یستحب للماموم ان یصلیها فی اول الوقت منفرد اثم یصلیها مع الامام فیجمع فضیلتی اول الوقت والجماعة فلو اراد الاقتصار علی احدهما فهل الافضل الاقتصار علی فعلها جماعة فی آخر الوقت فیه خلاف مشهور لاصحابنا ...... والمختار استحباب الانتظار ان لم یفحش التاخر۔

اس حدیث میں دلیل ہے کہ جب امام نماز کو اول وقت سے لیٹ کرے تو مقتدی منفرد ہی اول وقت میں نماز پڑھ لے، پھر امام کے ساتھ بھی نماز پڑھ لے، تو دریں صورت اول وقت اور جماعت کی (دونوں) فضیلتیں جمع ہو جائیں گی، اور اگر ان دونوں میں سے کسی ایک پر اکتفا کرے تو پھر افضل منفرد کی نماز ہے یا جماعت کے ساتھ ہے؟ اس مسئلہ میں ہمارے اصحاب کا اختلاف مشہور ہے، اور مختار و مستحب یہ ہے کہ جماعت کا انتظار کرے اگر زیادہ تاخیر نہ ہو۔

(فتح الملهم ص۲۱۵ ج۲)

ثالثاً: اس حدیث میں اس بات کی بھی دلیل ہے کہ اگر پیش امام وغیرہ نماز کو اول وقت سے تاخیر کر کے ادا کرے تو مقتدی گھر میں ہی نماز ادا کر لے، پھر اگر پانچوں نمازوں میں سے کسی بھی ایک کی جماعت پالے تو نماز کو دوبارہ پڑھ لے یہ اس کے حق میں نفل ہو گی، مگر حنفی اس حدیث کو قبول نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ صرف، ظہر اور عشاء کی نماز کو ہی دوبارہ جماعت کے ساتھ ادا کر سکتا ہے، عصر، مغرب، اور فجر کی نمازیں نہیں پڑھ سکتا۔

(شرح معانی الآثار ص۲۱۴ ج۱ و موطا امام محمد ص۱۳۳ و فتح الملهم ص۲۱۶ ج۲ و مرقاۃ ص۱۳۴ ج۲ و معارف السنن ص۹۲ ج۲ و درس ترمذی ص۴۱۶ و بذل المجهود ص۲۴۹ ج۱)

رابعاً: اگر اس سے نمازیں جمع کرنے کی نفی ہوتی ہے تو یہ آپ کے بھی خلاف ہے کیونکہ حج میں جناب بھی جمع کرتے ہیں، **فما کان جوابکم فھو جوابنا۔**

(۶)عن طاؤس عن ابن عباس قال لایفوت صلوٰۃ حتی یجئیی وقت الاخری۔ (طحاوی ص ۱۱۴ ج ۱)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نماز اس وقت (قضا) ہوتی ہے، جب دوسری نماز کا وقت آ جائے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۲۵۴)

الجواب اولاً: مولانا صاحب نے، لا یفوت، کے الفاظ کا لغوی معنی کیا نہیں مگر بریکٹ میں، قضاء کا لفظ ڈال دیا ہے، سنئے اس اثر کا مفہوم یہ ہے کہ نماز فوت نہیں ہوتی یہاں تک کہ دوسری نماز کا وقت آ جائے، چونکہ اثر کا لغوی معنی مؤلف کے مذہب کے خلاف تھا، اس لیے انہوں نے معنی میں ہی تحریف کردی، تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ جان بوجھ کر نماز کو مؤخر کرنا حتی کہ دوسری نماز کا وقت آ جائے، اس سے پہلی نماز فوت ہو جاتی ہے فوت ہونے سے مراد قضا نہیں جیسا کہ مولانا بتا رہے ہیں بلکہ فوت کا یہ مطلب ہے کہ جیسے موت آنے کے بعد دوبارہ زندگی نہیں مل سکتی، ایسے ہی فوت ہونے والی نماز کی قضا نہیں ورنہ حج کے موقعہ پر عرفات و مزدلفہ میں بھی دونمازوں کا جمع کرنا ناجائز ہوگا، یہ فتویٰ بھی تغلیب کے طور پر ہے، ہر نماز کے متعلق نہیں، ورنہ فجر کی نماز کا وقت ظہر تک ماننا پڑے گا؛ حالانکہ اس کا کوئی بھی قائل نہیں، مولانا جس دلیل سے فجر کی تخصیص کریں گے وہی دلیل سفر میں جمع کی ہوگی۔

ثالثاً: اس کی سند میں لیث بن ابی سلیم راوی ضعیف ہے، تقریب، علاوہ ازیں لیث مدلس بھی ہے جیسا کہ علامہ ہیثمی نے (مجمع الزوائد ص۲۷ ج۳ و ص۳/ج۱ و ۱۸۹ ج۵) میں اور بوصیری نے (زوائد ابن ماجہ ص۷۳۸ ج۲) میں صراحت کی ہے، اور اس سند میں، تحدیث کی صراحت نہیں، الغرض یہ روایت لیث کی تدلیس وضعف کی وجہ سے ضعیف ہے۔

(۷) عن ابن عباس النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من جمع بین الصلوتین من غیر عذر فقد اتی بابا من الکبائر۔

(ترمذی ص۴۸ ج۱ مستدرک حاکم ص۲۷۵ ج۱)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے بغیر کسی عذر کے دونمازوں کو اکٹھا کرکے پڑھا وہ کبیرہ گناہوں کے دروازں میں سے ایک دروازے میں داخل ہوا۔

(حدیث اور اہل حدیث ص ۲۵۴)

الجواب اولاً: سفر عذر شرعی ہے (مفصل دیکھئے دین الحق ص۵۸۷ ج۱) لہذا مؤلف کا اس حدیث سے سفر میں جمع بین الصلاتین کا رد کرنا زیادتی اور خبط ہے، کیونکہ روایت میں بلا عذر کی بات ہے، جبکہ

ہم عذر میں قائل ہیں۔

ثانیاً: آپ ... کہ اس ... ے ترمذی سے روایت تو نقل کر دی مگر آگے امام ترمذی نے اس پر جرح بھی کی ہے
... سند میں، حنش بن قیس راوی ہے، وھو ضعیف عند اھل الحدیث ضعفه احمد وغیره،
یعنی حنش ائمہ محدثین کے نزدیک ضعیف ہے اس کی امام احمد رحمہ اللہ وغیرہ نے تضعیف کی ہے۔
(سنن ترمذی زیر رقم الحدیث ۱۸۸باب ما جاء فی الجمع بین الصلاتین)۔
امام دارقطنی اس روایت کو بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ سند میں حنش راوی متروک الحدیث ہے (سنن دارقطنی ص۳۹۵ ج۱) علامہ ذہبی نے، (تلخیص مستدرک ص۲۷۵ ج۱) میں کہا ہے کہ حنش کو محدثین ضعیف کہتے ہیں، امام بیہقی نے (سنن الکبری ص۱۰۹ ج۳) میں ابن حبان نے کتاب الضعفاء (۲۹۵ ج۱ و نصب الرایه ص۱۹۳ ج۲) میں ابن عبدالبر نے (التمہید ص۲۷ ج۵) میں اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے، ابن جوزی نے اس کو موضوعات میں شمار کیا ہے، (کتاب الموضوعات ص۱۰۱ ج۲) عقیلی نے (الضعفاء الکبیر ص۲۴۸ ج۱) میں کہا ہے کہ اس روایت کی کوئی اصل نہیں، محدثین اس بات پر متفق ہیں کہ حنش ضعیف و متروک اور منکر الحدیث ہے، کوئی ادنی کلمہ توثیق بھی راقم کو کتب رجال سے اس کے متعلق نہیں ملا (دیکھئے تہذیب ص۳۱۳ ج۱)۔
اکابر احناف نے علامہ زیلعی نے (نصب الرایه ص۱۹۳ ج۲) میں مولانا رشید احمد گنگوہی نے (الکوکب الدری ص۱۰۶) میں مولانا محمد یوسف بنوری نے (معارف السنن ص۱۶۶ ج۲) میں اور مولانا عثمانی نے (درس ترمذی ص۴۴۳ ج۱) میں اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔

(۸) قال محمد بلغنا عن عمر بن الخطاب انه کتب فی الافاق ینھا ھم ان یجمعوا بین الصلوتین ویخبرھم ان الجمع بین الصلوتین فی وقت واحد کبیرة من الکبائر۔

(موطا امام محمد ص۱۲۹)

حضرت امام محمد فرماتے ہیں کہ ہمیں حضرت عمر بن خطاب کے متعلق یہ روایت پہنچی ہے کہ انہوں نے تمام اطراف میں یہ لکھ بھیجا تھا کہ لوگ دو نمازیں اکٹھی کر کے نہ پڑھیں اور انہیں اطلاع دی تھی کہ ایک وقت میں اکٹھی دو نمازیں پڑھنا گناہ کبیرہ ہے، (حدیث اور اہل حدیث ص۲۵۵)

الجواب اولاً: امام محمد نے یہ قول بلا سند نقل کیا ہے، اس کی صحیح سند ثابت کی جائے، ورنہ اس کی حثیت دمڑی کی بھی نہیں، امام عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں۔

الاسناد من الدین ولو لا الاسناد لقال من شاء ما شاء،

یعنی سند دین میں سے ہے اگر سند نہ ہوتی تو جو کوئی چاہتا کہہ دیتا۔

(مقدمه صحیح مسلم باب بیان ان الاسناد من الدین، رقم ۳۲)

الغرض دین میں بلا سند بات حجت نہیں ہوتی، اور خاص کر اہل کوفہ کی وہ روایات جن کی کوئی اصل حجاز میں نہ ہو وہ تو خاص کر نا قابل قبول ہے (مفصل دیکھئے تحفہ حنفیہ ص۸۰ ج۱) علاوہ ازیں امام محمد کی ثقات بھی مختلف فیہ ہے، تفصیل کے لیے (تحفہ حنفیہ ص۴۴۵ ج۱) کی مراجعت کریں، الغرض یہ روایت مخالف پر حجت قائم کرنے سے پہلے اس کی صحیح سند درج کریں۔

ثانیاً: اگر بالفرض اس کی صحیح سند ثابت بھی کر دی جائے تو تب بھی اس سے حنفیہ کا مؤقف ثابت نہیں ہوتا کیونکہ عرفات و مزدلفہ میں تو یہ خود نمازوں کو جمع کر کے ادا کرتے ہیں۔

(۹) عن ابی موسیٰ انه قال الجمع بین الصلاتین من غیر عذر من الکبائر، (مصنف ابن ابی شیبہ ص۴۵۹ ج۲)

حضرت ابوموسیٰؓ (اشعری) فرماتے ہیں کہ بغیر عذر کے دو نمازوں کو اکٹھے پڑھنا کبیرہ گناہوں میں سے ہے، (حدیث اور اهل حدیث ص۲۵۵)

الجواب اولاً: سفر عذر شرعی ہے، فریق ثانی پر لازم ہے کہ وہ یہ ثابت کرے کہ سفر عذر نہیں ہے

ثانیاً: اس کی سند میں، حنظلہ سدوسی راوی ہے، جو مختلط ہے، امام ابن حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کی اختلاط سے پہلے اور بعد کی روایات مل جل گئی ہیں، امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں ضعیف اور منکر الحدیث ہے سیدنا انس سے مناکیر روایت کرتا ہے، ابن معین نسائی نے ضعیف اور ابو حاتم نے لیس بقوی کہا ہے (تہذیب ص۶۲ ج۳ و میزان ص۶۲۱ ج۱)

(۱۰) عن ابی قتادة العدوی ان عمر کتب الی عامل له ثلث من الکبائر الجمیع بین الصلواتین الا من عذر والفرار من الزحف والنهبی۔

(بیهقی ص۱۶۹ ج۳ و مستدرك حاکم ج ص)

حضرت ابوقتادہ عدوی سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ نے اپنے ایک عامل کو لکھا تین چیزیں گناہوں میں سے ہیں، بغیر عذر کے دو نمازوں کو اکٹھا پڑھنا، لڑائی سے بھاگنا اور لوٹنا۔

(حدیث اور اهل حدیث ص۲۵۵)

الجواب اولاً: اس اثر میں بغیر عذر کے جمع کے متعلق فتویٰ ہے اور سفر عذر شرعی ہے کہ اس میں احکام شرعی بدل جاتے ہیں، نماز روزہ میں تخفیف ہے جمعہ کی فرضیت ساقط ہے، موزوں پر مسح ایک دن کی بجائے تین دن کی رخصت ہے، چار رکعت کی بجائے دو رکعت نماز فرض ہے، یہ تمام احکام سفر کی وجہ سے ہیں، کیونکہ یہ عذر شرعی ہے ایسا ہی نمازوں کو جمع کرنے کی رخصت ہے۔

ثانیاً: اگر اس سے مطلق جمع کی نفی ہوتی ہے تو عرفات و مزدلفہ میں نمازوں کو جمع کرنا بھی کبیرہ گناہوں میں کیوں شمار نہیں کیا جاتا؟

ثالثاً: امام بیہقی نے اس اثر کو روایت کرنے کے بعد لکھا ہے کہ ابو قتادہ عدوی نے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا زمانہ کو پایا ہے، اگر وہ مکتوب لکھتے وقت موجود تھے تو تب یہ روایت موصول ہے، (بیہقی ص۱۶۹ ج۳) اس قول کا واضح مفادیہ ہے کہ موجودگی ثابت نہ ہو تو تب منقطع ہے، لہذا فریق ثانی پر لازم ہے کہ وہ موجودگی ثابت کرے،

(۱۱) عن قتادة عن ابی العالیة ان عمر کتب الیٰ ابی موسیٰ، واعلم ان جمعا بین الصلواتین من الکبائر الامن عذر۔

(مصنف عبدالرزاق ص۵۵۲ ج۲)

حضرت ابو العالیہ الریاحی سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری کو لکھا کہ جان لیجئے کہ بغیر عذر کے دو نمازوں کو اکٹھا پڑھنا کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔

(حدیث اور اهل حدیث ص۲۵۶)

الجواب اولاً: یہ اثر اور مذکورہ اثر، اس بات کی دلیل ہے کہ عذر کی وجہ سے نمازیں جمع کرنی جائز ہیں۔ امام بیہقی نے اس اثر کو روایت کرنے کے بعد امام شافعی سے نقل کیا ہے کہ بارش اور سفر عذر ہیں۔ اور یہ اثر سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے ثابت نہیں اور اس کی سند مرسل ہے۔

(السنن الکبریٰ ص۱۶۹ ج۳)

ثانیاً: اس کی سند میں امام قتادہ ہیں۔ جو مدلس ہیں (طبقات المدلسین ص۴۳) ان کی تدلیس کی وضاحت پہلے بھی کسی جگہ پر گزر چکی ہے اور آگے مسئلہ فاتحہ خلف الامام میں مفصل آ رہی ہے اور زیر بحث سند میں تحدیث کی صراحت نہیں اور مدلس راوی جب عن کر کے روایت کرے تو اس کی روایت بالاتفاق ضعیف ہوتی ہے۔

ثالثاً: قتادہ امام ابو العالیہ سے نقل کر رہے ہیں اور امام شعبی فرماتے ہیں کہ قتادہ نے صرف تین روایات ابو العالیہ سے سنی ہیں باقی نہیں، (۱) القضاء ثلاثۃ (۲) حدیث یونس بن متی، (۳) لا صلاۃ بعد العصر۔ (تهذیب ص۳۵٤ ج۸)

جس روایت میں تدلیس و انقطاع اور ارسال ہو اس کے ضعیف ہونے میں کیا کلام ہوسکتا ہے مولانا ظفر احمد تھانوی نے ان دونوں آثار کو دلیل بناتے ہوئے کہا ہے کہ اگر کہا جائے کہ عذر کی وجہ سے جائز ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ مفہوم ہے جو آپ کے نزدیک حجت نہیں علاوہ ازیں ہمارے (احناف) کے نزدیک جمع تاخیر جائز ہے مگر سفر عذر نہیں ہے (اعلاء السنن ص۹۸ ج۲) کاش مولانا حوالہ بھی دیتے کہ کہاں لکھا ہے کہ مفہوم حجت نہیں، پھر قرآن وسنت سے سفر کے عذر نہ ہونے کی دلیل بھی عنایت کرتے، ان بڑے لوگوں کے دماغ میں یہ چھوٹی سی بات کون ڈالے کہ اگر سفر عذر نہیں تو روزہ

میں رخصت نماز میں تخفیف کیوں ہے؟ اور فرضیت جمعہ ساقط کس لیے ہے؟ حضرت نے فقہ حنفی سے ہی سفر کی تعریف پڑھی ہوتی تو اتنا فضول دعویٰ نہ کرتے، فقہاء احناف کی عبارات کے لیے (دین الحق ص۵۸۷ ج۱) کی مراجعت کریں۔

الغرض ان آثار سے یہ مسئلہ ثابت ہے کہ عذر کی وجہ سے نمازیں جمع کرنی جائز ہیں، خواہ نمازوں میں جمع تاخیر ہو، بہرحال ان آثار کا یہی معنی ومفہوم اور مطلب ہے، مگر افسوس کہ مولانا صاحب ان آثار سے مطلق جمع کی ممانعت ثابت کرتے ہیں، اس ہٹ دھرمی اور ضد کو بنیاد بنا کر مولانا امرتسری کے دو فتاوٰی کا ذکر کرتے ہوئے ان پر تبصرہ کرتے ہیں کہ قارئین کرام فیصلہ فرمائیے۔ص ۲۵۹)۔

محترم اگر آپ ان آثار کو قبول کرتے ہیں اور ان پر ایمان رکھتے ہیں تو حضرت امرتسری کے دونوں فتاوٰی آپ کے موافق ہیں اگر ایمان نہیں رکھتے تو یہ الگ بات ہے مگر ہم اتنا تو ضرور کہنے کا حق رکھتے ہیں کہ جس بات کو آپ فریق ثانی پر حجت کے لیے نقل کرتے ہیں کم از کم ان کو خود بھی قبول کریں، دل سے نہ سہی دنیا رکھنی سے ہی سہی، مگر مولانا فقط دوسروں کو وعظ نصیحت کرنے کے عادی معلوم ہوتے ہیں۔ اپنے نفس امارہ کی اصلاح کی وہ ضرورت نہیں سمجھتے۔ ان حالات کا ہی اثر ہے کہ وہ دھڑا دھڑ احادیث و آثار کو نقل تو کرتے ہیں مگر خود ان پر عمل نہیں کرتے، دوسروں کو تو ان پر عمل کی دعوت دیتے ہیں لیکن خود نہیں کرتے، گزارشات کا مقصد یہ ہے کہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے آثار کی صحت کو اگر تسلیم بھی کر لیا جائے تو تب بھی یہ ہمارے مخالف نہیں اور آپ کے موافق نہیں، آپ کے موافق تب تھے جب ان میں عرفات و مزدلفہ کے علاوہ کسی بھی ضرورت کے تحت نمازوں کو جمع کرنا، کبیرہ گناہوں میں سے کہا گیا ہوتا۔

(۱۲) عن ابی بن عبداللہ قال جاء نا کتاب عمر بن عبدالعزیز لا یجمعوا بین الصلوتین الا من عذر۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص۴۵۸ ج۲)

حضرت ابی بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ ہمیں حضرت عمر بن عبدالعزیز کا خط پہنچا (جس میں یہ تھا کہ دو نمازوں کو بغیر عذر کے اکٹھے نہ پڑھو، (حدیث اور اہل حدیث ص۲۰۶)

<u>الجواب</u> اولاً: ابی بن عبداللہ مجہول الحال ہے، امام بخاری رحمہ اللہ نے، (تاریخ کبیر ص۴۱ ج۱ ق۲) میں اسے ذکر کیا ہے مگر کوئی جرح یا تعدیل بیان نہیں کی، باقی کتب رجال اس کے ترجمہ سے خالی ہیں جس سے یہ حقیقت کھل جاتی ہے کہ ابی بن عبداللہ راوی مجہول ہے۔

اس سے نیچے کا راوی حفص بن غیاث ہے، جو مدلس ہیں، (طبقات المدلسین ص۲۲) اور روایت بھی تحدیث کے بغیر ہے، الغرض یہ روایت راوی کی جہالت و تدلیس کی وجہ سے ضعیف ہے۔

ثانیاً: اس روایت میں بغیر عذر نمازیں جمع کرنے کی ممانعت ہے، جس سے ثابت ہوا کہ یہ ہماری دلیل ہے تفصیل گزر چکی ہے۔

خلاصہ کلام مولانا انوار صاحب نے کل ۱۲ دلائل نقل کیے ہیں، جن میں سے پانچ مرفوع احادیث ہیں، چھ آثار صحابہ کرام اور ایک قول تابعی ہے، مرفوع احادیث میں سے ایک سخت ضعیف ہے، باقی چار سے مولانا صاحب کا مسلک ثابت نہیں ہوتا، آثار میں سے بعض صحیح اور بعض ضعیف ہیں، اس کے باوجود ان سے حنفیہ کا مسلک ثابت نہیں ہوتا ہاں دلیل نمبر ۸ سے حنفیہ کا نظریہ ضرور ثابت ہوتا ہے، مگر یہ بلا سند ہے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ امام محمد کوفی کی وضع کردہ ہو کیونکہ موصوف کو امام یحییٰ بن معین اور ابن حبان نے کذاب قرار دیا ہے،

(ابن عدی ص۲۱۸۳ ج۵ ولسان المیزان ص۱۲۲ ج۵ و کتاب المجروحین ص۲۷۶ ج۲)

باقی قرآن کریم کی آیات میں لغوی تحریف ہے، کسی ایک آیت کا بھی یہ معنی نہیں کہ عذر شرعی کی وجہ سے دو نمازوں کو جمع کرنا گناہ ہے۔

(۲۶) باب اکہری اقامت

فصل اول

(۱) **عن انس قال فامر بلال ان یشفع الا ذان وان یوتر الاقامة، الحدیث،**

سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے) سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کوحکم دیا گیا، اذان کے کلمات کو دو دو دفعہ اور اقامت کے کلمات کو ایک ایک دفعہ کہنے کا۔

(بخاری کتاب الاذان باب بدء الاذان، الحدیث ۶۰۳) و مسلم کتاب الصلاة باب الامر بشفع الاذان و ایتار الاقامة الاکلمة الاقامة فانها مثناة، الحدیث ۸۳۸)

(۲) **عن انس قال امر بلال ان یشفع الاذان وان یوتر الاقامة الا الاقامة۔**

سیدنا انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ (نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے) سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کوحکم دیا گیا اذان کے کلمات دو دو دفعہ اور اقامت کے کلمات سوائے، قد قامت الصلاة، کے ایک ایک بار کہنے کا۔

(بخاری کتاب الاذان باب الاذان مثنیٰ مثنیٰ، الحدیث ۶۰۵)

(۳) **عن انس قال ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امر بلال ان یشفع الاذان وان یوتر الاقامة۔**

سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کوحکم دیا اذان کے کلمات دو دو دفعہ اور اقامت کو ایک ایک بار کہنے کا،

(نسائی کتاب الاذان باب تثنیة الاذان، الحدیث ۶۲۸، و مستدرک حاکم ص۱۹۸ ج۱ و دارقطنی ص۲۴۰ ج۱و بیهقی ص۴۱۳ ج۱)

(۴) **عن عبداللہ بن زید قال لما امر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالناقوس یعمل لیضرب به للناس لجمع الصلاة، طاف بی، وانا نائم، رجل یعمل ناقوسا فی یده، فقلت: یا عبداللہ! أتبیع الناقوس؟ قال وما تصنع به؟ فقلت تدعوبه الی الصلاة، قال، افلا ادلك علی هو خیر من ذلك؟ فقلت له، بلی، قال فقال، تقول، اللہ اکبر اللہ اکبر، اللہ اکبر اللہ اکبر، اشهد ان لا اله الا اللہ، اشهد ان لا اله الا اللہ، اشهد ان محمدا رسول اللہ، اشهد ان محمدا رسول اللہ، حی علی الصلاة، حی علی الصلاة، حی علی الفلاح، حی علی الفلاح، اللہ اکبر اللہ اکبر، لا اله الا اللہ، قال ثم استاخر عنی غیر بعید، ثم قال ثم تقول اذا اقمت الصلاة، اللہ اکبر اللہ اکبر، اشهد ان لا اله الا اللہ، اشهد ان محمدا رسول اللہ، حی علی الصلاة، حی علی الفلاح، قد قامت الصلاة، قد قامت، اللہ اکبر، اللہ اکبر، لا اله الا اللہ، فلما اصبحت اتیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، فاخبرته بما رایت، فقال، انها لرویاحق ان شاء اللہ، فقم مع بلال فالق علیه**

ما رایت فلیؤذن به فانه اندی صوتا منك، فقمت مع بلال فجعلت القیه علیه و یؤذن به، قال فسمع ذلك عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ وھو فی بیته فخرج یجرر رداء ہ یقول، والذی بعثك بالحق، یا رسول الله !لقد رایت مثل ما اری، فقال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم فلله الحمد۔

سیدنا عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کی خبر کرنے کے لیے ناقوس بنانے کا حکم دیا تو میں (رات کو) سویا ہوا تھا، کہ (خواب دیکھا) ایک شخص اپنے ہاتھ میں ناقوس لیے ہوئے ہے، میں نے اس سے کہا کہ کیا ان کو فروخت کرنا ہے؟ تو اس نے کہا تو نے کیا کرنا ہے؟ میں نے کہا کہ اس سے لوگوں کو نماز کے لیے بلایا کریں گے، وہ بولا کہ کیا میں تجھے اس سے اچھی چیز نہ بتاؤں، میرے کہنے پر اس نے بتایا کہ (نماز کے لیے لوگوں کو بلانے کے لیے یہ کہا کرو)۔

الله اکبر الله اکبر، الله اکبر الله اکبر، اشهد ان لا اله الا الله،اشهد ان لا اله الا الله، اشهد ان محمدا رسول الله، اشهد ان محمدا رسول الله، حی علی الصلاة، حی علی الصلاة، حی علی الفلاح، حی علی الفلاح، الله اکبر الله اکبر، لا اله الا الله۔

سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ (خواب میں ہی) پھر وہ شخص پیچھے ہٹ گیا مگر دور نہ گیا تھا تو کہنے لگا، جب نماز کے لیے اقامت کہو تو یہ کلمات کہا کرو۔

الله اکبر الله اکبر، اشهد ان لا اله الا الله، اشهد ان محمدا رسول الله، حی علی الصلاة، حی علی الفلاح، قد قامت الصلاة، قد قامت الصلاة، الله اکبر الله اکبر، لا اله الا الله۔

سیدنا عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب صبح ہوئی تو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور جو رات کو میں نے خواب دیکھی تھی وہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا دی، تو آپ علیہ التحیۃ والسلام نے فرمایا، ان شاءاللہ یہ خواب سچا ہے تو بلال رضی اللہ عنہ کے ساتھ اٹھ اور جو تو نے دیکھا ہے اس کو سکھا دے کیونکہ بلال کی آواز تجھ سے بلند ہے، تب میں بلال رضی اللہ عنہ کے ساتھ کھڑا ہو گیا، میں ان کو بتاتا جاتا تھا اور وہ پکارتے جاتے تھے، جب سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے یہ اذان سنی اور وہ اپنے گھر میں تھے، جلدی جلدی اپنی چادر کھینچتے ہوئے نکل آئے اور کہنے لگے، قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے، میں نے خواب میں اسی طرح دیکھا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سن کر فرمایا، الحمدللہ۔

(سنن ابی داؤد کتاب الصلاة باب کیف الاذان، الحدیث ص۴۹۹، واللفظ له، و ابن حبان رقم الحدیث ۱۶۷۷) و بیهقی ص۳۹۰ ج۱ و مسند احمد ص۴۳ ج۴)

(۵) عن انس قال، کان بلال یثنی الاذان ویوتر الاقامة الاقوله قد قامت الصلاة۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ اذان کے کلمات دو دو دفعہ اور اقامت کے کلمات ایک ایک بار کہتے تھے، سوائے قد قامت الصلاة، کے (یعنی انہیں دو بار کہتے تھے)۔

(مصنف عبدالرزاق ص٤٦٤ رقم الحدیث ۱۷۹٤) سنن دارقطنی ص۲۳۹ ج۱ و ابو عوانه ص۳۲۸ ج۱ و صحیح ابن خذیمة ص١٩٤ رقم الحدیث۳۷٥ و مسند السراج ص٤٦ رقم الحدیث ٤١)

(٦) عن سعد (بن عائذ) مؤذن رسول الله ﷺ ان اذان بلال کان مثنیٰ مثنیٰ و اقامته مفردة۔

رسول اللہ ﷺ کے مؤذن سیدنا سعد بن عائذ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کی اذان کے کلمات دو دو دفعہ اور اقامت کے ایک ایک دفعہ ہوتے تھے۔

(ابن ماجه کتاب الاذان باب افراد الاقامة، الحدیث ۷۳۱)

(۷) عن ابی رافع قال رایت بلالاً یؤذن بین یدی رسول الله ﷺ مثنیٰ مثنیٰ و یقیم واحدة۔

سیدنا ابو رافع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے اذان کے کلمات دو دو دفعہ کہتے تھے اور اقامت کے ایک ایک بار کہتے تھے۔

(ابن ماجه کتاب الاذان باب افراد الاقامة، الحدیث ۷۳۲) و دارقطنی ص٢٤١ ج١)

(۸) عن ابن عمر انه قال کان الاذان علی عهد رسول الله ﷺ مثنیٰ مثنیٰ والا قامة مرة مرة غیر انه کان اذا قال، قدقامت الصلاة، قالها مرتین، الحدیث

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں اذان کے کلمات دو دو بار اور اقامت کے کلمات ایک ایک بار کہے جاتے تھے، ہاں مؤذن قد قامت الصلاۃ کے الفاظ کو دو بار کہتا تھا۔

(سنن دارمی کتاب الصلاة باب الاذان مثنیٰ مثنیٰ والاقامة مرة، الحدیث ۱۱۹۳) و ابو داؤد کتاب الصلاة باب فی الاقامة، الحدیث ٥١٠) و نسائی کتاب الاذان باب تثنیة الاذان الحدیث ٦٢٩) و ابن خزیمة ۱۹۳ ج۱ رقم الحدیث ۳۷٤) و ابن حبان رقم الحدیث ١٦٧٥ و مسند طیالسی ص٢٦٠ و طحاوی ص۹۳ ج۱ و مسند احمد ص۸۷ ج۲ و مستدرك حاکم ص۱۹۷ ج۱ و بیهقی ص٤٣١ ج۱)

(۹) عن نافع عن ابن عمر قال کان الاذان علی عهد رسول الله ﷺ مثنیٰ مثنیٰ والا قامة فرادی۔

امام نافع سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں اذان کے کلمات دو دو دفعہ اور اقامت کے ایک ایک بار کہے جاتے تھے۔

(ابو عوانه ص۳۲۹ ج۱ و سنن دارقطنی ص۲۳۹ ج۱)

(۱۰) عن ابن عمر قال کان بلال یشفع الا ذان و یوتر الاقامة۔

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ اذان کے کلمات دو دو دفعہ اور اقامت کے کلمات ایک ایک دفعہ کہتے تھے، (مصنف ابن ابی شیبہ ص۲۰۵ ج۱)

(۱۱) عن قتادة ان انس بن مالك کان اذا انه مثنیٰ مثنیٰ و اقامته مرة مرة۔

امام قتادہ فرماتے ہیں کہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ کی اذان کے کلمات دو دو اور اقامت کے ایک ایک ہوتے

تھے، (بیہقی ص ۴۱۳ ج ۱ و مصنف ابن ابی شیبہ ص ۲۰۵ ج ۱)۔

(۱۲) عن ابن عمر قال الاذان مثنیٰ والاقامة واحدة۔

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اذان کے کلمات دو دو دفعہ اور اقامت کے ایک ایک بار ہیں۔

(مصنف ابن ابی شیبه ص۲۰۵ ج)

(۱۳) عن سلمة بن الاكوع قال كان الاذان على عهد رسول الله ﷺ مثنیٰ مثنیٰ والاقامة فرداً۔

سیدنا سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں اذان کے کلمات دو دو دفعہ کہے جاتے اور اقامت کے ایک ایک بار کہے جاتے تھے،

(سنن دارقطنی ص ۲٤١ ج ۱ و طبرانی کبیر بحواله مجمع الزوائد ص۳۳۲ ج ۱)۔

ہیثمی فرماتے ہیں سند حسن ہے۔

(۱۴) عن عون بن ابی جحيفة عن ابيه قال كان الاذان على عهد رسول الله ﷺ مثنیٰ مثنیٰ والاقامة مرة واحدة۔

عون بن ابی جحیفۃ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ سیدنا ابی جحیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ مبارک میں اذان کے کلمات دو دو بار اور اقامت کے ایک ایک بار کہے جاتے تھے،(بیہقی بحوالہ نصب الرایہ ص ۲۷۲ ج ۱)۔

(۱۵) عن ابن هريرة رضی اللہ عنہ قال امر ابو محذورة ان يشفع الاذان ويوتر الاقامة۔ الحديث۔

سیدنا ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ (رسول اللہ ﷺ کی طرف سے) ابومحذورہ کو حکم دیا گیا کہ اذان کے کلمات کو دو دو بار اور اقامت کے ایک ایک بار کہے۔

(سنن دارقطنی ص۲۳۹ ج ۱)

(۱۶) عن عبدالمالك بن ابی محذورة انه سمع ابا محذورة يقول ان النبی ﷺ امره ان يشفع الاذان و يوتر الاقامة۔

امام عبدالمالک اپنے والد، سیدنا ابومحذورہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے ان سے سنا کہ فرماتے تھے کہ نبی مکرم ﷺ نے انہیں، اذان کے کلمات دو دو بار اور اقامت کے ایک ایک بار کہنے کا حکم دیا۔

(تاريخ كبير للبخاری بحواله نصب الرايه ص۲۷۳ ج ۱ وابن خزيمه بحواله التلخيص الجبير ص۱۹۸ ج ۱)

(۱۷) عن بلال انه كان يقيم للنبی ﷺ فيفرد الاقامة فيقول، الله اكبر، الله اكبر، اشهدان لا اله الا الله، اشهدان محمدا رسول، حی علی الصلاة، حی علی الفلاح، قد

قامت الصلاۃ، مرتین، اللہ اکبر اللہ اکبر، لا الہ الا اللہ، الحدیث۔

سیدنا بلال رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اقامت کہتا، اور اقامت کے کلمات کو ایک ایک بار ہی کہتا تھا، (جن کی تفصیل یہ ہے کہ)

اللہ اکبر اللہ اکبر، اشھدان لا الہ الا اللہ، اشھدان محمد رسول اللہ، حی علی الصلاۃ، حی علی الفلاح، قدقامت الصلاۃ کو دومرتبہ، اللہ اکبر اللہ اکبر، لا الہ الا اللہ، الحدیث۔

(طبرانی کبیر ص۳۵۳ ج۱ رقم الحدیث ۱۰۷۳) و مجمع الزوائد ص۳۳۵ ج۱ و اللفظ له)

(۱۸) عن ابی المثنیٰ ان ابن عمر کان یامر المؤذن ان یشفع الاذان و یوتر الاقامۃ، الحدیث

ابی مثنیٰ فرماتے ہیں کہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ مؤذن کو اذان کے کلمات دو دو دفعہ اور اقامت کے کلمات کو ایک ایک بار کہنے کا حکم دیا کرتے تھے، (مصنف ابن ابی شیبہ ص۲۰۵ ج۱)

(۱۹) عن ھشام بن عروۃ ان اباہ کان یشفع الاذان و یوتر الاقامۃ۔

امام ہشام فرماتے ہیں کہ میرے والد عروۃ بن زبیر اذان کے کلمات دو دو بار اور اقامت کے ایک ایک بار کہتے تھے، (مصنف ابن ابی شیبہ ص۲۰۵ ج۱)

(۲۰) عن یونس عن الحسن قال کان یقول الاقامۃ مرۃ مرۃ فاذا قال قدقامت الصلاۃ قال مرتین۔

امام حسن بصری سے روایت ہے کہ وہ اقامت کے کلمات ایک ایک بار اور، قدقامت الصلاۃ، کے الفاظ کو دومرتبہ کہتے تھے، (مصنف ابن ابی شیبہ ص۲۰۵ ج۱)

دعوت فکر:

قارئین کرام اس سلسلہ میں مزید مرفوع احادیث اور آثار صحابہ کرام اور اقوال تابعین عظام بھی پیش کیئے جا سکتے ہیں، مگر ہم انہیں پر اکتفا کرتے ہیں، ان احادیث سے ثابت ہو رہا ہے کہ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کو دربار نبوی سے اکہری اقامت کہنے کا حکم ملا تھا، جیسا کہ پہلی تین احادیث کا مفاد ہے، اور سیدنا بلال رضی اللہ عنہ اقامت کہتے بھی اکہری تھے جیسا کہ روایت نمبر۵، ۶، ۷، ۱۰، ۱۷) سے ثابت ہے، اصل اقامت بھی یہی ہے جیسا کہ حدیث نمبر۴ سے ثابت ہو رہا ہے کیونکہ صحابی کو اکہری اقامت کی ہی خواب آئی تھی اور اسی اقامت کی ہی انہوں نے سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کو تلقین کی تھی، پورے عہد نبوی علیہ التحیۃ والسلام میں اسی پر ہی عمل تھا جیسا کہ روایت نمبر۸' ۹' ۱۳' ۱۴ سے ثابت ہو رہا ہے، یہی اقامت نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا ابو محذورہ رضی اللہ عنہ کو سکھائی تھی، جیسا کہ روایت ۱۵'۱۶ کا مفاد ہے، اسی پر صحابہ

کرام رضی اللہ عنہ کا عمل تھا اور اسی چیز کا صحابہ کرام حکم دیا کرتے تھے جیسا کہ روایت نمبر ۱۱، ۱۲، ۱۸ سے ثابت ہوتا ہے، تابعین کرام بھی اس پر عمل پیرا تھے جیسا کہ روایت ۱۹، ۲۰'' اس پر دلالت کرتی ہیں۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ یہ فقط اہل حدیث ہی کا مؤقف و مذہب نہیں بلکہ احادیث صحیحہ سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے اور عہد رسالت سے امت مرحومہ کا اسی پر عمل ہے ہم یہاں ایک بات کی وضاحت بھی کر دینا چاہتے ہیں کہ بعض صحیح احادیث سے یہ بات ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا ابومحذورہ رضی اللہ عنہ کو دوہری اقامت سکھائی تھی، اس حدیث اور ہماری نقل کردہ روایات میں قطعاً تعارض نہیں، کیوں، اس لیے کہ اسی حدیث میں اذان جو سکھائی گئی ہے وہ ترجیع کے ساتھ ہے، اور بلا شبہ اذان ترجیع کے ساتھ ہو تو اقامت بھی دوہری کہنا سنت ہے، اسی پر بفضلہٖ تعالیٰ جماعت اہل حدیث کا عمل ہے، ہم پوری ذمہ داری سے یہ بات عرض کرنا چاہتے ہیں کہ بغیر ترجیع کے اذان ہو تو تب دوہری اقامت کسی صحیح مرفوع حدیث سے تو کجا کسی صحابی سے بھی ثابت نہیں ہے، پوری حنفیت (خواہ اس کا تعلق دیوبندی مکتب فکر سے ہو یا بریلوی مسلک کا حامل ہو) اس کو ثابت نہیں کر سکتی ہے، اس سے ثابت ہوا کہ سیدنا ابومحذورہ رضی اللہ عنہ سے جو اکہری اقامت کی روایات مروی ہیں وہ ترجیع کے بغیر اذان پر محمول ہیں۔

فصل دوم

(۱) عن عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ قال حدثنا اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان عبداللہ بن زید الانصاری جاء الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رأیت فی المنام کان رجلا قام و علیہ بردان، اخضر ان علی جذمۃ حائط فاذن مثنیٰ و اقام مثنیٰ و قعد قعدۃ قال فسمع ذالک بلال فقام فاذن مثنیٰ و اقام مثنیٰ و قعد قعدۃ۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص۲۰۳ ج۱)

حضرت عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ فرماتے ہیں کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے بیان کیا کہ عبداللہ بن زید انصاری رضی اللہ عنہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس آئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے خواب میں دیکھا کہ گویا ایک شخص دو سبز چادریں اوڑھے ہوئے ایک دیوار کے ٹکڑے پر کھڑا ہوا اور اس نے اذان و اقامت دو دو بار کہے اور تھوڑی دیر بیٹھا، راوی کہتے ہیں کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے یہ سنا تو آپ بھی کھڑے ہوئے اور آپ نے بھی اسی طرح اذان و اقامت کہی کہ دونوں میں (شروع کی ۴ تکبیرات کے علاوہ باقی کلمات کو) دو دو دفعہ کہا اور تھوڑی دیر بیٹھے۔

(۲) عن عبدالرحمن بن ابی لیلی قال حدثنی اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان عبداللہ بن زید

الانصاری رأی فی المنام الاذان، فاتی النبی ﷺ فاخبرہ فقال علمه بلالا فاذن مثنیٰ مثنیٰ و اقام مثنیٰ مثنیٰ و قعد قعدة ۔(طحاوی ص۹۳ ج۱)

حضرت عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ فرماتے ہیں کہ مجھے اصحاب محمد ﷺ نے بیان کیا کہ عبداللہ بن زید انصاری رضی اللہ عنہ نے خواب میں اذان دیکھی تو نبی علیہ السلام کے پاس آ کر آپ کو خبر دی آپ نے فرمایا بلال کو سکھا دو چنانچہ آپ نے اذان دی تو (شروع کی ۴ تکبیرات کے باقی کلمات کو) دو دو دفعہ کہا اور اقامت کہی تو بھی ان کلمات کو دو دو دفعہ ہی کہا اور تھوڑی دیر بیٹھے۔

(حدیث اور اہل حدیث ص۲۵۹ تا ۲۶۰)

الجواب اولاً: معلوم نہیں کہ مؤلف نے اس روایت کو دوبار نقل کیوں کیا ہے، جبکہ اس کی سند ایک ہی ہے، اگر مولانا صاحب کہہ دیں کہ ان کا متن مختلف ہے، تو راقم کہتا ہے کہ یہی بات اس کے ضعیف ہونے کی دلیل ہے، کیوں؟ اس لیے کہ متن میں اضطراب ہے، دوسری روایت میں سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کو اذان سکھانے کا حکم نبوی ہے جبکہ پہلی روایت اس سے ساکت ہے، علاوہ ازیں، متن کی طرح اس کی سند میں بھی اضطراب ہے، جیسا کہ امام بیہقی نے صراحت کی ہے۔

اس اضطراب کی تفصیل یہ ہے کہ، ابن ابی لیلیٰ کبھی تو کسی سے روایت کرتا ہے اور کبھی کسی سے روایت کرتا ہے، تفصیل حسب ذیل ہے۔

(۱) عن اصحاب محمد ﷺ یا عن اصحاب النبی ﷺ۔

(طحاوی ص۹۳ ج۱ و مصنف ابن ابی شیبہ ص۲۰۳ ج۱)

(۲) عن عبدالرحمن بن زید رضی اللہ عنہ۔

(طحاوی ص۹۳ ج۱ و دار قطنی ص۲٤۱ ج۱ و بیهقی ص٤۲۱ ج۱ و ترمذی مع تحفه ص۱۷۳ ج۱ باب ما جاء فی الاقامة مثنیٰ مثنیٰ، الحدیث ۱۹٤)

(۳) عن معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ، (بیهقی ص۴۲۰ ج۱ و دارقطنی ص۲۴۲ ج۱)

ثانیاً: مؤلف کا حق تھا کہ وہ اس اضطراب کو دلائل سے دور کرتا، مگر انہوں نے علل الحدیث کی طرف مطلق توجہ نہیں دی، اور پہلے طریق کو دو بار نقل کر کے اندھیرے میں تیر چلایا ہے، واضح رہے کہ آخری دونوں طریق ضعیف و مرسل ہیں جیسا کہ امام دارقطنی اور ترمذی نے صراحت کی ہے اور پہلا طریق جو مولانا انوار خورشید صاحب نے درج کیا ہے وہ بوجہ ضعیف ہے، سند میں، الاعمش، راوی ہے جو مدلس ہے، حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ **کان یدلس و صفه الکرابیسی و النسائی والدارقطنی**، یعنی اعمش راوی مدلس ہے جیسا کہ امام کرابیسی، دارقطنی اور نسائی نے صراحت کی ہے، (طبقات المدلسین ص۳۳)

علامہ ذہبی فرماتے ہیں کہ اعمش مدلس ہے اور کبھی ضعیف راویوں سے بھی تدلیس کرتا ہے، (میزان ص۲۲٤ ج۲) اور زیر بحث روایت تحدیث کی صراحت کے بغیر ہے، الغرض یہ روایت اضطراب و تدلیس کی وجہ سے ضعیف ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ یہ روایت متصل سند کے ساتھ ثابت نہیں، ہاں البتہ مرسل طریق اس کا محفوظ ہے، جیسا کہ امام شعبہ نے روایت کیا ہے۔

(سنن ابو دائود کتاب الصلاۃ باب کیف الاذان، الحدیث ٥٠٦)۔

امام دارقطنی فرماتے ہیں کہ یہی درست ہے (سنن دار قطنی ص٢٤١ ج١)

اور ہم مقدمہ میں وضاحت کر آئے ہیں کہ مرسل ضعیف ہوتی ہے، الغرض یہ روایت کسی بھی لحاظ سے صحیح اور دلیل کے قابل نہیں ہے۔

(۳) عن ابی العمیس قال سمعت عبدالله بن محمد بن عبدالله بن زید الانصاری یحدث عن ابیه عن جده انه اری الاذان مثنیٰ مثنیٰ والاقامة مثنیٰ مثنیٰ قال فاتیت النبی ﷺ فاخبرته فقال علمهن بلالا قال فتقدمت فامرنی ان اقیم۔

(خلافیات بیہقی بحواله درایه ص١١٥ ج١)

حضرت ابو العمیس فرماتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن محمد بن زید انصاری سے سنا وہ بواسطہ اپنے والد کے اپنے دادا سے روایت کر رہے تھے کہ (حضرت عبداللہ بن زید انصاری نے فرمایا) میں نے ایسی اذان و اقامت دیکھی جن میں (شروع کی ۴ تکبیرات کے علاوہ باقی کلمات) دو دو دفعہ کہے گئے تھے، میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس آیا اور آپ کو خبر دی آپ نے فرمایا یہ کلمات بلال کو سکھا دو، حضرت عبداللہ بن زید فرماتے ہیں کہ پھر میں آگے بڑھا تو آپ نے مجھے اقامت کہنے کا حکم دیا (حدیث اور اہل حدیث ص٢٦١)

الجواب اولاً: ابو العمیس سے روایت کرنے والے راوی ابو اسامہ کوفی ہیں جو کہ مدلس ہیں، امام ابن سعد اور قبطی نے مدلس کہا ہے (طبقات المدلسین ص۳۰) حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ، ربما دلس، کبھی کبھار تدلیس کرتے ہیں (تقریب ۸۱)

اور زیر بحث روایت میں تحدیث کی صراحت نہیں بلکہ معنعن مروی ہے (نصب الرایه ص ٢٧٠ ج١) اور مدلس راوی کی روایت تحدیث کے بغیر نا قابل قبول ہوتی ہے۔

ثانیاً: بیہقی ص۳۹۹ ج۱، اور طحاوی ص۹۸ ج۱، میں ابو عمیس سے عبدالسلام بن حرب روایت نقل کر رہا ہے، اور اس میں دوہری تکبیر کا ذکر نہیں، اور عبدالسلام ثقہ راوی ہے، اور تدلیس بھی نہیں کرتا، اور اکابر دیوبند کا مسلک یہ ہے کہ جب دو ثقہ راویوں میں اختلاف ہو تو جس راوی میں تدلیس کا عیب نہ ہو

اس کی روایت کو ترجیح ہوتی، علامہ نیموی فرماتے ہیں کہ

عندی وجه حسن لترجیح روایة شعبة علی ماوراه الثوری وهو ان شعبة لم یکن یدلس......واما الثوری فکان ربما یدلس،

میرے نزدیک امام شعبہ کی روایت کے راجح ہونے کے ایک،صورت یہ ہے کہ امام شعبہ تدلیس نہیں کرتے جبکہ ثوری کبھی کبھار تدلیس کرتے ہیں۔ (التعلیق الحسن علی آثار السنن ص۱۲۶)

(۴) **عن الشعبی عن عبدالله بن زید الانصاری قال سمعت اذ ان رسول الله ﷺ فکان اذانه و اقامته مثنیٰ مثنیٰ۔** (صحیح ابو عوانه ص ۳۳۱ ج ۱)

امام شعبیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن زید انصاری نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی اذان سنی، آپ کی اذان و اقامت دونوں میں کلمات دودو دفعہ کہے گئے تھے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص۲۶۱)

الجواب اولاً: یہ روایت مرسل ہے، کیونکہ امام شعبیؒ کا سیدنا عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ سے سماع ثابت نہیں، جیسا کہ علامہ نیموی صاحب جیسے معتبر حنفی نے بھی اعتراف کیا ہے۔ (التعلیق الحسن ص٦٥) اور مرسل ضعیف ہوتی ہے، راجع مقدمہ

ثانیاً: اس کی سند میں مغیرہ بن مقسم راوی ہے۔

(ابو عوانه ص۳۳۱ ج۱ و الجوهر النقی ص٤٢٢ ج۱ اور مغیرہ مدلس ہے، امام ابن فضیل امام ابن حبان اور قاضی اسماعیل (تهذیب ص٢٧٠ ج١٠)

امام نسائی (طبقات المدلسین ص۴۶) نے مدلس کہا ہے، حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ **کان یدلس ولا سیما عن ابراهیم،** یعنی مغیرہ تدلیس کرتا بالخصوص ابراہیم نخعی سے (تقریب ص۳۴۵) اور زیر بحث روایت میں تحدیث کی صراحت نہیں بلکہ معنعن مروی ہے، الغرض یہ روایت بوجہ تدلیس و مرسل ہونے کے ضعیف ہے۔

(۶،۵) ان دونوں احادیث سے دوہری اذان بھی ثابت ہے مگر حنفی ترجیع والی اذان کو ناجائز کہتے ہیں۔ اس تناقض پر مٹی ڈالنے کے لیے حنفیت کے شیر بہادر اور مبتدعین دیابنہ کے محرف نے یہ چال چلی ہے کہ دوہری اذان کے الفاظ کو ہی درمیان سے کاٹ دیا، یہ کردار بالکل اس یہودی کی طرح کا ہے جس نے آگے پیچھے سے تورات تلاوت کر دی تھی مگر آیات رجم پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔ قارئین کرام آپ خود، (ابن ماجه کتاب الاذان باب الترجیع فی الاذان، رقم الحدیث ٧٠٩) ابو داود کتاب الصلاة باب کیف الاذان الحدیث ٥٠٤) دیکھ سکتے ہیں کہ اس حدیث میں دوہری اذان کا ذکر ہے، اور بلاشبہ جب دوہری اذان دی جائے تو اقامت بھی دوہری ہوتی ہے، بفضلہ تعالیٰ جماعت اہل حدیث کا اسی پر عمل ہے جو شخص ان احادیث کو اہل حدیث کے خلاف پیش کرتا ہے، وہ یا تو ناقص العقل ہے یا مغالطہ دیتا ہے۔

(۷) عن عبدالعزیز بن رفیع قال سمعت ابا محذورة یؤذن مثنیٰ مثنیٰ ویقیم مثنیٰ مثنیٰ۔
(طحاوی ص ۹۵ ج ۱)

حضرت عبدالعزیز بن رفیع فرماتے ہیں کہ میں نے ابو محذورہ رضی اللہ عنہ کو سنا وہ اذان میں (شروع کی ۴ تکبیرات کے علاوہ باقی کلمات) دو دو دفعہ کہتے تھے اور اقامت میں بھی اسی طرح دو دو کلمات کہتے تھے، (حدیث اور اہل حدیث ص ۲۶۳)

الجواب اولاً: اس کی سند میں شریک بن عبداللہ راوی ہے، اسے امام دارقطنی علامہ اشبیلی نے مدلس قرار دیا ہے، امام ابن قطعان فرماتے ہیں کہ تدلیس کرنے میں مشہور ہے، (طبقات المدلسین ص ۳۳ و تہذیب ص ۲۹۶ ج ۴) اور زیر بحث سند میں تحدیث کی صراحت نہیں بلکہ معنعن مروی ہے، اور مدلس راوی جب عن سے روایت کرے اس کی روایت بالاتفاق ضعیف ہوتی ہے۔

ثانیاً: شریک مختلط بھی ہے، آئمہ جرح و تعدیل نے صراحت کی ہے جس نے ان سے قاضی کوفہ بننے سے پہلے روایت کی ہے اس کی روایت صحیح ہے باقی کی اختلاط کے بعد کی ہیں۔ (تقریب ص ۱۴۵) لہذا فریق ثانی یہ ثابت کرے کہ شریک سے روایت کرنے والے راوی، محمد، نے شریک سے یہ روایت اختلاط سے پہلی سنئی ہے، امام ابن حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ شریک سے یزید بن ہارون اور اسحاق ارزوق نے اختلاط سے پہلے سنا ہے باقی راویوں کی روایات اختلاط کے بعد کی ہیں جن میں کثرت سے اوہام پائے جاتے ہیں (کتاب الثقات ص ۴۴۴ ج ۶)

الغرض یہ روایت شریک کی تدلیس و اختلاط کی وجہ سے ضعیف ہے

(۸) عن الاسود بن یزید ان بلال کان یثنیٰ الاذان ویثنیٰ الاقامة و کان یبدأ بالتکبیر و یختم بالتکبیر۔

(مصنف عبدالرزاق ص ٤٦٢ ج ١ و طحاوی ص ٩٤ ج ١ و دارقطنی ص ٢٤٢ ج ١)

حضرت اسود بن یزید فرماتے ہیں کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ اذان کے (شروع کی ۴ تکبیرات کے علاوہ باقی) کلمات دو دو دفعہ کہتے تھے، اور اسی طرح اقامت کے کلمات بھی دو دو دفعہ کہتے تھے، اور اذان و اقامت کی ابتداء و انتہا اللہ اکبر پر کرتے تھے (حدیث اور اہل حدیث ص ۲۶۳)

الجواب اولاً: اسود بن یزید تابعی ہیں، یعنی نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ نہیں پایا، اور سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اذان نہیں دی، امام ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں

لا یختلف فیه اثنان من اهل النقل ان بلال رضی اللہ عنہ لم یؤذن قط لا حد بعد موت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الامرة واحدة بالشام ولم یتم اذانه فیها۔

یعنی دو اہل نقل نے بھی اس میں اختلاف نہیں کیا کہ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی

وفات کے بعد کسی ایک کے لیے بھی اذان نہیں دی، مگر فقط ایک دفعہ شام میں، لیکن وہ بھی پوری نہ کر پائے تھے (المحلی بالاثار ص۱۸۸ ج۲)۔

علامہ خزرجی فرماتے ہیں کہ

لم یوذن لا حد بعدہ الامرۃ وقیل لم یتمھا من کثرۃ الضجیح۔

نبی مکرم ﷺ کے بعد سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے کسی کے لیے بھی اذان نہیں دی، مگر ایک بار اور کہا گیا ہے کہ کثرت رقیق القلبی کے باعث پوری نہ کر پائے تھے (خلاصہ ص۱۴۰ ج۱)

مزید تفصیل کے لیے، ابکار المنن ص۹۴ کی مراجعت کریں، جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ وفات النبی ﷺ کے بعد آپ نے اذان نہیں دی تو ثابت ہوا کہ اسود بن یزید نے سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کی اذان واقامت کا زمانہ نہیں پایا، جس سے لازم آیا کہ یہ روایت مرسل ہے، اور مراسیل حجت نہیں ہوا کرتیں۔

ثانیاً: اس کی سند میں ابراہیم نخعی راوی مدلس ہے، جیسا کہ امام حاکم نے صراحت کی ہے، (طبقات المدلسین ص۲۸) اور زیر بحث روایت معنعن مروی ہے۔

ثالثاً: اس کی سند میں، حماد بن ابی سلیمان راوی متکلم فیہ اور مختلط ہے اور علامہ ہیثمی نے صراحت کی ہے کہ حماد سے فقط امام سفیان ثوری امام شعبہ اور دستوائی نے حافظ بگڑنے سے پہلے سماع کیا ہے باقی کا سماع اختلاط کے بعد کا ہے۔ (مجمع الزوائد ص۱۲۴ ج۱)

جبکہ زیر بحث روایت میں حماد سے روایت نقل کرنے والے، معمر، ہیں خلاصہ کلام یہ کہ اس اثر پر تین وجہ سے کلام ہے، مرسل ہے، سند میں تدلیس کا شبہ ہے، اور حماد کا اختلاط بھی ہے، اور جس روایت کی سند میں یہ تین علتیں ہوں اس کے ضعیف ہونے میں کیا کلام ہوسکتا ہے،

(۹) عن سوید بن غفلۃ قال سمعت بلال یؤذن مثنیٰ ویقیم مثنی۔

(طحاوی ص۹٤ ج۱)

حضرت سوید بن غفلہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو سنا کہ وہ اذان واقامت کے کلمات دو دو دفعہ کہتے تھے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص۲۶۴)

الجواب اولاً: اس کی سند میں، شریک بن عبداللہ قاضی ہے، اور یہ مجروح ہے، تفصیل روایت نمبر ۷ کے جواب میں گزر چکی ہے۔

ثانیا: سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے نبی مکرم ﷺ کی وفات کے بعد اذان نہیں دی، تفصیل گزشتہ روایت کے جواب میں گزر چکی ہے۔

، جبکہ سوید بن غفلہ تابعی ہے جس روز نبی مکرم ﷺ نے وفات پائی ہے، اس دن یہ مدینہ منورہ میں آئے تھے (تقریب والتعلیق الحسن ص۶۷) الغرض یہ روایت ضعیف ہے۔

(۱۰) عن عون بن ابی جحیفة عن ابیه ان بلال یؤذن للنبیﷺ مثنیٰ مثنیٰ ویقیم مثنیٰ مثنیٰ۔ (دارقطنی ص۲۴۲ ج۱)

عون بن ابی جحیفہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے اذان واقامت کے کلمات دو دو دفعہ کہتے تھے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص۲۶۴)

الجواب اولاً: اس کی سند میں، زیادہ بن عبداللہ بکائی راوی ہے۔ (طبرانی الاوسط ص۱۰۴ ج۸ رقم الحدیث ۷۸۱۶) وطبرانی کبیر ص۱۰۰ ج۲۲ رقم الحدیث ۲۴۶، ۲۴۷) اور یہ متکلم فیہ راوی ہے

امام علی بن مدینی فرماتے ہیں کہ ضعیف ہے، ابوحاتم کہتے ہیں اس سے احتجاج نہ کیا جائے امام نسائی اور ابن سعد اس کو ضعفاء میں شمار کرتے ہیں۔ (میزان ص۹۱ ج۲ وتہذیب ص۳۷۶ ج۳) امام یحییٰ بن معین نے ضعیف کہا ہے (الضعفاء الکبیر ۸۰ ج۲) حافظ ابن حجر فرماتے ہیں ابن اسحاق کے علاوہ جس سے یہ روایت کرے اس میں، لین، ہے، تقریب، علامہ نیموی حنفی اس جرح کو قبول کرتے ہوئے فرماتے ہیں، اسنادہ لین، (آثار السنن ص۶۷)

ثانیاً: بیہقی میں ابن اسحاق کی سند سے سیدنا ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

کان الاذان علی عهد رسول اللهﷺ مثنیٰ مثنیٰ والاقامة مرة واحدة،

نبی مکرم ﷺ کے عہد میں اذان (کے کلمات) دو دو دفعہ اور اقامت کے ایک بار (کہے جاتے) تھے۔ (بحوالہ نصب الرایہ، ص۲۷۴ ج۱)

اس سے ثابت ہوا کہ سیدنا ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ کی صحیح روایت یہی ہے، کیونکہ یہ ابن اسحاق کی سند سے مروی ہے، اور پہلے عرض کر دیا گیا ہے کہ زیاد بن عبداللہ بکائی کی روایات جو ابن اسحاق سے مروی ہیں صرف وہی صحیح ہیں۔

(۱۱) عن ابراهیم قال ان بلال کان یثنیٰ الاذان والاقامة۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص۲۰۶ ج۱)

حضرت ابراہیم نخعی فرماتے ہیں کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ اذان و اقامت کے کلمات دو دو مرتبہ کہتے تھے، (حدیث اور اہل حدیث ص۲۶۴)

الجواب اولاً: یہ روایت مرسل ہے کیونکہ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ سے ابراہیم نخعی کی ملاقات ثابت نہیں، امام علی بن مدینی فرماتے ہیں۔

ابراهیم النخعی لم یلق احدا من اصحاب النبیﷺ، یعنی ابراہیم نخعی کی کسی بھی صحابی سے ملاقات نہیں ہوئی۔ (مراسیل ابن ابی حاتم ص۹) یہی بات امام ابو حاتم رحمہ اللہ فرماتے ہیں، تہذیب

ص۱۵۵ ج۱) علامہ ذہبی فرماتے ہیں:

لم یصح له سماع من صحابی، یعنی ابراہیم نخعی کا کسی صحابی سے سماع ثابت نہیں، آ گے لکھتے ہیں، **استقر الامر علی ان ابراهیم حجة وانه اذا ارسل عن ابن مسعود وغیره فلیس ذلك بحجة**' یعنی بات یہ ٹھہری کہ ابراہیم حجت ہے مگر جب ابن مسعود وغیرہ سے مرسل روایت کرے تو تب نہیں

(میزان الاعتدال ص۷۵ ج۱)

ثانیاً: اس کی سند میں، سعید بن ابی عروبہ ہیں۔ جو بلا شبہ ثقہ ثبت اور حجت ہیں مگر ان کا آخری عمر میں حافظہ خراب ہو گیا تھا، تفصیل کے لیے (تہذیب ص۵۷ ج۴) کا مطالعہ کریں، اصول حدیث کی رُو سے ان کی صرف وہی مرویات صحیح ہیں جو انہوں نے اختلاط سے پہلے بیان کی ہیں، لہذا دلائل سے ثابت کیا جائے کہ سعید سے روایت کرنے والے راوی، اسامہ، کا سماع اختلاط سے پہلے کا ہے، ورنہ مختلط کی مشکوک روایت بھی قابل قبول نہیں ہوتی۔

ثالثاً: پہلے عرض کر دیا گیا ہے کہ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اذان نہیں دی۔

(۱۲) عن سلمة بن الاکوع رضی اللہ عنہ انه کان اذا لم یدرك الصلوٰة مع القوم اذن واقام ویثنیٰ الاقامة،

(دارقطنی ص٢٤١ ج١)

حضرت سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہیں جس وقت نماز جماعت کے ساتھ نہ ملتی تو وہ خود ہی اذان واقامت کہہ لیتے اور اقامت کے کلمات دو دو دفعہ کہتے تھے۔

(حدیث اور اہل حدیث ص۲۶۴)

الجواب اولاً: ظاہر ہے کہ اذان و اقامت دوسری بار جماعت کے لیے ہی کہتے تھے، جس سے ثابت ہوا کہ سیدنا سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کے نزدیک جماعت ثانیہ جائز تھی، حالانکہ حنفیہ کے نزدیک دوسری جماعت مکروہ ہے، مبتدعین دیابنہ کے محدث شہیر رشید احمد گنگوہی صاحب نے دوسری جماعت کے مکروہ ہونے پر،

القطوف الدانیة فی کراهة الجماعة الثانیة، کے عنوان سے ایک مستقل رسالہ تحریر کیا تھا، خود ہمارے معاصر مقلد انوار خورشید صاحب نے، (حدیث اور اہل حدیث ص۵۲۰) میں ایک باب جماعت ثانیہ کے مکروہ ہونے کا لکھا ہے۔

الغرض یہ اثر آپ کے بھی خلاف ہے، **فما کان جوابکم فهو جوابنا**۔

ثانیاً: علامہ نیموی حنفی نے، (آثار السنن ص ۶۸) میں دار قطنی سے نقل کر کے لکھا تھا کہ اس کی سند صحیح ہے، اس پر محدث مبارکپوری تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

قلت فی اسناده ابن الجنید ورواه عنه ابو عمر القاضی شیخ الدارقطنی لم اقف علی اسمهما وحالهما فمن یرعی صحة اسناده فعلیه ان یبین اسمهما وحالها۔

میں کہتا ہوں کہ اس کی سند میں، ابن جنید، راوی ہے جس سے ابو عمر قاضی، امام دارقطنی کا استاذ روایت نقل کر رہا ہے، ان کے اسماء اور حالات سے میں واقف نہیں ہوں، جو اس سند کی صحت کا مدعی ہے اس پر لازم ہے کہ وہ ان دونوں راویوں کے نام اور حالات واضح کرے۔

(ابکار المنن ص ۹۵)

محدث مبارکپوریؒ کے اس چیلنج کو آج تک دیو بندی توڑ نہیں سکے، حالانکہ آثار السنن کے ترجمہ کے علاوہ ان کی طرف سے اس کی ایک مفصل شرح، توضیح السنن، کے نام سے طبع ہو چکی ہے، مگر اس اعتراض کو ہاتھ تک نہیں لگایا گیا۔

(دیکھئے توضیح السنن ص ۱۷۴ ج ۱ مطبوعہ ادارۃ العلم والتحقیق نوشہرہ ص ۱۹۹۴ء) ان حقائق سے غالباً مقلد انوار خورشید صاحب بھی واقف ہیں مگر وہ حنفیت کے دفاع پر مجبور ہیں کہ ان کو نظر انداز کر دیا جائے۔

ثالثاً: امام دارقطنی نے مذکورہ روایت سے پہلے مرفوع حدیث نقل کی ہے کہ

عن سلمة بن الاکوع قال کان الاذان علی عهد رسول الله ﷺ مثنیٰ مثنیٰ والاقامة فرداً۔

سیدنا سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد میں اذان کے کلمات دو دو دفعہ اور اقامت کے ایک ایک دفعہ کہے جاتے تھے۔ (سنن دارقطنی ص ۲۴۱ ج ۱)

(۱۳) عن ابراهیم قال کان ثوبان یؤذن مثنی ویقیم مثنیٰ۔

(طحاوی ص ۹۵ ج ۱)

حضرت ابراہیم نخعی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ اذان و اقامت کے کلمات دو دو دفعہ کہتے تھے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۲۶۵)

الجواب اولاً: روایت نمبر ۱۱ میں تفصیل عرض کر دی گئی ہے کہ ابراہیم نخعی کا کسی صحابی سے سماع ثابت نہیں، یہی وجہ ہے کہ علامہ نیموی فرماتے ہیں کہ یہ مرسل ہے، (آثار السنن ص ۲۹۸) اور مراسیل ضعیف ہوتی ہیں، راجع مقدمہ۔

ثانیاً: سند میں حماد بن سلمہ راوی مختلط ہے (تقریب ص ۸۲ وتہذیب ص ۱۳ ج ۳) اور یہ ثابت نہیں کہ مروی عنہ نے اختلاط سے پہلے روایت کیا ہے، الغرض یہ روایت مرسل اور حماد کے مختلط ہونے کی

وجہ سے ضعیف ہے۔

(۱۴) عن فطر بن خلفية عن مجاهد قال ذكرله الاقامة مرة مرة فقال هذا شئى استخلفه الامراء الاقامة مرتين مرتين۔

(مصنف عبدالرزاق ص٤٦٣ ج١ و طحاوی ص٩٥ ج١)۔

حضرت فطر بن خلفیہ حضرت مجاہد سے روایت کرتے ہیں فرماتے ہیں کہ حضرت مجاہد کے سامنے اقامت کے کلمات کو ایک ایک دفعہ کہنے کا تذکرہ ہوا تو آپ نے فرمایا کہ یہ چیز امراء نے اپنی آسانی کے لیے پیدا کرلی ہے، اقامت کے کلمات تو دو دو ہی ہیں (حدیث اور اہل حدیث ص۲۶۵)۔

الجواب امام مجاہد تابعی ہیں، اور تابعی کا قول حجت نہیں ہوتا بالخصوص جب وہ مرفوع حدیث کے خلاف ہو، راجع مقدمہ، ثانیاً: امام مجاہد کے قول کو اگر تسلیم کرلیا جائے تو اس سے لازم آئے گا کہ ایک ایک بار اقامت کہنا بدعت ہے، چنانچہ طحاوی نے اس کا یہی مفہوم بیان کیا ہے ان کے الفاظ ہیں۔ فاخبر مجاهدان ذلك محدث وان الاصل هو التثنية، (شرح المعانی الاثار ص۹۵ ج۱) حالانکہ اسے بدعت کوئی بھی نہیں کہتا، کیونکہ ایک ایک بار اقامت کہنا تو احادیث مرفوعہ صحیحہ سے ثابت ہے (جن کی تفصیل پہلے عرض کردی گئی ہے) حتی کہ حنفی بھی صرف دوہری اقامت کو ترجیح دیتے ہیں، مولانا محمود حسن خان فرماتے ہیں کہ تکبیر میں بھی تکرار و عدم تکرار کے جواز میں کلام نہیں، خلاف اولیت میں ہے۔

(الورد الشذی ص۴۴)

مولانا تقی عثمانی فرماتے ہیں۔

صحیح بات یہ ہے کہ احادیث صحیحہ سے تشفیع (دو دو دفعہ) اور ایتار (ایک دفعہ) دونوں ثابت ہے، اس لئے اس کے جواز میں کوئی شبہ اور کلام نہیں، البتہ دیکھنا یہ ہے کہ ترجیح کس کو حاصل ہے۔

(درس ترمذی ص٤٦١ ج١)

مولانا عبدالقیوم حقانی فرماتے ہیں۔

ہمارے نزدیک ایتار جائز ہے، لیکن بہتر شفع ہے۔ (توضیح السنن ص۴۶۵ ج۱)

مولانا شبیر احمد عثمانی، شرح نقایہ، سے نقل کرتے ہوئے فرماتے۔

ان الامر بايتار الاقامة من باب الاختصار فى بعض الاحوال للجواز ۔

- یعنی ایک دفعہ اقامت کے کلمات کہنا اختصار کے قبیل سے ہے اور بعض اوقات (ضرورت کے تحت) جائز ہیں (فتح الملہم ص۴ ج۲)

اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ اکابر احناف کے نزدیک اکہری اقامت کہنا بھی جائز ہے، ہاں البتہ،

ان کے نزدیک دوہری اقامت راجح ہے، مگر مذکورہ اثر مجاہد میں اسے بدعت قرار دیا گیا ہے، لہذا یہ اثر بچارے اہل حدیث حضرات کے ہی خلاف نہیں بلکہ دیوبندیت کے بھی خلاف ہے، مگر مولانا انوار خورشید صاحب ان حقائق سے چشم پوشی کر کے فقط ہمارا ہی رد کر رہے ہیں۔

(۱۵) عن الهجيع بن قيس ان عليا كان يقول الاذان والاقامة مثنىٰ واتى على مؤذن يقيم مرة مرة فقال الاجعلتها مثنىٰ لا ام للاخر۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص۲۰۶ ج۱)

ہجیع بن قیس سے مروی ہے کہ سیدنا علیؓ اذان و اقامت کے کلمات دو دو دفعہ کہتے تھے، آپ مؤذن کے پاس تشریف لائے جو اقامت کے کلمات ایک ایک مرتبہ کہتا تھا، آپ نے اس سے فرمایا کہ تو اقامت کے کلمات کو دو دو کیوں نہیں کر دیتا........... (حدیث اور اہل حدیث ص۲۶۵)

الجواب اولاً: اس کی سند کا راوی، ہجیع بن قیس، مجہول ہے، کتب رجال اس کے ترجمہ سے خالی ہیں، جو اس اثر کی صحت کا مدعی ہے وہ ہجیع کی عدالت و ثقات ثابت کرے۔

ثانیاً: اس کی سند میں، ھشیم بن بشیر واسطی راوی زبردست قسم کا مدلس ہے، امام عجلی امام ابن سعد امام حاکم، امام ابن حبان امام نسائی نے مدلس قرار دیا ہے۔

(تهذيب ص٦٣ ج١١ و طبقات المدلسين ص٤٧)

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں كثير التدليس والارسال، یعنی کثرت سے تدلیس و ارسال کرتے ہیں (تقریب ص۳۶۵)

اور زیر بحث سند میں تحدیث کی صراحت نہیں بلکہ معنعن ہے، الغرض یہ روایت ہجیع کی جہالت اور ھشیم کی تدلیس کی وجہ سے ضعیف ہے۔

(۱۶) ثناء الحجاج بن ارطاة قال انا ابو اسحق قال كان اصحاب علی و اصحاب عبدالله يشفقون الاذان الاقامة۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص۲۰٦ ج۱)۔

حضرت ابو اسحاق فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے اصحاب اذان و اقامت کے کلمات دو دو مرتبہ کہتے تھے۔

(حدیث اور اهل حدیث ص٢٦٦)،

الجواب اسکی سند میں حجاج بن ارطاۃ راوی ہے جو گو صدوق ہے مگر کثرت سے خطائیں کرتا اور مدلس ہے، (تقریب ص۶۴) اور حجاج کا استاذ (عمرو بن عبداللہ) ابو اسحاق مختلط ہے، (تقریب) ۲۶۱)

الغرض یہ روایت ضعیف ہے، جو اس کی صحت کا مدعی ہے وہ یہ ثابت کرے کہ حجاج نے ابو اسحاق سے اختلاط سے پہلے سنا ہے۔

(۱۷) عن ابراهيم قال لا تدع ان تثنىٰ الاقامة۔

(مصنف ابن ابی شیبه ص۲۰۶ ج۱)

حضرت ابراہیم نخعی فرماتے ہیں کہ تو اقامت کے کلمات دو دو مرتبہ کہنا نہ چھوڑنا۔

(حدیث اور اہل حدیث ص۲۶۶)

الجواب اس کی سند میں، ابن ابی لیلیٰ (محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ) راوی ہے جو سیئی الحفظ ہے امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں سیئی الحفظ اور مضطرب الحدیث ہے، امام شعبیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ابن ابی لیلیٰ سے بدتر حافظے والا کوئی نہیں دیکھا، ابو حاتم فرماتے ہیں کہ صدوق تو ہے مگر سیئی الحفظ ہے، ابن حبان فرماتے ہیں کہ فاش اغلاط کرتا ہے ردی الحفظ ہے، اس کی مرویات میں کثرت سے مناکیر ہیں امام علی بن مدینی فرماتے ہیں سیئی الحفظ اور واہی الحدیث ہے، امام ابو احمد حاکم کا کہنا ہے کہ اس کی عام مرویات مقلوب ہیں، ساجی فرماتے ہیں، سیئی الحفظ ہے، (تہذیب ص۳۰۲ ج۹) حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ سخت خراب حافظے والا ہے۔ (تقریب ص۳۰۸)

الغرض یہ روایت ضعیف ہے، علاوہ ازیں تابعی کا قول ہے جو حدیث نبوی کا معارض نہیں ہو سکتا، راجع مقدمہ

(۱۸) عن ابی العالية قال اذا جعلتها اقامة فاثنها۔

(مصنف ابن ابی شیبه ص۲۰۶ ج۱)

حضرت ابو العالیہ نے فرمایا کہ جب تو اقامت کہے تو اس کے کلمات کو دو دو دفعہ کہہ۔

(حدیث اور اہل حدیث ص۲۶۶)

(۱۹) قال عبدالرزاق سمعت الثوری و اذن لنا بمنىٰ فقال، الله اكبر، الله اكبر، اشهدان لا اله الا الله مرتين اشهد ان محمد رسول الله، مرتين، فصنع كما ذكر فى حديث عبدالرحمن بن ابى ليلىٰ فى الاذان والاقامة تمام مثل الحديث۔

(مصنف عبدالرزاق ص۴۶۲ ج۱)

عبدالرزاق کہتے ہیں کہ حضرت سفیان ثوری نے میدان منیٰ میں ہمارے سامنے اذان کہی، میں نے سنا کہ آپ نے کہا، اللہ اکبر، اللہ اکبر، اشہد ان لا الہ الا اللہ، دو مرتبہ، اشہد ان محمدا رسول اللہ، دو مرتبہ، پھر آپ نے اذان و اقامت بعینہ اسی طرح کہی جس طرح حضرت عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ کی

حدیث میں ذکر کی گئی ہے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۲۶۶)

الجواب اولاً: بلا شبہ یہ اقوال سند کے لحاظ سے صحیح ہیں۔ مگر پہلا قول تابعی کا ہے اور دوسرا قول اتباع تابعی کا ہے، ظاہر ہے کہ دین عبارت ہے قرآن و حدیث سے، کسی امتی کے اقوال کا نام دین نہیں ہے، ہم مقدمہ میں وضاحت کر آئے ہیں کہ جب مرفوع حدیث کے خلاف صحابی کا بھی قول ہو تو وہ ناقابل حجت ہوتا ہے، اور یہ تو تابعی اور تبع تابعی کے اقوال ہیں

ثانیاً: امام سفیان ثوری نے اذان کے ابتدائی کلمات، اللہ اکبر، کو چار بار کہنے کی بجائے دو دفعہ ہی کہا ہے، حالانکہ حنفی چار بار کہتے ہیں، فما کان جوابکم فھو جوابنا

خلاصہ کلام مولانا انوار خورشید صاحب نے اپنے مؤقف و مذہب پر کل دلائل ۱۹۔ ذکر کیئے ہیں، پانچ مرفوع احادیث میں سے تین ضعیف ہیں، دو خود حنفیہ کے خلاف ہیں کیونکہ ان دونوں احادیث سے جہاں دوہری اقامت ثابت ہے وہاں ہی ترجیع والی اذان بھی سنت ثابت ہوتی ہے، آثار صحابہ کرام کل کے کل ضعیف ہیں، تابعین کے اقوال میں سے صرف ایک کی سند صحیح ہیں تین کی ضعیف اور ایک خود ان کے مذہب کے خلاف ہے، تبع تابعی کا صرف ایک ہی قول نقل کیا ہے مگر وہ بھی حنفیہ کے خلاف ہے، ان تمام باتوں کی تفصیل گزر چکی ہے ہمارا دعوٰی ہے اور ہم اپنے دین و ایمان کی محکمی سے پورے وثوق کے ساتھ یہ بات عرض کرتے ہیں کہ کوئی ایک بھی صحیح مرفوع متصل حدیث موجود نہیں جس میں اذان ترجیع کے بغیر ہو اور اقامت دوہری ہو، اگر کوئی ایسی صحیح حدیث نبوی دکھا دی جائے تو ہم اسے قبول کرنے کے لیے تیار ہیں، ہم اس جگہ پر کوئی انعام مقرر نہیں کرنا چاہتے صرف یہ واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ اپنے مذہب کو سچا ثابت کیجئے، ہم اسے قبول کر لیں، مگر قارئین کرام یاد رکھئے کہ یہ صبح ازل تک پوری حنفیت پر ادھار رہے گا۔ ان شاء اللہ۔

اس کے باوجود مؤلف، حدیث اور اہل حدیث، پوری ڈھٹائی کے ساتھ لکھتا ہے کہ ان بیچاروں کا مبلغ علم ہی اتنا ہے کہ انہیں یہ احادیث نظر نہیں آتیں، ص ۲۶۹ ہمیں اپنے علم پر فخر نہیں مگر اللہ کی عطاء کردہ ہدایت پر یقین ضرور ہے، شکر ہے کہ آپ کا علم کامل ہے اور احادیث بھی نظر آتیں ہیں، مگر ان کی نشان دہی بھی کیجئے نا، محض ہوائی فائر اور تقلیدی موقف سے بات نہیں بنے گی۔ آخر میں اس بات کا اظہار کیے بغیر ہم نہیں رہ سکتے کہ دوسروں کے علم پر نقد کرنے والا مقلد انوار خورشید تقلیدی ہونے کا مدعی ہے اور اہل علم کا اتفاق ہے کہ مقلد عالم نہیں جاہل ہوتا ہے۔ ملاحظ ہو۔ اعلام الموقعین۔

(۲۷) باب تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھ کس جگہ تک اٹھائیں جائیں

فصل اول

(۱) عن ابن عمر قال رایت رسول اللہ ﷺ اذا قام فی الصلوٰۃ رفع یدیه حتی تکونا حذو منکبیه وکان یفعل ذلك حین یکبر للرکوع و یفعل ذلك اذ رفع راسه من الرکوع و یقول سمع اللہ لمن حمده، ولا یفعل ذلك فی السجود،

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ جب نماز میں کھڑے ہوتے تو ہاتھوں کو اٹھاتے تھے حتی کہ آپ کے ہاتھ کندھوں کے برابر ہو جاتے اور جب رکوع کے لیے تکبیر کہتے تو تب بھی رفع یدین کرتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو سمع اللہ لمن حمدہ کہتے اور رفع یدین کرتے تھے، اور سجدوں میں نہ کرتے تھے،

(بخاری کتاب الاذان باب رفع الیدین اذا کبر واذا رکع واذا رفع، الحدیث ۷۳۶)

(۲) عن ابن عمر رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ ﷺ کان یرفع یدیه حذو منکبیه اذا افتتح الصلاة واذا کبر للرکوع واذا رفع راسه من الرکوع رفعهما کذالك ایضاً وقال سمع اللہ لمن حمده ربنا ولك الحمد، وکان لا یفعل ذلك فی السجود،

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز شروع کرتے تو کندھوں کے برابر تک ہاتھ اٹھاتے تھے، اور جب رکوع کے لیے تکبیر کہتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو اسی طرح رفع یدین کرتے اور سمع اللہ لمن حمده ربنا ولك الحمد، کہتے تھے اور سجدوں کے درمیان رفع یدین نہ کرتے تھے،

(بخاری کتاب الاذان باب رفع الیدین فی التکبیر الاولیٰ مع الافتتاح سواء، الحدیث ۷۳۵)

(۳) عن ابن عمر قال رایت النبی ﷺ افتتح التکبیر فی الصلوٰۃ فرفع یدیه حین یکبر حتی یجعلهما حذو منکبیه واذ اکبر للرکوع فعل مثله واذا قال سمع اللہ لمن حمده، فعل مثله، وقال، ربنا ولك الحمد، ولا یفعل ذلك حین یسجدو لا حین یرفع راسه من السجود،

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی مکرم ﷺ کو دیکھا کہ نماز کو شروع تکبیر سے کرتے تھے اور جب تکبیر کہتے تو ہاتھ کو اٹھاتے تھے، حتی کہ ہاتھوں کو کندھوں کے برابر کرتے، اور جب رکوع کرتے تو تب بھی اسی طرح کرتے تھے، اور جب سمع لمن حمدہ، کہتے تو تب بھی اسی طرح کرتے تھے، اور ربنا ولک الحمد، کہتے اور جب سجدہ کرتے اور سجدہ سے سر اٹھاتے تو رفع یدین نہ کرتے تھے،

(بخاری کتاب الاذان باب الی این یرفع یدیه، الحدیث ۷۳۸)

(۴) عن سالم عن ابیه قال رایت رسول الله ﷺ اذا افتتح الصلاة رفع یدیه حتی یحاذی منکبیه وقبل ان یرکع واذا رفع من الرکوع ولا یرفعهما بین السجدتین

امام سالم اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ جب نماز شروع کرتے تو ہاتھوں کو اٹھاتے تھے، حتی کہ کندھوں کے برابر ہو جاتے، اور رکوع کرنے سے پہلے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تھے تو تب بھی رفع یدین کرتے اور سجدوں کے درمیان نہ کرتے تھے

(مسلم کتاب الصلاة باب استحباب رفع الیدین حذو منکبیه ......الحدیث ۸۶۱)

(۵) عن ابن عمر قال کان رسول الله ﷺ اذا قام للصلاة رفع یدیه حتی تکونا بحذومنکبیه ثم کبر فاذا اراد ان یرکع فعل مثل ذلك واذا رفع من الرکوع فعل مثل ذلك ولا یفعله حین یرفع راسه من السجود،

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو ہاتھوں کو بلند کرتے حتی کہ آپ کے ہاتھ کندھوں کے برابر ہو جاتے تو پھر تکبیر (تحریمہ) کہتے تھے اور جب رکوع کرنے کا ارادہ فرماتے تو تب بھی اسی طرح کرتے تھے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو تب بھی اسی طرح کرتے تھے، اور جب سجدہ سے اٹھتے تو رفع یدین نہ کرتے تھے،

(مسلم کتاب الصلاة باب سابق، الحدیث ۸۶۲)

(۶) ان عبدالله بن عمر قال کان رسول الله ﷺ اذا قام الی الصلاة رفع یدیه حتی اذا کانتا منکبیه کبر، الحدیث

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو ہاتھوں کو بلند کرتے جب کندھوں تک ہو جاتے تو تکبیر تحریمہ کہتے تھے۔

(ابن جارود ص رقم الحدیث ۱۸۷) و مسند احمد ص۱۳۴ ج۲ و مسند السراج ص۶۱ رقم الحدیث ۹۰ و دارقطنی ص۲۸۹ ج۱ و بیهقی ص۲۹۳ ج۳ و ص۸۳ ج۲)

(۷) عن ابن عمر عن رسول الله ﷺ انه کان اذا کبر للصلوٰة یجعل یدیه حذو منکبیه الحدیث،

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ علیہ التحیۃ والسلام جب نماز کے لیے تکبیر تحریمہ کہتے تو اپنے ہاتھوں کو کندھوں کے برابر کرتے تھے،

(مسند السراج ص۶۴ رقم الحدیث ۹۶)

(۸) عن علی بن ابی طالب عن رسول الله ﷺ انه کان اذا قام الی الصلاة المکتوبة کبر

و رفع یدیه حذو منکبیه و یصنع مثل ذلك اذا قضیٰ قراته واراد ان یرکع ویصنعه اذا رفع من الرکوع ولا یرفع یدیه فی شئی من صلاته وهو قاعد، واذا قام من السجدتین رفع یدیه کذلك و کبر،

سیدنا علی مرتضی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب فرض نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو تکبیر تحریمہ کہتے اور دونوں ہاتھ کندھوں کے برابر اٹھاتے تھے، اور اسی طرح ہی کرتے جب قرات ختم کرکے رکوع کرنے کا ارادہ فرماتے اور اسی طرح ہی کرتے جب رکوع سے سر اقدس اٹھاتے تھے، اور نماز کا جو حصہ بیٹھ کر پڑھتے تھے اس میں رفع یدین نہ کرتے تھے، اور جب دو رکعت پڑھ کر کھڑے ہوتے تو اسی طرح رفع یدین کرتے اور تکبیر کہتے تھے،

ابو داؤد کتاب الصلاۃ باب من ذکرانه یرفع یدیه اذا قام من الثنتین، الحدیث ٧٤٤) و ترمذی کتاب الدعوٰت باب (٣٢) منه (دعاء و جهت وجهی للذی فطر السماوات والارض الحدیث ٣٤٢٣) و ابن ماجه کتاب اقامة الصلوٰت باب رفع الیدین اذا رکع واذا رفع راسه من الرکوع، الحدیث ٨٦٤)

(۹) عن محمد بن عمرو بن عطاء انه کان جالسا فی نفر من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال ابو حمید الساعدی انا کنت احفظکم لصلاة رسول لله الله صلی اللہ علیہ وسلم رایته اذا کبر جعل یدیه حذو منکبیه الحدیث،

امام محمد بن عمرو فرماتے ہیں کہ میں ایک گروہ صحابہ کرام کی مجلس میں بیٹھا ہوا تھا کہ سیدنا ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں تم سب سے زیادہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کو یاد رکھنے والا ہوں، میں نے آپ علیہ التحیۃ والسلام کو دیکھا کہ جب (نماز کے لیے) تکبیر تحریمہ کہتے تو ہاتھوں کو کندھوں کے برابر اٹھایا کرتے تھے،

(بخاری کتاب الاذان باب سنة الجلوس فی التشهد، الحدیث ٨٢٨)

(۱۰) عن محمد بن عمرو بن عطاء قال سمعت ابا حمید الساعدی فی عشرة من اصحاب رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم منهم ابو قتادة قال ابو حمید، انا اعلمکم بصلاة رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم قالوا، فلم؟ فوالله! ما کنت باکثر ناله تبعة، والا اقدمنا له صحبة، قال بلیٰ قالوا، فاعرض، قال، کان رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم اذا قام الصلاة یرفع یدیه حتی یحاذی بهما منکبیه، ثم کبر، حتی یقر کل عظم في موضعه متعدلا ثم یقرأ، ثم یکبر فیرفع یدیه حتی یحاذی بهما منکبیه ثم یرکع ویضع راحتیه علی رکبتیه ثم یعتدل فلا یصب راسه ولا یقنع، ثم یرفع راسه فیقول، سمع الله لمن حمده، ثم یرفع یدیه حتی یحاذی بهما منکبیه معتدلا، الحدیث

میں نے سیدنا ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ سے سنا کہ وہ دس صحابہ کرام میں بیٹھے ہوئے تھے جن میں سیدنا

ابو قتادہ رضی اللہ عنہ بھی تھے، سیدنا ابو حمید رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں تم سب سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کو جانتا ہوں، ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے کہا کیسے؟

جبکہ تم ہم سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی نہیں کرتے تھے، اور نہ ہی ہم سے زیادہ صحبت ہے، سیدنا ابو حمید رضی اللہ عنہ نے کہا یہ تو ٹھیک ہے، پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اچھا بیان کرو، تو سیدنا ابو حمید رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو ہاتھوں کو کندھوں کے برابر اٹھاتے تھے، پھر تکبیر تحریمہ کہتے جب ہر ایک ہڈی اپنے مقام پر آ جاتی اعتدال سے تو آپ علیہ التحیۃ والسلام قراۃ شروع کرتے تھے پھر تکبیر کہتے اور ہاتھوں کو کندھوں کے برابر اٹھاتے تھے، پھر رکوع کرتے اور دونوں ہتھلیاں اپنے گھٹنوں پر رکھتے اور پیٹھ سیدھی کرتے یعنی سر کو اپنی پیٹھ کے برابر کرتے، جھکاتے نہ نیچا کرتے، پھر سر اٹھاتے تو سمع اللہ لمن حمدہ، کہتے اور ہاتھوں کو کندھوں کے برابر اٹھاتے تھے، الحدیث

یہ ایک لمبی حدیث ہے، سیدنا ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ کے بیان کو سن کر دس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا کہ

صدقت ھکذا کان یصلی صلی اللہ علیہ وسلم۔

ابو حمید رحمۃ اللہ علیہ آپ نے سچا کہا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح نماز پڑھا کرتے تھے،

(ابو دائود کتاب الصلاۃ باب افتتاح الصلاۃ الحدیث ۷۳۰) و ترمذی کتاب الصلاۃ باب منه (ممایلی ما جاء فی وصف الصلاۃ) الحدیث ۳۰٤) و ابن ماجه کتاب اقامة الصلوت باب رفع الیدین اذا رکع واذا رفع راسه من الرکوع، الحدیث ۸٦۲) و ابن حبان رقم الحدیث ۱۸٦۷) و ابن خزیمه ۱/۲۹۷ و مسند احمد ص٤۲٤ ٥ و دارمی ص۳۱۳ ج۱ و بیهقی ص۷۲ ج۲ و شرح السنة ص۱۲ ج۳ و ابن ابی شیبه ص۲۳۵ ج۱)

(۱۱) عن ابی ھریرۃ انه قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا کبر للصلاۃ جعل یدیه حذو منکبیه واذا رکع فعل مثل ذلک واذا رفع للسجود فعل مثل ذلک واذا قام من الرکعتین فعل مثل ذلک۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز کے لیے تکبیر تحریمہ کہتے تو دونوں ہاتھوں کو کندھوں کے برابر اٹھایا کرتے تھے، اور جب رکوع کرتے اور رکوع سے سجدہ کے لیے سر اٹھاتے اور دو رکعتیں پڑھ کر اٹھتے تو رفع یدین اسی طرح ہی کرتے تھے،

ابو داؤد کتاب الصلاۃ باب افتتاح الصلاۃ، الحدیث ۷٤۸)

(۱۲) عن الحکم قال رایت طاؤس کبر فرفع یدیه حذو منکبیه عند التکبیر و عند رکوعه وعند رفعه راسه من الرکوع فسالت رجلا من اصحابه فقال انه یحدث به عن ابن عمر عن عمر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم،

امام حکم فرماتے ہیں کہ میں نے امام طاؤس کو دیکھا کہ وہ تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھوں کو کندھوں کے برابر اٹھاتے تھے، اور (اسی طرح) رکوع کرتے اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت کرتے تھے، آپ کے

کسی دوست نے آپ سے سوال کیا تو انھوں نے کہا کہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ اپنے والد عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی روایت سے نبی مکرم ﷺ سے یہ (عمل) بیان کرتے تھے، (بیہقی ص۷۴ ج۲)

(۱۳) عن عبداللہ بن القاسم قال بینما الناس یصلون فی مسجد رسول اللہ ﷺ اذ خرج علیھم عمر بن الخطاب فقال اقبلوا علی بوجوھکم، أصلی بکم صلاۃ رسول اللہ ﷺ التی کان یصلی و یامر بھا فقام مستقبل القبلۃ و رفع یدیہ حتی حاذی بھما منکبیہ ثم کبر، الحدیث۔

امام عبداللہ بن قاسم فرماتے ہیں کہ ہم مسجد نبوی میں لوگوں کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے کہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ باہر تشریف لائے اور لوگوں سے کہا کہ میری طرف متوجہ ہوں، ارشاد فرمایا کہ کیا میں آپ کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی وہ نماز نہ پڑھوں؟ جسے آپ علیہ التحیۃ والسلام خود بھی پڑھا کرتے اور ہمیں بھی اسی طرح پڑھنے کا حکم دیا کرتے تھے، (یہ کہہ کر آپ نے) قبلہ کی طرف منہ کیا اور دونوں ہاتھوں کو کندھوں کے برابر بلند کیا پھر تکبیر تحریمہ کہی۔

(خلافیات بیہقی بحوالہ نصب الرایہ ص۴۱۵، ۴۱۶ ج۱)

(۱۴) عن سعید بن المسیب قال رایت عمر بن الخطاب یرفع یدیہ حذو منکبیہ اذا افتتح الصلاۃ و اذا رکع و اذا رفع راسہ من الرکوع۔

امام سعید بن میسّب فرماتے ہیں کہ میں نے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ جب نماز شروع کرتے تو ہاتھوں کو کندھوں کے برابر اٹھاتے تھے اور جب رکوع کرتے اور رکوع سے سر اٹھاتے تھے تو تب بھی رفع یدین کرتے تھے، (بیہقی بحوالہ نصب الرایہ ص۴۱۷ ج۱)

(۱۵) عن الاسود ان عمر بن الخطاب کان یرفع یدیہ الی المنکبین،

امام اسود فرماتے ہیں کہ سیدنا عمر فاورق رضی اللہ عنہ ہاتھوں کو کندھوں تک اٹھاتے تھے،

(مصنف عبدالرزاق ص۷۱ ج۲ (۲۰۳۲) و مصنف ابن ابی شیبہ ص۲۳۳ ج۱ و بیہقی ص۲۵ ج۲)

(۱۶) عن سلیمان بن یسار ان النبی ﷺ کان یرفع یدیہ حذو منکبیہ،

سیدنا سلیمان بن یسار (تابعی مدینہ منورہ کے جید اور نامور محدث) فرماتے ہیں کہ نبی مکرم ﷺ کندھوں کے برابر ہاتھ اٹھاتے تھے، (مصنف ابن ابی شیبہ ص۲۳۴ ج۱)

(۱۷) عن وائل بن حجر قال رایت النبی ﷺ اذا افتتح الصلاۃ رفع یدیہ حتی حاذتا منکبیہ و حین اراد ان یرکع و بعد مایرفع راسہ من الرکوع، الحدیث

سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی مکرم ﷺ کو دیکھا کہ آپ جب نماز کو شروع کرتے اور جب رکوع کرنے کا ارادہ فرماتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تھے تو دونوں ہاتھوں کو کندھوں کے برابر اٹھاتے تھے،

(سنن دارقطنی ص۲۹۰ ج۱ و مسند احمد ص۳۱۹ ج٤ و بیهقی ص٢٤ ج٢)

(۱۸) عن مالك بن الحويرث ان رسول الله ﷺ كان يرفع يديه اذا كبر واذا ركع واذا رفع راسه من الركوع فقال سمع الله لمن حمده، يرفع يديه حذو منكبيه،

سیدنا مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب تکبیر تحریمہ کہتے اور جب رکوع کرتے اور جب رکوع سے سر اٹھا کر، سمع اللہ لمن حمدہ، کہتے تو ہاتھوں کو کندھوں کے برابر اٹھاتے تھے،

(سنن دارقطنی ص۲۹۲ ج۱)

(۱۹) عن علی ان رسول الله ﷺ كان يرفع يديه اذا كبر فی الصلاة حذو منكبيه واذا اراد ان يركع واذا رفع راسه من الركوع، واذا قام فی الركعة فعل مثل ذلك،

سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب تکبیر تحریمہ کہتے تو ہاتھوں کو کندھوں کے برابر اٹھاتے تھے، اور جب رکوع کرنے کا ارادہ فرماتے اور جب رکوع سے سر اقدس اٹھاتے اور جب (تیسری) رکعت کے لیے کھڑے ہوتے تو اسی طرح رفع یدین کرتے تھے،

ابن عساكر بحواله كنز العمال ص٤٧ ج٨ رقم الحديث ٢٢٠٦٣) مطبوعه نشر السنة ملتان

(۲۰) عن نافع ان عبدالله بن عمر كان اذا ابتدأ الصلاة يرفع يديه حذو منكبيه واذا رفع راسه من الركوع رفعهما دون ذلك،

امام نافع فرماتے ہیں کہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ جب نماز شروع کرتے تو دونوں ہاتھوں کو کندھوں تک اٹھاتے تھے اور جب رکوع کرتے اور رکوع سے سر اٹھاتے تھے تو ہاتھوں کو کندھوں سے ذرا نیچے تک اٹھاتے تھے،

ابو داؤد کتاب الصلاة باب رفع اليدين فی الصلاة، الحديث ٧٤٢)

(۲۱) عن سالم قال كان ابن عمر اذا قام الى الصلاة رفع يديه حتى يكونا حذو منكبيه، الحديث

امام سالم فرماتے ہیں کہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو ہاتھوں کو کندھوں کے برابر تک اٹھاتے تھے، (مصنف عبدالرزاق ص۶۸ ج۲ رقم الحدیث ۲۵۱۹)

(۲۲) عن نافع عن ابن عمر انه كان يرفع يديه حذو منكبيه،

امام نافع فرماتے ہیں کہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ہاتھوں کو کندھوں کے برابر تک اٹھاتے تھے، (مصنف ابن ابی شیبہ ص۲۳۳ ج۱ کتاب الصلاۃ باب الی این یبلغ بیدیہ)،

(۲۳) عن نافع عن ابن عمر انه كان يرفع يديه حين يفتتح الصلوٰة واذا ركع واذا استوى قائم من ركوعه حذو منكبيه و يقول كان رسول الله صلى الله يفعل ذلك،

امام نافع فرماتے ہیں کہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نماز شروع کرتے وقت اور رکوع کرتے اور جب رکوع سے سیدھے کھڑے ہوتے تو ہاتھوں کو کندھوں تک اٹھاتے تھے، اور (عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ) فرمایا کرتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ بھی ایسا ہی کرتے تھے،

(السنن الکبریٰ للبیهقی ص۷۱ ج۲)

(۲۴) عن عطاء قال رایت ابا سعید الخدری و ابن عمر و ابن عباس و ابن الزبیر یرفعون ایدیهم نحوا حدیث الزهری،

امام عطاء بن ابی رباح فرماتے ہیں کہ میں نے سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ، سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اور سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو دیکھا ہے کہ وہ امام زہری کی حدیث کے موافق ہاتھوں کو اٹھاتے تھے (مصنف ابن ابی شیبہ ص۲۳۵ ج۱)

امام زہری کی روایت کی کیفیت:

رفع یدین کے متعلق حدیث بخاری و مسلم میں سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ سے بواسطہ امام سالم مروی ہے، جس میں کندھوں تک ہاتھ اٹھانے کا ذکر ہے، تفصیل کے لیے پہلی سات احادیث کی مراجعت کریں۔

(۲۵) عن عبدربه قال رایت ام الدرداء رضی اللہ عنہا، ترفع یدیها فی الصلوٰة حذو منکبیها حین تفتتح الصلوٰة و حین ترکع فاذا قالت سمع الله لمن حمده، رفعت یدیها وقالت ربنا ولك الحمد،

عبد ربہ سے روایت ہے کہ میں نے سیدہ ام درداء رضی اللہ عنہا کو دیکھا وہ نماز میں ہاتھوں کو کندھوں کے برابر اٹھاتیں تھیں، جب نماز شروع کرتیں اور جب رکوع کرتیں اور جب رکوع سے سر اٹھاتیں تو سمع اللہ لمن حمدہ، کہتیں اور رفع یدین کرتیں اور **ربنا ولك الحمد**، کہتیں تھیں۔

(جزء رفع الیدین ص۲۸ والتاریخ الکبیر ص۷۸ ج۶)

(۲۶) عن خالد بن ابی بکر قال رایت سالما اذا قام یرفع یدیه حذو منکبیه۔

امام خالد بن ابی بکر فرماتے ہیں کہ میں نے امام سالم (سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پوتے) کو دیکھا وہ جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو ہاتھوں کو کندھوں کے برابر اٹھاتے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ص۲۳۴ ج۱)۔

(۲۷) عن ابن ابی ذئب عن سالم انه کان یرفع یدیه حذو منکبیه۔

امام ابن ابی ذئب فرماتے ہیں کہ امام سالم کندھوں کے برابر ہاتھ اٹھاتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبه ص۲۳۴ ج۱)

خلاصہ کلام مذکورہ ۲۷ دلائل جن میں سے اٹھارہ مرفوع احادیث ہیں، باقی آثار صحابہ کرام اور تابعین عظام ہیں، پہلی سات آٹھ احادیث سے ثابت ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کندھوں تک ہاتھ اٹھاتے

تھے، ان احادیث کے راوی سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ کا عمل بھی کندھوں تک اٹھانے کا تھا، جیسا کہ روایت ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۳ سے معلوم ہورہا ہے اور روایت ۱۲، ۱۳، ۱۴، ۱۵ سے ثابت ہو رہا ہے کہ خلیفہ راشد سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھی کندھوں تک ہاتھ اٹھاتے تھے، روایت نمبر ۱۰ سے ثابت ہو رہا ہے کہ سیدنا ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ کا بھی یہی عمل تھا اور ان کے عمل کی دس صحابہ کرام نے تصدیق بھی کی تھی، روایت نمبر ۲۴ سے ثابت ہے کہ سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سیدنا ابن زبیر رضی اللہ عنہ بھی کندھوں تک ہی اٹھاتے تھے، روایت نمبر ۲۵ سے معلوم ہوا کہ صحابیات بھی ایسا ہی کرتیں تھیں، روایت نمبر ۱۲، ۲۶، ۲۷ سے ثابت ہو رہا ہے کہ تابعین کرام کا بھی یہی عمل تھا۔ امام اوزاعی فرماتے ہیں کہ تمام بلاد اسلام میں اسی پر ہی عمل ہے صرف اہل کوفہ نے اس سے اختلاف کیا ہے (التمہید ص ۲۲۶ ج ۹)

حرف آخر بلا شبہ بعض صحیح احادیث میں کانوں کی لو تک ہاتھ اٹھانے کا ذکر بھی ہے، اور بعض احادیث میں کانوں کے اوپر کے حصے تک ہاتھ اٹھانے کا ذکر ہے، اور بعض احادیث میں کانوں کے نیچے تک ہاتھ اٹھانے کا ذکر ہے، (التلخیص الجبیر ص ۲۱۸ ج ۱)

یہ تمام احادیث فصل دوم میں آرہی ہیں، اور اس کیفیت کو بیان کرنے والے سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ عنہ اور سیدنا مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ ہیں، اور ان میں جو طریقہ بھی کرلیا جائے وہ ہمارے پیارے نبی ﷺ کا اسوہ ہے، کسی امتی کو قطعی طور پر یہ حق حاصل نہیں کہ وہ ان میں سے کسی ایک کو بھی افضل قرار دے، ہاں سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی طریقہ سند کے لحاظ سے قوی ہے، بعض نے جو تطبیق کی یہ صورت اختیار کی ہے کہ انگلیوں کے پورے کانوں کے اوپر والے حصے کے برابر ہو جائیں تو انگوٹھے کانوں کی لو کے برابر اور ہتھیلیاں کندھوں تک ہو جائیں گی یہ تطبیق کی صورت نہیں بلکہ مغالطہ ہے۔

کیونکہ عربی زبان میں، یدی، کا لفظ انگلیوں کے پوروں پر بھی بولا جاتا ہے، قرآن میں ہے، فویل لهم مما كتبت ايديهم، ان کے لیے ہلاکت ہے کہ اپنے ہاتھوں سے (بے اصل باتیں) لکھتے ہیں (۲-۷۹) اس آیت میں ایدیہم سے مراد انگلیاں کے پورے ہیں کیونکہ تحریر ہتھیلی سے نہیں بلکہ انگلیوں کے پوروں سے لکھی جاتی ہے،

علاوہ ازیں بعض احادیث میں صاف وضاحت ہے کہ

انگوٹھے کانوں کی لو تک نہیں گئے تھے، اور ایک روایت میں ہے کہ کانوں کے نیچے تک ہاتھ اٹھاتے تفصیل فصل دوم میں نمبر ے کے تحت آرہی ہے،

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ جمع و تطبیق کی یہ صورت درست نہیں حق یہ ہے کہ یہ تمام طریقے نبی مکرم ﷺ سے ثابت ہیں، محدث گوندلوی، فرماتے ہیں کہ رفع یدین کانوں تک بھی ثابت ہے۔

(التحقیق الراسخ ص ۴۷)

لہٰذا مؤلف حدیث اور اہل حدیث کا کانوں تک ہاتھ اٹھانے کی احادیث کو نقل کر کے یہ کہنا کہ قارئین کرام فیصلہ فرمائیں کہ یہ حدیث کی موافقت ہے یا مخالفت ص ۲۷۵۔

اپنے اندر کوئی وزن نہیں رکھتا بلکہ انوار خورشید صاحب کا یہ حق تھا کہ وہ کسی صحیح یا حسن حدیث سے یہ ثابت کرتے کہ عورت چھاتی تک ہاتھ اٹھائے اور مرد مذکورہ تطبیق کے موافق ہاتھ اٹھائیں، تو ایک بات تھی، مگر انہوں نے اصل موضوع پر ایک حرف بھی تحریر نہیں کیا، واضح رہے کہ مؤلف نے حدیث نبوی سے اہل حدیث کا رد کرنے کا بیڑا اٹھایا ہے جیسا کہ کتاب کے نام سے ظاہر ہے، مگر رد امام شافعی کی تطبیق سے کرتے ہیں، قارئین کرام فیصلہ فرمائیں یہ خبط اور خلط مبحث ہے کہ نہیں؟۔

فصل دوم

(۱) عن البراء بن عازب قال کان النبیﷺ اذا کبر رفع یدیه حتی نری ابهامیه قریباً من اذنیه۔

(مسند احمد ص ۳۰۳ ج ٤)

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام جب تکبیر (تحریمہ) کہتے تو اپنے دونوں ہاتھ اس قدر اٹھاتے کہ ہم آپ کے دونوں انگوٹھے کانوں کے قریب دیکھتے۔

(۲) عن البراء بن عازب قال رایت رسول اللهﷺ حین قام الی الصلوٰة فکبر ورفع یدیه حتی ساوٰی بهما اذنیه ثم لم یعد، (دارقطنی ص ۲۹۴ ج۱)

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ جب آپ نماز کے لیے کھڑے ہوئے تو آپ نے تکبیر (تحریمہ) کہی اور دونوں ہاتھ اس قدر اٹھائے کہ کانوں کے برابر لے گئے پھر دوبارہ نہیں اٹھائے،

(۳) عن البراء بن عازب قال کان النبیﷺ اذا کبر لا فتتاح الصلوٰة رفع یدیه حتی یکون ابهاماه قریباً من شحمتی اذنیه۔

(طحاوی ص ۱۳۵ ج ۱)

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی علیہ السلام جب تکبیر تحریمہ کہتے تو اپنے دونوں ہاتھ اس قدر اٹھاتے کہ دونوں انگوٹھے کانوں کی لو کے برابر ہو جاتے۔

(حدیث اور اہل حدیث ص ۲۷۰)

الجواب اولاً: مؤلف، حدیث اور اہل حدیث، نے ایک ہی روایت کو تین کتابوں سے نقل کر کے تین دلائل باور کرایا ہے، حالانکہ یہ صرف ایک ہی روایت ہے، جو یزید بن ابی زیاد عن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ عن البراء، کے طریق سے مروی ہے، علم حدیث کا جسے دھواں بھی لگا ہے، وہ بخوبی جانتا ہے کہ یہ تین روایتیں نہیں بلکہ ایک ہی ہے کیونکہ اس کے مرکزی راوی ایک ہی ہیں۔ علامہ زیلعی فرماتے ہیں کہ

واما حدیث البراء فرواه احمد واسحاق بن راهویه فی مسند یهما والدارقطنی فی سننه و الطحاوی فی، شرح الاثار، کلهم من حدیث یزید بن ابی زیاد عن عبدالرحمن بی ابی لیلیٰ عن البراء بن عازب،

یعنی براء بن عازب کی روایت کو امام احمد اور امام اسحاق بن راہویہ نے اپنی مسانید میں، دارقطنی نے اپنی، سنن، میں طحاوی نے، شرح معانی الاثار، میں یزید بن ابی زیاد عن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ عن البراء بن عازب، کی سند سے روایت کیا ہے، (نصب الرایہ ص۳۱۱ ج۱)

لیکن مولانا اس کو تین روایات باور کراتے ہیں، جو غلط بیانی ہی نہیں بلکہ عوام الناس کو مغالطہ دیا گیا ہے۔

ثانیاً: سند کا مرکزی راوی، یزید بن ابی زیاد کوفی ہے، جو ضعیف ہونے کے علاوہ آخری عمر میں مختلط بھی ہو گیا تھا، لقمہ کو قبول کر لیتا تھا (تقریب ص۳۸۲) مزید تفصیل مسئلہ رفع الیدین میں، براء بن عازب، کی روایت کے زیر عنوان آ رہی ہے، ان شاء اللہ۔

ثالثاً: اس سے حنفیہ کا مسلک ثابت نہیں ہوتا اس لیے کہ ان کے نزدیک مرد تو کانوں کی لو تک ہاتھ اٹھائے جبکہ عورت کندھوں تک اٹھائے۔ (هدایه ص٦٤ ج١ و مستملی ص٣٣٠ و شرح نقایه ص٧٢ ج١ و بهشتی زیور ص١٥ حصہ دوم) جبکہ زیر بحث روایت میں اس کی تفریق نہیں لہذا یہ آپ کے دعویٰ پر تقریب تام نہیں۔

رابعاً: کانوں کی لو تک، سے کیا مراد ہے، متاخرین فقہائے احناف میں سے اکثر کا قول یہ ہے کہ کانوں کو ہاتھ لگائے، آج کی پوری حنفیت کا اسی پر ہی عمل ہے، اس پر کسی حوالے کی تو ضرورت نہ تھی کیونکہ آپ کسی بھی حنفی کو نماز پڑھتے دیکھ سکتے ہیں، مگر پھر بھی چند عبارات فقہائے احناف کی ذکر کر دی جاتی ہیں تاکہ قارئین کرام کی تسلی و تشفی ہو جائے حنفیہ کے صدر الشریعہ فرماتے ہیں۔

ما سا بابهامیه شحمتی اذنیه والمراة ترفع حذاء منکبیها،

یعنی ہاتھ کانوں کی لو کو مس کریں اور عورت کندھوں کے برابر تک اٹھائے۔

(شرح وقایه ص١٤٣ ج١)

فخر الحسن بن حسن المتوفی ۲۹۵ فرماتے ہیں کہ

ویرفع یدیه حذاء اذنیه ویمس طرف ابهامیه شحمة اذنیه،

(یعنی تکبیر تحریمہ کے وقت) ہاتھوں کو کانوں کے برابر تک اٹھائے کہ انگوٹھے کانوں کی لو کو لگ جائیں۔ (فتاوی قاضی خاں بر حاشیه هندیه ص٨٥ ج١)۔

اسی کے قریب قریب، البحرالرائق ص٣٠٥ ج١ ومستملی ص٢٩٩ و السعایه ص١٥٢ ج٢) وغیرہ میں ہے۔

لیکن مذکورہ روایت میں کانوں کو ہاتھ لگانے کا ذکر نہیں، یہ یار لوگوں کی اختراع ہے

رابعاً: ہاتھوں کو کب اٹھایا جائے فقہائے احناف میں تین مسلک ہیں، صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ ہاتھ اٹھانے کے بعد تکبیر کہے، یہی راجح ہے (ہدایہ ص۶۴ ج۱)

اسی پر ہی مبتدعین دیابنہ کا فتویٰ ہے (احسن الفتاوٰی ص۱۹ ج۳) لیکن مذکورہ روایت سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ میں تکبیر کے ساتھ ہاتھ اٹھانے کا ذکر ہے،

الغرض یہ روایت حنفیہ کے متعدد مسائل و اعمال کے خلاف ہے،

خامساً: محل رفع میں یہ حدیث ہمارے خلاف نہیں کیونکہ ہم اسے بھی قبول کرتے ہیں، اور ان تمام احادیث کو مختلف اوقات پر محمول کرتے ہیں، ہاں البتہ حدیث ابن عمر سنداً قوی ہے، جس میں کندھوں تک ہاتھ اٹھانے کا ذکر ہے،

(۴) عن انس قال رایت رسول الله صلی الله کبر فحاذی بابهامیه اذنیه ثم رکع حتی استقر کل مفصل منه وانحط بالتکبیر حتی سبقت رکبتاه یدیه، هذا اسناد صحیح علی شرط الشیخین ولا اعرف له علة ولم یخر جاه۔

(مستدرك حاکم ص۲۲۶ ج۱ و دارقطنی ص۳۴۵ ج۱ و سنن کبری بیهقی ص۹۹ ج۲)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے تکبیر کہی تو اپنے دونوں انگوٹھے کانوں کے برابر لے گئے، پھر رکوع کیا تو اس طرح سے کہ آپ کا ہر جوڑ اپنی جگہ ٹھہر گیا اور تکبیر کہہ کر سجدہ کے لیے نیچے گئے تو آپ کے دونوں گھٹنوں نے ہاتھوں پر سبقت کی، یعنی زمین پر پہلے دونوں گھٹنے رکھے پھر دونوں ہاتھ (حدیث اور اہل حدیث ص۲۷۱)

الجواب اولاً: امام بیہقی اور امام دارقطنی نے روایت کرکے لکھا ہے کہ اسے بیان کرنے میں علاء بن اسماعیل عطار، راوی منفرد ہے، اور امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ مجہول ہے، (زادالمعاد ص۸۱ ج۱ ولسان المیزان ص۱۸۲ ج۴) امام ابو حاتم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ روایت منکر ہے (علل الحدیث ص۱۸۸ ج۱) باقی رہا مولانا صاحب کا امام حاکم سے نقل کرنا، ہذا اسنادہ صحیح علی شرط الشیخین، تو یہ معتبر نہیں کیونکہ علاء سے بخاری و مسلم تو کجا سنن اربعہ میں بھی کوئی روایت نہیں لی گئی، علاوہ ازیں امام حاکم تصحیح میں متساہل ہے، راجع مقدمہ۔

ثانیاً: علاء نے یہ روایت، حفص بن غیاث، سے نقل کی ہے، اور حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ حفص سے ان کے بیٹے عمر نے بھی روایت نقل کی ہے جو کہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا قول ہے، اور عمر دوسرے لوگوں سے والد کی روایت میں اثبت ہے، لہٰذا موقوف ہی درست ہے، (لسان المیزان ص۱۸۳ ج۴) اس روایت میں مزید ضعیف ہونے کے دلائل بھی ہیں تفصیل کے لیے دین الحق ص۴۱۰ ج۱ کی مراجعت کریں۔

(۵) عن انس قال کان رسول اللهﷺ اذا افتتح الصلوٰۃ کبر ثم رفع یدیه حتی یحاذی ابهامیه اذنیه ثم یقول سبحانك اللهم و بحمدك و تبارك اسمك و تعالیٰ جدك و لا اله غیرك۔
(دارقطنی ص ۳۳۰ ج ۱)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز شروع فرماتے تو تکبیر کہتے، پھر اپنے ہاتھ اس قدر اٹھاتے کہ دونوں انگوٹھے کانوں کے برابر ہو جاتے پھر **سبحانك اللهم و بحمدك و تبارك اسمك و تعالیٰ جدك و لا اله غیرك**، پڑھتے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۱۷۱)

الجواب اولاً: اس کی سند میں، حمید الطّویل راوی ہے، جو مدلس ہے، جیسا کہ امام نسائی، امام ابن حبان ابن سعد، حافظ علائی، اور امام ابو بکر رحمہ اللہ نے صراحت کی ہے (تہذیب ص ۴۰ ج ۳) علامہ ذہبی نے (میزان ص ۶۱۰ ج ۱) میں حافظ ابن حجر نے (تقریب ص ۸۴ وطبقات ص ۳۸) میں مدلس قرار دیا ہے، اور زیر بحث روایت میں سماع کی صراحت نہیں جس کی وجہ سے روایت ضعیف ہے، امام ابو حاتم فرماتے ہیں کہ **هذاحدیث کذب لا اصل له**، یعنی یہ روایت محض جھوٹ ہے اس کی کوئی اصل نہیں۔

(علل الحدیث ص ۱۳۵ ج ۱ و نصب الرایه ص ۳۲۰ ج ۱)

ثانیاً: یہ اور اس سے پہلی روایت حنفیہ کے خلاف ہے کیونکہ ان کے نزدیک پہلے ہاتھ اٹھانے چاہیے جیسا کہ پہلی روایت کے جواب میں تفصیل عرض کر دی گئی ہے،

(۶) عن عبدالجبار بن وائل عن ابیه انه ابصر النبیﷺ حین قام الی الصلوٰۃ رفع یدیه حتی کانتا بحیال منکبیه و حاذی بابهامیه اذنیه ثم کبر۔

(ابو داؤد ص ۱۰۵ ج ۱)

حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیکھا کہ جب آپ نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو آپ نے دونوں ہاتھ مونڈھوں تک اٹھائے اور انگوٹھے کانوں کے برابر کئے، پھر اللہ اکبر کہا، (حدیث اور اہل حدیث ص ۱۷۲)

الجواب اولاً: یہ روایت سنداً منقطع ہے، کیونکہ عبدالجبار کا سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے سماع ثابت نہیں جیسا کہ امام علی بن مدینی امام بخاری، امام ابن حبان امام ابو حاتم امام ابن جریر طبری امام جریدی امام یعقوب بن سفیان امام دارقطنی امام حاکم اور امام ابن سعد رحمہ اللہ نے صراحت کی ہے، (تہذیب ص ۹۶ ج ۶)

مولانا ظفر احمد تھانوی نے، (اعلاء السنن ص ۱۴۲ ج ۲) میں وضاحت کی ہے کہ عبدالجبار کا اپنے والد سے سماع ثابت نہیں، اس سلسلہ میں مبتدعین دیابنہ اور مبتدعین بریلویہ کے اکابرین کی بیسیوں عبارات پیش کی جا سکتی ہیں کہ عبدالجبار کا اپنے والد سے سماع ثابت نہیں لیکن ہم اس بات کو نظر انداز کرتے ہیں اور قارئین کرام کو اشارہ دے دیتے ہیں کہ آمین بالجہر کے رد میں لکھی ہوئی کسی بھی حنفی کی

کتاب کا مطالعہ کر لیں، وہاں سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی روایت کے تحت یہ بحث لکھی ہوئی ہوگی، ان شاء اللہ۔

ثانیاً: ان الفاظ سے مروی یہ روایت ہمارے مخالف نہیں اور آپ کے موافق نہیں ہے، پہلی روایت میں تفصیل گزر چکی ہے، مزید اگلی روایت میں آ رہی ہے۔

(۷) عن عبدالجبار بن وائل عن ابیه انه رای النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا افتتح الصلوٰة رفع یدیه حتی تکاد ابهاماه تحاذی شحمة اذنیه۔

(نسائی ص۱۰۲ ج ۱)۔

حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیکھا کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز شروع کی تو آپ نے دونوں ہاتھ اس قدر اٹھائے کہ دونوں انگوٹھے کانوں کی لو کے برابر ہو گئے، (حدیث اور اہل حدیث ص۲۷۲)۔

الجواب اولاً: یہ روایت بھی سنداً منقطع ہے، کیونکہ عبدالجبار اپنے والد سے روایت کر رہا ہے۔ اور پچھلی روایت کے جواب میں تفصیل گزر چکی ہے کہ عبدالجبار کا اپنے والد سے سماع ثابت نہیں،

ثانیاً: آپ نے حدیث میں معنوی تحریف کی ہے، حتی کاد، کے الفاظ کا معنی ترک کر دیا ہے، کاد بمعنی کسی فعل کے قریب الوقوع ہونے کو بیان کرنے کے لیے آتا ہے، مثلاً کاد یفعل، قریب تھا کہ وہ اس کام کو کر گزرتا، یعنی کرنے والا تھا، مگر کیا نہیں دیکھئے

(مفردات القرآن ص۴۴۳ و قاموس ص۲۸۶ و المعجم الوسیط ص۸۰۴ والمصباح المنیر ص۵۴۵)

اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ انگوٹھے کانوں کی لو کے برابر نہیں ہوئے تھے، الغرض حتی کاد، کے الفاظ کے لغوی معنیٰ کو ملحوظ رکھا جائے تو حدیث کے الفاظ کا معنی یہ بنتا ہے کہ آپ علیہ التحیۃ والسلام نے دونوں ہاتھ اٹھائے قریب تھا کہ انگوٹھے کانوں کی لو کے برابر ہو جاتے۔

اس معنی کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے جو امام نسائی نے عبدالحمید کے طریق سے نقل کی ہے کہ **عن عبدالجبار بن وائل عن ابیه قال صلیت خلف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلما کبر رفع یدیه اسفل من اذنیه، الحدیث**

سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا میں نماز پڑھی تو آپ نے تکبیر تحریمہ کہی اور دونوں ہاتھ کانوں کے نیچے تک بلند کیئے،

(سنن نسائی کتاب الافتتاح باب قول الماموم اذا عطس خلف الامام، الحدیث ۹۳۳)

الغرض سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی مذکورہ روایت سے حنفیہ کے مؤقف کی تائید نہیں ہوتی بلکہ رد ہوتا ہے، مگر افسوس کہ انوار صاحب معنوی تحریف کر کے حنفیت کی گرتی ہوئی ساکھ کو سہارا دینا چاہتے ہیں انا

لله وانا اليه راجعون

(۸) عن وائل بن حجر قال قال رسول اللهﷺ يا وائل بن حجر اذا صليت فاجعل يديك حذاء اذنيك والمراة تجعل يديها حذاء ثدييها۔

(معجم طبرانی کبیر ص۱۸ ج۲۲)

حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ اے وائل بن حجر جب تم نماز پڑھنے لگو تو اپنے دونوں ہاتھ کانوں تک اٹھاؤ، اور عورت اپنے دونوں ہاتھ پستانوں تک اٹھائے، (حدیث اور اہل حدیث ص۲۷۲،۲۷۳)

الجواب اولاً: اس کی سند میں، ام یحییٰ بنت عبدالجبار، راویہ مجہول ہیں، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ میں انہیں نہیں جانتا (مجمع الزوائد ص۱۰۳ وص۲۷۴ ج۹)

جو اس کی صحت کا مدعی ہے وہ ام یحییٰ کی عدالت وثقات ثابت کرے،

ثانیاً: یہ اثر خود حنفیہ کے خلاف ہے، کیونکہ حنفیہ کے نزدیک عورت کے متعلق یہ ارشاد ہے کہ وہ کندھے تک ہاتھ اٹھائے کیونکہ یہ اس کے لیے زیادہ استر (پردہ پوشی کا ذریعہ) ہے۔

(هداية ص٦٤ ج١ و مستملى ص٣٠٠ و شرح نقاية ص٧٢ ج١)

گو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے حسن نے یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ عورت مرد کی طرح ہی ہاتھ اٹھائے اس لیے کہ کف پردہ میں داخل نہیں جبکہ صاحب ہدایہ نے پہلے قول کو ترجیح دی ہے۔

(البحرالرائق ص٣٠٥ ج١)

بہرحال یہ ان کی صواب دید پر ہے کہ کس روایت کو اختیار کرتے ہیں؟ ہم یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے دونوں اقوال میں سے کسی کو بھی منتخب کریں بہرنوع انوار صاحب کی پیش کردہ روایت ان کے خلاف ہی رہے گی، کیوں؟ اس لیے کہ مذکورہ روایت میں، پستانوں تک اٹھانے کا حکم ہے جبکہ حنفیہ کا مسلک اس کے برعکس ہے،

(۹) عن وائل بن حجر انه رای النبیﷺ رفع يديه حين دخل فى الصلوٰة كبر وصف همام حيال اذنيه

(الحدیث مسلم ص۱۷۳ ج۱)

حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیکھا کہ آپ نے نماز شروع کرتے وقت دونوں ہاتھ اٹھائے، اور اللہ اکبر کہا (حدیث کے راوی ہمام کا بیان ہے کہ آپ ﷺ نے نماز شروع کرتے وقت ہاتھ اٹھائے تو کانوں تک اٹھائے (حدیث اور اہل حدیث ص۲۷۳)

الجواب اولاً: مرفوع حدیث میں صرف ہاتھوں کے اٹھانے کا ذکر ہے، حيال اذنيه، (کانوں

کے برابر) کے الفاظ امام ہمام راوی حدیث کی تفسیر ہے مرفوع حدیث قطعاً نہیں، جیسا کہ انوار صاحب مغالطہ دے رہے ہیں۔

ثانیاً: اس حدیث میں آگے مرفوع الفاظ مروی ہے کہ

ثم التحف بثوبه ثم وضع يديه اليمنىٰ على اليسرى فلما اراد ان يركع اخرج يديه من الثوب ثم رفعهما ثم كبر فركع فلما قال سمع الله لمن حمده، رفع يديه، فلما سجد سجد بين كفيه،

پھر کپڑا لپیٹ کر داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھا جب رکوع کرنے لگے تو ہاتھوں کو کپڑے سے باہر نکالا پھر ان کو اٹھایا (رفع یدین کیا) اور تکبیر کہی اور رکوع کیا پھر جب سمع الله حمده، کہا تو پھر رفع یدین کیا اور جب سجدہ کیا تو آپ علیہ التحیۃ والسلام نے دونوں ہاتھوں کے درمیان کیا۔

(مسلم كتاب الصلاة باب وضع يده اليمنىٰ على اليسرىٰ بعد تكبيرة الاحرام تحت صدره، الحديث ۸۹۶)

ان الفاظ کو انوار صاحب نے محض اس لیے نقل نہیں کیا کہ یہ ان کے تقلیدی مذہب کے خلاف تھے، اور انوار صاحب نے آگے یہ بحث بھی لکھنی تھی کہ رفع یدین کرنا ثابت نہیں اور یہ جھوٹا دعوٰی کرنا تھا کہ

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام صرف تکبیر تحریمہ کے وقت ہی رفع یدین کرتے تھے،

(حدیث اور اہل حدیث ص۴۱۹)

اس لیے انوار صاحب نے اس پر خط نسخ کھینچ دینا ہی مناسب سمجھا، جیسے یہودی نے رجم کی آیات کو تورات پر ہاتھ رکھ کر چھپایا تھا ویسے ہی خورشید صاحب نے اسوہ سید الرسل امام الانبیاء سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ کو چھپانے کی کوشش کی ہے، لا حول ولا قوة الا بالله العلى العظيم

(۱۰) عن مالك بن حويرث ان رسول الله ﷺ كان اذا كبر رفع يديه حتى يحاذى بهما اذنيه وفى رواية عنه حتى يحاذى بهما فروغ اذنيه۔

(مسلم ص۱۶۸ ج ۱)

حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب تکبیر کہتے تو اپنے دونوں ہاتھ کانوں تک اٹھاتے انہی سے ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ کانوں کے اوپر کے حصے تک ہاتھ اٹھاتے، (حدیث اور اہل حدیث ص۲۷۳)

الجواب اولاً: مقلد انوار صاحب نے، دو احادیث کے متن کو گڑ بڑ کر کے حنفیت کو تقویت دینے کی کوشش کی ہے، پچھلی حدیث کے آخر میں، الحدیث، لکھ کر قدرے دیانت اختیار کی تھی لیکن اس میں بھی تقلیدی ہاتھ کی صفائی دکھا گئے ہیں، سنیئے، وفی روایۃ، کے الفاظ سے پہلے بھی کچھ عبارت تھی۔ جسے انوارصاحب نے حنفی فقہ کے خلاف سمجھ کر حذف کر دیا ہے، مکمل متن حدیث اس طرح ہے۔

عن مالك بن الحويرث ان رسول الله ﷺ كان اذا كبر رفع يديه حتى يحاذى بهما اذنيه واذا ركع رفع يديه حتى يحاذى بهما اذنيه واذا رفع راسه من الركوع فقال سمع الله لمن حمده فعل مثل ذلك،

سیدنا مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ تکبیر (تحریمہ) کہتے تو رفع یدین کرتے حتی کہ آپ کے ہاتھ کانوں کے برابر ہو جاتے، اور جب رکوع کرتے تو تب بھی رفع یدین کرتے یہاں تک کہ آپ کے ہاتھ کانوں کے برابر ہو جاتے، اور جب رکوع سے سر اقدس اٹھاتے تو اسی طرح رفع یدین کرتے تھے۔

(مسلم ص١٦٨ ج١ كتاب الصلاة باب استحباب رفع يدين حذو المنكبين مع تكبير الاحرام والركوع و فى الرفع من الركوع وانه لا يفعله اذا رفع من السجود، الحديث ٨٤٥)

اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ حدیث میں رکوع کرتے اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین کرنے کا بھی ذکر ہے، اس اسوہ رسول اللہ ﷺ کو دیکھ کر انوار خورشید صاحب کے پیٹ میں مروڑ پیدا ہوا تو اس کے لیے یہ مخلص تلاش کیا کہ پوری حدیث ہی نقل نہ کی، حقیقت یہ ہے کہ اس طرح کی ہیرا پھیریاں انہیں بطور ورثہ ملی ہیں،

خیر مقلد انوار خورشید صاحب تو یہ بہانا کر سکتے ہیں کہ میرا مقصود حدیث بیان کرنا نہ تھا، صرف محل رفع کی وضاحت کرنا تھا، لیکن دیوبندی مولوی عابد الرحمٰن صدیقی کاندھلوی کا کیا بہانا بنائیں گے جنہوں نے صحیح مسلم کا ترجمہ کرتے وقت ان الفاظ کو متن مسلم سے نکال دیا ہے۔

(ملاحظہ ہو مترجم مسلم ص۳۶۷ ج۱ مطبوعہ قرآن محل کراچی)

ثانیاً: مذکورہ حدیث جو ہم نے (مسلم رقم الحدیث ۸۶۵) سے نقل کی ہے، یہ امام مسلم نے ابوعوانہ عن قتادہ کی سند سے درج کی ہے، آگے امام مسلم سعید بن قتادہ کی سند سے نقل کرتے ہیں جس میں، حتی **يحاذى بهما فروع اذنيه،** کے الفاظ ہیں، امام مسلم محل رفع میں راویوں کا اختلاف بتا کر یہ سمجھانا چاہتے ہیں کہ **يحاذى بهما اذنيه،** اور، **يحاذ بهما فروع اذنيه،** ہم معنی ہیں، اس کا مطلب یہ نہیں کہ، سعید عن قتادہ کے طریق میں، رکوع کرتے اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین کرنے کا ذکر نہیں۔

جیسا کہ ہمارے معاصرے کو بھول لگی ہے، کاش انہوں نے دورہ حدیث کی بجائے کہیں سے حدیث فہمی کا بھی درس لیا ہوتا، سنئے سعید عن قتادۃ، کی سند میں بھی رکوع کرتے اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین کرنے کا ذکر ہے۔

(سنن نسائى كتاب التطبيق باب رفع اليدين للركوع حذا فروع الاذنين، الحديث ١٠٢٥) و باب رفع اليدين حذو فروع الاذنين عند الرفع من الركوع، الحديث ١٠٥٧)

الغرض دونوں سندوں میں آپ کے خلاف سنت نبوی علیہ التحیۃ والسلام موجود ہے جسے آپ قبول

کرنے کی بجائے پردہ پوشی کر رہے ہیں،

ثالثاً: یہ تمام صورتیں مختلف اوقات پر مبنی ہیں، اور تمام جائز اور سنت خیر الانام میں داخل ہیں، لیکن اس سے حنفیہ کا مسلک ثابت نہیں ہوتا، تفصیل پہلی حدیث میں عرض کر دی ہے، باقی مؤلف حدیث اور اہل حدیث کا، مرقاۃ ص۲۵۴ سے امام شافعی کے حوالے سے تطبیق کی حسب ذیل صورت نقل کرنا کہ دونوں ہتھیلیاں تو کندھوں کے برابر ہو جائیں اور انگوٹھے کانوں کی لو کے برابر ہو جائیں، کیونکہ ایک میں کندھوں تک اٹھانے کا ذکر ہے، دوسری میں کانوں تک اور تیسری میں کانوں کے اوپر کے حصے تک ہاتھ اٹھانے کا ذکر ہے (حدیث اور اہل حدیث ص۲۷۴)

بلاشبہ امام شافعی کے علاوہ متعدد اہل علم اور بزرگان نے یہ صورت اختیار کی ہے، مگر تطبیق کی یہ صورت محض ان کی ذاتی رائے ہے، حکم شرعی اور فرمان نبوی علیہ التحیۃ والسلام نہیں ہے، اس تطبیق کو قبول نہ کرنے کی ہم فصل اول کے آخر میں وضاحت کر چکے ہیں، اس تطبیق سے یہ بات ثابت ہوئی کہ کندھوں تک ہاتھ اٹھانا نبی مکرم ﷺ سے ثابت ہے، لہذا مؤلف کا اس پر ضد کرنا کہ نہیں یہ حدیث کی موافقت نہیں (ص۲۷۵ مفہوم) اپنے اندر تضاد و تناقض رکھتا ہے، علاوہ ازیں آپ تو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے مقلد ہیں مختلف احادیث میں جمع و تطبیق ان سے ثابت کرتے تو ایک بات تھی مگر افسوس کہ ہمیشہ تو محدثین کو پنساری کہتے ہو مگر جب مختلف احادیث میں تطبیق کی صورت آئی تو اپنے امام کی بجائے ان کے در دولت پر حاضری دی جنہیں اہل الرائے ہمیشہ پنساری کہہ کر ان کی توہین کرتے رہے ہیں، یہ مطلب براری نہیں تو اور کیا ہے، وضاحت کیجئے امام شافعی کا صرف یہاں ہی قول حجت ہے یا مسئلہ رفع یدین میں بھی حجت ہے، وہ صاف وضاحت کرتے ہیں کہ رکوع کرتے اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین کیا جائے۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث مرفوع نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔

وبھذا نقول، فنامر کل مصل اماما،او ماموما،او منفردا رجلا او المراۃ، ان یرفع یدیه اذا افتتح الصلاۃ، واذ اکبر للرکوع واذا رفع راسه، ویکون رفعه فی کل واحدۃ من ھذه الثلاث حذو منکبیه۔

یعنی یہی ہم کہتے ہیں ، اور حکم کرتے ہیں کہ ہر نمازی خواہ امام ہو، یا مقتدی ہو مرد ہو یا عورت ہو وہ جب نماز شروع کرے اور جب رکوع کے لئے تکبیر کہے اور جب رکوع سے سر اٹھائے تو رفع یدین کرے، اور ان تینوں مقامات میں ہر ایک جگہ پر کندھوں کے برابر ہاتھ اٹھائے۔

(کتاب الام ص۲۰۶ ج۱ کتاب الصلاۃ باب رفع الیدین فی التکبیر فی الصلاۃ، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ ۲۰۰۲ھ).

امام شافعی کی اس صراحت کے بالمقابل صاحب مرقاۃ کے قول کی کیا حیثیت ہے۔

(۲۸) باب سینہ پر ہاتھ باندھنا

فصل اول

(۱) عن وائل بن حجر قال صلیت مع رسول اللهﷺ ووضع یده الیمنی علی یده الیسرٰی علی صدره،

سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی تو آپ علیہ التحیۃ والسلام نے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر سینہ کے اوپر رکھا،

(صحیح ابن خذیمه ص۲۴۳ ج۱ رقم الحدیث ۴۷۹)

حنفیہ میں سے بعض حضرات کہتے ہیں کہ اس کی سند میں، مؤمل بن اسماعیل، راوی ہے اور اسے امام بخاری نے، منکر الحدیث، کہا ہے (میزان الاعتدال ص۲۲۸۹ ج۴)

مؤمل بن اسماعیل ثقہ و صدوق ہے، علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ سے جرح نقل کرنے میں خطاء ہوئی ہے، امام بخاری کی مذکورہ جرح مومل بن اسماعیل پر نہیں بلکہ مؤمل بن سعید پر ہے دیکھئے (التاریخ الکبیر ص۴۹ ج۴ قسم دوم) دراصل علامہ ذہبی کو جرح نقل کرتے وقت اشتباہ ہوا ہے کہ نظر اوپر والی سطر کی بجائے نیچے آ گئی ہے، جس کی وجہ سے انہوں نے یہ جرح مؤمل بن اسماعیل کے متعلق نقل کر دی ہے، جبکہ یہ جرح مؤمل بن سعید راوی پر ہے، واضح رہے کہ مؤمل بن اسماعیل کو امام ابن معین امام ابن سعید امام دارقطنی نے ثقہ کہا ہے امام ابو حاتم امام ساجی نے صدوق کہا ہے، ابن حبان نے ان کی توثیق کی ہے امام احمد امام علی بن مدینی وغیرہ آئمہ اس سے روایت کرتے ہیں۔

(تهذیب ص۳۸۱ ج۱۰)

(۲) عن وائل بن حجر قال حضرت رسول اللهﷺ نهض الی المسجد فدخل المحراب ثم رفع یدیه بالتکبیر ثم وضع یمینه علی یساره علی صدره،

سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا، آپ علیہ التحیۃ والسلام مسجد میں تشریف لائے اور محراب میں داخل ہوئے پھر تکبیر کہہ کر رفع یدین کیا اور دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر سینہ پر رکھا۔

(ابن عدی ص۲۱٦٦ ج٦ و بیهقی ص۳۰ ج۲)

(۳) عن هلب الطائی قال رایت النبیﷺ ینصرف عن یمینه و عن یساره و رایته قال یضع هذه علی صدره،

سیدنا ھلب طائی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی مکرم ﷺ کو دیکھا کہ وہ (نماز میں) دائیں اور بائیں سلام پھیرتے تھے اور ان (ہاتھوں کو) سینہ پر رکھتے تھے۔

(مسند احمد ص۲۲٦ ج٥)

(۴) عن طاوس قال کان النبی ﷺ یضع یدہ الیمنی علی یدہ الیسری ثم یشد بینھما علی صدرہ۔

امام طاؤس رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نبی مکرم ﷺ اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھتے پھر دونوں ہاتھ سینہ پر باندھتے تھے اور آپ علیہ التحیۃ والسلام نماز میں ہوتے تھے۔

—ابو داؤد کتاب الصلاۃ باب وضع الیمنی علی الیسری فی الصلاۃ، الحدیث ۷۵۹) و مراسیل ابو داؤد ص٦ و ابو داؤد مع عون ص۲۷٥ ج۱ و ابو داؤد مع بذل المجھود ص۲٥ ج۲) و تحفتہ الاشراف ص۲۳۷ ج۱۳ رقم الحدیث ۱۸۸۲۹)

(۵) عن سھل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ قال کان الناس یؤمرون ان یضع الرجل الید الیمنی علی یدہ الیسریٰ فی الصلوٰۃ قال ابو حازم ولا اعلم الا انہ ینمی ذلک الی النبی ﷺ۔

سیدنا سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ (زمانہ نبوی میں) لوگ حکم کیے جاتے تھے نماز میں دایاں ہاتھ بائیں کے اوپر رکھنے کا راوی ابو حازم فرماتے ہیں کہ میں سمجھتا ہوں کہ سیدنا سہل رضی اللہ عنہ اس حدیث کو نبی مکرم ﷺ تک مرفوع روایت کرتے تھے۔

(موطا امام مالک، باب وضع الیدین احدھما علی الاخریٰ فی الصلوٰۃ، و بخاری کتاب الاذان باب وضع الیمنیٰ علی الیسریٰ فی الصلاۃ، الحدیث ۷۴۰،و ابو عوانہ ص۹۷ ج۲)

(٦) عن وائل بن حجر قال قلت لا نظرن الی صلاۃ رسول اللہ ﷺ کیف یصلی؟ فنظرت الیہ فقام فکبر ورفع یدیہ حتی حاذتا باذنیہ ثم وضع یدہ الیمنیٰ علی کفہ الیسریٰ والرسغ والساعد، الحدیث۔

سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے (دل میں) کہا کہ میں رسول اللہ ﷺ کی نماز کو دیکھوں گا کیسے پڑھتے ہیں، میں نے دیکھا کہ آپ کھڑے ہوئے اور تکبیر کہی پھر دونوں ہاتھ کانوں کے برابر تک اٹھائے پھر دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ کی ہتھیلی کے گٹ اور کلائی کی پشت پر رکھا،

(نسائی کتاب الافتتاح باب موضع الیمین من الشمال فی الصلوٰۃ، الحدیث ۸۹۰) و ابو داؤد کتاب الصلاۃ باب رفع الیدین فی الصلاۃ الحدیث ۷۲۷) و ابن حبان (موارد) ۴۸٥) و ابن خذیمۃ ۴۸۰)

(۷) عن جریر الضبی قال رایت علیا رضی اللہ عنہ یمسک شمالہ بیمینہ علی الرسغ فوق السرۃ۔

امام جریر ضبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ آپ نے دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ کے گٹ کو پکڑا ہوا تھا (اور ہاتھ) ناف سے اوپر باندھے تھے۔

(ابو داؤد کتاب الصلاۃ باب وضع الیمنیٰ علی الیسریٰ فی الصلاۃ، الحدیث ۷۵۷) و ابو دائود مع عون ص۲۷۵ ج۱ ابو داؤد مع بذل المجھور ص۲۳ ج۲ و تحفۃ الاشراف ص۳٤۹ ج۷ رقم الحدیث ۱۰۰۳۰ و بیھقی ص۳۰ ج۲)

(۸) مولانا انوار خورشید صاحب نے۔ حدیث اور اہل حدیث ص۱۸۵ میں، طبرانی کبیر ص۴۲ ج۲۲ سے سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے ایک روایت کا ٹکڑا نقل کیا ہے، اس پوری روایت میں سینہ پر ہاتھ باندھنے کا ذکر بھی ہے (تفصیل گردن کے مسح میں فصل دوم میں نمبر۶ کے تحت گزر چکی ہے) گو ہم اس سے استدلال نہیں کر رہے مگر ہمارے معاصر پر یقیناً حجت ہے، کیونکہ انہوں نے اس سے استدلال کیا ہے۔

(۹) عن ابی الزبیر قال امرنی عطاء ان اسال سعیدا این تکون الیدان فی الصلوٰۃ فوق السرۃ او اسفل من السرۃ فسالتہ عنہ فقال فوق السرۃ۔

امام ابو زبیر فرماتے ہیں کہ مجھے امام عطاء بن ابی رباح نے حکم دیا کہ میں امام سعید بن جبیر سے سوال کروں کہ نماز میں ہاتھ ناف سے اوپر ہوں یا ناف سے نیچے ہوں چنانچہ میں نے ان سے سوال کیا تو آپ نے فرمایا کہ (نماز میں ہاتھوں کو) ناف سے اوپر (باندھا جائے)

(بیھقی ص۳۱ ج۲) کتاب الصلوۃ باب وضع الیدین علی الصدر فی الصلوۃ من السنۃ

(۱۰) عن مجاھد قال ان کان وضع الیمین علی الشمال فعلی کفہ أوعلی الرسغ عند الصدر۔

امام مجاہد تابعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر (نماز میں) دائیں ہاتھ کو بائیں پر رکھا جائے، خواہ ہتھیلی کو ہتھیلی پر یا گُٹ کو گُٹ پر تو یہ (ہیئت و کیفیت) سینہ کے قریب ہے۔

(التمھید لمافی الموطا من المعانی والاسانید ص۷۹ ج۲۰)

خلاصہ کلام پہلی چار مرفوع احادیث تو اپنے معنی و مفہوم میں بالکل واضح ہیں کہ نبی ﷺ نماز میں سینہ پر ہاتھ باندھا کرتے تھے، پانچویں حدیث میں وضاحت ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نبی مکرم ﷺ کی طرف سے دائیں ہاتھ کو بائیں پر رکھنے کا حکم دیا جاتا تھا۔ اور چھویں حدیث سے ثابت ہو رہا ہے کہ ہاتھ باندھنے کی کیفیت یہ تھی کہ دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ کے گٹ اور کلائی پر رکھا جاتا تھا اور ساتویں حدیث سے ثابت ہو رہا ہے کہ سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اس حکم و ارشاد پر عمل کرتے تو ہاتھ رکھنے کی جگہ ناف سے اوپر ہوتی تھی، اور امام مجاہد فرماتے ہیں کہ جب دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھا جائے تو یہ کیفیت سینہ کے قریب بنتی ہے، تجربہ کر دیکھئے کہ جب دائیں ہاتھ کو بائیں کے گُٹ اور کلائی پر رکھا جائے تو اس کی ہیئت سینہ یا کم از کم سینہ کے قریب بنتی ہے، حنفی جس طریقہ سے ہاتھ باندھتے ہیں اس

کیفیت سے دایاں ہاتھ اوپر نہیں رہتا بلکہ نیچے ہو جاتا ہے یا کم از کم بائیں کے برابر ہو جاتا ہے، حالانکہ حکم یہ ہے کہ دائیں ہاتھ کو بائیں کے اوپر رکھا جائے۔

تفسیر قرآن کی تائید

عن ابن عباس رضی اللہ عنہما فی قول الله عزوجل فصل لربك وانحر، قال وضع اليمين على الشمال فی الصلوٰة عند النحر۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرمان رب تعالیٰ، فصل لربک و انحر، کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ نماز میں دائیں ہاتھ کو بائیں کے اوپر سینہ کے قریب رکھا جائے۔ (السنن الکبریٰ للبیهقی ص ۳۱ ج ۲)

عن عقبة بن صهبان قال ان عليا رضی اللہ عنہ فی هذه الاية فصل لربك وانحر، قال وضع يده اليمنىٰ على وسط يده اليسرى ثم وضعهما على صدره۔

عقبہ بن صہبان فرماتے ہیں کہ سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے، فصل لربک وانحر، کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اس سے مراد دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر سینہ پر رکھنا ہے۔

(بیهقی ص ۳۰ ج ۲ و تاریخ کبیر للبخاری ص ۴۳۷ ج ۳ ق ۲)۔

فوق کا معنیٰ: ائمہ لغت فرماتے ہیں کہ فوق تحت، کی نقیض ہے یعنی فوق نیچے کی ضد ہے (قاموس ص ۸۲۷ ولسان العرب ص ۳۱۵ ج ۱۰) اس لغوی معنیٰ کو ملحوظ رکھا جائے، تو فوق السرة، کا یہ معنی بنتا ہے کہ ناف سے اوپر (ہاتھ باندھتے تھے) جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے،

اَوَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ فَوْقَهُمْ (الملک آیت ۱۹) کیا انہوں نے اپنے اوپر پرندوں کو نہیں دیکھا (۶۷ تا ۱۹) اس کا یہ معنیٰ نہیں کہ پرندے انسان کے سر پر بیٹھے ہوتے ہیں ایسے ہی، **فوق السرة**، کا یہ معنیٰ غلط ہے کہ ناف پر ہاتھ باندھتے۔

علمائے امت کا عمل:

حدیث صحیح وحسن کی موجودگی میں کسی بزرگ کے قول کی ضرورت تو نہ تھی لیکن انوار صاحب نے چونکہ یہاں بھی مغالطہ دیا ہے لہذا دو بزرگان اہل سنت کا ذکر کرتے ہیں۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے بیٹے عبداللہ فرماتے ہیں کہ

رايت ابی اذا صلی وضع يديه احدهما على الاخرىٰ فوق السرة،

میں نے اپنے والد کو دیکھا کہ جب نماز پڑھتے تو ایک ہاتھ دوسرے کے اوپر رکھتے اور ناف سے اوپر باندھتے تھے، (المسائل ص ۶۲ بحوالہ صفۃ صلاۃ النبی ﷺ ص ۶۱)۔

امام مروزی فرماتے ہیں کہ

كان اسحاق يوتربنا...... ويرفع يديه فى القنوت ويقنت قبل الركوع ويضع يديه على ثدييه او تحت الثديين۔

(المسائل ص۲۲۲ بحواله ايضاً)۔

یعنی امام اسحاق بن راہویہ رحمہ اللہ ہمارے ساتھ وتر پڑھتے تھے، قنوت میں رفع یدین کرتے تھے، اور قنوت رکوع سے پہلے مانگتے تھے، اور ہاتھوں کو چھاتی پر یا چھاتی کے نیچے رکھتے تھے۔

فصل دوم

(۱) اخبرنا حجاج بن حسان قال سمعت ابا مجلز اوسالته قال قلت كيف يضع قال يضع باطن كف يمينه على ظاهر كف شماله و يجعلهما اسفل من السرة۔

(مصنف ابن ابى شيبه ص۳۹۱ ج۱)

حجاج بن حسان فرماتے ہیں کہ میں نے ابومجلز رحمہ اللہ سے سنا، یا ان سے پوچھا کہ نماز میں ہاتھ کیونکر باندھے جائیں؟ انہوں نے فرمایا دائیں ہاتھ کی ہتھیلی کے اندر کے حصہ کو بائیں ہاتھ کی ہتھیلی کے اوپر کے حصہ پر رکھے اور دونوں ہاتھ ناف کے نیچے باندھے۔

(حديث اور اهل حديث ص۲۷۶)

الجواب اولاً: ابومجلز تابعی ہیں۔ اور تابعی کا قول مرفوع احادیث کے بالمقابل حجت نہیں ہوتا، مقدمہ میں تفصیل عرض کر دی گئی ہے،

ثانیاً: یہ آپ کے بھی خلاف ہے، کیونکہ حنفیہ کے نزدیک ہاتھ باندھنے کا جو طریقہ منقول ہے وہ یہ ہے کہ بائیں ہاتھ کی کلائی کو دائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی اور انگوٹھے سے پکڑے اور باقی انگلیوں کو پھیلا دے، (شرح نقایہ ص۷۲ ج۱ و مستملی ص۳۳۰) درمختار میں اسی کو ہی مختار لکھا ہے اور ابن عابدین نے اسی کو مستحسن قرار دیا ہے (فتاوی شامی ص۴۸۷ ج۱) اور عملاً حنفیت میں یہی معروف ہے، اس کیفیت سے دائیں ہاتھ کا گھٹنا بائیں ہاتھ کے گھٹنے پر آ جاتا ہے، جبکہ مذکورہ قول میں دائیں ہاتھ کی ہتھیلی کا بائیں ہاتھ کی ہتھیلی کی پشت پر رکھنا آیا ہے، جب اس کیفیت سے ہاتھ باندھے جائیں تو چھنگلی اور انگوٹھے سے کلائی نہیں پکڑی جا سکتی، فما كان جوابكم فهو جوابنا۔

ثانیاً: حنفیہ کے نزدیک ہیجڑا اور عورت کے متعلق یہ حکم ہے کہ وہ سینہ پر ہاتھ باندھے بعض کے

نزدیک چھاتی کے نیچے اور بعض کے نزدیک چھاتی کے اوپر باندھے۔

(فتاویٰ شامی ص۴۸۷ ج ۱)

مبتدعین دیابنہ کے نزدیک سینہ پر باندھنا ہی آیا ہے، (بہشتی زیور ص۱۵ حصہ دوم) جبکہ مذکورہ اثر میں مرد وعورت اور خنثیٰ کا فرق منقول نہیں، لہذا یہ آپ کے دعویٰ وعمل پر تقریب تام نہیں، بلکہ انوار خورشید صاحب نے اس فرق کی طرف مطلقاً توجہ نہیں دی، صحیح یا حسن حدیث تو کجا کوئی ضعیف وموضوع بلکہ کسی امتی کا قول بھی پیش نہیں کیا کہ مرد وعورت کے ہاتھ باندھنے کی کیفیت کا یہ فرق ہے، حالانکہ مردوں کی نسبت عورتوں کی آبادی زیادہ ہے، یا کم از کم وہ ہماری آبادی کا نصف ہیں، لیکن افسوس کہ انہوں نے نصف آبادی کو تو نظر انداز کر دیا ہے، اور آبادی کے عشر عشیر بچارے اہل حدیثوں کا رد لکھنا شروع کر دیا ہے۔

(۲) عن ابراھیم قال یضع یمینه علی شماله فی الصلوٰۃ تحت السرۃ۔

(مصنف ابن ابی شیبه ص۳۹۱ ج ۱)

حضرت ابراہیم نخعی فرماتے ہیں کہ نمازی نماز میں دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھے۔

(حدیث اور اہل حدیث ص۲۷۶)

الجواب اولاً: ابراہیم نخعی تابعی ہیں، اور مرفوع کے بالمقابل تابعی کا قول حجت نہیں ہوتا، راجع مقدمہ۔

ثانیاً: اس قول میں بھی مرد وعورت کا فرق بیان نہیں کیا گیا، علاوہ ازیں اس میں ہاتھ باندھنے کی کیفیت کا بھی ذکر نہیں،

ثالثاً: اس کی سند میں، ربیع بن صبیح، راوی ہے جو سیئی الحفظ ، ہے، (تقریب ص۱۰۱)

الغرض یہ روایت ضعیف ہے،

(۳) عن ابراھیم النخعی انه کان یضع یده الیمنی علی یده الیسریٰ تحت السرۃ،

(کتاب الاثار للامام ابی حنیفة بروایت الامام محمد ص۲۸)

حضرت امام ابراہیم نخعی سے مروی ہے کہ وہ اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھتے تھے،

(حدیث اور اہل حدیث ص۲۷۶)۔

الجواب یہ بھی ابراہیم نخعی کا ہی قول ہے، اور حنفیہ کے دعویٰ پر تقریب تام نہیں تفصیل پہلے عرض کر دی گئی ہے، علاوہ ازیں سند میں وہی علت ہے جو پہلی روایت میں تھی کہ اس کی سند میں، ربیع بن صبیح، راوی سیئی الحفظ ہے، یہاں قدرے تفصیل عرض کر دی جاتی ہے۔

امام عفان فرماتے ہیں کہ اس کی تمام مرویات مقلوب ہیں، امام یحییٰ بن سعید اس سے راضی نہ

تھے، امام ابن معین امام ابن سعد امام نسائی امام ساجی اور عقیلی نے ضعیف قرار دیا ہے، امام ابن حبان فرماتے ہیں عابد و زاہد تھا مگر احادیث میں وہم کرتا ہے اور کثرت سے روایت کرتا ہے حتی کہ اس کی مرویات میں مناکیر داخل ہوگئی ہیں، جب منفرد ہو تو حجت نہیں۔

امام شافعی فرماتے ہیں کینہ پرور تھا (تہذیب ص ۲۴۸ ج ۲)

الغرض یہ روایت ضعیف ہے،

(۴) عن علقمة بن وائل بن حجر عن ابیه قال رایت النبیﷺ یضع یمینه علی شماله فی الصلوٰة تحت السرة۔

(مصنف ابن ابی شیبه ص ۳۹۰ ج ۱)۔

حضرت علقمہ بن وائل اپنے والد وائل بن حجر سے روایت کرتے ہیں انہوں نے فرمایا میں نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیکھا کہ آپ نماز میں اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھتے تھے،

(حدیث اور اہل حدیث ص ۲۷۶)

الجواب مصنف ابن ابی شیبہ میں، تحت السرة کے الفاظ نہیں، یہ دیوبندی حضرات نے تحریف کر کے اس میں داخل کیئے ہیں، تفصیل کے لیے، دین الحق ص ۲۱۹ ج ۱ کی مراجعت کریں، یہاں پر ہم قارئین کرام کی تسلی و تشفی کے لیے، مصنف ابن ابی شیبہ، کے چند مطبوعہ نسخوں کی اصل فوٹو دے رہے ہیں، اور خطی نسخہ کا اصل بھی درج کر رہے، قارئین کرام انہیں دیکھ کر تسلی کر سکتے ہیں۔

ملحوظ: پاکستان میں سب سے اول اس تحریف کا آغاز، ادارة القرآن و العلوم الاسلامیہ، کراچی نے کیا، بعد میں جتنے بھی دیوبندی ناشرین نے نسخے شائع کیئے ان میں تحریف کر دی گئی۔

جی فی اللہ الشیخ مبشر احمد ربانی حفظ اللہ نے مجھ سے بیان کیا کہ ایک دن میں مارکیٹ میں گیا تو وہاں ایک تازہ نسخہ مصنف کا ملتان سے دیوبندی ناشر مکتبہ امدادیہ کی طرف سے چھپ کر آیا ہوا تھا میں نے دوکان پر ہی اس سے مذکورہ راویت کو دیکھا تو اس میں، تحت السرة، کے الفاظ نہ تھے، فرماتے ہیں کہ میں نے سوچا کہ پھر کسی دن اسے خرید لیں گے، اگلے روز خریدنے کے لیے دوکان پر تھا، مگر میری حیرت کی انتہاء نہ رہی کہ اس میں بھی تحریف کر دی گئی تھی کہ ایک ورق علیحدہ شائع کر کے اس میں درج کر دیا جس میں، تحت السرة کا اضافہ تھا اور بغیر اضافہ والے ورق کو درمیان سے کاٹ دیا ہوا تھا، مکتبہ امدادیہ کا تحریف سے پاک نسخہ جماعت اسلامی کے مرکز منصورہ (لاہور) میں موجود ہے۔

ملتان سے ہی ایک دیوبندی ادارہ نے مصنف کو مکرر شائع کیا ہے، جس پر ماسٹر امین کے پیش لفظ ہیں۔ اس میں بد دیانتی کی انتہاء کر دی کہ اپنے پاس سے خطی نسخہ میں، تحت السرة، کا اضافہ کیا پھر اس کی فوٹو کتاب میں شامل کر دی اور لکھا کہ یہ نسخہ پیر جھنڈا کے کتب خانہ میں ہے، حالانکہ یہ سب جھوٹ ہے،

پیر صاحب کے خطی نسخہ میں ان الفاظ کا اضافہ قطعاً نہیں، جس کا جی چاہے وہ سند میں جا کر اس کی تصدیق کر سکتا ہے۔

المصنف لابن ابی شیبہ میں تحریف

شیخ محمد عوامہ کی جسارت
تحقیق و تنقید

ابو البدر مولانا ارشاد الحق اثری (فیصل آباد)

مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت وائل بن حجر کی حدیث نماز میں ہاتھ باندھنے کے حوالے سے ایک عرصہ سے موضوع بحث بنی ہوئی ہے کہ اس میں "تحت السرة" کے الفاظ ہیں یا نہیں؟ المصنف کی پہلی جلد سب سے پہلے ہندوستان سے مولانا ابو الکلام اکادمی حیدر آباد سے ۱۳۸۶ھ بمطابق ۱۹۶۶ء میں طبع ہوئی۔ اس کے (ج:۱،ص:۳۹۰) پر یہی حدیث ہے۔ مگر اس میں "تحت السرة" کے الفاظ نہیں ہیں۔ اس کا عکس دوبارہ الدار السّلفیہ بمبئ سے طبع ہوا۔ لیکن اسی نسخہ کو جب ادارة القرآن کراچی کے کار پردازان نے شائع کیا تو اس میں پورے صفحہ کے الفاظ کے مقابلے میں جلی حروف سے "تحت السرة" کا اضافہ کر دیا۔ جسے ہر انسان بچشم خود دیکھ سکتا ہے۔

اس کے بعد طیب اکادمی ملتان اور مکتبہ امدادیہ ملتان کے منتظمین نے استاد سعید اللحام کی تحقیق سے مصنف ابن ابی شیبہ کا نسخہ شائع کیا، اور انہوں نے بھی اپنی جانب سے اس حدیث میں "تحت السرة" کا اضافہ کیا۔ بددیانتی اور تحریف کی انتہا دیکھیے کہ استاذ سعید اللحام کی تحقیق سے یہی نسخہ اس سے قبل دار الفکر بیروت نے شائع کیا مگر اس میں یہ اضافہ قطعاً نہیں۔ ارباب طیب اکادمی نے مکتبہ راشدیہ پیر آف جھنڈا سندھ کے نسخہ مخطوطہ مصنف ابن ابی شیبہ کے متعلقہ صفحہ میں جو شرم ناک تحریف کر کے اس کا عکس شائع کیا وہ ظلمات بعضها فوق بعض کا مصدق ہے۔ فالی الله المشتكى۔

اور اب حال ہی میں ۱۴۲۷ھ بمطابق ۲۰۰۶ء میں المصنف کا ایک ایڈیشن شیخ محمد عوامہ کی تحقیق سے دارالقبلہ مؤسسة علوم القرآن سے شائع ہوا ہے اور اس میں بھی "تحت السرة" کا اضافعہ کر دیا گیا ہے۔ دارة القرآن، کراچی کا یہ اقدام تو سراسر چوری اور سینہ زوری کا مصداق ہے کس نسخہ کی بنیاد پر انہوں نے یہ جسارت کی؟ اس بات کی کوئی وضاحت انہوں نے نہیں کی، طیب اکادمی ملتان کی کارستانی ہی ان کی کذب بیانی کی دلیل ہے جیسا کہ ابھی ہم نے اشارہ کیا ہے۔ البتہ شیخ محمد عوامہ نے دو نسخوں کی بنیاد پر "تحت السرة" کا اضافہ کیا۔ ان میں ایک نسخہ شیخ محمد عابد سندھی کا ہے اور دوسرا شیخ محمد مرتضی الزبیدی کا ہے۔ چناں چہ اسی حدیث (رقم: ۳۹۵۹، ج:۳،ص:۳۲۰) کے تحت انہوں نے لکھا ہے۔

"تحت السرة زيادة ثابتة فى ت، ع كما يرى القارى الكريم صورتهما فى مقدمة هذا المجلد"

"کہ "تحت السرة" کی زیادتی نسخہ "ت" اور "ع" میں ثابت ہے، جیسا کہ محترم قاری اس جلد کی ابتدا میں ان دونوں نسخوں کا عکس دیکھتا ہے۔"

"ت" سے مراد علامہ محمد مرتضیٰ الزبیدی کا نسخہ ہے، اور "ع" سے شیخ محمد عابد سندھی کا نسخہ مراد ہے۔ شیخ محمد عوامہ کے ارشاد کے مطابق ہم نے ان دونوں نسخوں کا عکس بھی دیکھا، اور ان دونوں نسخوں کا جو تعارف انہوں نے المصنف کے نسخوں کی تفصیل کے ضمن میں پیش کیا اسے بھی دیکھا۔ لیکن انہی کی تفصیلات کے مطابق "تحت السرة" کا یہاں اضافہ صحیح نہیں۔ کیوں کہ شیخ محمد عابد سندھی مرحوم کے نسخہ کے مطابق خود شیخ محمد عوامہ نے وضاحت کر دی ہے کہ

"هى نسخة للاستئناس لا للاعتماد عليها"

"کہ یہ نسخہ مانوس ہونے کے لیے ہے، اس پر اعتماد کے طور پر نہیں۔" (ص:۲۷)

لہٰذا جب اس نسخہ کی یہ غیر یقینی پوزیشن خود انہوں نے بیان کر دی ہے تو پھر اس پر "اعتماد" محض مسلکی حمیت کا شاخسانہ نہیں تو اور کیا ہے؟ یہ نسخہ قابل اعتماد کیوں نہیں؟ اس کا ارشاد بھی انہوں نے خود کر دیا ہے؟ یہ "ليست بخطه" خود شیخ محمد عابد سندھی کے ہاتھ کا لکھا ہوا نہیں بلکہ انہوں نے اسے محسن بن محسن الزراقی سے ۱۲۲۹ھ میں لکھوایا تھا۔ شیخ سندھی نے اس کی ابتدا میں صرف اس کے ابواب کی فہرس لکھی ہے۔ اس نسخہ کا تقابل اصل نسخہ سے ہوا؟ اور جس اصل سے شیخ سندھی کے لیے نسخہ نقل کیا اس کی استنادی پوزیشن کیا ہے؟ یہ تفصیل بھی شیخ محمد عوامہ نے نہیں لکھی، بظاہر یہ تفصیلات بھی مفقود ہیں جس سے مزید اس نسخہ کے ناقابل اعتماد ہونے کی تائید ہوتی ہے۔

رہا دوسرا نسخہ جو شیخ محمد مرتضیٰ الزبیدی الحنفی کا ہے جس کے بارے میں خود انہوں نے لکھا ہے کہ کئی مقامات پر علامہ عینی رحمہ اللہ کے اس پر حواشی ہیں اور یہی نسخہ شیخ قاسم بن قطلو بغا کے پیش نظر تھا اور اسی نسخہ سے شیخ قاسم نے "التعريف والاخبار بتخرج احاديث الاختيار" میں یہ حدیث بھی نقل کی ہے اور اس کی سند کو جید قرار دیا ہے۔ اس نسخہ کے بارے میں بھی فرمایا ہے کہ "والاعتماد عليها مفيد" اس پر اعتماد مفید ہے۔ گویا اس پر بھی اعتماد یقینی نہیں، اعتماد کی گنجائش ہے۔ مگر اس نسخہ میں بھی وہی نقص ہے جس کی طرف علامہ محمد حیات سندھی نے "فتح الغفور فى وضع الأيدى على الصدور" میں اشارہ کیا ہے۔ چناں چہ ان کے الفاظ ہیں:

"فى ثبوت زيادة تحت السرة نظر، بل هى غلط، منشأه السهو، فانى راجعت نسخة صحيحة للمصنف فرأيت فيها هذا الحديث بهذا السند وبهذا اللفظ الا انه ليس فيها تحت

السرة و ذكر فيها بعد هذا الحديث اثر النخعي ولفظه قريب من لفظ هذا الحديث، وفي آخره "في الصلاة تحت السرة" فلعل بصر الكتاب زاغ من محل الى آخره، فادرج لفظ الموقوف في المرفوع، ويدل على ما ذكرت ان كل النسخ ليست متفقة على هذه الزيادة، وأن غير واحد من اهل الحديث روى هذا الحديث ولم يذكر "تحت السرة" بل ما رأيت ولا سمعت أحداً من اهل العلم ذكر هذا الحديث بهذه الزيادة الا القاسم"

(فتح الفور، ص:۷۷،۷۸۔ المطبوعة: ۱۹۷۷ بتحقيق الشيخ ضياء الرحمن الاعظمی)

"تحت السرة" کی زیادت میں نظر ہے، بلکہ یہ زیادت غلط ہے اور اس کا سبب سہو ہے۔ میں نے مصنف ابن ابی شیبہ کا صحیح نسخہ دیکھا ہے جس میں یہ حدیث اسی سند اور انہی الفاظ سے ہے مگر اس میں "تحت السرة" کے الفاظ نہیں۔ اس حدیث کے بعد ابراہیم نخعی کا اثر تقریباً انہیں الفاظ سے ہے جو حدیث کے الفاظ ہیں اور اس کے آخر میں ''في الصلاة تحت السرة'' کے الفاظ ہیں۔ غالباً کاتب کی نظر حدیث سے اس اثر کے آخری حصہ پر چلی گئی جس کی بنا پر موقوف کا لفظ مرفوع میں درج کر دیا اور یہ جو میں نے ذکر کیا ہے اس پر یہ بات دلالت کرتی ہے کہ المصنف کے نسخے اس زیادت کے نقل کرنے میں متفق نہیں ہیں اور بہت سے محدثین نے یہ حدیث بیان کی ہے مگر وہ "تحت السرة" کے الفاظ ذکر نہیں کرتے، بلکہ میں نے شیخ قاسم کے علاوہ کسی عالم سے یہ روایت اس زیادت کے ساتھ نہ سنی، نہ ہی کہیں دیکھی۔''

یہی بات علامہ محمد حیات سندھی نے "درة في اظهار غش نقد الصرة" میں بھی کہی ہے۔ چناں چہ ان کے الفاظ ہیں:

"روى هذا الحديث ابن ابی شيبة وروى بعده اثر النخعي ولفظهما قريب وفي آخر الاثر لفظ تحت السرة، واختلفت نسخه، ففي البعض ذكر الحديث مطلقا من غير تعيين محل الوضع مع وجود الاثر المذكور، و في البعض وقع الحديث المرفوع بزيادة لفظ تحت السرة بدون اثر النخعي، فيحمل ان هذه الزيادة منشأها ترك الكتاب سهوا نحو سطر في الوسط واذراج لفظ الاثر في المرفوع۔" (درة، ص:۵)

''یہ حدیث ابن ابی شیبہ نے بیان کی ہے اور اس کے بعد ابراہیم نخعی کا اثر بیان کیا ہے، اور ان دونوں کے الفاظ ایک جیسے ہیں اور ابراہیم نخعی کے اثر کے آخر میں "تحت السرة" کے الفاظ ہیں۔ ابن ابی شیبہ کے نسخے مختلف ہیں۔ چناں چہ بعض میں ابراہیم نخعی کے اثر کے ساتھ ساتھ ہاتھ باندھنے کی تعیین کے بغیر مطلقاً حدیث کا ذکر ہے اور بعض نسخوں میں مرفوع حدیث کے ساتھ "تحت السرة" کے الفاظ ہیں ان میں ابراہیم نخعی کا اثر نہیں ہے۔ اس لیے یہ احتمال ہے کہ مرفوع حدیث میں زیادت کا

تب کے سہو کا نتیجہ ہے۔ جس سے درمیان میں ایک سطر کے قریب عبارت رہ گئی اور ابراہیم نخعی کے اثر کے الفاظ مرفوع حدیث میں درج ہو گئے۔"

علامہ سندھی نے یہ بات جو بتکرار کہی بالکل یہی صورت شیخ محمد مرتضیٰ الزبیدی کے نسخہ کی ہے اور یہی نسخہ اس سے قبل علامہ قاسم بن قطلوبغا کے پاس تھا جیسا کہ شیخ محمد عوامہ نے تصریح کی ہے، ور اس نسخہ میں صرف مرفوع حدیث ہے حضرت ابراہیم نخعی کا اثر اس سے ساقط ہے۔ جیسا کہ اس عکس سے نمایاں ہوتا ہے جو شیخ محمد عوامہ نے المجلد الثالث کے ساتھ شائع کیا ہے۔ اس لیے جب اس میں سے ابراہیم نخعی کا اثر ساقط ہے تو اس سے علامہ محمد حیات سندھی کی حرف بحرف تائید ہوتی ہے۔ کہ کاتب کی صرف نظر اثر نخعی میں "تحت السرة" کے الفاظ مرفوع روایت کے ساتھ لکھ دیے گئے ہیں، اور درمیان میں اثر کے الفاظ مع سند ساقط ہو گئے ہیں۔ مگر شیخ محمد عوامہ کی اس سے تشفی نہیں ہوئی۔ انھوں نے اس اشکال کا جواب دیا وہ بڑا مضحکہ خیز اور تعجب ناک ہے۔ ان کے الفاظ ہیں:

"ان هذا تظنن وتشكك يفرح به اعداء الله والاسلام، لوفتح لما بقى لنا ثقة بشيء من مصادر ديننا، و مع ذلك فما ذا نفعل بثبوت ذلك كله فى نسخة الشيخ محمد عابد السندهى، التى فيها الحديث ولاثر، وفى آخر كل منهما تحت السرة۔" (ج:۳، ص ۳۲۱)

"اس شک اور گمان سے اللہ تعالیٰ اور اسلام کے دشمن خوش ہوں گے، اگر یہ دروازہ کھول دیا جائے تو ہمارے مصادر دینیہ کا کچھ بھی باقی نہیں رہے گا۔ علاوہ ازیں پھر ہم کیا کریں گے جب کہ یہ سب شیخ محمد عابد سندھی رحمہ اللہ کے نسخہ میں ثابت ہے جس میں اثر اور حدیث دونوں ہیں اور دونوں کے ساتھ "تحت السرة" کے الفاظ ہیں۔"

ہم شیخ محمد عوامہ سے گذارش کرتے ہیں کہ وہ ایمانداری سے بتلائیں کہ کیا قلمی نسخوں اور مطبوعہ کتابوں میں اس نوعیت کی کاتبوں کے صرف نظر کی مثالیں نہیں پائی جاتیں؟ اور نقل عبارت میں اس قسم کا تسامح نہیں ہوتا؟ قارئین کرام کی تشفی کے لیے ہم اس کی چند مثالیں عرض کرتے ہیں۔

۱۔ مسند امام احمد (ج:۱، ص:۳۲۷) مطبعہ میمنیہ، طبع دار احیاء التراث اور طبع المکتب الاسلامی بیروت، رقم:۳۰۱۲ میں ایک حدیث کی سند اور اس کا متن یوں ہے:

"ثنا سليمان بن داود ثنا عباد بن منصور عن عكرمة عن ابن عباس ان رسول الله ﷺ وقف بجمع فلما اضاء كل شيء قبل ان تطلع الشمس افاض۔"

(المسند، ج:۱، ص:۳۲۷، رقم:۳۰۱۲)

مسند امام احمد کی تینوں طبعات میں یہ روایت اسی طرح مندرج ہے۔ حالاں کہ معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے۔ چناں چہ صحیح صورتِ حال یہ ہے کہ اس سند کا متن اور اس کے مابعد روایت کی سند کا

کچھ حصہ کاتب کے سہو سے حذف ہو گیا ہے۔ اصل سند اور متن یوں ہے:

”حدثنا سليمان بن داود حدثنا عباد بن منصور عن عكرمة (عن ابن عباس ان رسول الله ﷺ بعث إلى ابی طيبة عشاءً فجمعه و اعطاء أجره، حدثنا ابو داود عن زمعة عن عكرمة) عن ابن عباس ان رسول الله ﷺ وقف بجمع فلما أضاء كل شيء قبل أن تطلع الشمس افاض۔“

مسند امام احمد جو بیت الافکار الدولیۃ، الریاض سے ایک ہی جلد میں طبع ہوئی اس کے (ص:۲۷۰) پر یہ روایت ہے، اور محقق نے اشارہ کیا ہے کہ مسند احمد مطبوعہ مطبع میمنیہ میں پہلی سند کا کچھ حصہ اور اس کا متن اور دوسری سند کا ابتدائی حصہ کاتب کی غلطی سے ساقط ہو گیا ہے۔ قوسین میں ہم نے اسے واضح کر دیا ہے۔ کاتب کی نظر پہلی سند میں عکرمہ کے بعد دوسری سند میں عکرمہ پر پڑ گئی اور دوسری سند کا متن پہلی سند کے متن سے ملا دیا۔

دوسری روایت علامہ ابن جوزی نے (التحقیق، ج:۳،ص:۴۷۵) حافظ ابن حجرؒ نے اطراف المسند (ج:۳،ص:۲۰۰) اور علامہ زیلعی نے نصب الرایہ (ج:۴،ص:۴۷) میں اسی طرح نقل کی ہے۔ یعنی ”ابو داؤد عن زمعة عن عكرمة“ سے، اور محشی نے حاشیہ میں اس بات کا اظہار کیا ہے کہ مسند امام احمد (ج:۱،ص:۳۲۷) میں یہ روایت اس سند سے نہیں بلکہ ”سليمان بن داود ثنا عباد بن منصور عن عكرمة“ سے ہے۔ ان کے الفاظ ہیں:

”لم أجد حديث ابن عباس في مسند احمد بهذا السند، بل اسناده هكذا: حدثنا عبد الله حدثنى ابى ثنا سليمان بن داود ثنا عباد بن منصور عن عكرمة عن ابن عباس، الحديث۔“

جس طرح مسند احمد میں عکرمہ سے کاتب کی نظر نیچے کی سطر میں عکرمہ پر پڑی اور درمیانی حصہ حذف ہو گیا۔ بعینہ المصنف میں علامہ الزبیدی کے نسخہ میں مرفوع روایت لکھتے ہوئے ”فی الصلاۃ“ سے نظر نیچے کی سطر میں ابراہیم نخعی کے اثر میں ”فی الصلاۃ“ پر پڑی اور مرفوع کے ساتھ اس کے بعد کے الفاظ ”تحت السرة“ لکھ دیے گئے اور درمیان میں ابراہیم نخعی کے اثر کی سند اور اسی کے متن کا ابتدائی حصہ سہو کاتب کی نظر ہو گیا۔ اگر اس سیدھی سی بات سی مصادر دینیہ پر سے اعتماد اٹھ جانے کا خطرہ ہے تو مسند امام احمد پر اعتماد چہ معنی دارد؟ مسند احمد میں یہی ایک حدیث نہیں اہل علم خوب جانتے ہیں کہ مطبع میمنیہ میں بہت سی احادیث ساقط ہیں۔ مگر کسی نے اختلاف نسخ کو بد اعتمادی پر محمول نہیں کیا۔ شیخ محمد عوامہ ان حقائق سے بے خبر نہیں مگر عصبیت مذہبی اس کے قبول سے مانع ہے۔

۲۔ مسند امام احمدؒ پر ہی موقوف نہیں جامع ترمذی جیسی متداول اور داخل نصاب کتاب کے اکثر نسخوں میں ”باب مناقب معاذ بن جبل و زید بن ثابت و ابی بن کعب و ابی عبیدہ رضی اللہ عنہم“ میں امام

ترمذی رحمۃ اللہ علیہ، قتادۃ عن انس سے ایک روایت "ارحم امتی بامتی ابو بکر، الحدیث" لاتے ہیں اور اس کے بعد فرمایا ہے:

"وقد رواه ابو قلابة عن انس عن النبی ﷺ نحوه، حدثنا محمد بن بشارنا عبد المجید الثقفی نا خالدا الحذاء عن ابی قلابة عن انس بن مالك قال قال رسول الله ﷺ لأبی بن کعب ان الله امرنی ان اقرأ علیك لم یکن الذین کفروا۔" الخ

(ترمذی مع التحفة، ج:٤، ص:٣٤٤)

حالاں کہ یہ روایت اس سند سے قطعاً نہیں بلکہ اس سند سے "ارحم امتی بامتی ابوبکر، الحدیث" ہی مروی ہے، اور حدیث "قال رسول الله ﷺ لأبی بن کعب ان الله امرنی" کی سند یوں ہے:

"حدثنا محمد بن بشار ثنا محمد بن جعفر حدثنا شعبة قال سمعت قتادة بحدث عن انس"

کاتب کی غلطی سے پہلی سند نقل کرتے ہوئے بعد کی سندم میں "عن انس" پر پڑی اور درمیان میں پہلی سند کا متن، جو "ارحم امتی، الحدیث" کے الفاظ سے تھا، اور دوسری حدیث کی سند حذف ہوگئی۔ علامہ المزی رحمۃ اللہ علیہ نے تحفۃ الاشراف (ج:۱، ص:۲۵۹، ۳۲۵) میں اس غلطی پر خبردار کیا بلکہ یہ بھی فرمایا کہ حافظ ابن عساکر نے بھی یہ روایت اسی طرح غلط سند سے نقل کی ہے، اور صراحت کی ہے کہ "قد دخل علیه حدیث فی حدیث"، ترمذی کے اکثر نسخوں میں یہ روایت اسی طرح ہے البتہ علامہ ابن العربی کی شرح عارضۃ الاحوذی (ج:۱۲، ص:۲۰۲، ۲۰۳) میں اور دکتور بشار عواد کی تحقیق سے دار الغرب الاسلامی سے جو نسخہ شائع ہوا اس کی (ج:۶، ص:۱۲۷، ۱۲۸) میں یہ درست سند اور متن سے منقول ہے۔

کتب حدیث ہی میں نہیں رجال کی کتابوں میں بھی اسی نوعیت کا سہو موجود ہے۔ چناں چہ لسان المیزان میں ہے:

"محمد بن عبد الله عن معاویة بن ابی سفیان قال فذکر حدثنا منکراً فی مدمن الخمر لا یعرف انتهی۔"

(لسان المیزان، ج:٥، ص:٢٢٤)

اب میزان الاعتدال سے اصل عبارت ملاحظہ فرمائیں اور غور کریں کہ حقیقت کیا سے کیا ہوگئی ہے۔

محمد بن عبداللہ بن معاویہ بن سفیان قال فذکر حدیثاً" لایعرف، محمد بن عبداللہ عن ابیہ قال فذکر حدیثا، منکرا فی مدمن الخمر لا یعرف" (المیزان ص۶۰۳ ج۳)

غور فرمایا آپ نے کہ لسان میں "محمد بن عبد الله عن ابیه" کا ترجمہ کاتب کے سہو سے گر گیا ہے۔ پہلی سطر میں "فذکر حدیثا" سے دوسری سطر میں لکھے ہوئے، "فذکر حدیثا" الفاظ پر نظر چلی

گئی اور یوں درمیان کا حصہ ساقط ہو گیا جیسا کہ قوسین سے ہم نے واضح کر دیا ہے۔ ''بن معاویة بن سفیان'' کا عن معاویة بن ابی سفیان ہو جانا تو معمولی مسئلہ ہے۔

کتب احادیث اور کتب رجال میں اس نوعیت کی متعدد مثالیں ہمارے پیش نظر ہیں۔ ہمیں تو صرف یہ عرض کرنا ہے کہ کاتب سے اس قسم کا تغافل وتسامح ناممکن نہیں۔ اصول حدیث میں کتابت کے اصول اور کتاب کے معتبر ہونے کے لیے جو اصل سے تقابل وغیرہ کی شروط کا ذکر ہے وہ انھی خطرات کی بنا پر ہے۔ کاتب کی اس نوعیت کی غفلت کا کوئی مبتدتو انکار کر سکتا ہے مگر حیرت ہے کہ شیخ محمد عوامہ بھی اس حقیقت کا انکار کرتے ہیں۔ بلکہ اسے مصادر دین پر عدم اعتماد کا باعث قرار دیتے ہیں۔ حالاں کہ اس نوعیت کی بشری لغزشوں سے تو کیا وضاعین کی دسیسہ کاریوں کے باوجود آج تک کسی صاحب علم نے مصادر دین پر شک نہیں کیا۔ یہ تو ایک دو لفظوں یا سطروں کی بات ہے وضاعین نے کتابوں میں کیسے کیسے تبدیلی کی، رسائل لکھ کر ائمہ اسلام کی طرف انہیں منسوب کیا، کتابیں مستعار لے کر ان میں حک و اضافہ کرتے رہے۔ مگر ان کی ان تمام کارستانیوں کے باوجود کسی قابل اعتماد عالم نے مصادر دین میں شک و ریب کے ڈورے نہیں چھوڑے محدثین اور اہل علم نے ہر دور میں دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کر دکھایا۔ مگر افسوس ہے کہ شیخ محمد عوامہ کو سہو کاتب میں مصادر دین مجروح ہوتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں۔

ہماری اس مختصر وضاحت سے یہ بات نصف النہار کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ کاتب کا سہو اور تسامح ناممکن نہیں علامہ محمد حیات سندھی نے جو بات المصنف میں ''تحت السرة'' کی زیادة کے بارے میں کہی ہے وہ ایک واضح حقیقت ہے اور اس جیسے تسامح کی اور بھی متعدد مثالیں موجود ہیں۔

اب رہی یہ بات کہ شیخ محمد عابد سندھی کے نسخہ میں جب مرفوع حدیث اور ابراہیم نخعی کے اثر کے ساتھ دونوں جگہ پر ''تحت السرة'' کے الفاظ ہیں تو اس سے اس خدشہ کا جواب ہو جاتا ہے جس کا اظہار علامہ محمد حیات سندھی نے کیا ہے۔ ہمیں رہ رہ کر شیخ محمد عوامہ پر تعجب ہوتا ہے کہ وہ ایک طرف مقدمہ کتاب میں نسخوں کی تفصیل بیان کرتے ہوئے صاف صاف فرماتے ہیں شیخ محمد عابد کا نسخہ قابل اعتماد نہیں۔ اس سے صرف ہم مانوس ہو سکتے ہیں۔ لیکن یہاں اسی نا قابل اعتماد نسخہ پر بڑے رسوخ سے اعتماد کا اظہار کرنے میں کوئی عار محسوس نہیں کرتے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

ہم حیران ہیں کہ جس نسخہ کو شیخ محمد عوامہ نے خود نا قابل اعتماد قرار دیا، اس پر یہ اعتماد کیسا؟ اور اس کے مقابلے میں جن چار نسخوں میں یہ زیادت نہیں ان پر عدم اعتماد کیوں کر؟ حالاں کہ ان نسخوں میں ایک نسخہ وہ ہے جس کے بارے میں خود شیخ عوامہ نے فرمایا ہے: ''ھي اقدم نسخة وقفت علیھا'' کہ یہ سب سے قدیم نسخہ ہے جو ۶۴۸ھ میں لکھا ہے اس کا خط بھی بڑا واضح اور صاف ہے۔ اس کا ناسخ بھی ''متقن'' ہے اور یہ نسخہ بھی اصل سے مقابلہ شدہ ہے۔ (ص:۳۸، ۳۹) جس کی علامت انہوں نے

''خ'' دی ہے۔ اس سب سے صحیح اور قدیم نسخہ پر اعتماد کیوں نہیں؟ تین مزید نسخوں سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے۔ ان چار نسخوں پر تو اعتماد کا اظہار کرتے ہیں اس پر اعتماد کو پھر مذہبی طبیعت کا شاخشانہ نہ کہا جائے تو اور کیا کہا جائے؟

گل دیگر شگفت

یہی نہیں بلکہ مزید تعجب ناک بات یہ ہے کہ ان دو نسخوں (علامہ محمد عابد سندھی اور علامہ زبیدی کے نسخوں) کے علاوہ ''ثلاث'' تین اور نسخے بھی اس زیادت کے مؤید ہیں۔ وہ نسخے کون سے ہیں ان کے الفاظ ہیں:

"نسخة العلامة قاسم، وقد تكون هي هي نسخة" ت، ونسخة العلامة عبد القادر بن ابى بكر الصديقي مفتى مكة المكرمة، و نسخة العلامة محمد اكرم السندهي، نقل ذلك منها العلامة محمد هاشم التتوى السندى فى رسالته تر صيع الدرة على درهم الصر۔"

(حاشية المصنف، ج:۳، ص:۳۲۱)

''ایک نسخہ علامہ قاسم کا اور یہ وہی ت یعنی علامہ الزبید) والا نسخہ ہے۔ دوسرا علامہ عبد القادر الصدیقی مفتی مکہ مکرمہ کا، اور تیسرا نسخہ علامہ محمد اکرم السندھی کا جیسا کہ ان سے علامہ محمد ہاشم ٹھٹھوی سندھی نے اپنے رسالہ "**ترصیع الدرة علی درهم الصرة**" میں نقل کیا ہے۔''

حیرت ہے کہ علامہ قاسم کے نسخہ کو علامہ زبیدی والا نسخہ قرار دینے کے باوجود اسے ایک اور نسخہ کیوں کر باور کرایا جاتا ہے؟ پھر اس نسخہ کو شیخ عابد کے نسخہ کا مؤید قرار دینا بھی ظلمات بعضها فوق بعض کا مصداق ہے۔ جب شیخ قاسم کے نسخہ میں اثر نخعی نہیں ہے تو یہ شیخ عابد کے نسخہ کا مؤید کیوں کر بن گیا؟ صرف اسی وجہ سے کہ اس میں ''تحت السرة'' مرفوع روایت کے ساتھ ہے۔ اگر یہ زیادت مرفوع میں صحیح ہے تو اثر نخعی کے ساقط ہونے کا انکار اتنی دیدہ وری سے کیوں ہے؟ اور یہ قابل اعتماد نسخہ کیوں کر ہے؟ جب آپ نے خود فرمایا ہے کہ ''اس نسخہ پر اعتماد مفید ہے۔'' تو اب اس پر یہ کامل اعتماد علم کی کون سے خدمت ہے؟

رہا علامہ محمد اکرم سندھی کا نسخہ تو اس کے ذکر کرنے میں بھی شیخ محمد عوامہ نے دیانت و امانت کا مظاہرہ نہیں کیا۔ کیوں کہ جس کتاب کے حوالے سے انہوں نے اس نسخہ کا ذکر کیا اسی کتاب میں شیخ محمد ہاشم سندھی نے فرمایا ہے:

"اذ الظاهر فى نسخة الشيخ محمد اكرم ان لفظة تحت السرة من تتمة الحديث كما هو الموجود الأن فيها وان اثر النخعى ساقط منه بتمامه مع لفظة تحت السرة۔"

(ترصيع الدرة على درهم الصرة، ص:۷)

''ظاہر ہے کہ شیخ محمد اکرم کے نسخہ میں "تحت السرة" کے الفاظ حدیث کا تتمہ ہیں جیسا کہ اب بھی اس میں موجود ہے اور اس سے اثر نخعی "تحت السرة" کے ساتھ مکمل طور پر ساقط ہے۔''

لیجیے جناب! شیخ محمد اکرم کے نسخے کا پردہ تو خود شیخ محمد ہاشم نے چاک کردیا۔ اس میں بھی وہی نقص اور عیب ہے جو شیخ قاسم اور بعد میں علامہ الزبیدی کے نسخہ میں ہے۔ اب انصاف شرط ہے کہ یہ "تحت السرة" کے صحیح ہونے کا مؤید کیسے ہوا؟ جیسا کہ قبل ازیں ہم وضاحت کر آئے ہیں۔

رہا علامہ عبدالقادر مفتی مکہ مکرمہ کا نسخہ تو اس کے بارے میں بلاشبہ شیخ محمد ہاشم نے لکھا ہے کہ اس میں مرفوع اور اثر نخعی دونوں ہیں اور دونوں میں "تحت السرة" کے الفاظ ہیں۔ مگر انہوں نے یہ قطعاً ذکر نہیں کیا کہ یہ نسخہ کس نسخہ سے منقولہ ہے اور اس کا ناسخ کون ہے۔ یہ اصل سے مقابلہ شدہ اور قابل اعتماد ہے یا نہیں؟ جب تک یہ امور ثابت نہ ہوں اس پر اعتماد اہل علم کی شان نہیں۔ ایسے نسخہ سے استدلال محض ''ڈوبتے کو تنکے کا سہارا'' کا مصداق ہے۔

عذر گناہ بدتر از گناہ

شیخ محمد عوامہ نے "تحت السرة" کے ''ثبوت'' اور ''تین نسخوں'' میں اس کے ''وجود'' پر بحث کے بعد یہ بھی ضروری سمجھا کہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی کی جانب سے شائع ہونے والے المصنف کے نسخہ میں "تحت السرة" کے اضافہ کی شرم ناک تحریف کو ثابت کیا جائے۔ چنانچہ اس حوالے سے انہوں نے فرمایا کہ ادارۃ القرآن کے منتظم شیخ نور احمد نے مجھ سے حرم نبوی میں ذکر کیا کہ المصنف کے نسخہ میں "تحت السرة" کا اضافہ شیخ محمد ہاشم کی تحقیق کی بنیاد پر کیا ہے جو انہوں نے ''ترصیع الدرۃ'' میں کی ہے اور فرمایا ہے کہ تین خطی نسخوں میں یہ اضافہ موجود ہے۔ اس سے انہیں مکمل اطمینان ہوا تو "تحت السرة" کا اضافہ کردیا۔ انہوں نے کوئی رسول اللہ ﷺ پر کذب کی جرأت نہیں کی اور نہ ہی انہوں نے مذہب کی تائید میں نص کو بدلا ہے۔'' (ملخصاً حاشیه، ج:۳، ص:۳۲۱، ۳۲۲)

عرض ہے کہ یہی بات راقم سے خود مولانا نور احمد صاحب نے ذکر کی تھی۔ راقم استاذی مکرم حضرت مولانا محمد عبداللہ محدث فیصل آبادی نور اللہ مرقدہٗ کے ہمراہ کتابوں کی خریداری کے لیے ادارۃ القرآن میں پہنچا۔ حضرت الاستاذ تو کتابوں کی تلاش میں مصروف ہوگئے اور یہ ناکارہ مولانا نور محمد کے پاس کھڑا ہوگیا اور انہوں نے المصنف کے بارے میں وہی بات بتائی جو شیخ محمد عوانہ نے ذکر کی۔ اس کے کچھ عرصہ بعد ۱۴۰۷ھ بمطابق ۱۹۸۷ء میں سب سے پہلے راقم ہی نے اس تحریف سے عالم اسلام کو خبردار

کیا۔ چنانچہ مسلک محدثین کے معروف ترجمان ہفت روزہ ''الاعتصام'' کی ۲۰ جمادی الثانی ۱۴۰۷ھ، ۲۰ فروری ۱۹۸۷ء کی اشاعت میں اس حوالے سے مفصل مضمون شائع کروایا جو بعد میں راقم ہی کے ''مقالات'' کی جلد اول میں طبع ہوا۔

قابل غور بات یہ ہے کہ مولانا نور محمد مرحوم نے جو فرمایا کیا اس کی بنیاد پر ''تحت السرة'' کا اضافہ درست اور صحیح ہے؟ جس مطبوعہ نسخہ کا عکس انہوں نے شائع کیا۔ اس کی دو اشاعتوں میں یہ اضافہ بہر حال نہیں جیسا کہ پہلے ہم عرض کر آئے ہیں۔ اس نسخہ کی تصویر میں یہ اضافہ جو کمپوز میں دوسرے حروف سے نمایاں ہے اور اپنے جعلی اور محرف ہونے کی چغلی کھا رہا ہے۔ کیا کتب حدیث میں سقط اور نقص کو دور کرنے کا کوئی ضابطہ ہے یا نہیں؟

المحدث الفاصل بین الراوی والواعی، الجامع لأخلاق الراوی و آداب السامع، الالماع۔ مقدمه ابن الصلاح اور اصول حدیث کی دیگر کتب میں تصحیح والحاق کا کوئی قاعدہ نہیں؟ اگر ہے تو اسے نظر انداز کر کے بے لگام اس کا اضافہ تحریف نہیں تو اور کیا ہے؟

''المصنف'' مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی کی تحقیق و مراجعت سے مکتبہ امدادیہ مکہ مکرمہ سے شائع ہوئی۔ انہوں نے مرفوع روایت جوں کی توں ''تحت السرة'' کے بغیر نقل کی، اور ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کا اثر قوسین میں یوں نقل کیا:

(۳۹۰۷۔حدثنا وكيع عن ربيع عن ابی معشر عن ابراهيم قال: يصع يمينه على شماله في الصلاة تحت السرة۔)

اسی اثر پر حاشیہ نمبر (۱) کے تحت انہوں نے لکھا ہے:

''سقط من الاصل اِلاّ آخره مدرجاً فيما فوقه واستدركته من ب والحيدر آبادية۔'' (ص:۳۵۱)

کہ یہ اثر اصل نسخہ میں ساقط ہے۔ مگر اس کا آخری حصہ (یعنی ''تحت السرة'') اوپر کی روایت میں مدرج ہے اور میں نے اس کا استدراک ب اور حیدر آبادی نسخہ سے کیا ہے۔ مولانا اعظمی مرحوم کے ان الفاظ اور اشارات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ

۱۔ ان کے پاس بھی ''المصنف'' کا ویسا ہی نسخہ تھا جو شیخ مرتضیٰ زبیدی اور شیخ قاسم کے پاس تھا۔ جس میں حضرت ابراہیم نخعی کا اثر ساقط تھا، اور اس کا آخری حصہ ''تحت السرة'' مرفوع روایت کے ساتھ ملا ہوا تھا۔ علامہ محمد حیات سندھی نے بھی ایسے ہی نسخہ کی نشان دہی کی ہے۔

۲۔ مولانا اعظمی نے دو نسخوں کی بناء پر ابراہیم نخعی کا اثر قوسین میں کیا۔ کیوں کہ جس نسخہ کو انہوں نے اصل اور بنیاد قرار دیا اس میں یہ اثر ساقط تھا۔

۳۔ مولانا اعظمی اصل نسخہ میں سقط کی بنا پر ذخیرہ احادیث اور ''مصادر دین'' کے بارے میں اس خدشہ کا شکار نہیں جس کی فکرمندی کا اظہار شیخ محمد عوامہ نے کیا ہے۔

۴۔ انہوں نے اصل نسخہ میں مرفوع روایت کے ساتھ ''تحت السرة'' کا لفظ ہونے کے باوجود اس پر اعتماد نہیں کیا جیسا کہ شیخ محمد عوامہ نے اس پر اعتماد کر کے مرفوع کے ساتھ اسے باقی رکھا ہے، اور اس کے ثبوت میں دو صفحات سیاہ کر ڈالے۔

۵۔ جس نسخہ پر مرفوع روایت میں شیخ عوامہ نے اعتماد کیا۔ اس میں اثر نخعی ساقط ہونے میں وہ پھر ناقابل اعتماد ٹھہرتا ہے، اور دوسرے نسخہ ''ب'' سے جو خود ان کے نزدیک قابل اعتماد نہیں سے اثر نقل کرتے ہیں اور اس فرق کی کوئی ضرورت محسوس نہیں کرتے، اور یہ سارا کرتب نہایت تحقیق اور دیانت داری سے مسلکی عصبیت کے بغیر کیا جا رہا ہے۔ **سبحان الله**

ہماری ان گزارشات سے اور مولانا اعظمی کے اسلوب سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ ادارۃ القرآن کے کارپردازوں نے بلاتنبیہ و اشارہ جو اضافہ کیا وہ بھی غلط اور امانت علمی کے منافی ہے اور شیخ عوامہ کا دفاع ''عذر، عذر گناہ بدتر از گناہ'' کا مصداق ہے۔

گل دیگر شگفت

شیخ عوامہ ادارۃ القرآن کا دفاع ہی نہ کریں طیب اکادمی ملتان اور مکتبہ امدادیہ ملتان کی کارستانی کی بھی فکر کریں، جنہوں نے دارالفکر سے استاذ سعید اللحام کی تحقیق سے شائع ہونے والے المصنف کے نسخہ میں صریح دھاندلی کی اور بڑے دھڑلے سے اس میں ''تحت السرة'' کا اضافہ کر دیا۔ البتہ انہوں نے اسے قوسین [ ] میں نقل کیا اور حاشیہ میں اضافہ کا سبب بھی ذکر کیا۔ جس کے بارے میں ہم ان شاء اللہ آئندہ عرض کریں گے۔

دارالفکر سے یہ نسخہ شائع ہوا تو مرفوع روایت میں ''تحت السرة'' کا اضافہ نہ تھا مگر طیب اکادمی اور مکتبہ امدادیہ ملتان نے اسی نسخہ کا عکس شائع کیا تو اس میں ''تحت السرة'' کا اضافہ کر دیا۔ انہوں نے اسی پر اکتفاء نہ کی بلکہ مکتبہ راشدیہ پیر آف جھنڈا کے نسخہ سے ہاتھ باندھنے کے متعلقہ صفحہ کا عکس بھی ''تحت السرة'' کے اضافہ کے ساتھ شائع کر دیا۔ مکتبہ راشدیہ کا یہ نسخہ راقم نے ایک سے زائد بار دیکھا اور اس سے استفادہ کیا، اور اسی متعلقہ روایت کے حوالے سے دوبارہ دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ جس میں مرفوع روایت کے ساتھ ''تحت السرة'' کے الفاظ قطعاً نہیں۔ یہی بات اس نسخہ کے حوالے سے محترم حافظ ثناء اللہ ضیاء صاحب ﷾ نے اپنے رسالہ ''نماز میں ہاتھ کہاں باندھیں'' کے ص:۴۷ پر حلفاً کہی کہ اس نسخہ میں مرفوع روایت کے ساتھ ''تحت السرة'' کے الفاظ بالکل نہیں

ہیں۔ بلکہ انہوں نے حضرت سید محبّ اللہ شاہ الراشدی نوراللہ مرقدہٗ کا وضاحتی بیان بھی ذکر کیا ہے کہ اس نسخہ میں یہ الفاظ نہیں ہیں۔ جسے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے بصارت عطا فرمائی ہے وہ آج بھی مکتبہ راشدیہ میں اس نسخہ کو دیکھ کر تشفی کرسکتا ہے۔ شیخ عوامہ بتلائیں کہ کیا یہ تحریف کی بدترین جسارت نہیں؟ اور کیا یہ سارے کرتب مذہبی حمیت میں روا نہیں رکھے جارہے؟

مزید عرض ہے

شیخ محمد عوامہ نے فرمایا ہے کہ نسخہ ''ت'' پر کئی مقامات پر علامہ عینی رحمہ اللہ کے حواشی ہیں۔ یہی نسخہ شیخ قاسم کے پیش نظر تھا، اور انہوں نے ''التصریف والاخبار'' میں ''تحت السرۃ'' کے الفاظ سے یہ حدیث نقل کی ہے اور یہی نسخہ شیخ محمد مرتضی زبیدی صاحب التاج کے پاس تھا۔ بلکہ جب وہ احیاء العلوم کی شرح لکھ رہے تھے تب بھی یہ نسخہ ان کے پیش نظر تھا اور اس نسخہ سے وہ آثار وغیرہ نقل کرتے ہیں بلکہ اس شرح کی (ج:۳،ص:۲۷۰) میں اس نسخہ کے ناسخ اور تاریخ نسخ کا ذکر بھی کرتے ہیں۔ جیسا کہ مقدمہ کتاب (ص:۲۹) میں انہوں نے اس کی تفصیل ذکر کی ہے۔

ا۔ مگر قابل غور بلکہ حل طلب مسئلہ یہ ہے کہ علامہ مرتضٰی الزبیدی اسی احیاء العلوم کی شرح ''اتحاف السادۃ المتقین'' کی اسی تیسری جلد میں ہاتھ باندھنے سے متعلقہ بحث کے ضمن میں حنفی مسلک کی دلیل حضرت علی کی معروف روایت مسند احمد اور دارقطنی وغیرہ سے تو ذکر کرتے ہیں مگر ''المصنف'' کی یہ ''صحیح'' اور ''جید سند'' سے منقول ''روایت'' ذکر کیوں نہیں کرتے؟ ان کے الفاظ ہیں:

''دلیل ابی حنیفة ماروا ہ احمد والدارقطنی والبیهقی عن علی۔''

(اتحاف السادة، ج:۳،ص:۳۷)

یہی نہیں بلکہ مسلک حنفی کی تائید میں انہوں نے ''عقود الجواہر المنیفہ'' کے نام سے ایک مستقل کتاب لکھی ہے۔ اس میں انہوں نے ''المصنف'' کے نام سے ایک مستقل کتاب لکھی ہے۔ اس میں بھی انہوں نے ''المصنف'' کی یہ روایت ذکر نہیں کی۔ آخر کیوں؟ ظاہر ہے کہ اگر ان کے نزدیک یہ روایت اسی طرح درست اور قابل اعتماد ہوتی تو اس کا ذکر کرتے، یہ اس بات کا قرینہ قویہ ہے کہ ''المصنف'' کے نسخہ میں اس روایت کے نقل میں وہ مطمئن نہ تھے۔ علامہ قاسم کا اسی نسخہ سے روایت نقل کرنا تو قابل اعتماد ٹھہرے مگر علامہ الزبیدی کا اسے نظر انداز کردینا اس کے ناقابل اعتماد ہونے کی دلیل کیوں نہیں؟

۲۔ بلکہ علامہ عینی جن کے بارے میں کہا گیا ہے کہ اس نسخہ میں کئی مقامات پر ان کے حواشی ہیں۔ انہوں نے بھی صحیح بخاری کی شرح ''عمدۃ القاری'' میں اور ہدایہ کی شرح ''البنایہ'' میں اس روایت کو ذکر نہیں کیا۔ وہ حضرت علی کی ضعیف روایت کے دفاع کی کوشش تو کرتے ہیں لیکن کیا وجہ ہے ''المصنف''

کی ''سند جید'' سے اس روایت کو درخور اعتناء نہیں سمجھتے۔ کیا یہ قرینہ نہیں کہ علامہ عینی بھی اس سند اور متن پر مطمئن نہیں تھے؟

۳۔ علامہ ابن عبدالبر المتوفی ۴۶۳ھ نے التمہید (ج:۲۰،ص:۷۴،۷۶) میں نماز میں ہاتھ باندھنے کے مسئلہ کے بارے میں ''المصنف'' سے متعدد آثار نقل کیے ہیں اور (ج:۲۰،ص:۷۵) پر اجمالاً ذکر کیا ہے کہ ابراہیم نخعی اور ابومجلز ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کے قائل تھے، اور کسے علم نہیں کہ ان دونوں کے یہ آثار ''المصنف'' میں موجود ہیں۔ بلکہ علامہ ابن عبدالبر نے ابراہیم نخعی کے اثر کے بارے میں ''لایثبت'' کہہ کر اس کے ضعف کا اشارہ بھی کردیا ہے۔ اگر حضرت وائل کی روایت میں بھی ''تحت السرۃ'' کے لفظ ہوتے تو انہیں بھی وہ ذکر کرتے۔ اسے ذکر نہ کرنا بھی اس بات کی دلیل ہے کہ ''المصنف'' میں یہ اضافہ غلط اور بے بنیاد ہے۔

یہاں یہ بات بھی یاد رہے کہ کسی مسئلہ پر کسی دلیل کا ذکر نہ کرنا اور کسی مسئلہ میں کتاب کے متعلقہ باب میں سے متعدد آثار نقل کرنا اور ''قابل اعتبار سند'' سے مذکورہ روایت کو ذکر نہ کرنے میں فرق بالکل واضح ہے۔ علامہ زیلعی، حافظ ابن حجر، علامہ ابن الملقن، علامہ ابن ہمام وغیرہ متاخرین میں سے بھی کسی نے اس روایت کا ذکر نہیں کیا۔ ان کے بارے میں ممکن ہے کہ کہا جائے کہ انہوں نے ''المصنف'' کی طرف رجوع نہیں کیا اور نہ اس باب کے آثار کو ہی المصنف کے حوالے سے ذکر کیا۔ لیکن علامہ ابن عبدالبر کے بارے میں اس کا قطعاً امکان نہیں۔

۴۔ شیخ محمد عوامہ روایات کی تخریج اور اس کے طرق کی نشان دہی کرتے ہیں۔ اسی باب **"وضع اليمين على الشمال"** کی روایات کی بھی بالعموم انہوں نے تخریج کی ہے مگر اس روایت کی تخریج کیوں نہیں؟

انہوں نے ساری توجہ بلکہ پوری قوت "تحت السرۃ" کے اضافہ کے صحیح ہونے میں تو صرف کردی مگر اس کی تخریج کے حوالے سے خاموشی اختیار کی، آخر کیوں؟ کیا **"وکیع عن موسی بن عمیر عن علقمه عن ابیه"** کی اس سند سے اس موضوع کی کہیں کوئی روایت نہیں تھی کہ اس بارے میں انہوں نے چپ سادھ لی ہے۔ اگر تھی، تو اس سے خاموشی اور بے اعتنائی کیا اس خطرہ کی بنا پر نہیں کہ اس سے تو اس زیادت کا بھرم کھل جائے گا۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہی "الرقیب العلیم بالنیات" ہیں جیسا کہ انہوں نے اس روایت پر بحث کے اختتام پر لکھا ہے مگر اسلوب سے ہٹ کر اس کی تخریج سے خاموشی اس بات کی چغلی نہیں کھارہی کہ یہاں معاملہ رکھ رکھاؤ اور صفاتی ہے۔ بصورت دیگر یہ ساری کارروائی طفل تسلی قرار پائے گی اور مسلکی حمیت کا شاخسانہ ٹھہرے گی۔

ہم عرض کرتے ہیں امام وکیع کی اس سند سے یہ روایت مسند امام احمد (ج:۴،ص:۳۱۶)، سنن دارقطنی (ج:۱،ص:۲۸۶) اور شرح السنۃ للبغوی (ج:۳،ص: ۳۰) میں "تحت السرۃ" کے بغیر

ہے۔ امام وکیع کے معاصر امام عبداللہ بن مبارک نے بھی یہ روایت موسیٰ بن عمیر سے اس زیادت کے بغیر بیان کیا ہے۔ ملاحظہ ہو نسائی (ج:۱،ص:۱۰۵) السنن الکبریٰ لہ ایضاً التمہید (ج:۲۰،ص:۷۲)، امام وکیع کے تیسرے معاصر امام ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ فضل بن دکین بھی اسے بغیر زیادت کے روایت کرتے ہیں ملاحظہ ہو: التمہید (ج:۲۰،ص:۷۲)، السنن الکبری للبیھقی (ج:۲،ص:۲۸)، المعجم الکبیر للطبرانی (ج:۲۲،ص:۹) تہذیب الکمال للمزی (ج:۱۱،ص:۴۹۹) ترجمہ موسیٰ بن عمیر۔

یہی وجہ ہے کہ حنفی مسلک کے معروف وکیل علامہ نیموی نے التعلیق الحسن میں اس اضافہ کو غیر محفوظ قرار دیا ہے۔ چنانچہ پہلے انہوں نے اس کے بارے میں حافظ قاسم بن قطلوبغا، علامہ ابوالطیب المدنی اور شیخ عابد سندھی کے حوالے سے لکھا ہے انہوں نے اسے سند جید، رجالہ ثقات قرار دیا ہے۔ پھر علامہ محمد حیات سندھی کا موقف بیان کیا ہے کہ یہ زیادت کاتب کی غلطی کا کرشمہ ہے اس کے بعد اس کے جواب میں علامہ قائم سندھی کی فوز الکرام سے علامہ حیات سندھی کی تردید نقل کی ہے کہ یہ زیادت صحیح ہے۔ یہ ساری تفصیل بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"الانصاف ان هذه الزيادة وان كانت صحيحة لوجودها فى اكثر النسخ من المصنف لكنها مخالفة الروايات الثقات فكانت غير محفوظة"

(التعلیق الحسن، ص:۷۱ ط ملتان)

انصاف کی بات یہ ہے کہ زیادتی اگرچہ "المصنف" کے اکثر نسخوں میں ہونے کی وجہ سے صحیح ہے لیکن یہ زیادت ثقات کی روایات کے مخالف ہے اس لیے غیر محفوظ ہے۔ "اکثر نسخوں" کی بات تو ان شاء اللہ ہم بعد میں کریں گے۔ یہاں ہمیں صرف اتنا عرض کرنا ہے کہ علامہ نیموی اس زیادت کو غیر محفوظ قرار دیتے ہیں اور وہ علامہ قاسم وغیرہ کے ہمنوا نہیں ہیں کہ اسے بطور استدلال پیش کیا جائے۔

بلکہ مولانا بدر عالم نے فیض الباری کے حاشیہ میں علامہ نیموی کا یہی موقف ان کی ایک دوسری کتاب "الدرة النصرة فى وضع اليدين تحت السرة" سے نقل کیا ہے کہ علامہ موصوف شیخ قاسم اور شیخ عابد سندھی اور علامہ ابوالطیب المدنی کے موقف کے برعکس اس روایت کی توثیق پر مطمئن نہیں ان کے الفاظ ہیں:

لم يترض به العالمه ظهير احسن رحمه الله تعالىٰ وذهب الى ان "تلك الزيادة معلولة"

(حاشیہ فیض الباری، ج:۲،ص:۲۶۷)

"علامہ ظہیر احسن نیموی رحمۃ اللہ علیہ اس کی توثیق پر راضی نہیں، وہ اس طرف گئے ہیں کہ یہ زیادت معلول ہے۔"

ظاہر ہے کہ امام وکیع اور ان کے دوسرے معاصرین کی روایات ذخیرہ کتب احادیث میں موجود

ہیں اور ان میں "تحت السرۃ" کے الفاظ نہیں ہیں۔ المصنف کے کئی نسخوں میں بھی یہ اضافہ نہیں ہے اب یہ علم و دیانت کی کون سی معراج ہے کہ "ناقابل اعتماد" اور "غلط نسخوں" کی بنا پر اسے صحیح قرار دیا جائے اور دوسرے نسخہ میں ابراہیم نخعی کے اثر کا ساقط ہونا بھی انہوں نے تسلیم کیا۔ جیسا کہ پہلے ضروری وضاحت گزر چکی ہے۔

رہی علامہ نیموی کی یہ بات کہ المصنف کے "اکثر" نسخوں میں یہ زیادتی پائی جاتی ہے۔ تو یہ بات دراصل انہوں نے پہلے علامہ قائم سندھی کے رسالہ فوز الکرام کے حوالے سے نقل کی ہے، اور اسی تناظر میں انہوں نے اکثر نسخوں میں اس کے وجود کا ذکر کیا ہے۔ خود انہوں نے کسی نسخہ کا ذکر نہیں کیا۔ البتہ "الدرۃ الضرۃ" میں مکتبہ محمودیہ کا نام انہوں نے لیا ہے کہ اس کے نسخہ میں یہ زیادت موجود ہے۔ اور یہ وہی نسخہ ہے جسے شیخ عوامہ "لالا اعتماد علیھا" کہہ کہ ناقابل اعتماد قرار دیتے ہیں۔

فوز الکرام کا نسخہ پیر جھنڈا کے مکتبہ میں راقم کی نظر سے گزرا ہے، اور اس کی ایک نقل راقم کے پاس بحمد اللہ موجود ہے۔ اس کے حوالے سے علامہ نیموی نے جو نقل کیا وہ عبارت اس وقت بھی پیش نظر ہے۔ جس میں شیخ قائم نے شیخ عبدالقادر مفتی مکہ مکرمہ کے نسخہ اور شیخ قاسم کا "**التصریف والاخبار بتخریج احادیث الاختیار**" میں اس روایت کو نقل کرنے کا ذکر ہے۔ اب بتلایئے کہ یہ "دو نسخے" کیوں کر بن گئے۔ ان دونوں نسخوں کے حوالے سے یہ بات بھی پہلے گزر چکی ہے اور شیخ قاسم کا نسخہ ہی ناقص ہے۔ اس پر اعتماد چہ معنی دارد؟

اس کے برعکس علامہ انور شاہ کشمیری مرحوم علامہ حیات سندھی کا موقف بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

"ولا عجب ان یکون کذلك فانی راجعت ثلاث نسخ للمصنف فما وجدته فی واحدة منها"

(فیض الباری، ج:۲، ص:۲٦۷)

یعنی کوئی تعجب نہیں کہ بات اسی طرح ہو جیسے علامہ حیات سندھی نے کہی ہے۔ خود میں نے المصنف کے تین نسخے دیکھے ہیں ان میں سے کسی ایک میں بھی میں نے اس (تحت السرۃ) کو نہیں پایا۔ علامہ کشمیری نے ان تین نسخوں کی وضاحت نہیں کی کہ وہ کن مکتبات میں تھے۔ لیکن دو کے مقابلے میں یہ بہرحال تین ہیں، اور شیخ عوامہ نے المصنف (ج:۳، ص:۳۲۱) کے حاشیہ میں تسلیم کیا ہے کہ چار نسخوں میں یہ زیادت نہیں ہے۔

مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی نے بھی انہی نسخوں پر اعتماد کیا محرف نسخہ پر نہیں۔ جیسا کہ گزر چکا ہے۔ ۱۹۸۹ء میں شیخ کمال یوسف کی مراجعت سے دار التاج بیروت سے جو المصنف کا نسخہ شائع ہوا ہے اس میں بھی "تحت السرۃ" کا اضافہ نہیں ہے۔ مگر بعد میں طیب اکادمی ملتان نے اس میں اضافہ کر دیا جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ شیخ حمد بن عبداللہ اور شیخ محمد بن ابراہیم کی تحقیق سے "المصنف" کی ایک

جلد شائع ہوئی۔ معلوم نہیں ہوسکا کہ وہ مکمل شائع ہوا ہے یا نہیں۔ اس نسخہ کو انہوں نے آٹھ قلمی نسخوں اور تین مطبوعہ نسخوں کے تقابل سے شائع کیا ہے۔ اس کے مقدمہ میں انہوں نے ادراۃ القرآن کی طرف سے محرفہ نسخہ کا بھی ذکر کیا۔ لکھتے ہیں:

"هذا الحديث يوجد في الطبعات الثلاث من المصنف (ج۱، ص۳۹۰) بدون هذه الزيادة ولم يعثر ناشرها الى النسخة التي وجدت فيها هذه الزيادة وأين توجد هذه النسخة، فعلى هذا سقطت هذه الطبعة من الاعتماد عليها بل حتى جميع مطبوعات هذه الداريجب ألاّ يعتمد عليها، فماذا بعد الكذب على النبي ﷺ۔"

(مقدمه المصنف، ج:۱، ص:۵ الفصل الثانی)

"یہ حدیث المصنف کے تین نسخوں (ج:۱،ص:۳۹۰) میں اس زیادت کے بغیر ہے۔ ناشر ادارۃ القرآن نے اس نسخہ کی نشان دہی نہیں کی جس میں یہ زیادتی ہے اور نہ ہی یہ بتایا ہے کہ یہ نسخہ کہاں ہے۔ اس بنا پر ادارۃ القرآن کے شائع کردہ نسخہ پر اعتماد نہیں رہا بلکہ اس کی تمام مطبوعات قابل اعتماد نہیں رہی۔ جو نبی ﷺ پر جھوٹ باندھ سکتا ہے اس پر کیا امید ہوسکتی ہے۔

تین مطبوعہ نسخوں اور آٹھ خطی نسخوں کے برعکس ادارۃ القرآن کی جسارت پر جو صدائے احتجاج ان حضرات نے بلند کی ہے بھلا اس کے بعد بھی کہا جاسکتا ہے کہ اکثر نسخوں میں یہ زیادت موجود ہے۔ کلاّ ثم کلاّ۔

۵۔ علامہ علاء الدین ابن الترکمانی (المتوفی: ۷۴۵ یا ۷۴۹) نے "الجوہر النقی" میں امام بیہقی پر تعاقب کے ساتھ ساتھ حنفی مسلک کی جو وکالت کی ہے اہل علم اس کی حیثیت سے باخبر ہیں۔ نماز میں ہاتھ باندھنے کے مسئلہ میں بھی انہوں نے اپنے مسلک کا دفاع کیا اور اسی ضمن میں امام بیہقی کے مؤقف کے برعکس مصنف ابن ابی شیبہ سے ابومجلز کا اثر ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کے بارے میں بالاسناد نقل کرتے ہیں۔ (الجوہر النقی، ج:۲،ص:۳۱) انصاف شرط ہے کہ اگر المصنف میں حضرت وائل کی روایت میں "تحت السرۃ" کے الفاظ ہوتے تو وہ انہیں ذکر نہ کرتے؟ امام بیہقی نے حضرت وائل کی روایت موسیٰ بن عمیر کی سند سے بھی ذکر کی ہے جس میں "تحت السرۃ" نہیں ہے جیسا کہ ہم نے ابھی ذکر کیا ہے اور **مؤمل بن اسماعیل عن الثوری عن عاصم بن کلیب عن ابیه عن وائل** کی سند سے "علی صدرۃ" کے الفاظ بھی ذکر کیے ہیں۔ علامہ ماردینی پہلی روایت پر بالکل خاموش ہیں اور دوسری پر مؤمل کی بنا پر جرح کرتے ہیں۔ اس کے مقابلے میں المصنف میں "سند جید" سے "تحت السرۃ" کی روایت ہوتی تو وہ بھی یقیناً ذکر کرتے۔ ان کی یہ خاموشی بھی اس بات کی بین دلیل ہے کہ "المصنف" کے کسی قابل اعتماد نسخہ میں ۷۴۵ھ تک "تحت السرۃ" کے الفاظ نہیں ہے۔

ہماری ان گزارشات سے نصف النہار کی طرح یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ ''المصنف'' میں ''تحت السرۃ'' کا اضافہ حضرت وائل رضی اللہ عنہ کی حدیث میں قطعاً صحیح نہیں، اور شیخ محمد عوامہ نے چار نسخوں کے مقابلے میں جن دو نسخوں کی بنیاد پر اضافہ کیا اور اسے صحیح ثابت کرنے کی کوشش کی، ان کے بے مسلمات کی روشنی میں درست نہیں۔ قدیم اور صحیح نسخوں کو نظر انداز کر کے ناقابل اعتماد اور غلط نسخہ پر کی بنیاد محض مسلکی حمیت کا شاخسانہ ہے، یہ کوئی علم کی خدمت نہیں۔ پھر ادارۃ القرآن کراچی کے طبع ہونے والے محرف نسخہ کا جو دفاع کیا وہ بھی ان کی علمی ثقاہت و دیانت کے منافی ہے۔ ان تو کسی قدر طیب اکادمی اور مکتبہ امدادیہ ملتان والے ہی بہتر نکلے کہ انہوں نے دارالفکر سے طبع ہونے نسخہ کو جب شائع کیا تو اس میں گو ''تحت السرۃ'' کا اضافہ کیا مگر یہ اضافہ بریکٹ میں (تحت) کیا۔ مگر اس کے حاشیہ میں جو انہوں نے لکھا وہ ان کے تعصب بلکہ ان کی بے خبری کا منہ بولتا ہے، لکھتے ہیں:

''تحت السرۃ، هذه الفاظ موجودة في بعض نسخ المصنف وزيادة الثقة معتبرة، ولم ‌يرها احد الا محمد حيات السندهي المتوفى ۱۱۶۸ الذى كان تلميذا لمحمد معين تتوى ‌يعبى'' الخ

''کہ ''تحت السرۃ'' کے الفاظ ''المصنف'' کے بعض نسخوں میں ہیں اور ثقہ کی زیادت معتبر ہوتی ہے۔ اس کا انکار سوائے محمد حیات سندھی (المتوفی:۱۱۶۵ھ) کے کسی اور نے نہیں کیا جو محمد معین ٹھٹھوی شیعہ کے شاگرد تھے۔'' لیجیے یہ ہے بنیاد اس اضافے کی۔

اولاً: تو انہوں نے خود کسی نسخہ کا حوالہ نہیں دیا۔ اس کے ثبوت کا مدار صرف علامہ محمد ہاشم سندھی کی ''درہم الصرۃ'' پر ہے جیسا کہ حاشیہ میں انہوں نے لکھا بلکہ اس جلد کے آخر میں یہ رسالہ بھی شائع کردیا۔ اس رسالہ میں جو بنیاد شیخ محمد ہاشم نے ذکر کی اس کی حقیقت ہم پہلے عرض کر چکے ہیں۔

ثانیاً: محشی کی علمی پختگی پر یہ جملہ ہی دال ہے ''وزیادۃ الثقۃ معتبرۃ'' جناب من! یہ زیادت ثقہ نہیں ثبوت نسخہ کا مسئلہ ہے۔

ثالثاً: کہا گیا کہ اس کا انکار سوائے علامہ محمد حیات سندھی کے اور کسی نے نہیں کیا۔ ہم عرض کر چکے ہیں کہ علامہ نیموی اور علامہ کشمیری نے بھی اس زیادت کو ''غیر محفوظ'' اور ناقابل اعتماد قرار دیا ہے۔ بلکہ اس کا انکار مولانا حبیب الرحمن اعظمی نے بھی کیا جیسا کہ پہلے ہم نقل کر آئے ہیں۔ پھر محشی کو شاید علم نہیں کہ شیخ محمد ہاشم کا رسالہ ''درہم الصرۃ فی اظہار غش نقد الصرۃ'' کے سرورق پر لکھا ہے کہ انہوں نے یہ رسالہ اپنے شیخ ابوالحسن کے مشورہ اور تعاون سے لکھا ہے، اور اسی رسالہ میں بھی انہوں نے ''المصنف'' کے نسخہ میں اس اضافہ کو کاتب کی غلطی قرار دیا ہے۔ جیسا کہ ہم پہلے نقل کر آئے ہیں۔ یہ اس بات کا

ثبوت ہے کہ ''تحت السرۃ'' کے اضافہ کا انکار صرف علامہ محمد حیات سندھی ہی نے نہیں کیا ان کے شیخ ابوالحسن سندھی نے بھی کیا ہے۔ مزید برآں عرض ہے کہ درہم الصرۃ کا جواب شیخ پیر سید رشد اللہ شاہ پیر آف جھنڈا صاحب العلم الرابع نے ''درج الدرر فی وضع الایدی علی الصدر'' میں دیا ہے۔ جس کے کلمہ افتتاحیہ میں انھوں نے لکھا ہے:

''فهذا تعليق انيق وتحقيق عميق ابديته لاظهار ما في الرسالة المسمدة بدرهم الصرة في وضع اليدين تحت السرة من الغش الموجب للعار''

اس لیے یہ کہنا کہ اس اضافہ کا انکار شیخ محمد حیات کے علاوہ کسی اور نے نہیں کیا، قطعاً غلط اور محشی کی بے خبری کی دلیل ہے۔

رابعاً: محشی کے تعصب کا اندازہ کیجیے کہ وہ شیخ محمد ہشام کا ذکر خیر تو ''الشیخ محمد ہاشم السندی'' کے الفاظ سے کرتا ہے مگر شیخ محمد حیات کے بارے میں صرف ''محمد حیات'' لکھتا ہے۔

خامساً: اس کے تعصب کی آگ اسی پر سرد نہیں ہوئی بلکہ ''محمد حیات'' کے تعارف میں مزید لکھتا ہے: ''وہ محمد معین ٹھٹھوی شیعہ کا شاگرد تھا۔'' محمد معین السندھی کون تھے اور کیسے تھے؟ ہم اس بحث میں نہیں جانا چاہتے۔ اگر وہ شیعہ تھے اور علامہ محمد حیات کا ان سے تلمذ جرم ہے تو جابر بن یزید جعفی جیسے رافضی سے امام ابوحنیفہ اور امام محمد کا تلمذ چہ معنی دارد؟ اُدھر محمد معین کے تلمذ کا الٹا اثر شیخ محمد حیات پر یہ ہوا کہ ''ابطال الضرائح'' لکھ کر انہوں نے قبوریین اور شیعوں کا رد کیا۔ پھر شیخ سندھی نے علامہ ابوالحسن السندھی المدنی سے حدیث کا درس لیا اور ان کی وفات کے بعد انہی کی مسند کے امین بنے، اور ۲۴ سال تک حرم نبوی میں ان کی مسند پر درس حدیث دیا۔

ان کے علاوہ شیخ عبداللہ سالم المکی، الشیخ ابوطاہر محمد بن ابراہیم الکردی اور شیخ حسن بن علی العجمی سے بھی شرف تلمذ حاصل کیا۔ مگر محشی کو اپنے خبث باطن کی بنا پر یہ مشائخ نظر نہیں آتے۔ مولانا سید عبدالحی لکھنوی انہیں ان القاب سے یاد کرتے ہیں:

''الشيخ الامام العالم الكبير المحدث محمد حيات۔''

(نزهة الخواطر، ج:٦، ص:١٠٣)

سادساً: محشی نے شیخ محمد حیات کی وفات ۱۱۶۸ھ میں ذکر کی ہے مگر یہ بھی غلط ہے ان کی وفات ۱۱۶۳ھ میں ہوئی جیسا کہ سید عبدالحیٔ نے ذکر کیا ہے: ''سنة ثلاث وستين و مائة والف'' اس وضاحت سے آپ اندازہ کرسکتے ہیں کہ ''تحت السرۃ'' کا اضافہ کرنے والے کس قدر حق و انصاف کے پاسدار ہیں۔ جن کے تعصب کا یہ عالم ہو وہ اگر اسے صحیح قرار دیں تو اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں۔

الكتاب المصنف

في الأحاديث والآثار

للإمام الحافظ
أبي بكر عبد الله بن محمد بن أبي شيبة
الكوفي العبسي
المتوفى سنة ٢٣٥هـ

ضبطه وصححه ورقم كتبه وأبوابه وأحاديثه
محمد عبد السلام شاهين

الجزء الأول

يحتوي على الكتب التالية:
الطهارات - الأذان والإقامة - الصلوات

دار الكتب العلمية
بيروت - لبنان

لا يصلي ركعتي الفجر في السفر.

٣٩٢٩ ــ **حدثنا** جرير عن قابوس عن أبيه عن عائشة قالت: أما ما لم يدع صحيحًا ولا مريضًا في سفر ولا حضر غائبًا ولا شاهدًا، تعني النبي ﷺ فركعتان قبل الفجر.

٣٩٣٠ ــ **حدثنا** هشيم قال أخبرنا حصين قال سمعت عمرو بن ميمون الأودي يقول: كانوا لا يتركون أربعًا قبل الظهر وركعتين قبل الفجر على حال.

٣٩٣١ ــ **حدثنا** وكيع عن حبيب بن جري عن أبي جعفر قال: كان رسول الله ﷺ لا يدع الركعتين بعد المغرب والركعتين قبل الفجر في حضر ولا سفر.

٣٩٣٢ ــ **حدثنا** هشيم قال أخبرنا ابن عون عن مجاهد قال سألته أكان ابن عُمر يصلي ركعتي الفجر قال: ما رأيته يترك شيئًا في سفر ولا حضر.

(١٦٥) وضع اليمين على الشمال

٣٩٣٣ ــ **حدثنا** أبو بكر قال حدثنا زيد بن حباب قال: حدثنا معوية بن صالح قال حدثني يونس بن سيف العنسي عن الحرث بن غطيف أو غطيف بن الحرث الكندي شك معوية قال: مهما رأيت نسيت لم أنس اني رأيت رسول الله ﷺ وضع يده اليمنى على اليسرى، يعني في الصلاة.

٣٩٣٤ ــ **حدثنا** وكيع عن سفين عن سماك عن قبيصة بن هلب عن أبيه قال: رأيت النبي ﷺ واضعًا يمينه على شماله في الصلاة.

٣٩٣٥ ــ **حدثنا** ابن إدريس عن عاصم بن كليب عن وائل بن حجر قال: رأيت رسول الله ﷺ حين كبّر أخذ بشماله بيمينه.

٣٩٣٦ ــ **حدثنا** وكيع عن إسمعيل بن أبي خالد عن الأعمش عن مجاهد عن مورق العجلي عن أبي الدرداء قال: من أخلاق النبيين وضع اليمين على الشمال في الصلاة.

٣٩٣٧ ــ **حدثنا** وكيع عن يوسف بن ميمون عن الحسن قال: قال رسول الله ﷺ «كأني أنظر إلى أحبار بني إسرائيل واضعي أيمانهم على شمائلهم في الصلاة».

٣٩٣٨ ــ **حدثنا** وكيع عن موسى بن عمير عن علقمة بن وائل بن حجر عن أبيه قال: رأيت النبي ﷺ وضع يمينه على شماله في الصلاة.

٣٩٣٩ ــ **حدثنا** وكيع عن ربيع عن أبي معشر عن إبراهيم قال: يضع يمينه على شماله في الصلاة تحت السرة.

الكتاب المصنف في الأحاديث والآثار

للإمام الحافظ
أبي بكر عبد الله بن محمد بن أبي شيبة الكوفي العبسي
المتوفى سنة ٢٣٥ هـ

تقديم وضبط
كمال يوسف الحوت

الجزء الأول

دار التاج

(١٦٣) الرجل يصلي ركعة قائماً وركعة جالساً

٣٩٢٦ ـ حدثنا أبو بكر قال حدثنا عباد بن العوام عن هشام عن الحسن قال لا بأس أن يصلي الرجل ركعة قائماً وركعة قاعداً.

٣٩٢٧ ـ حدثنا وكيع قال حدثنا شعبة عن الحكم وحماد قالا لا بأس أن يصلي الرجل ركعة قائماً وركعة قاعداً ثم قال وكيع بآخرة عن شعبة عن الحكم ولم يذكر حماداً.

(١٦٤) ركعتا الفجر تصليان في السفر

٣٩٢٨ ـ حدثنا أبو بكر قال انا أبو أسامة قال حدثنا عبيد الله عن نافع عن ابن عمر قال كان لا يصلي ركعتي الفجر في السفر.

٣٩٢٩ ـ حدثنا جرير عن قابوس عن أبيه عن عائشة قالت: أما لم يدعْ صحيحاً ولا مريضاً في سفر ولا حضر غائباً ولا شاهداً تعني النبي ﷺ فركعتان قبل الفجر.

٣٩٣٠ ـ حدثنا هشيم قال أخبرنا حصين قال سمعت عمرو بن ميمون الأودي يقول كانوا لا يتركون أربعاً قبل الظهر وركعتين قبل الفجر على حال.

٣٩٣١ ـ حدثنا وكيع عن حبيب بن جري عن أبي جعفر قال كان رسول الله ﷺ لا يدع الركعتين بعد المغرب والركعتين قبل الفجر في حضر ولا سفر.

٣٩٣٢ ـ حدثنا هشيم قال أخبرنا ابن عون عن مجاهد قال سألته أكان ابن عمر يصلي ركعتي الفجر قال ما رأيته يترك شيئاً في سفر ولا حضر.

(١٦٥) وضع اليمين على الشمال

٣٩٣٣ ـ حدثنا أبو بكر قال حدثنا زيد بن حباب قال حدثنا معاوية بن صالح قال حدثني يونس بن سيف العنسي عن الحارث بن غطيف أو غطيف بن الحارث الكندي شك معاوية قال: مهما رأيت نسيت لم أنس أني رأيت رسول الله ﷺ وضع يده اليمنى على اليسرى يعني في الصلاة.

٣٩٣٤ ـ حدثنا وكيع عن سفيان عن سماك عن قبيصة بن هُلب عن أبي قال رأيت النبي ﷺ واضعاً يمينه على شماله في الصلاة.

٣٩٣٥ ـ حدثنا ابن إدريس عن عاصم بن كليب عن أبيه عن وائل بن حجر قال رأيت رسول الله ﷺ حين كبّر أخذ شماله بيمينه.

٣٩٣٦ ـ حدثنا وكيع عن إسماعيل بن أبي خالد عن الأعمش عن مجاهد عن مورق العجلي عن أبي الدرداء قال من أخلاق النبيين وضع اليمين على الشمال في الصلاة.

مُصَنَّف ابن أبي شيبة

في الأحاديث والآثار

للحافظ عبد الله بن محمد بن أبي شيبة ابراهيم بن عثمان
ابن أبي بكر بن أبي شيبة الكوفي العبسي المتوفى سنة ۲۳۵ھ

طبعة مستكملة النص ومنقحة ومشكولة ومرقمة الأحاديث ومفهرسة

الجزء الأوّل

الطّهارات، الأذان والإقامة، الصلاة

ضبطه وعلّق عليه
الأستاذ سعيد اللحام

الإشراف الفني والمراجعة والتصحيح: مكتب الدراسات والبحوث في دار الفكر

دار الفكر

(٤) حدثنا وَكيع عن إسماعيل بن أبي خالد عن الأعمش عن مجاهد عن مورّق العجلي عن أبي الدرداء قال: من أخلاق النبيين وضع اليمين على الشمال في الصلاة.

(٥) حدثنا وَكيع عن يُوسف بن مَيمون عن الحسن قال: قال رسول الله ﷺ « كأني أنظر إلى أحبار بني إسرائيل واضعي أيمانهم على شمائلهم في الصلاة ».

(٦) حدثنا وَكيع عن موسى بن عُمير عن علقمة بن وائل بن حُجر عن أبيه قال: رأيت النبي ﷺ وضع يمينه على شماله في الصلاة.

(٧) حدثنا وَكيع عن ربيع عن أبي معشر عن إبراهيم قال: يضع يمينه على شماله في الصلاة تحت السرة.

(٨) حدثنا وَكيع قال: حدثنا عبد السلام بن شداد الجريري أبو طالوت قال: نا غزوان بن جَرير الضبي عن أبيه قال: كان عليّ إذا قام في الصلاة وضع يمينه على رسغ يساره ولا يزال كذلك حتى يركع متى ما ركع إلا أن يصلح ثوبه أو يحك جسده.

(٩) حدثنا وَكيع قال: حدثنا يزيد بن زياد عن أبي الجعد عن عاصم الجحدري عن عُقبة بن ظُهير عن عليّ في قوله ﴿فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ﴾ قال: وضع اليمين على الشمال في الصلاة.

(١٠) حدثنا يزيد بن هارون قال: أخبرنا حجاج بن حسان قال: سمعت أبا مجلز أو سألته قال: قلت كيف يصنع قال: يضع باطن كف يمينه على ظاهر كف شماله ويجعلها أسفل من السرة.

(١١) حدثنا يزيد قال: أخبرنا الحجاج بن أبي زينب قال: حدثني أبو عثمان أن النبي ﷺ مر برجل يصلي وقد وضع شماله على يمينه فأخذ النبي ﷺ يمينه فوضعها على شماله.

(١٢) حدثنا جَرير عن مُغيرة عن أبي مَعشر عن إبراهيم قال: لا بأس بأن يضع اليمنى على اليسرى في الصلاة.

(١٣) حدثنا أبو معاوية عن عبد الرحمن بن إسحاق عن زياد بن زيد السوائي عن أبي جحيفة عن عليّ قال: من سنة الصلاة وضع الأيدي على الأيدي تحت السرر.

(١٤) حدثنا يحيى بن سعيد عن ثور عن خالد بن معدان عن أبي زياد مولى آل دراج ما رأيت فنسيت فإني لم أنس أن أبا بكر كان إذا قام في الصلاة قال هكذا فوضع اليمنى على اليسرى.

(مَا آتاكم الرسول فخذوه و ما نهاكم عنه فانتهوا)

الجزء الاول

من

مُصَنَّف

ابن ابی شیبہ

فی

الاحادیث

و الآثار و استنباط أئمة التابعين و اتباع التابعين المشهودين لهم بالخير للامام الحافظ المتقن النحرير الثبت الثقة الشهير بابی بكر عبد الله بن محمد بن ابراهيم بن عثمان بن ابی شيبة الكوفی العبسی المتوفی سنة ٢٣٥ ھ و كفیٰ من مفاخره التی امتاز بها بين الأئمة المشهورين كونه من اساتذة البخاری و مسلم و أبی داود و ابن ماجة و خلائق لا تحصی

(و اعتنی بتصحیحه و تنسیقه و نشره محب السنة النبوية و خادمها)

(عبد الخالق خان الافغانی رئيس المصححين بدائرة المعارف العثمانية فی الغابر)

و نائب صدر جمیعت العلماء حيدرآباد ـ اے ـ پی (الهند)

عنی بطبعه و اهتم بنشره خادم القوم

محمد جهانگير علی الأنصاری

« عميد مولانا ابو الكلام اكادمی »

انصاری لاج ، مدينه بلڈينگ ، حيدرباد ٢ (الهند)

فون : ٤٤٢٢٢ (حقوق الطبع محفوظة) سنه ١٣٨٦ ھ ١٩٦٦ م

طبع هذا الكتاب فی المطبعة العزيزية سنة ١٣٨٦ ھ بحيدرآباد (الهند)

مکتبہ نشأة ثانیہ

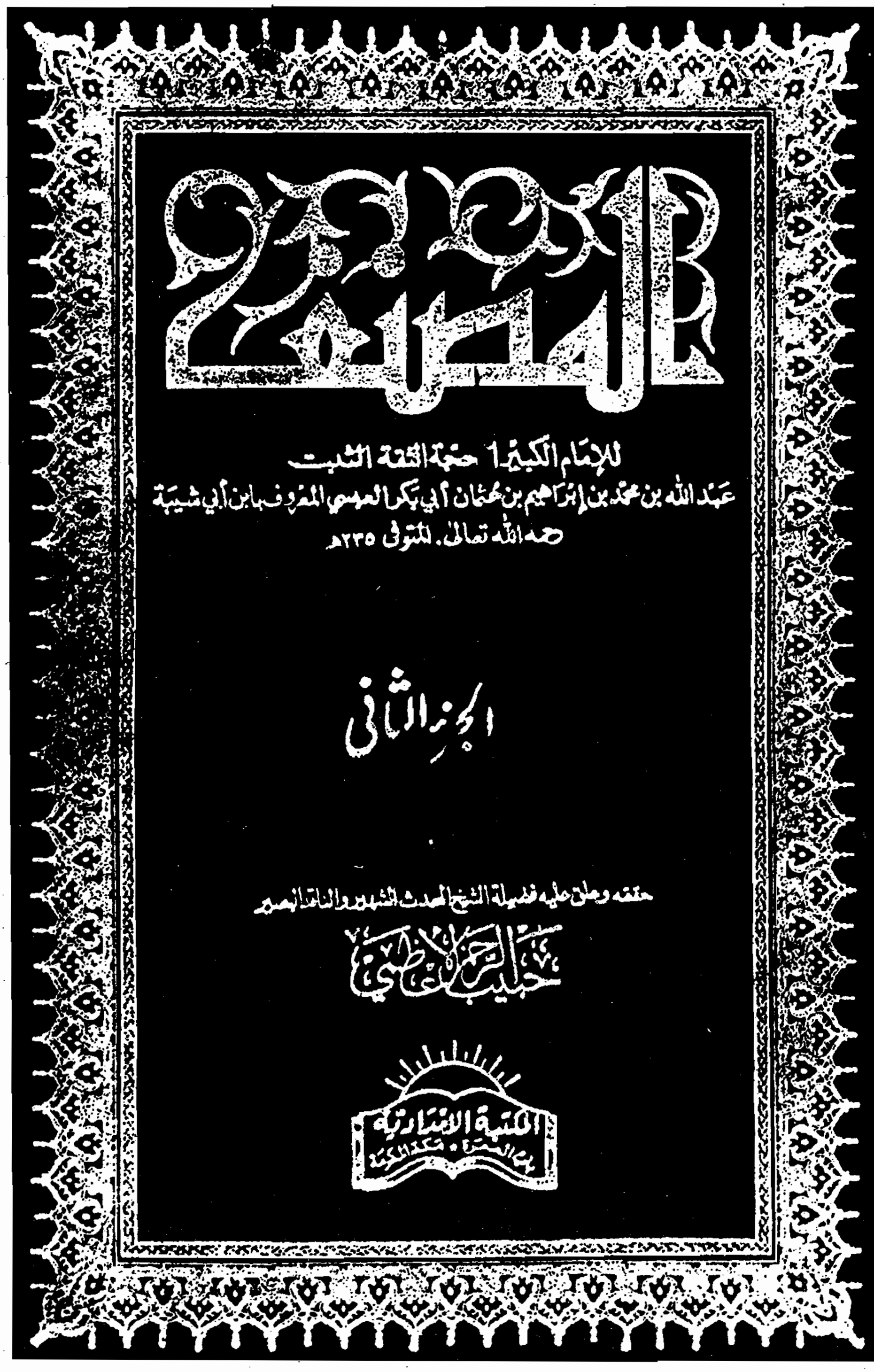
معظم جاهی مارکٹ حیدرآباد ۱۰۵

مصنف ابن ابی شیبہ — کتاب الصلوات ج — ۱

و ضع الیمین علی الشمال

حدثنا ابو بکر قال حدثنا زید بن حباب قال حدثنا معاویۃ بن صالح قال حدثنی یونس بن سیف العنسی عن الحارث بن غطیف أو غطیف بن الحارث الکندی شک معاویۃ قال مہما رأیت نسیت لم أنس انی رأیت رسول اللہ ﷺ و ضع یدہ الیمنی علی الیسری یعنی فی الصلوۃ ، حدثنا و کیع عن سفیان عن سماک عن قبیصۃ بن ھُلب عن ابیہ قال رأیت النبی ﷺ و اضعا یمینہ علی شمالہ فی الصلوۃ . حدثنا ابن ادریس عن عاصم بن کلیب عن ابیہ عن وائل ابن حجر قال رأیت رسول اللہ ﷺ حین کبر أخذ بشمالہ بیمینہ ، حدثنا وکیع عن اسماعیل بن ابی خالد عن الاعمش عن مجاھد عن مورق العجلی عن ابی الدرداء قال من اخلاق النبیین و ضع الیمین علی الشمال فی الصلوۃ ، حدثنا وکیع عن یوسف بن میمون عن الحسن قال قال رسول اللہ ﷺ کأنی أنظر الی أحبار بنی اسرائیل و اضعی أیمانھم علی شمائلھم فی الصلوۃ ، حدثنا و کیع عن موسی بن عمیر عن علقمۃ بن وائل بن حجر عن ابیہ قال رأیت النبی ﷺ و ضع یمینہ علی شمالہ فی الصلوۃ ، حدثنا وکیع عن ربیع عن ابی معشر عن ابراھیم قال یضع یمینہ علی شمالہ فی الصلوۃ تحت السرۃ ، حدثنا وکیع قال حدثنا عبد السلام بن شداد الجریری ابوطالوت قال نا غزوان ابن جریر الضبی عن أبیہ قال کان علی اذا قام فی الصلوۃ و ضع یمینہ علی رسغ یسارہ و لا یزال کذلک حتی یرکع متی ما رکع الا أن یصلح ثوبہ أو یحک جسدہ ، حدثنا وکیع قال حدثنا یزید بن زیاد عن ابی الجعد عن عاصم الجحدری عن عقبۃ بن ظھیر عن علی فی قولہ فصلّ لربک و انحر قال و ضع الیمین علی الشمال فی الصلوۃ ، حدثنا یزید بن ھارون قال اخبرنا

الحجاج .


المصنف

للإمام الكبير حجة الثقة الثبت
عبد الله بن محمد بن إبراهيم بن عثمان أبي بكر العبسي المعروف بابن أبي شيبة
رحمه الله تعالى. المتوفى ۲۳۵ھ

الجزء الثاني

حققه وعلق عليه فضيلة الشيخ المحدث الشهير والناقد البصير
حبيب الرحمن الأعظمي

المكتبة الإمدادية
باب العمرة • مكة المكرمة

٣٩٠٤ - حدثنا وكيع عن إسماعيل بن أبي خالد عن الأعمش عن مجاهد عن مورّق عن أبي الدرداء قال : من أخلاق النبيين وضع اليمين على الشمال في الصلاة .

٣٩٠٥ - حدثنا وكيع عن يوسف بن ميمون عن الحسن قال : قال رسول الله ﷺ : كأني أنظر إلى أحبار بني إسرائيل واضعي أيمانهم على شمائلهم في الصلاة .

٣٩٠٦ - حدثنا وكيع عن موسى بن عمير عن علقمة بن وائل بن حجر عن أبيه قال : رأيت النبي ﷺ وضع يمينه على شماله في الصلاة .

[٣٩٠٧[١] - حدثنا وكيع عن ربيع عن أبي معشرعن إبراهيم قال: يضع يمينه على شماله في الصلوة تحت السرة] .

٣٩٠٨ - حدثنا وكيع قال : حدثنا عبدالسلام بن شداد الحريري[٢] بوطالوت عن غزوان بن جرير الضبي عن أبيه قال : كان عليٌّ إذا قام في لصلاة وضع يمينه على رسغه ، ولايزال كذلك حتى يركع متى ماركع ، إلا ن يصلح ثوبه أو يحك جسده .

٣٩٠٩ - حدثنا وكيع قال : حدثنا يزيد بن زياد عن[٣] أبي الجعد عن عاصم الجحدري عن عقبة بن ظهير عن علي في قوله : ﴿فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ﴾ قال : وضع اليمين على الشمال في الصلاة .

---

(١) سقط من الأصل إلا آخره مدرجا فيما فوقه ، واستدركته من ب والحيدرآبادية .

(٢) كذا في الأصول ، ونسبه في التهذيب عبد يا قسيا ولم ينعته بالحريري .

(٣) كذا في الأصول كلها ، ولعل الصواب (بن) لأن جده أبوالجعد ولايروى عنه إنما يروى عن ابن أبي الجعد (عمه).

(۵) عن ابی جحیفة ان علیا قال السنة وضع الکف علی الکف فی الصلوٰة تحت السرة۔

(ابو داؤد، نسخة ابن الاعرابی ص۲۸۰ و بیھقی ص۳۱ ج۲ و مسند احمد ص۱۱۰ ج۱ و مصنف ابن ابی شیبه ص۳۹۱ ج۱ و دارقطنی ص۲۸٦ ج۱)

حضرت ابو جحیفہ سے مروی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا نماز میں ہتھیلی پر ہتھیلی ناف کے نیچے رکھنا مسنون ہے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص۲۷۷)

الجواب اولاً: ہتھیلی پر ہتھیلی، رکھنا حنفیہ کے خلاف ہے، تفصیل پہلی دلیل کے جواب میں درج کردی گئی ہے، ایسا ہی اس میں مرد وعورت کا فرق نہیں، الغرض یہ حنفیہ کے موافق نہیں

ثانیاً: بعد کی مطبوعات میں انوار خورشید صاحب نے آخری تین کتابوں کا حوالا حذف کردیا ہے سمجھ سے بالا ہے کہ ایسا کیوں کیا ہے۔

ثالثاً: اس کی سند میں، زیاد بن زید راوی مجہول ہے، جیسا کہ امام ابو حاتمؒ نے (الجرح والتعدیل ص۵۳۲ ج۳ وتہذیب ص۳٦۹ ج۳) میں علامہ خزرجی نے (خلاصہ ص۳۴۴ ج۱) میں علامہ ذہبی نے (میزان الاعتدال ص۸۹ ج۲) میں اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے (تقریب ص۱۱۰) میں صراحت کی ہے، اور زیاد سے روایت نقل کرنے والا، عبدالرحمٰن بن اسحاق راوی ہے، یہ بالا تفاق ضعیف ہے، علامہ ابن ہمام حنفی اور علامہ حلبی حنفی فرماتے ہیں کہ

قال النووی اتفقوا علی تضعیفه لانه من روایة عبدالرحمن بن اسحاق الواسطی مجمع علی ضعفه،

یعنی اس روایت کے ضعیف ہونے پر محدثین کرام کا اتفاق ہے کیونکہ یہ عبدالرحمٰن بن اسحاق واسطی کی روایت سے مروی ہے اور اس کے ضعیف ہونے پر آئمہ و جرح تعدیل متفق ہیں۔

(فتح القدیر ص۲۴۹ ج۱ و مستملی ص۳۰۱)

امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ضعیف اور منکر الحدیث ہے، امام ابن معین امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے **فیه نظر** اور امام ابو زرعہ نے **منکر الحدیث** اور ابن خزیمہ نے کہا ہے کہ اس کی مرویات سے احتجاج نہ کیا جائے، علامہ ذہبی اور حافظ ابن حجر نے ضعیف قرار دیا ہے،

(تهذیب التهذیب ص۱۳۷ ج٦ و میزان الاعتدال ص۵۴۸ ج۲ و تاریخ کبیر ص۲۵۹ ج۳ ق۱ و تقریب ص۱۹۸)

کوئی ادنیٰ کلمہ توثیق بھی کتب رجال میں واسطی کے حق میں منقول نہیں، امام بیہقی نے (السنن الکبریٰ ص۳۱ ج۲) میں اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے، دیوبندی مکتب فکر میں سے مولانا عبدالحی لکھنوی نے (السعایہ ص۱۵٦ ج۲) میں ان کے شاگرد علامہ نیموی نے (التعلیق الحسن ص۹۱) میں مولانا خلیل احمد سہارنپوری نے (بذل المجہود ص۲۳ ج۲) میں علامہ شبیر احمد عثمانی نے (فتح الملہم ص۴۰ ج۲) میں مولانا محمد یوسف بنوری نے (معارف السنن ص۴۴۴ ج۲) میں مولانا تقی عثمانی نے (درس ترمذی ص۲۴ ج۲)

میں اور مولوی عبدالقیوم حقانی نے (توضیح السنن ص۵۵۶ ج۱) میں اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔

(۶) عن ابی وائل قال قال ابو ھریرۃ اخذ الاکف علی الاکف فی الصلوٰۃ تحت السرۃ۔

(ابو داؤد نسخة ابن الاعرابی ص۲۸۰ ج۱ ومحلی ابن حزم ص۳۰ ج۳)

حضرت ابو وائل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نماز میں ہتھیلیوں کو ہتھیلیوں پر ناف کے نیچے رکھا جائے، (حدیث اور اہل حدیث ص۲۷۷)

الجواب اولاً: اس کی سند میں بھی، عبدالرحمٰن بن اسحاق واسطی کوفی ہے، امام ابو داؤد اسے روایت کرنے کے بعد ارشاد فرماتے ہیں کہ

قال ابو داؤد سمعت احمد بن حنبل یضعف عبدالرحمن بن اسحاق الکوفی۔

میں نے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے سنا وہ (اس کے راوی) عبدالرحمٰن بن اسحاق کوفی کی تضعیف کرتے تھے۔

(ابو دائود کتاب الصلاۃ باب وضع الیمنی علی الیسری فی الصلاۃ الحدیث ۷۵۸، مطبوعه دارالسلام) و ابو دائود مع عون المعبود ص۲۷۵ ج۱ وتحفة الاشراف بمعرفة الاطراف ص۱۱۱ ج۱۰ رقم الحدیث ۱۳۴۹۴)

جبکہ ایک نسخہ میں ہے۔

قال ابو داؤد سمعت احمد بن حنبل یضعف حدیث عبدالرحمن بن اسحاق الکوفی۔

یعنی میں نے امام احمد رحمہ اللہ سے سنا کہ وہ عبدالرحمٰن بن اسحاق کوفی کی (اس روایت کو) ضعیف قرار دیتے تھے (ابو داود مع بذل المجہود ص۲۴ ج۲) الغرض یہ روایت بھی بوجہ عبدالرحمٰن بن اسحاق ضعیف ہے، عبدالرحمٰن کا حال گذشتہ روایت کے ضمن میں گزر چکا ہے، دیوبندی علماء میں سے علامہ نیموی نے، (التعلیق الحسن ص۹۱) میں مولانا شبیر احمد عثمانی نے (فتح الملھم ص۴۰ ج۲) میں اور مولانا خلیل احمد سہارنپوری نے، (بذل المجہود ص۲۴ ج۲) میں اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے،

ثانیاً: امام ابن حزم رحمہ اللہ نے، محلی میں اس روایت کو تعلیقا (بلا سند) درج کیا ہے، لہذا ابو داؤد کے حوالے کے ساتھ اس کا ذکر مناسب نہ تھا۔

ثالثاً: یہ حنفیہ کے موافق نہیں بلکہ مخالف ہے، ہم وضاحت کر چکے ہیں کہ ہتھیلی پر ہتھیلی رکھنا ان کے ہاں معمول نہیں۔

رابعاً: محترم نے، ابو وائل کے ساتھ رضی اللہ عنہ، کا اضافہ بھی کیا ہے، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ انوار صاحب انہیں صحابی خیال کرتے ہیں، حالانکہ ابو وائل (شقیق بن سلمہ) تابعی ہیں صحابی نہیں۔

(دیکھئے، تھذیب ص۳۱۷ ج۴ والجرح والتعدیل ص۳۷۱ ج۴ و کتاب الثقات ص۳۵۴ ج۴ و طبقات ابن سعد ص۹۶ ج۶ و تاریخ ابن معین ص۲۵۸ ج۲ و تاریخ کبیر للبخاری ص۲۴۵ ج۲ ق۲ و تاریخ بغداد ص۲۶۸ ج۹ و ابن خلکان ص۳۸۶ ج۲ مترجم)۔

بلاشبہ ابو وائل نے جاہلیت کا زمانہ پایا ہے مگر اسلام نبی مکرم ﷺ کی وفات کے بعد قبول کیا ہے، الغرض ابو وائل صحابی نہیں تابعی ہیں، مقلد انوار خورشید صاحب نے بعض علماء اہل حدیث کے شاذ اقوال اور تسامحات کو چن چن کر یہ باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ جماعت اہل حدیث جاہلوں کا ٹولہ ہے، ہم انہیں اس غلطی پر جاہل کہنے کی جسارت تو نہیں کرتے مگر اتنا ضرور عرض کرتے ہیں کہ بشری تقاضا کی وجہ سے اگر کسی سے غلطی ہو جائے تو اسے اچھالنے کی بجائے درگزر کرنا اہل علم کا شیوہ ہے۔

(۷)عن علی قال ثلثة من اخلاق الانبیاء تعجیل الافطار و تاخیر السحور ووضع الاکف تحت السرة فی الصلاة۔ (منتخب کنز العمال برمسند احمد ص ۳۵۰ ج ۶)۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تین چیزیں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے اخلاق سے ہیں (۱) افطاری جلدی کرنا (۲) سحری دیر سے کھانا (۳) ہتھیلی کو ہتھیلی پر ناف کے نیچے رکھنا۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۲۷۷)۔

الجواب اولاً: صاحب کنز العمال (ص۹۶ ج۱۶ رقم الحدیث ۴۴۲۶۴) نے اس روایت کو ابن شاہین اور ابو محمد ابراہیم کی تالیف، کتاب الصلاۃ، سے نقل کیا ہے، ظاہر ہے کہ یہ کتابیں نہ معروف ہیں نہ متداول، جو شخص اس کی صحت کا مدعی ہے وہ اس کی صحیح یا حسن سند بیان کرے۔

ثانیاً: یہ روایت متعدد صحابہ کرام سے مروی ہے، مثلاً: سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے (دارقطنی ص۲۸۴ ج ۱) و ابن حبان (موارد) ص۲۲۳ (۸۸۵) و بیہقی ص۲۳۸ ج ۴ و مسند طیالسی ص۳۴۶ (۲۶۵۴) و طبرانی کبیر ص۱۵۹ ج۱۱ (۱۱۴۸۵) وطبرانی الاوسط ص۱۳۷ ج ۵ (۴۲۶۱) و ص۵۲۶ ج ۲ (۱۹۰۵) سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ سے (طبرانی الاوسط ص۱۴۱ ج۴ (۳۰۵۳) و عقیلی ص۴۰۵ ج ۴ میں۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے، دارقطنی ص۲۸۴ ج۱ میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے، دارقطنی ص۲۸۴ ج۱ میں سیدنا ابو درداء رضی اللہ عنہ سے، مصنف ابن ابی شیبہ ص۱۳ ج۳ و طبرانی کبیر بحوالہ مجمع الزوائد ص۱۰۵ ج ۲ و کنز العمال ص۳۴۳ ج ۱۵ (۴۳۲۲۴) و نصب الرایہ ص۴۷۰ ج ۲ میں، سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ سے دارقطنی میں (بحوالہ نصب الرایہ ص۴۷۰ ج۴) سیدنا یعلی بن مرہ ثقفی رضی اللہ عنہ سے، طبرانی کبیر ص۲۶۳ ج ۲۲ (۶۷۶) میں مروی ہے، مگر ان میں سے کسی کی روایت میں، تحت السرۃ، کا اضافہ نہیں ہے، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ابن شاہین وغیرہ میں، تحت السرۃ، کا اضافہ کسی کمزور وسیئ الحفظ، راوی کا ہے۔ یا پھر کنز العمال میں تصحیف ہے۔

جب خاکسار پروف پڑھ رہا تھا تو ''دین الحق'' کے رد اور احیاء باطل کے لیے مبتدعین بریلویہ کے ایک صاحب نے ''نصرت الحق'' کے نام سے اوہام کا مجموعہ شائع کیا تھا۔ جس کے صفحہ ۳۷۶ پر اس اثر کی سند بھی درج کی ہے۔

اخبرنا ابو الحسن الفضل ببغداد انبا ابو عمر ابن السماك ثنا محمد بن عبد الله بن المناوی نا ابو حذیفة ثنا سعید بن زربی عن ابیه عن انس الخ۔

(خلافیات البیهقی ص۳۷ مخطوطه مکتبه ظاهریه دمشق شام).

مؤلف نصرت الحق (ای الباطل) بوجہ سند کو درست نہیں پڑھ سکا،

جبکہ سند کے صحیح الفاظ اس طرح ہیں:

اخبرنا ابو الحسین بن الفضل ببغداد انبا ابو عمرو ابن السماك ثنا محمد بن عبید الله بن المنادی ثنا ابو حذیفه ثنا سعید بن زربی عن ثابت عن انس۔

سند کے الفاظ نقل کرنے میں مؤلف نصرت الحق سے کئی ایک اوہام ہوئے ہیں۔

(الف) ابو الحسین بن الفضل کو ابو الحسن الفضل، کر دیا۔ (ب) ابو عمرو کو ابو عمر لکھا۔ (د) المنادی کو المناوی بنا دیا۔ (ر) عن ثابت کو عن ابیہ سے بدل دیا۔ امام بیہقی رحمہ اللہ کی خلافیات کا مختصر چھپ گیا ہے، اس کے صفحہ ۳۴۲ ج۱ میں سعید بن زربی عن ثابت عن انس ہی ہے، اور مخطوط میں بھی صاف عن ثابت ہے، ہم نے ان اغلاط کو بغرض اصلاح تحریر کر دیا ہے، امید ہے کہ اندھوں (بریلویوں) میں کانا راجہ (محبت علی) اس کی اصلاح کر لے گا۔

سند کا مرکزی راوی سعید بن زربی ہے، اسے امام یحییٰ بن معین نے لیس بشیء (ہیچ محض) قرار دیا ہے، امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں صاحب عجائب ہے، امام ابو داؤد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ضعیف ہے، امام نسائی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ثقہ نہیں، امام ابو حاتم رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کے پاس مناکیر سے عجائب ہیں (تہذیب الکمال ص۱۵۸ ج۳)، ابو احمد الحاکم رحمہ اللہ فرماتے ہیں سخت منکر الحدیث ہے (تھذیب التھذیب ص۲۵ ج۳)، ابن حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں قلت روایت کے باوجود ثقات سے موضوع و من گھڑت روایات نقل کرتا ہے (المجروحین ص۳۹۹ ج۱)، امام دارقطنی رحمہ اللہ نے متروک قرار دیا ہے (الضعفاء والمتروکین رقم ۲۷۲) عقیلی، ابن جوزی، ذھبی اور حافظ ابن حجر رحمہم اللہ نے ضعیف قرار دیا ہے (الضعفاء الکبیر ص۱۰۶ ج۲، میزان ص۱۳۶ ج۲، تقریب ص۱۲۱)، الغرض ائمہ جرح وتعدیل کے نزدیک سعید بن زربی بالاتفاق ضعیف ومتروک راوی ہے، سعید سے روایت کرنے والا راوی ابو حذیفہ کون ہے؟ اگر سعید کا ہم وطن ابو حذیفہ بصری ہے تو یہ مجہول ہے (میزان ص۵۱۳ ج۴، ولسان ص۳۲ ج۷) اگر کوئی اور ہے تو اس کی بحوالہ عدالت وثقات ثابت کی جائے، الغرض یہ روایت سخت ضعیف ہے، اگر بریلوی مکتب فکر کی بیان کردہ سند کو درست تسلیم کیا جائے تو سعید کا والد زربی بھی سعید کی طرح شدید ضعیف ہے، جس کی وجہ سے سند میں ایک مزید خامی بھی آجاتی ہے، مگر سعید بن زربی عن ابیہ درج کرنا مولوی محبت علی کی جہالت ہے۔

(۸) عن انس قال ثلث من اخلاق النبوة تعجیل الافطار و تاخیر السحور و وضع الیده الیمنی علی الیسری تحت السرة .(محلی ابن حزم ص۳۰ ج۳)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تین چیزیں نبوت کے اخلاق میں سے ہیں۔ (۱) افطار جلدی کرنا (۲) سحری دیر سے کھانا (۳) اور دوران نماز دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھنا۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۲۷۷)

الجواب امام ابن حزم رحمہ اللہ نے محلی ص ۳۰ ج ۳ میں اس قول کو بغیر سند کے درج کیا ہے، جو شخص اس قول کی صحت کا مدعی ہے وہ اس کی سند درج کرے،

(۹) ذکر الاثرم قال حدثنا ابو الولید الطیالسی قال حماد بن سلمة عن عاصم الجحدری عن عقبة بن صهبان سمع علیا یقول فی قوله الله عزوجل، فصلی لربك وانحر، قال وضع الیمنی علی الیسرٰی تحت السرة۔ (التمهيد ص ۷۸ ج ۲۰)

حضرت عقبہ بن صہبان فرماتے ہیں کہ انہوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو اللہ تعالیٰ کا ارشاد، **فصل لربك وانحر،** کی تفسیر میں فرماتے ہوئے سنا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھے، (حدیث اور اہل حدیث ص ۲۷۷)

الجواب اولاً: حماد بن سلمہ سے روایت کرنے والے ابو ولید طیالسی ہیں۔ امام ابو حاتم فرماتے ہیں کہ ابو ولید نے حماد بن سلمہ سے آخری عمر میں سنا تھا جب ان کا حافظہ خراب ہو گیا تھا، (تہذیب ص ۴۷ ج ۱۱ و الجرح والتعدیل ص ۶۶ ج ۴ ق ۲) اور یہ مسلمہ اصول ہے کہ جب مختلط راوی سے روایت کرنے والا اختلاط کے دور میں روایت کرے تو اس کی روایت ضعیف ہوتی ہے۔

ثانیاً: اس میں دوسری خرابی یہ ہے کہ سند منقطع ہے، کیونکہ عاصم جحدری کی عقبہ سے ملاقات وسماع ثابت نہیں، امام ابو حاتم فرماتے ہیں کہ عقبہ سے عاصم اپنے والد کے واسطہ سے روایت نقل کرتا ہے (الجرح والتعدیل ص ۳۱۳ ج ۳ قسم دوم حصہ اول) جبکہ زیر بحث سند میں والد کا واسطہ ساقط ہے۔

ثالثاً: امام حماد بن سلمہ سے موسیٰ بن اسماعیل اور شیبان دونوں راوی، علی صدرہ کے الفاظ نقل کرتے ہیں۔ لہٰذا ان کی روایت کو ترجیح ہے۔ کیونکہ ان کی روایات اختلاط سے قبل کی ہے، اور متصل بھی، فصل اول میں، تفسیر قرآن کی تائید، کے زیر عنوان یہ روایات گزر چکی ہیں۔

خلاصہ کلام ہمارے معاصرے نے کل ۹ دلائل نقل کیئے ہیں۔ بنیاد ابو مجلز تابعی کے قول کو بنایا ہے، جو نہ قرآن ہے نہ ہی حدیث نہ ہی اجماع امت اور نہ ہی قیاس صحیح ہے، حالانکہ اصول فقہ حنفی کی تمام متداول کتابوں میں انہیں چار چیزوں کو دلائل قرار دیا گیا ہے، ایسا ہی نمبر ۲ و ۳ تابعین کے اقوال ہیں، نمبر چار مرفوع حدیث ہے مگر اس میں، تحت السرہ، کے الفاظ مبتدعین دیابنہ نے بددیانتی کر کے داخل کیئے ہیں، نمبر ۵ اور ۶ ضعیف روایات ہیں، نمبر ۷، ۸ بلا سند ہیں، نمبر ۹ کی سند اور متن میں اضطراب ہے (تفصیل گزر چکی ہے) الغرض مولانا محترم اپنے مؤقف پر کوئی صحیح یا حسن صریح مرفوع متصل حدیث

پیش نہیں کر سکے۔

سب جائز ہے: فرماتے ہیں کہ امام ترمذی رحمہ اللہ نے بھی جو کہ عام طور پر ترمذی شریف میں فقہاء کے مسالک بھی ذکر کرتے ہیں، ہاتھ باندھنے کے متعلق صرف دو مسلک ذکر کئے ہیں ایک ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کا دوسرا ناف کے اوپر، چنانچہ وہ فرماتے ہیں۔

ورأى بعضهم ان يضعهما فوق السرة ورای بعضهم ان يضعهما تحت السرة و كل ذلك واسع عندهم۔ (ترمذی ص۵۹ ج۱)

بعض اہل علم کی رائے ہے کہ دونوں ہاتھ ناف کے اوپر رکھے اور بعض کی رائے ہے کہ ناف کے نیچے رکھے اور محدثین کے نزدیک یہ سب جائز ہے، (حدیث اور اہل حدیث ص۲۸۲)

فوق السرة کی ہم وضاحت کر چکے ہیں کہ اس کا معنی ناف پر نہیں بلکہ ناف کے اوپر ہے، اور ان دونوں فقروں میں فرق ہے، جیسے کتاب میز پر ہے، پنکھا میز کے اوپر ہے'' میں فرق ہے، یہ بات ملحوظ رہے کہ، فوق کا لفظ اپنے معنوی لحاظ سے فاصلہ پر دلالت کرتا ہے، خواہ کم ہو یا زیادہ خلاصہ یہ کہ جب فوق کا لفظ جگہ کی طرف مضاف ہو تو بمعنی، علی، آتا ہے، قرآن میں۔

افلم ينظرون الى السماء فوقهم (ق ۶) کیا یہ آسمان کی طرف نہیں دیکھتے جو ان کے اوپر ہے۔

فوق السرہ کی وضاحت: احادیث میں، صدرہ، آئی ہے، جس سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ **فوق السرہ**، کا معنی سینہ ہے، مولانا محترم امام ترمذی سے **فوق السرہ**، کا جائز ہونا نقل کرتے، مگر افسوس، **حاطب الليل**، کی طرح ان کی عبارت سے مغالطہ کھاتے ہوئے اہل حدیث کا رد تحریر کرتے ہیں، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

فتاوٰی ثنائیہ: فرماتے ہیں۔

غیر مقلدین حضرات جب کوئی عمل اختیار کرتے ہیں تو چاہے وہ غلط ہی کیوں نہ ہو، اسے ثابت کرنے کے لیے دروغ گوئی سے بھی گریز نہیں کرتے چنانچہ مولوی ثناء اللہ امرتسری صاحب کا کہنا ہے کہ سینہ پر ہاتھ باندھنے کی حدیثیں بخاری و مسلم میں موجود ہیں۔

وہ لکھتے ہیں

سینہ پر ہاتھ باندھنے اور رفع یدین کرنے کی روایات بخاری و مسلم اور ان کی شروح میں بکثرت ہیں، (فتاوٰی ثنائیہ ص۴۴۳ ج۱)

اگر کوئی غیر مقلد ہمت کر سکے تو ہمیں بخاری و مسلم سے سینہ پر ہاتھ باندھنے کی (روایات تو درکنار) صرف ایک روایت ہی دکھا دے، لیکن ہمارا دعویٰ ہے کہ کوئی غیر مقلد بھی قیامت تک بخاری و مسلم سے یہ نہیں دکھا سکتا۔ (حدیث اور اہل حدیث ص۲۸۳)

پہلے فتاویٰ ثنائیہ کی عبارت پر غور کریں، پھر انوار صاحب کا چیلنج پڑھیے، اس نالائق کو ادھیڑ عمر میں بھی اردو کی عبارت سمجھنے کی لیاقت نہیں، فاتح قادیان نے صرف بخاری و مسلم کا ہی حوالہ نہیں دیا، بلکہ ان کی شروح کا بھی دیا ہے، لیکن انوار صاحب چیلنج کرتے وقت شروحات کا نام نہیں لیتے، اس کے بعد ان کے مطالبہ کی کوئی حیثیت رہ جاتی ہے نہیں قطعاً نہیں پھر محترم نے (فتاویٰ ثنائیہ ص۴۴۳ ج۱) سے مکمل عبارت نقل نہیں کی، آگے کی عبارت یہ ہے، ان دونوں فعلوں کو ناجائز کہنا صحیح نہیں، علمائے حنفیہ مثلاً مولانا عبدالحی لکھنوی مرحوم اور مولانا رشید صاحب گنگوہی مرحوم بھی اس کے قائل تھے (ص۴۴۳ ج۱)

اس عبارت کو مذکورہ عبارت کے ساتھ ملا کر پڑھیے، تو بات صاف ہے کہ سینہ پر ہاتھ باندھنے اور رفع یدین کرنا، مولانا رشید احمد صاحب اور علامہ لکھنوی کے نزدیک سنت سے ثابت ہے، ہمارے معاصر کو اس پر کوئی اعتراض نہیں، بلاشبہ مذکورہ دونوں حنفی بزرگوں کا یہی مؤقف تھا، تفصیل کے لیے ''مسلک احناف اور مولانا عبدالحی لکھنوی، مؤلفہ مولانا ارشاد الحق اثری، حفظہ اللہ تعالیٰ اور فتاویٰ رشیدیہ ص۲۹۴، ۲۹۶ کا مطالعہ کریں۔

اس کے علاوہ محترم خورشید صاحب کو یہ بھی مُسلّم ہے کہ بخاری و مسلم میں رفع یدین کرنے کی احادیث بکثرت ہیں، اختلاف ہے تو صرف سینہ پر ہاتھ باندھنے کے متعلق ہے، اس سلسلہ میں ہم فصل اول میں وضاحت کر آئے ہیں کہ بخاری و مسلم کی احادیث سے سینہ پر ہاتھ باندھنا ثابت ہے، لہذا خورشید صاحب کا دعوٰی محض مغالطہ اور دھوکا ہے،

حقیقت الفقہ کی عبارات فرماتے ہیں کہ

ایک جھوٹ مولوی یوسف جے پوری کا ملاحظہ فرمائیے وہ لکھتے ہیں۔

ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کی حدیث باتفاق آئمہ محدثین ضعیف ہے (ہدایہ ص۳۵۰ ج۱) ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کی حدیث مرفوع نہیں وہ قول حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ہے، اور ضعیف (شرح وقایہ ص۹۳) حضرت مرزا مظہر جان جاناں مجددی حنفی سینہ پر ہاتھ باندھنے کی حدیث کو بسبب قوی ہونے کے ترجیح دیتے تھے اور خود سینے پر ہاتھ باندھتے تھے

(مقدمه هدایه ص۱۱۱ ج۱ و ص۳۵۱ حقیقت الفقه ص۱۹۳)

بعینہ یہی جھوٹ فیض عالم صدیقی صاحب نے بولا ہے، ملاحظہ ہو۔ (اختلاف امت کا المیہ ص۹۶)

اسی جھوٹ کا اعادہ خالد گرجاکھی صاحب نے کیا ہے، ملاحظہ ہو، (صلاۃ النبی ص۱۵۷)

قارئین کرام، ہم نے ان حوالوں کی تلاش میں شرح وقایہ، ہدایہ، مقدمہ ہدایہ، ساری کی ساری چھان ماریں لیکن یہ حوالے ہمیں نہ مل سکے، اس لیے ان حوالوں کو جھوٹ سمجھنے پر مجبور ہیں،

(حدیث اور اهل حدیث ص۲۸٤)

(۱) ہم پورے جزم ویقین کے ساتھ یہ بات عرض کرتے ہیں کہ آپ نے جھوٹ بولا ہے، آپ نے ان کتب کو ان عبارات کے تلاش کرنے کی غرض سے قطعاً مطالعہ نہیں کیا، اگر آپ اپنے قول میں صادق ہیں تو کسی بھی حنفی مدرسہ کے شیخ الحدیث سے اس پر قسم دلا دیں، ورنہ لعنت علی الکاذبین، کی وعید سے ڈر جایئے، ماشاء اللہ آپ کی داڑھی میں چاندی آچکی ہے اور پیرانہ سالی میں داخل ہو چکے ہیں، بوڑھی عمر میں جھوٹ آپ کو زیب نہیں دیتا،

(۲) آپ مجبور نہ ہوں ہم آپ کی مجبوری دور کر دیتے ہیں، حقیقت الفقہ کا مذکورہ ص۱۹۳ ہی نکال لیں، اس کی آخری سطر کا مطالعہ کریں، لکھا ہے، کتب مندرجہ فقہ سے مراد ان کے تراجم ہیں۔

تھوڑی سی مزید تکلیف کریں اور حقیقت الفقہ ص۱۳۷ نکال لیں، اس میں مولانا محمد یوسف جے پوری مرحوم نے کتاب کے مراجع کا ذکر تفصیل سے کیا ہے، وہاں تمام کی تمام کتب فقہ مترجم ہیں، مولانا فرماتے ہیں کہ جن کتب فقہیہ مترجمہ کا ان ہر دو حصوں میں اقتباس لیا گیا ہے ان کا مطبع و سنہ طبع قلمبند کئے دیتا ہوں تا کہ ناظرین کو اصل کتاب سے مقابلہ کرنے میں آسانی ہو۔

(حقیقت الفقہ ص۱۳۷)۔

مولانا خالد گرجاکھی حفظہ اللہ[1] فرماتے ہیں۔ میری کتاب صلوٰۃ النبی، میں سات آٹھ جگہ ہدایہ کے حوالاجات ہیں۔ ہمارے حوالے اردو ہدایہ کے ہیں جس کا ترجمہ مولانا امیر علی صاحب نے کیا ہوا ہے،

(مقدمہ حدیث اور غیر اہل حدیث ص۸)

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ مذکورہ حوالے فقہ حنفی کی مترجم کتب کے ہیں۔

اور ان مترجم کتب میں مذکورہ تمام حوالے موجود ہیں، تفصیل کے لیے تحفہ حنفیہ ص۵۰۵ ج۱ کی مراجعت کریں، اگر اب بھی آپ انکار پر ہی اصرار کرتے ہیں، تو آپ وقت جگہ اور منصف بتا دیں ہم فی سبیل اللہ آپ کو یہ عبارات دکھا دیں گے۔ ہاں اگر آپ میزبان کی حیثیت سے کوئی ضیافت کر دیں گے تو اس سے ان شاء اللہ ہم انکار نہ کریں گے۔

قارئین کرام یاد رکھیے کہ انوار خورشید صاحب کبھی بھی اس پر تیار نہ ہونگے، کیونکہ اس حقیقت کو وہ بخوبی جانتے ہیں کہ حقیقت الفقہ میں فقہ حنفی کی مترجم کتابوں کے حوالے ہیں۔ آخر میں محترم کا حسب ذیل شعر درج کرنا،، خنجر اٹھے گا نہ تلوار ان سے، یہ بازو میرے آزمائے ہوئے ہیں۔

نہایت بے موقع ہے، ہماری معلومات کی حد تک انوار خورشید صاحب نے با ضابطہ کسی سلفی سے تادم تحریر مناظرہ نہیں کیا، تو بازو آزمائے ہوئے، کیسے ہوئے۔

(۲۹) باب تکبیر تحریمہ کے بعد کی دعائیں

فصل اول

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ آپ تکبیر تحریمہ اور قرات کے درمیانی وقفہ میں کیا پڑھتے ہیں تو آپ علیہ السلام نے فرمایا میں پڑھتا ہوں۔

اللهم باعدبيني و بين خطاياى كما باعدت بين المشرق و المغرب اللهم نقني من الخطايا كما ينقي الثوب الابيض من الدنس، اللهم اغسل خطاياى بالماء والثلج والبرد۔

(بخارى كتاب الاذان باب ما يقول بعد التكبير، الحديث ٧٤٤ و مسلم كتاب المساجد باب ما يقال بين تكبير الاحرام والقرأة الحديث ١٣٥٤)

اس افتتاحی دعا میں انسان کی عبدیت کا اظہار مبالغہ کے ساتھ پایا جاتا ہے، اور افتتاحی دعاؤں میں سے سند کے لحاظ سے سب سے قوی ہے، حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ

و حديث ابى هريرة اصح ماورد فى ذلك، یعنی اس سلسلہ میں مروی تمام روایات سے حدیث سیدنا ابو ہریرہ کی زیادہ صحیح ہے (فتح الباری ص۱۸۳ ج۲)

اس حقیقت کا اعتراف اکابر احناف نے بھی کیا ہے، (تفصیل فصل دوم کے آخر میں ہے) گو اس دعا کے علاوہ بھی دعائیں نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں، جن کی تفصیل علامہ البانی کی تالیف، (صفة صلاة النبی صلی اللہ علیہ وسلم ص۶۴) میں دیکھی جا سکتی ہے، ان مسنون دعاؤں میں سے کسی ایک کا یا زیادہ کا پڑھنا بھی حدیث سے ثابت ہے۔ گویا پڑھنے میں ہمارا اختلاف نہیں، یہ تمام ہمارے نزدیک مسنون ہیں، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مختلف اوقات میں مختلف دعائیں صحابہ کرام نے روایت کی ہیں۔ ایسے ہی کبھی کسی کو اور کسی وقت دوسری دعاؤں میں سے بھی پڑھا جا سکتا ہے، مگر ہمارے معاصر کو بلا وجہ، اللهم باعدبيني، سے عداوت ہے حالانکہ بعض اکابر دیوبند اس کے جواز کے قائل ہیں (دیکھئے نماز مسنون ص۳۲۳)

بعض علمائے اہل حدیث نے **اللهم باعدبيني،** کو راجح لکھا تھا، جس پر انوار صاحب نے **سبحانك اللهم و بحمدك** کو راجح ثابت کرنے کے لیے باب لکھا ہے، مگر راجح کی کوئی معقول دلیل درج نہیں کر سکے، واضح رہے کہ، **سبحانك اللهم،** کے متعلق جس قدر مرفوع روایات بیان کی جاتی ہیں وہ تمام کی تمام معلول اور ضعیف ہیں۔

کوئی طریق بھی جرح سے خالی نہیں، ہاں موقوف روایات میں سے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے پڑھنا ثابت ہے، لیکن جس طریق (اسود بن یزید) سے مروی ہے اسے انوار صاحب نے قبول نہیں کیا، کیونکہ

اس میں بلند پڑھنے کا ذکر تھا ظاہر ہے کہ مرفوع موقوف پر مقدم ہوتی ہے، مقدمہ میں ہم وضاحت کر آئے ہیں کہ جب موقوف و مرفوع کا اختلاف ہو تو تب موقوف روایت نا قابل دلیل ہوتی ہے۔

فصل دوم

(۱) عن انس رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انه كان اذا كبر رفع يديه حتى يحاذى اذنيه يقول سبحانك اللهم و بحمدك و تبارك اسمك و تعالىٰ جدك و لا اله غيرك۔ (مجمع الزوائد ۱۰۷ ج۲)

حضرت انس رضی اللہ عنہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے روایت کرتے ہیں کہ آپ جب تکبیر تحریمہ کہتے تو دونوں ہاتھ کانوں تک لے جاتے اور یہ پڑھتے **سبحانك اللهم و بحمدك و تبارك اسمك و تعالىٰ جدك و لا اله غيرك۔** (حدیث اور اہل حدیث ص۲۷۵)

الجواب اولاً: سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرنے والا راوی عائذ بن شریح، کوکسی نے بھی ثقہ قرار نہیں دیا بلکہ امام ابو حاتم نے ضعیف قرار دیا ہے، (الجرح والتعدیل ص۱۷ ج۳ ق۲ حصہ اول ولسان المیزان ص۲۲۶ ج۳) مولانا عبدالعزیز حنفی دیوبندی مرحوم نے، نصب الرایہ کے حاشیہ میں عائذ کو ضعیف قرار دیا ہے، (بغیۃ الالمعی ص۳۲۱ ج۱ عائذ) سے روایت کرنے والا راوی مخلد بن یزید ہے۔ (المعجم الاوسط للطبرانی ص۴۸ ج۴ رقم الحدیث ۳۰۶۳) یہ مختلف فیہ اور حسن درجہ کا راوی ہے، تفصیل کے لیے دیکھئے (تہذیب ص۷۷ ج۱۰) اس کا شاگرد عبدالعزیز بن یحییٰ الحرانی ہے، یہ بھی مختلف فیہ ہے (تہذیب ص۳۲۳ ج۶) حافظ ابن حجر نے، مخلد اور عبدالعزیز دونوں کے متعلق کہا ہے کہ صدوق لہ اوہام، (تقریب ص۳۳۱ و ۲۱۶) ایسے راویوں کی روایات متابعت کے بغیر قابل قبول نہیں ہوتی، لہٰذا علامہ ہیثمی کا، (مجمع الزوائد ص۱۰۷ ج۲) میں کہنا کہ (رجالہ موثقون) یعنی اس کے راویوں کی توثیق کی گئی ہے، درست نہیں، کیونکہ عائذ بن شریح کی کسی محدث نے توثیق نہیں کی۔

ثانیاً: (طبرانی اوسط ص۴۸ ج۴ رقم الحدیث ۳۰۶۳) میں تصحیف سے عائذ بن شریح کی بجائے عبید بن شریح ہے، تصحیف کی یہ دلیل ہے کہ علامہ زیلعی حنفی نے، (نصب الرایہ ص۳۲۱ ج۱) میں اور علامہ البانی نے، (ارواء الغلیل ص۵۲ ج۲) میں طبرانی سے، عائذ بن شریح ہی نقل کیا ہے، اگر ہمارے معاصر انوار خورشید صاحب، عبید، پر ہی اصرار کریں تو ان پر لازم ہے کہ عبید کی عدالت ثابت کریں، ثقات کا ہم مطالبہ نہیں کرتے۔

(۲) عن حميد الطويل عن انس بن مالك قال كان رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم اذا استفتح الصلوٰة قال سبحانك اللهم و بحمدك و تبارك اسمك و تعالىٰ جدك و لا اله غيرك۔

(كتاب الدعاء للطبرانی ص۱۰۳٤ ج۲ و اسناده جيد، آثار السنن ص۹۲)

حضرت حمید طویل حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع کرتے تو کہتے، **سبحانك اللهم و بحمدك و تبارك اسمك و تعالىٰ جدك ولا اله غيرك،** (حدیث اور اہل حدیث ص ۲۸۶)۔

الجواب اولاً: سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرنے والا راوی، حمید بن طویل ہے جو کہ مدلس ہے، جیسا کہ امام نسائی امام ابن حبان امام ابن سعد امام علائی امام ابو بکر علامہ ذہبی اور حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہم نے صراحت کی ہے، (تہذیب ص ۴۰ ج ۳ و میزان ص ۶۱۰ ج ۱ و طبقات المدلسین ص ۳۸) اور زیر بحث روایت کی سند میں تحدیث کی صراحت نہیں ہے، امام ابو حاتم فرماتے ہیں کہ یہ روایت جھوٹ اور بے اصل ہے، (علل الحديث ص ۱۳۵ ج ۱)

ثانیاً: محدث مبارکپوری فرماتے ہیں کہ سند کے دو راوی، محمود بن محمد واسطی اور زکریا بن یحییٰ بن یحییٰ بن رحمویہ کے تراجم سے میں واقف نہیں ہوا، (ابکار المنن ص ۱۲۵) فریق ثانی پر لازم ہے کہ وہ ان کی بحوالہ عدالت و ثقات ثابت کریں،

(۳) عن ابى سعيد ان النبى عليه السلام كان اذا افتتح الصلاة قال سبحانك اللهم و بحمدك و تبارك اسمك و تعالىٰ جدك ولا اله غيرك۔ (نسائی ص ۱۰۴ ج ۱)

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام جب نماز شروع فرماتے تو یہ پڑھتے۔

سبحانك اللهم وبحمدك و تبارك اسمك و تعالىٰ جدك ولا اله غيرك۔

(۴) عن ابى سعيد قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا افتتح الصلاة قال سبحانك اللهم وبحمدك وتبارك اسمك وتعالىٰ جدك ولا اله غيرك۔ (نسائی ص ۱۰۴ ج ۱)۔

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع فرماتے تو پڑھتے۔

سبحانك اللهم وبحمدك وتبارك اسمك وتعالىٰ جدك ولا اله غيرك۔

(حدیث اور اہل حدیث ص ۲۸۶)۔

الجواب اولاً: انوار صاحب نے ایک ہی سند میں معمولی اختلاف کی بنا کر انہیں دو روایات بنا دیا ہے حالانکہ یہ صرف ایک ہی ہے،

ثانیاً: امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

وقد تكلم فى اسناد حديث ابى سعيد، كان يحيىٰ بن سعيد يتكلم فى على بن على وقال احمد لا يصح هذا الحديث،

یعنی اس کی سند میں کلام کیا گیا ہے امام یحییٰ بن سعید اس کے راوی علی بن علی رفاعی پر جرح کرتے تھے اور امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ روایت صحیح نہیں۔

(ترمذی کتاب الصلاۃ باب ما یقول عند افتتاح الصلاۃ، زیر حدیث ۲۴۲)

امام ابو داؤد فرماتے ہیں کہ علی بن علی سے یہ روایت عن الحسن مرسل ہے اور اسے متصل بیان کرنے میں جعفر بن سلیمان راوی نے غلطی کی ہے۔

(ابو داؤد کتاب الصلاۃ باب من رای الاستفتاح بسبحانك اللھم و بحمدك، زیر حدیث ۷۷۵)

ثانیاً: اس روایت میں وضاحت ہے کہ جب رات کو تہجد کے لیے بیدار ہوتے تو تب مذکورہ ثنا پڑھتے تھے۔ (ابو داؤد الحدیث ۷۷۵ و ترمذی الحدیث ۲۴۲ و مصنف عبدالرزاق ص۷۵ ج۲ و بیہقی ص۳۴ ج۲ و دارقطنی ص۲۹۸ ج۱) جس سے ثابت ہوا کہ یہ نوافل سے خاص ہے مگر حنفی تو فرضوں میں بھی یہی پڑھتے ہیں۔

ثالثاً: اس روایت میں یہ بھی وضاحت ہے کہ **سبحانك اللھم**، کے بعد تین بار **لا الہ الا اللہ**، اور تین بار، **اللہ اکبر کبیرا**، پڑھتے تھے، حوالے کے لیے دیکھئے ثانیاً کے تحت کتب حدیث کے متعلقہ مقامات، حالانکہ حنفی یہ کلمات نہیں پڑھتے۔

رابعاً: بعض طرق میں اس بات کی بھی وضاحت ہے کہ تکبیر تحریمہ (اللہ اکبر) تین بار کہتے تھے (صحیح ابن خزیمہ ص۲۳۸ ج۱ رقم الحدیث ۴۶۷) حالانکہ حنفی تکبیر تحریمہ کے وقت اللہ اکبر ایک ہی بار کہتے ہیں۔

انہیں صعوبتوں کو دیکھ کر علامہ تقی عثمانی دیوبندی فرماتے ہیں کہ

امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس باب میں ثناء کے ثبوت کے لیے حضرت ابو سعید خدریؓ اور سیدہ عائشہؓ کی دو حدیثیں تخریج کی ہیں لیکن یہ دونوں سنداً متکلم فیہ ہیں۔ (درس ترمذی ص۴۹۸ ج۱)

(۵) عن عائشۃ رضی اللہ عنہا قالت کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا استفتح الصلاۃ قال سبحانك اللھم و بحمدك و تبارك اسمك و تعالیٰ جدك ولا الہ غیرك۔

(مستدرک حاکم ص۲۳۵ ج۱ و ابو داؤد ص۱۱۳ ج۱)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع فرماتے تو کہتے۔ **سبحانك اللھم و بحمدك و تبارك اسمك و تعالیٰ جدك ولا الہ غیرك۔**

(حدیث اور اہل حدیث ص۲۸۷)

الجواب اولاً: اس کے راوی تو ثقہ ہیں مگر سند منقطع ہے، کیونکہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرنے والے، ابو جوزاء، راوی کا سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے سماع ثابت نہیں جیسا کہ امام بخاری اور ابن عبدالبر رحمہما اللہ نے کہا ہے، (التلخیص الحبیر ص۲۱۷و ۲۲۹ ج۱ و تہذیب ص۳۳۶ ج۱)

امام ابو داؤد رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

هذا الحديث ليس بالمشهور عن عبدالسلام بن حرب لم يروه الاطلق بن غنام و قدروى قصة الصلاة عن بديل جماعت لم يذكروا فيه شيئا من هذا۔

یعنی یہ روایت عبدالسلام بن حرب کے طریق سے معروف نہیں، اور عبدالسلام سے صرف طلق بن غنام روایت کرتا ہے، جبکہ (عبدالسلام کے استاذ) بدیل سے ایک جماعت نے نماز کے واقعہ کی روایت نقل کی ہے، مگر کسی نے بھی یہ ثناء بیان نہیں کی۔

(ابو داؤد کتاب الصلاة باب من رای الاستفتاح بسبحانك اللهم و بحمدك، زیر حدیث ۷۷۶) امام ابو داؤد رحمہ اللہ نے جس روایت کی طرف اشارہ کیا ہے وہ (صحیح مسلم ص۱۹۴ ج۱) میں موجود ہے مگر اس میں ثناء کا ذکر نہیں ہے امام دارقطنی فرماتے ہیں کہ

و ليس هذا الحديث بالقوى، یعنی یہ حدیث قوی نہیں۔

(سنن دارقطنی ص۲۹۹ ج۱)

ثانیاً: ممکن ہے کہ کوئی حنفی یہ کہہ دے کہ اس کا ایک دوسرا طریق، عمرۃ کی سند سے بھی ہے، جواباً عرض ہے کہ اس کی سند میں، حارثہ بن رجال، راوی ہے،

(ترمذی کتاب الصلاة باب ما یقول عند افتتاح الصلاة، الحدیث ۲۴۳ و ابن ماجة کتاب اقامة الصلوات باب افتتاح الصلاة الحدیث ۸۰۶) و ابن خزیمه (۴۷۰) و ضعفاء الکبیر ص۲۸۹ ج۱ و دارقطنی ص۳۰۱ ج۱ و بیهقی ص۳۴ ج۲)

حارثہ متروک وضعیف ہے، امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں ضعیف اور ہیچ محض ہے ابن معین کہتے ہیں ثقہ نہیں ضعیف ہے، ابو زرعہ فرماتے ہیں کہ واہی الحدیث اور ضعیف ہے، ابو حاتم کہتے ہیں ضعیف اور منکر الحدیث ہے، امام بخاری رحمہ اللہ منکر الحدیث قرار دیتے ہیں نسائی فرماتے ہیں متروک ہے ابن عدی فرماتے ہیں کہ اس کی عام مرویات منکر ہیں۔ امام احمد رحمہ اللہ نے اس کی اس روایت کو سخت منکر قرار دیا ہے، امام مالک حارثہ سے راضی نہ تھے (تہذیب ص۱۴۵ ج۲)

الغرض یہ روایت سخت ضعیف ہے، علاوہ ازیں اس طریق میں اس بات کی بھی وضاحت ہے کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھ کندھوں کے برابر تک اٹھاتے تھے۔

(دارقطنی ص۳۰۱ ج۱ و بیهقی ص۳۴ ج۱ و ابن خزیمه ص۲۳۹ ج۱ وغیره)۔

مگر حنفی اسے تسلیم نہیں کرتے بلکہ مقلد انوار خورشید صاحب نے اپنی تالیف میں ایک مستقل باب اس کے رد میں تحریر کیا ہے، مگر افسوس کہ یہاں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کو مطلب برآری کے لیے قبول کیا جا رہا ہے لیکن اپنے مخالف حصے کو چھپایا جا رہا ہے، انا لله و انا الیه راجعون۔

(۶) عن عبدالله بن مسعودؓ قال کان رسول الله ﷺ یعلمنا اذا استفتحنا الصلوٰة ان نقول سبحانك اللهم و بحمدك و تبارك اسمك و تعالیٰ جدك ولا اله غیرك وکان عمر بن

الخطاب یعلمنا و یقول کان رسول الله ﷺ یقوله۔

(مجمع الزوائد ص١٠٦ ج٢)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہمیں سکھلاتے کہ جب ہم نماز شروع کریں تو کہیں، سبحانك اللهم و بحمدك و تبارك اسمك و تعالیٰ جدك ولا اله غیرك، حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بھی ہمیں یہی سکھلاتے تھے اور فرماتے کہ رسول اللہ ﷺ یہی کہتے تھے۔

(حدیث اور اهل حدیث ص٢٨٧)

الجواب علامہ ہیثمی نے (مجمع الزوائدص١٠٦ ج٢) میں آگے جرح کی تھی جسے مقلد انوار خورشید صاحب نے دیوبندی دیانت استعمال کرکے ہضم کرلیا ہیں۔ ہیثمی فرماتے ہیں کہ

اسے، طبرانی نے (المعجم الاوسط (ص١٩ ج٢ رقم الحدیث ١٠٣٠) میں روایت کیا ہے اور ابو عبیدة (ابن مسعودؓ سے روایت کرنے والے) نے ابن مسعودؓ سے کچھ بھی سنا نہیں اور طبرانی نے (المعجم الکبیر (ص١٠٨ ج١٠ رقم الحدیث ١٠١١٧ وص١٥٠ رقم الحدیث ١٠٢٨٠) میں مختصر روایت کیا ہے اور اس کی سند میں مسعود بن سلیمان راوی ہے جسے امام ابو حاتم نے مجہول قرار دیا ہے،

(٧) عن ابن جریج قال حدثنی من اصدق عن ابی بکر و عمر و عثمان و عن ابن مسعود رضی اللہ عنہم انهم کانوا استفتحوا قالوا سبحانك اللهم و بحمدك و تبارك اسمك و تعالیٰ جدك ولا اله غیرك قبل القرأة۔

(مجمع الزوائد ص٢٠٦ ج٢)

ابن جریج کہتے ہیں کہ مجھے ایک ایسے شخص نے بیان کیا جس کی میں تصدیق کرتا ہوں حضرت ابو بکر حضرت عمر حضرت عثمان اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم کے بارے میں کہ یہ اصحاب جب نماز شروع کرتے تو کہتے، سبحانك اللهم وبحمدك و تبارك اسمك و تعالیٰ جدك ولا اله غیرك، قرأت شروع کرنے سے پہلے۔ (حدیث اور اهل حدیث ص٢٨٨)

الجواب اس کی سند میں ابن جریج کا استاد راوی مبہم ہے (طبرانی کبیر ص٢٦٢ ج٩ رقم الحدیث ٩٣٠١ وعبدالرزاق ص٧٦ ج٢ رقم الحدیث ٢٥٥٨) خود ھیثمی نے آگے وضاحت کی تھی جسے انوار خورشید صاحب نے نقل نہیں کیا، ہمارے معاصر کی نقل کردہ عبارت میں بھی یہ ہے، حدثنی من اصدق، الغرض یہاں ایک مبہم راوی ہے، اس کی بحوالہ وضاحت کرکے عدالت وثقات ثابت کیجئے، ابن عدی نے، (الکامل ص١٨٣٥ ج٥) میں اسے بواسطہ، ابی عبیدة، نقل کیا ہے، اور اس کی نمبر٦ میں ہیثمی کے حوالے وضاحت گزر چکی ہے کہ ان کا سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے سماع ثابت نہیں ہے، مزید سنئے کہ امام ترمذی امام ابن حبان امام ابو حاتم اور حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان کا عبداللہ بن مسعودؓ سے سماع

نہیں ہوا (تہذیب ص۵۷ ج۵) الغرض یہ روایت ہر لحاظ سے ضعیف ہے

(۸) عن عمر رضی اللہ عنہ انه كان اذا كبر للصلوٰة قال سبحانك اللهم و بحمدك و تبارك اسمك وتعالىٰ جدك ولا اله غيرك۔

(دارقطنی ص۲۹۹ ج۱)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ جب نماز کے لیے تکبیر تحریمہ کہہ لیتے تو کہتے سبحانك اللهم و بحمدك و تبارك اسمك و تعالىٰ جدك ولا اله غيرك۔

(حديث اور اهل حديث ص۲۸۸)۔

الجواب اس کی سند میں، عمر بن شیبہ راوی مجہول ہے، لہذا فریق ثانی پر لازم ہے کہ وہ اس کی بحوالہ عدالت و ثقات ثابت کرے، اور اصول حدیث کے مطابق اس کی تعین کرے، امام ابو حاتم نے، (الجرح والتعدیل ص۱۱۴ و ۱۱۵ ج۳ ق۱ حصہ اول) میں اس نام کے تین راوی بتائیں ہیں جو تقریباً ہم عصر ہیں۔ الغرض یہ روایت بوجہ جہالت، عمر، ضعیف ہے۔ جو اس کی صحت کا مدعی ہے وہ عمر بن شیبہ کی عدالت و ثقات ثابت کرے۔

(۹) عن عبدة وهو ابن ابى لبابة ان عمر بن الخطاب كان يجهر بهولاء الكلمات يقول سبحانك اللهم و بحمدك و تبارك اسمك و تعالىٰ جدك ولا اله غيرك،

(مسلم ص۱۷۲ ج۱)

حضرت عبدۃ بن ابی لبابۃ سے مروی ہے کہ حضرت عمر بن خطاب یہ کلمات اونچی آواز سے پڑھتے تھے، سبحانك اللهم و بحمدك و تبارك اسمك و تعالىٰ جدك ولا اله غيرك، (حدیث اور اہل حدیث ص۲۸۹)

الجواب اولاً: اگر اس روایت کی صحت کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو ظاہر ہے کہ یہ موقوف ہے اور موقوف جبکہ مرفوع کے خلاف ہو تو تب حجت نہیں ہوتی، راجع مقدمہ، خود احناف بھی اس روایت کا آدھا حصہ ہی تسلیم کرتے ہیں۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ جہاں اس روایت سے، سبحانک اللھم، کا پڑھنا ثابت ہوتا ہے وہاں ہی اس کا بلند آواز سے پڑھنا، بھی ثابت ہے لیکن کتنے ستم کی بات ہے کہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے قول و عمل کو دلیل بنانے والے صرف ثناء کے پڑھنے کو ہی مانتے ہیں جبکہ اس کی کیفیت کو تسلیم نہیں کرتے، انصاف شرط ہے کہ اگر یہ حنفیہ کی ثناء پڑھنے کی دلیل ہے تو اسے بلند آواز سے کیوں نہیں پڑھتے،

ثانیاً: سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت کرنے والا راوی، عبدۃ بن ابی لبابۃ، ہے اور اس کی سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے ملاقات و سماع ثابت نہیں جیسا کہ امام نووی رحمہ اللہ نے، (شرح صحیح مسلم ص۱۷۲ ج۱)

میں صراحت کی ہے،

لطیفہ: مکرم حکیم محمد صادقؒ صاحب نے، صلوٰۃ الرسول ص۱۹۳ پر مذکورہ روایت کو منقطع قرار دیا تھا، یہ جرح چونکہ اپنے اندروزن رکھتی تھی، اور انوار خورشید صاحب کے پاس اس کا کوئی جواب نہ تھا، اور جواب دینا بھی ضرور تھا۔

کیونکہ انوار صاحب نے ان کی ایک مفید مطلب عبارت نقل کی تھی، جس میں اس جرح کا بھی بیان تھا، مقلد انوار خورشید صاحب کی رگ حمیت بھڑک اُٹھی، رعب جماتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

نوٹ : صادق سیالکوٹی صاحب کا اس ثناء والی حدیث کی سند کو منقطع قرار دینا غلط ہے تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، (اعلاء السنن ص۱۷۶ ج۲)

اب اٹھایئے، اعلاء السنن، اور اس کا بغور مطالعہ کریں، اس میں اس جرح کا تسلی بخش جواب تو کجا خود تھانوی صاحب فرماتے ہیں۔

قلت ولو سلم الانقطاع فهو لا يضر عندنا كما مر غير مرة،

میں کہتا ہوں کہ اگر انقطاع کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو ہمارے نزدیک نقصان دہ نہیں جیسا کہ متعدد بار گزر چکا ہے (اعلاء السنن ص۲۰۲ ج۲ باب ما جاء فی سنیة الثناء بعد التکبیر) یہ ایک الگ بحث ہے کہ حنفیہ کے نزدیک انقطاع مُضر ہے کہ نہیں! سوال یہ ہے کہ دبے لفظوں میں اس کے انقطاع کو وہ تسلیم کرتے ہیں، مگر ہمارے محترم خورشید صاحب حکیم صاحب رحمہ اللہ کی تردید کے لیے اس کے مطالعہ کا مشورہ دے رہے ہیں، مکرم ہم آپ کی ورق گردانی کی قدر کرتے ہیں مگر اتنا ضرور مشورہ دیتے ہیں کہ گردانی کی بجائے پڑھ کر حوالا دیا کریں، واضح رہے کہ اس روایت کو علامہ شبیر احمد عثمانی نے بھی ابو علی غسانی سے منقطع ہونا نقل کر کے سکوت کیا ہے (فتح الملہم ص۳۸ ج۲) جو اس بات کا روشن پہلو ہے کہ وہ بھی اسے منقطع تسلیم کرتے ہیں اسی طرح علامہ عثمانی سے بھی پہلے مولانا عبدالحی لکھنوی نے (حاشیہ السعایہ ص۱۶۰ ج۲) میں۔ مذکورہ روایت کو منقطع قرار دیا ہے، لہذا تنہا حکیم صاحب مرحوم ہی زیر عتاب کیوں ہیں؟

(۱۰) عن ابی وائل قال کان عثمان اذا افتتح الصلوٰة یقول سبحانك اللهم و بحمدك و تبارك اسمك و تعالىٰ جدك ولا اله غیرك

(دارقطنی ص۳۰۲ ج۱)

حضرت وائل فرماتے ہیں کہ حضرت عثمان غنی نماز شروع کرتے تو کہتے، سبحانك اللهم و بحمدك و تبارك اسمك و تعالىٰ جدك، و لا اله غيرك۔

(حدیث اور اهل حدیث ص۲۸۹)۔

الجواب اس کی سند میں ابو بکر بن عیاش راوی ہے، حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ، **لما کبر ساء حفظه** یعنی بڑھاپے میں حافظہ خراب ہو گیا تھا (تقریب ص۳۹۶)، امام نسائی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ، **اختلط بآخره**، یعنی آخری عمر میں مختلط ہو گئے تھے۔ (بحوالہ نصب الرایہ ص۴۰۹ ج۱)

جتنی دیر تک یہ ثابت نہ کیا جائے کہ اس سے روایت کرنے والے نے اختلاط سے پہلے سماع کیا ہے تب تک یہ روایت قابل قبول نہیں، علاوہ ازیں اس سے اوپر کا راوی عاصم بن بہدلہ ہے اور یہ احناف کے نزدیک سیئی الحفظ ہے۔ (جوہر النقی ص۱۸۷ بحوالہ ابکار المنن ص۱۲۵)

خلاصہ کلام مقلد انوار خورشید نے کل دس دلائل ذکر کیئے ہیں، چھ مرفوع احادیث اور چار اقوال صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، اگر مرفوع روایات کی اسناد کی تعداد کو الگ کر لیا جائے تو چار رہ جاتی ہیں۔

کیونکہ نمبر ۱، ۲، ایک ہی روایت ہے ایسے ہی ۳، ۴، ایک روایت ہے، مگر ان میں سے کوئی بھی صحت کے معیار کو نہیں پہنچی پھر ان میں مزید ایسی چیزیں بھی ہیں جن کو حنفی حضرات تسلیم بھی نہیں کرتے موقوف روایات کی اسنادی حیثیت بھی تسلی بخش نہیں، ان تمام باتوں کی تفصیل گزر چکی ہے، مگر ہمارے معاصر مقلد نعیم الدین صاحب فرماتے ہیں۔ ان تمام احادیث و آثار کے خلاف غیر مقلدین کا کہنا ہے کہ تکبیر تحریمہ کے بعد، **اللهم باعد بيني**، پڑھنا چاہئے یہی راجع ہے یہی افضل ہے، یونس قریشی صاحب لکھتے ہیں۔

تکبیر تحریمہ کے بعد آہستہ سے یہ دعا پڑھیں جو سب سے زیادہ صحیح اور متفق علیہ ہے، **اللهم باعدبيني** الخ، (دستور المتقی ص۹۷)۔

اس کے بعد انہوں نے نواب وحید الزمان اور حکیم صاحب کی عبارت ذکر کی ہیں۔

(حدیث اور اہل حدیث ص۲۹۰)

علمائے اہل حدیث کی عبارات پر ہم نے متعدد بار غور کیا ہے، قارئین کرام آپ خود بھی غور کریں اگر ہم غلطی پر ہیں تو ہمیں سمجھائیں ہم حق بات قبول کرنے کو تیار ہیں، ضد ہے نہ تعصب، ہم جہاں تک سمجھے ہیں وہ یہ کہ **اللهم باعدبيني** کی دعا، **سبحانك اللهم و بحمدك** سے زیادہ معتبر اور قوی اور صحیح سند سے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، اور بوجہ پختہ ثبوت ہونے کے یہ راجح ہے، ہمارے معاصر کو اس پر اعتراض ہے، پوری کوشش اور محنت سے اس کے رد پر ایک مستقل باب تحریر کرتے ہیں۔ مگر ایک بھی حدیث صحیح مرفوع متصل ثابت نہیں کرتے، جو بھی زیب رقم فرمایا ہے وہ متروک وسیئی الحفظ اور ضعیف راوی اور منقطع اسناد سے ہیں۔ مولانا محترم کی پیدائش سے بھی پہلے علمائے اہل حدیث کی طرف سے اس کی متعدد بار وضاحت ہو چکی تھی، حق یہ تھا کہ ان اعتراضات کا جواب تحریر کرتے اور علمی طور پر **سبحانك اللهم و بحمدك**، کی صحت **اللهم باعدبيني** سے فائق یا برابر کی ثابت کرتے، تو پھر

ان کا اعتراض درست تھا، مگر یہ کام مشکل بلکہ ناممکن تھا، اس لیے انوار صاحب نے اس مضبوط قلعہ کو محض فریب سے فتح کرنے کی کوشش کی ہے۔

سنئے یہ تحقیق صرف علمائے اہل حدیث کی ہی نہیں بلکہ بعض اکابر علمائے دیوبند کی بھی ہے۔

مولانا انور شاہ صاحب کاشمیری فرماتے ہیں۔

وهو اولى بالنظر الى قوة الاسناد و ما اخترناه اخرى بالنظر الى العمل،

(یعنی جسے امام شافعی رحمہ اللہ نے اختیار کیا ہے) وہ قوت سند کے لحاظ سے اولیٰ ہے اور جسے ہم نے اختیار کیا وہ عمل اور قیاس کے لحاظ سے اولیٰ ہے (فیض الباری ص۲۶۸ ج۲)

علامہ ابن ہمام حنفی فرماتے ہیں کہ

وان كان رفع غيره اقوى على طريق المحدثين ألايرى انه روى فى الصحيحين من حديث ابى هريرة۔

یعنی گو **سبحانك اللهم** کی بجائے **اللهم باعدبيني** کا مرفوع طریق محدثین کے اصول پر زیادہ قوی ہے، کیا آپ دیکھتے نہیں یہ بخاری و مسلم میں سیدنا ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے،

(فتح القدير ص۲۰۲ ج۱)

اسی چیز کا اظہار علامہ حلبی نے، (مستملی ص۳۰۱) میں کیا ہے،

یہ تینوں بزرگ **اللهم باعدبيني** کو سند کے لحاظ سے قوی تسلیم کرتے اور قیاس کے لحاظ سے **سبحانك اللهم و بحمدك**، کو اولیٰ مانتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ترجیح کی یہ صورت معقول نہیں

اور خود انوار صاحب بھی تسلیم کرنے کو تیار نہیں، کیوں؟ اس لیے کہ انوار صاحب نے، (حدیث اور اہل حدیث ص۸۹) میں یہ بحث اٹھائی ہے کہ ہم حنفی قیاس کو چھوڑ کر حدیث پر عمل کرتے ہیں، ظاہر ہے کہ وہ یہاں پر بھی قیاس سے ترجیح کے قائل نہ ہونگے۔

(۳۰) باب نماز میں بسم اللہ کو اونچی آواز سے پڑھنے کا جواز

فصل اول

نماز میں بسم اللہ الرحمن الرحیم کو پڑھنے میں اختلاف ہے، امام مالک رحمہ اللہ کا مؤقف ہے کہ مکروہ ہے خواہ آہستہ ہو یا بلند آواز سے، امام شافعی رحمہ اللہ کا مؤقف ہے کہ بسم اللہ کا پڑھنا واجب ہے، یہی اہل حدیث کا مؤقف ہے، امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور ایک روایت میں امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے نزدیک بسم اللہ کا پڑھنا مسنون ہے، جبکہ امام احمد سے دوسری روایت امام شافعی کے موافق ہے، پھر پڑھنے میں تین اقوال ہیں، امام شافعی وغیرہ کا مؤقف ہے کہ بلند پڑھا جائے جبکہ امام ابن حزم اور امام اسحاق بن راہویہ کا نظریہ ہے کہ بلند اور آہستہ پڑھنے میں اختیار ہے خواہ بلند پڑھا جائے یا آہستہ دونوں طریقے درست ہیں، امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور آپ کے مقلدین کا مؤقف ہے کہ آہستہ پڑھنا مسنون ہے۔
(احکام القنطرة ص۳۹ و مجموعة رسائل الکنوی ص۷۱ ج ۱)

امام مالک سیدنا انس رضی اللہ عنہ کی حدیث سے استدلال کرتے ہیں، جس کے الفاظ ہیں۔

عن انس بن مالك قال صليت خلف النبی صلی اللہ علیہ وسلم و ابی بکر و عمر و عثمان فكانوا يستفتحون الحمد لله رب العالمين لا يذكرون بسم الله الرحمن فی اول قرأة ولا فی آخرها۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی اقتدا میں نمازیں پڑھی ہیں وہ **الحمدللہ رب العالمین** سے قرأۃ شروع کرتے تھے، اور قرأت کے شروع اور آخر میں **بسم اللہ الرحمن الرحیم** نہ پڑھا کرتے تھے۔

(صحيح مسلم كتاب الصلاة باب حجة من قال لا يجهر بالبسمة، الحديث ۸۹۲)

امام مالک رحمہ اللہ اور ان کے مؤقف کے حامی حضرات کا کہنا کہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی باقی روایات بالمعنی ہیں، دین الحق میں تفصیل ہے وہاں سے دیکھ لی جائے، امام مالک نے ان کے علاوہ احادیث و آثار سے بھی استدلال کیا ہے، لیکن ہماری کتاب اس کی متحمل ہے اور نہ ہی ہمارا یہ موضوع ورنہ ان کا تفصیل سے ذکر کرکے جوابات بھی عرض کر دیئے جاتے، جن حضرات کے نزدیک **بسم اللہ** کو پڑھنا چاہیے پھر اس کے پڑھنے کی کیفیت میں جو اختلاف ہے اس اختلاف کی اصل بنیاد اس بات پر قائم ہے کہ **بسم اللہ الرحمن الرحیم** سورہ فاتحہ کی آیت ہے یا نہیں، حنفیہ کا مؤقف ہے کہ یہ قرآن کا تو جزو ہے مگر فاتحہ کا نہیں لہذا نماز میں اسے آہستہ پڑھا جائے اس لیے ہم یہاں دونوں مسئلوں پر بات کرنا چاہتے ہیں، فصل اول کے دو حصے کر رہے ہیں پہلے حصے میں بسم اللہ الرحمن الرحیم کو سورہ فاتحہ کی آیت اور جزو ثابت کرنے کے لیے اور دوسرے حصے میں بسم اللہ الرحمن الرحیم کو بلند آواز سے پڑھنے کے دلائل ہوں گے (ان شاء اللہ)

حصہ اول

بسم اللہ الرحمن الرحیم، سورہ فاتحہ کی آیت ہے

(۱) عن انس بن مالك قال بينا رسول اللهﷺ ذات يوم بين اظهرنا، اذ اغفى اغفاءة ثم رفع راسه متبسما فقلنا ما أضحك يا رسول الله؟ قال انزلت على انفا سورة، فقرأ: بسم الله الرحمن الرحيم، انا اعطينك الكوثر، فصل لربك وانحر ان شانئك هو الابتر۔ (الحديث)

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک روز رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان تھے کہ اتنے میں آپ علیہ التحیۃ والسلام کو نیند آگئی پھر مسکراتے ہوئے سر اقدس اٹھایا، ہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ مسکرائے کیوں ہیں؟ آپ علیہ التحیۃ والسلام نے فرمایا کہ ابھی مجھ پر ایک سورت نازل ہوئی، (پھر آپ نے اسے) پڑھا، بسم الله الرحمن الرحیم انا اعطینك الکوثر، فصل لربك وانحر ان شانئك هو الابتر، الحدیث

صحيح مسلم كتاب الصلاة باب حجة من قال البسملة آية من اول كل سورة سوى برأة، الحديث ٨٩٤) و نسائى كتاب الافتتاح باب البدائة بفاتحة الكتاب قبل السورة، الحديث ٩٠٥)

(۲) عن مختار بن فلفل قال سمعت انس بن مالك يقول قال رسول اللهﷺ، انزلت على انفا سورة، فقرأ، بسم الله الرحمن الرحيم، انا اعطينك الكوثر، حتى ختمها، الحديث،

مختار بن فلفل سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھ پر ابھی ہی ایک سورت نازل ہوئی ہے، پھر آپ نے اسے تلاوت کیا، **بسم الله الرحمن الرحيم انا اعطينك الكوثر**، سورت کے آخیر تک

(ابو داؤد كتاب الصلاة باب من لم يرالجهر بسم الله الرحمن الرحيم، الحديث ٧٨٤)

(۳) عن ابن عباس قال كان النبىﷺ لا يعرف فصل السورة، حتى تنزل عليه بسم الله الرحمن الرحيم،

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک سورت کا (دوسری سورت سے) جدا ہونا نہ جانتے تھے یہاں تک کہ آپ علیہ التحیۃ والسلام پر، **بسم الله الرحمن الرحيم**، نازل ہوتی۔

(ابو داؤد كتاب الصلاة باب من جهر بها، الحديث ٧٨٨، بيهقى ص٤٢ ج٢)

حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ اس کی سند صحیح ہے (تفسیر ابن کثیر ص۱۶ ج۱)

(۴) عن ام سلمة انها ذكرت او كلمة غيرها، قراءة رسول اللهﷺ، بسم الله الرحمن

الرحيم، الحمد لله رب العالمين الرحمن الرحيم، ملك يوم الدين، يقطع قرائته آية آية،

ام المؤمنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأۃ اس طرح تھی، **بسم الله الرحمن الرحيم، الحمد لله رب العالمين، الرحمن الرحيم، مالك يوم الدين** ہر ہر آیت کو الگ الگ کر کے پڑھتے تھے (ملاتے نہ تھے)۔

(ابو داؤد کتاب الحروف والقرأت الحديث ۴۰۰۱) مسند احمد ۳۰۲ ج۶ و بیہقی ص۴۴ ج۲ و مستدرك للحاكم ص۲۳۱ ج۲ و دارقطنی ص۳۱۳ ج۱)

حاکم و ذہبی اور علامہ البانی نے صحیح کہا ہے اور اس کے متعدد طرق ہیں، تفصیل کے لیے، ارواء الغلیل ص۶۰ ج۲ (۳۴۳) کی مراجعت کریں،

(۵) عن ابن عباس قال كان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا يعرف خاتمة السورة حتى تنزل بسم الله الرحمن الرحيم فاذا انزل بسم الله الرحمن الرحيم ان السورة قد ختمت واستقبلت او ابتدئت سورة اخرى،

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سورۃ کا خاتمہ نہ جانتے تھے، یہاں تک کہ آپ علیہ التحیۃ والسلام پر **بسم الله الرحمن الرحيم** نازل ہوتی، جب **بسم الله الرحمن الرحيم** نازل ہوتی تو جان لیتے کہ ایک سورت ختم ہو کر دوسری شروع ہو گئی ہے۔

(رواء البزار باسنادين رجال احدهما رجال الصحيح، مجمع الزوائد ص۱۱۲ ج۲ و ص۳۱۳ ج۶)

(۶) عن ابن عباس رضی اللہ عنہ ولقد آتيناك سبعا من المثانی قال فاتحة الكتاب ثم قال بسم الله الرحمن الرحيم، والحمد الله رب العالمين، فقلت لابی لقد اخبرك سعيد ان ابن عباس قال بسم الله آية قال نعم،

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ، **ولقد اتينا سبعا من المثانی،** کے متعلق فرماتے، فاتحہ کتاب ہے۔

پھر فرمایا کہ: **بسم الله الرحمن الرحيم، الحمد لله رب العالمين** (راوی حدیث امام ابن جریج فرماتے ہیں کہ) میں نے اپنے والد سے کہا کہ آپ نے سعید بن جبیر سے خبر دی کہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ **بسم الله الرحمن الرحيم،** (سورہ فاتحہ کی) آیت ہے تو انہوں نے کہا: ہاں۔

(مستدرك للحاكم ص۲۵۷ ج۲ و بيیهقی ص۴۵ ج۲)

حاکم و ذہبی نے صحیح کہا ہے

(۷) قال ابن جريج اخبرنی ابی ان سعيد بن جبير اخبره فقال، ولقد آتينك سبعا من المثانی، قال هی ام القرآن قال ابی وقرأ علی سعيد بن جبير لابی وقرأ علی ابن عباس كما

قرأتها عليك ثم قال بسم الله الرحمن الرحيم الآية السابعة۔

امام ابن جریج فرماتے ہیں کہ مجھے میرے والد نے خبر دی کہ امام سعید بن جبیرؒ نے مجھے خبر دی کہ ولقد آتیناك سبعا من المثانی، ام القرآن (یعنی سورہ فاتحہ) ہے، میرے والد کہتے ہیں کہ سعید بن جبیر نے مجھ پر اس سورت کو تلاوت بھی کیا، بسم الله الرحمن الرحيم، سے آخیر سورت تک، اور امام سعید بن جبیر نے فرمایا کہ اسی طرح مجھ پر سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے تلاوت کیا تھا جیسا کہ میں نے پڑھا ہے، پھر سیدنا ابن عباسؓ نے فرمایا کہ بسم الله الرحمن الرحيم، سورہ فاتحہ کی ساتویں آیت ہے۔

(بيهقى ص٤٤ ج٢)۔

(۸) عن ابن عباس فی قوله، ولقد آتيناك سبعا من المثانی، قال فاتحة الكتاب قيل لا بن عباس فاين السابعة قال بسم الله الرحمن الرحيم۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ، ولقد آتيناك سبعا من المثانی، کے متعلق فرمایا کہ سورہ فاتحہ ہے، ابن عباس رضی اللہ عنہ سے کہا گیا کہ ساتویں آیت کہاں ہے؟ تو آپ نے فرمایا، ساتویں آیت، بسم الله الرحمن الرحيم، ہے۔

(السنن الكبرى للبيهقى ص٤٥ ج٢)۔

(۹) عن ابی هريرة قال قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم اذا قرأتم الحمدلله رب العلمين فاقرؤا بسم الله الرحمن الرحيم انها ام القرآن و ام الكتاب و السبع، المثانی و بسم الله الرحمن الرحيم احداها۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تم، الحمد لله رب العلمين، کی تلاوت کرو تو بسم الله الرحمن الرحيم، بھی پڑھا کرو، یہ ام القرآن، ام الكتاب اور سبع مثانی ہے، اور بسم الله الرحمن الرحيم، اس کی ساتوں آیات میں سے ایک آیت ہے۔

(بيهقى ص٤٥ ج٢ و دارقطنى ص٣١٢ ج١)۔

علامہ البانی نے صحیح قرار دیا ہے (سلسله احاديث الصحيحة ٣/١٧٨ (١١٨٣)۔

(۱۰) عن ابی هريرة رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انه كان يقول، الحمدلله رب العلمين سبع آيات احداهن بسم الله الرحمن الرحيم۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ علیہ السلام فرمایا کرتے تھے کہ سورہ الحمد لله رب العلمين، سات آیات ہیں، ان میں سے ایک آیت بسم الله الرحمن الرحيم، ہے۔

(بیہقی ص۴۵ ج۲ و طبرانی الاوسط ص۴۷ ج۶ رقم الحدیث ۵۰۹۸)

(۱۱) عن عبد خیر قال سئل علی رضی اللہ عنہ عن السبع المثانی فقال الحمدلله، فقیل له انما هی ست آیات فقال بسم الله الرحمن الرحیم آیة،

عبد خیر راوی ہیں کہ سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے، سبع مثانی، کے متعلق سوال ہوا تو آپ نے فرمایا کہ یہ سورہ الحمد للہ، ہے، آپ سے کہا گیا یہ چھ آیات ہیں؟ تو آپ نے فرمایا کہ **بسم الله الرحمن الرحیم**، آیت ہے۔

(بیہقی ص۴۵ ج۲ و دارقطنی ص۳۱۳ ج۱).

اس سلسلہ میں مزید مرفوع روایات بھی پیش کی جا سکتی ہیں، مگر ہم انہیں پر ہی اکتفا کرتے ہیں، قارئین کرام غور فرمائیے، مذکورہ احادیث و آثار سے ثابت ہو رہا ہے کہ **بسم الله الرحمن الرحیم**، ہر سورت کا جزو ہے (سوائے سورہ توبہ کے) پہلی اور دوسری حدیث سے ثابت ہے کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مجھ پر ایک سورت نازل ہوئی ہے، پھر سورہ کوثر کی تلاوت فرمائی جس میں، **بسم الله الرحمن الرحیم**، کو بھی پڑھا، حدیث سے ثابت ہو رہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جب **بسم الله** کا نزول ہوتا تو تب آپ دو سورتوں کے درمیان فصل جانتے تھے، چوتھی حدیث سے ثابت ہو رہا ہے کہ آپ علیہ التحیۃ والسلام ایک ایک آیت پر وقفہ کرتے اور سورہ فاتحہ کی تلاوت میں بھی ایسا ہی کرتے تھے، اور **بسم الله** کو بطور آیت تلاوت کرتے تھے۔

چھیویں ساتویں اور آٹھویں حدیث سے ثابت ہے کہ سورہ فاتحہ سبع مثانی ہے اور **بسم الله الرحمن الرحیم** مستقل اس کی آیت ہے، نویں حدیث سے ثابت ہو رہا ہے کہ سورہ فاتحہ کی تلاوت کرتے وقت **بسم الله الرحمن الرحیم** کو پڑھنا حکم نبوی ہے کیوں؟ اس لیے کہ یہ سورہ فاتحہ کی ایک آیت ہے، ایسا ہی دسویں اور گیارہویں حدیث سے **بسم الله الرحمن الرحیم** کا آیت سورہ فاتحہ ہونا ثابت ہے،

ان مرفوع حدیث کے ساتھ اگر ہم اقوال صحابہ کرام اور تابعین عظام کو بھی داخل کریں تو بات بہت لمبی ہو جائے، امت مرحومہ کا اس پر اجماع ہے کہ مصحف قرآن پورے کا پورا اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ ہے اور یہ کہ تحریف سے پاک و منزہ ہے۔

دوسرا حصہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم، کو بلند پڑھنے کے دلائل

(۱) عن قتادة قال سئل انس، کیف کانت قراء ة النبی ﷺ فقال، کانت مداً، ثم قرأ، بسم الله الرحمن الرحیم، یمد بسم الله، ویمد بالرحمن، ویمد باالرحیم۔

امام قتادہ (تابعی) کہتے ہیں کہ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے نبی مکرم ﷺ کی قرأت کے متعلق سوال ہوا تو آپ نے فرمایا کہ کھینچ کر (مدّ سے) ہوتی تھی، پھر انہوں، بسم اللہ الرحمن الرحیم کو اس طرح پڑھا کہ، بسم اللہ کو کھینچ کر الرحمن کو کھینچ کر اور الرحیم کو کھینچ کر پڑھا۔

(بخاری کتاب فضائل القرآن باب مدّ القراءة، الحدیث ٥٠٤٦)

اس حدیث کا مقصد واضح ہے کہ لفظ، اللہ، کے الف کو، الرحمٰن، کی میم کو اور، الرحیم، کی یا کو لمبا کر کے پڑھتے تھے، قرأۃ کی اس کیفیت کا تب ہی علم ممکن ہے جب بسم اللہ الرحمن الرحیم کو آواز سے پڑھا جائے چنانچہ بعض روایات میں وضاحت بھی ہے کہ کان یمد صوتہ، یعنی آواز کو کھینچ کر پڑھتے تھے۔

(ابو نعیم بحوالہ عمدۃ القاری ص۵۵ ج۲۰ و فتح الباری ص۷۴ ج۹)

(۲) عن نعیم بن المجھر قال صلیت وراء ابی ھریرة فقرأ بسم الله الرحمن الرحیم، ثم قرأ بام القرآن حتی اذا بلغ غیر المغضوب علیھم والضالین، فقال، آمین، فقال الناس، آمین، ویقول کلما سجد، الله اکبر، واذا قام من الجلوس فی الاثنتیں قال، الله اکبر، واذا سلم قال، والذی نفسی بیده ان لا شبھکم صلاة برسول الله ﷺ۔

امام نعیم بن مجمر بیان کرتے ہیں کہ میں نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اقتدا میں نماز پڑھی، آپ نے بسم اللہ الرحمن الرحیم کو پڑھا، پھر سورہ فاتحہ کو، یہاں تک جب آپ، **غیر المغضوب علیھم والاالضالین،** پر پہنچے تو، آمین، کہی اور لوگوں نے بھی آمین کہا اور جب سجدہ کرتے تو، اللہ اکبر، کہتے اور جب دو رکعت پڑھ کر کھڑے ہوئے تو آپ نے دوبارہ، اللہ اکبر، کہا جب سلام پھیرا تو کہا مجھے اس ذات کی قسم ہے جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ بے شک میں نماز میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ آپ سب سے زیادہ مشابہت رکھتا ہوں۔

(سنن نسائی کتاب الافتتاح باب قرأة بسم الله الرحمن الرحیم، الحدیث ٩٠٦، و دارقطنی ص٣٠٦ ج١ و ابن حبان رقم الحدیث ١٧٩٤ و ابن خزیمة ص٢٥١ ج١ رقم الحدیث ٤٩٩، و بیھقی ص٤٦ ج٢ و مستدرک حاکم ص٣٣٢ ج١ و طحاوی ص١٣٧ ج١ و بخاری تعلیقا ص١٠٨ ج١)

ابن حبان ابن خزیمہ، دارقطنی، امام بیہقی حاکم و ذہبی حافظ ابن حجر اور علامہ نیموی حنفی دیوبندی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے،

(۳) عن ابن عباس ان النبیﷺ کان یجهر بسم الله الرحمن الرحیم فی الصلاة۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی مکرم ﷺ نماز میں، بسم الله الرحمن الرحیم کو بلند آواز سے پڑھتے تھے،

(رواه البزار ورجاله موثقون، مجمع الزوائد ص۱۱۲ ج۲)

(۴) عن ابن عباس ان رسول اللهﷺ کان یجهر بسم الله الرحمن الرحیم۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ بسم الله الرحمن الرحیم کو بلند آواز سے پڑھتے تھے۔

(طبرانی الاوسط ص۵۲ ج۱ رقم الحدیث ۳۵ و سنن دارقطنی ص۳۰۳ ج۱)

حافظ ابن حجر نے (التلخیص الحبیر ص۲۳۵ ج۱) میں اس روایت پر سکوت کیا ہے

اور اکابر علمائے دیوبند کا مؤقف ہے کہ جس روایت پر حافظ ابن حجر فتح الباری اور تلخیص میں سکوت کریں وہ روایت کم از کم حسن ہوتی ہے،

(درس ترمذی ص۷٤ ج۱ و معارف السنن ص۳۸۵ و۱٦۸و ٤۸۲ ج۱)۔

(۵) عن ابن عباس قال کان رسول اللهﷺ یفتتح صلاته بسم الله الرحمن الرحیم۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنی نماز (کی قرأة) کو، بسم الله الرحمن الرحیم، سے شروع کرتے تھے۔

(ترمذی کتاب الصلاة باب من رأی الجهر ببسم الله الرحمن الرحیم، الحدیث(۲٤۵) و دارقطنی ص۳۰٤ ج۱)

(٦) عن ابن عباس ان النبیﷺ کان یستفتح القرأة بسم الله الرحمن الرحیم۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی مکرم ﷺ قرأة کو بسم الله الرحمن الرحیم، سے شروع کرتے تھے۔ (بیهقی ص٤۷ ج۲)

(۷) عن ابن عباس ان النبیﷺ کان یقرأ بسم الله الرحمن الرحیم فی الصلوٰة یعنی کان یجهر بها۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی مکرم ﷺ نماز میں بسم الله الرحمن الرحیم، کو بلند آواز سے پڑھتے تھے،(بیهقی ص٤۷ ج۲)

(۸) عن علی و عمار رضی اللہ عنہما ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یجهر فی المکتوبات ببسم الله الرحمن الرحیم۔

سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرض نمازوں میں بسم الله الرحمن الرحیم، کو بلند آواز سے پڑھتے تھے۔

دارقطنی ص۳۰۲ ج۱ و مستدرك حاکم ص۲۹۹ ج۱ و طبرانی بحواله مجمع الزوائد ص۱۱۲ ج۲

(۹) عن نافع ان ابن عمر کان اذا افتتح الصلاۃ یبدأ ببسم الله الرحمن الرحیم فی ام القرآن وفی السورۃ التی تلیها و یذکر انه سمع ذلك من رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم۔

امام نافع بیان کرتے ہیں کہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جب نماز شروع کرتے تو سورہ فاتحہ کو بسم اللہ الرحمٰن سے شروع کرتے تھے، دوسری سورت جب ملاتے تو تب بھی بسم الله الرحمن الرحیم، پڑھتے تھے، اور بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بسم الله الرحمن الرحیم، کہتے سنا ہے،

(طبرانی الاوسط ص٤٦٦ ج۱ رقم الحدیث ٨٤٥)

(۱۰) عن ابن عمر قال صلیت خلف النبی صلی اللہ علیہ وسلم و ابی بکر و عمر رضی اللہ عنہما فکانوا یجهرون ببسم الله الرحمن الرحیم۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا میں اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پیچھے نمازیں پڑھیں ہیں یہ سب بسم الله الرحمن الرحیم، کو بلند آواز سے پڑھتے تھے۔(سنن دارقطنی ص۳۰۵ ج۱)۔

ان کے علاوہ بھی متعدد مرفوع روایات ہیں، تفصیل کے لیے دارقطنی اور، دین الحق کی مراجعت کریں،

(۱۱) عن عبدالرحمن قال صلیت خلف عمر بن الخطاب فجهر ببسم الله الرحمٰن الرحیم۔

امام عبدالرحمٰن بن ابزی فرماتے ہیں کہ میں نے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی تو آپ نے بسم الله الرحمن الرحیم ، کو بلند آواز سے پڑھا،

(بیهقی ص٤٨ ج٢ و ابن ابی شیبه ص٤١٢ ج١ و طحاوی ص١٣٧ ج١)

(۱۲) امام نافع بیان کرتے ہیں۔

عن ابن عمر انه کان اذا افتتح الصلاۃ قرأ بسم الله الرحمن الرحیم،

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ جب نماز شروع کرتے تو قرأت کو بسم الله الرحمن الرحیم سے شروع کرتے۔

(مصنف ابن ابی شیبه ص٤١٢ ج١ و بیهقی ص٤٨ ' ٤٩ ج٢ و طحاوی ص١٣٨ ج١)۔

(۱۳) امام سعید بن ابی سعید بیان کرتے ہیں۔

عن ابی هريرة انه كان يجهر ببسم الله الرحمن الرحيم،

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بسم اللہ الرحمن الرحیم کو بلند آواز سے پڑھتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبه ص ٤١٢ ج ١)

(۱۴) امام عامر بن شراجیل الشعبی بیان کرتے ہیں کہ

رايت على بن ابى طالب وصليت ورائه فسمعته يجهر بسم الله الرحمن الرحيم۔

میں نے سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو دیکھا ہے اور ان کی اقتدا میں نماز پڑھی ہے آپ بسم اللہ الرحمن الرحیم کو بلند آواز سے پڑھتے تھے (بیہقی ص ۴۸ ج ۲)۔

(۱۵) امام سعید بن جبیر فرماتے ہیں۔

عن ابن عباس رضی اللہ عنہما انه كان يقول تفتتح القرأة ببسم الله الرحمن الرحيم۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ قرأت کو بسم اللہ الرحمن الرحیم، سے شروع کیا جائے، (بیہقی ص ۴۹ ج ۲)۔

(۱۶) سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

صلى معاوية بالمدينة صلاة فجهر فيها بالقرأة فقرأ ببسم الله الرحمن الرحيم لام القرآن ولم يقرا بها للسورة التى بعد هاحتى قضىٰ تلك القرأة ولم يكبر حين يهوى حتى قضىٰ تلك الصلوٰة فلما سلم ناداه من شهد ذلك من المهاجرين من كل مكان يا معاوية اسرقت ام نسيت فلما صلى بعد ذلك قرأ بسم الله الرحمن الرحيم للسورة التى بعد ام القرآن و كبر حين يهوى ساجداً۔

سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے مدینہ منورہ میں امامت کروائی اور آپ نے اس میں قرأت کو بلند آواز سے پڑھا اور سورہ فاتحہ سے پہلے بسم اللہ الرحمن الرحیم، کو بھی پڑھا البتہ فاتحہ کے بعد والی سورت کے ساتھ بسم اللہ کو نہ پڑھا، یہاں تک کہ آپ نے قرأت کو پورا کر کے سجدہ کے لیے تکبیر (بلند) نہ کہی، جب آپ نے نماز سے سلام پھیرا تو تمام مہاجرین صحابہ کرام نے اپنی اپنی جگہ سے پکارنا شروع کر دیا کہ اے معاویہ رضی اللہ عنہ آپ نے نماز میں کمی کر دی ہے یا بھول گیا ہے (سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ) جب آپ نے دوبارہ امامت کروائی تو فاتحہ کے بعد والی سورت کے لیے بھی بسم اللہ کو پڑھا اور سجدہ کے لیے تکبیر بھی (بلند) کہی۔

(بیهقی ص ٤٩ ج ٢ و دارقطنی ص ٣١١ ج ١ و مستدرك حاكم ص ٢٣٣ ج ١)

(۱۷) حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں۔

فذهب الشافعي رحمه الله الى انه يجهر بها مع الفاتحة والسورة وهو مذهب طوائف من الصحابة والتابعين وأئمة المسلمين سلفا و خلفا فجهر بها من الصحابة، ابو هريرة و ابن عمر و ابن عباس و معاوية و حكاه ابن عبدالبر والبيهقي عن عمر و علي ونقله الخطيب عن الخلفاء الاربعة وهم ابو بكر و عمر عثمان و علي وهو غريب و من التابعين عن سعيد بن جبير و عكرمة و ابى قلابة والزهرى و على بن الحسن و ابنه محمد و سعيد بن المسيب و عطاء و طاوس و مجاهد و سالم و محمد بن كعب القرظى و عبيد و ابى بكر بن محمد بن عمر بن حزم وابى وائل و ابن سيرين و محمد بن المنكدر و على بن عبدالله بن عباس وابنه محمد و نافع مولىٰ ابن عمر و زيد بن اسلم و عمر بن عبدالعزيز والازرق بن قيس و حبيب بن ابى ثابت وابى الشعثاء و مكحول و عبدالله بن مغفل بن مقرن زاد البيهقى و عبدالله بن صفوان و محمد بن حنفية زاد ابن عبدالبر،وعمر و بن دينار۔

یعنی امام شافعی رحمہ اللہ اس طرف گئے ہیں کہ سورہ فاتحہ اور اگلی کے ساتھ بسم الله الرحمن الرحیم ، کو بلند آواز سے پڑھا جائے یہ مؤقف صحابہ کرام تابعین عظام سے ایک گروہ کا ہے، اور یہی مؤقف آئمہ مسلمین کا سلف و خلف سے ہے۔ جو صحابہ کرام بلند آواز سے پڑھنے کے قائل ہیں وہ یہ ہیں، سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ، سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ، سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ، امام ابن عبدالبر اور بیہقی رحمۃ اللہ علیہم نے یہی روایت کیا ہے، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے، اور خطیب نے چاروں خلفاء سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ، سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے مگر یہ غریب ہے، تابعین کرام میں، سعید بن جبیر، عکرمہ، ابی قلابہ، زہری، علی بن حسن اور ان کا بیٹا محمد، سعید بن میسّب، عطاء، طاوس، مجاہد، سالم، محمد بن کعب، عبید، ابی بکر بن حزم، ابی وائل، ابن سیرین، محمد بن منکدر، علی بن عبداللہ بن عباس، اور ان کا بیٹا، محمد، نافع مولیٰ ابن عمر، زید بن اسلم، عمر بن عبدالعزیز، ازرق، حبیب بن ثابت، ابی شعثاء، مکحول، عبداللہ بن مغفل بن مقرن، عبداللہ بن صفوان، محمد بن حنفیہ، عمر و بن دینار، (یہ بسم اللہ کو نماز میں بلند پڑھنے کے قائل ہیں)۔

(تفسیر ابن کثیر ص۱٦ ج ۱)۔

مذکورہ احادیث و آثار سے ثابت ہو رہا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام کے علاوہ خود پیغمبر دو عالم سرور کائنات امام الانبیاء سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم بھی بسم الله الرحمن الرحيم، کو بلند آواز سے پڑھا کرتے تھے، اگر ہم بسم الله بالجهر کی مرفوع روایات کے تمام طرق کو اکٹھا کرتے تو ایک اچھا خاصہ کتابچہ بن جاتا، امام ابن خزیمہ خطیب بغدادی اور دارقطنی وغیرہ نے بسم الله بالجهر پر مستقل کتابیں تحریر کی ہیں، بسم الله الرحمن الرحيم، کو بلند آواز سے پڑھنے کی روایات تقریباً تیس صحابہ

کرام سے مروی ہیں، گو ان میں سے اکثر روایات ضعیف و منکر اور سخت ضعیف ہیں، لیکن ہماری پیش کردہ پہلی دو احادیث بالاتفاق صحیح ہیں، صحابہ کرام تابعین عظام کے آثار بھی ان کے موافق ہیں، آئمہ اربعہ سے امام شافعی رحمہ اللہ کا مؤقف بھی یہی ہے، لیکن ہم خدا لگتی کہتے ہیں کہ گو بسم اللہ الرحمن الرحیم، کو آہستہ آواز سے پڑھنے کی روایت صرف سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہے، لیکن یہ اکیلی قوت و صحت کے لحاظ سے ان تمام روایات پر فائق اور بالا ہے۔

اس لیے حق وانصاف کا تقاضہ یہ ہے کہ گو بسم اللہ الرحمن الرحیم، بلند پڑھنے کی صحیح احادیث بھی موجود ہیں لیکن آہستہ پڑھنا بوجہ صحت سند کے راجح ہے، الغرض آہستہ اور بلند پڑھنا دونوں سنت ہیں لیکن دلائل کے اعتبار سے آہستہ پڑھنا قوی ہے، محدث عظیم آبادی فرماتے ہیں۔

والحق ان احادیث الاسرار قویة من حیث الاسناد فالمختار الاسرار بالقرأة وان کان الجهر جائزا ایضاً وهو قول شخینا العلامة المحدث السید محمد نذیر حسین الدهلوی۔

حق بات یہ ہے کہ اسناد کے لحاظ سے سری احادیث قوی ہیں اور مختار یہ ہے کہ قرات کے ساتھ اسے سری کیا جائے اگرچہ جہری بھی جائز ہے، یہی قول ہمارے شیخ علامہ محمد نذیر حسین محدث دہلوی کا ہے (التعلیق المغنی ص ۳۱۵ ج ۱)۔

ہماری اس بات کا کوئی حنفی یہ مطلب نہ نکال لے کہ ہم نے مطلق بسم اللہ کو بلند آواز سے پڑھنے کو ناجائز کہہ دیا ہے، ہمارے قول کا مقصد فقط اتنا ہے کہ دونوں طرح جائز ہے مگر قوی سری ہے، آخر میں ہم مولانا عبدالحی لکھنوی حنفی کا ایک قول نقل کر کے بحث کو ختم کرتے ہیں، مولانا فرماتے ہیں۔

هذا هو الحق عندی ایضاً فان انکار الجهر عن رسول الله ﷺ مطلقا متعسر بل متعزر ولو صح انکاره اوحمله علی تعلیم المقتدی و نحو ذلك فلا یتیسر مثله، نعم المعلوم من جمیع الروایات ان السر اکثر و قوعا و اقوی عملا وهو لا یستلزم انکار الجهر مطلقا فالقول بان السرمکروه والجهر مسنون کما ذهب الیه الشافعیة فی غایة افراط فی حق الجهر وتفریط فی حق السر والقول بالعکس کما ذهب الیه اکثر اصحابنا بالعکس و خیر الامور اوسا طها فاحفظه فانه تحقیق شریف قل من تنبه علیه ،

یعنی میرے نزدیک بھی یہی حق ہے کہ جہراً اور سراً دونوں طرح درست اور ثابت ہے رسول اللہ ﷺ سے اونچی آواز سے بسم اللہ کا مطلقاً انکار بہت ہی مشکل ہے، اور اگر اس کا انکار درست ہو یا اسے مقتدی کی تعلیم وغیرہ پر محمول کیا جائے تو اس قسم کی تاویل کی صحابہ اور تابعین کے آثار میں گنجائش نہیں، ہاں تمام روایات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آہستہ بسم اللہ الرحمن الرحیم، پڑھنا اکثر اور عملاً زیادہ قوی روایات سے منقول ہے، مگر اس کو اونچی آواز سے پڑھنے کا مطلقاً انکار مستلزم نہیں، لہذا یہ بات

کہ آہستہ پڑھنا مکروہ اور بلند پڑھنا مسنون ہے، جیسا کہ شوافع کا قول ہے، اونچی آواز کے حق میں یہ قول افراط اور آہستہ پڑھنے کے حق میں تفریط پر مبنی ہے، اور اس کے برعکس جیسا کہ حنفیہ کا مسلک ہے وہ بھی افراط وتفریط پر مبنی ہے، درمیانی راستہ اور عمل ہی بہتر ہے، اس تحقیق شریف کو خوب یاد کرلو، بہت کم لوگوں نے اس پر متنبہ کیا ہے،

(احکام القنطرۃ ص۶۷ و مجموعہ رسائل الکنوی ص۹۹ ج۱)

ایک دوسری جگہ پر فرماتے ہیں۔

والقول الحق ثبوت الجهر من النبی ﷺ احیانا وکون السرا قوی من الجهر کما حققته احکام القنطرۃ فی احکام البسملة۔

حق قول یہ ہے کہ کبھی کبھی نبی مکرم ﷺ سے اونچی آواز سے **بسم الله الرحمن الرحیم**، پڑھنا ثابت ہے اور آہستہ پڑھنا اونچی آواز سے پڑھنے سے زیادہ قوی ہے جیسا کہ میں نے اس کی تحقیق، احکام القنطر ۃ، میں کی ہے،

(اقامۃ الحجۃ ص۱۶ و مجموعہ رسائل الکنوی ص۱۶۶ ج۲)۔

بریلوی مکتب فکر کی طرف سے، اقامۃ الحجۃ، کا اردو ترجمہ بنام" عبادت میں کثرت بدعت نہیں، کے عنوان سے فرید بک سٹال نے شائع کر دیا ہے، اس کے صفحہ۴۴ پر مذکورہ عبارت بعینہ موجود ہے،

فصل دوم

(۱) عن انس رضی اللہ عنہ ان رسول الله ﷺ کان یسر بسم الله الرحمن الرحیم و ابو بکر و عمر رواه الطبرانی فی الکبیر والاوسط و رجاله موثقون۔ (مجمع الزوائد ص۱۰۸ ج۲)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سب بسم اللہ آہستہ آواز سے پڑھتے تھے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص۱۹۲)

الجواب اولاً: بلاشبہ یہ روایات (طبرانی الاوسط ص۱۲۹ ج۹ رقم الحدیث ۳ ۸۲۷) میں موجود ہے، مگر اس میں سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا ذکر نہیں،

سند میں، سوید بن عبدالعزیز راوی متروک ہے جیسا کہ ہیثمی نے (مجمع الزوائد ص۱۶۱ ج۱) میں حکم لگایا ہے امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں سوید متروک الحدیث ہے، ابن معین کہتے ہیں ثقہ نہیں ہیچ محض اور ضعیف ہے، ابن سعد اور امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں مناکیر روایت کرتا ہے، یعقوب سفیان اور نسائی ضعیف قرار دیتے ہیں ابو حاتم کہتے ہیں لین الحدیث ہے اس کی مرویات میں نظر ہے، امام ترمذی فرماتے ہیں کثرت سے اغلاط کرتا ہے، حاکم کہتے ہیں قائم (پختہ) نہیں، خلال ضعیف قرار دیتے ہیں

ابن حبان نے سخت ضعیف قرار دیکر اس کی مناکیر کی نشان دہی کی ہے۔ (تہذیب ص۲۴۳ ج۴)

ثانیاً: طبرانی کبیر ص۲۵۵ ج۱ رقم الحدیث ۷۳۹) میں دوسری سند سے یہ روایت مروی ہے جس میں سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا بھی ذکر ہے، غالباً اس سند کے راویوں کے متعلق ہی ہیثمی نے، موثقون، کہا ہے، واضح رہے ان الفاظ کا یہ معنیٰ نہیں کہ راوی ثقہ ہیں بلکہ مفہوم یہ ہے کہ ان کی توثیق کی گئی ہے گو بعض میں کلام ہے،

بلاشبہ اس کی سند میں، محمد بن متوکل (ابن ابی سری) راوی متکلم فیہ ہے، اسے ابن معین نے ثقہ کہا ہے جبکہ جمہور آئمہ جرح و تعدیل نے، کثیر الغلط اور فاش اغلاط کرنے والا قرار دیا ہے، حتی کہ حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ

صدوق عارف له اوهام كثيرة، یعنی سچا اور علم کو جاننے والا ہے لیکن کثرت سے اوہام کرتا ہے، (تقریب ص۳۱۷)۔

ایسے راویوں کی روایات متابعت کے بغیر قابل قبول نہیں ہوتیں، اس سے اوپر ایک راوی سلیمان بن طرحان، ہے جسے امام نسائی (طبقات ص۳۳) اور یحییٰ بن معین (تہذیب ص۱۷۷ ج۴)

اور علامہ ذہبی نے مدلس قرار دیا ہے (میزان ص۲۱۲ ج۲) اس کے اوپر حسن بصری راوی ہیں۔ اور حسن بصری بھی مدلس ہیں جیسا کہ امام نسائی اور ابن حبان نے صراحت کی ہے (طبقات المدلسین ص۲۹ و تہذیب ص۲۳۶ ج۲) علامہ ذہبی فرماتے ہیں، **كان الحسن كثير التدليس،** یعنی حسن کثرت سے تدلیس کرتے ہیں (میزان ص۵۲۷ ج۱) حافظ ابن حجر فرماتے ہیں **یرسل کثیر و یدلس،** یعنی کثرت سے ارسال و تدلیس کرتے ہیں (تقریب ص۶۹) سلیمان اور حسن بصری دونوں نے سماع کی صراحت نہیں کی بلکہ عن کے لفظ سے روایت کیا ہے، الغرض یہ روایت ضعیف ہے۔

۲'۳'۴'۵ ان نمبروں کے تحت ہمارے فاضل دوست نے سیدنا انس رضی اللہ عنہ کی حدیث کو مختلف اسناد و الفاظ سے نقل کیا ہے، بلاشبہ ان احادیث سے آہستہ بسم اللہ پڑھنا ثابت ہے، صحت سند اور قوۃ دلائل کے اعتبار سے یہی مؤقف قوی ہے، لیکن سیدنا انس رضی اللہ عنہ کی حدیث سے، بسم اللہ، کو بلند آواز سے پڑھنے کی ممانعت ثابت نہیں ہوتی، کیونکہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے اپنی دید بیان کی ہے اور جن صحابہ کرام نے بسم اللہ کو بلند پڑھنا بیان کیا ہے انہوں نے اپنی دید بیان کی ہے، ان دونوں قسم کی روایات میں تطبیق کی صورت ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ یہ مختلف اوقات کا مشاہدہ ہے۔

(۶) عن ابی وائل قال كان علی و ابن مسعود لا يجهر ان ببسم الله الرحمن الرحيم ولا تعوذ ولا بامين۔

(معجم طبرانی کبیر ص۲۶۳ ج۹)

حضرت ابو وائلؒ فرماتے ہیں کہ حضرت علی اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما بسم اللہ، اعوذ باللہ اور آمین اونچی آواز سے نہیں کہتے تھے، (حدیث اور اہل حدیث ص ۲۹۳)

الجواب اولاً: مولانا صاحب نے یہاں بھی ابو وائل پر، رضی اللہ عنہ کی علامت ڈالی ہے، ہم ان کے اس خبط کا، ہاتھ باندھنے، کے باب میں تفصیل سے رد کر چکے ہیں

ثانیاً: اس کی سند میں ابو سعد البقال (سعید بن مرزبان) راوی ہے، جو ضعیف اور مدلس ہے، امام ابن معین فرماتے ہیں، ہیچ محض ہے اس کی مرویات لکھی ہی نہ جائیں، امام عمرو بن علی فرماتے ہیں ضعیف اور متروک الحدیث ہے، امام ابو زرعہ کہتے ہیں مدلس اور لین الحدیث ہے، امام بخاریؒ کا کہنا ہے منکر الحدیث ہے، ابو حاتم کہتے ہیں اس کی مرویات سے احتجاج نہ کیا جائے، نسائی فرماتے ہیں ضعیف اور غیر ثقہ ہے اس کی مرویات لکھی ہی نہ جائیں، امام دارقطنی نے متروک اور ساجی، ابن عدی، عجلی ابن عیینہ نے ضعیف قرار دیا ہے، ابن حبان فرماتے ہیں کثرت سے وہم اور فاش اغلاط کرتا ہے (تہذیب ص ۷۱ ج ۴) حافظ ابن حجر فرماتے ہیں ضعیف اور تدلیس کرتا ہے (تقریب ص ۱۲۵) طبقات میں فرماتے ہیں کہ:

مشهور بالتدليس وصفه به احمد و ابو حاتم و الدارقطني، یعنی تدلیس کرنے میں مشہور ہے اس کے مدلس ہونے کی صراحت امام احمد ابو حاتم اور دارقطنی نے کی ہے۔

(طبقات المدلسين ص ٥٤)

خلاصہ یہ کہ ابو سعد بقال ضعیف اور مدلس ہے، اور زیر بحث سند میں سماع کی صراحت نہیں بلکہ معنعن ہے، ابو سعد سے روایت نقل کرنے والا، ابو بکر بن عیاش ہے، یہ بھی متکلم فیہ ہے، تفصیل پچھلے باب میں گزر چکی ہے، اس سے نیچے کا راوی، احمد بن یونس، ہے اس کا ترجمہ کتب رجال سے راقم کو نہیں ملا، گویا موصوف مجہول ہے۔

ثالثاً: اس کے متن میں بھی اضطراب ہے، (ابن ابی شیبہ ص ۴۱۱ ج ۱) میں یہی روایت ہے، لیکن اس میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا نام نہیں اور آمین، کی جگہ پر، ربنا لك الحمد، کا ذکر ہے۔

(طحاوی ص ۱۴۰ ج ۱) میں یہی روایت اسی سند کے ساتھ ہے مگر اس میں سیدنا عبداللہؓ کی بجائے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا نام ہے الغرض یہ روایت سنداً و متناً ضعیف ہے۔

(۷) محمد قال اخبرنا ابو حنيفة عن حماد عن ابراهيم قال قال ابن مسعود فى الرجال يجهر بسم الله الرحمن الرحيم انها اعرابية و كان لا يجهر بها هو و لا احد من اصحابه

حضرت امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ ہمیں حضرت امام ابو حنیفہؒ نے بروایت حماد ابراہیم نخعی سے یہ خبر دی کہ حضرت ابراہیم نخعی نے فرمایا کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے ایسے شخص کے بارے میں جو بسم اللہ اونچی آواز سے پڑھتا ہے فرمایا کہ یہ گنوار پن ہے، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ خود اور ان کے اصحاب میں

سے کوئی بھی بسم اللہ اونچی آواز سے نہیں پڑھتا تھا۔

(کتاب الاثار للامام ابو حنیفة ص۲۲، حدیث اور اهل حدیث ص ۲۹٤)

الجواب اولاً: سند میں امام محمدؒ اور امام ابو حنیفہؒ ہیں جو سیئی الحفظ ہیں تفصیل مسئلہ فاتحہ خلف الامام میں آ رہی ہے، ایسا ہی حماد بن ابی سلیمان راوی بھی متکلم فیہ ہے،

ثانیاً: یہ روایت منقطع ہے کیونکہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرنے والے، ابراہیم نخعی ہیں، اور ابراہیم کا کسی صحابی سے سماع ثابت نہیں، جیسا کہ امام علی بن مدینی اور امام ابو حاتم نے صراحت کی ہے،(مراسیل ابن ابی حاتم ص۹) علامہ زیلعی حنفی فرماتے ہیں کہ **و ابراهیم لم یلق عبدالله بن مسعود**، یعنی ابراہیم کی سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ سے ملاقات نہیں ہوئی (نصب الرایہ ص۳۳۵ ج۱)

علامہ ذہبی لکھتے ہیں کہ:

ان ابراهیم حجة وانه اذا أرسل عن ابن مسعود وغیره فلیس ذلك بحجة۔

یعنی ابراہیم نخعی حجت ہے لیکن جب سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ وغیرہ سے مرسل روایت کرے تو تب حجت نہیں (میزان الاعتدال ص۷۵ ج۱) الغرض یہ روایت ضعیف ہے۔

ثالثاً: مُسلمہ اصول ہے کہ جس مسئلہ میں صحابہ کرام کا اختلاف ہو وہاں اقوال صحابہ کرام حجت نہیں ہوتے، راجع مقدمہ، اور زیر بحث مسئلہ میں صحابہ کرام مختلف ہیں۔

(۸) عن عکرمة عن ابن عباس فی الجهر بسم الله الرحمن الرحیم قال ذلك فعل الاعراب، (طحاوی ص۱٤۰ ج۱)

حضرت عکرمہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے بسم اللہ اونچی آواز سے پڑھنے کے متعلق فرمایا کہ یہ تو گنواروں کا فعل ہے۔

(حدیث اور اهل حدیث ص۲۹٤)۔

الجواب اولاً: پہلی فصل میں ہم ایسے اقوال سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کے نقل کر چکے ہیں، جن سے ثابت ہے کہ وہ بسم اللہ بالجہر بھی پڑھا کرتے تھے، فما کان جوابکم فهو جوابنا،

ثانیاً: جن مسائل میں صحابہ کرام کا اختلاف ہوتا ہے، ان میں اقوال صحابہ حجت نہیں ہوتے، راجع مقدمہ۔

(۹) عن ابن عبدالله بن مغفل قال سمعنی ابی وانا فی الصلوٰة اقول بسم الله الرحمن الرحیم فقال لی ای بنی محدث ایاك والحدث قال ولم ارا احداً من اصحاب رسول الله ﷺ کان ابغض الیه الحدث فی الاسلام یعنی منه وقال قد صلیت مع النبی ﷺ و مع ابی بکر و عمر و عثمان فلم اسمع احدا منهم یقولها فلا تقلها اذا انت صلیت فقل الحمد

لله رب العالمين، قال ابو عيسىٰ حديث عبدالله بن مغفل حديث حسن والعمل عليه عند اكثر اهل العلم من اصحاب النبي ﷺ منهم ابو بكر و عمر و عثمان و على وغيرهم و من بعدهم من التابعين و به يقول سفيان الثورى و ابن المبارك واحمد و اسحاق لا يرون ان يجهر بسم الله الرحمن الرحيم قالوا ويقولها فى نفسه،''

(ترمذی صُ۵۷ ج۱)۔

حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کے صاحب زادے فرماتے ہیں کہ مجھے میرے والد صاحب نے نماز میں بسم الله الرحمن الرحيم، پڑھتے ہوئے سنا تو مجھ سے فرمایا، بیٹا یہ بدعت ہے اور بدعت سے بچو، فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے کسی کو نہیں دیکھا کہ اس کے نزدیک اسلام میں بدعت ایجاد کرنے سے زیادہ کوئی چیز مبغوض ہو اور فرمایا کہ میں نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ (سب) کے ساتھ نماز پڑھی ہے، لیکن ان میں سے کسی کو بھی بسم اللہ کہتے ہوئے نہیں سنا، لہذا تم بھی نہ کہو، جب تم پڑھو تو کہو، الحمد لله رب العلمين، امام ترمذی فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن مغفلؓ کی حدیث حسن ہے اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اکثر اہل علم صحابہ کا عمل اسی پر ہے، جن میں حضرت ابو بکرؓ حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ حضرت علیؓ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کے بعد تابعین بھی ہیں، حضرت سفیان ثوریؒ حضرت عبداللہ بن مبارکؒ امام احمد بن حنبلؒ، اسحٰق بن راہویہ کا بھی یہی قول ہے، یہ لوگ اونچی آواز سے بسم الله الرحمن الرحيم، پڑھنے کو صحیح نہیں سمجھتے، البتہ ان کا کہنا ہے، کہ نمازی بسم الله الرحمن الرحيم، اپنے جی میں کہہ لے،

(حدیث اور اہل حدیث ص۲۹۵، ۲۹۶)

الجواب اولاً: اس روایت سے بسم الله کو بلند آواز سے پڑھنے کی ممانعت ثابت کرنا محترم کی سینہ زوری ہے، روایت میں کوئی ایسا لفظ نہیں جس کا یہ معنیٰ ہو کہ بسم الله کو بلند نہ پڑھا جائے، بلکہ اس سے مطلق بسم الله کے پڑھنے کا رد ہوتا ہے، روایت کے الفاظ ہمارے سامنے ہیں، فلا تقلها اذا انت صليت، یعنی جب تم نماز پڑھو تو بسم الله الرحمن الرحيم، نہ کہو قال بمعنی جہر، نہیں آتا، یہ آپ کی زیادتی ہے، اگر اس کا معنی جہر ہے تو آگے کے الفاظ، فقل الحمد لله رب العلمين، کا معنی یہ ہوگا کہ فاتحہ کو بلند آواز سے پڑھا کرو، کاش آپ نے کسی قابل استاذ سے ترمذی پڑھی ہوتی۔

ثانیاً: اس کی سند میں، سیدنا عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ، کا بیٹا ہے، تقریب میں ہے کہ اس کا نام یزید ہے، امام بخاری رحمہ اللہ نے (تاریخ کبیر ص۱۴۴۱ ج۴ ق۲) میں امام ابو حاتم نے (الجرح والتعدیل ص۳۲۴ ج۴ ق۲) میں اور حافظ ابن حجر نے (تہذیب ص۳۰۲ ج۱۲) میں اس کا ذکر کیا ہے لیکن کوئی جرح یا تعدیل بیان نہیں کی جس سے لازم آتا ہے کہ یہ مجہول ہے، امام ابن خزیمہ امام ابن عبدالبر اور

خطیب نے مجہول قرار دیا ہے (نصب الرایہ ص۳۳۲ ج۱) علامہ البانی نے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔ (ضعیف ترمذی ص۲۸)

(۱۰) عن ابراهیم قال جهر الامام بسم الله الرحمن الرحیم بدعة۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص۴۱۱ ج۱ حضرت ابراہیم نخعی فرماتے ہیں کہ امام کا **بسم الله الرحمن الرحیم**، اونچی آواز سے پڑھنا بدعت ہے" (حدیث اور اهل حدیث ص۲۹۶)۔

الجواب: یہ قول ایک صغیر تابعی کا ہے، جو دلیل شرعی نہیں، اصول فقہ حنفی میں بھی چار چیزوں کو دلیل قرار دیا گیا ہے، قرآن، سنت، اجماع اور قیاس شرعی، ظاہر ہے کہ تابعی کا قول مذکورہ چاروں چیزوں میں سے ایک بھی نہیں ہے، ہمارے معاصر نے امام وکیع سے بھی بلند آواز سے پڑھنے کو بدعت، ہونا نقل کیا ہے، ہم یہاں پر سوال کرنے کا حق رکھتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تابعین عظام اور آئمہ اہل سنت میں سے جو بزرگ **بسم الله بالجهر** کے قائل ہیں، کیا وہ تمام کے تمام بدعتی اور گمراہ تھے؟ وضاحت کیجئے، فقہ حنفی کی تمام متداول کتب میں صراحت ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ بسم اللہ بلند آواز سے پڑھنے کے قائل تھے، کیا وہ بدعتی تھے؟۔

محترم انوار خورشید صاحب، **حاطب اللیل**، کی طرح عبارات یہ عبارات تو نقل کرتے ہیں مگر ان میں کھوٹے اور کھرے کی تمیز نہیں کرتے ادھر اس کا بدعت ہونا نقل کرتے ہیں دوسری طرف امام سفیان ثوری سے نقل کرتے ہیں کہ بسم اللہ کو آہستہ پڑھنا، افضل ہے،

(تذکرة الحفاظ ص۲۰۶ ج۱، حدیث اور اهل حدیث ص۲۹۶)

محترم افضل کی ضد بدعت نہیں بلکہ مفضول ہوتی ہے، آخر عقل تو اللہ نے ہر ایک کو دی ہے، صراحت کیجئے کہ بسم اللہ بالجہر کو آپ بدعت کہتے ہیں یا مفضول؟ اگر مفضول کہتے ہیں یقیناً مفضول ہی کہتے ہیں جیسا کہ مولانا محمد تقی عثمانی دیوبندی فرماتے ہیں۔

اس تمام تر نزاع کے باوجود یہ حقیقت ہے کہ تسمیہ کے جہر و اخفاء کے مسئلہ میں اختلاف جواز اور عدم جواز کا نہیں ہے، بلکہ محض افضل و مفضول کا اختلاف ہے۔

(درس ترمذی ص۴۹۹ ج۱)

اس سے ثابت ہوا کہ ابراہیم نخعی اور امام وکیع کے قول سے آپ کو بھی اتفاق نہیں، صرف بچارے اہل حدیث کو چڑانے کے لیے آپ نے نقل کر دیئے ہیں۔ شاید مجادلہ کے میدان میں اس کردار کی حوصلہ افزائی کی جائے مگر علمی دنیا میں اس روش کو بغض و تعصب اور کمینہ ظرفی سے تعبیر کیا جائے گا۔

خلاصہ کلام: صرف سیدنا انس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہی صحیح ہے، جو حنفی مؤقف کی ترجمانی کرتی ہے، اس کے مختلف طرق اور الفاظ اپنے معنی و مفہوم میں بالکل واضح ہیں لیکن افسوس کہ محترم نے اس کا بھی جو

پہلا طریق پیش کیا وہ درجہ چہارم سے پیش کیا جو سند کے لحاظ سے ضعیف ہے، اگر اس میں، یسر، کا لفظ تھا تو سنن نسائی، کی روایت میں، **فلم اسمع احدامنهم یجهر**، کے الفاظ بھی تھے، جسے خود انوار صاحب نے نمبر۲ پر نقل کیا ہے، میں حیران ہوں اور میری حیرانگی بجا ہے کہ صحیح کی بجائے ایک ضعیف روایت کا انتخاب کیوں کیا؟

کیا فرق مراتب کو ملحوظ رکھنے کا انہیں علم نہیں، یقیناً ہے، آخر جامعہ مدنیہ کے مدرس اور ماشاء اللہ سفید ریش بزرگ ہو چکے ہیں۔ ہم جیسے نوجوانوں کا انہیں جاہل اور علم حدیث میں نالائق کہنا مناسب نہیں، ہاں اتنا ضرور کہہ دیتے ہیں کہ بزرگوں کی ترتیب علم دوست لوگوں جیسی نہیں، ممکن ہے کہ وہ یہ کہہ دیں کہ یہ بشری تقاضہ کی وجہ سے غلطی ہو گئی ہے، مگر اس کا کیا کیا جائے کہ بزرگوں نے غیر متعلقہ روایات و آثار بھی نقل کر کے ان کا مفہوم بگاڑا ہے۔

(۳۱) باب سورہ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی

فصل اول

قرآن سے ثبوت

پہلی آیت: ولقد اتینک سبعاً من المثانی والقرآن الغظیم۔
(سوزہ الحجر آیت ۸۷)

اور ہم نے تجھے وہ سات (آیات) دی ہیں جو بار بار پڑھی جاتی ہیں اور قرآن بڑی عظمت والا

(۱) عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ ام القرآن ھی السبع المثانی والقرآن العظیم۔

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ام القرآن وہی سات آیات ہیں جو بار بار پڑھی جاتی ہیں اور قرآن جو بڑی عظمت والا ہے۔

(بخاری کتاب التفسیر باب تفسیر سورۃ الحجر، باب قولہ ولقد اتینک سبعا من المثانی والقرآن العظیم، الحدیث ٤٧٠٤)

(۲ و ۳) یہی حدیث سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ، سے (سنن دارمی ص ۵۳۸ ج ۲ (۳۳۷۲) وغیرہ میں اور سیدنا ابوسعید بن المعلی رضی اللہ عنہ سے، بخاری (۴۴۷۴) میں آتی ہے۔

(۴) عن عمر قال السبع المثانی فاتحۃ الکتاب تثنی فی کل رکعۃ۔

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ، سبع مثانی، سورہ فاتحہ ہے کہ ہر رکعت میں دھرائی جاتی ہے

(ابن جریر بحوالہ اتقان ص ۵۳ ج ۱)

(۵) عن ابن عباس فی قولہ، ولقد آتینک سبعا من المثانی والقرآن العظیم، اما السبع المثانی فھی ام القرآن تثنیٰ فی کل صلاۃ فی کل رکعتین،

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، ولقد آتینک سبعا من المثانی والقرآن العظیم، کے متعلق فرماتے ہیں کہ سبع مثانی، ام القرآن (سورہ فاتحہ) ہے کہ ہر نماز اور ہر دو رکعت میں دھرائی جاتی ہے،

(شعب الایمان للبیھقی ص ٤٤٤ ج ٢ رقم الحدیث ٢٣٥٦)

(٦) عن قتادۃ قال ھی فاتحۃ الکتاب تثنی فی کل رکعۃ مکتوبۃ اوتطوع،

امام قتادہ فرماتے ہیں کہ (سبع مثانی) سورہ فاتحہ ہے کیونکہ یہ ہر رکعت میں دھرائی جاتی ہے (نماز خواہ) فرض ہو یا، نفل،

(شعب الایمان ص ٤٤ ج ٢ (٩٢٣٥٥ و ابن جریر ص ٥٤ ج ١٣ و ابن کثیر ص ٥٥٧ ج ٢ و درمنثور ص ١٠٥ ج ٤)

حدیث مرفوع اور اقوال صحابہ و تابعینؒ سے ثابت ہوا کہ سبع مثانی سورہ فاتحہ کو ہی کہتے ہیں، اس لیے کہ ہر رکعت میں دہرائی جاتی ہے، اس آیت کی یہی تفسیر تمام معتبر کتب تفسیر میں پائی جاتی ہے، اور اس میں امام و منفرد کی کوئی تخصیص نہیں ہے، مفسرین کے اقوال کی روشنی میں آیت کے عموم میں منفرد اور مقتدی سب شامل ہیں۔

دوسری آیت: **فاقرؤا ما تیسر من القرآن** (المزمل ص۷۳)

پڑھو جو آسان ہو قرآن سے، اس آیت سے حنفیہ نے مطلق قرأت کی فرضیت کا استدلال کیا ہے (ہدایہ مع فتح القدیر ص۲۴۰ ج۱) ان کے نزدیک یہ آیت نص قطعی ہے، سابقہ آیت سے سورہ فاتحہ کی تعین ہوتی ہے

تو یہ حکم مقتدی کو بھی شامل ہے، الغرض اس آیت سے نماز میں قرأت قرآن کی فرضیت بالاتفاق ثابت ہے، اور آحادیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، اس نص کو ضعیف اور من گھڑت روایات کے بل بوتے پر خاص نہیں کیا جاسکتا۔

تیسری آیت: **وان لیس للانسان الا ما سعی** (النجم آیت ۳۹)۔

اور انسان کو اس کی کوشش ہی کام آئے گی، اس آیت میں یہ قاعدہ بیان ہوا ہے کہ انسان کو اس کی کوشش ہی کام آئے گی'' سابقہ آیات سے فاتحہ کی فرضیت ثابت ہوتی ہے، تو مقتدی کا بھی اس آیت کے موافق یہی وظیفہ ہے، کیونکہ عبادات بدینہ میں نیابت تو احناف میں بھی جائز نہیں۔

چوتھی آیت: **واذکر ربك فی نفسك تضرعا و خیفة** (الاعراف آیت ۲۰۵)۔

اور ذکر کر اپنے رب کا آہستہ اور عاجزی اور ڈر کے ساتھ

اس آیت سے پہلے چونکہ قرآن پاک سننے کا حکم ہے، اس لیے یہاں بتلایا گیا ہے کہ آہستہ پڑھو، آہستہ پڑھنا انصات وسماع کے منافی نہیں ہے۔

مرفوع احادیث

(۱) **عن عبادة بن الصامت ان رسول الله ﷺ قال لا صلاة لمن یقراء بفاتحة الکتاب۔**

سیدنا عبادۃ بن صامت رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول مکرم ﷺ نے فرمایا جو شخص سورہ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں۔

(بخاری کتاب الاذان باب وجوب القرأة للامام والماموم ......الحدیث ۷۵٦، و مسلم کتاب الصلاة باب وجوب قرأة الفاتحة......الحدیث ۸۷٤)

(۲) عن عبادة بن الصامت قال قال رسول اللهﷺ لا صلاة لمن یقتری بام القرآن

سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس شخص کی نماز نہیں جو ام القرآن کی قرأت نہ کرے۔

(مسلم رقم الحدیث ۸۷۵) باب سابق)

(۳) ان محمود بن الربیع ان عبادة بن الصامت اخبره ان رسول اللهﷺ قال لا صلاة لمن لم یقراء بام القرآن۔

امام محمود بن ربیع فرماتے ہیں کہ مجھے سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے خبر دی کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے جو شخص ام القرآن کی قرأت نہ کرے اس کی نماز نہیں۔

(مسلم رقم الحدیث ۸۷۶ باب سابق)۔

(۴) عن عبادة بن الصامت عن النبیﷺ قال لا صلاة الابقراءة فاتحة الکتاب۔

سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نبی مکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ نماز نہیں مگر سورہ فاتحہ کی تلاوت کے ساتھ۔(صحیح ابن خزیمہ ص ۲۳۷ ج ۱)۔

(۵) عن عبادة بن الصامت یقول قال النبیﷺ لا تجزی صلاة لا یقراء الرجل فیھا بفاتحة الکتاب، ھذا اسناد صحیح۔

سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی مکرم ﷺ نے فرمایا جو آدمی سورہ فاتحہ نہیں پڑھتا اس کی نماز جائز نہیں (سنن دارقطنی ص ۳۲۲ ج ۱)

(۶) عن ابی ھریرة عن النبیﷺ قال من صلی صلاة لم یقرأ فیھا بام القرآن فھی خداج، ثلاثا غیر تمام، فقیل لابی ھریرة، ان نکون وراء الامام، فقال اقراء بھا فی نفسك، فانی سمعت رسول اللهﷺ یقول، قال الله تعالیٰ، قسمت الصلاة بینی و بین عبدی نصفین، ولعبد ما سال، فاذا قال العبد، الحمد لله رب العلمین قال الله تعالیٰ، حمدنی، عبدی، واذا قال، الرحمن الرحیم، قال الله تعالیٰ اثنی علی عبدی، فاذا قال،ملك یوم الدین، قال مجدنی عبدی وقال مرة فوض الی عبدی فاذا قال ایاك نعبد وایاك نستعین، قال ھذا بینی وبین عبدی ولعبدی ما سال، فاذا قال، اھدنا الصراط، المستقیم صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم ولا الضالین، قال، ھذا لعبدی ولعبدی ما سال،

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی مکرم ﷺ نے فرمایا کہ جس نے نماز پڑھی اور اس میں سورہ فاتحہ نہ پڑھی تو اس کی نماز ناقص ہے، تین بار فرمایا، پوری نہیں، سیدنا ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے کہا گیا کہ ہم امام کے پیچھے ہوتے ہیں تو آپ نے فرمایا آہستہ پڑھا کرو کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ اللہ

تعالیٰ نے فرمایا، نماز میرے اور بندے کے درمیان آدھوں آدھ تقسیم ہوگئی ہے، اور میرا بندہ جو بھی مانگے گا اسے وہی ملے گا، چنانچہ بندہ جب، **الحمد لله رب العلمین،** کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ کہتے ہیں، **حمدنی عبدی** (میرے بندے نے میری تعریف کی) اور جب **الرحمن الرحیم** کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ کہتا، **اثنی علی عبدی** (میرے بندے نے میری تعریف کی) اور جب **مالك یوم الدین،** کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ کہتا ہے، **مجدنی عبدی وقال مرة فوض الی عبدی** (بندہ نے میری خوبی اور بزرگی بیان کی اور کبھی یہ فرمایا کہ بندہ نے اپنے کاموں کو میرے سپرد کر دیا) پھر جب وہ، **ایاك نعبد وایاك نستعین،** کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، **هذا بینی و بین عبدی و لعبدی ما سال** (یہ میرے اور بندہ کے بیچ ہے اور میرے بندہ کو جو وہ مانگے ملے گا) اور پھر جب وہ، **اهدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیهم غیر المغضوب علیهم ولا الضالین،** کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یہ میرے بندہ کے لیے اور جو وہ مانگے اسے وہی ملے گا۔

(صحیح مسلم کتاب الصلاة باب وجوب قرأة الفاتحة ......الحدیث ۸۷۸)

(۷) عن ابی هریرة یقول قال رسول الله ﷺ من صلی صلاة لم یقرأ فیها بام القرآن فهی خداج، فهی خداج، غیر تمام، الحدیث

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے نماز پڑھی اور اس میں سورہ فاتحہ نہ پڑھی تو اس کی نماز ناقص ہے ناقص، ناقص، پوری نماز نہیں ہے۔

(ابو داؤد کتاب الصلاة باب من ترك القرأة فی الصلاته بفاتحة الکتاب، الحدیث (۸۲۱) و موطا امام مالك باب القرأة خلف الامام فیما لا یجهر فی القرأة و نسائی کتاب الافتتاح باب ترك القرأ بسم الله الرحمن الرحیم فی فاتحة الکتاب الحدیث ۹۱۰)

(۸) عن ابی هریرة یقول قال رسول الله ﷺ من صلی صلاة لم یقرا فیها بام القرآن فهی خداج غیر تمام، الحدیث۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے نماز پڑھی اور سورہ فاتحہ نہ پڑھی تو اس کی نماز ناقص ہے پوری نہیں ہوئی۔

(ابن ماجه کتاب اقامة الصلوات باب القرأة خلف الامام، الحدیث ۸۳۸)

(۹) عن ابی هریرة قال قال رسول الله ﷺ لا تجزی صلاة لا یقرأ فیها بفاتحة الکتاب قلت فان کنت خلف الامام؟ قال فاخذ بیدی فقال اقرأ بها فی نفسك۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ نماز جائز نہیں جس میں سورہ فاتحہ نہ پڑھی جائے (سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں) میں نے کہا کہ اگر میں امام کے پیچھے ہوں؟ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ

کہتے ہیں کہ میرا ہاتھ آپ نے پکڑ لیا اور فرمایا کہ اپنے نفس (جی) میں پڑھا کر،
صحیح ابن حبان رقم الحدیث ۱۷۸٦) و موارد الظمان ص۱۲٦ رقم الحدیث ٤٥٧)

(۱۰) عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللهﷺ كل صلاة لا يقرأ فيها بفاتحة الكتاب فهي خداج غير تمام قال قلت كنت خلف الامام قال فاخذ بيدى وقال اقرأ فى نفسك يا فارسي۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہر نماز جس میں سورہ فاتحہ نہ پڑھی جائے وہ ناقص ہے پوری نہیں ہے، میں نے کہا کہ اگر میں امام کے پیچھے (نماز پڑھ رہا) ہوں تو آپ نے میرا ہاتھ پکڑ کر فرمایا اے فارسی آہستہ پڑھا کرو۔

(مسندابو عوانه ص۱۲۷ ج۲)

(۱۱) عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللهﷺ كل صلاة لا يقرأ فيها بام القرآن فهي خداج ثم هي خداج۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہر وہ نماز جس میں سورہ فاتحہ نہ پڑھی جائے ناقص ہے پھر فرمایا ناقص ہے۔

(مسند احمد ص۲۹۰ ج۲ و اسناده حسن، ارواء الغليل ص۲۸۱ ج۲)

(۱۲) عن ابی ھریرۃ عن النبیﷺ قال من صلى صلوٰة لم يقرأ فيها بام القرآن فهي خداج۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی مکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ جس شخص نے نماز پڑھی اور اس میں سورہ فاتحہ نہ پڑھی تو اس کی نماز ناقص ہے، (کتاب القرأۃ للبیهقی ص۳۳)

(۱۳) عن عائشة قالت سمعت رسول اللهﷺ يقول كل صلاة لا يقرا فيها بام الكتاب فهي خداج۔

ام المؤمنین صدیقہ کائنات سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ کہتے سنا کہ آپ فرما رہے تھے کہ ہر نماز جس میں ام الکتاب نہ پڑھی جائے وہ نماز ناقص ہے،

(ابن ماجة كتاب اقامة الصلاة باب القرأة خلف الامام، الحديث ۸٤۰)

(۱۴) عن عائشة قالت سمعت رسول اللهﷺ يقول من صلى صلاة لم يقرأ فيها بام القرآن فهي خداج۔

ام المؤمنین صدیقہ کائنات سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا راویہ ہیں کہ میں نے رسول مکرم ﷺ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ جس شخص نے نماز پڑھی اور اس میں، ام القرآن نہ پڑھی تو اس کی نماز ناقص ہے۔

(مسند احمد ص۱٤۲ ج٦)

(۱۵) عن عائشة زوج النبی ﷺ قال سمعت رسول الله ﷺ یقول من صلی صلاة لا یقرأ فیها بام القرآن فی خداج۔

نبی مکرم ﷺ کی بیوی محترمہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا راویہ ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ جس شخص نے نماز پڑھی اور سورہ فاتحہ نہ پڑھی تو اس کی نماز ناقص ہے۔

(مسند احمد ص۲۷۵ ج۶) و اسناده حسن، آثار السنن ص۹۵)

(۱۶) عن عائشة ان النبی ﷺ قال کل صلاة لا یقرأ فیها بام القرآن فهی خداج۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا راویہ ہیں کہ نبی مکرم ﷺ نے فرمایا کہ ہر وہ نماز جس میں سورہ فاتحہ نہ پڑھی جائے وہ نماز ناقص ہے، (طبرانی صغیر ص۱۶۴ ج۱ رقم الحدیث ۲۵۷)

(۱۷) عن عائشة قالت قال رسول الله ﷺ کل صلوٰة لا یقرأ فیها فهی خداج ثلثا۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا راویہ ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر نماز جس میں قرأت (فاتحہ) نہ کی جائے وہ ناقص ہے (تین بار فرمایا)

(کتاب القرأة للبیهقی ص۳۷)

(۱۸) عن عائشة ان رسول الله ﷺ قال کل صلاة لا یقرأ بها بفاتحة الکتاب فهی خداج فهی خداج فهی خداج۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا راویہ ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہر نماز جس میں سورہ فاتحہ نہ پڑھی جائے وہ ناقص ہے، ناقص ہے، ناقص ہے۔

(طبرانی الاوسط ص۲۰۶ ج۸ رقم الحدیث ۷۴۲۲)

(۱۹) عن ابن عمر عن رسول الله ﷺ انه قال من صلی صلوة لم یقرأ فیها بام القرآن فهی خداج غیر تمام۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے نماز پڑھی اور سورہ فاتحہ نہ پڑھی تو اس کی نماز ناقص اور غیر مکمل ہے (کتاب القرأة للبیهقی ص۳۸)

(۲۰) عن ابن عمرو قال قال رسول الله ﷺ لا صلوٰة لمن لم یقرأ بفاتحة الکتاب۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس شخص کی نماز نہیں جس نے سورہ فاتحہ کو نہ پڑھا۔

(کتاب القرأة للبیهقی ص۳۹)

مولانا سرفراز خان صفدر نے، (حاشیہ احسن الکلام ص۱۷۱ ج۲) میں اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے

(۲۱) عن عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده ان رسول الله ﷺ قال کل صلاة لا یقرأ

فيها بفاتحة الكتاب فهي خداج۔

سیدنا عبداللہ بن عمر و العاص رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر نماز جس میں سورہ فاتحہ نہ پڑھی جائے وہ ناقص ہے ناقص ہے۔

(ابن ماجة كتاب اقامة الصلوٰة باب يقرأة خلف الامام، الحديث ٨٤١)

(۲۲) عن عمر بن شعيب عن ابيه عن جده ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال كل صلاة لا يقرأ فيها بفاتحة الكتاب فهي مخدجة، مخدجة، مخدجة۔

سیدنا عبداللہ بن عمر و العاص رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر نماز جس میں سورہ فاتحہ نہ پڑھی جائے تو وہ نماز ناقص ہے، ناقص ہے۔

(كتاب القرأة للبيهقى ص٣٨)

(۲۳) عن عمرو بن شعيب عن ابيه عن جده عن النبى صلى الله عليه وسلم كل صلاة لا يقرأ بها بام القرآن مخدجة مخدجة مخدجة۔

سیدنا عبداللہ بن عمر و العاص رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر نماز جس میں ام القرآن نہ پڑھی جائے وہ ناقص ہے ناقص ہے ناقص ہے۔

(معجم طبرانى الاوسط ص٤٢٨ ج٤ رقم الحديث ٣٧١٦)

(۲۴) عن عمرو بن شعيب عن ابيه عن جده عن النبى صلى الله عليه وسلم قال كل صلوٰة لا يقرأ فيها بفاتحة الكتاب فهي خداج۔

سیدنا عبداللہ بن عمر والعاص رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر نماز جس میں فاتحہ نہ پڑھی جائے وہ ناقص ہے (كتاب القراة للبيهقى ص٣٨)

(۲۵) عن عبادة بن الصامت ان النبى صلى الله عليه وسلم قال ام القرآن عوض من غيرها وليس غيرها منها عوض۔

سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سورۃ فاتحہ باقی (قرآن کا عوض ہے اور باقی قرآن فاتحہ کا عوض نہیں ہے۔

(مستدرك حاكم ص٢٣٨ ج١ و دارقطنى ص٣٢٢ ج١ و كتاب القرأة ص١٢)

حاکم و ذہبی نے صحیح کیا ہے۔

(۲۶) عن عبادة بن الصامت قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا تجزى صلاة لا يقرأ الرجل فيها بفاتحة الكتاب۔

سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ نماز جائز نہیں جس میں آدمی

سورہ فاتحہ نہیں پڑھتا۔ (کتاب القرأۃ ص ۱۱)

(۲۷) عن جابر ذکر قصة معاذ قال وقال یعنی النبیﷺ للفتی، کیف تصنع یا بن اخی! اذا صلیت؟ قال، اقراء بفاتحة الکتاب واسال الله الجنة و اعوذبه من النار، وانی لا ادری ما دندنتك ولا دندنة معاذ فقال النبیﷺ انی و معاذ حول ھاتین او نحو ھذا۔

سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ کا واقعہ بیان کیا کہ رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نوجوان سے کہا میرے بھائی کے بیٹے تو کیا کرتا ہے، جب نماز پڑھتا ہے، اس نے کہا میں سورہ فاتحہ پڑھتا ہوں اللہ تعالیٰ سے جنت کا سوال کرتا ہوں اور جہنم سے پناہ مانگتا ہوں لیکن مجھے سمجھ نہیں کہ آپ علیہ السلام اور معاذ رضی اللہ عنہ کی آواز کو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اور معاذ دونوں اسی کے اردگرد ہیں یا اس جیسا کوئی اور لفظ ارشاد فرمایا،

(ابو داؤد کتاب الصلاۃ باب تحفیف الصلاۃ الحدیث ۷۹۳)

(۲۸) عن جابر بن عبدالله قال، کان معاذ بن جبل یصلی مع رسول اللهﷺ العشاء ثم یرجع فیصلی با صحابه، فرجع ذات یوم، فصلی بھم و صلی خلفه فتی من قومه، فلما طال علی الفتی، صلی و خرج، فاخذ بخطام بعیره وانطلقوا، فلما صلی معاذ ذکر ذلك له فقال، ان ھذا لنفاق لأخبرن رسول اللهﷺ فاخبره معاذ بالذی صنع الفتی، فقال الفتی، یا رسول الله، یطیل المکث عندك، ثم یرجع فیطول علینا، فقال رسول اللهﷺ، افتان انت یا معاذ؟ وقال لفتی، کیف تصنع یا ابن اخی اذا صلیت؟ قال اقرأ بفاتحة الکتاب، واسال الله الجنة، واعوذبه من النار، وانی لا ادری ما دندنتك و دندنة معاذ، فقال رسول اللهﷺ، انی و معاذ حول ھاتین، او نحوذی قال، قال الفتی، ولکن سیعلم معاذ اذا قدم القوم و قد خبروا ان أبعد وقددنا، قال، فقدموا، قال، فاستشھد الفتی فقال النبیﷺ بعد ذلك لمعاذ، ما فعل خصمی و خصمك؟ قال یا رسول اللهﷺ صدق الله و کذبت، استشھد۔

سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عشاء کی نماز پڑھتے، پھر وہاں سے واپس آکر اپنی قوم کے لوگوں کی امامت کرتے، پس ایک دن انہوں نے لوٹ کر نماز پڑھائی، اس نماز میں ان کی قوم کا ایک نوجوان بھی تھا، اس نے جب قرأت لمبی ہوتے دیکھی تو (جماعت سے نکل کر مسجد کے ایک گوشہ میں) نماز ادا کی اور مسجد سے نکل کر اپنے اونٹ کی نکیل پکڑی اور چلتا بنا، سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ جب نماز سے فارغ ہوئے تو ان سے اس کا ذکر کیا گیا، انہوں نے کہا یقیناً اس کے یہاں نفاق ہے، میں اس کی ضرور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دوں گا، اور سیدنا

معاذ رضی اللہ عنہ نے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نوجوان کی حرکت سے باخبر کیا، تو نوجوان نے کہا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معاذ آپ کے پاس دیر تک رکے رہتے ہیں، پھر جب لوٹتے ہیں تو بڑی لمبی قرأت کرتے ہیں، اس پر نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اے معاذ! کیا تم فتنہ کھڑا کرنا چاہتے ہو؟ اور نوجوان سے کہا کہ میرے بھائی کے بیٹے تم نماز کیسے پڑھتے ہو؟ نوجوان نے کہا کہ میں سورہ فاتحہ پڑھتا ہوں، اور اللہ تعالیٰ سے جنت طلب کرتا ہوں اور جہنم سے پناہ مانگتا ہوں، اور مجھے آپ کی بات کی سمجھ آتی ہے اور نہ ہی معاذ کی، نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اور معاذ بھی ان دونوں کے اردگرد گھومتے ہیں، یا اس جیسا کوئی فقرہ فرمایا، سیدنا جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نوجوان نے کہا کہ دشمن کے آنے پر معاذ کو جلدی علم ہو جائے گا، ان دنوں یہ خبر تھی کہ دشمن حملہ آور ہونے والا ہے، جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ چنانچہ دشمن آدھمکا اور اس نوجوان نے جام شہادت نوش کیا، نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ رضی اللہ عنہ سے بعد میں کہا کہ میرے اور آپ سے مخاصت کرنے والے کا کیا ہوا؟ تو سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس نے شہادت پائی اور وہ سچا تھا اور میں غلطی پر تھا۔

(صحیح ابن خزیمه ص٦٤ ج٣ رقم الحدیث ١٦٣٤ و السنن الکبری للبیهقی ص١١٧ ج٣)

(۲۹) عن ابن عباس ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جاء فصلی رکعتین لم یقرأ فیها الا بام الکتاب۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور دو رکعت نماز پڑھی اس میں صرف سورۃ فاتحہ کی قرأت کی۔

(ابن خزیمه ص٢٥٨ ج١ رقم الحدیث ٥١٣، و مسند احمد ص٢٨٢ ج١ و بیهقی ص٦١ ج٢ و طبرانی کبیر ص١٩٣ ج١٢ رقم الحدیث ١٣٠١٦) و مسند ابو یعلی ص٨٦ ج٣ (٢٥٥٤)

(۳۰) عن ابن عباس قال صلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم العید رکعتین لا یقرأ فیهما الا بام الکتاب لم یزد علیها شیئا۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عید کی دو رکعت نماز پڑھی اور اس میں صرف سورہ فاتحہ پڑھی اور اس سے زیادہ قرأت نہ کی، (مسند احمد ص۲۴۳ ج۱)

(۳۱) عن عائشة رضی اللہ عنہا قالت کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یخفف الرکعتین اللتین قبل صلاۃ الصبح حتی انی لا قول هل قرأ بام الکتاب۔

ام المؤمنین صدیقہ کائنات سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا راویہ ہیں کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی نماز سے پہلے جو دو رکعتیں (سنت کی) پڑھتے تھے وہ ایسی ہلکی پھلکی پڑھتے تھے حتی کہ میں کہتی آپ نے سورہ فاتحہ بھی پڑھی ہے یا نہیں؟۔

(بخاری کتاب التهجد باب ما یقرأ فی رکعتی الفجر، الحدیث ١١٧١ و مسلم کتاب الصلاۃ المسافرین باب

استحباب رکعتی سنة الفجر ..... الحدیث ۲٦٨٤ '۱٦٨٥)

(۳۲) عن ابی هریرة رضی اللہ عنہ یقول فی کل صلاة، یقرأ فما أسمعنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم أسمعنا کم وما اخفی عنا اخفینا عنکم وان لم تزد علی ام القرآن اجزات وان زدت فهو خیر،

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہر نماز میں قرأت کی جاتی ہے پس جو کچھ ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سنایا ہم نے تم کو سنایا اور جو کچھ ہم سے مخفی رکھا ہم نے تم سے مخفی رکھا اور اگر سورہ فاتحہ سے زائد نہ پڑھے تو وہ تیرے لیے کافی ہے اور اگر تو زیادہ پڑھے تو بہتر ہے۔

بخاری کتاب الاذان باب القرأة فی الفجر، الحدیث ۷۷۲ و مسلم کتاب الصلاة باب وجوب قرأة الفاتحة فی کل رکعة...... الحدیث ۸۸۳، ۸۸٤)

واضح رہے کہ یہ حدیث حکماً مرفوع ہے، جیسا کہ علامہ عینی حنفی نے، عمدة القاری ص۳۳ ج٦ وفی نسخة الاخری ص۴۸ ج٦ اور حافظ ابن حجر نے، فتح الباری ص۲۵۲ ج۲ میں صراحت کی ہے۔

(۳۳) عن سیار بن سلامة ان عمر بن الخطاب سقط علیه رجل من المهاجرین و عمر یتهجد من اللیل یقرأ بفاتحة الکتاب لا یزید علیها و یکبر و یسبح ثم یرکع و یسجد فلما اصبح الرجل ذکر ذلك لعمر فقال عمر لامك الویل الیست تلك صلاة الملائکة۔

امام سیار بن سلامۃ بیان کرتے ہیں کہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ پر ایک مہاجر گر پڑا جب کہ وہ تہجد کی نماز پڑھ رہے تھے، آپ صرف سورہ فاتحہ پڑھتے پھر اللہ کی تکبیر و تسبیح بیان کرتے پھر رکوع اور سجدہ کرتے، جب صبح ہوئی تو اس نے اس کا ذکر سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے کیا، تو انہوں نے فرمایا تیری ماں پر افسوس کیا یہ فرشتوں کی نماز نہیں۔

(الدر المنثور ص٦ ج۱ و فصل الخطاب ص۱۳۰ و السعایه ص۱۷۱ ج۲)

علامہ علی متقی فرماتے ہیں کہ یہ روایت حکماً مرفوع ہے،

(کنز العمال ص۵۲ ج۸ رقم الحدیث ۲۲۱۱۰)

(۳۴) عن عبادة بن الصامت قال صلی بنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعض الصلوٰت التی یجهر فیها بالقرأة فقال لا یقرون احدمنکم اذا جهرت بالقراة الابام القرآن۔

سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی جہری نماز پڑھائی پھر فرمایا جب میں پکار کر قرأت کروں تو تم میں سے کوئی ایک بھی کچھ نہ پڑھے مگر سورہ فاتحہ۔

(نسائی کتاب الافتتاح باب قراة ام القران خلف الامام فیها جهر به الامام، الحدیث ۹۲۱، و دارقطنی ص۳۲۰ ج۱ و کتاب القرأة ص۵۰ و السنن الکبریٰ ص۱٦۵ ج۲ للبیهقی)

(۳۵) عن نافع أبطا عبادة عن الصلاة الصبح فاقام ابو نعیم المؤذن الصلاة فصلی ابو نعیم بالناس واقبل عبادة وانا معه حتی صففنا خلف ابی نعیم و ابو نعیم یجهر بالقرأة فجعل

عبادة يقرأ بام القرآن فلما انصرف قلت لعبادة سمعتك تقرأ بام القرآن و ابو نعيم يجهر قال أجل صلى بنا رسول الله ﷺ بعض الصلوٰت التى يجهر فيها القرأة، قال، فالتبست عليه القرأة فلما انصرف اقبل علينا بوجهه فقال هل تقرؤون اذا جهرت بالقرأة؟ فقال بعضنا انا نصنع ذلك، قال، فلا، وانا اقول مالى يناز عنى القرآن فلا تقرؤوا بشئى من القرآن اذا جهرت الابام القرآن۔

امام نافع فرماتے ہیں کہ سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے صبح کی نماز کے لیے دیر کی تو ابونعیم مؤذن نے تکبیر کہہ کر لوگوں کو نماز پڑھانا شروع کر دی، اتنے میں سیدنا عبادہ رضی اللہ عنہ بھی تشریف لے آئے اور میں ان کے ساتھ تھا، ہم نے ابونعیم کے پیچھے صف باندھی اور ابونعیم بلند آواز سے قرأت کر رہے تھے، سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سورہ فاتحہ پڑھنے لگے، جب نماز سے فارغ ہوئے تو میں نے سیدنا عبادہؓ سے کہا کہ میں نے آپ کو سورہ فاتحہ پڑھتے ہوئے سنا ہے حالانکہ ابونعیم بلند آواز سے قرأت کر رہے تھے، انہوں نے کہا کہ اس لیے کہ نبی مکرم ﷺ نے کوئی جہری نماز پڑھائی اور آپ قرأت سے رکنے لگے جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو ہماری طرف متوجہ ہو کر پوچھا کہ کیا تم پڑھا کرتے ہو جب میں بلند آواز سے قرأت کرتا ہوں، ہم میں سے بعض لوگوں نے کہا ہاں ہم ایسا ہی کرتے ہیں، آپ نے فرمایا کہ مت پڑھا کرو تب ہی تو میں کہتا تھا مجھے کیا ہوا کہ کوئی مجھ سے قرآن چھین لیتا ہے لہذا جب میں بلند آواز سے قرأت کروں تو سورہ فاتحہ کے علاوہ قرآن سے کچھ نہ پڑھا کرو۔

(ابو داؤد کتاب الصلاة باب من ترك القرأة فى صلاته بفاتحة الكتاب، الحديث ٨٢٤) و دارقطنى ص٣١٩ ج١ و كتاب القرأة ص٥٠ و بيهقى ص١٦٤ ج٢)

امام ابو داؤد نے اس پر سکوت کیا ہے، امام دارقطنی اور بیہقی فرماتے ہیں کہ اس کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

(٣٦) عبادة بن الصامت قال كنا خلف رسول الله ﷺ فى صلاة الفجر فقرأ رسول الله ﷺ فثقلت عليه القرأة فلما فرغ قال، لعلكم تقرؤون خلف امامكم؟ قلنا نعم هذا يا رسول الله! قال، لا تفعلوا الا بفاتحة الكتاب فانه لا صلاة لمن يقرأ بها۔

سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی مکرم ﷺ کے پیچھے صبح کی نماز پڑھ رہے تھے، اور آپ قرأت کر رہے تھے اور آپ پر قرأت ثقیل ہو گئی جب نماز سے فارغ ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ شاید تم اپنے امام کے پیچھے پڑھتے ہو، ہم نے کہا کہ ہاں یا رسول اللہ! ہم ایسا ہی کرتے ہیں، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سورہ فاتحہ کے علاوہ قرأت نہ کیا کرو، کیونکہ سورہ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔

(ابو داؤد كتاب الصلاة باب من ترك القرأة فى صلاته بفاتحة الكتاب، الحديث ٨٢٣ و ترمذى كتاب

الصلاة باب ما جاء فی القرأة خلف الامام، الحدیث ۳۱۱، و دارقطنی ص۳۱۸ ج۱ و مستدرك حاكم ص۲۳۸ ج۱ و كتاب القرأة ص٤٤ و بیهقی ص١٦٤ ج۲ و مسند احمد ص۲۱٦ ج۵ و ابن حبان رقم الحدیث ۱۷۸۲ و ۱۷۸۹و ۱۸٤۵) و ابن خزیمه ص٣٦ ج۳ رقم الحدیث ۱۵۸۱)

امام ترمذی اور دارقطنی نے حسن امام بیہقی امام ابن خزیمہ امام ابن حبان، امام ابو داؤد امام بخاری رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ نے صحیح کہا ہے، (توضیح الکلام ص۳۲۲ ج۱)

(۳۷) عن عبادة بن الصامت قال سمعت رسول الله ﷺ يقول لا صلوٰة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب امام وغير امام۔

سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ آپ فرما رہے تھے کہ اس شخص کی نماز نہیں جس نے سورہ فاتحہ نہ پڑھی امام ہو یا غیر امام (مقتدی) ہو۔

(كتاب القراة للبيهقى ص٤٨)

(۳۸) عن عبادة بن الصامت قام فى الناس فقال ان رسول الله ﷺ صلى لنا فجهر بالقرآن فلبست عليه القرأة فلما انصرف قال هل تقروؤن خلف الامام اذا جهر قالو نعم نهذّا القرآن هذا قال عجبت انازع القرآن وقال لا تقرؤا اذا جهر الامام الا بام القرآن فانه لا صلوة لمن لم يقرأ بام القرآن۔

سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے لوگوں کے درمیان کھڑے ہو کر کہا کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی اور قرأت کو بلند آواز سے پڑھا اور آپ پر قرأت بوجھل ہوگئی جب سلام پھیرا تو فرمایا کہ جب امام بلند آواز سے قرأت کرتا ہے تو تم اس کے پیچھے پڑھتے ہو؟ ہم نے کہا کہ ہاں ہم جلدی جلدی قرآن کی قرأت کرتے ہیں۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا مجھے قرآن سے منازعت عجیب سی لگی، اور فرمایا کہ جب امام بلند آواز سے قرأت کر رہا ہو، تو سورہ فاتحہ کے علاوہ اور کچھ نہ پڑھا کرو کیونکہ جس نے سورہ فاتحہ نہ پڑھی اس کی نماز نہیں۔ (كتاب القرأةللبيهقى ص٥٣)

(۳۹) عن عبادة بن الصامت انه سمع رسول الله ﷺ يقول لا يقرأن احدكم مع الامام الا بام القرآن۔

سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے راویت ہے کہ انہوں نے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ آپ علیہ السلام فرما رہے تھے کہ تم میں سے کوئی ایک (بھی) امام کے پیچھے سورہ فاتحہ کے علاوہ کوئی اور قرأت نہ کرے، (كتاب القرأة للبيهقى ص٥١)

(۴۰) عن عبدالله بن عمرو بن الحارث عن محمود بن الربيع عن عبادة ان محمودا صلى الى جانبه فسمعه يقرأ وراء الامام فساله حين انصرف عن ذلك فقال ان رسول

اللهﷺ أمنا يوما فانصرف الينا وقد غلط فى بعض القرآن فقال هل قرا معى منكم احد؟ قلنا نعم، قال، قد عجبت من هذا الذى يناز عنى القران اذا قرأ الامام فلا يقرأ معه احدمنكم الا بام القرآن

امام عبداللہ بن عمرو، محمود بن ربیع سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے سیدنا عبادہ رضی اللہ عنہ کی ایک جانب (ساتھ کھڑے ہوکر) نماز پڑھی اور انہوں نے سیدنا عبادہ رضی اللہ عنہ کو امام کے پیچھے قرأت کرتے ہوئے سنا، جب انہوں نے سلام پھیرا تو اس کے متعلق ان سے سوال کیا تو سیدنا عبادہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن امامت کروائی اور آپ کو قرأت قرآن سے سہو ہوگیا تو آپ نے فرمایا کیا تم میں سے کوئی میرے ساتھ بھی پڑھتا ہے، ہم نے کہا ہاں، فرمایا، مجھے منازعت قرآن عجیب سی لگی، جب امام قرأت کرے تو اس کے ساتھ سورہ فاتحہ کے سوا کوئی اور قرأت نہ کی جائے، (کتاب القرأة للبيهقى ص٤٨)

(۴۱) عن عبادة بن الصامت ان محمودا صلى الى جنبه يوما فسمعه يقرأ وراء الامام فذكره بمثله وقال عن النبىﷺ قد عجبت قلت من هذا ينازعنى القران اذا قرء الامام فلا يقرأن احدكم معه الابام القران۔

(كتاب القرأة ص٤٩)

(۴۲) عن محمود بن الربيع الانصارى قال قام الى جنبى عبادة ابن الصامت فقرأ مع الامام وهو يقرأ فلما انصرف قلت يا ابا الوليد تقرأ يسمع وهو يجهر بالقرأة قال نعم انا قرأنا مع رسول اللهﷺ فغلط رسول اللهﷺ ثم سبح فقال لنا حين انصرف هل قرأ معى احد؟ قلنا نعم، قال، قد عجبت قلت من هذا الذى يناز عنى القرآن اذا قرأ الامام فلا تقرؤا معه الابام القرآن فانه لا صلوة لمن لم يقرأ بها۔

محمود بن ربیع انصاری بیان کرتے ہیں کہ میں سیدنا عبادہ کے ساتھ نماز پڑھی اور آپ امام کی قرأت کے وقت قرأت کر رہے تھے، جب سلام پھیرا تو میں نے کہا کہ آپ قرأت کر رہے تھے جب امام بلند آواز کے ساتھ قرأت کر رہا تھا تو انہوں نے کہا کہ ہاں! ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قرأت کرتے تھے، (ایک دن) آپ کو قرأت میں سہو ہوگیا پھر لقمہ دیا گیا تو آپ علیہ السلام نے سلام پھیرنے کے بعد فرمایا کہ میں تعجب میں پڑھ گیا کہ یہ کون ہے جو (میرے ساتھ) قرآن میں منازعت کر رہا ہے، (لہذا) جب امام قرأت کرے تو اس کے ساتھ سورہ فاتحہ کے علاوہ قرآن سے کچھ بھی نہ پڑھا کرو کیونکہ سورہ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی (كتاب القرأة للبيهقى ص٤٩)

(۴۳) عن رجاء بن حيوة عن عبادة بن الصامت قال قال رسول اللهﷺ هل تقرؤن

القران اذا کنتم معی فی الصلوۃ قال قلنا نعم یا رسول الله قال فلا تفعلوا الا بام القرآن۔

امام رجاء بن حیوۃ، سیدنا عبادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم میرے ساتھ نماز میں قرأت کرتے ہو؟ تو ہم نے کہا ہاں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا کہ سورہ فاتحہ کے علاوہ کوئی اور قرأت نہ کیا کرو۔

(کتاب القرأة للبیهقی ص٥٣)۔

(۴۴)عن عمرو بن شعیب عن عباده ابن الصامت قال سال رسول الله صلی الله علیه وسلم اصحابه اتقرؤن القرآن اذا کنتم معی فی الصلوٰة؟قالوا نعم یارسول الله نهذه هذا ،قال لا تفعلوا الا بام القرآن۔

امام عمرو بن شعیب سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام سے سوال کیا کہ تم قرأت قرآن کرتے ہو جب میرے ساتھ نماز میں ہوتے ہو؟ صحابہ کرام نے کہا جی ہاں یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا سورہ فاتحہ کے علاوہ قرأت نہ کیا کرو۔

(کتاب القرأة للبیهقی ص٥٤)

(۴۵)عن عبادة ابن الصامت قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لا صلوٰة لمن لم یقرأ بفاتحة الکتاب خلف الامام۔

سیدنا عبادہ بن صامت راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس شخص کی نماز نہیں جس نے امام کے پیچھے سورہ فاتحہ نہ پڑھی۔ (کتاب القرأة للبیهقی ص٥٦)۔

امام بیہقی اور علامہ علی متقی ھندی فرماتے ہیں کہ اس کی سند صحیح ہے۔

(کنزالعمال ص١١٢ ج١٢ (رقم الحدیث ٢٢١٤٠ طبع بیروت و ص٥٤ ج٨ رقم الحدیث ٢٢١٣٥ طبع نشر السنة ملتان)

(۴۶)عن عباده بن الصامت ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال من صلی خلف الامام فلیقرأفیها بام القرآن۔

سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص امام کے پیچھے نماز پڑھے،وہ سورہ فاتحہ کی قرأت کرے۔

(رواه الطبرانی فی الکبیر ورجاله موثقون" مجمع الزوائد ص١١١ ج٢)

سیوطی نے، (الجامع الصغیر ص١٧٤ ج١) میں اس پر حسن کی علامت لگائی ہے اور علامہ علقمی نے اس کی شرح میں اسے حسن کہا ہے (تحقیق الکلام ص٩٩ ج١)

علامہ ھیثمی فرماتے ہیں اس کے راویوں کی توثیق کی گئی ہے اور مولانا سرفراز خاں صفدر فرماتے ہیں

کہ اپنے وقت میں اگر ھیثمی کو صحت وسقم کی پرکھ نہیں تو اور کس کو تھی۔

(احسن الکلام ص ۲۹۰ ج ۱)

(۴۷)عن رجل من اصحاب محمد ﷺ قال قال النبی ﷺ لعلکم تقرؤن و الامام یقرأ؟ مرتین اوثلاثاً، قالوا، نعم، یارسول اللہ! انا لنفعل قال: فلا تفعلوا الا ان یقرأ احدکم بفاتحة الکتاب۔

سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ کا ایک صحابی بیان کرتا ہے کہ نبی مکرم ﷺ نے فرمایا شاید تم اس وقت پڑھتے ہو جب امام قرأت کر رہا ہوتا ہے؟ دو یا تین بار یہ فرمایا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی ہاں، یارسول ﷺ ہم پڑھتے ہیں، آپ نے فرمایا کہ سورہ فاتحہ کے علاوہ اور قرأت نہ کیا کرو۔

(مصنف عبدالرزاق ص۱۲۷ج۲ رقم الحدیث ۲۷۶۶ ومسند احمد ص۲۳۶ ج٤ ص۶۰ ج۵)

(۴۸)عن رجل من اصحاب النبی ﷺ عن النبی ﷺ نحو حدیث هشیم۔ (مصنف ابن ابی شیبه ص۳۷٤ ج۱)

(۴۹)عن محمد بن ابی عائشة عمن شهد ذلك صلی النبی ﷺ فلما قضی صلاته قال أتقرؤن و الامام یقرأ قالوا انا لنفعل قال فلا تفعلوا الا ان یقرأ أحدکم بفاتحة الکتاب فی نفسه۔

امام محمد بن ابی عائشہ تابعی سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک ایسے صحابی سے روایت کی جو اس موقع پر موجود تھا کہ نبی مکرم ﷺ نے جب نماز پڑھ لی تو صحابہ کرام سے کہا کیا تم جب امام قرأت کر رہا ہوتا ہے تو اس وقت تم بھی پڑھتے ہو، صحابہ کرام نے کہا ہم ایسا ہی کرتے ہیں، آپ علیہ التحیۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ ایسا نہ کیا کرو ہاں سورہ فاتحہ کو آہستہ پڑھ لیا کرو۔

(جزء القرأة مترجم ص ٤٤)

(۵۰)عن رجل من اصحاب النبی ﷺ قال قال رسول الله صلی الله لعلکم تقرؤن و الامام یقرأ؟قالوا انا لنفعل قال فلا تفعلوا الا ان یقرا احدکم بفاتحة الکتاب،

نبی مکرم ﷺ کا ایک صحابی بیان کرتا ہے کہ آپ علیہ التحیۃ والسلام نے فرمایا شاید تم قرأت کرتے ہو جب امام قرأت کرتا ہے؟ صحابہ کرام نے، کہا ہم ایسا ہی کرتے ہیں، آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ایسا نہ کیا کرو مگر سورہ فاتحہ پڑھا کرو،

(کتاب القرأة للبیهقی ص ۶۱)

(۵۱)عن محمد بن ابی عائشة عن رجل من اصحاب النبی ﷺ قال قال رسول الله ﷺ

لعلکم تقرؤن والامام یقرأ؟قالوا انا لنفعل قال لا تفعلو الا ان یقرأ احدکم بفاتحۃ الکتاب۔

محمد بن ابی عائشہ نبی مکرم ﷺ کے ایک صحابی سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا جب امام قرأت کرتا ہے شاید تم بھی اس وقت قرأت کرتے ہو؟صحابہ کرام نے کہا جی ہاں ہم ایسا ہی کرتے ہیں،آپ علیہ السلام نے فرمایا سورہ فاتحہ کے علاوہ اور کوئی قرأت نہ کیا کرو۔ (السنن الکبری ص١٦٦ ج٢)

(۵۲)عن ابی قلابۃ قال قال رسول اللہ ﷺ لا صحابہ أتقرون خلفی وانا أقرا؟قال فسکتوا حتی سالھم ثلاثا قالوا نعم یارسول اللہ! قال فلا تفعلوا ذلک لیقرأ احدکم بفاتحۃ الکتاب فی نفسہ سرأ۔

امام ابو قلابہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے کہا کیا تم میرے پیچھے اس حال میں پڑھتے ہو کہ میں قرأت کرتا ہوں؟

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خاموش رہے تین بار یہ ارشاد فرمایا،صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا جی ہاں یارسول اللہ!تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ ایسا نہ کیا کرو ہاں سورہ فاتحہ کو اپنے نفس میں آہستہ پڑھا کرو۔

(مصنف عبدالرزاق ص١٢٧ج٢ رقم الحدیث ٢٧٦٥ وکتاب القرأۃ للبیھقی ص٥٩)

یہ روایت مرسل ہے اور سنداً صحیح ہے اور مرسل حنفیہ کے نزدیک حجت ہے،آخر میں یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ صحابی کا نام معلوم نہ ہونا صحت حدیث کے منافی نہیں کیونکہ اہل سنت کا اتفاق ہے کہ تمام صحابہ کرام ثقہ اور عدول تھے،اور جمہور آئمہ فن کا یہی مسلک ومذھب ہے۔ (تدریب الراوی ص١١٩) میں اس پر مفصل بحث ہے باذوق حضرات مراجعت فرمائیں۔

(۵۳)عن انس بن مالک ان رسول اللہ ﷺ صلی باصحابہ فلما قضیٰ صلاتہ اقبل علیھم بوجھہ فقال أتقرأون فی صلاتکم خلف الامام والامام یقرأ؟فسکتوا فقالھا ثلاث مرات،فقال قائل اوقائلون انا لنفعل قال فلا تفعلوا لیقرأ احدکم بفاتحۃ الکتاب فی نفسہ۔

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام کو نماز پڑھائی جب نماز سے فارغ ہوئے تو ان کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ کیا تم اپنی نمازوں میں جب امام قرأت کر رہا ہوتا ہے اس کے پیچھے قرأت کرتے ہو؟صحابہ کرام خاموش رہے،تین بار آپ علیہ التحیۃ والسلام نے یہ سوال کیا پس کہنے والے نے کہا یا کہنے والوں نے کہا کہ جی حضور ﷺ ہم ایسا ہی کرتے ہیں،آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کہا کہ ایسا نہ کیا کرو،البتہ سورہ فاتحہ کو آہستہ پڑھ لیا کرو،

(مسند ابو یعلی ص١٩٣ ج٣ رقم الحدیث ٢٧٩٧)وصحیح ابن حبان رقم الحدیث ١٨٤١)وکتاب القرأۃ

للبیہقی ص۱۵۲)

(۵۴)عن انس ان رسول اللہﷺ صلی با صحابه، فلما قضی صلاته اقبل علی القوم فقال،أتقرؤن والامام یقرأ؟فسکتوا ثم قالها ثلاثا فقال قائلون،انا لنفعل فقال فلا تفعلوا،ولیقرأ احدکم بفاتحة الکتاب فی نفسه۔

(طبرانی الاوسط ص۳۲۹ ج۳ رقم الحدیث ۲۷۰۱)

(۵۵)عن انس بن مالك ان النبیﷺ لما قضی صلوته اقبل علیهم بوجهه فقال أتقرؤن فی صلوتکم و الامام یقرأ؟ فسکتوا فقال لهم ثلاث مرات فقال قائل اوقائلون انا لنفعل قال فلا تفعلوا لیقرأ احدکم بفاتحة الکتاب فی نفسه۔

(السنن الکبریٰ للبیہقی ص۱۶۶ ج۲)۔

(۵۶)حدثنا محمد بن اسماعیل الفارسی ثنا ابو زرعة الدمشقی ثنا یحی بن یوسف الزمی ثنا عبیدالله بن عمرو الرقی عن ایوب عن ابی قلابة عن انس ان رسول اللہﷺ صلی باصحابه فلما قضی صلاته اقبل علیهم بوجهه فقال أتقرؤن فی صلاتکم والامام یقرأ؟فسکتوا قالها ثلاثا فقال قائل اوقائلون انا لنفعل قال فلا تفعلوا ولیقرأ؟احدکم بفاتحة الکتاب فی نفسه لفظ حدیث الفارسی (سنن دار قطنی ص۳۴۵ ج۱)۔

(۵۷)ثنا علی بن احمد بن الهیثم ثنا احمدبن ابراهیم القوهستانی حدثنا یوسف بن عدی قال ثنا عبیدالله بن عمرو باسناده نحوه لفظ حدیث الفارسی۔ (سنن دارقطنی ص۳۴۰ ج۱)

(۵۸)عن انس ان رسول اللہﷺ صلی باصحابه فلما قضی صلاته اقبل علیهم بوجهه فقال أتقرؤن فی صلاتکم خلف الامام والامام یقرأ فسکتوا قالها ثلاث مرات فقال قائل اوقائلون،انا لنفعل قال فلا تفعلوا والیقرأ احدکم بفاتحة الکتاب فی نفسه۔

(صحیح ابن حبان(موارد)(۴۵۸)

(۵۹)عن انس بن مالك ان رسول اللہﷺ صلی باصحابه فلما قضیٰ صلوته اقبل علیهم بوجهه فقال أتقرؤن فی صلوتکم خلف الامام والامام یقرأ؟فسکتوا فقالها ثلاث مرات فقال قائل اوقال قائلون انا لنفعل قال فلا تفعلوا،ولیقرأ احدکم فاتحة الکتاب فی نفسه۔

(کتاب القرأةللبیہقی ص۵۸)

(۶۰)عن انس ان رسول اللہﷺ صلی باصحابه فلما قضیٰ صلوته اقبل علیهم بوجهه

فقال،أتقرؤن فی صلوتکم والامام یقرأ؟فسکتوا حتی قالها ثلاث مرات فقال قائل اوقائلون انا لنقرأ قال فلا تفعلوا،والیقرأاحدکم بفاتحة الکتاب فی نفسه۔ (کتاب القرأة للبیهقی ص٥٩)

ملحوظہ واضح رہے کہ۵۳ تا ۶۰ ایک ہی متن ہے،لیکن ان کی اسناد علیحدہ علیحدہ ہیں،یہ حدیث سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے ابو قلابہ نقل کرتے ہیں اور ان سے ایوب اور ایوب سے عبیداللہ بن عمرو روایت کرتے ہیں۔اس سے نیچے ایک جماعت روایت کرتی ہے،نمبر۵۳ میں عبیداللہ سے مخلد بن الحسین ابو الزمیل روایت کرتا ہے نمبر۵۴ میں یحیٰ نمبر۵۵ میں ربیع بن نافع،نمبر۵۶ میں یحیٰ بن یوسف نمبر۵۷ یوسف بن عدی نمبر۵۸ میں فرج بن رواحہ نمبر۵۹ میں عبداللہ بن جعفر اور نمبر۶۰ اسماعیل بن علیہ روایت کرتے ہیں۔انوار صاحب نے چونکہ اسی طرح کی اسناد کو ہی مکرر سہ مکرر نقل کر کے نمبر بڑھائے ہیں۔اس لیے ہماری یہ کاروائی جوابا ہے،اور ان کے اصول کے موافق یہ علیحدہ علیحدہ آٹھ احادیث ہیں۔ چونکہ ترجمہ پہلی حدیث(۵۳) میں گزر چکا ہے اور متن بھی تقریباًایک ہی ہے،اس لیے اختصار کی وجہ سے ترجمہ چھوڑ دیا گیا ہے۔

(۶۱)عن عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده قال قال رسول الله ﷺ تقرؤن خلفی قالوا نعم انا لنهذه هذا قال فلا تفعلوا الابام القرآن،

سیدنا عبداللہ بن عمرو العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (صحابہ سے فرمایا)تم میرے پیچھے پڑھتے ہو؟صحابہ کرام نے کہا کہ ہم جلدی جلدی قرأت کرتے ہیں آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ سورہ فاتحہ کے علاوہ نہ پڑھا کرو۔

(جزء القرأة للبخاری ص٤٣ مترجم)۔

(۶۲)عن عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده قال قال رسول الله ﷺ أتقرؤن خلفی؟ قالوا نعم، یارسول الله انا لنهذه هذا قال فلا تفعلوا الابام القرآن۔

سیدنا عبداللہ بن عمرو العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کہا کیا تم میرے پیچھے پڑھتے ہو؟صحابہ کرام نے کہا ہاں یارسول اللہ،ہم جلدی جلدی پڑھتے ہیں۔آپ علیہ السلام نے فرمایا سورہ فاتحہ کے علاوہ قرأت نہ کیا کرو۔

(کتاب القرأة للبیهقی ص٦٤)

(۶۳)عن مهران عن النبی ﷺ قال من لم یقرأ بام الکتاب فی صلاته فهی خداج۔

سیدنا مہران رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی مکرم ﷺ نے فرمایا کہ جس نے اپنی نماز میں سورہ فاتحہ نہ پڑھی اسکی نماز ناقص ہے،

(طبرانی الاوسط ص١٦٤ ج١٠ رقم الحدیث ٩٢٦٤)

(۶۴)عن عبدالرحمن بن سوار قال کنت جالسا عند عمرو بن مهران فقال له رجل من

اهل الكوفة يا ابا عبدالله بلغنى انك تقول من لم يقرأ خلف الامام بام القرآن فصلوته خداج قال عمرو صدق حدثني ابي ميمون ابن مهران عن ابيه مهران عن رسول الله ﷺ انه قال من لم يقرأ بام الكتاب خلف الامام فصلوته خداج۔

امام عبدالرحمٰن بن سوار بیان کرتے ہیں کہ میں عمرو بن میمون کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ایک کوفہ کے باشندہ نے ان سے کہا کہ اے ابوعبداللہ مجھے خبر ملی ہے کہ آپ کہتے ہیں کہ جو امام کے پیچھے سورہ فاتحہ نہ پڑھے اسکی نماز ناقص ہے،تو امام عمرو بن میمون نے کہا کہ ٹھیک ہے مجھ سے میرے والد میمون نے اور انہوں نے اپنے والد مہران رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو امام کے پیچھے سورہ فاتحہ نہیں پڑھتا اسکی نماز ناقص ہے۔ (كتاب القرأة للبيهقى ص٦٢)

(٦٥)عن ابى قتادة ان النبى ﷺ قال أتقرؤن خلفى قلنا نعم قال لا تفعلوا الا بفاتحة القرآن۔

سیدنا ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی مکرم ﷺ نے فرمایا کیا تم میرے پیچھے پڑھتے ہو؟ ہم نے کہا ہاں! آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ سورہ فاتحہ کے علاوہ قرأت نہ کیا کرو،

(كتاب القرأة للبيهقى ص٦٣ ومسند احمد ٣٠٨ ج٥ والسنن الكبرىٰ ص١٦٦ ج٢)

(٦٦)عن رجل من اهل البادية عن ابيه وكان ابوه اسيرا عند رسول الله ﷺ قال سمعت محمد ﷺ قال لا صحابه تقرؤن خلفى القران؟فقالوا انهذه هذا قال لاتقرؤا الا بفاتحة الكتاب۔

ایک دیہاتی اپنے والد سے بیان کرتا ہے جو نبی مکرم ﷺ کے پاس قید تھا کہ میں نے سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ سے سنا کہ آپ علیہ السلام اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرما رہے تھے کہ تم میرے پیچھے قرآن پڑھتے ہو؟ صحابہ کرام نے کہا ہم جلدی جلدی پڑھتے ہیں۔آپ علیہ السلام نے فرمایا سورہ فاتحہ کے علاوہ اور کچھ نہ پڑھا کرو،

(كتاب القرأة للبيهقى ص٦٣)

(٦٧)عن عمرو بن شعيب عن ابيه عن عبدالله بن عمرو،ان النبى ﷺ خطب الناس فقال من صلى مكتوبة او سبحة فليقرأ بام القرآن وقرآن معها،فان انتهى الى ام القرآن أجزات عنه،ومن كان مع الامام فليقرأ قبله او اذا سكت فمن صلى صلاة لم يقرأ فيها فهى خداج ثلاثاً۔

سیدنا عبداللہ بن عمرو العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی مکرم ﷺ نے لوگوں کو خطبہ ارشاد فرمایا اور کہا کہ جو شخص فرض نماز یا نفل پڑھے تو وہ سورہ فاتحہ کے ساتھ مزید قرآن بھی پڑھے،اگر سورہ فاتحہ ہی

پڑھ لے تو یہ اسکو کفایت کر جائے گی۔اور جو شخص امام کے ساتھ نماز پڑھے وہ سورہ فاتحہ امام سے پہلے یا سکتہ میں پڑھ لے کیونکہ جس شخص نے نماز پڑھی اور قرآت (فاتحہ) نہ کی تو اسکی نماز ناقص ہے۔

(مصنف عبدالرزاق ص۱۳۳ ج۲ رقم الحدیث ۲۷۸۷)۔

(۶۸)عن عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده ان رسول اللهﷺ خطب الناس فقال من صلی صلوة مکتوبة فلیقرأ بام القرأن وقرآن معها فان انتهی الی ام الکتاب فقد اجزات عنه ومن کان مع الامام فلیقراء قبله اذا سکت ومن صلی صلاة فلم یقرأ فیها فهی خداج ثلث مرات۔

(کتاب القرأة للبیهقی ص۶٤)

ترجمہ اوپر والی روایت میں گزر چکا ہے۔

(۶۹)عن عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده قال قال رسول اللهﷺ من صلی صلوٰة مکتوبة اوتطوعا فلیقرأ فیها بام الکتاب وسورة معها فان انتهی الی ام الکتاب فقد اجزأومن صلی صلوة مع الامام یجهر فلیقرأ بفاتحة الکتاب فی بعض سکتاته فان لم یفعل فصلوته خداج غیر تمام۔

سیدنا عبداللہ بن عمرو العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے فرض یا نفل نماز پڑھی اسے چاہیے کہ وہ سورہ فاتحہ کے ساتھ اور قرآن کی بھی قرأت کرے،اگر صرف سورہ فاتحہ ہی پڑھی تو یہ کفایت کر جائے گی۔اور جس شخص نے امام کے ساتھ کوئی جہری نماز پڑھی وہ امام کے بعض سکتات میں سورہ فاتحہ پڑھ لے،اگر اس نے ایسا نہ کیا تو اس کی نماز ناقص اور غیر تمام ہے(کتاب القرأة للبیهقی ص۶٥)

(۷۰)عن عائشة قالت کان رسول اللهﷺ یستفتح الصلاة بالتکبیر والقرأة بالحمد الله رب العلمین۔ الحدیث۔

ام المومنین صدیقہ کائنات سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نماز کو اللہ اکبر کہہ کر شروع کرتے اور قرأت کو سورہ فاتحہ سے،الحدیث۔

(صحیح مسلم کتاب الصلاة باب مایجمع صفة الصلاة......الحدیث ۱۱۱۰)

(۷۱) عن انس ان النبیﷺ وابابکر و عمر و عثمان کانوا یفتتحون القرأة بالحمد الله رب العالمین۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی مکرم ﷺ اور ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور عثمان غنی رضی اللہ عنہ قرأت کو الحمد الله رب العلمین سے شروع کرتے۔

(ابو داؤد کتاب الصلاة باب من لم یدالجهر بسم الله الرحمن الرحیم،الحدیث ۷۸۲)

(۷۲)عن ابی هریرة ان النبی ﷺ کان یفتتح القرأه بالحمد لله رب العلمین۔

سیدنا ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی مکرم ﷺ قرأت کو الحمد الله رب العلمین، سے شروع کرتے تھے۔

(ابن ماجه کتاب اقامة الصلوات باب افتتاح القرأة، الحدیث ٨١٤)

(۷۳)عن مالك قال قال رسول الله ﷺ صلو اکما رایتمونی اصلی۔ الحدیث۔

سیدنا مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ نماز اس طرح پڑھو جس طرح مجھے پڑھتے دیکھا ہے۔

(بخاری کتاب الاذان باب الاذان للمسافرین اذا کانوا جماعة......الحدیث ٦٣١)

(۷۴)عن معاویة بن الحکم السلمی قال بینا انا اصلی مع رسول الله ﷺ اذ عطس رجل من القوم فقلت، یرحمك الله! فرمانی القوم بابصارهم. فقلت، واثکل امیاه! ماشانکم؟ تنظرون الی، فجعلوا یضربون بایدیهم علی افخاذهم فلما رایتهم یصمتوننی لکنی سکت فلما صلی رسول الله علیه وسلم فبابی هو وامی مارایت معلما قبله ولا بعده احسن تعلیما منه، فو الله! ماکهرنی ولا ضربنی ولا شتمنی قال، ان هذه الصلاة لا یصلح فیها شی من کلام الناس انما هوا التسبیح والتکبیر وقرأة القران۔ الحدیث۔

سیدنا معاویہ بن حکم سلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ کے ساتھ نماز پڑھ رہا تھا، اتنے میں جماعت میں سے ایک شخص کو چھینک آئی میں نے کہا، یرحمك الله، تو لوگوں نے مجھے گھورنا شروع کر دیا میں نے کہا کاش مجھ پر میری ماں رو چکی ہوتی۔ تم مجھے کیوں گھورتے ہو؟ یہ سن کر وہ لوگ اپنے ہاتھ رانوں پر مارنے لگے، جب میں نے دیکھا کہ وہ مجھے خاموش کرنا چاہتے ہیں تو میں خاموش ہو گیا جب رسول اللہ ﷺ نماز سے فارغ ہوگئے، میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں میں نے آپ سے پہلے نہ آپ کے بعد کوئی آپ سے بہتر سکھلانے والا نہیں دیکھا، اللہ تعالیٰ کی قسم آپ نے مجھے جھڑکا نہ مارا اور نہ ہی گالی دی، چنانچہ آپ نے فرمایا یہ نماز انسانوں کی باتوں میں سے کسی چیز کی صلاحیت نہیں رکھتی یہ تو تسبیح اور تکبیر اور قرآن کریم کی تلاوت کا نام ہے۔(صحیح مسلم کتاب المساجد باب تحریم الکلام فی الصلاة ......الحدیث ١١٩٩)

(۷۵)عن انس بن مالك قال قال النبی ﷺ ان المؤمن اذا کان فی الصلاة فانما یناجی ربه، فلا یبزقن بین یدیه ولا عن یمینه ولکن عن یساره اوتحت قدمه۔

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی مکرم ﷺ نے فرمایا کہ مومن جب نماز میں ہوتا ہے تو گویا اپنے رب سے سرگوشی کرتا ہے، تو اپنے سامنے نہ تھوکے اور نہ اپنی داہنی طرف البتہ بائیں

طرف تھوک لے یا دونوں پاؤں کے نیچے۔

(بخاری کتاب الصلاۃ باب لیبصق عن یسارہ اوتحت قدمہ الیسری،الحدیث ٤١٣ ومسلم کتاب المساجد باب النھی عن البصاق فی المسجد فی الصلاۃ...... الحدیث ١٢٣٠)

(٧٦)عن ابی ہریرۃ عن النبیﷺ قال اذا قام احدکم الی الصلاۃ فلا یبصق امامہ فانما یناجی اللہ مادام فی مصلاہ ولا عن یمینہ فان عن یمینہ ملکاً ولیبصق عن یسارہ اوتحت قدمہ فید فنھا۔

سیدنا ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی مکرم ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی جب نماز شروع کردے تو اپنے سامنے نہ تھوکے کیونکہ وہ جب تک اپنی نماز میں ہوتا ہے تو گویا اللہ تعالیٰ سے سرگوشی کرتا ہے،اور داہنی طرف بھی نہ تھوکے کیونکہ اس کی داہنی طرف فرشتہ رہتا ہے۔البتہ بائیں طرف یا اپنے پاؤں کے نیچے تھوک لے اور پھر اس کو دفن کر دے،

(بخاری کتاب الصلاہ باب دفن النخامہ فی المسجد،الحدیث ٤١٦)

(٧٧)عن ابی ہریرۃ قال صلی رسول اللہﷺ یوم ثم انصرف وقال یا فلان آلا تحسن صلوتك آلا ینظر المصلی اذا صلی کیف یصلی وانما یصلی لنفسہ انی واللہ لا بصرہ من ورانی کما ابصرمن بین یدی۔

سیدنا ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک روز نماز پڑھائی پھر نماز سے فراغت کے بعد فرمایا کیا نمازی خیال نہیں کرتا جس وقت وہ نماز پڑھتا ہے کہ کس طرح نماز پڑھ رہا ہے،اور نہیں وہ نماز پڑھتا مگر اپنے لیے،اللہ تعالیٰ کی قسم ہے میں پیچھے سے بھی اس طرح دیکھتا ہوں جس طرح اپنے سامنے سے دیکھتا ہوں۔

(مسلم کتاب الصلاۃ باب الامر بتحسین الصلاۃ واتما مھا،الحدیث ٩٥٧)۔

(٧٨)عن جابر بن عبداللہ قال قال رسول اللہﷺ الامام ضامن فما صنع فاصنعوا۔

سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ امام ضامن ہے جو وہ کرے وہی تم کرو(طبرانی الاوسط ص ٣٣١ ج ٤ رقم الحدیث ٣٥٦٩)

(٧٩)عن ابی ہریرۃ أن عبداللہ بن حزافۃ صلی فجھر بالقراۃ فقال لہ رسول اللہﷺ یا ابن حزافۃ لاتسمعنی واسمع اللہ عزوجل۔

سیدنا ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ عبداللہ بن حزافہ رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھی اور بلند آواز سے قرأت کی تو اسے نبی مکرم ﷺ نے فرمایا،حزافہ کے بیٹے مجھے نہیں بلکہ اللہ عزوجل کو سناؤ،(یعنی آہستہ پڑھو)(بیہقی ص ١٦٢ ج ٢)

(۸۰)عن ابی هریرة ان رسول اللهﷺ دخل المسجد فدخل رجل فصلی فسلم علی النبیﷺ فرد،فقال،ارجع فصل فانك لم تصل،فرجع فصل کما صلی،ثم جاء فسلم علی النبیﷺ فقال،ارجع فصل فانك لم تصل،ثلاثا،فقال،والذی بعثك بالحق ما احسن غیره،فعلمنی،فقال،اذا قمت الی الصلاة فکبر،ثم اقراء ما تیسر معك من القرآن ثم ارکع حتی تطمئن راکعا،ثم ارفع حتی تعتدل قائما،ثم اسجد حتی تطمئن ساجدا،ثم ارفع حتی تطمئن جالسا ،وفعل ذلك فی صلاتك کلها۔

سیدنا ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی مکرم ﷺ مسجد میں داخل ہوئے،اتنے میں ایک شخص آیا اوراس نے نماز پڑھی پھر نبی علیہ السلام کے پاس آ کر سلام کیا آپ علیہ التحیۃ والسلام نے سلام کا جواب دیا اور فرمایا جا کر نماز پڑھو تو نے نماز نہیں پڑھی وہ لوٹ گیا اور پھر اسی طرح نماز پڑھی جیسے پہلے پڑھی تھی پھر آیا اور نبی مکرم ﷺ کو سلام کیا آپ نے فرمایا جا نماز پڑھ تو نے نماز نہیں پڑھی،تین بار ایسا ہی ہوا بالآخر اس نے عرض کیا قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو رسول برحق بنا کر بھیجا میں اس سے اچھی نماز نہیں پڑھ سکتا۔ مجھے نماز سکھلائیے، آپ علیہ السلام نے فرمایا جب تو نماز کے لیے کھڑا ہو تو،اللہ اکبر کہہ پھر، **ماتیسر معك من القران**، پڑھو پھر اطمینان کے ساتھ رکوع کر پھر سر اٹھا کر سیدھا کھڑا ہوجا،پھر اطمینان کے ساتھ سجدہ کر پھر سجدہ سے سر اٹھا کر اطمینان کے ساتھ بیٹھ (پھر دوسرا سجدہ کر)اسی طرح ساری نماز پڑھ۔

(بخاری کتاب الاذان باب وجوب القرأة للامام والماموم...... الحدیث۷۵۷،ومسلم کتاب الصلاۃ باب وجوب القراۃ الفاتحۃ فی کل رکعۃ...... الحدیث۸۸۴)

(۷۹)عن رفاعةبن رافع الزرقی، وکان من اصحاب النبیﷺ، قال جاء رجل ورسول اللهﷺ جالس فی المسجد،فصلی قریباً منه ثم انصرف الی رسول اللهﷺ فقال رسول اللهﷺ اعد صلاتك فانك لم تصل، قال، فرجع فصلی کنحو مما صلی، ثم انصرف الی رسول اللهﷺ فقال له، اعد صلاتك فانك لم تصلی، فقال، یارسول اللهﷺ علمنی کیف اصنع؟ قال، اذا استقبلت القبلة فکبر ثم اقرأبام القران ثم اقرأ بما شئت فاذا رکعت فاجعل راحتیك علی رکبتیك وامدد ظهر ومکن لرکوعك فاذا رفعت راسك فاقم صلبك حتی ترجع العظام الی مفاصلها واذا سجدت فمکن لسجود ك فاذا رفعت راسك فاجلس علی فخذك الیسری، ثم اصنع ذلك فی کل رکعة وسجدة۔

سیدنا رفاعۃ بن رافع زرقی رضی اللہ عنہ جو اصحاب النبی ﷺ سے تھے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ مسجد میں تشریف فرما تھے کہ ایک شخص نے آپ کے قریب ہی نماز پڑھی پھر پلٹ کر آپ علیہ السلام کے

پاس آیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اپنی نماز لوٹا تو نے نماز نہیں پڑھی، وہ لوٹ کر گیا اور پہلے کی طرح ہی نماز پڑھ کر دوبارہ نبی مکرم ﷺ کی طرف پلٹا تو آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا اپنی نماز لوٹا تو نے نماز نہیں پڑھی، اس شخص نے کہا کہ یارسول اللہ ﷺ مجھے نماز سکھلایئے کہ میں کیسے نماز پڑھوں؟ آپ نے فرمایا جب تو (نماز پڑھنے کے لیے) قبلہ کی طرف متوجہ ہو، تو اللہ اکبر کہہ پھر سورہ فاتحہ پڑھ پھر جو چاہے اسے پڑھ جب رکوع کرے تو اپنی دونوں ہتھیلیوں کو اپنے گھٹنوں پر رکھ، اور اپنی پیٹھ کو پھیلا اور برابر رکھ، اور اپنے رکوع میں قرار پکڑ جب رکوع سے سر اٹھائے تو اپنی کمر کو سیدھا کر حتی کہ تیری تمام ہڈیاں اپنے مقام پر لوٹ جائیں، اور جب سجدہ کرے تو اپنے سجدہ میں ٹھہر جا جب سجدہ سے سر اٹھائے تو اپنی بائیں ران پر (دونوں سجدوں کے درمیان) بیٹھ۔

(مسند احمدص۳٤۰ ج٤ واللفظ له، وابوداؤد کتاب الصلاة باب صلاة من یقیم صلبه فی الرکوع والسجود، الحدیث ۸۵۹) وجذء القرأة مترجم ص ٦۰)

آثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ

(ا) عن یزید بن شریك انه سال عمر رضی اللہ عنہ عن القرأة خلف الامام قال اقرأ بفاتحة الکتاب قلت وان کنت انت قال وان کنت انا، قلت وان جهرت قال وان جهرت۔

امام یزید بن شریک نے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے امام کے پیچھے قرأت کرنے کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا سورہ فاتحہ کی قرأت کیا کرو یزید نے کہا خواہ آپ بھی امام ہوں؟ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا کہ خواہ میں ہی امام کیوں نہ ہوں یزید نے مکر سوال کہ اگر آپ بلند آواز سے قرأت کر رہے ہوں! تو آپ نے فرمایا کہ خواہ میں بلند آواز سے ہی قرأت کر رہا ہوں،

(کتاب القرأة ص۷۲ رقم الحدیث ۱۵٦) وبیهقی ص۱٦۷ ج۲ ودارقطنی ص۳۱۷ ومستدرك حاکم ص۲۳۹ ج۱)۔

امام دارقطنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کے راوی تمام ثقہ ہیں، حاکم وذھبی اسے صحیح کہتے ہیں۔

سیدنا علی مرتضی رضی اللہ عنہ:

عن عبید الله بن ابی رافع عن علی انه کان یامر ان یقرأ خلف الامام فی الظهر والعصر فی الرکعتین الاولین بفاتحة الکتاب وسورة وفی الرکعتین الاخریین بفاتحة الکتاب۔

امام عبیداللہ بن رافع فرماتے ہیں کہ سیدنا علی مرتضی رضی اللہ عنہ حکم دیتے تھے کہ ظہر وعصر میں مقتدی پہلی

دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ اور اسکے ساتھ بھی کوئی سورت پڑھے اور آخری دو رکعتوں میں صرف سورہ فاتحہ پڑھے۔
(بیہقی ص۱٦۸ ج۲ ۳وکتاب القرأة ص۷٤ ومستدرك حاکم ص۲۳۹ ج۱ ودارقطنی ص۲۲۲ج۱)
امام بیہقی امام دارقطنی حاکم و ذھبی رحمہم اللہ نے صحیح کہا ہے۔

سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ:

(۱) عن ابی المغیرة عن ابی بن کعب رضی اللہ عنہ انه کان یقرأ خلف الامام۔
امام ابومغیرہ فرماتے ہیں کہ سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ امام کے پیچھے قرات کرتے تھے۔
(کتاب القرأة ص۷۵ وجزء القرأة ص۱۸)۔

(۲) عن عبدالله بن ابی الهذیل قال سالت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ اقرأ خلف الامام قال نعم۔
امام عبداللہ بن ابی الھذیل فرماتے ہیں کہ میں نے سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ میں امام کے پیچھے پڑھوں تو انہوں نے کہا ہاں۔
(کتاب القرأة ص۷۵ وجزء القرأة ص۸)

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ:

(۱)عن عبدالله بن زیاد الاسدی قال صلیت الی جنب عبدالله بن مسعود رضی اللہ عنہ خلف الامام فسمعته یقرأ فی الظهر والعصر۔
امام عبداللہ بن زیادہ اسدی فرماتے ہیں کہ میں نے سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ساتھ امام کے پیچھے ظہر وعصر کی نمازیں پڑھیں تو میں نے سنا کہ آپ قرأت کرتے تھے۔
(کتاب القرأة ص۷٦ وکتاب الثقات لا بن حبان ص۵۸ ج۵ وجزء القرأة ص۸ والسنن الکبری ص۱٦۹ ج۲ وطحاوی ص۱٤٤ ج۱ وکتاب الکنی ص۱۱۱ ج۲)

(۲)عن الهذیل بن شرجیل عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ انه قرأ فی العصر خلف الامام فی الرکعتین الاولیین بام القرآن وسورة۔
امام ھذیل فرماتے ہیں کہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ عصر کی نماز میں امام کے پیچھے پہلی دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ کے ساتھ ایک اور سورت بھی پڑھتے تھے۔
(کتاب القرأة ص۷۷ ومصنف ابن ابی شیبه ص۳۷۳ ج۱)

(۳) عن علقمة قال صلینا فی جنب عبدالله فلم اعلم انه یقرأ حتی جهر بهذه الا یة وقل رب زدنی علما۔
امام علقمہ فرماتے ہیں میں نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ساتھ نماز پڑھی مجھے معلوم نہ تھا کہ آپ

پڑھ رہے ہیں یہاں تک کہ انہوں نے۔ وقل رب زدنی علما، پڑھا۔(کتاب القرأة ص١٤٥)۔

(۴)**عن ابی الاحوص عن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ قال لا تسبقوا قرأکم انما جعل الامام لیؤتم بہ فاذا رکع فارکعوا واذا سجد فاسجدوا فان احدکم تکون معہ السورة فیقرأھا فاذا فرغ رکع من قبل ان یرکع الامام فلا تسا بقوا قرأکم فانماجعل الامام لیؤتم بہ۔ قال ابوبکر بن خزیمة افلست تری ابن مسعود فی ھذا الخبر ینھی الماموم ان یرکع اذا فرغ من قرأة السورة قبل رکوع الامام ونھاہ عن مسابقة الامام بالقرأة ولم ینھہ عن القرأة خلف الامام۔**

امام ابو الاحوص راوی ہیں کہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اپنے قاریوں سے مسابقت نہ کرو، کیونکہ امام اس لیے مقرر کیا جاتا ہے کہ اسکی متابعت کی جائے، پس جب امام رکوع کرے تو تم بھی رکوع کرو اور جب سجدہ کرے تو تم بھی سجدہ کرو اور اگر تم میں سے کسی کو سورة یاد ہوتو اسے چاہیے کہ وہ اسے پڑھے امام کے رکوع جانے سے پہلے پھر رکوع کرے، پس اپنے قاریوں پر مسابقت نہ کرو کیونکہ امام اس لیے مقرر کیا جاتا ہے کی اس کی متابعت کی جائے،

امام ابن خزیمہ فرماتے ہیں کہ آپ دیکھتے نہیں کہ سیدنا ابن مسعودؓ اس قول میں مقتدی کو قرأة سے فارغ ہونے کے بعد امام سے پہلے رکوع کرنے سے منع کرتے ہیں اور امام کی قرأت سے مسابقت سے روکتے ہیں لیکن قرأت سے منع نہیں کرتے۔

(کتاب القرأة ص١٤٦ رقم الحدیث ٣٥٠)

سیدنا ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ:

(۱)مرفوع روایات کے سلسلہ میں نمبر ۶ پر آپ کا قول گزر چکا ہے کہ آپ جہری نمازوں میں بھی فاتحہ خلف الامام پڑھنے کا حکم فرمایا کرتے تھے۔

(۲)**عن ابی ھریرة قال اذا قرأ الامام بام القرآن فاقرأ بھا۔**

سیدنا ابوھریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب امام سورہ فاتحہ پڑھے تو تم (مقتدی) بھی اسکے ساتھ پڑھو۔ (جزء القرأة مترجم ص١٠٦)۔

علامہ نیموی حنفی فرماتے ہیں۔اسکی سند حسن ہے (آثار السنن ص١٠٦)

سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ:

عن مجاھد قال سمعت عبداللہ بن عمرو یقرأ فی الظھر والعصر خلف الامام۔

امام مجاھدؒ فرماتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن عمرو العاص رضی اللہ عنہ سے سنا کہ وہ ظہر و عصر میں (امام کے پیچھے قرأت کرتے تھے۔

(کتاب القرأة ص۷۸ ومصنف عبدالرزاق ص۱۳۰ ج۲ وبیھقی ص۱۶۹ ج۲ وجزء القرأة مترجم ص۴۲)

امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اسکی سند صحیح ہے اور علامہ نیموی دیوبندی کہتے ہیں حسن ہے

(التعلیق الحسن ص۱۰۸)

سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ:

عن ابو نضرة قال سالت ابا سعید عن القرأة خلف الامام فقال فاتحة الکتاب،

امام ابونضرۃ فرماتے ہیں کہ میں نے سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے امام کے پیچھے قرأت کرنے کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا،سورہ فاتحہ پڑھا کرو،

(جزء القرأة مترجم ص۴۱ وکتاب القرأة ص۱۷۵ والکامل لا بن عدی ص۱۴۳۷ ج۴)

امام ابن عدی نے،اصح اور علامہ نیموی دیوبندی نے حسن کہا ہے،(التعلیق الحسن ص۱۰۸)

سیدنا انس رضی اللہ عنہ:

عن ثابت عن انس قال کان یامرنا بالقرأة خلف الامام قال وکنت اقوم الی جنب انس فیقرأ بفاتحة الکتاب وسورة من المفصل ویسمعنا قرأته لنا خذعنه۔

امام ثابت فرماتے ہیں کہ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ امام کے پیچھے قرأت کرنے کا حکم دیتے تھے اور میں سیدنا انسؓ کے پہلو میں کھڑا ہوتا تو آپ سورہ فاتحہ اور مفصل سورتوں میں سے کوئی سورۃ پڑھتے تھے اور اپنی قرأۃ ہمیں سناتے تاکہ ہم ان سے لے لیں (یعنی پڑھا کریں)۔

(کتاب القرأة ص۸۲ وبیھقی ص۱۷۰ ج۲)

سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ:

عن یزید الفقیر عن جابر بن عبدالله قال کنا نقرأ فی الظهر والعصر خلف الامام فی الرکعتین الاولیین بفاتحة الکتاب وسورة وفی الاخریین بفاتحة الکتاب،

امام یزید الفقیر سے روایت ہے کہ سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم ظہر وعصر کی نمازوں میں امام کے پیچھے پہلی دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ اور ایک مزید سورت پڑھتے تھے اور آخری دو رکعتوں میں صرف سورہ فاتحہ پڑھا کرتے تھے،

(ابن ماجه کتاب اقامة الصلوٰت باب القرأة خلف الامام،الحدیث ۸۴۳ وبیھقی ص۱۷۰ ج۲ وکتاب القرأة ص۸۱)

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ :

(۱)عن العیزار بن حریث عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال اقرأ خلف الامام بفاتحة الکتاب۔

امام عیزار بن حریث بیان کرتے ہیں کہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھو۔

(کتاب القرأة ص۷۷ وطحاوی ص۱۴۱ وبیہقی ص۱۶۹ ج۲ ومصنف ابن ابی شیبہ ص۳۷۵ ج۱)

(۲) عن عطاء عن ابن عباس قال لا تدع بفاتحة الکتاب جهر الامام اولم یجهر۔

امام عطاء فرماتے ہیں کہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سورہ فاتحہ نہ چھوڑو خواہ امام بلند آواز سے پڑھ رہا ہو یا آہستہ آواز سے

(کتاب القرأة ص۷۷ ومصنف عبدالرزاق ص۱۳۰ ج۲ وبیہقی ص۱۶۹ ج۲)

(۳) عن حنش قال سمعت ابن عباس یقول اقرأ بفاتحة الکتاب فی کل رکعة خلف الامام۔

امام حنش فرماتے ہیں کہ میں نے سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے سنا کہ آپ فرمارہے تھے کہ امام کے پیچھے ہر رکعت میں سورہ فاتحہ پڑھا کرو۔ (کتاب القرأة ص۷۷)۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کے متعلق تو اکابر احناف نے بھی تسلیم کیا ہے کہ وہ ظہر وعصر میں امام کے پیچھے پڑھا کرتے تھے۔ دیکھئے (المبسوط ص۲۰۰ ج۱ وشرح معانی الاثار ص۱۴۱ ج۱)

سیدنا ابو دارداء رضی اللہ عنہ :

(۱)عن حسان بن عطیة ان ابا الدرداء قال لا تترك قرأة فاتحة الکتاب خلف الامام جهر اولم یجهر۔

امام حسان بن عطیہ راوی ہیں کہ سیدنا ابودرداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ امام کے پیچھے سورہ فاتحہ نہ چھوڑو، خواہ امام آہستہ پڑھ رہا ہوں یا بلند آواز سے۔

(کتاب القرأة ص۱۷ وبیہقی ص۱۷۰ ج۲)

(۲) عن حسان بن عطیة ان ابا الدرداء قال لو ادرکت الامام وهو راکع لا حببت ان اقرأ بفاتحة الکتاب۔

امام حسان بن عطیہ راوی ہیں کہ سیدنا ابو درداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر میں امام کو رکوع کی حالت میں پاؤں تو محبوب رکھتا ہوں کہ سورہ فاتحہ پڑھ لوں۔

(کتاب القرأة ص۸۲)

سیدنا عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ:

(۱) مرفوع احادیث کے نمبر ۳۵ میں آپ کا اثر گزر چکا ہے کہ آپ امام کے پیچھے جہری نمازوں میں بھی سورہ فاتحہ پڑھا کرتے تھے، ان کا امام کے پیچھے پڑھنا واقعاتی پہلو سے استدلال اور فرمان نبوی علیہ الصلاۃ والسلام کی وجہ سے تھا، مکرر ان احادیث کو ایک بار ملاحظہ کر لیا جائے۔

(۲) عن محمود بن الربیع قال سمعت عبادۃ بن الصامت رضی اللہ عنہ یقرأ خلف الامام فقال عبادۃ لا صلوۃ الا بقراۃ۔

امام محمود بن ربیع فرماتے ہیں کہ میں نے عبادہ بن صامت سے سنا کہ وہ امام کے پیچھے پڑھ رہے تھے، میں نے پوچھا آپ امام کے پیچھے پڑھتے ہیں تو انہوں نے کہا کہ قراءۃ کے بغیر نماز نہیں ہے۔

(بیہقی ص۱۶۸ ج۲ وکتاب القرأۃ ص۷۶)

(۳) عن حملة بن عبدالرحمن یحدث عن عبادۃ بن الصامت انه رای رجل لا یتم رکوعه ولا سجوده فاتاه فاخذ بیده فقال لا تشبهوا بهذا ولا بامثاله انه لا صلاۃ الا بام الکتاب، فان کنت خلف امام فاقرأ فی نفسك وان کنت وحدك فاسمع اذنیك ولا توذی من عن یمینك ومن عن یسارك۔

امام حملہ بن عبدالرحمٰن سے روایت ہے کہ سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی کو دیکھا جو رکوع و سجود صحیح طرح سے نہ کر رہا تھا، آپ اس کے پاس تشریف لے گئے اور اسے ہاتھ سے پکڑ کر فرمانے لگے کہ ان کے ساتھ ایسا نہ کرو اور نہ ہی ان جیسے (ارکان نماز) کے ساتھ ایسا کرو، نماز سورہ فاتحہ کے بغیر نہیں ہوتی، اگر تو امام کے پیچھے ہے تو آہستہ پڑھ اور اگر اکیلا ہے تو اپنے آپ کو سنا اور اپنے دائیں بائیں کھڑے نمازی حضرات) کو تکلیف نہ دے،

(بیہقی ص۱۶۸ ج۲ وکتاب القرأۃ ص۷۶)

(۴) عن محمود بن ربیع قال صلیت صلوۃ والی جنبی عبادۃ بن الصامت قال فقرأ بفاتحة الکتاب قال فقلت له یا ابا الولید الم اسمعك تقرأ بفاتحة الکتاب قال اجل انه لا صلوۃ الا بها۔

امام محمود بن ربیع فرماتے ہیں کہ میں نے نماز پڑھی اور میرے پہلو میں سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ تھے، آپ نے سورہ فاتحہ کی قرأت کی، میں نے آپ سے کہا کہ کیا میں نے نہیں سنا کہ آپ نے فاتحہ کی قرأت کی ہے؟ سیدنا عبادہ رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ اس لیے کہ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص۳۷۵ ج۱ وکتاب القرأۃ ص۷۵)

(۵) عن ابی امیة الازدی قال قال لی عبادة بن الصامت اقرأ بام القرآن فی کل صلوة،اوقال فی کل رکعة،قال قلت اتقرأ بها یا ابا الولید مع الامام؟ قال لا ادعها اماما و لا ماموما۔

امام ابی امیہ ازدی کہتے ہیں کہ مجھے سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے کہا کہ سورہ فاتحہ کو ہر نماز میں پڑھا کرو، یا فرمایا کہ ہر رکعت میں پڑھا کرو، میں نے کہا اے ابو ولید کیا میں امام کے ساتھ (پیچھے) بھی پڑھا کروں؟ آپ نے فرمایا سورہ فاتحہ کو نہ امام اور نہ مقتدی چھوڑے (یعنی پڑھے)۔

(مصنف عبدالرزاق ص ۱۳۰ ج ۲ رقم الحدیث ۲۷۷۰)۔

مولانا سرفراز خاں صفدر فرماتے ہیں۔

حضرت عبادہ امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنے کے قائل تھے اور ان کی یہی تحقیق اور یہی مسلک ومذھب تھا (احسن الکلام ص ۱۵٦ ج ۲)۔

سیدنا ھشام بن عامر رضی اللہ عنہ:

عن حمید بن ھلال ان ھشام ابن عامر قرأ فقیل له أتقرأ خلف الامام قال انا لنفعل۔

امام حمید بن ھلال بیان کرتے ہیں کہ سیدنا ھشام بن عامر رضی اللہ عنہ نے (امام کے پیچھے) قرأت کی تو آپ سے کہا گیا آپ امام کے پیچھے پڑھتے ہیں تو انہوں نے کہا کہ ہاں ہم یوں ہی کرتے ہیں۔

(کتاب القراة ص ۸۰ وبیہقی ص ۱۷۰ ج ۲ وطبرانی کبیر ص ۱۷۲ ج ۲۲)

علامہ ھیثمی فرماتے ہیں کہ اس کے راویوں کی توثیق کی گئی ہے۔(مجمع الزوائد ص ۱۱٤ ج ۲)

مولانا سرفراز خاں صاحب صفدر فرماتے ہیں۔

اگر علامہ ھیثمی کو صحت وسقم کی پرکھ نہیں تو اور کس کو تھی؟

(احسن الکلام ص ۲۹۰ ج ۱)

سیدنا عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ:

(۱) عن عمر بن ابی سحیم قال کان عبدالله بن مغفل المدنی صاحب رسول الله صلی الله علیه وسلم یعلمنا خلف الامام فی الظهر والعصر فی الرکعتین الاولیین بفاتحة الکتاب وسورة وفی الاخریین بفاتحة الکتاب۔

امام عمر بن ابی سحیم بیان کرتے ہیں کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی سیدنا عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ ہمیں ظہر و عصر کی پہلی دو رکعتوں میں امام کے پیچھے سورہ فاتحہ کے علاوہ مزید سورت بھی اور آخری دو رکعتوں میں صرف سورہ فاتحہ پڑھنے کی تعلیم دیتے تھے۔

(السنن الکبریٰ ص ۱۷۱ ج ۲ وکتاب القرأة ص ۸۳)

(۲) عن عمر بن ابی سحیم البھذی عن عبداللہ بن مغفل انہ کان یقرأ فی الظھر والعصر خلف الامام فی الاولیین بفاتحۃ الکتاب وسورتین وفی الا خریین بفاتحۃ الکتاب۔

امام عمر بن ابی سحیم بھذی سے روایت ہے کہ سیدنا عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ امام کے پیچھے ظہر وعصر کی پہلی دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ اور مزید دو سورتیں بھی تلاوت کرتے اور آخری دو رکعتوں میں صرف سورہ فاتحہ کی قرأت کرتے (جزء القرأۃ مترجم ص ٤٢)

ام المومنین صدیقہ کائنات سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا:

عن ابی صالح عن ابی ھریرۃ وعائشۃ رضی اللہ عنہما انھما کانا یامران بالقرأۃ خلف الامام فی الظھر والعصر فی الرکعتین الاولیین بفاتحۃ الکتاب وشئی من القرآن کانت عائشۃ رضی اللہ عنھا تقول یقرأ فی الاخریین بفاتحۃ الکتاب۔

امام ابی صالح سے روایت ہے کہ سیدنا ابوھریرہ رضی اللہ عنہ اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا دونوں امام کے پیچھے ظہر و عصر کی پہلی دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ اور قرآن کا کچھ پڑھنے کا حکم فرمایا کرتے تھے اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا آخری دو رکعتوں کے متعلق فرماتیں کہ صرف سورہ فاتحہ پڑھی جائے۔

(کتاب القرأۃ ص ٨٠ وبیھقی ص ١٧١ ج ٢)۔

امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

کانت عائشۃ تامر بالقرأۃ خلف الامام۔

ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنھا امام کے پیچھے قرأت کرنے کا حکم فرمایا کرتی تھیں۔

(جزء القرأۃ ص ٣٢)

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ:

(۱) عن سالم ان ابن عمر کان ینصت للامام فیما یجھر فیہ من الصلوۃ ولا یقرأ معہ۔

امام سالم فرماتے ہیں کہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ جہری نمازوں میں خاموش رہتے تھے اور امام کے پیچھے نہ پڑھتے تھے۔ (کتاب القرأۃ ص ١٢٣)

علامہ ابن عبدالبر فرماتے ہیں کہ یہ اثر دلیل ہے اس بات کی سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ سری نمازوں میں امام کے پیچھے قرأت کرتے تھے (بحوالہ امام الکلام ص ٢١)

(۲) عن ابی العالیۃ البرأ قال سالت ابن عمر فی کل صلوۃ قرأۃ فقال انی لا ستحی من

رب هذا البيت ان اصلى له صلوة لا اقرأ فيها بفاتحة الكتاب وما تيسر۔

امام ابی عالیہ براء فرماتے ہیں کہ میں نے سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ کیا ہر نماز میں قرأت ہے تو انہوں نے کہا کہ مجھے اس گھر (بیت اللہ) کے رب سے حیا آتی ہے کہ میں اس کی نماز پڑھوں اور اس میں سورہ فاتحہ اور ما تیسر کی قرأت نہ کروں،

(کتاب القرأۃ ص۷۸ وبیہقی ص۱۶۱ ج۲ وجزء القرأۃ ص۷)

(۳) عن سالم عن ابيه قال يكفيك قرأة الامام فيما يجهر۔

امام سالم اپنے والد (سیدنا ابن عمرؓ) سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ امام جب بلند آواز سے پڑھے تو اسکی قرأت کافی ہے۔

(کتاب القرأۃ ص۱۲۳ ومصنف عبدالرزاق ص۱۳۹ ج۲)

(نوٹ) مصنف میں کتابت کی غلطی یا تصحیف سے، عن ابیہ، کا واسطہ گرا ہوا ہے۔

(۴) عن يحيى البكاء سئل ابن عمر عن القرأة خلف الامام فقال ما كانوا يرون باسا ان يقرأ بفاتحة الكتاب فى نفسه۔

امام یحیی بکاء فرماتے ہیں کہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا کہ کیا امام کے پیچھے قرأت ہے تو انہوں نے فرمایا کہ لوگ اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے کہ آہستہ سورہ فاتحہ پڑھیں، (جزء القرأۃ مترجم ص۳۹)

(۵) عن عقبة بن نافع قال، صليت مع ابن عمر الظهر والعصر فاذا هو يهمس فى القرأة فقلت يا ابا عبدالرحمن انك لتفعل فى صلاتك شيئا مانفعله قال ما هو؟ قلت تهمس فى القرأة ونحن نصلى مع ائمة لا يقرؤن فقال ابن عمر من يصلى معهم فاعلمه ان لاتكون صلاة الا بقرأة وتشهد وصلاة على النبى ﷺ فان نسيت من ذلك شيئا فاسجد سجدتين بعد السلام۔

امام عقبہ بن نافع فرماتے ہیں کہ میں نے سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ ظہر وعصر کی نماز پڑھی تو وہ آہستہ آہستہ قرأت کر رہے تھے، میں نے کہا اے ابو عبدالرحمٰن آپ نماز میں وہ کام کرتے ہیں جو ہم نہیں کرتے انہوں نے فرمایا وہ کیا؟ میں نے کہا آپ آہستہ آہستہ قرأت کرتے تھے، اور ہم آئمہ کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں وہ قرأت نہیں کرتے تو سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا جب ان کے ساتھ نماز پڑھے تو

ان کو خبر دار کر دو کہ نماز قرأت تشہد اور درود کے بغیر نہیں ہوتی اگر تم ان میں سے کوئی چیز بھی بھول جاؤ تو سلام کے بعد دو سجدے کرو۔

(عمل الیوم واللیلة للحسن بن شعیب المعری المتوفی ۲۹۵ھ بحواله القول البدیع ص ۱۳۴)

سیدنا عمران بن حصین رضی اللہ عنہ:

عن الحسن حدثنی عمران بن حصین قال لا تزکوا صلوة مسلم الابطهور ورکوع وسجود وفاتحة الکتاب وراء الامام وغیر الامام۔

امام حسن فرماتے ہیں کہ مجھ سے سیدنا عمران بن حصین رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ مسلمان کی نماز میں پاکیزگی نہیں ہوتی جب تک اس میں وضو رکوع سجدہ اور سورۃ فاتحہ نہ ہو، خواہ امام کے پیچھے ہو یا منفرد ہو۔ (کتاب القرأة للبیہقی ص ۸۲)

آثار تابعین عظام

امام سعید بن جبیر کا اثر:

عن ابن خثیم عن سعید بن جبیر انه قال لا بد ان تقرأ بام القرآن مع الامام ولکن من مضی کانوا اذا کبر الامام سکت ساعة لا یقرأ قدر مایقرؤن ام القران۔

امام ابن خثیم بیان کرتے ہیں کہ امام سعید بن جبیر نے فرمایا تم امام کے ساتھ سورۃ فاتحہ ضرور پڑھو، سلف کا طریقہ یہ تھا کہ جب امام تکبیر کہتا تو تھوڑی دیر سکتہ کرتا اور نہ قرأت کرتا، تا آنکہ مقتدی سورۃ فاتحہ پڑھ لیتا۔

(مصنف عبدالرزاق ص ۱۳۴، ۱۳۵ ج ۲ رقم الحدیث ۲۷۸۹، ۲۷۹۴ وکتاب القرأة ص ۸۳)

عن عبداللہ بن عثمان بن خثیم قال قلت لسعید بن جبیر اقرأ خلف الامام قال نعم وان سمعت قرأته، الحدیث۔

امام عبداللہ بن عثمان بیان کرتے ہیں کہ میں نے امام سعید بن جبیر سے کہا کہ امام کے پیچھے پڑھوں؟ تو انہوں نے کہا کہ پڑھو اگرچہ امام کی قرأت تم سن بھی رہے ہو۔

(جز القرأة ص ۱۱۹ مترجم)

مولانا عبدالحی لکھنوی مرحوم، حافظ ابن حجر کی، نتائج الافکار لتخریج احادیث الاذکار، سے نقل کرتے ہیں کہ۔

هذا موقوف صحيح فقد ادرك سعيد بن جبير جماعة من علماء الصحابة ومن كبار التابعين۔

یعنی یہ موقوف اثر صحیح ہے سعید نے علماء صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کو اور کبار تابعین کو پایا ہے۔

(امام الکلام ص۲۳۸ ومجموعه رسائل الکنوی ص۲۰۸ ج۳)

مولانا ظفر احمد تھانوی فرماتے ہیں کہ جب تابعی كانوا يفعلون او كانوا يقولون کہے تو صحابہ کرام مراد ہوتے ہیں۔ (قواعد فی علوم الحدیث ص۱۲۸)

جس سے معلوم ہوا کہ امام سعید بن جبیر خود بھی سری وجھری نمازوں میں فاتحہ خلف الامام کے قائل تھے اور صحابہ کرام سے بھی وہ یہی نقل کرتے ہیں،

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے استاد حماد بن ابی سلیمان کا اثر:

حنظلة بن المغيرة قال سالت حمادا عن القرأة خلف الامام فی الظهر الاولى والعصر فقال كان سعيد بن جبير يقرأ فقلت اى ذلك احب اليك فقال ان تقرأ۔

امام حنظلہ بن مغیرہ فرماتے ہیں کہ میں نے امام حماد بن ابی سلیمان سے ظہر وعصر کی نماز میں امام کے پیچھے قرأت کرنے کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے کہا امام سعید بن جبیر پڑھا کرتے تھے، میں نے کہا آپ کی پسندیدہ رائے کیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ تم پڑھا کرو (جزء القرأة ص۳۲)

امام مکحول دمشقی کا اثر:

عن ابن جابر و سعيد بن عبدالعزيز و عبدالله بن العلاء قالوا فكان مكحول يقرأ فی المغرب والعشاء والصبح بفاتحة الكتاب فی كل ركعة سرا قال مكحول اقرأبها فيما جهربه الامام اذا قرأ بفاتحة الكتاب وسكت،سراً،فان لم يسكت اقرأ بها قبله وبعده لاتتركها على كل حال۔

امام ابن جابر امام سعید بن عبدالعزیز اور امام عبداللہ بن العلاء تینوں روایت کرتے ہیں کہ امام مکحول مغرب وعشاء اور صبح کی نماز کی ہر رکعت میں سورہ فاتحہ آہستہ پڑھا کرتے تھے،اور فرمایا کرتے کہ امام جب بلند آواز سے پڑھے اور سکتہ کرے تو سورت فاتحہ آہستہ پڑھو اور اگر امام سکتہ نہ کرے تو اس سے پہلے یا بعد یا ساتھ فاتحہ پڑھو فاتحہ کسی حالت میں بھی نہ چھوڑو۔

(ابوداؤد کتاب الصلاة باب من ترك القرأة فی صلاته بفاتحة الكتاب الحديث ۸۲۵)

امام حسن بصری کا اثر:

(۱) **منصور عن الحسن انه كان يقول اقرأ خلف الامام في كل صلوة بفاتحة الكتاب فى نفسك۔**

امام منصور بیان کرتے ہیں کہ امام حسن بصری فرمایا کرتے تھے کہ امام کے پیچھے تمام نمازوں میں سورہ فاتحہ آہستہ پڑھا کرو(كتاب القرأة ص۷۵ والسنن الكبرٰى ص ۱۷۱ ج ۲)

(۲) **يونس عن الحسن انه كان يقول اقرأ خلف الامام فى كل ركعة بفاتحة الكتاب فى نفسه۔**

امام یونس بیان کرتے ہیں امام حسن بصری فرمایا کرتے تھے امام کے پیچھے ہر رکعت میں سورہ فاتحہ پڑھا کرو(مصنف ابن ابی شیبه ص۳۷٤ج ۱)

امام عروہ بن زبیر کا اثر:

(۱)**عن هشام بن عروة عن ابيه انه كان يقرأ خلف الامام اذا لم يجهر فيه الامام بالقرأة۔**

امام ھشام بن عروہ اپنے والد امام عروہ بن زبیر سے نقل کرتے ہیں کہ امام جب جہری قرأت نہیں کرتے تھے تو امام عروہ بن زبیر امام کے پیچھے پڑھتے تھے۔

(موطا امام مالك ص٦٨ باب القرأة خلف الامام فيما لا يجهر فيه القرأة)

(۲) **عن شريك بن ابى نمر عن عروة بن الزبير قال اذا قال الا مام،غير المغضوب عليهم ولاالضالين،قرأت بام القرآن اوبعد ما يفرع من السورة التى بعدها۔**

امام شریک بن ابی نمر کہتے ہیں کہ امام عروہ بن زبیر۔نے فرمایا کہ جب امام **غير المغضوب عليهم ولا الضالين** کہتا ہے تو میں سورہ فاتحہ پڑھتاہوں یا جب امام اگلی سورت سے فارغ ہوتا ہے تو تب پڑھتاہے۔

(مصنف عبدالرزاق ص١٣٤ج٢رقم الحديث ٢٧٩١)

(۳)**عن هشام بن عروة عن ابيه انه قال يابنى اقرأ فى سكتة الامام فانه لا تتم صلوة الا بفاتحة الكتاب۔**

امام ھشام بن عروہ فرماتے ہیں کہ مجھے میرے والد عروہ بن زبیر نے کہا کہ بیٹے امام کے سکتہ میں سورہ فاتحہ پڑھا کرو کیونکہ سورہ فاتحہ کے بغیر نماز مکمل نہیں ہوتی۔

(كتاب القرأة ص٨٤)

(۴)**عن هشام عن ابيه قال يا بنى اقرؤا فيما يسكت الامام واسكتوا فيما جهر ولا يتم صلاة لا يقرأ فيما بفاتحة الكتاب فصاعدا مكتوبة ومستحبة۔**

امام ھشام فرماتے ہیں کہ مجھے میرے والد امام عروہ بن زبیر نے فرمایا کہ اے میرے بیٹے جب امام سکتہ کرے تو تم پڑھو اور جب آواز سے پڑھے تو خاموش رہو نماز سورہ فاتحہ اور اس سے کچھ اوپر کے بغیر پوری نہیں ہوتی نماز خواہ فرضی ہو یا نفلی۔

(جزء القرأۃ مترجم ص۱۲۰)

امام شعبیؒ کا اثر:

(۱)مالك بن مغول قال سمعت الشعبي يحسن القرأة خلف الامام۔

امام مالک بن مغول فرماتے ہیں کہ میں نے امام شعبیؒ سے سنا کہ وہ امام کے پیچھے قرأت کو پسند کرتے تھے (کتاب القرأة ص۸۵ والسنن الکبزی ص۱۷۲ج۲)

(۲)اسماعيل بن سالم عن الشعبیؒ قال سمعته يقول القرأة خلف الامام فی الظهر والعصر نور للصلوة۔

امام اسماعیل بن سالم فرماتے ہیں کہ میں نے امام شعبیؒ سے سنا کہ وہ کہتے تھے کہ ظہر وعصر کی نماز میں امام کے پیچھے پڑھنا نماز کے لیے نور ہے۔

(مصنف ابن ابی شبیه ص۳۷٤ج۱)

(۳)ابو اسحق الشيبا نی عن الشعبی انه كان يقول اقرأ خلف الامام فی الظهر والعصر فی الركعتين الاولیين بفاتحة الكتاب وسورة وفی الاخريين بفاتحة الكتاب۔

امام ابو اسحاق شیبانی فرماتے ہیں کہ امام شعبیؒ فرمایا کرتے تھے کہ ظہر وعصر کی نماز میں امام کے پیچھے پہلی دو رکعتوں میں سورۃ فاتحہ کے ساتھ اگلی سورۃ بھی پڑھا کرو اور آخری دو رکعتوں میں صرف سورۃ فاتحہ پڑھا کرو۔

(کتاب القرأة ص۸۵ ومصنف ابن ابی شیبه ص۳۷٤ج۱ والسنن الکبری ص۱۷۲ج۲)

(۴) ابن ابی خالد عن الشعبی قال اقرأ فی خمسهن يقول الصلوات كلها۔

امام ابن ابی خالد سے روایت ہے کہ امام شعبیؒ نے کہا کہ پانچوں نماز میں قرأت کرنی چاہیے۔

(کتاب القرأة ص۸٦)

امام مجاھد کا اثر:

عن ليث عن مجاهداذا نسی فاتحة الكتاب لا يعتد تلك الركعة۔

امام لیث امام مجاھد سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ اگر فاتحہ بھول جائے تو اس رکعت کو شمار نہ کیا جائے (جزء القرأة مترجم ص۴۱)

امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

قال مجاهد اذا لم يقرأ خلف الامام اعاد الصلاة۔

امام مجاھد کا کہنا ہے کہ جب امام کے پیچھے قرأت نہ کی جائے تو نماز کو دوبارہ پڑھا جائے (جزء القرأة مترجم ص۳۳)

امام عبید اللہ بن عبداللہ بن عتبہ کا اثر:

حصين قال صليت الى جنب عبيدالله بن عبدالله بن عتبة قال فسمعته يقرؤخلف الامام الخ۔

امام حصین فرماتے ہیں کہ میں نے امام عبیداللہ کے ساتھ نماز پڑھی، میں نے ان سے سنا کہ وہ امام کے پیچھے قرأت کر رہے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبه ص۳۷۳ج۱وكتاب القرأة ص۸۶مصنف عبدالرزاق ص۱۳۱ج۲رقم الحديث ۲۷۷۵)

امام قاسم بن محمد کا اثر:

اسامة عن القاسم بن محمد كان رجال آئمة يقرؤن وراء الامام۔

امام اسامہ راوی ہیں کہ امام قاسم بن محمد فرماتے ہیں کہ بڑے بڑے آئمہ کرام امام کے پیچھے قرأت کرتے تھے۔

(كتاب القرأة ص۱۸٤وبيهقى ص۱٦۱ج۲وجزء القرأة ص۳۲)

امام ابوالملیح کا اثر:

عن يحيىٰ بن ابى اسحاق قال صليت المغرب والحكم بن ايوب امامنا وابو مليح الى جنب ابن اسامة فسمعته يقرأ بفاتحة الكتاب فلما سلم الامام قلت لابى مليح تقرأ خلف امام وهو يقرأ سمعت شيئا قلت نعم۔

امام یحییٰ بن ابی اسحاق کہتے ہیں کہ میں نے مغرب کی نماز حکم بن ایوب کے پیچھے پڑھی اور ابو ملیح ابن اسامہ کے پہلو میں کھڑے تھے میں نے ان سے سنا کہ وہ سورہ فاتحہ پڑھ رہے تھے جب امام نے سلام پھیرا تو میں نے ابو ملیح سے کہا کہ تم امام کے پیچھے جبکہ وہ قرأت کر رہا ہوتا ہے، قرأت کرتے ہو؟ تو انہوں نے کہا کہ تم نے کچھ سنا ہے؟ میں نے کہا ہاں!

(مصنف ابن ابى شيبه ص۳۷۵ج۱)

امام زھری کا اثر:

عن معمر عن الزهری قال یقرأ وراء الامام بفاتحة الکتاب وسورة اخری فی الظهر والعصر فی الرکعتین الاولیین۔

امام معمر امام زھری سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ ظہر وعصر کی نماز میں امام کے پیچھے پہلی دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ اور کوئی سورت پڑھی جائے،

(مصنف عبدالرزاق ص۱۳۳ ج۲ رقم الحدیث ۲۷۸۳)

مصنف کے خطی نسخہ میں، وراء، کا لفظ ساقط ہے مولانا اعظمی نے بھی حاشیہ میں صراحت کی ہے۔

امام بیہقی نے (کتاب القرأۃ ص۱۲۳) میں امام زھری سے نقل کیا ہے وہ سری نمازوں میں امام کے پیچھے قرأت کرتے تھے۔

امام سعید بن میبّب کا اثر:

امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں، سعید بن میبّب امام کے پیچھے قرأت کرتے تھے۔

(جزء القرأۃ مترجم ص۳۸)

عن قتادة عن سعید بن المسیب انه قال یقرأ الامام ومن خلفه فی الظهر والعصر فاتحة الکتاب۔

امام قتادہ سعید بن میبّب سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ امام ومقتدی ظہر وعصر میں سورہ فاتحہ کی قرأت کرے (مصنف ابن ابی شیبہ ص۳۷٤ ج۱)

امام حکم بن عتبہ کا اثر:

حدثنا ابن ابی عنیة عن ابیه عن الحکم قال اقرأ خلف الامام فیما لم یجهر فی الاولیین بفاتحة الکتاب وسورة وفی الاخریین بفاتحة الکتاب۔

ابن ابی عنیہ اپنے والد (عبدالملک بن حمید بن ابی عنیۃ) سے روایت کرتے ہیں کہ امام جن نمازوں میں آواز سے قرأت نہیں کرتا ان کی پہلی دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ کے ساتھ ایک سورت بھی پڑھو اور آخری دو رکعتوں میں صرف سورہ فاتحہ کی قرأت کرو۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص۳۷٤ ج۱)

امام اوزاعی کا اثر:

العباس بن الولید بن مزید اخبرنی ابی قال کان الاوزاعی یقول یحق علی الامام ان یسکت بعد التکبیرۃ الاولیٰ استفتاح الصلوۃ وسکتۃ بعد قرأۃ فاتحۃ الکتاب یقرأ من خلفہ بفاتحۃ الکتاب فان لم یمکن قرأ معہ بفاتحۃ الکتاب اذا قرأبھا واسرع القرأۃ ثم استمع۔

امام ولید بن مزید کہتے ہیں کہ امام اوزاعی فرماتے ہیں کہ امام پر لازم ہے کہ وہ تکبیر اولیٰ کے بعد سکتہ کرے اور ایک سکتہ سورہ فاتحہ کی قرأت کے بعد کرے تاکہ مقتدی سورہ فاتحہ پڑھ لے، پھر اگر یہ ممکن نہ ہو تو اس کے ساتھ پڑھے اور جلدی پڑھے، پھر قرأت سنے۔ (کتاب القرأۃ ص۸۶)

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے استاد امام عطاء بن ابی رباح کا اثر:

عن ابن جریج عن عطاء قال اذا کان الامام یجھر فلیبا در بام القرآن او لیقرأ بعد ما یسکت فاذا قرأ فلینصتوا کما قال عزوجل۔

امام ابن جریج امام عطاء سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ جب امام بلند آواز سے پڑھے تو فاتحہ پڑھنے میں جلدی کرو یا اس وقت پڑھو جب وہ خاموش ہو، اور جب پڑھے تو اللہ تعالیٰ کے فرمان کے موافق خاموش رہو۔

(مصنف عبدالرزاق ص۱۳۳ ج۲ رقم الحدیث ۲۷۸۸)۔

عن ابن جریج عن عطاء قال انا اقراء مع الامام فی الظھر والعصر بام القرآن و سورۃ قصیرۃ ثم اھلل واسبح، قلت اسمع من الی جنبی قرائتی؟ قال: مع الامام؟ قال: قلت نعم، قال: لا۔

امام ابن جریج امام عطاء سے نقل کرتے ہیں میں ظہر وعصر کی نماز میں امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ اور کوئی اور چھوٹی سی سورت کی قرات کرتا ہوں پھر میں تحلیل و تسبیح کہتا ہوں، ابن جریج کہتے ہیں کہ میں نے کہا کہ کیا میں اپنے پہلو والے کو سناؤں؟ انہوں نے کہا کہ امام کے ساتھ ہوتے ہوئے؟ میں نے کہا ہاں، تو انہوں نے کہا کہ نہیں۔

(مصنف عبد الرزاق ص۱۳۳ ج۲ رقم الحدیث ۲۷۸۶)۔

قارئین کرام! مذکورہ آیات قرآن اور احادیث نبوی علیہ التحیۃ والسلام سے ثابت ہو رہا ہے کہ نماز سورہ فاتحہ کے بغیر ناقص اور غیر مکمل ہے، رسالت مآب ﷺ خود بھی قرأت کی ابتدا فاتحہ سے کرتے (حدیث نمبر ۷۰، ۷۱، ۷۲) اور امت مرحومہ کو بھی یہی تعلیم دی ہے کہ جیسے مجھے نماز پڑھتے دیکھا

ہے، ویسے ہی تم بھی نماز پڑھو۔(حدیث نمبر ۷۳) اس کے برعکس کسی صحیح تو کجا حسن حدیث سے بھی صریحاً ثابت نہیں کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بغیر سورہ فاتحہ کے نماز پڑھی ہو، بلکہ آپ علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ سورہ فاتحہ کے بغیر نماز ہوتی ہی نہیں (حدیث نمبر ۱ تا ۵) اور بعض احادیث میں تو سورہ فاتحہ کو ہی نماز قرار دیا ہے (حدیث نمبر ۶، ۷) اور اس کے بغیر نماز کو خداج قرار دیا ے اور مقتدی کو بھی پڑھنے کا حکم صادر فرمایا ہے (حدیث نمبر ۹، ۱۰) خاص جہری نمازوں کے متعلق بھی ارشاد فرمایا ہے کہ امام پیچھے فاتحہ پڑھو (حدیث نمبر ۳۴ تا ۴۴) اور فرمایا کہ مقتدی کی بھی سورہ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی (حدیث نمبر ۴۵ تا ۴۶) آپ نے فرمایا کہ سورہ فاتحہ سارے قرآن کا عوض ہے مگر اس کا کوئی عوض نہیں ہے، (حدیث نمبر ۲۵) چنانچہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشادات اور تقریری احادیث سے ثابت ہو رہا ہے کہ صرف سورہ فاتحہ پر اقتصار تو جائز ہے، مگر فاتحہ کے بغیر نماز نہیں (حدیث نمبر ۲۶ تا ۳۰) اس قدر اہمیت تھی کہ اگر آپ جلدی جلدی نماز پڑھتے تو ام المومنین سوال کرتی تھیں کہ آیا آپ نے سورہ فاتحہ کی قرأت بھی کی ہے یا نہیں (حدیث نمبر ۳۱) حدیث نمبر ۴۷ سے ثابت ہو رہا ہے کہ آپ ﷺ نے صحابی کو نماز میں گفتگو سے منع فرمایا تو ساتھ ہی فرمایا کہ نماز تسبیح و تکبیر اور قرأت قرآن کا نام ہے، اور یہ واقعہ بھی امام کے پیچھے مقتدی سے تعلق رکھتا ہے، گویا صحابی کو امام کے پیچھے تسبیح و تکبیر اور قرأت قرآن کی نبی مکرم صلی اللہ علیہ نے تعلیم دی ہے، حدیث نمبر ۷۵، ۷۶ سے ثابت ہو رہا ہے کہ حالت نماز میں نمازی اللہ تعالیٰ سے محو گفتگو ہوتا ہے، اور حدیث نمبر ۶ میں اس کی کیفیت بھی بیان کر دی گئی ہے، ظاہر ہے کہ خاموشی کا نام کلام نہیں ہوتا، اگر حدیث نمبر ۶ کو سامنے رکھ کر دیکھا جائے تو قرات سورہ فاتحہ ثابت ہو رہی ہے۔

حدیث نمبر ۷۷ سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر نمازی اپنے لیے نماز پڑھتا ہے اور عبادت بدنیہ میں نیابت خود احناف کے نزدیک بھی جائز نہیں اور قرآن کی آیت نمبر ۳ سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے قرآن اور اس حدیث کو سامنے رکھا جائے تو ثابت ہوتا ہے کہ مقتدی کو امام کی قرأت کفایت نہیں کرتی، حدیث نمبر ۷۹ سے معلوم ہوا کہ نمازی قرأت کو آہستہ کرے کیونکہ اس کا مقصود اللہ تعالیٰ کو سنانا ہے جب قرأت ہی نہ کرے تو سنانا کیسے ہو گا، حدیث نمبر ۷۷ سے معلوم ہوا کہ امام جیسے کرے ویسے ہی تم بھی کرو اگر امام پر قرأت ہے تو مقتدی کی بھی ثابت ہوئی، حدیث نمبر ۸۰ میں نبی مکرم ﷺ نے جو صحابی کو نماز سکھلائی اس میں قرأت کا بھی حکم فرمایا، اور حدیث نمبر ۸۱ میں اسکی وضاحت آ گئی ہے کہ وہ سورہ فاتحہ ہے، اس کے علاوہ متعدد صحیح احادیث سے ثابت ہو رہا ہے کہ آپ ﷺ کے پیچھے صحابہ کرام نے بلند آواز سے قرأت کی تو آپ نے بلند پڑھنے سے تو منع فرمایا مگر سورہ فاتحہ پڑھنے کا حکم صادر فرمایا، (حدیث نمبر ۳۴، ۳۵،

۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۵، ۶۶)۔

صحابہ کرام اور تابعین عظام کے آثار بھی آپ کے سامنے ہیں، جس سے ثابت ہوا کہ امت مرحومہ کا امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنا نسل در نسل تو اتر چلا آرہا ہے۔

اکابر احناف کی تصریحات:

علامہ محمد انور شاہ صاحب کاشمیری فرماتے ہیں۔

واما الامام ابو حنیفة رحمه الله تعالیٰ فالمحقق عندی من مذهبه انه جهر عن القرأة فی الجهرية واجاز بهافی السرية كما نقله صاحب الهداية عن محمد بن الحسن رحمه الله تعالیٰ وان انكره الشيخ ابن الهمام رحمه الله تعالیٰ حيث قال لم اجده فی الموطا وكتاب الاثار قلت والصواب ماذكره صاحب الهداية فان تناقل المشائخ برواية يكفی ثبوتها ولا يشترط ان تكون مكتوبة فی الاوراق ايضاً فقد تكون رواية عن امام وتنقل علی الالسنة ولا توجد فی الكتب واختار ابن الهمام رحمه الله الكراهة تحريما مطلقاً وانماتتحيت عنه لمكان الاختلاف فی نقل مذهبنا۔

یعنی میرے نزدیک امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ انہوں نے جہری میں قرأت سے منع کیا ہے اور سری میں اجازت دی ہے جیسا کہ صاحب ھدایہ نے امام محمدؒ سے نقل کیا ہے اور اگرچہ شیخ ابن ھمام نے اس کا انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ موطا اور کتاب الاثار میں یہ قول مذکورہ نہیں لیکن میرا خیال ہے کہ صحیح یہی ہے جو صاحب ھدایہ نے نقل کیا ہے، مشائخ کا روایۃ اسے نقل کرنا اس کے ثبوت کے لیے کافی ہے اور اس کا اوراق میں تحریر ہونا ضروری نہیں جبکہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ امام سے ایک بات زبان زد عام ہوتی ہے اور کتابوں میں اس کا ذکر نہیں ہوتا نیز ابن ھمام نے قرأۃ کو مکروہ تحریمی کہا ہے لیکن ہمارے مذہب میں چونکہ اختلاف ہے اسی بنا پر میں نے اس رائے سے اجتناب کیا ہے۔ (فیض الباری ص۲۷۲ ج۲)

مولانا عبدالحی لکھنوی حنفی فرماتے ہیں۔

روی عن محمد انه استحسن قرأة الفاتحة للموتم فی السرية ومثله عن ابی حنيفة صرح به فی الهداية والمجتبی شرح مختصر القدوری وغيرهما وهذا هو مختار كثير من مشائخنا وعلی هذا فلا ينكرا استحسا نها فی الجهرية اثناء سكتات الامام يشترط ان لا يخل بالسماع۔

امام محمدؒ سے مروی ہے کہ سری میں مقتدی کے لیے الحمد پڑھنا بہتر ہے اسی طرح امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے بھی مروی ہے جیسا کہ ھدایہ اور مجتبیٰ شرح قدوری وغیرہ میں ہے اور یہی ہمارے اکثر مشائخ کے نزدیک پسندیدہ ہے، لہٰذا جہری کے سکتات میں بھی قرأۃ سے انکار نہیں کیا جا سکتا، بشرطیکہ سماع میں خلل واقع نہ ہو۔ (عمدہ الرعایہ ص۱۷۳ ج۱)

مولانا ظفر احمد عثمانی فرماتے ہیں۔

ھدایہ جو حنفی فقہ کی مشہور کتاب اور داخل درس ہے، میں یہ قول مذکور ہے کہ امام محمدؒ نے احتیاطاً سری نمازوں میں قرأہ فاتحہ کو مستحسن قرار دیا ہے، ھدایہ سے زیادہ کون سی کتاب فقہ حنفی میں مشہور ہوگی۔

(فاتحة الکلام فی القرأة خلف الامام ص٦١، مندرجه احسن الفتاوی ص٢٢٣ ج٣)

دو صفحات آگے چل کر فرماتے ہیں:

مولانا عبدالحی ملاجیون کی عبارات میں امام محمد کے قول کا حوالا صراحۃً موجود ہے، اور امام محمد کے قول میں سری نمازوں کی قید صراحۃً مذکور ہے، اور اس میں کسی کا نزاع نہیں بلکہ ہم تو جہری نمازوں میں بھی امام کی قرأۃ سے پہلے یا پیچھے مقتدی کو قرأہ فاتحہ کی اجازت دیتے ہیں۔

(فاتحة الکلام ص٦٣ واحسن الفتاوٰی ص٢٢٥ ج٣)

مولانا رشید احمد گنگوہی فرماتے ہیں۔

جب اس کو اس قدر خصوصیت بالصلوۃ ہے تو اگر سکتات میں اس کو پڑھ لو تو رخصت ہے، اور قلیل آیات ہیں محل ثنا میں ختم ہو سکتی ہیں اور خلط قرأۃ امام کے نوبت نہیں آتی۔

(سنبیل الرشاد مندرجه مجموعه رسائل گنگوهی ص٥٦ طبع گوجرانواله ١٩٩٢ء)

فصل دوم

واذا قری القرآن فاستمعوا له وانصتوا لعلکم ترحمون (۷۔۲۰۴)

اور جب قرآن پڑھا جائے تو اسکی طرف کان لگائے رہو اور چپ رہو تا کہ تم پر رحم ہو۔

(حدیث اور اہل حدیث ص۲۹۹)

الجواب: اولاً: اس آیت کا مسئلہ فاتحہ خلف الامام کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے، کس لفظ کا یہ معنیٰ ہے کہ مقتدی امام کے اقتدا میں سورہ فاتحہ نہ پڑھے اگر اس کے جواب میں یہ کہا جائے کہ عموم میں قرأہ خلف الامام بھی داخل ہے، تو یہ بات خود حنفیہ کے خلاف ہے، کیونکہ ان کے نزدیک اگر مقتدی بعد میں ملا ہو تو علمائے احناف میں سے بعض تو جہری میں بھی ثناء یعنی **سبحانك اللهم وبحمدك،** الخ پڑھنے کی اجازت دیتے ہیں، (منیة المصلی ص٨٦ وفتاوٰی عالم گیری ص٩١ ج١ والسعایه ص١٦٠ ج٢) اور

مسبوق قرأت کی حالت میں بھی جماعت میں شامل ہوتو اسے تکبیر تحریمہ (اللہ اکبر) کہنے کا حکم دیتے ہیں۔
(فتاویٰ عالم گیری ص۱۵۱ ج۱ اوالبحر الرائق ص۴۷ ج۲)۔

حنفی عموماً تشہد میں درود کے بعد امام و مقتدی "**رب اجعلنی مقیم الصلوٰۃ**" پڑھتے ہیں جماعت کے ہوتے ہوئے یہ حضرات صبح کی سنتیں پڑھ لیتے ہیں، الغرض اگر اس آیت سے عموم مراد لیا جائے تو اس پر خود حنفی بھی پورے نہیں اترتے،

ثانیاً: یہ آیت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی کیونکہ یہ سورہ الاعراف کی آیت ہے جو بالا تفاق مکی ہے، اس آیت کے نزول کے بعد بھی صحابہ کرام نماز میں کلام کرلیا کرتے تھے، یہاں تک کہ جب مدینہ منورہ میں ہجرت ہوئی تو آیت ﴿قوموا اللہ قانتین﴾ (البقرہ آیت ۲۳۹)۔

نازل ہوئی تو تب نماز میں کلام سے منع کیا گیا جیسا کہ سیدنا زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے صحیح حدیث مروی ہے۔
(بخاری ص۱۶۰ ج۱ کتاب العمل فی الصلاۃ باب ماینھی من الکلام فی الصلاۃ الحدیث ۱۲۰۰) ومسلم ص۲۰۴ ج۱ کتاب المساجد باب تحریم الکلام فی الصلاۃ ونسخ ماکان من حتہ، الحدیث ۱۲۰۳)

امام طحاوی حنفی فرماتے ہیں کہ:

فقد ثبت بحدیثہ ھذا ان نسخ الکلام فی الصلوٰۃ کان بالمدینۃ بعد قدوم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من مکۃ۔

(یعنی سیدنا زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی) اس حدیث سے ثابت ہوا کہ نماز میں کلام کرنے کا نسخ مدینہ طیبہ میں نازل ہوا رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مکہ سے مدینہ میں آنے کے بعد۔
(شرح معانی الآثار ص۳۰۴ ج۱)

(۲) علامہ عینی حنفی نے عمدۃ القاری ص۲۶۹ ج۷ میں (۳)، ملا علی القاری نے، مرقاۃ ص۲۹ ج۳ میں (٤) ابن ترکمانی نے الجوھر النقی ص۳۶۱ ج۲ میں (۵) مولانا عبدالحی نے، امام الکلام ص۱۳۵ ومجموعۃ رسائل الکنوی ص۱۲۰ ج۳ میں (٦) علامہ نیموی نے، حاشیہ آثار السنن ص۱۷۳ میں (۷) مولانا رشید احمد گنگوہی نے، الکوکب الدری ص۱۷۵ ج۱ میں (۸) مولانا شبیر احمد عثمانی نے، فتح الملھم ص۱۲۸ ج۲ میں (۹) مولانا خلیل احمد سہارنپوری نے، بزل المجھود ص۹۶، ۱۱۰ ج۲ میں (۱۰) مولانا محمد یوسف بنوری نے، معارف السنن ص۵۰۹ ج۳ میں (۱۱) مولانا ظفر احمد تھانوی نے، اعلاء السنن ص۲٦ ج٥ میں (۱۲) مولانا محمد زکریا کاندھلوی نے اوجز المسالک ص۲۹۶ ج۱ میں (۱۳) مولانا محمد یحیی کاندھلوی نے، حاشیہ الکوکب الدری ص۱۷۵ ج۱ میں (۱۴) مولوی غلام رسول سعیدی نے، شرح صحیح مسلم ص۹٦ ج۲ میں (۱۵) مولانا تقی عثمانی نے، درس ترمذی ص۱۵۴ میں اور (۱۶) مولانا سرفراز

خان صفدر صاحب نے احسن الکلام ص ۱۹۳ ج ۱ میں لکھا ہے کہ۔

نماز میں کلام کرنے کی ممانعت مدینہ میں نازل۔

یہ ڈیڑھ درجن کے قریب حوالے دیوبندی اکابرین کے ہیں، اس سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ گئی کہ اس آیت سے تو نماز میں کلام کی ممانعت بھی ثابت نہیں ہوتی چہ جائے کہ قرأت قرآن کی ممانعت ثابت ہو۔

ثالثاً: جب قرآن پڑھا جارہا ہو اس وقت قرآن پڑھا جانا، ناجائز نہیں، امت مرحومہ میں نسل در نسل متواتر یہ عمل چلا آرہا ہے کہ مسجد کے ہال میں متعدد حضرات تلاوت قرآن کرتے ہیں بعض آہستہ تو بعض بلند آواز سے بھی پڑھتے ہیں، قرآن کو حفظ کرتے وقت تمام متعلم اونچی آواز سے قرأت کرتے ہیں، علاوہ ازیں قرآن سے ثابت ہے کہ تلاوت قرآن کے وقت بعض کلمات کہے جاسکتے ہیں، ارشاد ہوتا ہے۔

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖۤ اِذَا یُتْلٰی عَلَیْهِمْ یَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا ۝ وَّیَقُوْلُوْنَ سُبْحٰنَ رَبِّنَاۤ اِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلًا﴾ (بنی اسرائیل آیت ۱۰۷۔۱۰۸)

جن لوگوں کو اس سے پہلے علم دیا گیا ہے جب ان پر قرآن پڑھا جاتا ہے تو ٹھوڑیوں کے بل گر پڑتے ہیں اور بول اٹھتے ہیں کہ ﴿سُبْحٰنَ رَبِّنَاۤ اِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلًا﴾ (بنی اسرائیل آیت ۱۰۷۔۱۰۸)

﴿وَاِذَا سَمِعُوْا مَاۤ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰۤی اَعْیُنَهُمْ تَفِیْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَاۤ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِیْنَ ۝ وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَا جَآءَنَا مِنَ الْحَقِّ وَنَطْمَعُ اَنْ یُّدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِیْنَ﴾

(المائدۃ آیت ۸۳،۸۴)

جب یہ لوگ وہ (قرآن) سنتے ہیں جو رسول پر اتارا گیا ہے حق کو پہچان کر زار زار رونا شروع کر دیتے ہیں اور بول اٹھتے ہیں، ﴿رَبَّنَاۤ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِیْنَ وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَا جَآءَنَا مِنَ الْحَقِّ وَنَطْمَعُ اَنْ یُّدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِیْنَ﴾ (۵۔۸۳،۸۴)

﴿اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ هُمْ بِهٖ یُؤْمِنُوْنَ ۝ وَاِذَا یُتْلٰی عَلَیْهِمْ قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِهٖۤ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَاۤ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِیْنَ﴾ (القصص آیت ۵۲،۵۳)

جن لوگوں کو ہم نے اس سے پہلے کتاب دی ہے، وہ ایمان لاتے اس کتاب پر اور جب ان پر پڑھی جاتی ہے تو بول اٹھتے ہیں ﴿اٰمَنَّا بِهٖۤ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَاۤ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِیْنَ﴾ (۲۸۔۵۲،۵۳)

ان آیات بینات سے ثابت ہوا کہ تلاوت قرآن کے وقت قرآن پڑھنا، استماع و انصات کے منافی نہیں ہے۔

شان نزول کی روایات:

(ا) عن یسیر بن جابر قال صلی ابن مسعود فسمع ناس یقرؤن مع الامام فلما انصرف قال اما آن لکم تفقهوا اما آن لکم ان تعقلو واذا قرئ القرآن فاستمعو له و انصتوا کما امرکم الله (تفسیر طبری ص ۱۱۰ ج ۹)

حضرت یسیر بن جابر فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے نماز پڑھی اور چند آدمیوں کو امام کے ساتھ قرأت کرتے سنا جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا کہ کیا وہ وقت ابھی نہیں آیا کہ تم سمجھ اور عقل سے کام لو، جب قرآن کریم کی قراۃ ہوتی ہے تو تم اسکی طرف توجہ کرو اور خاموش رہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں حکم دیا ہے، (حدیث اور اهل حدیث ۲۹۹)

الجواب: اولاً: آپ نے بددیانتی کی ہے، راوی یسیر بن جابر نہیں بلکہ بشیر بن جابر ہے، تفسیر طبری میں بشیر ہی ہے کسی نسخہ میں یسیر نہیں، تمام قدیم نسخوں میں بشیر ہی ہے، اور جس نسخے کا انوار صاحب نے حوالہ دیا ہے اس میں بھی بشیر ہی ہے۔ بلکہ جدید مطبوعہ نسخوں میں بھی بشیر ہے۔

(دیکھئے تفسیر ابن جریر ص ۱۹۲ ج ۹ مطبوعه دار احیاء التراث العربیه ۱۴۲۱ھ و صفحه ۱۶۱ جلد ۶ رقم الحدیث ۱۵۵۹۵ مطبوعه دار الکتب العلمیة بیروت ۱۹۹۹ھ)۔

ایسا ہی تفسیر ابن کثیر ص ۲۸۰ ج ۲ میں حافظ ابن کثیر نے اس روایت کو بحوالہ تفسیر طبری سے نقل کیا ہے، اور بشیر بن جابر ہی نقل کیا ہے، مگر انوار خورشید صاحب نے شرم و حیا کو بالائے طاق رکھ کر بددیانتی کرتے ہوئے اسے، یسیر بنا دیا ہے، بددیانتی کی وجہ یہ ہے کہ بشیر بن جابر مجهول الحال ہے، کتب رجال میں اس کا تذکرہ تک نہیں ہے، الغرض یہ روایت بوجہ جہالت بشیر ضعیف ہے،

ثانیاً: اسکی سند میں المحاربی (عبدالرحمٰن بن محمد) ہے جو گو ثقہ وصدوق ہے مگر مدلس ہے، جیسا کہ امام عقیلی امام عجلی اور حافظ ابن حجر نے صراحت کی ہے،

(تهذیب ص ۲۶۶ ج ۶ وتقریب ۳۱۹ وطبقات المدلسین ص ۴۰)

اور روایت بھی معنعن ہے، الغرض یہ روایت جہالت بشیر اور تدلیس محاربی کی وجہ سے ضعیف ہے۔

ثالثاً: روایت کے الفاظ ہمارے سامنے ہیں کہ پڑھنے والوں نے بلند آواز سے پڑھا تھا، فسمع اناس، لوگوں کو قرأت کرتے سنا، سنا تب ہی جاتا ہے جب بلند آواز سے پڑھا جائے، اور یہ منازعت کی صورت ہے جو بلاشبہ منع ہے،

(۲)عن ابن عباس فی قوله تعالیٰ واذا قری القرآن فاستمعواله وانصتوا یعنی فی الصلوٰۃ المفروضة۔ (کتاب القرأة للبیهقی ص۸۸)

حضرت ابن عباسؓ سے اللہ تعالیٰ کے ارشاد،**واذا قری القرآن :الاية،** کے متعلق مروی ہے کہ یہ فرض نماز کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص۳۰۰)

الجواب: اولاً: گویا نوافل اس سے مستثنیٰ ہیں مگر آپ تو نوافل میں بھی قرأۃ کے قائل نہیں۔

ثانیاً: فرض نماز کے کس رکن کے متعلق نازل ہوئی ہے،امام کے بارے یا مقتدی کے حق میں، روایت میں اس کا تذکرہ تک نہیں ہے۔

ثالثاً: سنداً بھی ضعیف ہے،اس میں راوی عبداللہ بن صالح متکلم فیہ ہے،حافظ ابن حجر فرماتے ہیں **صدوق کثیر الغلط ثبت فی کتابه کانت فیه غفلة** (تقریب ص۱۷۷) امام نسائی اور ابن مدینی،صالح بن محمد اور امام احمد نے اس پر جرح کی ہے۔ (تهذیب ص ۲۵۸ج۵ ومیزان ص ۴۴۰ج۲) اور علامہ ماردینی حنفی نے (الجوهر النقی ص۳۰۹ج۱) میں اسے ضعیف قرار دیا ہے۔

رابعاً: روایت کا متن بھی محل نظر ہے کیونکہ سورہ الاعراف نبوت کے دسویں سال نازل ہوئی تھی جیسا کہ (مجمع البحار ص۵۳۰ج۲) میں ہے حالانکہ نماز نبوت کے بارھویں سال معراج کی رات فرض ہوئی تھی۔

(۳) عن ابن عمر قال کانت بنو اسرائیل اذا قرأت ائمتهم جابوهم فکره الله ذلك لهذه الامة قال و اذا قری القرآن فاستمعوا له وانصتو۔

(الدر المنثور ص۱۵٦ج۳)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل کے امام جب قرأت کرتے تو بنی اسرائیل ان کی مجاوبت کرتے تھے،اللہ تعالیٰ نے یہ کام اس امت کے لیے ناپسند فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ جب قرآن پڑھا جائے تو اسکی طرف کان لگائے رہو اور چپ رہو۔

(حدیث اور اہل حدیث ۳۰۰)

الجواب: اولاً: ہمارے بھائی نے اس قول کو نقل کر کے وضاحت نہیں کی کہ اس سے حنفیہ کا مسلک کس طرح ثابت ہوتا ہے،پھر ترجمہ روایت میں بھی بات واضح نہیں کی،یہ فقط جہلا کو مغالطہ دینے کے لیے نقل کر دی گئی ہے،ورنہ اس روایت کا زیر بحث مسئلہ سے دور کا بھی واسطہ نہیں محترم نے،جابوھم، کا معنیٰ ان کی مجاوبت کرتے تھے،کیا ہے،حالانکہ ان کا حق تھا کہ اس لفظ کا اردو میں معنیٰ کرتے کیونکہ اسی لفظ سے ان کا استدلال تھا،سنئے جوب بمعنی جواب آتا ہے۔ (قاموس ص٦٦ومجمع بحار الانوار ص۳۹۹ج۱) اس لغوی معنیٰ کو ملحوظ رکھا جائے تو معنی یہ ہے کہ ان کو جواب دیتے تھے۔

جیسے ہمارے ہاں مشاعرہ کے وقت شاعر کا شعر سن کر اسے داد دی جاتی ہے،اور بعض خطیب حضرات وعظ نصیحت بھی جواب کے بغیر نہیں کرتے،مگر انوار خورشید صاحب بھولے پن سے بات کا بتنگڑ بنا کر پیش کررہے ہیں۔

ثانیاً: درمنثور میں یہ روایت،ابو الشیخ. سے نقل کی گئی ہے،یہ کتاب معروف ہے اور نہ ہی متداول،جو اس روایت کی صحت کا مدعی ہے وہ اس کی صحیح سند پیش کرے۔

(۴) عن عبدالله بن المغفل فی هذه الاية واذا قرئ القرآن فاستمعو له و انصتوا قال فی الصلوة۔

(کتاب القراة للبیهقی ص۸۷)

حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ آیت کریم،واذا قری القران کے متعلق فرماتے ہیں کہ یہ نماز کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔(حدیث اور اهل حدیث ص ۳۰۰)

الجواب: اولاً:امام بیہقی رحمہ اللہ نے اس روایت پر آگے جرح بھی کی تھی جسے محترم نے نقل نہیں کیا،امام بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ اسکی سند میں ھشام بن زیاد راوی ہے جس پر سند مختلف ہوگئی ہے،اور یہ خود،لیس بالقوی ہے۔(کتاب القرأة ص۸۷) اسے عبداللہ بن احمد،ابوزرعہ، ابن معین،ابو حاتم،دارقطنی،ابن سعید،عجلی،یعقوب بن سفیان نے ضعیف قرار دیا ہے،امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس پر کلام کیا گیا ہے،ابو داؤد فرماتے ہیں غیر ثقہ ہے ترمذی کہتے ہیں اسکی تضعیف کی گئی ہے نسائی اور ازدی متروک کہتے ہیں،امام ابو الولید اس کے ہمسایہ تھے وہ فرماتے ہیں کہ حفص منقری سے اس نے حسن بصری کی کتاب لی تھی اور اس سے امام حسن بصری سے روایت کرتا ہے(گویا ان سے سماع ثابت نہیں)اور اس کی حسن بصری سے روایات منکر ہیں(خیر سے یہ روایت بھی حسن سے ہی ہے)امام ابن حبان فرماتے ہیں ثقات سے من گھڑت اور وضعی روایات نقل کرتا ہے۔

اس سے احتجاج کرنا جائز نہیں (تهذیب ص۳۹ ج۱۱ ومیزان ص۲۹۸ ج٤)

ثانیاً: اس کی سند اور متن میں بھی اضطراب ہے،جیسا کہ امام بیہقی نے کتاب القرأۃ میں تفصیل درج کی ہے،الغرض یہ روایت ضعیف ومضطرب ہے۔

شان نزول کے متعلق دعوی اجماع:

فرماتے ہیں،ابن تیمیہ رحمہ اللہ (فتاوی کبری ص۱٦۸ ج۲) میں فرماتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے اس بات پر اجماع ذکر کیا ہے یہ آیت،واذا قری القرآن الایۃ،نماز کے بارے میں نازل ہوئی ہے نیز اس پر بھی اجماع نقل کیا ہے کہ جب امام اونچی آواز سے قرأت کر رہا ہو تو مقتدی پر قرأت

واجب نہیں ہے (حدیث اور اہل حدیث ص ۳۰۱)

محترم اجماع کا دعوی صحیح نہیں ہے، آپ نے خود ایک ایسا قول نقل کیا ہے جس کا یہ مفہوم ہے کہ جواب دینے کی نفی میں نازل ہوئی ہے، اور امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے امام احمد رحمہ اللہ سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ

من اجماع الناس علی انها نزلت فی الصلوة وفی الخطبة۔

لوگوں کا اجماع ہے کہ یہ نماز اور خطبہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

(مجموع فتاوٰی ص۳۱۲ ج۲۲)

علاوہ ازیں جیسے نزول کے متعلق انہوں نے اجماع ذکر کیا ہے ایسے ہی جہری میں بوقت قرأت مقتدی پر قرأۃ کے عدم وجوب پر بھی اجماع ذکر کیا ہے، حالانکہ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے نزدیک یہ مذھب بھی مسلم ہے کہ

یقرأ خلف الامام بکل حال، ہر حال میں خلف الامام میں قرأۃ کی جائے۔ (فتاوٰی کبری ص۱۴۱ ج۲) الغرض شان نزول کے متعلق دعوٰی اجماع درست نہیں ہے۔

مولانا عبدالحی لکھنوی حنفی فرماتے ہیں۔

ان الروایات عن الصحابة ومن بعدهم فی شان نزولها مختلفة،

اس آیت کے شان نزول کے متعلق صحابہ کرام اور تابعین عظام سے مختلف روایات آئی ہیں۔

(امام الکلام ص۱۱۰ ومجموعة رسائل ص۱۰۴ ج۳)

اس کے بعد انہوں نے ان آثار کو کتب احادیث وتفسیر سے مفصل نقل کیا ہے۔

آخر میں بطور خلاصہ فرماتے ہیں،

فهذه الاثار تشهد انهم اختلفوا فی سبب نزول الایة علی اقوال احدها انها نزلت فی سماع الخطبة، وثانیها، انها نزلت فی القرأة فی الصلوة، و ثالثها، انها نزلت نسخاً للتکلم فی الصلوٰة، ورابعها، انها نزلت فی الاذکار خلف الامام عند آیات الترغیب والترهیب، وخامسها، انها عامة لکل سامع القرآن، سواء کان فی الصلوٰة اوفی الخطبة، وسادسها، انها نزلت فی القرأة فی الصلوة والخطبة جمیعا۔

یعنی یہ آثار گواہی دے رہے ہیں کہ شان نزول میں مختلف اقوال ہیں (۱) یہ خطبہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے (۲) قرأۃ خلف الامام کے بارے میں نازل ہوئی ہے (۳) اس کا تعلق نماز میں کلام کے منسوخ ہونے سے ہے (۴) خلف الامام آیات ترغیب وترھیب کے جواب کی ممانعت پر نازل ہوئی ہے (۵) یہ حکم عام ہے کہ جب بھی قرآن پڑھا جائے خواہ نماز ہو یا خطبہ اسے سنا جائے (۶) نماز اور خطبہ دونوں اس کا شان نزول ہیں۔

(امام الکلام ص۱۱۵،۱۱۶ ومجموعۃ رسائل الکنوی ص۱۰۸ ج۳)

ان چھ اقوال کے علاوہ بھی اقوال ہیں (۷) اس کے مخاطب نبی مکرم ﷺ ہیں کہ نزول قرآن کے وقت ساتھ ساتھ نہ پڑھیں (۸) کفار مخاطب ہیں، امام الکلام میں مولانا لکھنوی نے آئمہ مفسرین کے ان اقوال کو ذکر کیا ہے، آخری قول کے تو بعض دور حاضر کے اکابر احناف بھی مؤید ہیں، چنانچہ مولانا عبدالماجد دریا آبادی نے (تفسیر ماجدی ص۳۷۳) میں اور پیر کرم شاہ بھیروی نے (ضیاء القرآن ص۱۱۹ ج۲) میں دھڑلے سے لکھا ہے کہ کفار مخاطب ہیں۔ (۹) جناب اشرف علی تھانوی دیوبندی کہتے ہیں۔ میرے نزدیک ...... **واذا قری القرآن فاستمعوا له** ...... جب قرآن مجید پڑھا جائے تو کان لگا کر سنو تبلیغ پر محمول ہے اس جگہ قرأت فی الصلوٰۃ مراد نہیں ہے۔ سیاق سے یہی معلوم ہوتا ہے، تو اب ایک مجمع میں بہت آدمی مل کر قرآن پڑھیں تو کوئی حرج نہیں۔

(الکلام الحسن ص۲۱۲ ج۲، مطبوعۃ المکتبۃ الاشرفیۃ جامعہ اشرفیۃ لاهور).

مرفوع روایات

(۵،۶،۷،۹) **عن ابی موسی الاشعری قال ان رسول الله ﷺ خطبنا فبین لنا سنتنا وعلمنا صلوتنا فقال اذا صلیتم فاقیموا صفوفکم ثم لیؤمکم احدکم فاذا کبر فکبر واذا قرأ فانصتوا واذا قال غیر المغضوب علیهم ولا الضالین فقولوا آمین۔**

(الحدیث بروایت الجریر عن سلیمان عن قتادہ) مسلم ص۱۷٤ ج۱)

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں خطاب فرمایا اور سنت کے مطابق زندگی بسر کرنے کی تلقین فرمائی اور نماز کا طریقہ بتلایا اور یہ فرمایا کہ نماز پڑھنے سے قبل اپنی صفوں کو درست کر لو، تم میں سے ایک تمہارا امام بنے جب وہ تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو، اور جب وہ قرأت کرے تو تم خاموش رہو اور جب وہ **غیر المغضوب علیهم ولاالضالین**، کہے تو تم آمین کہو،

(حدیث اور اهل حدیث ص۳۰۱)

الجواب: اولاً: جس ترتیب سے محترم نے الفاظ روایت نقل کیئے ہیں اس ترتیب سے مسلم میں قطعاً نہیں اگر انوار صاحب مسلم سے بعینہ ترتیب دکھا دیں تو ہماری طرف سے انہیں مسلم شریف کا نسخہ (بشرطہ کہ اسے پڑھنے کا وعدہ کریں) ہماری طرف سے تحفہ دیا جائے گا، ان شاء اللہ۔

ثانیاً: انوار صاحب نے یہ روایت مسلم سے نقل کی ہے اور ساتھ ہی وضاحت کی ہے کہ بروایت **جریر عن سلیمان عن قتادہ** مگر آگے چل کر اسی سند سے، (مسند احمد ص۴۱۵ ج٤) ابوعوانہ، اور ابن ماجہ، سے نقل کر کے علیحدہ علیحدہ نمبر۶، ۷، ۹ کے تحت متن روایت کو درج کیا ہے، حالانکہ ان چاروں

کتابوں کی سند ایک ہی ہے، صرف جریر سے نیچے کے راوی الگ الگ ہیں۔

سنیئے واذا قرأ فانصتوا، کے الفاظ بیان کرنے میں سلیمان منفرد ہے، امام مزی فرماتے ہیں۔

في حديث التيمى من الزيادة واذا قرأ فانصتوا ولم يذكر هذا اللفظ غيره، یعنی سلیمان تیمی کی روایت میں واذا قرأ کے الفاظ زیادہ ہیں اس کے علاوہ کسی راوی نے قتادہ سے ان الفاظ کو نقل نہیں کیا (تحفة الاشراف ص ٤١٠ ج٦ (٨٩٨٧) لہذا مؤلف کا یہ حق تو بنتا تھا کہ سلیمان تیمی کے متابع ذکر کرتا اور ان کو علیحدہ علیحدہ نمبر کے تحت بیان کرتا، لیکن اصول حدیث کے مطابق منفرد کی روایت مختلف کتب حدیث سے نقل کر کے عوام الناس کو مغالطہ دینا، قابل تعریف اور علمی کارنامہ نہیں بلکہ خیانت اور جہالت ہے بالخصوص جب ایسی روایت جس کے متعلق آئمہ جرح وتعدیل اور اکابر محدثین کی آرا بھی ہوں کہ یہ فلاں راوی کا تفرد ہے اس سے عمداً چشم پوشی کرنا درست نہیں، اگر انوار صاحب کہہ دیں گے یہ بات تو درست ہے کہ ان چاروں کتابوں میں جریر عن سلیمان عن قتادہ سے مروی ہے لیکن چار کتابوں میں تو آئی ہے، راقم کہتا ہے کہ چار کیا آپ کے پیرو مرشد مولانا سرفراز خاں صفدر صاحب نے (احسن الکلام ص٢٣٦ ج١) میں اس پر ۴۶ کتابوں کے حوالے نقل کیئے ہیں، لہذا آپ ان تمام کتب سے نقل کر کے ٤٦ احادیث بنا ڈالتے، اگر آپ نے ایسا نہیں کیا یقیناً نہیں کیا تو وجہ فرق بیان کریں،

ثالثاً: واذا قرأ فانصتوا، کے الفاظ اس روایت میں شاذ ہیں، کیونکہ قتادہ سے امام ھشام دستوائی امام سعید بن ابی عروبہ امام ھمام، امام ابوعوانہ امام ابان امام عدی بن عمار امام معمر بن راشد امام حجاج بن حجاج امام شعبہ نے اس حدیث کو نقل کیا ہے اور وہ تمام ان الفاظ کو نقل نہیں کرتے جیسا کہ امام دارقطنی نے (السنن دار قطنی ص٣٣١ ج١) میں حافظ ابوعلی نیساپوری (بحواله كتاب القراة ص٨٩) اور نووی نے (شرح صحیح مسلم ص١٧٥ ج١) میں صراحت کی ہے، بلاشبہ سلیمان تیمی ثقہ ہے مگر وہ قتادہ کے حفاظ شاگردوں میں نہ تھے۔

جیسا کہ امام ابن رجب نے (شرح العلل للترمذی ص٤٣٨ تا ٤٣٩) میں صراحت کی ہے اور ثقہ جب اپنے سے اوثق کی یا ثقات کی مخالفت کرے تو وہ روایت شاذ ہوتی ہے تفصیل کے لیے دیکھئے (شرح نخبة الفكرص٣٦ وتدريب الراوى ص١٥٧ و جامع التحصيل ص٤٢ ونصب الرايه ص٣٣٦ ج١ وغیرہ) اور شاذ ضعیف روایت کی ایک قسم ہے۔

رابعاً: اگر کہا جائے کہ سلیمان راوی ثقہ ہے اور ثقہ کی زیادت مقبول ہوتی ہے۔ تو اس کا جواب پہلے گزر چکا ہے کہ ہر زیادتی مقبول نہیں ہوتی جب ثقہ اوثق کے مخالف روایت کرے تو وہ شاذ ہوتی ہے۔

مزید برآں کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ثقہ کی زیادت قابل قبول نہیں، کوثری لکھتا ہے۔

(اذا ورد حديثان صحيحان في احدهما زيادة اسم شخص بين رجال السند او زيادة لفظ في المتن وفي الاخر نقصهما فابو حنيفة يرد الزوائد الى الناقص في المتن والسند)۔

یعنی جب دو حدیثیں ہوں ایک کی سند میں راوی کا اضافہ ہو یا اس کے متن میں کسی لفظ کا اضافہ ہو اور دوسری میں وہ اضافہ نہ ہو تو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ زائد کو ناقص کی طرف لوٹاتے ہیں، سند میں ہو خواہ متن میں ہو،

(تانيب الخطيب ص۳۳۳) مزید ملاحظہ ہو، ص۲٤٤ وشرح علل الترمذی لابن رجب ص ۲٤۳)

خلاصہ کلام یہ کہ یہ روایت شاذ ہے اور شاذ ضعیف روایت کی ایک قسم ہے،

(۸) عن ابی موسى الاشعرى قال قال رسول الله ﷺ اذا قرأ الامام فانصتوا واذا قال غير المغضوب عليهم ولا الضالين فقولوا آمين۔

(صحیح ابو عوانه ص۱۳۳ ج۲)

حضرت ابو موسیٰ اشعری فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب امام قرأت کرے تو تم خاموش رہو اور جب وہ **غير المغضوب عليهم والضالين**، کہے تو تم آمین کہو۔

(حدیث اور اہل حدیث ص۳۰۲)

الجواب: اولاً: اسکی سند میں سھل بن بحر، راوی مجھول ہے، مولانا سرفراز خاں صاحب صفدر مولوی ظفر احمد تھانوی کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ اس کا ترجمہ مجھے نہیں ملا، احسن الکلام ص۲۳۸ ج۱ محدث گوندلوی مرحوم فرماتے ہیں کہ راوی سھل بن بحر الجند یساپوری نہیں بلکہ سری بن سھل ہے، (خیر الکلام ص۳۰۲) حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ شاید یہ سری بن عاصم ہے جو اپنے دادا سھل کی طرف منسوب ہوتا ہے، اسے ابن عدی، یسرق الحدیث، ابن خراش نے کذاب اور ازدی نے متروک قرار دیا ہے۔

(لسان الميزان ص۱۲ ج۳)

دوسرا راوی اس میں، عبداللہ بن رشید، ہے جس کے متعلق حافظ ذھبی فرماتے ہیں کہ **(ليس بالقوى وفيه جهالة)** یعنی قوی نہیں اور اس میں جہالت پائی جاتی ہے (المغنی ص۳۳۸ ج۱)

امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، **لا يحتج به**، اس سے احتجاج نہ کیا جائے (لسان المیزان ص۲۸۵ ج۳)

تیسرا راوی اس کی سند میں، ابو عبیدہ ہے، امام دارقطنی رحمہ اللہ نے ضعیف او رابن خراش نے کہا ان راویوں میں سے نہیں جن پر اعتماد ہو سکتا ہے، عُقیلی نے ضعفاء میں شمار کیا ہے، امام شعبہ اس پر اعتماد نہ کرتے تھے۔

(لسان الميزان ص۱٦ ج۵ والجرح والتعديل ص۴۲۰ ج٤ ق ۱) والمغنی ص۵٤۲ ج۲)

الغرض یہ روایت جہالت اور متکلم فیہ راویوں کی وجہ سے ضعیف ہے۔

(۱۰، ۱۱، ۱۲، ۱۳)عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ انما جعل الامام لیؤتم بہ فاذا کبر فکبروا واذا قرأ فانصتوا واذا قال سمع اللہ لمن حمدہ فقولوا اللھم ربنا لك الحمد،

(نسائی ص۱۰۷ ج۱ ومصنف ابن ابی شیبہ ص۳۷۷ ج۱)

حضرت ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا امام اس لیے مقرر کیا جاتا ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے سو جب وہ تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب وہ قرأت کرے تو تم خاموش رہو اور جب وہ سمع اللہ لمن حمدہ کہے تو تم ، اللھم ربنا لك الحمد، کہو،

انوار صاحب اسی حدیث کو، نمبر ۱۱ میں (نسائی ص۱۰۷ ج۱) سے نقل کیا ہے، نمبر ۱۲ میں (ابن ماجہ ص۶۱) سے نقل کیا ہے، نمبر ۱۳ میں (مسند احمد ص۳۷۶ ج۲) سے نقل کیا ہے۔

الجواب: اولاً: محترم نے ایک ہی روایت کو نمبر بڑھانے کی غرض سے چار بنا دیا ہے، ان تمام کتابوں کی سند میں، محمد بن عجلان ہے، اگر انوار خورشید صاحب نے، ابن عجلان سے نیچے کے راویوں کے علیحدہ علیحدہ ہونے کی وجہ سے درج کیا ہے تو تب بھی درست نہیں، ان کی اطلاع کے لیے عرض ہے، نسائی اور ابن ابی شیبہ کا آپ نے اکٹھا حوالہ دیا ہے حالانکہ ابن ماجہ اور مصنف ابن ابی شیبہ کی سند ایک ہے کیونکہ امام ابن ماجہ نے ابو بکر بن ابی شیبہ سے روایت لی ہے۔

(دیکھئے تحفۃ الاشراف ص۳۴۴ ج۹)۔

مگر ہمارے انوار صاحب علل حدیث میں اتنے کمزور ہیں کہ سند کے فرق کو سمجھتے ہی نہیں،

ثانیاً: محترم کی پیش کردہ چاروں اسناد میں، محمد بن عجلان مدلس راوی ہے جیسا کہ حافظ ابن حجر نے انہیں تیسرے طبقہ میں شمار کرتے ہوئے، ابن حبان سے ان کا مدلس ہونا نقل کیا ہے۔

(طبقات المدلسین ۴۴)

علامہ حلبی نے بھی، التبیین میں اسے مدلس قرار دیا ہے اور حافظ العلائی کی کتاب (الجامع التحصیل ص۱۲۵) سے نقل کیا ہے کہ امام ابن ابی حاتم نے کہا کہ ابن عجلان تدلیس کرتا ہے، حافظ ابو محمد مقدسی، حافظ ذھبی اپنے اجوزہ میں اور حافظ سیوطی نے، اسماء من عرف بالتدلیس، میں اسے مدلسین میں شمار کیا ہے، اور حنفی مذہب کے سرخیل امام طحاوی نے (مشکل الاثار ص۱۰۰، ۱۰۱ ج۱) میں مدلس قرار دیا ہے، علامہ سندھی حدیث، نھی عن اقامۃ الحدفی المساجد، کے تحت حاشیہ ابن ماجہ میں علامہ بوصیری کی زوائد سے نقل کرتے ہیں کہ ابن عجلان مدلس ہے، (حاشیہ ابن ماجہ ص۳۲۷ مطبوعہ مکتبہ فاروقیہ ملتان) اور زیر بحث روایت میں تحدیث کی صراحت نہیں لہذا ضعیف ہے۔

ثالثاً: محمد بن عجلان پر سیدنا ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ کی احادیث مختلط ہو گئی تھیں۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں:

صدوق الا انه اختلطت علیه احادیث ابی هریرة، کہ ابن عجلان صدوق ہے مگر اس پر ابو ھریرہؓ کی احادیث مختلط ہوگئی تھیں (تقریب ص ۳۱۱)

یہی وجہ ہے کہ آئمہ جرح وتعدیل نے صراحت کی ہے، **اذا قرأ فانصتوا** کے الفاظ ابن عجلان کے تخالیط سے ہیں، امام ابو حاتم فرماتے ہیں۔

لیست هذه الکلمة بالمحفوظة وهومن تخالیط ابن عجلان وقد رواه خارجة بن مصعب ایضاً وتابع ابن عجلان وخارجة ایضاً لیس بالقوی۔

یہ کلمہ **اذا قرأ فانصتوا**، محفوظ نہیں بلکہ یہ ابن عجلان کے تخالیط میں سے ہے، اور اسے خارجہ بن مصعب نے بھی روایت کیا ہے مگر وہ بھی قوی نہیں، (علل الحدیث ص ۱٦٤ ج ۱)

امام بیہقی رحمہ اللہ نے بھی (کتاب القرأة ص ۱۱۱ وبیهقی ص ۵۷ ج ۲) میں اس کلام کو کو نقل کیا ہے، عباس دوری امام ابن معین سے بیان کرتے ہیں، یہ روایت کوئی چیز نہیں اور ثابت نہیں (تاریخ ابن معین ص ۳۵۵ ج ۳ رقم النص ۲۲۳٦ وکتاب القرأة ص ۱۱۰) امام دارقطنی فرماتے ہیں کہ

اس روایت میں، **اذا قرأ فانصتوا** کے الفاظ محفوظ نہیں، (العلل للدار قطنی) امام بخاری امام ابن خزیمہ امام ابوداؤد اور امام بیہقی رحمہم اللہ کی بھی یہی رائے ہے۔ (کتاب القرأة ص ۱۱۲)۔

الغرض یہ الفاظ غیر محفوظ ہیں، گو آئمہ جرح وتعدیل میں اس امر میں اختلاف ہے کہ اس میں وہم کس راوی کا ہے لیکن اس کے غیر محفوظ ہونے میں مذکورہ تمام آئمہ متفق ہیں۔

اور خود اکابر احناف نے اعتراف کیا ہے کہ ابن عجلان کو سیدنا ابو ھریرۃ کی روایات میں اختلاط ہے، (معارف السنن ص ۷٤ ج ۳)

یہی وجہ ہے کہ ابن عجلان اس روایت کو کبھی تو عن زید بن اسلم عن ابی صالح عن ابو ھریرۃ بیان کرتے ہیں (سنن نسائی ص ۱۰۷ ج ۱ کتاب الافتتاح باب تاویل قوله عزوجل واذا قرئ القران فاستمعوا له وانصتوا لعلکم ترحمون، الحدیث ۹۲۳،۹۲۲ وابن ماجه کتاب اقامة الصلوت باب اذا قرا الامام فانصتوا، الحدیث ۸٤٦،وابن ابی شیبه ص ۳۷۷ ج ۱ ودارقطنی ص ۳۳۷ ج ۱ وابوداؤد وکتاب الصلاة باب الامام یصلی من قعود،الحدیث ٦۰٤ ومسند احمد ص ٤۲۰ ج ۲) وغیرہ میں، **اذا قرأ فانصتوا** کے الفاظ ہیں مگر اسی سند سے (مصنف ابن ابی شیبه ص ۲۵۳ ج ۱ وص ٤۲۵ ج ۲) میں روایت ہے مگر **اذا قرأ فانصتوا** کے الفاظ نہیں) اور کبھی عن ابیہ عن ابی ھریرۃ بیان کرتا ہے۔ (مسند احمد ص ۳۷٦ ج ۱ ودارقطنی ص ۳۳۰ ج ۱ وکتاب القرأة ص ۱۱۱) اور عن ابی الزناد وعن الاعرج عن ابی هریرة بیان کرتا ہے (کتاب

القرأة ص۱۱۱) لیکن اس میں، اذا قرأ فانصتوا ، کے الفاظ نہیں، امام بخاری رحمہ اللہ نے یہی روایت، (بخاری ص۱۰۱ ج۱) میں بواسطہ (شعیب عن ابی الزناد عن الاعرج عن ابی هريرة) نقل کی ہے مگر اس میں اس زیادت کا ذکر نہیں ہے، گویا خود ابن عجلان کبھی اس زیادۃ کو ذکر کرتے ہیں اور کبھی نہیں کرتے اور اس کے دوسرے ساتھی بھی اسے بیان نہیں کرتے، اسی بنا پر امام دارقطنی اور ابو حاتم رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ نے اسے ابن عجلان کی تخالیط میں شمار کیا ہے۔

یہ بات ملحوظ رہے کہ ابن عجلان پر سوء حفظ کی وجہ سے کلام ہے، بلکہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اسے ضعفاء میں ذکر کیا ہے (میزان س٦٤٤ ج٣ والمغنى ص٦١٣ ج٢ وديوان الضعفاء ص٢٨٢ ومقدمه فتح البارى ٨٥٩) الغرض یہ روایت ضعیف ہے۔

مسلکی حمایت میں بددیانتی:

مولانا انوار خورشید صاحب نے ص٣٠٤ پر نمبر ١٠ کے تحت سیدنا ابوھریرۃ رضی اللہ عنہ کی مذکورہ روایت کو مسند احمد سے نقل کیا ہے، مگر حدیث کے پورے متن میں سے صرف چند الفاظ کو نقل نہیں کیا، وہ الفاظ یہ ہیں۔

فاذا ركع فاركعوا واذا قال سمع الله لمن حمده، فقوا ربنا ولك الحمد، واذا صلى جالسا فصلوا جلو سا اجمعون۔

یعنی جب امام رکوع کرے تو تم رکوع کروں اور جب امام **سمع الله لمن حمده**، کہے تو تم، **ربنا ولك الحمد**، کہو اور جب امام بیٹھ کر نماز پڑھے تو سب بیٹھ کر نماز پڑھو۔

(مسند احمد ص٣٧٦ ج٢)

ان الفاظ میں امام کی اقتدا میں بیٹھ کر نماز پڑھنے کا حکم بھی تھا اور یہ الفاظ حنفیہ کے خلاف تھے، کیونکہ ان کے نزدیک اگر امام بوجہ بیٹھ کر نماز ادا کرے تو مقتدی بہر حال کھڑے ہو کر نماز پڑھیں۔

(اعلاء السنن ص٢٦٥ ج٤ ودرس ترمذی ص١٣٢ ج٢ و حدیث اور اهل حدیث ص٩٢)۔

مولانا محترم نے ان الفاظ کو حنفی مسلک کے خلاف جان کر، ان کا نقل کرنا مناسب نہ جانا اس لیے انہوں آدھی حدیث لکھ کر اپنا اُلو سیدھا کر لیا۔

(١٤) **عن انس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا قرأ الامام فانصتوا۔**

(كتاب القرأة ص١١٣)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا جب امام قرأت کرے تو تم

خاموش رہو۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۳۰۵)

الجواب: یہ روایت بھی صحیح نہیں بلکہ اس کے راوی، حسن بن علی بن شبیب المعمری کی غلطی کا نتیجہ ہے حسن موقوف کو مرفوع کر دیا کرتے تھے اور متون واسناد میں غلطی سے الفاظ بڑھا دیا کرتے تھے، امام ابن عدی فرماتے ہیں،

رفع الاحادیث وهی موقوفة وزادفی المتون اشیاء لیست فیها۔

(لسان المیزان ص۲۲۳ ج۲)۔

جب حسن معمری نے یہ الفاظ بیان کیے تو اہل بغداد نے امام عبدان بن محمد کو لکھا کہ معمری بطریق ابی الاشعث ہمیں یہ روایت بیان کرتے ہیں تو اسکے جواب میں انہوں نے کہا کہ ابی الاشعث نے ہمیں بھی یہ حدیث بیان کی ہے، مگر اس میں، اذا قرأ فانصتوا، کے الفاظ نہیں ہیں (لسان المیزان ص۲۲٤ ج۲ وابن عدی ص۷٤۹ ج۲)

بلکہ کتاب القرأة ص۱۱۳ میں ہے کہ امام عبدان نے فرمایا کہ ہمیں، محمد بن بکار، اسماعیل بن سیف اور ابو الاشعث نے روایت بیان کی ہے، اور وہ تینوں اس زیادتی کو بیان نہیں کرتے، یہی وجہ ہے کہ امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

غلط فیه الحسن بن علی المعمری وله من امثال ذلك افراد منکرة۔

یعنی اس میں حسن معمری نے غلطی کی ہے، اس کے علاوہ بھی اس کی منکر روایات ہیں جن میں وہ منفرد ہے۔ (کتاب القرأة ص۱۱۳)

پھر امام موسیٰ بن ھارون نے بھی اس زیادتی کا انکار کیا ہے، یہ ملحوظ رہے کہ امام دارقطنی نے موسیٰ کو اوثق واثبت قرار دیا ہے (لسان المیزان ص۲۲٤ ج۲)

(۱۵) عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ قال صلی رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم یوما صلوة الظهر فقرأ معه رجل من الناس فی نفسه فلما قضیٰ صلاته قال هل قرأ معی منکم احد قال ذالك ثلثا فقال له الرجل نعم یارسول الله (صلی اللہ علیہ وسلم) انا کنت اقرأبسبح اسم ربك الاعلی قال مالی انازع القرآن امام یکفی احدکم قرأة امامه انما جعل لامام الیؤتم به فاذا قرأ فانصتوا۔

(کتاب القرأة للبیهقی ص۱۱٤)

حضرت عمر بن الخطاب فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن ظہر کی نماز پڑھائی تو ایک صاحب اپنے جی ہی جی میں آپ کے ساتھ قرأت کرنے لگے نماز پوری ہوئی تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پوچھا کہ کیا تم میں سے کسی نے میرے ساتھ قرأت کی ہے، تین دفعہ آپ نے یہ سوال کیا، ایک صاحب بولے جی ہاں یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں، سبح اسم ربك الاعلی، پڑھ رہا تھا، آپ

نے فرمایا کیا ہو گیا کہ مجھے قرآن کی قرأت میں کشمکش میں ڈالا جاتا ہے، کیا تمہیں امام کی قرأۃ کافی نہیں امام تو بنایا ہی اس لیے جاتا ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے، لہذا جب وہ قرأت کرے تو تم خاموش رہا کرو (حدیث اور اهل حدیث ص۳۰۵،۳۰۶)

الجواب: امام بیہقی نے آگے اس کے متن اور سند دونوں پر کلام کیا تھا جسے محترم نے نقل نہیں امام بیہقی فرماتے ہیں کہ عمران بن حصین رضی اللہ عنہ نے اس واقعہ کو روایت کیا ہے مگر اس میں، فی نفسہ، کے الفاظ نہیں ہیں (اس واقعہ کی تفصیل آگے نمبر ۲۴ میں آ رہی ہے) اور اسکی سند میں، عبدالمنعم اور عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم دو معروف ضعیف راوی ہیں۔ (کتاب القرأة ص ۱۱۴،۱۱۵)

اب آیئے اس کے پہلے راوی، عبدالمنعم بن بشیر کو لیتے ہیں، امام ابن معین، امام خلیلی امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے اسے کذاب کہا ہے، ابن حبان فرماتے ہیں کہ سخت منکر الحدیث ہے اس سے احتجاج کرنا جائز نہیں، دارقطنی ضعیف قرار دیتے ہیں ابن عدی کہتے ہیں اس کی مرویات کا کوئی متابع نہیں، ابن یونس نے منکر الحدیث کہا ہے، حاکم کہتے ہیں امام مالک اور عبداللہ بن عمر سے موضوع روایات نقل کرتا ہے، ابو نعیم کہتے ہیں کہ مناکیر روایت کرتا ہے۔

امام یحیی بن معین فرماتے ہیں کہ میں اس کے پاس آیا اور اس نے مجھے ایک سو کے لگ بھگ روایات کا مجموعہ دکھایا جس میں وہ ابو مودود سے روایت کرتا تھا، میں نے کہا کہ کیا تو نے ان روایات کو ابو مودود سے سنا ہے؟ تو کہنے لگا ہاں

قلت اتق الله فان هذه كذب وقمت ولم اكتب عنه شيأ۔

میں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ سے ڈر یہ سب کذب وافترا ہے اور میں کھڑا ہو کر چلا آیا) اور اس سے کچھ بھی نہ لکھا (لسان المیزان ص۷۵ ج۴ ومیزان ص۶۶۹ ج۲)

عبدالمنعم نے یہ روایت عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم سے روایت کی ہے، اور عبدالرحمٰن کو تمام آئمہ جرح وتعدیل نے ضعیف کہا ہے، امام احمد ضعیف اور ابن معین ہیچ محض کہتے ہیں امام بخاری اور ابو حاتم رحمہما اللہ ضعیف کہتے ہیں امام علی بن مدینی سخت ضعیف کہتے ہیں۔ امام ابو داؤد فرماتے ہیں زید کی ساری اولاد ہی ضعیف ہے امام نسائی امام ابو زرعہ ضعیف کہتے ہیں، ابن حبان فرماتے ہیں اخبار کو الٹ پلٹ دیتا تھا، موقوف کو مرفوع اور مرسل کو متصل بنا دیتا تھا، جس کی وجہ سے چھوڑ دیئے جانے کا مستحق ہو گیا ابن سعد فرماتے ہیں کثرت سے روایات بیان کرتا ہے مگر سخت ضعیف ہے، ابن خزیمہ فرماتے ہیں کہ اہل علم اس کی مرویات سے بوجہ سوء حفظ کے احتجاج نہیں کرتے، ساجی کہتے ہیں منکر الحدیث ہے۔

امام طحاوی فرماتے ہیں حدیث کا علم رکھنے والوں کے نزدیک نہایت درجہ کا ضعیف ہے، امام حاکم اور ابو نعیم فرماتے ہیں کہ اپنے والد سے موضوع روایات روایت کرتا ہے (خیر سے یہ روایت بھی والد

سے نقل کی ہے) ابن جوزی فرماتے ہیں کہ اس کے ضعیف ہونے پر محدثین کا اجماع ہے۔ (تهذیب ص ۱۶۱،۱۶۲ ج ٦ و تهذيب الكمال ص ٤٠٤ ج ٤)۔

الغرض یہ روایت من گھڑت اور باطل ہے۔

(۱٦) عن عطاء الخر سانی قال کتب عثمان رضی اللہ عنہ الی معاوية رحمة الله اذا قمتم الی الصلوٰة فاستمعوا و انصتوا فانی سمعت رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم يقول للمنصت الذی لا يسمع مثل اجر السامع المنصت۔ (كتاب القرأة للبيهقی ص ١١٥)۔

حضرت عطاء خراسانی فرماتے ہیں کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ کو لکھا کہ جب تم نماز کے لیے کھڑے ہو تو اس کی طرف کان لگائے رہو اور خاموش رہو کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص خاموش رہے اور اسے سنائی نہ دے اس کے لیے ایسا ہی اجر ہے جیسا اس شخص کے لیے جسے سنائی دے اور وہ خاموش رہے۔

(حديث اور اهل حديث ص٣٠٦)

الجواب: امام بیہقی نے اسے روایت کرنے کے بعد لکھا ہے کہ یہ منقطع ہے، (راقم عرض کرتا ہے کہ یہ منقطع اس لیے ہے کہ عطاء خراسانی کی سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے ملاقات وسماع ثابت نہیں) اور اس کے راوی ایسے ہیں جن سے احتجاج نہیں کیا گیا اور صحیح یہ ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ پر یہ موقوف ہے اور اس میں خطبہ جمعہ کے وقت استماع وانصات کا حکم ہے، اس کے بعد امام بیہقی نے بمع سند اسے نقل کیا ہے (كتاب القرأة ص١١٦)

علاوہ ازیں امام بیہقی نے اسے تعلیقاً نقل کیا ہے سند درج نہیں کی، جو اسکی صحت کا مدعی ہے وہ پوری سند دکھائے، امام عبدالرزاق نے، (المصنف ص۱۳۲ ج۲ (۲۷۸۲) میں عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم سے مرفوع نقل کیا ہے مگر مرسل ہے اور اس کے راوی عبدالرحمٰن کے متعلق پچھلی روایت میں تفصیل گزر چکی ہے۔

(۱۷) عن علی رضی اللہ عنہ قال سأل رجل النبی صلی اللہ علیہ وسلم اقرأ خلف الامام ام انصت قال لا بل انصت فانه يكفيك۔

(كتاب القرأ للبيهقی ص١٦٣)

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پوچھا کہ میں امام کے پیچھے قرأت کروں یا خاموش رہوں، آپ نے فرمایا خاموش رہو کیونکہ تمہیں امام کی قرأت ہی کافی ہے۔

(حديث اور اهل حديث ص٣٠٦)

الجواب: امام بیہقی نے آگے ہی صراحت کی ہے کہ اسکی سند میں حارث الاعور کذاب ہے اور اس

سے نیچے کے دو راوی محمد بن سالم اور قیس بن ربیع بھی اسی کے قریب قریب مجروح ہیں۔
(کتاب القرأة ص ١٦٣، ١٦٤)

اب آیئے کتب رجال سے ان تینوں راویوں کے حالات ملاحظہ کریں، حارث بن عبداللہ خبیث العقیدہ رافضی تھا (تقریب ص ٦٠) اسے امام شعبی ابراھیم نخعی اور محمد بن شیبہ علی بن مدینی وغیرہ آئمہ نے کذاب کہا ہے، (تھذیب ص ١٢٦ ج ٢)

دوسرا راوی محمد بن سالم ہے، امام احمد اسکی تضعیف کرتے ہیں حفص بن غیاث نے اسکی روایات کو ترک کر دیا تھا، عمرو بن علی اسے ضعیف و متروک کہتے ہیں اور ابن ابی خیثمہ نے ضعیف کہا ہے، امام بخاریؒ فرماتے ہیں محدثین نے اس پر کلام کیا ہے امام ابن مبارک اس سے روایت لینے سے منع کرتے تھے، ابوحاتم نے ضعیف اور منکر الحدیث قرار دیا ہے، نسائی کہتے ہیں ثقہ نہیں اسکی مرویات لکھی ہی نہ جائیں، جوزجانی غیر ثقہ کہتے ہیں ابن عدی کہتے ہیں کہ اسکی روایات کا ضعف واضح ہے، ابن سعد کہتے ہیں کثیر الحدیث اور ضعیف ہے، امام احمد فرماتے ہیں امام شعبیؒ سے موضوع روایات نقل کی ہیں (خیر سے یہ روایت بھی امام شعبی سے ہی روایت کی ہے) امام یعقوب نے ضعیف کہا ہے اور اسکی مرویات سے خوش نہ تھے، امام دارقطنی نے متروک قرار دیا ہے۔
(تھذیب ص ١٧٦، ١٧٧ ج ٩)

محمد بن سالم سے روایت کرنے والا، قیس بن ربیع ہے، حافظ ابن حجر فرماتے ہیں۔

صدوق تغير لما كبر و ادخل عليه ابنه ماليس من حديثه فحدث به۔

یعنی صدوق ہے، جب بڑھاپے میں پہنچا تو حافظہ خراب ہو گیا اور اسکے بیٹے نے ایسی روایات کو اس (کی کاپی میں) داخل کر دیا جو اسکی روایات نہ تھیں اور قیس نے (انہیں نوٹ بک سمجھ کر) بیان کر دیا
(تقریب ص ٢٨٣)

یہی بات امام ابوداؤد طیالسی اور ابن حبان فرماتے ہیں، امام احمد سے اس کے متعلق سوال ہوا تو انہوں نے کہا کہ روایات میں خطائیں کرتا تھا اس لیے محدثین نے ترک کر دیا ہے جرح کا یہ سبب ہے، کبائر آئمہ نے اسے ضعیف و متروک اور منکر الحدیث کہا ہے۔ (تھذیب ص ٣٩٤ ج ٢)

اس سے نیچے کا راوی غسان بن الربیع ہے، علامہ ذھبی فرماتے ہیں، نیک و صالح تھا مگر احادیث میں حجۃ نہیں، امام دارقطنی ضعیف کہتے ہیں (میزان ص ٣٣٤، ٣)

اس سے نیچے کی سند کا حال راقم کو معلوم نہیں ہو سکا، لیکن مذکورہ دلائل ہی اس روایت کے من گھڑت ہونے کے لیے کافی ہیں، بھلا جس روایت میں ایک راوی کذاب ہو دوسرا سخت ضعیف اور متروک ہو تیسرا سیئی الحفظ اور چوتھا، لیس حدیثه بحجة، ہو اس روایت کے موضوع یا کم از کم سخت ضعیف ہونے میں کیا کلام ہو سکتا ہے، امام دارقطنی نے (السنن ص ٣٣٠ ج ١) میں روایت مذکورہ کو ضعیف

قرار دیا ہے،

(۱۸، ۱۹، ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۳)عن ابی هریرة ان رسول اللهﷺ انصرف من صلاة جهر فیها بالقرأة فقال هل قرأ معی منکم احد آنفا فقال رجل نعم انا یا رسول الله قال فقال رسول اللهﷺ انی اقول مالی انازع القرآن فانتهی الناس عن القرأة مع رسول اللهﷺ فیما جهر فیه رسول اللهﷺ بالقرأة حین سمعوا ذالك من رسول الله صلی الله علیه وسلم۔

(موطا امام مالك ص٦٩)

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک جہری نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا کہ تم میں سے کسی نے ابھی میرے ساتھ قرأت کی ہے،ایک صاحب بولے جی ہاں یارسول اللہ میں نے قرأت کی ہے،حضرت ابوھریرہؓ کہتے ہیں کہ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جبھی تو میں(اپنے جی میں) کہہ رہا تھا کہ میرے ساتھ قرآن کریم کی منازعت کیوں ہو رہی ہے، اس ارشاد کے بعد جن نمازوں میں آپ جہر سے قرأت کیا کرتے تھے لوگوں نے آپ کے پیچھے قرأت ترک کردی تھی۔

(حدیث اور اهل حدیث ص۳۰۷)

الجواب: اولاً: محترم انوار خورشید صاحب نے مکر اسی حدیث کو نمبر۱۹، ۲۰ میں ابن ماجہ سے اور نمبر۲۱ میں ترمذی سے اور نمبر۲۲ میں ابوداوٗد سے اور نمبر۲۳ میں نسائی سے نقل کر کے ایک ہی روایت کو چھ دلائل باور کرایا ہے،حالانکہ ان تمام اسناد کا مدار امام زھری پر ہے۔

(تحفة الاشراف ص۲۸۷ ج۱۰)

ثانیاً: مالی انازع القران تک حدیث مرفوع ہے،آگے کا جملہ، فانتهی الناس عن القرآن۔ الخ کا جملہ مدرج ہے اور امام زھری تابعی کا قول ہے، امام زھری کی عادت تھی کہ اپنا قول حدیث مرفوع میں ملا دیا کرتے تھے،جیسا کہ امام طحاوی نے (المعتصر ص۱۲۵) میں صراحت کی ہے،اور آئمہ محدثین اس بات پر متفق ہیں کہ یہ زھری کا قول ہے،اور مرفوع حدیث میں مدرج ہے۔

(۱) امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

فانتهی الناس عن القرأة وهو من کلام الزهری حدثنا الحسن بن الصباح قال حدثنا مبشر عن الاوزاعی قال الزهری فاتعظ الناس بذلك فلم یکونوا یقرؤن فیما جهر،ادرجوه فی حدیث النبیﷺ،ولیس هو من حدیث ابی هریرة،والمعروف عن ابی هریرة،انه کان یامر بالقرأة۔

یعنی فانتهی الناس عن القرأة زھری کا کلام ہے،حسن بن صباح نے مجھ سے بیان کیا کہ اس سے مبشر نے اور وہ امام اوزاعی سے نقل کرتے ہیں کہ امام زھری نے فرمایا،اس سے لوگوں نے نصیحت حاصل

کی تو جہری میں قرأت خلف الامام ترک کردی اور اس جملہ کو(لوگوں نے)حدیث نبوی میں درج کر دیا ہے،اور یہ سیدنا ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں نہیں اور سیدنا ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ سے معروف ہے کہ وہ قرأت خلف الامام کا حکم فرمایا کرتے تھے۔

(التاریخ الصغیر ص۲۰۷ ج۱)

(۲)امام ابو داؤد نے (سنن ابو داؤد کتاب الصلاۃ باب من رأی القرأۃ اذا لم یجهر زیر حدیث ۸۲۷)میں(۳)امام ابن حبان نے(صحیح ابن حبان زیر رقم الحدیث ۱۸۴۷)میں(۴)امام بیہقی نے(السنن الکبریٰ ص۱۵۸ ج۲ وکتاب القرأۃ ۹۶)میں(۵)علامہ خطابی نے،معالم السنن مع المنذری ص۳۹۱ ج۱ میں(۶)حافظ ابن حجر نے،التلخیص الحبیر ص۲۳۱ ج۱ والنکت ص۸۲۳ ج۲ میں(۷)ملا علی القاری حنفی نے،مرقاۃ ص۳۰۲ ج۲ میں(۸)علامہ نیموی حنفی نے،آثار السنن کے حاشیۃ التعلیق الحسن ص۱۱۲ میں(۹)علامہ سیوطی نے،المدرج الی المدرج (کی چھٹی حدیث)میں(۱۰)ابن عربی نے،عارضۃ الاحوذی ص۱۰۸ ج۲ میں،فانتھی الناس عن القرأۃ،کے جملہ کو امام زھری کا قول قرار دیا ہے،ان کے علاوہ امام ترمذی امام یعقوب بن شیبہ امام خطیب بغدادی امام ابن ملقن وغیرہ نے بھی یہی کہا ہے بلکہ ملا علی قاری فرماتے ہیں۔

ھذا متفق علیه عند الحفاظ المتقدمین والمتاخرین۔

یعنی اس کے مدرج ہونے پر پہلے اور پچھلے تمام حفاظ(محدثین)متفق ہیں،(مرقاۃ ص۳۰۲ ج۲)

جب یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ گئی کہ یہ قول مدرج ہے تو اب یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ انوار خورشید صاحب نے زھری کے قول سے استدلال کیا ہے یا مرفوع حدیث سے؟اگر زھری کے قول سے استدلال کیا ہے تو یہ استدلال غلط ہے کیونکہ تابعی کا قول حجت نہیں(راجع مقدمہ)

ثالثاً: رہا مرفوع حدیث کا جملہ،مالی انازع القرآن)یعنی میرے ساتھ قرآن میں منازعت کیوں ہورہی ہے،اس سے ثابت ہوا کہ قرأت وہ ممنوع ہے جس سے امام کے ساتھ منازعت ہو،اور منازعت تب ہی ہوتی ہے جب اونچی آواز سے پڑھا جائے،عربی لغت کے مسلم امام علامہ ابن منظور افریقی فرماتے ہیں۔

وفی الحدیث انه صلی اللہ علیہ وسلم صلی یوم فلما سلم من صلاته قال مالی انازع القرآن ای اجاذب فی قرأته وذلك ان بعض المامومین جھر خلفه فنازعه قرأته فشغله فنھی عن الجھر بالقرأۃ فی الصلاۃ خلفه۔

حدیث میں ہے کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز نماز پڑھائی،جب آپ علیہ التحیۃ والسلام نے سلام پھیرا تو فرمایا میرے ساتھ قرآن کی منازعت کیوں ہورہی ہے یعنی قرأت میں کش مکش کیوں ہو رہی

ہے، اور یہ اس لیے ہوا تھا کہ مقتدیوں میں سے بعض نے آپ علیہ السلام کے پیچھے بلند آواز سے پڑھا تھا، جس سے قرأۃ میں منازعت ہوئی، جس پر آپ علیہ السلام نے اپنے پیچھے جہراً (بلند آواز) پڑھنے سے روک دیا (لسان العرب ص ۳۵۲ ج ۸ مادہ نزع)

یہی معنیٰ، امام ابن حبان نے (صحیح ابن حبان زیر رقم الحدیث ۱۸۴۸) میں ابن عبدالبر نے، (التمهيد ص ۵۳ ج ۱۱) میں علامہ طاہر پٹنی نے، مجمع بحار الانور ص ۸۰۴ ج ۴ میں امام خطابی نے (معالم السنن ص ۳۹۲ ج ۱) میں ابن اثیر نے (النهاية ص ۴۱ ج ۵) میں علامہ زمخشری نے (الفائق ص ۲۶۹ ج ۲) میں علامہ قرطبی نے (تفسیر ص ۱۲۲ ج ۱) میں علامہ شوکانی نے (نیل الاوطار ص ۲۱۷ ج ۲) میں کیئے ہیں،

حنفی مذھب کے نامور وکیل مولانا عبدالحی لکھنوی فرماتے ہیں،

غاية مافيه ان النبي ﷺ قال مالي انازع القرآن فهو ان دل علی النهی فانما يدل علی النهی القرأة المفضية الى المنازعة فی الجهرية۔

یعنی اس میں زیادہ سے زیادہ بات یہ ہے کہ نبی مکرم ﷺ نے فرمایا، مالی انازع القرآن، میرے ساتھ قرآن میں منازعت کیوں ہورہی ہے، اگر یہ جملہ ممانعت پر دال ہے تو یہ جہری نمازوں میں منازعت کا باعث بننے والی قرآت کی ممانعت کی دلیل ہے۔

(غيث الغمام ص ۱۷۹ ورسائل الكنوی ص ۱۵۸ ج ۳)

آئمہ لغت اور شارحین حدیث کی یہ تمام تر تصریحات اس بات کی واضح دلیل ہیں کہ منازعت اسی صورت میں ہوتی ہے جب بلند آواز سے پڑھا جائے، اسی سے نبی مکرم ﷺ نے منع فرمایا ہے اور ہم بھی جہراً پڑھنا ناجائز کہتے ہیں۔

رابعاً: امام زھری کا قول مرفوع احادیث کا معارض نہیں ہوسکتا۔

خامساً: فانتهى الناس، کے الفاظ سے فقط جہری نمازوں میں قرأت کی ممانعت ثابت ہوتی ہے، جیسا کہ ملاعلی القاری حنفی نے، (مرقاة ص ۳۰۲ ج ۲) میں مولانا عبدالحی لکھنوی نے (امام الکلام ص ۱۶۸ ومجموعه رسائل الكنوی ص ۱۵۰ ج ۳) میں مولانا محمد یوسف بنوری نے (معارف السنن ص ۲۴۸ ج ۳) میں حتیٰ کہ مولانا سرفراز خاں صاحب صفدر نے لکھا ہے کہ

جہری نمازوں میں امام کے پیچھے قرأت کی ممانعت میں یہ قطعی ہے (احسن الکلام ص ۲۷۹ ج ۱) سوال یہ ہے کہ پھر سری میں فاتحہ خلف الامام کی یہ دلیل کیوں نہیں جبکہ امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ اثر ان الفاظ سے بھی روایت کیا ہے۔

فانتهى الناس عن القرأة فيما جهر به الامام وقرؤا فی انفسهم سرا فيما لا يجهر فيه

الامام۔

یعنی لوگ جب امام جہری قرأت کرتا تو اس حالت میں خاموش رہتے اور جب آہستہ پڑھتا تو وہ بھی پڑھتے تھے۔ (جزو القرأة ص ۱۳)

(۲۴، ۲۵، ۲۶)عن عمران بن حصین ان رسول اللہ ﷺ صلی الظهر فجعل رجل یقرأ خلفه بسبح اسم ربك الاعلى فلما انصرف قال ایکم قرأ اوایکم القاری قال رجل انا فقال قد ظنت ان بعضكم خالجينها۔

(مسلم ۱۷۲ ج ۱)

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے ظہر کی نماز پڑھی تو ایک صاحب آپ کے پیچھے سبح اسم ربک الاعلی، پڑھنے لگے جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا تم میں سے کس نے قرأت کی ہے یا تم میں سے کون قاری ہے، ایک صاحب بولے میں، آپ نے فرمایا مجھے خیال ہوا کہ تم میں سے کوئی مجھے خلجان میں ڈال رہا ہے،

انوار صاحب نے مکرر اس روایت کو نسائی کے حوالے سے نمبر ۲۵، ۲۶ کے تحت ذکر کیا ہے (حدیث اوراھل حدیث ص ۳۱۱)

الجواب: اولاً: زیر بحث مسئلہ فاتحہ کا ہے مگر انوار صاحب دلیل اگلی سورت کے ملانے کی دے رہے ہیں، غور کیجئے دعویٰ اور دلیل میں کوئی مناسبت ہے؟

ثانیاً: صحابی نے بلند آواز سے، سبح اسم ربک الاعلی ، پڑھی تھی، امام بیہقی فرماتے ہیں۔

ثم ان كان كره النبى ﷺ من قرأته شيئا فانما كره جهرة بالقراة خلف امام الاتراه قال ايكم قرأسبح اسم ربك الاعلى، فلو لا انه رفع صوته بقراةهذه السورة والالم يسم له ما قرأ ونحن نكره للما موم رفع الصوت بالقرأة خلف الامام فاما ان يترك اصل القرأة فلا۔

پھر اگر صحابی کی قرأت کو نبی مکرم ﷺ نے مکروہ جانا ہے تو امام کے پیچھے جہراً قرأت کو مکروہ جانا ہے، کیا آپ نہیں. دیکھتے کہ نبی مکرم ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے کس نے سبح اسم ربک الاعلی ، کو پڑھا ہے، اگر صحابی نے سورۃ کو بلند آواز سے نہیں پڑھا تھا تو آپ علیہ التحیۃ والسلام سورت کا نام لیکر نہ کہتے جو صحابی نے پڑھا تھا، اور ہم بھی امام کے پیچھے مقتدی کو بلند آواز سے قرأت کرنے کو مکروہ سمجھتے ہیں، نہ کہ اصل قرأت کو ہی چھوڑ دیا جائے۔

(کتاب القرأة ص ۱۴۲)

الغرض نبی مکرم ﷺ نے بلند آواز پر ٹوکا ہے نہ کہ مطلق قرأت سے منع کیا ہے، اس حدیث کو سیدنا عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے صرف قتادہ روایت کرتے ہیں، اور آپ کے شاگرد امام شعبی نے سوال کیا کہ

قلت لقتادة کانه کرهه قال لو کرهه نهی عنه۔

شاید نبی علیہ السلام نے قرأت کو برا جانا تو امام قتادہ نے کہا کہ اگر برا جانتے تو اس سے منع کرتے ابو داؤد کتاب الصلاۃ،باب من رأی القرأۃ اذا لم یجھر،الحدیث ۸۲۸) گویا راوی حدیث نے بھی اسے بلند آواز سے پڑھنے پر محمول کیا ہے اور حنفیہ کا اصول ہے کہ راوی زیادہ جانتا ہے کہ خبر میں کیا ہے۔

آئمہ لغت نے بھی اس کا یہی معنی کیا ہے،علامہ محمد طاہر پٹنی حنفی المتوفی ۹۸۶ھ فرماتے ہیں۔

خلج فیه،جھر خلفه قاری فقال خالجنیھا، ای، نازعنیھا،کانه ینزعھا من لسانه،ولا یدل علی منع القرأۃ لا نه انما انکر الجھر بل فیه انھم کانوا یقروو نھا خلفه۔

یعنی خلج کا مفاد یہ ہے کہ پڑھنے والے نے آپ کے پیچھے بلند آواز سے پڑھا تھا،تو آپ علیہ السلام نے فرمایا،خالجنیھا،یعنی مجھ سے جھگڑا کر رہا تھا جیسا کہ وہ میری زبان سے الفاظ قرآن چھین رہا ہے،تو یہ الفاظ نبوی قرأۃ خلف الامام کی ممانعت پر دلالت نہیں کرتے،کیونکہ آپ علیہ السلام نے اس شخص پر انکار بلند آواز کے پڑھنے پر کیا ہے،جس سے ثابت ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ علیہ السلام کے پیچھے پڑھتے تھے۔

(مجمع بحار الانوار ص۸۳ ج۲)

یہی معنی علامہ ابن عبدالبر نے،(التمهید ص۵۲ ج۱۱) میں نووی نے شرح (صحیح مسلم ص۱۷۲ ج۱) میں اور علامہ شوکانی نے،(نیل الاوطار ص۲۲۹ ج۱) میں کیئے ہیں،اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ صحابی نے بلند آواز سے پڑھا تھا،اور یہ ہمارے نزدیک بھی ممنوع ہے،لاشك فیه،

لطیفہ

امام بیہقی کا مذکورہ استدلال جہر پر اتنا مئوثر اور جاندار تھا کہ اس کا جواب ناممکن تھا مگر، ملا آنباشد کہ چپ نہ شد، پر عمل کرتے ہوئے مولانا خلیل احمد سہارنپوری فرماتے ہیں،قتادہ سے اس روایت کو،حجاج بن ارطاۃ،شعبہ اور سعید بن ابی عرویہ نے روایت کیا ہے اور سورت کا نام صرف سعید کی روایت میں ہے،چونکہ جماعت کی روایت میں سورۃ کا نام نہیں لہذا یہ الفاظ ہی ثابت نہیں(بذل المجهود ص۵۸ ج۲) انا للہ وانا الیہ راجعون،

حالانکہ من قرا سبح اسم ربك الاعلی،کے الفاظ ایک جماعت حفاظ نے امام قتادہ سے روایت کیے ہیں،مثلاً: (۱) امام شعبی، (سنن نسائی رقم الحدیث ۹۱۸)وابوعوانہ ص۱۳۲ ج۲) (۲) امام ابوعوانہ، (نسائی ۹۱۹ ومسلم ص۱۷۲ ج۱ رقم الحدیث ۸۸۷) (۳) امام سعید (ابوداؤد رقم الحدیث ۸۲۹ وابوعوانہ ص۱۳۲ ج۱ ومسند احمد ص۴۲۶ ج۴)(۴) امام اسماعیل بن مسلم (مسند حمیدی رقم الحدیث ۸۳۵) (۵) امام معمر، (مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث ۲۷۹۹) (۶) حماد بن سلمہ (طبرانی کبیر ص۲۱۱ ج۱۸) بلکہ امام

قتادہ کے استاد امام زرارۃ، سے یہی الفاظ امام قتادہ کے ہم سبق امام خالد نے بھی روایت کیے ہیں،اس جماعت حفاظ کے بالمقابل حجاج بن ارطاۃ کی بھلا حیثیت ہی کیا ہے،جو عند المحدثین متکلم فیہ ہے اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ علامہ سہارنپوری کی بات قطعی طور پر غلط ہے۔

(۲۷)عن عبداللہ بن بجینة وکان من اصحاب رسول اللہﷺ ان رسول اللہﷺ قال هل قرأ احد منكم معی آنفا قالوا نعم قال انی اقول مالی انازع القرآن فانتهی الناس عن القرأة معه حين قال ذالك۔(مسند احمد ص۳۴۵ ج۵)

حضرت عبداللہ بن بجینہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کیا تم میں سے کسی نے ابھی میرے ساتھ قرأت کی ہے،صحابہ کرام نے عرض کیا جی ہاں،آپ نے ارشاد فرمایا تب ہی تو میں (دل میں) کہہ رہا تھا کہ میرے قرآن کریم کی قرأت میں منازعت اور کشمکش کیوں کی جارہی ہے،آپ نے جب یہ فرمایا تو لوگوں نے آپ کے ساتھ قرأت ترک کردی۔

(حدیث اور اهل حدیث ص۳۱٤)

الجواب: اولاً: یہ روایت مقلوب ہے،امام زھری کے بھتیجے سے خطا ہوئی ہے،اصل روایت،عن ابن اکیمة عن ابی هريرة تھی جسے اس نے عن عبدالرحمن بن هرمزعن عبداللہ بن بجینه کے واسطہ سے بیان کردیا ہے،

امام یعقوب بن سفیان فرماتے ہیں۔

هذا خطأ لاشك فيه ولا ارتياب ور واه مالك ومعمر و ابن عيينة والليث بن سعد ويونس والزبيدی كلهم عن الزهری عن ابن اكيمة عن ابی هريرة۔

اس میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے کہ یہ روایت غلط ہے،امام مالک امام معمر امام ابن عیینہ امام یونس امام زبیدی اسے زھری عن ابن اکیمة عن ابی ھریرہ کے واسطہ سے بیان کرتے ہیں۔

(السنن الكبرىٰ للبيهقی ص۱۵۹ ج۱ وكتاب المعرفة والتاريخ ص۲۱۵ ج۲ وكتاب القرأة ص۱۲۱)

امام محمد بن یحیٰی زھلی ابن معین اور امام بزار بھی یہی فرماتے ہیں کہ ابن اخی الزھری سے غلطی ہوئی

(كتاب القرأة ص۱۲۱ وتاريخ ابن معين ص۱۵٤ ج۳ مجمع الزوائد ص۱۱۰ ج۲)

ثالثاً: ابن اخی الزھری (محمد بن عبداللہ) راوی مجروح ومتکلم فیہ ہے اور اس نے جو روایات اپنے چچا زھری سے روایت کی ہیں ان میں خطا کی ہے۔

امام ابن حبان فرماتے ہیں۔

ردی الحفظ كثير الوهم يخطی عن عمه فی الروايات ويخالف فيما يروی عن الاثبات فلا يجوز الاحتجاج به اذا انفرد۔

ردی حافظے والا کثرت سے وہم کرنے والا اور اپنے چچا زھری کی روایات میں خطا کرتا ہے،اور ثقات کی مخالفت کرتا ہے،لہذا جب منفرد ہو تو اس سے احتجاج نہ کیا جائے۔

(المجروحين ص٢٤٩ ج٢ وفى نسخة االآخر ص٢٥٨ ج٢).

امام ساجی فرماتے ہیں کہ اپنے چچا زھری کی بعض روایات میں منفرد ہے جس میں اسکی کسی نے،بھی متابعت نہیں کی،امام محمد بن یحیی زھلی نے امام زھری کے تلامذہ میں اسے دوسرے طبقہ میں شمار کیا ہے اور کہا ہے کہ جب پہلے اور دوسرے طبقہ میں اختلاف ہو تو پہلے طبقہ کی طرف رجوع کیا جائے۔

(تهذيب ص٢٧٩ ج٩)

پہلے گزر چکا ہے کہ امام زھری کے حفاظ تلامذہ نے ابن اخی الزھری کے برعکس یہ روایت سیدنا ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے بیان کی ہے،الغرض یہ روایت مقلوب ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے،

(٢٨)عن عبدالله(بن مسعود)قال كانوايقرؤن خلف النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال خلطتم علی القرآن۔

(الجوهر النقى ص١٦٢ ج٢ وطحاوى ص١٤٩ ج١)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ لوگ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پیچھے قرأت کر رہے تھے آپ نے ارشاد فرمایا تم نے مجھ پر قرآن کی قرأت خلط ملط کر دی ہے۔

(حديث اور اهل حديث ص٣١٣)

الجواب: اولاً: اسکی سند میں ابو اسحاق راوی مدلس ہے،امام نسائی امام ابن حبان امام حسین کرابیسی امام شعبی امام ابن مدینی نے اسے مدلس قرار دیا ہے(تهذيب ص٦٦ ج٨)

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں،مشهور بالتدليس(طبقات المدلسين ص٤٢)

امام معن بن عیسیٰ امام عبداللہ بن مبارک اور مغیرہ فرماتے ہیں کہ اعمش اور ابو اسحاق نے تدلیس کی بناء پر اہل کوفہ کی روایات کو نقصان پہنچایا ہے(تهذيب ص٦٧ ج٨ وميزان ص٢٤٤ ج٢)امام بیہقی نے(السنن الكبرى ص٢٠٢ ج١ وص ١٣٧ ج٦)میں امام ابن خزیمہ نے(صحيح ابن خزيمه ص١٥٢ ج٢)میں امام ابن جریر نے(تهذيب الاثار ص١٩٤ ج١)میں علامہ العلائی نے(جامع التحصيل ص١٢٤)میں دیوبندیت کے محدث عظیم علامہ حبیب اللہ اعظمی نے(تعليق على المطالب العاليه ص٣٣٣ ج٤)میں اور مولوی حبیب اللہ ڈیروی نے،(نور الصباح ص١٣٧) میں کہا ہے کہ ابو اسحاق مدلس ہے، اور زیر بحث روایت میں تحدیث کی صراحت نہیں جس کی وجہ سے یہ روایت ضعیف ہے۔

ثانیاً: روایت کے الفاظ،خلطتم علی القرآن، اس بات کی دلیل ہیں کہ پڑھنے والوں

نے اونچی آواز سے پڑھا تھا، امام ابن عبدالبر فرماتے ہیں۔

هذا يحتمل ان يكون هذا فى الصلاة الجهر وهوالظاهر لانهم لا يخلطون الا برفع اصواتهم فلا حجة فيه للكوفيين۔

یعنی اس میں یہ احتمال ہے کہ یہ واقعہ جہری نماز کا ہو، اور ظاہر یہی ہے کہ کیونکہ جن لوگوں نے آپ ﷺ کے پیچھے قرأت کی تھی تو وہ لوگ قرآن کو خلط ملط اونچی آواز کے ساتھ پڑھنے سے ہی کر سکتے تھے لہذا اس روایت میں کوفیوں (حنفیوں) کے لیے کوئی دلیل نہیں ہے،

(التمهيد لما فى الموطا من المعانى والا سانيد ص٤٦ ج١١)

یہی بات شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے کہی ہے (مجموع فتاوى ص٢٨٤ ج٢٣) اور اس روایت کے بعض طرق میں بھی واضح صراحت ہے کہ

عن عبدالله قال كان الناس يجهرون بالقرأة خلف رسول الله ﷺ فقال لهم رسول الله ﷺ خلطتم على القرآن، الحديث۔

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ لوگ رسول اللہ ﷺ کے پیچھے بلند آواز سے پڑھتے تھے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم نے مجھ پر قرآن کو خلط ملط کر دیا ہے۔

(الحديث، ابو يعلى ص١٧٦ ج٥ رقم الحديث ٥٣٧٦)

ایک روایت کے الفاظ ہیں۔

عن عبد الله قال قال رسول الله ﷺ لقوم كانوا يقرؤن القرآن فيجهرون به، خلطتم على القرآن۔

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول مکرم ﷺ نے (ایسی) قوم کے لیے ارشاد فرمایا جو قرآن کو اونچی آواز سے پڑھتے تھے، کہ تم نے مجھ پر قرآن کو خلط ملط کر دیا ہے۔

(سنن دار قطنى ص٣٤١ ج١)

الغرض یہ روایت جہاں سنداً ضعیف ہے وہاں ہی معنوی اعتبار سے حنفیہ کے مؤید نہیں۔

(۲۹) عن جابر بن عبدالله قال صلى رسول الله ﷺ باصحابه الظهر او العصر فلما انصرف قال من قرأ خلفي بسبح اسم ربك الاعلى فلم يتكلم احد فردو ذلك ثلثا فقال رجل انا يا رسول الله قال لقد رأيتك تخالجنى اوقال تنازعنى القرآن من صلى منكم خلف الامام فقرأته له قرأة۔

(كتاب القرأة للبيهقى ص١٢٥)

حضرت جابر بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام کو ظہر یا عصر کی نماز

پڑھائی،آپ جب نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا کہ میرے پیچھے **سبح اسم ربك الاعلی**، کس نے پڑھی ہے؟ آپ نے تین دفعہ یہ سوال کیا ایک صاحب بولے میں نے یارسول اللہ،آپ نے فرمایا میں نے دیکھا کہ تو مجھے قرأت قرآن کے متعلق خلجان میں ڈال رہا ہے یا یہ فرمایا کہ کش مکش میں ڈال رہا ہے،تم میں سے جو بھی امام کے پیچھے نماز پڑھے تو امام کی قرأت ہی اسکی قرأت ہے۔

(حدیث اور اهل حدیث ص۳۱۳)

الجواب: اولا روایت معنوی طور پر حنفیہ کے موافق نہیں جیسا کہ پہلے،**خالجنی** کے معنیٰ ومفہوم کے متعلق ہم عرض کر چکے ہیں،ایسا ہی سورت کا نام لیکر نبی ﷺ کا سوال کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ پڑھنے والے نے بلند آواز سے پڑھا تھا،تفصیل گزر چکی ہے ثانیاسند میں ابو ولید راوی ہے امام بیہقی امام ابن خزیمہ دارقطنی اور علامہ ابن عبدالبر فرماتے ہیں کہ مجہول ہے۔

(كتاب القرأة ص١٢٨ وسنن دارقطنی ص٣٢٥ ج١، التمهيد ص٤٨ ج١١)

اس روایت میں مزید متروک راوی بھی ہیں،تفصیل اگلی روایت میں آرہی ہے۔

الغرض یہ روایت بھی ضعیف ہے ثالثا اس روایت سے یہ بھی ثابت ہوا کہ **من كان له امام** کا شان ورود سورہ فاتحہ نہیں بلکہ اگلی سورت ہے،اور اس بات کا اعتراف مولانا عبدالحی لکھنوی نے بھی کیا ہے۔(امام الکلام ص۲۰۸ ومجموعه رسائل الكنوى ص١٨٢ ج٣)

(۳۰)عن جابر بن عبدالله ان رجل قرأ خلف النبیﷺ في الظهر او العصر فاوٰى اليه رجل فنهاه فلما انصرف قال أتنهانى ان اقراخلف النبیﷺ فتذاكر ذلك حتى سمع النبیﷺ فقال رسول اللهﷺ من صلى خلف الامام فان قراته له قرأة۔ (كتاب القرأة للبيهقى ص١٢٦)

حضرت جابر بن عبداللہؓ سے مروی ہے کہ ظہر یا عصر کی نماز میں ایک شخص نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پیچھے قرأت کی،اثنائے نماز میں ایک آدمی نے اشارہ سے اس کو قرأت سے منع کیا،جب نماز سے فارغ ہوئے تو قرأت کرنے والے نے منع کرنے والے سے کہا کہ تم مجھے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پیچھے قرأت کرنے سے کیوں روکتے ہو؟ وہ دونوں یہ باتیں کررہے تھے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کی گفتگو سن لی اور ارشاد فرمایا جو شخص امام کے پیچھے نماز پڑھتا ہو اس کے لیے امام کی قرأت ہی کافی ہے(حدیث اور اهل حدیث ص۳۱٤)

الجواب: اسکی سند میں بھی ابو ولید،راوی ہے،سلسلہ سند یہ ہے،**قال عبدالله بن شداد عن ابى الوليد عن جابر** (كتاب القرأة ص١٢٦ نیچے سے دوسری سطر)اور اس کے متعلق گزشتہ روایت میں گزر چکا ہے کہ مجہول ہے،علاوہ ازیں اسکی سند میں قاضی ابو یوسف اور امام ابو حنیفہ ہیں،جو سیئ الحفظ ہیں

تفصیل آگے آرہی ہے۔

(۳۱)عن جابر بن عبدالله عن النبی ﷺ قال من صلی خلف الامام فان قرأة الامام له قرأة۔ (موطا امام محمد ص ۹۵)

حضرت جابر بن عبدالله نبی علیہ السلام سے راویت کرتے هیں آپ نے فرمایا جس نے امام کے پیچھے نماز پڑھی تو امام کی قراء ۃ هی اسکی قراء ت هے۔(حدیث اور اهل حدیث ص ۳۱٤)

الجواب: یہ روایت بھی ضعیف ہے اس پر دو وجہ سے کلام ہے (۱) اس کے بیان کرنے والے امام محمد ہیں جو کمزور حافظ کی وجہ سے ضعیف ہیں علامہ ذھبی فرماتے ہیں۔

لینه السنائی وغیره من قبل حفظه یعنی امام نسائی وغیرہ نے انہیں حفظ کی وجہ سے کمزور کہا ہے (میزان ص۵۱۳ ج ۳)

(۲) امام محمد اسے اپنے استاد امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہیں اور امام ابو حنیفہ بھی ضعیف ہیں امام مسلم فرماتے ہیں۔

"**مصظرب الحدیث لیس له کبیر حدیث صحیح**" مضطرب الحدیث ہیں ان کی زیادہ روایتیں صحیح نہیں۔

(کتاب الکنی بحواله ارواء الغلیل ۲۷۸ص ۲۸۰ و تاریخ بغداد ص٤٢١ ج ١٣)۔

امام علی بن مدینی فرماتے ہیں۔

لو کان بین یدی ماسالته عن شئی وروی خمسین حدیثا اخطأ فیها

اگر میرے سامنے ہوں تو میں ان سے کسی چیز کے متعلق سوال نہ کروں گا انہوں نے پچاس احادیث بیان کی ہیں اور ان میں خطا کی ہے (تاریخ بغداد ص ٤٢٠ج١٣)

امام نسائی فرماتے ہیں۔

ابو حنیفة لیس بالقوی فی الحدیث وهو کثیر الغلط و اخطاء علی قلة روایاته۔

امام ابو حنیفہ حدیث میں قوی نہیں ہیں اور بہت کم روایات بیان کرنے کے باوجود اکثر غلطیاں کرتے ہیں۔ (کتاب الضعفاء للسنائی ص۳۱۰)

امام عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں۔

کان ابو حنیفة یتیما فی الحدیث، امام ابوحنیفہ حدیث میں یتیم ہیں۔

(قیام اللیل ص ۲۱۲ وتاریخ بغداد ص٤١٥ج١٣)

کان ابو حنیفة مسکینا فی الحدیث کہ امام ابوحنیفہ حدیث میں مسکین ہیں۔

(الجرح والتعریل ص٤٥٠ج٤ قسم اول، عمده الرعایه ص١٧٣ج١)۔

امام ابن حبان فرماتے ہیں۔

لم یکن الحدیث صناعة حدث بمائة وثلاثین حدیثا مسانید ماله حدیث فی الدنیا غیرها اخطاء منها فی مائة وعشرین حدیثا اماان یکون قلب اسناده اوغیر متنه من حیثه لایعلم فلما غلب خطاؤ علی صوابه استحق ترك الاحتجاج به فی الاخبار

یعنی حدیث امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا فن نہ تھا انہوں نے ایک سوتیس مسند روایات بیان کی ہیں ان کے علاوہ اوران کی روایات نہیں ہیں اوران میں سے ایک سوبیس کی اسانید ومتون کو بیان کرنے میں انہوں نے غلطی کی ہے لہذا جب ان کی خطائیں زیادہ ہیں تو ان کی احادیث سے استدلال صحیح نہیں(

المجروجین ص۲۳ج۳ وفی نسخة الآخری ص۴۰۶ج۲)

امام ابن عدی فرماتے ہیں۔

ابو حنیفة له احادیث صالحة وعامة مایرویه غلط وتصحیف وزیادات فی اسانیدها ومتونها وتصاحیف فی الرجال وعامة مایروبه کذلك لا نه لیس هو من اهل الحدیث ولا یحمل عن من یکون هذه صورته فی الحدیث۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی احادیث صالح ہیں مگرعموما جو وہ روایت کرتے ہیں ان میں تصحیف واغلاط کے علاوہ اسانید ومتون میں زیادات ہیں اوران کی عموما روایات اسی طرح کی ہیں کیونکہ وہ اہل حدیث (محدثین) میں سے نہ تھے جس کی حدیثوں کا یہ حال ہو اس سے روایت نہیں لینی چاہیے

(الکامل لابن عدی ص۲۴۷۹ج۷)

علامہ ابن عبدالبر کا کلام آگے آرہا ہے کہ امام ابو حنیفہ سیئ الحفظ ہیں امام یحیی بن معین فرماتے ہیں حدیث میں ضعیف ہیں انکی احادیث لکھی نہ جائیں۔

(تاریخ بغداد ص۴۲۰ج۱۳)

امام شافعی نے بھری مجلس میں امام محمد کے سامنے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی حدیث جو انہوں نے مرتد کے بارہ میں موقوفا بیان کی ہے کوضعیف کہا ''حاضرین نے تائید کی'' امام محمد بھی جواب نہ دے سکے جس کی پوری تفصیل کتاب (الام ص۱۴۰ج۴) میں دیکھی جا سکتی ہے امام سفیان ثوری فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ غیر ثقہ اور غیر مامون ہے

(تاریخ بغداد ص۴۱۷ج۱۳ والمجروحین ض۷۱ج۳) امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ حدیث میں ضعیف ہیں۔

(تاریخ بغداد ص۲۱۸ج۱۳ وعقیلی ص۲۸۵ج۲)

امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہی مرجیہ فرقہ سے تعلق رکھتے تھے سکتوا عنه وعن رأیه وعن حدیثه

ان کی رائے اور حدیث سے خاموشی اختیار کی گئی ہے (تاریخ کبیر ص٤ ج٤ ق٢) امام یحیی القطان نے بھی ضعیف کہا ہے (تاریخ بغداد ص٤١٦ ج٣) امام ابونعیم اصفہانی فرماتے ہیں بہت خطائیں اور غلطیاں کرتے تھے (کتاب الضعفاء ص١٠٤)

الغرض امام ابوحنیفہ بحیثیت راوی ضعیف ہیں۔ اور ان کی مذکورہ بیان کردہ روایت منکر ہے ایک جماعت حفاظ نے اسے مرسل بیان کیا ہے امام صاحب نے اسے متصل بیان کرنے میں غلطی کی ہے

حافظ ابن عبدالبر فرماتے ہیں

وقد روی هذا الحديث ابو حنيفة عن موسى بن ابی عائشة عن عبدالله بن شداد بن الهاد عن جابر بن عبدالله عن النبیﷺ ولم يسنده غير ابی حنيفة وهو سيئى الحفظ عند اهل الحديث وقدخالفه الحفاظ فيه سفيان الثوری وشعبة وابن عيينة و جرير فرووه عن موسى بن ابی عائشة عن شداد مرسلا والصحيح فيه الارسال وليس مما يحتج به۔

یعنی حدیث من کان له امام کو ابوحنیفہ نے موسی بن ابی عائشہ سے روایت کیا ہے اور وہ عبداللہ بن شداد سے اور وہ جابر بن عبداللہ سے اور وہ نبی مکرم ﷺ سے اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے علاوہ کسی نے بھی اس حدیث کو مسندا روایت نہیں کیا اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اہل حدیث کے نزدیک سیئ الحفظ ہیں اور حفاظ راویوں مثلاً سفیان ثوری شعبہ ابن عیینہ اور جریر نے ابوحنیفہ کی مخالفت کی ہے اور اس حدیث کو مرسل روایت کیا ہے اور صحیح یہی ہے کہ یہ مرسل ہے اور مرسل سے حجت نہیں پکڑی جاتی۔

(التمهيد لمافي الموطامن المعانی والا سانيد ص٤٨ ج١١)

امام دارقطنی فرماتے ہیں۔

ولم يذكر فی هذا لاسناد جابرا غير ابی حنيفة ...... وروى هذا الحديث سفيان الثوری وشعبة و اسرائيل بن يونس و شريك وابو خالد الدلالانی وابو الاحوص وسفيان بن عيينة وجرير بن عبد الحميد وغير هم عن موسیٰ بن ابی عائشة عن عبد الله بن شداد مرسل عن النبیﷺ وهو الصواب

یعنی اس سند میں سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کا ذکر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے علاوہ کسی نے بھی نہیں کیا اور اس حدیث کو سفیان ثوری، شعبہ، اسرائیل، ابوخالد، ابواحوص، سفیان بن عیینہ، اور جریر وغیرہم نے (سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کے واسطے کے بغیر) مرسل روایت کیا ہے اور مرسل ہی (طریق) درست ہے (سنن دارقطنی ص٣٢٥ ج١)

حافظ ابن عدی فرماتے ہیں۔اس حدیث میں ابوحنیفہ نے جابر بن عبداللہ کا واسطہ زیادہ کیا ہے (یعنی موصولا روایت کیا ہے) اور جریر سفیان ثوری، سفیان بن عیینہ، ابوالاحوص، شعبہ، زائدہ، زھیر، ابو

عوانہ، ابن ابی لیلی، قیس، اورشریک وغیرہم نے اس حدیث کو مرسل روایت کیا ہے ہاں حسن بن عمارہ نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی طرح مسندا روایت کیا ہے مگرحسن ابوحنیفہ سے بھی زیادہ ضعیف ہے (الکامل لابن عدی ص۲۷۷۴ ج۷) امام بیہقی فرماتے ہیں کہ موسی بن ابی عائشہ کے تلامذہ جو حافظ ومتقن ہے اورعلم حدیث کے خوب جاننے والے ہیں مثلاً شعبہ جو اپنے زمانہ کے بہت بڑے عالم ہیں اورسفیان ثوری جوعلم حدیث میں اہل عراق کے امام ومتقن اور حافظ ہیں اورعراق والوں میں اس زمانہ میں حافظے حدیث میں شعبہ اورسفیان کے مثل کوئی حافظ حدیث نہ تھا ان سب لوگوں نے اور ان کے علاوہ اور ایک جماعت نے اس حدیث کو مرسل راویت کیاہے اوراس کا مرسل ہونا ہی محقق ہے۔

(کتاب القراء للبهیقی ص۱۲۸)

امام ابن جوزی امام یحیٰی بن معین امام خطیب بغدادی امام ابو حاتم وغیرہم بھی یہی کہتے ہیں کہ موسی بن ابی عائشہ کے تمام حفاظ شاگرد مرسل روایت کرتے ہیں اسے مسند روایت کرنے میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے غلطی ہوئی ہے دیکھئے علی الترتیب،

(العلل المتناهیه ص۴۳۲ج۱ ومن کلام ابی زکریا یحییٰ بن معین ص۱۲۱والفقیة والمتفقة ص۲۲۲ج۱ وعلل الحدیث ص۱۰۴ج۱)

الغرض اسے مسنداً بیان کرنے میں امام ابوحنیفہ سے غلطی ہوئی ہے بلا شبہ وہ ہمارے متقدمین میں سے ہیں مگر انسان ہی خطا ونسیان کرتاہے،

آپ کے شاگرد امام عبداللہ بن مبارک نے امام ابوحنیفہ سے اس روایت کو مرسل ہی روایت کیا ہے (کتاب القراة للبیهقی ص۱۲٤)

غور کیجئے کہ ایک طرف محدثین کی تصریحات ہیں جماعت حفاظ کی موافقت بھی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے ثابت ہےتو ظاہر ہے کہ موافقت والی روایت ہی قابل قبول ہے۔

خلاصہ یہ کہ یہ روایت مرسل ہے جوضعیف ہوتی ہے

(۳۲) عن جابر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال کل من کان له امام فقراء ته له قراءة۔

(مصنف ابن ابی شیبه ص۳۷۷ج۱)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جس شخص نے امام کی اقتدٰی کی تو امام قرات ہی مقتدی کی قرءات ہے،

(حدیث اور اهل حدیث ص۳۱۵)

الجوب اسکی سند میں ابوزبیر راوی ہے جو مدلس ہے حافظ ابن حجرنے (،طبقات المدلسین ص۴۵) میں حافظ صلاح الدین کیکلری نے (جامع التحصیل ص۱۲۶) میں علامہ ذہبی نے (میزان ص۳۷ج۴) میں

علامہ الخزرجی نے (خلاصہ ص۴۵۶ ج۲) میں علامہ ماردینی حنفی نے (الجوہر النقی ص۱۳۷ ج۷) میں کوثری حنفی نے (الاشفاق علی احکام الطلاق ص۲۲) میں مولانا عبدالعزیز گوجرانوالوی نے (بغیۃ الالمعی ص۴۲ ج۲) میں اور ابو غدہ نے (حاشیہ قواعد فی علوم الحدیث ص۱۶۱) میں ابو زبیر کو مدلس قرار دیا ہے علامہ عبدالقادر قرشی حنفی فرماتے ہیں کہ حفاظ نے کہا ہے کہ ابو زبیر سید نا جابر بن عبداللہ سے تدلیس کرتا ہے لہذا اس کی کوئی ایسی راویت جو صیغہ عن سے ہو قبول نہ کی جائے گی۔

(کتاب الجامع ملحقه الجواهر المضيه ص٤٢٩ ج٢)

مولانا ظفر احمد تھانوی نے بھی اعلاء السنن کے مقدمہ (قواعد فی علوم الحدیث ص ٤٢٤) میں علامہ قریشی کی عبارت ذکر کی ہے اور صحیح مسلم کی بعض معنعن روایات پر حرف گیری کی ہے خلاصہ کلام یہ کہ ابو زبیر مدلس ہے اور زیر بحث روایت میں تحدیث کی صراحت نہیں بلکہ صیغہ عن سے مروی ہے لہذا ضعیف ہے،

(۳۳) عن جابر قال رسول اللہ ﷺ من کان له امام فقراء ة الامام له قراءة

(مسنداحمد بن منیع بحواله فتح القدير ص٢٩٥ ج١)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے امام کی اقتدا کی تو امام کی قراءت ہی مقتدی کی قرات ہے۔ (حدیث اور اهل حدیث ص٣١٥)

الجواب اولاً ابن ہمام حنفی مسلک کی پاسداری میں الفاظ نبوی میں حک واضافہ تک کر لیا کرتے تھے (تفصیل کے لیے تحفہ حنفیہ ص۵۹ ج۱ کی مراجعت کریں) یہاں پر ایک مزید مثال دی جاتی ہے تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ حدیث میں وضاحت ہے کہ مرد کا جنازہ پڑھاتے وقت امام سر کے مقابل کھڑا ہو جب کہ عورت کے جنازہ میں وسط میں کھڑا ہو۔ (ترمذی کتاب ماجاء این یقوم الامام من الرجل والمراۃ، الحدیث ۱۰۳۴) اس کے برعکس حنفیہ کا مؤقف ہے کہ مرد وعورت کے تفریق کیئے بغیر امام میت کے سینے کے بالمقابل کھڑا ہو۔

امام طحاوی فرماتے ہیں۔

عم ابی یوسف عن ابی حنیفة قال یوم من الرجل والمرأۃ بحذا لصدر۔

یعنی قاضی ابو یوسف امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ (جنازہ کی امامت کراتے وقت امام) مرد وعورت کے سینے کے بالمقابل کھڑا ہو۔

(شرح معاني الاثار ص٣٣٠ ج١)۔

فقہ حنفیہ کی تمام متداول کتب، متون وشروح اور فتاویٰ میں یہ قول منقول ہے، مگر یہ مسئلہ قطعی طور پر غلط ہے، اس پر حنفیہ کے پاس قیاس فاسد کے سوا کوئی دلیل شرعی موجود نہیں، حدیث صحیح مرفوع تو کجا

کوئی ضعیف بھی نہیں بلکہ کسی صحابی کا اثر بھی ثابت نہیں۔ اس کا بے دلیل ہونا ابن ھمام کو کھٹکا تو جھٹ ایک روایت وضع کردی، آپ بھی ملاحظہ کریں،

(یعارض هذا بما روی احمد ان ابا غالب قال صلیت خلف انس علی جنازه فقام حیال صدره۔)

یعنی اس روایت (ترمذی) کی معارض مسند احمد کی یہ روایت ہے کہ ابو غالب بیان کرتے ہیں کہ میں نے سیدنا انس رضی اللہ عنہ کے پیچھے جنازہ پڑھا تو وہ سینے کے برابر کھڑے ہوئے

(فتح القدیر ص۸۹ ج۲)۔

حالانکہ مسند احمد تو کجا کسی بھی حدیث کی کتاب میں۔صدرہ" کے الفاظ نہیں، یہ ابن ھمام کی اختراع ہیں۔

اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ انوار صاحب کے محقق علی الاطلاق علامہ ابن ہمام اپنے مؤقف ومذہب کی وکالت میں الفاظ نبوی میں حک و اضافہ کرنے کی مرض کا شکار تھے۔ ایسے راوی محدثین کے نزدیک متروک اورغیر ثقہ ہوتے ہیں۔ممکن ہے کہ انوار صاحب یہ جھوٹا بہانا کرلیں کہ یہ ان کا سہو ہے۔ انوار صاحب کے اس بے نور عذر کو اگر قبول بھی کرلیا جائے تو تب بھی ابن ھمام کم از کم سیئی الحفظ تو قرار پاتا ہے اورسیئی الحفظ راویوں کی بات کو متابعت کے بغیر قبول نہیں کیا جاتا۔ گزارشات کا مقصد یہ ہے کہ ابن ھمام نے سند بنا کر مسند احمد بن منیع کا نام جڑ دیا ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ مسند احمد بن منیع میں یہ روایت سرے سے ہے ہی نہیں، دلیل اسکی یہ ہے کہ حافظ ابن حجر نے ، المطالب العالیہ، میں جن آٹھ کتابوں کی زوائد روایات کو جمع کیا ہے ان میں ایک مسند احمد بن منیع بھی شامل ہے مگر حافظ ابن حجر نے المطالب العالیہ، میں اس روایت کو ذکر نہیں کیا علاوہ ازیں مسند احمد بن منیع کی روایت اسحاق الازرق عن سفیان وشریک کے واسطہ سے بیان کی جاتی ہے (فتح القدیر ص۲۹۵ ج۱) اور امام دارقطنی نے (السنن ص۳۲۳ ج۱) میں اسحاق الزرق کی روایت کو بواسطہ امام ابو حنیفہ متصل بیان کیا ہے اور ہم روایت نمبر ۳۱ میں وضاحت کرآئے ہیں کہ ایک درجن کے قریب محدثین اس روایت کو مرسل بیان کرتے ہیں اور اسے مسنداً بیان کرنے میں امام ابو حنیفہ سے غلطی ہوئی ہے،

خلاصہ کلام یہ مسند احمد بن منیع کے حوالے سے جو روایت ابن ھمام نے بیان کی ہے یہ کذب وافترا ہے جو اس کی سچائی کا دعوی کرتا ہے وہ مسند احمد بن منیع سے اس کا وجود ثابت کرے،

(۳۴) عن جابر بن عبدالله قال قال رسول الله ﷺ من كان له امام فقراة الامام له قراة

(کتاب القراءة ص۱۳۸)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے امام کی اقتداء کی

تو امام کی قرات ہی مقتدی کی قرات ہے (حدیث اور اهل حدیث ص ۳۱۰)

الجواب اولاً: امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس روایت راوی، یحیٰ بن نصر نے دوغلطیاں کی ہیں مرسل کو مسنداً کردیا ہیں اور متن میں ردوبدل کردیا ہے، جس کی وجہ سے احتجاج سے گرگئی ہے۔
(کتاب القراۃ ص۱۳۸)

(امام احمد نے جس روایت کی طرف اشارہ کیا ہے اسکی حقیقت آگے آرہی ہے) یحیٰ بن نصر کو امام عقیلی نے منکر الحدیث کہا ہے (الضعفاء الکبیر ص۴۳۳ ج ٤) امام ابوزرعہ فرماتے ہیں ہیچ محض ہے، امام احمد فرماتے ہیں جہمی ہے اورابو حاتم کہتے ہیں۔ یلینه عندی قدم رجاله،
(میزان ص۴۱۲ ج ٤ والجرح والتعدیل ص۱۹۳ ج ۲٤)

مولانا ظفر احمد تھانوی نے (اعلاء السنن ص۱۰۹ ج ۷) میں یحیٰ بن نصر، کوضعیف قرارا دیا ہے یحیٰ سے روایت کرنے والا، عاصم بن عصام روای ہے جس کو امام دارقطنی نے مجهول کہا ہے (لسان المیزان ص۲۲۰ ج ۳) الغرض یہ روایت منکر ہے اور بوجہ جہالت عاصم قابل احتجاج نہیں ہے۔

(۳۵) عن عبدالله بن شداد بن الهاد قال ام رسول اللهﷺ فی العصر قال فقرأ رجل خلفه فغمزه الذی یلیه فلما ان صلی قال لم غمز تنی قال کان رسول اللهﷺ قد امك فكر هت ان تقرأ خلفه فسمعه النبیﷺ فقال من كان له امام فان قرا ته له قراء ة۔
(موطا امام محمد ص۹۸)

حضرت عبداللہ بن شداد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول ﷺ نے عصر کی نماز میں امامت کرائی، اور ایک شخص نے آپکے پیچھے قرات کی، جو نمازی اس کے ساتھ کھڑا تھا اس نے اس کا ذرا بدن دبایا تاکہ یہ قرات سے باز آجائے، جب نماز ہو چکی تو اس نے کہا کہ تم نے مجھے کیوں دبایا تھا منع کرنے والے نے کہا کہ چونکہ رسول اللہ صلی اللہ وسلم آگے قرات کر رہے تھے میں نے مناسب نہ سمجھا کہ تم بھی قرات کرو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دونوں کی باتیں سن کر ارشاد فرمایا جس نے امام کی اقتداء کی تو امام کی قرات ہی مقتدی کی قرات ہے (حدیث اور اهل حدیث ص۳۱٦)

الجواب اولاً: یہ روایت مرسل ہے کیونکہ عبداللہ بن شداد گو نبی کریم ﷺ کی زندگی میں پیدا ہوئے، مگر آپ علیہ السلام سے سماع ثابت نہیں۔ جیسا کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے صراحت کی ہے بلکہ عجلی اور خطیب نے انہیں کبارتابعین میں شمار کیا ہے، (تہذیب ص ۲۰۲ ج ٥) حافظ ابن حجر فرماتے ہیں۔ له رویة ولیس له سماع، یعنی عبداللہ بن شداد کو رویت ہے سماع نہیں۔
(الاصابة ص۱٤۳ ج ۳)

ایسے افراد جو رویت کے لحاظ سے صحابی ہیں اور روایت کے اعتبار سے نہیں ان کی روایات مرسل

ہوتی ہیں۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں۔

أوراه على بعد أو فى حال الطفولية وان كان شرف الصحبة حاصلا للجميع ومن ليس له منهم سماع منه فحديثه مرسل من حيث الرواية وهم مع ذلك معد ودون فى الصحابة،

اور(اسی طرح اس کا درجہ زیادہ ہوگا) جس نے آپ علیہ التحیۃ والسلام کو دور سے دیکھا ہو یا جس نے بچپن میں آپ کو دیکھا ہو اور اگرچہ ان سب کو شرف صحبت حاصل ہے اور ان میں سے جسے براہ راست سماع آپ علیہ السلام سے نہیں اس کی حدیث مرسل ہوگی لیکن شرف صحبت کی وجہ سے وہ صحابہ کرام میں شمار ہوگا۔ (گوان صحابہ کی تعداد) چند ایک ہی ہے۔

(نزهة النظر شرح نخبة الفكر ص١٠١)

اور فتح الباری ص۲ ج۷ میں تحریر کرتے ہیں جو حضرات مراسیل کو قبول نہیں کرتے وہ ان صحابہ کی مرسل روایات کو بھی قبول نہیں کرتے، یہی بات حافظ سخاوی نے کہی ہے جسے مولانا عبدالعزیز نے نقل کرکے تائید کی ہے (بغية المعی ص١٥ ج٢)

عبداللہ بن شداد بھی ان صحابہ میں شمار ہوتے ہیں جنہوں نے نبی ﷺ کو سن تمیز سے پہلے دیکھا تھا۔ حافظ ابن حجر نے، الاصابہ، میں انہیں دوسرے طبقہ کا شمار کیا ہے، جن کے متعلق وہ فرماتے ہیں کہ ان کی احادیث محققین محدثین کے نزدیک مرسل کے قبیل سے ہے۔

(الا صابہ ص۳ ج۱)

اس تفصیل سے یہ ثابت ہوا کہ گو عبداللہ بن شداد رویت کے لحاظ سے صحابی ہیں لیکن روایت کے لحاظ سے تابعی ہیں، جس سے لازم آیا کہ یہ روایت مرسل ہے ہمارے موقف کی اس سے بھی تائید ہوتی ہے کہ گزشتہ صفحات میں روایت نمبر ۳۱ کے سلسلہ میں ہم اکابر محدثین مثلاً امام بخاری، ابن عدی، دارقطنی، خطیب بغدادی، ابن عبد البر رحمہم اللہ وغیرہم سے نقل کر آئے ہیں وہ اسے مرسل قرار دیکر ناقابل حجت کہتے ہیں جو اس بات کی دلیل ہے کہ عبداللہ بن شداد کی روایت کا حکم ان کے نزدیک مراسیل صحابہ کا نہیں بلکہ مراسیل تابعی کا ہے، الغرض یہ روایت بوجہ مرسل ہونے کے ضعیف ہے۔

(۳۶) عن ابى الدرداء ا قال سئل رسول الله ﷺ افى كل صلاة قراءة قال نعم فقال رجل من الانصار وجبت هذه فقال لى رسول الله ﷺ وكنت اقرب القوم اليه مارى الامام اذا ام القوم الكفاهم۔

(دارقطنی ص۳۳۲ ج۱)

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جناب رسالتمآب ﷺ سے سوال کیا گیا، کیا ہر نماز میں قرات ہے آپ نے فرمایا ہاں، ایک انصاری بولے پھر قرأت ضروری ہوگئی حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں

کہ اہل مجلس میں رسول اللہ ﷺ کے قریب میں تھا آپ نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا میں تو یہی جانتا ہوں کہ امام کی قرات مقتدی کو کافی ہے۔

(حدیث او ر اهل حدیث ص۳۱۷)۔

الجواب: اولا اس کی سند میں معاویہ بن صالح سے روایت کرنے والا زید بن حباب ہے اور احمد بن حنبل فرماتے ہیں۔

کان صدوقا وکان یضبط الالفاظ معاویة بن صالح لکن کان کیثر الخطاء، وہ صدوق ہے اور معاویہ کے الفاظ کو ضبط رکھتا تھا، لیکن کثرت سے خطائیں کرتا تھا۔

(تهذیب ص٤٠٣ج٣)

اور یہاں بھی اس نے خطا کی ہے، الفاظ، **ما اری الامام اذاام القوم الاکفاهم،** مرفوع نہیں بلکہ موقوف ہیں، امام دارقطنی فرماتے ہیں۔

کذاقال وهو وهم من زید بن الحباب والصواب فقال ابو الدرداء، مأری الامام الاقد کفاهم۔

یعنی اسی طرح ہی کہا گیا ہے (حالانکہ یہ الفاظ) زید کا وہم ہیں صحیح یہ ہے کہ، میں تو یہی جانتا ہوں کہ امام کی قرات مقتدیوں کو کافی ہے، سیدنا ابو درداء رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔

(سنن دار قطنی ص٣٣٤ج١)

امام نسائی فرماتے ہیں۔

هذا عن رسول الله ﷺ خطا انما هو قول ابی الدرداء

یعنی یہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان قرار دینا غلط ہے بلکہ یہ ابو درداء کا قول ہے،

نسائی کتاب الافتتاح باب اکتفاء المامو م بقراة الامام رقم الحدیث ٩٢٤

امام ابن خزیمہ فرماتے ہیں۔

اس جملہ کا رسول اللہ ﷺ کی طرف انتساب ہی صحیح نہیں کیونکہ یہ آپ کیسے فرماسکتے ہیں کہ میرا خیال ہے یا میرا گمان ہے کہ امام کی قرات مقتدی کے لیے کافی ہے کیونکہ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ رسول اللہ ﷺ خود بھی اس معاملہ میں (معاذ اللہ) متردد تھے، اگر آپ کو بھی دین کے معاملہ میں شک ہے تو دوسرا کون ہے جسے یقین ہوسکتا ہے یقیناً یہ جملہ حضرت ابو الدرداؓ کا ہے کہ انہی سے اس قسم کا شک وریب کا اظہار ہوسکتا ہے۔(کتاب القراة للبیهقی ص١٤٧و١٤٨)

علاوہ ازیں، زید بن حباب اسے موقوف بھی روایت کرتا ہے

(مسند احمد ص٤٤٨ج٦و کتاب القراة ص١٤٧) -

اگر کہا جائے کہ (بیهقی ص١٢٦ج٢) میں زید کا متابع ابو صالح کا تب لیث ہے تو جواب اس کا یہ

ہے کہ ابو صالح کثیر الغلط ہے محدثین نے اس پر بڑی سخت جرح کی ہے کذاب، لیس بثقة، ذاهب الحدیث، وغیرہ مگر عموماً محدثین نے کہا ہے کہ اس کا سبب خالد بن نجیح تھا، جو اس کا پڑوسی تھا، اور حدیثیں وضع کرتا تھا، چنانچہ وہ حدیثیں لکھ کر ابو صالح کے گھر ان کی کتابوں میں پھینک دیتا، ابو صالح انہیں اپنی ہی روایات سمجھ کر خالد کی بے اصل روایات بیان کرتے تھے اور اسی غفلت کا نتیجہ ہے کہ سند ومتن میں وہ غلطیاں کر جایا کرتے تھے، (میزان ص۱٤٤ ج۲)

الغرض مرفوع بیان کرنے والے مجروح اور متکلم فیہ راوی ہیں جبکہ اس کے برعکس موقوف روایت کرنے والے، امام عبدالرحمٰن بن مهدی، امام عبداللہ بن وھب اور امام حماد بن خالد، وغیرہ ہیں (کتاب القراۃ للبیھقی ص۱٤۸)

کتب الرجال میں موقوف روایت کرنے والوں کے حالات معلوم کرنے سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ تمام ثقہ، ثبت ، عارف، وغیرہ ہیں، امام ابن مدینی فرماتے ہیں کہ میں بیت اللہ میں کھڑے ہو کر حلفیہ کہہ سکتا ہوں کہ عبدالرحمٰن بن مہدی سے زیادہ کسی کو حدیث جاننے والا نہیں دیکھا۔

(کتاب القرأۃ للبیھقی ص۱٤۷۔)

حافظ ابن حجر فرماتے، ثقة حافظ عارف بالرجال والحدیث قال ابن مدینی مارایت اعلم منه (تقریب ص۲۱۰) عبداللہ بن وھب کے متعلق فرماتے ہیں، الفقیه ثقة حافظ عابد (تقریب ص۱۹۳)

غور کیجئے ایک طرف اتنے جلیل القدر حافظ امام ہیں دوسری طرف کثیر الغلط راوی ہیں، اگر بالفرض ان کی ثقات کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو یہ مسلمہ اصول ہے کہ جب ثقہ اوثق کی مخالفت کرے تو اس کی روایت شاذ ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ علامہ نیموی حنفی نے، (آثار السنن ص۱۱۶) میں مذکورہ اثر کو موقوف نقل کرکے حاشیہ میں امام دارقطنی اور نسائی کا کلام نقل کرکے مرفوع کی نفی کی ہے، علامہ زیلعی نے، (نصب الرایہ ص۱۷،۱۸ ج۲) میں امام نسائی اور دارقطنی کا کلام نقل کرکے سکوت کیا ہے، مولانا عبدالحی لکھنوی حنفی نے (غیث الغمام ص۱٥٤ و۱٥٥ ومجموعه رسائل الکنوی ص۱۳۹ ج۳) میں اس کے مرفوع ہونے کی پر زور نفی کی ہے اور اس پر تمام وارد اعتراضات کے تسلی بخش جوابات تحریر کیے ہیں۔

ثانیاً: اگر کہا جائے کہ مانا کہ موقوف ہی ہے پھر بھی سیدنا ابو درداء رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے جو صحابی رسول ہیں، تو جواب اس کا یہ ہے کہ ہم پہلی فصل میں ثابت کر آئے ہیں کہ سیدنا ابو درداء رضی اللہ عنہ سری وجہری نمازوں میں امام کی اقتدا میں سورہ فاتحہ پڑھنے کا حکم دیا کرتے تھے جس سے ثابت ہوا کہ انہوں نے پہلے موقف سے رجوع کر لیا تھا دلیل اس کی یہ ہے کہ زیر بحث اثر زمانہ نبوی کا ہے اور ہمارا پیش کردہ بعد کا ہے، علاوہ ازیں اگر آپ آثار صحابہ کو حجت باور کراتے ہیں تو کیا وجہ ہے اس انصاری صحابی کا قول قبول نہیں کرتے جس نے فرمان نبوی علیہ التحیۃ والسلام سن کر کہا تھا واجب ہوگئی۔

(۳۷) عن ابی ہریرۃ ان رسول اللہ ﷺ قال من کان له امام فقرأة الامام له قرأة۔

(کتاب القرأۃ للبیہقی ص ۱۷۰)

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے امام کی اقتداء کی تو امام کی قرأت ہی مقتدی کی قرات ہے (حدیث اور اھل حدیث ص ۱۳۷)

الجواب: اولاً: جہاں سے آپ نے روایت نقل کی ہے وہاں آگے امام بیہقی امام دارقطنی سے نقل کرتے ہیں کہ اسکی سند میں دوراوی، اسماعیل بن ابراہیم تیمی اور محمد بن عباد رازی ضعیف ہیں امام بخاری رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہیں کہ امام ابن نمیر فرماتے ہیں کہ اسماعیل (ضعیف جداً) سخت ضعیف ہے، (کتاب القراۃ ص ۱۷۰)

ثانیاً: صحیح اسناد سے ثابت ہے کہ سیدنا ابو ہریرہؓ سری وجہری میں فاتحہ پڑھنے کے قائل تھے، فصل اول میں تفصیل گزرچکی ہے،

(۳۸) عن ابن عمر عن النبی ﷺ قال من کان له امام فان قراۃ الامام له قرأة۔

(کتاب القراۃ ص ۱۵٦)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا جس کے لیے امام ہو تو امام کی قراۃ ہی اس کی قراۃ ہے (حدیث اور اھل حدیث ص ۳۱۸)

الجواب: محترم انوار خورشید صاحب شاید آپ کی عینک پرانی ہوگئی ہے، ذرا اس کا نمبر تبدیل کرکے لگائیے اور کتاب القراۃ کے مذکورہ صفحے کو پڑھ لیجئے امام بیہقی فرماتے ہیں۔ امام ابوعبداللہ فرماتے ہیں (اسکی سند میں) خارجہ بن مصعب ہے جو غیاث بن ابراہیم جیسے کذاب راویوں سے تدلیس کرتا ہے، اس کی حدیث میں کثرت سے مناکیر ہیں اس حدیث کی کوئی اصل نہیں، امام یحیٰی بن معین فرماتے ہیں کہ خارجہ ہیچ محض ہے امام احمد اس سے حدیث لکھنے سے منع فرمایا ہے امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں امام وکیع نے اسے چھوڑ دیا تھا یہ غیاث بن ابراہیم سے تدلیس کرتا ہے (کتاب القراۃ ص ۱۵٦) خارجہ کو آئمہ جرح وتعدیل نے کذاب ومتروک قراردیا ہے امام ابن حبان فرماتے ہیں اسکی احادیث میں من گھڑت اور جعلی روایات بھی ہیں۔

(تھذیب ص ۷۸ ج ۲ والمجروحین ص ۲۸۸ ج ۱)۔

(۳۹) عن ابن عباس عن النبی ﷺ قال تکفیك قراۃ الامام خافت او جھر۔

(دارقطنی ۳۳۱ ج ۱)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما، نبی علیہ الصلوۃ والسلام سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا تجھے امام کی قرأۃ کافی ہے، چاہے وہ آہستہ آواز سے قرأت کرے یا اونچی آواز سے۔

(حدیث اور اہل حدیث ص ۳۱۷)

الجواب: امام دارقطنی نے آگے ہی لکھا ہے کہ اس کا راوی عاصم قوی نہیں اور مرفوع بیان کرنا عاصم کا وہم ہے، امام بیہقی امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہیں کہ یہ روایت منکر ہے عاصم قوی نہیں اور اسے مرفوع بیان کرنے میں اس سے وہم ہوا ہے، اور امام حسن بن علی فرماتے ہیں کہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرنے والے راوی عون بن عبداللہ کا ابن عباس سے سماع نہیں۔

(کتاب القراۃ ص ۱۷۲) ابن سعد فرماتے ہیں کہ عون کثیر الارسال ہے (تھذیب ص ۱۷۲ ج ۸) عاصم کو امام بخاری رحمہ اللہ، فیہ نظر، کہتے ہیں نسائی اور دارقطنی غیر قوی فرماتے ہیں (میزان ص ۳۵۳ ج ۲)

الغرض یہ روایت منقطع ہونے کے علاوہ سنداً ضعیف ہے

(۴۰) عن انس بن مالك ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من كان له امام فقراۃ الامام له قراۃ۔

(کتاب القراءۃ ص ۱۵۳)۔

(حدیث اور اھل حدیث ص ۳۱۸)

الجواب: اولاً: معلوم نہیں انوار صاحب نے اس روایت کا ترجمہ کیوں نہیں کیا؟

ثانیاً: یہ روایت من گھڑت اور باطل ہے سند میں ایک جماعت مجھول راویوں کی ہے۔

امام بیہقی فرماتے ہیں۔

وضعها بعض المجهولين من رواتها، یعنی اس کے بعض مجھول راویوں نے اسے وضع کیا ہے (کتاب القراءۃ ص ۱۵٤) امام بیھقی نے پوری سند درج نہیں کی صرف اشارہ کیا ہے، اور جتنا اشارہ دیا ہے، اس میں، رجاء بن ابی رجاء، راوی مجھول ہے خود امام بیھقی نے ابتدا ہی اس سے کی ہے ثم احتج باسنا دمظلم، پھر آگے روایت نقل کی ہے۔

(۴۱) عن انس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باصحابه ثم اقبل بوجهه فقال اتقروا لامام یقرافسکتوا فسالهم ثلثا فقالوا انا لنفعل قال فلاتفعلوا۔

(طحاوی ص ۱۵۰ ج ۱ وکتاب القراۃ للبیھقی ص ۱۵۱)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ صحابہ کرام کو نماز پڑھائی (نماز سے فارغ ہوکر) آپ صحابہ کرام کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کیا تم قرات کرتے ہو جبکہ امام قرات کررہا ہوتا ہے، صحابہ کرام چپ رہے، آپ نے تین بار یہی سوال کیا تو صحابہ کرام بولے کہ ہم ایسا ہی کرتے ہیں آپ نے فرمایا ایسے مت کرو (حدیث اور اھل حدیث ص ۳۱۸)

الجواب: یہ روایت مختصر ہے، امام بیھقی نے آگے ہی مفصل روایت درج کی ہے اور نصف درجن کے قریب کتب احادیث میں اور متعدد طرق سے یہ حدیث مروی ہے،

جس کے الفاظ یہ ہیں۔

عن انس بن مالك ان رسول الله صلى الله وسلم صلى باصحابه فلما قضى صلوته اقبل عليهم بوجهه فقال اتقرؤن فى صلو تكم خلف الامام والامام يقرأ فسكتوا فقالها ثلاث مرات فقال قائل اوقائلون انا لنفعل ذلك قال فلا تفعلوا وليقراء احدكم بفاتحة الكتاب فى نفسه۔

یعنی سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ایک دفعہ نماز پڑھائی جب نماز سے فارغ ہوئے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف متوجہ ہوکر فرمانے لگے کیا تم نماز میں امام کے پیچھے قرات کرتے ہو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خاموش رہے آپ نے یہ الفاظ تین بار کہے، کہنے والے نے یا کہنے والوں نے (یعنی ایک صحابی نے یا تمام نے) کہا کہ ہم ایسا ہی کرتے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ ایسا نہ کیا کرو ہاں البتہ سورہ فاتحہ کو اپنے نفس میں ضرور پڑھا کر۔(کتاب القراۃ للبیہقی ص۱۵۲ والسنن الکبری ص۱۶۲ ج۲ و ابن حبان رقم الحدیث ۱۸٤۱)وموارد‌الظمان ص ۱۲٦ (٤۵۸) وطبرانی الاوسط ص۳۲۹ج۳ رقم الحدیث ۲۷۰۱) ومسند ابو یعلی ص۱۹۳ ج۳ رقم الحدیث ۲۷۹۷) ومعجم ابو یعلی مو صلی رقم الحدیث ۳۰۳)ودارقطنی ص۳٤۰ج۱)

قارئین کرام انصاف کریں کہ یہ امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنے کی دلیل ہے یا ترک فاتحہ کی؟ رہی طحاوی وغیرہ کی روایت تو اس میں اختصار ہے۔

مولانا عبدالحی لکھنوی حنفی فرماتے ہیں۔

اخرجه ابن حبان عن انس مثله وزاد فى اخره واليقرا احدكم بفاتحة الكتاب فى نفسه ومن المعلوم ان الروايات بعضها يفسر بعضا فدل ذلك على ان فى رواية الطحاوى اختصارا۔

یعنی ابن حبان نے اسی طرح سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کی ہے اور اس کے آخر میں یہ بھی ہے **وليقراء احدكم بفاتحة الكتاب فى نفسه** (ہاں البتہ سورہ فاتحہ کو اپنے نفس میں ضرور پڑھا کرو) اور بعض روایات بعض کی تفسیر کرتیں ہیں یہ دلیل ہے کہ طحاوی کی روایت میں اختصار ہے

(امام الکلام ص۱۸۰ ومجموعہ رسائل الکنوی ص۱۵۹ج۳)

اس سے ملتے جلتے الفاظ میں اس بات کا اظہار انہوں نے، (السعایہ ص۳۰۲ ج۲) میں بھی کیا ہے، بلکہ انہوں نے تو یہ دعوی بھی کیا ہے کہ اگر آخری جملہ استثنائی نہ بھی ہو تب بھی یہ قرأت خلف الامام کی ممانعت پر دلالت نہیں کرتا (غیث الغمام ص۱۸۱ ومجموعہ رسائل ص۱٦۰ ج۳)

(۴۲) عن النواس بن سمعان قال صليت مع رسول الله صلى الله عليه وسلم صلاة الظهر وكان عن يمينى رجل من الانصار فقراء خلف النبى صلى الله عليه وسلم وعلى يسارى رجل من مزينة يلعب بالحصا فلما قضى صلوته قال من قرأ خلفى قال الانصارى انا يا رسول الله قال فلا تفعل من كان له

امام فان قرأة الامام له قرأة وقال للذی یلعب بالحصا هذا حظك من صلوتك۔
(کتاب القراة للبیهقی ص۱۷٦)

نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ظہر کی نماز پڑھی، میری داہنی طرف ایک انصاری صحابی تھے، انہوں نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پیچھے قرأت کی اور میرے بائیں جانب قبیلہ مزنیہ کے ایک صاحب تھے جو کنکریوں سے کھیل رہے تھے جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نماز سے فارغ ہوئے تو آپ نے پوچھا کہ میرے پیچھے کس نے قرات کی ہے انصاری بولے میں نے یارسول اللہ ﷺ آپ نے فرمایا ایسا مت کرو کیونکہ جو امام کی اقتداء کرے تو امام کی قرات ہی مقتدی کی قرات ہوئی ہے جو صاحب کنکریوں سے کھیل رہے تھے، ان سے فرمایا تمہیں نماز سے یہی حصہ ملا ہے (حدیث اور اهل حدیث ص۳۱۹)

الجواب: محترم انوار خورشید صاحب امام بیہقی نے روایت درج کرنے کے بعد لکھا ہے کہ اسکی سند باطل ہے اور سند میں محمد بن اسحاق عکاشی کذاب ہے احادیث وضع کر کے امام اوزاعی اور آئمہ کی طرف منسوب کرتا تھا (کتاب القراة ص۱۷۷)

عکاشی سے روایت کرنے والا، سلیمان بن سلمہ خبائری ہے اس کے متعلق امام ابو حاتم فرماتے ہیں۔ متروک ہے، ابن جنید کذاب کہتے ہیں، نسائی، لیس بشئی (ہیچ محض) فرماتے ہیں خطیب فرماتے ہیں۔ ضعف میں مشہور ہے۔
(لسان المیزان ص۹۳ج ومیزان ۲۰۹ج۳)

ان سے نیچے کے دوراوی، عبداللہ بن حماد (اگر یہ قطیعی ہے تو غیر ثقہ ہے (تاریخ بغداد ص٤٤ج۹) ورنہ مجهول ہے اور اس سے روایت کرنے والا حسین بن نبهان بھی مجہول ہے خود امام بیہقی نے کہا ہے کہ اسکی سند میں مجہول راوی ہیں (کتاب القراة ص۷۷) الغرض یہ روایت من گھڑت اور باطل ہے

(۴۳) عن یحییٰ بن عبدالله بن سالم العمری ویزید بن ابی عیاض ان رسول الله ﷺ قال من کان منکم له امام فائتم به فلا یقرأن معه فان قراته له قرائة۔
(کتاب القرائة للبیهقی ص۱۸۳)

یحییٰ بن عبداللہ اور یزید بن ابی عیاض سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے جس کے لیے امام ہو اور وہ اس کی اقتداء کرے تو مقتدی اس کے ساتھ ہرگز قرأت نہ کرے کیونکہ امام کی قرات ہی اسکی قرات ہے (حدیث اور اهل حدیث ص۳۱۹)

الجواب: یحییٰ اور یزید دونوں ہی اتباع تابعین سے ہیں، گویا یہ روایت مرسل سے بھی گئی گزری (معضل) ہے، پھر یزید کو تو امام مالک نے کذاب یحییٰ بن معین نے، لیس بشئ، اور امام بخاری رحمہ اللہ نے متروک کہا ہے یحییٰ بن عبد اللہ کے متعلق امام بیہقی نے فیہ نظر۔ یعنی اس میں جرح ہے (کتاب القراة

ص۱۸۳)

یحیٰ کونسائی نے، مستقیم الحدیث کہا ہے، ابن حبان نے ثقات میں ذکر کر کے کہا ہے ربما اغرب، دارقطنی نے ثقہ قرار دیا ہے، ساجی اور ابن معین نے، صدوق ضعیف الحدیث کہا ہے،

(تهذیب ص۱٤۰ ج۱۱)

خلاصہ کلام یہ کہ یہ روایت اتباع تابعین کی معضل ہے جو دلیل شرعی بننے کے قابل نہیں ہے۔ پھر اس کے بیان کرنے والوں میں ایک کاذب اور دوسرا صدوق ہے، ایسے کی بات احادیث صحیحہ کے بالمقابل کون سنتا ہے۔

(۴۴) عن جابر بن عبدالله عن النبی صلی علیه وسلم انه قال من صلی رکعة فلم یقرا فیها بام القرآن فلم یصل الاوراء الامام،

(طحاوی ص۱٤۹ ج۱ ومصنف عبدالرزاق ص۱۲۰ ج۱)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جس نے نماز کی کوئی رکعت پڑھی اور اس میں سورۃ فاتحہ نہ پڑھی تو اس کی نماز نہیں ہوتی مگر یہ کہ وہ امام کے پیچھے ہو۔

(۴۵) عن جابر بن عبدالله قال قال رسول اللهﷺ کل صلوٰة لایقرأفیها بام الکتاب فهی خداج الاوراء الامام۔

(کتاب القراة ص۱۳٦ ودارقطنی ص۳۲۷ ج۱)

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر وہ نماز جس میں سورہ فاتحہ نہ پڑھی جائے وہ ناقص ہے سوائے اس نماز کے جو امام کے پیچھے پڑھی گئی ہو۔

(حدیث اور اهل حدیث ص۳۲۰)

الجواب: مؤلف نے یہاں دو غلطیاں کی ہیں (۱) ایک روایت کو دوبار نقل کیا ہے حالانکہ یہ ایک ہی ہے اور اسے مرفوع بیان کرنے میں، یحیٰ بن سلام، راوی منفرد ہے، (۲) مصنف عبدالرزاق کی نسبت بھی ٹھیک نہیں انوار خورشید صاحب نے اپنے جھوٹ کو چھپانے کے لیے یہ حیلہ کیا ہے کہ مصنف کا حوالا غلط دیا ہے، حالانکہ مصنف میں یہ روایت تو ہے مگر موقوف ہے دیو بندیوں کے محقق شہیر صاحب عینک لگا لیجئے، اور پڑھئے،

عبدالرزاق عن مالك و عن وهب بن کیسان قال سمعت جابربن عبدالله یقول، من صلی رکعة فلم یقرأ فیها بام القرأن فلم یصل، الامع الامام،

(مصنف عبدالرزاق ص۱۲۱ ج۲ رقم الحدیث ۲۷٤۵)

ثانیاً: امام بیہقی نے، (کتاب القراۃ ص۱۳۶) میں اور دارقطنی نے، (السنن ص۳۲۷ ج۱) میں صراحت کی ہے کہ یحیٰ بن سلام راوی متکلم فیہ اور امام مالک سے مرفوع بیان کرنے میں اس نے غلطی کی ہے، علامہ ابن عبدالبر فرماتے ہیں۔

لم یرو هذا الحدیث احدمن رواة الموطأ مرفرعا وانماهو فی الموطا موقوف علی جابر من قوله وانفرد یحیی بن سلام برفعه عن مالك ولم یتابع علی ذلك والصحیح فیه انه من قول جابر،

یعنی مؤطا کے راویوں میں سے کسی نے بھی اسے مرفوع بیان نہیں کیا بلکہ موطا میں بھی یہ موقوف ہے اسے مرفوع بیان کرنے میں یحیٰ بن سلام منفرد ہے اور کسی نے بھی ان کی متابعت نہیں اور صحیح اور خالص حق بات یہ ہے کہ یہ روایت موقوف ہے،

(التمهیدلمافی الموطا من المعانی والا سانید ص٤٨و٤٩ ج١١)

امام مالک رحمہ اللہ سے اس اثر کو تقریباً ستر تلامذہ موقوف روایت کرتے ہیں صرف یحیٰ بن سلام اسے مرفوع نقل کرتا ہے اور اصول حدیث کا قاعدہ یہ ہے کہ جب ضعیف راوی ثقہ کی مخالفت کرے تو اس کی وہ روایت منکر ہوتی ہے، امام طحاوی حنفی ایک جگہ پر یحیٰ بن سلام کی ایک روایت پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

من ذلك حدیث یحییٰ بن سلام عن شعبة وهو حدیث منكر لایشتبه اهل العلم بالروایة لضعف یحییٰ بن سلام عندهم وابن ابی لیلی وفساد حفظهما

یعنی ان سے ایک یحیٰ بن سلام عن شعبۃ کی حدیث ہے مگر وہ حدیث منکر ہے اہل علم اسے صحیح نہیں کہتے یحیٰ بن سلام اور ابن لیلی کے ضعیف ہونے کی وجہ سے کہ ان دونوں کا حافظہ خراب تھا، (شرح معانی الاثارص٤٩٨ ج١) مزید دیکھئے (اعلاء السنن ص٣٠٠ ج١٠)

خلاصہ کلام یہ کہ یہ روایت منکر ہے لہذا اس سے استدلال باطل ہے۔

(۴۶) عن ابن عباس قال قال رسول علیه وسلم كل صلاة لا یقراء فیها بفاتحة الكتاب فلاصلاة له الا وراء الامام،

(کتاب القراءة للبیهقی ص١٧٣)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نماز میں سورہ فاتحہ نہ پڑھی جائے وہ نہیں ہوتی سوائے اس نماز کے جو امام کے پیچھے پڑھی گئی ہو۔

(حدیث اور اهل حدیث ص٣٢٠)

الجواب: اسکی سند میں بالترتیب تین راوی مجہول ہیں (۱) بالویۃ بن محمد ابو العباس (۲) اس کا

استاد، محمد بن شادل (۳) علی بن کیسان، علی کے متعلق امام حاکم فرماتے ہیں کہ ہم نے اس سند کے علاوہ اور کسی روایت میں اس کا نام نہیں سنا، علاوہ ازیں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے صحیح سند کے ساتھ (پہلی فصل میں فتویٰ نقل کیا جا چکا ہے) صریح فتویٰ منقول ہے کہ نماز خواہ جہری ہو یا سری امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھو، (کتاب القراۃ للبیہقی ص۱۷۳)

(۴۷) عن بلال قال امرنی رسول اللہ ﷺ ان لااقراء خلف الامام

(کتاب القراءۃ للبیھقی ص۱۷۵)

حضرت بلال رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے حکم دیا کہ میں امام کے پیچھے قرات نہ کروں۔

(حدیث اور اھل حدیث ص ۳۲۰)

الجواب: اولاً امام بیہقی نے امام حاکم سے نقل کیا ہے کہ

هذا باطل والثوری تبرأ الی عزوجل منه، یہ حدیث باطل ہے اور امام سفیان ثوری اللہ تعالیٰ کے ہاں اس سے بری الذمہ ہیں۔

(کتاب القراءۃ ص۱۷٦ وکنز العمال ص۱۳۵ج۸ رقم الحدیث ۲۲۹٤۱) مطبوعه النشرالسنه ملتان)

اسکی سند میں، اسماعیل بن الفضل، راوی کذاب ہے جیسا کہ علامہ سیوطی نے، ذیل الموضوعات میں اور ابن عراق نے (مقدمه تنزیحة الشریعه ص۳۹) میں لکھا ہے، نیز دیکھئے۔ (قانون الموضوعات ص۲٤۱)

ثانیا: دوسرا راوی اس میں، الاعمش ہے، امام نسائی، اور کرابیسی نے اسے مدلس قرار دیا ہے (طبقات المدلسین ص۳۳) اور یہاں تحدیث کی صراحت نہیں بلکہ صیغہ عن سے روایت مروی ہے،

ثالثاً: سیدنا بلال رضی اللہ عنہ سے نقل کرنے والا راوی، عبدالرحمٰن بن ابی لیلی ہیں اور ان کا سیدنا بلالؓ سے سماع نہیں ہوا، جو اس کا مدعی ہے وہ دلیل بیان کرے، کیونکہ، عبدالرحمٰن، خلافت فاروقی کے آخری چھ سال سے پہلے ۱۷ھ میں مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے (مراسیل ابن ابی حاتم ص۱۲۷) اور اسی سال سیدنا بلالؓ کی وفات شام میں ہوتی ہے، یہی وجہ ہے کہ محمد بن اسحاق فرماتے ہیں کہ عبدالرحمٰن کا سیدنا بلال سے سماع ثابت نہیں، (بحواله نصب الرایه ص۲٦۷ج۱)

امام شافعی اور امام بیہقی نے بھی سماع سے انکار کیا ہے (معرفة السنن ص۲۰٦۸ج۱) الغرض یہ روایت منقطع ہے، جس روایت میں ایک راوی کذاب ہو، تدلیس کا پہلو بھی موجود ہو اور سلسلہ سند بھی منقطع ہو، اس کے باطل ہونے میں کیا کلام ہوسکتا ہے،

(۴۸) عن ابی هریرة قال قال رسول اللہ ﷺ ما کان من صلاة یجهر فیها الامام بالقراء

ۃ فلیس لاحد ان یقراء معہ۔(کتاب القراء ۃ ص ۱۲۲)

سیدنا ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نماز میں امام جہر سے قرات کرتا ہو اس میں کسی کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ امام کے ساتھ قرأت کرے،

(حدیث اور اھل حدیث ص ۳۲۱)

الجواب اولاً: یہ روایت منکر وشاذ ہے امام بیہقی فرماتے ہیں۔

هذه رواية منكرة لم اجدها فيما جمع من هذه الاخبار...... غير ان النفس نافرة عن هذه الرواية لشذو ذها عن الروايات الصحيحة عن ابى هريرة۔

یعنی یہ روایت منکر ہے، میں نے مجموعہ اخبار میں اسے کہیں نہیں پایا اورطبیعت بھی اس روایت سے نفرت کرتی ہے کیونکہ سیدنا ابو ہریرہؓ کی صحیح احادیث کے خلاف ہونے کی وجہ سے شاذ ہے،

(کتاب القراء ۃ ص ۱۲۲)

اسکی سند میں احمد بن سلیمان النجاد راوی ہے، حافظ ابن حجر فرماتے ہیں

قال الدار قطنى حدث من كتاب غيره بمالم يكن فى اصوله قال الخطيب كان قد عمى فى الا خر فلعل بعض الطلبه قرأ عليه ذلك،

امام دارقطنی فرماتے ہیں، غیر کی کتاب سے ایسی حدیثیں بیان کر جاتے ہیں جو ان کے اصول میں نہیں ہوتی تھیں، خطیب کہتے ہیں وہ آخری عمر میں نابینا ہو گئے تھے غالباً ایسی روایات ان کے بعض طلبہ نے ان پر پڑھی ہوں (لسان المیزان ص ۱۸۰ ج ۱)

علامہ ابن عراق حافظ ذہبی سے نقل کرتے ہیں کہ

فى سنده ابو بكر النجاد وقدعمى بآخره وجوز الخطيب ان يكون ادخل عليه شئ فيحتمل ان يكون هذا ممادخل عليه۔

اسکی سند میں ابو بکر (احمد بن سلیمان) النجاد ہے جو آخری عمر میں بینائی سے محروم ہو گئے تھے اور خطیب نے اس پر کچھ روایات داخل کرنے کا خیال ظاہر کیا ہے پس احتمال ہے کہ یہ روایت ایسی ہو جو کسی نے اسکی روایات میں داخل کردی ہو۔

(تنزیۃ الشریعۃ ص ۱۵۰ ج ۲)

سیوطی نے، (اللالی المصنوعه ص ۱۱۰ ج ۲) میں ابو بکر احمد بن سلیمان النجاد کے واسطہ سے ایک روایت ذکر کے لکھاہے اس کے راوی ثقہ ہیں مگر روایت موضوع ہے، یہ ملحوظ رہے کہ بعض دفعہ سند صحیح ہوتی ہے مگر متن موضوع ہوتاہے علامہ سیوطی فرماتے ہیں کہ

وكثيراً ما يكون الحديث ضعيفا او واهياو الاسناد صحيح۔

اور کتنی ہی روایات ضعیف اور واہی ہیں جن کی سند صحیح ہے ،(تدریب الراوی ص۱٤۸ ج۱)
اس کے بعد حافظ سیوطی نے ، تاریخ ابن عساکر، سے ایک مثال بھی پیش کی ہے کہ سند صحیح ہے لیکن متن وضعی ہے، ایسا ہی یہاں ہے کہ اسکی سند صحیح ہے مگر متن وضعی ہے، کہ ابو بکر النجاد کے کسی کاذب شاگرد نے ان پر پڑھ دی ہو، جسے بعد میں انہوں نے بیان کردیا، لہذا سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی متواتر احادیث کے بالمقابل اس کی حیثیت ہی کیا ہے۔

ثانیاً: اس کے راوی سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں، جو امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنے کے قائل تھے نماز سری ہو خواہ جہری ہوا، (تفصیل فصل اول میں گزرچکی ہے) اور حنفیہ کا معروف قاعدہ ہے کہ راوی اپنی روایت کے خلاف عمل کرے تو اعتبار راوی کے عمل کا ہوگا۔روایت کا نہیں،

ثالثاً: زیادہ سے زیادہ اس روایت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جہری نمازوں میں بوقت قرات مقتدی قرات نہ کرے، الفاظ (فلیس لاحد ان یقرا معه) کسی کے لیے لائق نہیں کہ امام کے ساتھ قرات کرے، لہذا اگر سکتات میں قراءت کرے تو اس روایت کے منافی نہیں ہے،

رابعاً : امام بیہقی فرماتے ہیں کہ اگر یہ روایت صحیح ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ امام کے ساتھ جہراً نہ پڑھے، یا امام کے ساتھ سورہ فاتحہ سے اگلی قراءت نہ کرے۔(کتاب القراۃ ص۱۲۲)

(۴۹) عن ابی هریرة (رضی اللہ عنہ) قال قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم كل صلاة لا يقرأ فيها بام الكتاب فهي خداج الاصلاة خلف امام۔

(کتاب للبیهقی ص۱۷۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر وہ نماز جس میں سورہ فاتحہ نہ پڑھی جائے وہ ناقص ہوتی ہے سوائے اس نماز کے جو امام کے پیچھے پڑھی جائے۔

(حدیث اور اهل حدیث ص۳۲۱)

الجواب : امام بیہقی نے آگے ہی لکھا ہے کہ اس روایت کی سند میں عبدالرحمٰن بن اسحاق راوی ہے، جسے امام یحییٰ بن معین نے ضعیف اور امام احمد نے منکر الحدیث کہاہے پھر یہ روایت سیدنا ابو ہریرہ کی روایت کے خلافت ہے، اور سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا فاتحہ خلف الامام کے متعلق فتویٰ معروف ہے امام ابو بکر فرماتے ہیں کہ یہ روایت مقلوب ہے ،(کتاب القراۃ للبیهقی ص۱۷۱)

عبدالرحمٰن کے متعلق امام حاکم فرماتے ہیں کہ اسکی روایت لکھی جائے مگر احتجاج نہ کیا جائے، امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب وہ ثقات کی مخالفت کرے تو اس کے حافظہ پر اعتماد نہ کیا جائے، امام دارقطنی ضعیف کہتے ہیں۔ حاکم اور عبدالحق کہتے ہیں قابل احتجاج نہیں، ابن عدی فرماتے ہیں اسکی بعض

روایات منکر ہیں جس میں اس کی کسی نے بھی متابعت نہیں کی، سعدی کہتے ہیں حدیث میں اسکی تعریف نہیں ہوئی۔

(تھذیب ص۱۳۸ج۶و۱۳۹ میزان ص۵۴۸ج۲)

الغرض یہ روایت قابل احتجاج نہیں

ثانیاً: اس روایت میں، الاصلاۃ خلف امام کا جملہ مدرج ہے دیوبندیوں کے خاتم الحفاظ سید انور صاحب کاشمیری فرماتے ہیں۔

فالاسناد حسن والزیادۃ مدرجۃ، یعنی اسکی سند تو حسن ہے مگر یہ زیادت مدرج ہے۔

(فصل الخطاب ص۲۰۵۳)

(۵۰) عن الشعبی قال قال رسول اللہ ﷺ لاقراء ۃ خلف الامام،

(دارقطنی ص۳۲۰)

امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا امام کے پیچھے قراء ت جائز نہیں (حدیث اور اھل حدیث ص۳۲۱)

الجواب اولاً: یہ روایت، دارقطنی، کے مذکورہ صفحہ میں قطعاً نہیں، معلوم نہیں انوار صاحب نے کس رسالے سے نقل کر کے نام دارقطنی کا لکھ دیا ہے۔

ثانیاً: یہ روایت قابل احتجاج نہیں، امام شعبی کبار اتباع تابعین سے ہیں امام مالک اور امام سفیان ثوری کے ہم عصر ہیں، تو ان کی بیان کردہ روایت مرسل سے بھی گئی گزری (معضل) ہے لہذا حجت نہیں۔

مقلد انوار صاحب یہ روایت دارقطنی کے صفحہ ۳۳۰ پر ہے اور امام شعبی سے روایت کرنے والا راوی محمد بن سالم، ضعیف ہے (تقریب ص۲۹۸) امام مسلم اور نسائی نے متروک الحدیث قرار دیا ہے (الضعفاء والمتروکین رقم الترجمہ ۵۱۵ والکنی ص۴۹) ابن حبان فرماتے ہیں کہ اسناد الٹ پلٹ دیتا تھا اور ثقات سے ایسی روایات نقل کرتا ہے جو ان کی مرویات سے نہیں (المجروحین ص۲۷۲ ج۲ میں) الغرض یہ روایت باطل ہے۔

(۵۱) عن ابن عباس قال لما مرض رسول اللہ ﷺ مرضہ الذی مات فیہ کان فی بیت عائشۃ فقال ادعوا لی علیا قالت عائشۃ ندعوالك ابابکر قال ادعوہ قالت حفصۃ یا رسول اللہ ندعوالك عمر قال ادعوہ قالت ام الفضل یارسول اللہ ندعوالك العباس قال نعم، فلما اجمعوا رفع رسول اللہ ﷺ راسہ فنظر فسکت فقال عمر قوموا عن رسول اللہ ﷺ ثم جاء بلال یؤذنہ بالصلوٰۃ فقال مروا ابابکر فلیصل بالناس فقالت عائشۃ یا رسول اللہ ان ابا بکر رجل رقیق حصر ومتی لایرٰك یبکی والناس یبکون فلوامرت عمر یصلی بالناس فخرج ابو بکر فصلی بالناس فوجد رسول اللہ ﷺ من نفسہ خفۃ فخرج یھادی بین رجلین ورجلاہ

تخطان فی الارض فلما رآہ الناس سبحوا بِاَبِی بکر فذھب لیتأ خر فاومی الیہ النبیﷺ ای مکانک فجاء رسول اللہﷺ فجلس عن یمینہ وقام ابو بکر وکان ابو بکر یأتم بالنبیﷺ والناس یأتمون بابی بکر قال ابن عباس واخذ رسول اللہﷺ من القراء ۃ من حیثُ کان بلغ ابو بکر، الحدیث۔

(ابن ماجہ ص۸۸ وطحاوی ص۲۷۶ ج۱ ومسند احمد ص۲۳۲ ج۱ ودار قطنی ص۳۹۸ ج)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب آپ مرض وفات میں مبتلا ہوئے تو آپ حضرت عائشہ کے گھر میں تھے، آپ نے فرمایا علی رضی اللہ عنہ کو بلاؤ، حضرت عائشہ بولیں کہ ابو بکر کو بلا دیں؟ آپ نے فرمایا بلا دو، حضرت حفصہ بولیں یا رسول اللہ عمر، رضی اللہ عنہ کو بھی بلالیں، آپ نے فرمایا بلا لو، حضرت ام فضل بولیں یا رسول اللہ عباس کو بھی بلا لیں، آپ نے فرمایا ہاں، جب یہ سب حضرات جمع ہوگئے تو آپ نے اپنا سر مبارک اٹھا کر دیکھا اور خاموش ہوگئے حضرت عمرؓ کہنے لگے اس وقت آپ کے پاس سے اٹھ جاؤ، پھر حضرت بلالؓ نے آکر آپ کو نماز کی اطلاع کی، آپ نے فرمایا ابو بکر سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں، حضرت عائشہ بولیں یا رسول اللہ ابو بکر بہت نرم دل ہیں جب آپ کو نہیں دیکھیں گے تو رونے لگیں گے، اور لوگ بھی رو دیں گے، اگر عمرؓ کو نماز پڑھانے کا حکم دیں تو اچھا ہو، لیکن حضرت ابو بکر تشریف لائے اور لوگوں کو نماز پڑھانے لگے، رسول اللہ ﷺ نے تکلیف میں کچھ تخفیف محسوس کی تو آپ دو آدمیوں کے سہارے مسجد میں اس حال میں تشریف لائے کہ آپ کے پاؤں سے زمین میں لکیریں پڑ رہی تھیں جب لوگوں نے آپ کو دیکھا تو (حضرت ابو بکرؓ کو متنبہ کرنے کے لئے) سبحان اللہ کہا حضرت ابو بکر پیچھے ہٹنے لگے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں اشارہ کیا کہ اپنی جگہ پر ہی ٹھہرو، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت ابو بکر کے پاس پہنچے اور آپ کے دائیں جانب بیٹھ گئے، حضرت ابو بکر کھڑے ہوکر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اقتداء کرنے لگے اور لوگ حضرت ابو بکرؓ کی اقتداء کرنے لگے۔

حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ رسول ﷺ نے قرأت اسی جگہ سے شروع فرمائی جس جگہ حضرت ابو بکر پہنچے تھے۔

(حدیث اور اہل حدیث ص۳۲۱ تا ۳۲۴)

الجواب اولاً: اسکی سند میں ابو اسحاق راوی ہے اور روایت نمبر ۲۸ کے جواب میں ہم ثابت کر چکے ہیں کہ ابو اسحاق مدلس ہے،

علامہ سندھی حنفی مرحوم نے مذکورہ روایت پر حاشیہ لکھا ہے کہ

وفی الزوائد اسنادہ صحیح ورجالہ ثقات الاان اباسحاق اختلط بآخر عمرہ وکان مدلسا وقدرواہ بالعنعنۃ وقد قال البخاری لایذ کرلابی اسحاق سماعا من ارقم بن

شراجیل،

یعنی علامہ بوصری کے زوائد میں ہے کہ اس کے راوی ثقہ اور سند صحیح ہے مگر ابو اسحاق کو آخری عمر میں اختلاط ہو گیا تھا اور موصوف تدلیس کرتے تھے اور اسے معنعن روایت کیا ہے امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ابو اسحاق کا ارقم بن شراجیل سے سماع ذکر نہیں ہوا۔

(حاشیه ابن ماجه ص۳۷۳ ج۱)

الغرض یہ روایت معنعن ہے لہذا ضعیف اور نا قابل حجت ہے،

ثانیاً: علامہ سندھی کے مذکورہ کلام سے یہ بھی ثابت ہو کہ ابو اسحاق مختلط بھی تھے، علامہ برہان الدین حلبی نے، (الاغتباط ص۲۷۳) میں، ابن الکیال نے، (الکواکب النیرات ص ۳٤۱) میں حافظ ابن الصلاح، (مقدمه ابن الصلاح مع التقیید والایضاح ص٤۲٤) میں نووی نے (مقدمه صحیح مسلم ص۱۸) میں حافظ سخاوی نے (القول البدیع ص ۱۰٤) میں ابو اسحاق کے اختلاط کی صراحت کی ہے حافظ ابن حجر فرماتے ہیں۔ اختلط باخره (تقریب ص ۲٦۱) مقدمه فتح الباری ص ٤۳۱ و ٤٦۳) میں بھی ابو اسحاق کو مختلط قرار دیا ہے، امام ابو حاتم فرماتے ہیں ابو اسحاق باخرة اختلط فکل من سمع منه باخرة فلیس سماعه باجود مایکون۔

یعنی ابو اسحاق کو آخر میں اختلاط ہو گیا تھا پس جس نے بھی آخر میں سنا ہے اس کا سماع اچھا نہیں ہے (علل الحدیث ص۱۰۳ ج۱) جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ ابو اسحاق مختلط ہیں تو اب سنئے کہ ابو اسحاق سے مذکورہ روایت نقل کرنے والے، زکریا اور اسرائیل ہیں۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اسرائیل نے ابو اسحاق سے آخری عمر میں سنا تھا اور وہ ابو اسحاق کی روایت میں کمزور ہے (میزان ص۷۳ ج۲) امام ابن معین فرماتے ہیں کہ اسرائیل، زکریا، اور زہیر کی روایات ابو اسحاق سے تقریباً ایک جیسی ہیں ابو اسحاق کے تلامذہ تو سفیان اور شعبہ ہیں (میزان ص۲۰۹ ج۱) مولانا سرفراز خان صفدر فرماتے ہیں۔ زہیر اگرچہ ثقہ تھے لیکن محدثین نے اسکی تصریح کی ہے کہ ان کی وہ حدیث جو ابو اسحاق کے طریق سے ہوگی وہ ضعیف ہے (گل دسته توحید ص۱٤۱ مطبوعه مکتبه صفدریه ۱۹۹۳ء) اوپر امام ابن معین کا قول نقل کیا جا چکا ہے کہ زہیر اور اسرائیل اور زکریا کی روایات ایک جیسی ہیں، جس سے لازم آتا ہے کہ یہ روایت دیوبندی خراد پر بھی ضعیف ہے واضح رہے کہ زکریا وغیرہ کی جو روایات صحیحین میں ہیں ان کے ثقہ متابع موجود ہیں تفصیل کے لیے (توضیح الکلام ص٤۲٤ ج۲) کی مراجعت کریں، جبکہ زیر بحث روایت بخاری و مسلم کے خلاف ہونے کے علاوہ ان کا کوئی متابع موجود نہیں۔

ثالثاً: ابو اسحاق کی اس روایت میں اختلاف ہے، (مسند احمد ص۲۳۱ و ۲۳۲ و ۳۵٦ جلد اول میں ہے، فجلس الی جنب ابی بکر عن یساره،، نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کے

بائیں جانب بیٹھ گئے، جبکہ ابن ماجہ ص۸۸ میں ہے، فجلس عن یمینہ، کہ نبی مکرم ﷺ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کے دائیں جانب بیٹھ گئے، جس سے ثابت ہوا کہ اسے بیان کرنے میں ابو اسحاق اختلاط کا شکار ہوئے ہیں، جس طرح متن میں اضطراب ہے اسی طرح سند میں بھی اختلاط کا شکار ہوئے ہیں، کبھی ارقم بن شراجیل عبداللہ بن عباس سے نقل کرتے ہیں اور کبھی عباس سے روایت کرتے ہیں (گو ابن عباس کی بوجہ تدلیس واختلاط ابو اسحاق ضعیف ہے اور عباس بن عبدالمطلب کی قیس بن ربیع کی بنا پر ضعیف ہے) الغرض یہ روایت بوجہ اضطراب بھی ضعیف ہے۔

رابعاً: یہ روایت صحیح بخاری ومسلم کی متفق علیہ کے خلاف ہے جس میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی مکرم ﷺ ظہر کی نماز کے لیے تشریف لائے تھے، بخاری کتاب الاذان باب انما جعل الامام لیؤتم به، الحدیث ۲۸۷) ومسلم کتاب الصلاة باب الامام اذا عرض له عذر...... الحدیث ۹۳۶)

ظاہر ہے کہ ظہر کی نماز میں ایسا ممکن نہیں کہ لوگوں کو سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی قرات کا پتا لگتا کہ یہاں تک پہنچی ہے اور پھر اسی جگہ سے رسول اللہ ﷺ نے شروع کی ہے، الغرض یہ روایت صحیح حدیث کے بھی خلاف ہے، کیونکہ ابن عباس کی روایت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ یہ کوئی جہری نماز تھی، امام طحاوی حنفی فرماتے ہیں۔

لان تلك الصلاة كانت يجهر فيها بالقراة ولولا ذلك لما علم رسول الله ﷺ الموضع الذى انتهى اليه ابو بكر من القراة ولا علمه من حلف ابى بكر۔

یعنی یہ وہ نماز تھی جس میں قراۃ بلند آواز سے ہوتی ہے، کیونکہ اگر ایسا نہ ہوتا تو رسول مکرم ﷺ ابو بکر رضی اللہ عنہ کی منتہائے قرات کا پتا نہ چلتا اور نہ ہی انہیں علم ہوتا جو سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پیچھے تھے۔ (شرح معانی الاثار ص۲۷۸ ج۱ باب صلوة الصحیح خلف المریض)

خامساً: اس حدیث میں کئی امور ایسے ہیں جو نبی مکرم ﷺ کے ساتھ خاص ہیں اور بالاتفاق کسی اور کے لیے جائز نہیں، امام طحاوی حنفی امام محمد سے نقل کرتے ہیں کہ امام محمد فرماتے ہیں کہ امام مریض ہو اور بیٹھ کر نماز پڑھا رہا ہو تو اس کی اقتداء جائز نہیں خواہ امام رکوع وسجدہ بھی کرے، اور نبی مکرم ﷺ نے اپنی بیماری کے ایام میں جو بیٹھ کر نماز پڑھائی اور صحابہ کرام پیچھے کھڑے ہو کر اقتدا کر رہے تھے تو یہ آپ علیہ التحیہ والسلام کے ساتھ مخصوص ہے کیونکہ اس میں آپ نے ایسے کام کیے ہیں جو آپ ﷺ کے بعد کسی کے لیے جائز نہیں ایک تو یہ کہ آپ علیہ السلام نے قرات وہاں سے شروع کی جہاں سے ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ختم کی تھی دوسرا یہ کہ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ ایک ہی نماز میں پہلے امام تھے پھر مقتدی اور یہ بھی بالاتفاق کسی کے لیے جائز نہیں تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس میں کچھ ایسے امور ہیں جو آپ ﷺ کے بعد کسی کے لیے جائز نہیں،

(شرح معانی الاثار ص۲۷۸ ج۱ باب صلوة الصحیح خلف المریض)

امام طحاوی کی اس عبارت سے واضح ہے کہ مرض الموت کی اس نماز میں چند باتیں ایسی ہیں جو نبی مکرم ﷺ سے ہی خاص ہیں۔ اس آخری نماز سے ثابت ہوتا ہے کہ افضل کے آنے پر مفعول پیچھے ہٹ کر مقتدی بن جائے اور افضل وہاں سے ہی قرات شروع کر دیں جہاں سے مفعول نے ختم کی تھی مگر یہ بالاتفاق جائز نہیں، مولانا ظفر احمد تھانوی نے تو علامہ ابن عبدالبر کے حوالے سے اجماع کا دعویٰ بھی کیا ہے کہ یہ آپ علیہ السلام سے مخصوص ہے،

(اعلاالسنن ص٦٧٥ ج٤)

سادساً: انوار خورشید صاحب نے جو روایت نقل کی ہے اس میں یہی ذکر ہے کہ آپ نے وہاں سے قرات شروع کی جہاں پر ابو بکرؓ نے ختم کی تھی، جس سے لازم آتا ہے کہ تکبیر تحریمہ نہیں کہی تھی، حالانکہ یہ حنفیہ کے نزدیک بھی فرض ہے اگر یہ کہا جائے کہ تکبیر تمریمہ تو کہی ہوگی، تو ہم کہتے ہیں فاتحہ بھی پڑھی ہوگئی، دلیل وہی آپ والی۔

سابعاً: ابن عباسؓ کی مذکورہ روایت اس بات کی دلیل ہے کہ نبی مکرم ﷺ امامت کے ارادہ سے تشریف لائے تھے، روایت میں اس بات کی صراحت ہے کہ آپ علیہ السلام سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کے بائیں جانب بیٹھے تھے، اگر مقتدی کی نیت سے تشریف لاتے تو پہلے دائیں جانب بیٹھتے امام طحاوی فرماتے ہیں۔

اس نماز کے افعال اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ آپ امام تھے کیونکہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے کہ آپ علیہ السلام سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کی بائیں جانب بیٹھے تھے، اور یہ امام کی جگہ ہے اگر ابو بکرؓ امام ہوتے تو نبی علیہ السلام دائیں جانب بیٹھتے، پس جب آپ بائیں جانب بیٹھے اور ابو بکرؓ دائیں جانب تھے تو یہ دلیل ہے کہ نبی مکرم ﷺ ہی امام تھے اور ابو بکر مقتدی تھے (شرح معانی الاثار ص٢٧٨ ج١)

حب یہ بات ثبوت کو پہنچ گئی کہ آپ ﷺ امام تھے، اور امام پر سورہ فاتحہ تو حنفیہ کے نزدیک بھی واجب ہے جیسے منفرد پر واجب ہے لہذا یہ آپ کی دلیل نہیں۔

رسول مکرم ﷺ پر افترا

مقلد انوار خورشید صاحب فرماتے ہیں، مسند احمد کی روایت کے مطابق حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی تشریف آوری کے وقت حضرت ابو بکرؓ سورۃ فاتحہ کے بعد سورۃ شروع کر چکے تھے اس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ نماز بغیر فاتحہ کے پڑھائی

(حدیث اور اهل حدیث ص٣٤٥)

یہ تمام قصہ جھوٹا اور نبی مکرم ﷺ پر افترا ہے مقلد انوار خورشید کیا پوری دنیا کی حنفیت جمع ہو جائے تو یہ ثابت نہیں کر سکتی کہ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سورۃ فاتحہ کو ختم کر کے اگلی سورت شروع کر چکے تھے، اور نبی مکرم ﷺ نے اگلی سورت سے ہی قرات شروع کی تھی، یہ انوار خورشید کا نبی مکرم ﷺ پر بہتان اور افترا ہے، یقین جانیئے کہ اگر کوئی وضعی اور من گھڑت روایت بھی ایسی ہوتی تو مولانا سرفراز خان صاحب صفدر شیخ الحدیث مدرسہ نصرۃ العلوم یہ نہ لکھتے۔

سورہ فاتحہ اگر مکمل نہ ہوئی ہوگی تو اس کا اکثر حصہ تو یقیناً پڑھا جاچکا ہوگا،

(احسن الکلام ص ۱۰۵ ج ۱ طبع چہارم ۱۹۹۲ء)

ہوگی، جا چکا ہو گا، کے الفاظ پر غور کریں، اگر کسی حدیث میں یہ الفاظ تھے کہ سورہ فاتحہ کے بعد سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ اگلی سورت شروع کر چکے تھے اور رسول مکرم ﷺ نے اگلی سورت سے ہی قرات شروع کردی تھی تو دیوبندیوں کے شیخ الحدیث صاحب ہوگی، ہو گا، سے کام نہ چلاتے، انوار صاحب ہمارا برادرانہ مشورہ ہے کہ اس سے توبہ کر لیں، آپ حنفیت کی خدمت کرتے کرتے نبی مکرم ﷺ پر افترا کرکے اپنے لیے جہنم تیار نہ کریں، آپ ہم سے اختلاف کا حق رکھتے ہیں، لیکن نبی مکرم ﷺ کی طرف جھوٹی بات منسوب کرنے کی آپ کو قطعاً اجازت نہیں جب تک دنیا میں اہل حدیث زندہ ہیں تب تک کوئی کاذب مفتری اور دجال وکذاب روایت وضع کرکے اپنے آپ کو محفوظ نہ سمجھے ہم بفضلہ تعالیٰ محدثین کے مقدس گروہ کی امین جماعت ہیں ہم اپنی ذات کے متعلق تو سب کچھ برداشت کر سکتے ہیں لیکن اپنے پیارے آقا ومولیٰ سیدی نبی مکرم ﷺ (فداہ ابی وامی وجسدی و کل ماعندی) پر افترا نہیں سہہ سکتے، مفتری خواہ کتنا ہی با اثر اور عالم وفاضل اور محقق زماں کیوں نہ ہو اسے درایت کے میزان پر رکھ کر بغیر کسی مصلحت کے اسے متروک وکذاب اور خائن قرار دیں گے۔

۵۲، ۵۳، ۵۴: ان نمبروں کے تحت انوار خورشید صاحب نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث نقل کی ہے کہ جب قاری، غیر المغضوب علیھم و لاالضالین، کہتا ہے اور اس کے پیچھے کا مقتدی آمین کہتا ہے الحدیث (مسلم ص ۱۷۶ ج ۱) جب قاری آمین کہے تو تم بھی آمین کہو الحدیث (بخاری ص ۹٤۷ ج ۲) جب امام غیر المغضوب علیھم و لاالضالین، کہے تو تم آمین کہو، الحدیث۔

(نسائی ص ۱۰۷) (حدیث اور اھل حدیث ص ۳۲٤ و ۳٦٥)

وجہ استدلال میں فرماتے ہیں کہ آمین کی احادیث میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے امام کو قاری (قرات کرنے والا) فرمایا نیز آپ نے حکم دیا کہ جب امام غیر المغضوب علیھم و لاالضالین، کہے تو تم آمین کہو اس سے ثابت ہوا کہ قرات فقط امام کا کام ہے مقتدی کا نہیں (حدیث اور اھل حدیث

ص ۳۴۵)

الجواب اولاً: جب قاری، غیر المغضوب علیھم ولاالضالین، کہے تو تم بھی آمین کہو، یہاں لفظ قال (کہے) سے کیا مراد ہے؟ ظاہر ہے کہ بلند آواز سے کہنا مراد ہے،

ایسا ہی، فقال من خلفه آمین (تو مقتدی بھی آمین کہے) بھی بلند آواز سے کہنا ہی مراد ہے، لیجئے جناب آپ فاتحہ کی بجائے، آمین، بالجہر کو بھی قبول کر بیٹھے، اسے کہتے ہیں، روزے معاف کروانے آئے اور نمازیں گلے پڑگئیں،

ثانیا: یہ استدلال دراصل اس غلط فہمی کا نتیجہ ہے کہ اس میں مقتدی اور امام کے معمولات میں تفریق و تقسیم ہے، حالانکہ یہاں فقط مقتدی کو آمین کے وقت سے آگاہ کرنا ہے، اگر امام کا فریضہ صرف قرات اور مقتدی کا آمین کہنا ہے تو پھر یہ حدیث کے خلاف ہے،

اذا امن الامام فامنوا، کہ جب امام آمین کہے تو تم آمین کہو۔

بخاری کتاب الاذان باب جهرالامام بالتامین، الحدیث ۷۸۰) ومسلم کتاب الصلاة باب التسمیع والتحمید والتامین، رقم الحدیث ۹۱۵)

حنفیہ کا بھی یہی مؤقف ہے کہ امام آمین کہے، حالانکہ اگر آپ کے مذکورہ استدلال کو تسلیم کرلیا جائے کہ امام و مقتدی کی علیحدہ علیحدہ ڈیوٹی بتلانا ہے تو یہ حدیث کے بھی خلاف ہے اور حنفیہ کے بھی۔

(۵۵) عن الحسن عن ابی بکرۃ انه انتھی الی النبی ﷺ وھو راکع فرکع قبل ان یصل الی الصف فقال ذادك حرصا ولا تعد۔

(بخاری ص ۱۰۸ ج ۱)

حضرت حسن بصری حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ جب نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس (مسجد نبوی علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام میں) پہنچے تو آپ رکوع میں جاچکے تھے چنانچہ یہ صف میں ملنے سے پہلے ہی رکوع میں چلے گئے (اور آہستہ آہستہ چلتے صف میں مل گئے) آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ تجھے نیکی کرنے پر اور حریص کرے پھر ایسا کرنا،

(حدیث اور اھلحدیث ص ۳۲۵)

الجواب اولاً: آپ کو اعتراف ہے کہ آئندہ ایسا کرنے سے نبی مکرم ﷺ نے منع فرمایا، لہذا آپ وضاحت کریں کہ آپ کا استدلال صحابی کے عمل سے ہے، یا رسول اللہ ﷺ کے فرمان سے ہے؟ ظاہر ہے کہ آپ کا استدلال صحابی کے عمل سے ہے مکرم غور کیجئے کہ جس فعل سے نبی علیہ السلام منع کررہے ہیں اس سے آپ استدلال کررہے ہیں۔ باقی رہا آپ کا یہ عذر کہ نماز لوٹانے کا حکم نہیں دیا

(ص ٣٤٦) گزارش ہے کہ ضد اور تعصب اور تقلید ایک طرف رکھ کر ذرا غور کریں کہ حنفیہ کے نزدیک تکبیر تحریمہ کہنا اور تکبیر تحریمہ کے بعد بقدر قرات مفروضہ قیام فرض ہے۔

(السعایہ ص ١١٠ ج ٢) اگر آپ کہہ دیں کہ تکبیر تحریمہ اور قیام بقدر قراتِ مفروضہ بھی کیا ہوگا۔تو ہم کہتے ہیں کہ نبی مکرم نے صحابی کو یہ بھی کہا تھا،

صل ماادرکت واقض ماسبقك، کہ جتنا حصہ پالیا وہ پڑھ اور جو رہ گیا وہ پورا کر،

(فتح الباری ص٢١٣ ج ٢)

لہذا ثابت ہوا کہ صحابی نے اس رکعت کو بھی شمار نہ کیا ہوگا، دلیل وہی آپ والی، اگر آپ کا، ہوگا، درست ہے تو ہمارا، ہوگا، کیوں غلط ہے؟ دلیل بیان کریں۔

ثانیاً: طبرانی اور طحاوی کی روایت میں ہے کہ سیدنا ابوبکرہ رضی اللہ عنہ مسجد میں داخل ہوئے تو رکوع کی حالت میں ہی چلتے ہوئے صف میں شامل ہوئے (بحواله فتح الباری ص٢١٣ ج ٢)

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر رکوع کی حالت میں اس طرح چلتے ہوئے صف میں مل جائے تو رکعت ہو جائے گی (عمدة القاری ص٥٥ ج٦)

مگر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مؤقف اس کے برعکس ہے کہ اگر تین یا اس سے زیادہ قدم چلے تو نماز باطل ہو جائے گی، عالم گیری میں ہے'' **ولو کان مقدار صفین ان مشی دفعة واحدة فسدت الصلاة**، یعنی اگر دو صف کی مقدار ایک ہی دفعہ چلا تو نماز فاسد ہو جائے گی، (فتاوی عالم گیری ص١٠٣ ج ١) مولانا تھانوی فرماتے ہیں۔ اگر قبلہ کی طرف ایک آدھ قدم آگے بڑھ گئی یا پیچھے ہٹ آئی لیکن سینہ قبلہ کی طرف سے نہیں پھرا تو نماز درست ہوگئی لیکن اگر سجدہ کی جگہ سے آگے بڑھ جائے گی تو نماز نہ ہوگئی، (بہشتی زیور ص٢٢ حص دوم) مگر سیدنا ابوبکرہ رضی اللہ عنہ تو مسجد میں داخل ہوتے ہی رکوع میں چلے گئے تھے **فما کان جوابکم فهو جوابنا**۔

(٥٧،٥٦) ان نمبروں کے تحت محترم انوار خورشید صاحب نے سیدنا انس رضی اللہ عنہ اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی احادیث نقل کی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرأة **الحمد لله رب العلمين**، سے شروع کرتے تھے (٣٢٦) وجہ استدلال میں فرماتے ہیں کہ معلوم ہوا کہ سورہ فاتحہ قرأت میں شامل ہے، اور مقتدی کو قرأت سے منع کیا گیا ہے اس کا مطلب ہے کہ مقتدی نہ سورہ فاتحہ پڑھے اور نہ ہی کوئی دوسری سورت ملخصا (حدیث اور اهل حدیث ٣٤٧)

الجواب اولاً: یہ استدلال دو چیزوں پر مبنی ہے (ا) قرأت کی ممانعت (٢) اور سورہ فاتحہ قرأت ہے، مگر ہم گزشتہ صفحات میں ثابت کر آئے ہیں کہ ممانعت قرأت کی جملہ روایات شاذ و منکر ہیں اور بعض تو موضوع تک ہیں لہذا پہلے کسی صحیح حدیث سے مقتدی کا قرأت نہ کرنا ثابت کریں،

ثانیاً: القرأۃ بمعنی حروف وکلمات کوترتیل میں جمع کرنا آتا ہے،(المفردات القرآن ص۴۰۲)

بخاری سے باب القرأۃ والعرض علی المحدث کا بغور مطالعہ کریں، یہ آپ کے دعوٰی کی تردید کے لیے کافی ہے کہ قرأۃ فقط تلاوت قرآن کو ہی کہتے ہیں،

ثالثاً: کس نے کہا تھا کہ سورہ فاتحہ کی تلاوت کو قرأۃ سے تعبیر نہیں کیا جاسکتا بات کو خلط ملط نہ کریں، آپ نے جو استدلال کیا ہے، اس کے موافق دلیل یہ دیں کہ قرأۃ فقط سورہ فاتحہ کی تلاوت کو کہتے ہیں اگلی سورۃ کو اگر پڑھا جائے تو وہ قرأۃ نہیں، مگر افسوس کہ آپ دعویٰ اور دلیل کے فرق کو سمجھے بغیر احادیث نقل کرتے ہیں، آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ دلیل عام سے حکم خاص ثابت نہیں ہوتا ہاں البتہ دلیل خاص کی بنا پر حکم عام سے استثنا ہو جایا کرتا ہے، اس بات کو ذہن میں رکھ کر غور کریں کہ اگر آپ کی پیش کردہ روایات، اذا قراء فانصتوا، کو صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے تو تب بھی فصل اول میں بیان کردہ احادیث کی بنا پر فاتحہ اس سے خارج ہے،

(۵۸)عن عبادۃ بن الصامت یبلغ به النبی ﷺ قال لا صلوٰۃ لمن یقرأ بفاتحة الکتاب فصاعداً قال سفیان لمن یصلی وحدہ

(ابو داؤد ص۱۱۹ ج۱)

حضرت عبادہ بن صامتؓ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا اس شخص کی نماز جائز نہیں جو سورہ فاتحہ کے ساتھ مزید کچھ اور نہ پڑھے، حضرت سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ حکم اس شخص کے لیے ہے جو اکیلا نماز پڑھ رہا ہو (ص۳۲۶)

وجہ استدلال میں فرماتے ہیں، اس حدیث کے راوی حضرت سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے ساتھ امام احمد بن حنبلؒ دونوں حضرات صاف طور پر فرمارہے ہیں کہ یہ تنہا نماز پڑھنے والے کے لیے ہے۔

جیسا کہ ابوداؤد اور ترمذی میں موجود ہے، اگر ان دونوں جلیل القدر ہستیوں کے بیان سے صرف نظر کر لیا جائے تب بھی خود اس حدیث میں ایسے شواہد موجود ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ منفرد کے لیے ہے۔

اول یہ کہ اس حدیث میں فصاعداً کا لفظ موجود ہے جس کا مطلب ہے کچھ مزید اس لفظ کے ہوتے ہوئے حدیث کا ترجمہ ہوگا کہ اس شخص کی نماز جائز نہیں جو سورہ فاتحہ کے ساتھ مزید قرأت نہ کرے، اور اس پر اجماع ہے کہ سورہ فاتحہ کے ساتھ مزید قرأت منفرد ہی کرتا ہے، مقتدی نہیں۔

دوم: یہ کہ اس حدیث کے ترجمہ پر غور کیا جائے، حدیث کا ترجمہ یہ ہے کہ، اس شخص کی نماز نہیں جو سورہ فاتحہ کے ساتھ قرأت نہ کرے، یعنی سورہ فاتحہ کے ساتھ دوسری سورہ نہ پڑھے اس سے معلوم ہوا کہ یہ منفرد کے لیے ہے، مقتدی کے لیے نہیں کیونکہ سورہ فاتحہ کے ساتھ دوسری سورۃ پڑھنا منفرد کا کام

ہے، مقتدی کا نہیں۔

(حدیث اور اهل حدیث ص۳۴۷، ۳۴۸)

الجواب اولاً: اول ودوم دونوں عبارات پر غور کریں پہلے اور دوسرے ترجمہ میں کھلا تناقض ہے، پہلے کے مطابق مفہوم یہ بنتا ہے کہ فاتحہ اور اگلی سورۃ کے بغیر نماز جائز نہیں دوسرے کے موافق مفہوم یہ بنتا ہے کہ سورۃ فاتحہ سے اگلی سورۃ کے بغیر نماز جائز نہیں، مگر انوار خورشید صاحب دونوں کا ایک ہی مفہوم بیان کرتے ہیں افسوس انوار صاحب ان پر نمبر تو علیحدہ علیحدہ لگاتے ہیں مگر بات ایک بیان کرنے کا دعویٰ کرتے ہیں، محترم اگر ان سے بات ایک ہی بنتی تھی تو آپ نے ان دونوں کو علیحدہ علیحدہ کیوں بیان کیا ہے۔

ثانیا: فصاعداً: کی زیادتی شاذ ہے، اس روایت کو امام سفیان بن عیینہ نقل کرتے ہیں اور امام سفیان بن عیینہ کی روایت (بخاری ص۱۰۴ ج۱ ومسلم ص۱۶۹ ج۱) میں فصاعداً کے بغیر مروی ہے اور امام ابن عیینہ سے تقریباً ڈیڑھ درجن کے قریب حفاظ شاگرد اس زیادتی کے بغیر نقل کرتے ہیں، ابو داؤد میں ابن عیینہ سے نقل کرنے والے ان کے شاگرد (۱) قتیبہ (۲) ابن سرح ہیں قتیبہ کی روایت بھی دوسری کتابوں میں موجود ہے اور اس میں بھی فصاعداً کے الفاظ نہیں لہذا یہ لفظ اصول حدیث کے مطابق شاذ ہے۔

ثالثاً: اگر اس لفظ کو صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے تو تب بھی اس سے فاتحہ سے زائد کی فرضیت ثابت نہیں ہوتی، علامہ محمد انور شاہ صاحب کاشمیری فرماتے ہیں۔

ثم زعم الاحناف مراد الحديث وجوب الفاتحة ضم السورة ولكنه يخالف اللغة فان ارباب اللغة متفقون على ان ما بعد الفاء يكون غير ضروری وصرح به سيبويه فى الكتاب فى باب الاضافة۔

یعنی احناف نے اس حدیث کے معنی یہ لیے ہیں کہ فاتحہ کے ساتھ سورت بھی واجب ہے، لیکن یہ لغت کے خلاف ہے کیونکہ اہل لغت اس پر متفق ہیں کہ ف، کے بعد غیر ضروری حکم ہوتا ہے اور امام سیبویہ نے الکتاب کے باب الاضافہ میں اس کی صراحت کی ہے۔

(العرف الشذی ص۱۵۰)

اس سے ثابت ہوا کہ انوار صاحب نے جو معنی کیے ہیں وہ قطعاً غلط ہیں۔

رابعاً: آپ نے حدیث کو منفرد کے لیے خاص قرار دیا ہے، بغرض دلیل امام ابن عیینہ اور امام احمد کا قول نقل کیا ہے ہم اس سے فوق اور بزرگ ہستی سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کو پیش کرتے ہیں جو اس حدیث کے راوی ہیں، وہ اس سے امام ومنفرد دونوں مراد لیتے ہیں، فصل اول میں ان کا فتوی صحیح سند سے نقل کیا جا چکا ہے، مولانا سرفراز خاں صفدر صاحب فرماتے ہیں۔

حضرت عبادہ بن الصامت نے صحیح سمجھا یا غلط بہر حال یہ بالکل صحیح بات ہے کہ حضرت عبادہ امام

کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنے کے قائل تھے اور ان کی یہی تحقیق اور یہی مسلک و مذہب تھا،(احسن الکلام ص۱۵٦ج۲)

خلفائے راشدین کے آثار

عن عبدالرزاق عن عبدالرحمن بن زید بن اسلم عن ابیه قال نهی رسول اللهﷺ عن القرأة خلف الامام قال واخبرنی اشیاخنا ان علیا قال من قراء خلف الامام فلا صلاة له قال واخبرنی موسی بن عقبة ان رسول اللهﷺ وابوبکر وعمروعثمان کانوا ینهون عن القرأة خلف الامام۔

(مصنف عبدالرزاق ص۱۳۹ج۲)

امام عبدالرزاق عبدالرحمٰن بن زید سے اور وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہﷺ نے امام کے پیچھے قرأت کرنے سے منع فرمایا ہے عبدالرحمٰن بن زید فرماتے ہیں کہ مجھے بہت سے مشائخ نے خبر دی ہے کہ حضرت علیؓ کا ارشاد ہے کہ جس نے امام کے پیچھے قرأت کی اس کی نماز نہیں ہوئی اور موسیٰ بن عقبہ نے مجھے خبر دی ہے کہ رسول اللہﷺ حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ امام کے پیچھے قرأت کرنے سے منع فرماتے تھے(حدیث اور اهل حدیث ص۳۲۸)

الجواب اولاً:اسے بیان کرنے والا عبدالرحمٰن بن زید، راوی سخت ضعیف ہے،تفصیل مرفوع روایات کے سلسلہ میں نمبر ۱۵ کے تحت گزر چکی ہے۔

ثانیاً: عبدالرحمٰن نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا قول بعض مشائخ سے نقل کیا ہے، یہ مبہم مشائخ کون ہیں، عین ممکن ہے کہ یہ کوئی خبیث العقیدہ اور دجال وکذاب ہوں، بالخصوص جب ہم سیدنا علی کا صحیح سند کے ساتھ فتوٰی اس کے مخالف نقل کر چکے ہیں۔

ثالثاً: خبر نبوی علیہ التحیۃ والسلام اور باقی تینوں خلفاء الراشدین کا فتوٰی عبدالرحمٰن نے، موسیٰ بن عقبہ سے نقل کیا ہے جو پانچویں طبقہ کا راوی ہیں جن کے متعلق حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ ان کا سماع صحابہ کرام سے ثابت نہیں، لہذا یہ روایت منقطع و مرسل ہے اور بوجہ عبدالرحمٰن سلسلہ سند بھی ضعیف ہے۔

رابعاً: انوار خورشید وضاحت کرے جس قدر صحابہ کرام تابعین عظام اور فقہاء ومحدثین امام کے پیچھے فاتحہ پڑھتے تھے۔کیا ان کی نمازیں بے کار اور ردی کے مال میں گئیں، اور جب ان کی نماز ہی قبول نہ ہوئی تو بے نمازی کے متعلق بھی ذرا فتوٰی صادر کر دیں۔

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا فرمان

(۱) عن نافع و انس بن سرین قال قال عمر بن الخطاب تکفیك قراء ة الامام

(مصنف ابن ابی شیبه ص ٣٧٦ ج ١)

امام نافع اور انس بن سرین فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ تمہیں امام کی قرأت کافی ہے،

(حدیث اور اہل حدیث ص ٣٢٨، ٣٢٩)

الجواب اسکی سند میں ایوب بن خوط ابوامیہ البصری راوی ہے، امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں ابن مبارک نے اسے ترک کر دیا تھا، ابن معین فرماتے ہیں اسکی مرویات لکھی ہی نہ جائیں امام نسائی، دار قطنی نے متروک الحدیث کہا ہے، ازدی نے کذاب، عمرو بن علی فرماتے ہیں متروک الحدیث ہے اس کی روایت لکھی نہ جائے کذاب لوگوں میں سے نہ تھا لیکن کثرت سے خطائیں اور وہم کرتا ہے، ابو حاتم فرماتے ہیں ضعیف اور واہی الحدیث ہے اس کی حدیث لکھی ہی نہ جائے۔ امام احمد فرماتے ہیں کہ عیسیٰ بن یونس نے اسے متہم بالکذب کہا ہے، ساجی کہتے ہیں اہل علم کا اسکی روایات کو ترک کرنے پر اتفاق ہے یہ باطل روایات بیان کرتا ہے، عقیدۃ کے لحاظ سے قدری تھا احکام اور غیر احکام میں حجت نہیں، ابن حیان فرماتے ہیں، سخت منکر الحدیث ہے مشاہیر سے مناکیر روایت کرتا ہے، ابن قتیبہ فرماتے ہیں، لا یزال الرجل الخ حدیث اس نے وضع کی تھی،

(تہذیب ص ٣٥٢ ج ١) جس روایت کی سند میں راوی کذاب ہو اس کے من گھڑت اور باطل ہونے میں کیا کلام ہوسکتا ہے،

(۲) عن القاسم بن محمد قال قال عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ لا یقرء خلف الامام جهر اولم یجهر۔

(کتاب القراء ة للبیهقی ص ١٨٤)

حضرت قاسم بن محمد فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ امام کے پیچھے قراءت نہ کی جائے امام جہر سے کرے یا نہ کرے (حدیث اور اہل حدیث ص ٣٢٩)

الجواب اولاً: یہ روایت منکر ہے یا شاذ۔ امام بیہقی نے اسکی پوری سند درج نہیں کی۔ صرف سند کی طرف اشارہ کیا ہے، اور اس میں، محمد بن یزید، راوی ہے جو مؤمل بن اسماعیل سے روایت کرتا ہے، یہ محمد بن یزید کون ہے اس طبقہ کے متعدد راوی کذاب و متروک اور غیر فقیہیں جیسا کہ میزان، لسان

وغیرہ کتب رجال میں ہے۔ پھر سفیان کی تدلیس کا شبہ بھی ہے۔

ثانیاً: امام بیہقی فرماتے ہیں کہ یہ روایت در اصل ابن عمر سے ہے اور مجھے معلوم نہیں کہ کس راوی نے اسے ابن عمر سے عمر میں قصداً بدلا ہے یا وہم سے، جامع سفیان ثوری میں یہ روایت اس طرح ہے۔

اخبرنا ابو عبدالله الحافظ و ابو سعید محمد بن موسیٰ قال ثنا ابو العباس محمد بن یعقوب ثنا اسید بن عاصم ثنا الحسین بن حفص عن سفیان ثنا اسامة عن القاسم بن محمد قال کان ابن عمر لا یقرآ خلف الامام جهر اولم یجهر و کان رجال ائمة یقرؤن وراء الامام هکذا رواه الجماعة عن سفیان الثوری، ور وه هذا الرجل عن ابی سعید باسناده و ترك منه قول القاسم بن محمد و کان رجال آئمة یقراؤن وراء الامام ولیس من الانصاف ان یذکر من اقاویل السلف مایو افق مذهبه و یترك ما یخالفه

یعنی امام قاسم بن محمد فرماتے ہیں کہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ امام کے پیچھے قراءۃ نہ کرتے تھے اور بڑے بڑے آئمہ امام کے پیچھے قراءت کیا کرتے تھے، ایک جماعت حفاظ نے امام سفیان ثوری سے اسی طرح نقل کیا ہے، اور یہ شخص ابوسعید سے (اس کے برعکس) روایت کرتا ہے اور امام قاسم کے قول، اور آئمہ کبار امام کے پیچھے قرائت کرتے تھے، کو چھوڑ دیا ہے اور یہ انصاف نہیں کہ سلف کے اقوال کو جو موافق ہوں نقل کیا جائے اور جو مخالف ہوں اسے چھوڑ دیا جائے۔

(کتاب القراءۃ للبیهقی ص۱۸٤)

یقیناً یہ بد دیانتی کسی حنفی کذاب کی نے ہوگی، جیسے انوار صاحب نے صفحہ ۳۳۳ پھر اور ان کے بزرگ مولانا سرفراز خاں صفدر نے کی ہے کہ مذکورہ اثر ابن عمر رضی اللہ عنہ کو کتاب القراۃ سے نقل کیا ہے،

(احسن الکلام ص ۳۷۱ ج ۱)

مگر اگلے الفاظ کہ بڑے بڑے آئمہ امام کے پیچھے قراءت کرتے تھے، شیر مادر سمجھ کر ہضم کر گئے ہیں۔ مذید افسوس ناک حرکت یہ کہ، (احسن الکلام ص ۱٦۳ ج ۲ طبع چهارم) میں ان الفاظ کو نقل کر کے لکھا کہ

اس کی سند میں اسامہ ہے امام احمد ان کو لیس بشئی کہتے ہیں نسائی لیس بالقوی کہتے ہیں ابو حاتم کہتے ہیں ان سے احتجاج صحیح نہیں امام یحی بن سعید نے ان کو ضعیف سمجھ کر بالآخر مطلقاً ترک کر دیا تھا، امام ابن معین کہتے ہیں کہ ان کی احادیث کا محدثین نے انکار کیا ہے، امام بخاری رحمہ اللہ نے ترک کر دیا تھا (انتہی بلفظہ،)

غور کریں ایک مقام پر اسے صحیح جان کر استدلال کیا ہے تو دوسری جگہ خوب رد کر دیا ہے، انوار خورشید صاحب اگر امام بیہقی کے قول پر اعتماد نہیں کرتے تو نہ کریں مگر اپنے شیخ الحدیث کی تحقیق پر تو اعتماد کریں، واضح

رہے اسامہ بن زید ثقہ ہے، تفصیل کے لیے، (دین الحق ص١٥٤ج١) کی مراجعت کریں۔

ثالثاً: ابن عمر رضی اللہ عنہ کے قول کی تفصیل آگے آرہی ہے،

(۳)اخبرنا محمد بن عجلان ان عمر بن الخطاب قال لیت فی فم الذی یقراء خلف الامام

(موطا امام محمد ص٩٨)

محمد بن عجلان سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب نے فرمایا کہ کاش کہ جو شخص امام کے پیچھے قرأت کرتا ہے اس کے منہ میں پتھر ڈال دیئے جائیں (حدیث اور اھل حدیث ص٣٢٩)

الجواب اولاً: اسکی سند میں ابن عجلان راوی ہے، جو سیئی الحفظ کے علاوہ مدلس بھی ہے، تفصیل روایت نمبر۱۰ میں گزر چکی ہے،

ثانیاً: ابن عجلان صغار تابعین سے ہے جن کا سماع حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ وغیرہ کبار صحابہ کرام سے ثابت نہیں ہے۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا فرمان

(۱)عن عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ قال قال علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ من قرأخلف الامام فقد اخطاء الفطرة،

(دارقطنی ص٣٣٢ج١ وابن ابی شیبه ص٣٧٦ج١)

حضرت عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ فرماتے ہیں کہ حضرت علی نے فرمایا جس نے امام کے پیچھے قرأت کی اس نے فطرت کو کھو دیا (حدیث اور اھل حدیث ص٣٢٩)

الجواب اولاً: اسکی سند میں محمد بن سلیمان راوی ہے، جو مضطرب الحدیث ہے، اسکی متعدد روایات میں اضطراب پایا جاتا ہے، امام ابن عدی نے جہاں اسکی روایات میں اضطراب ثابت کیا ہے وہاں ہی زیر بحث روایت کا بھی ذکر کیا ہے (الکامل ص۲۲۳۲ج۲) علامہ ذھبی نے بھی (میزان ص۳۶۹ج۳) میں یہ روایت ذکر کر کے اس طرف اشارہ کیا ہے، دارقطنی میں گو اس کا قیس بن ربیع راوی متابع موجود ہے لیکن قیس بھی مضطرب الحدیث ہے، حافظ ابن حجر نے تھذیب میں اس کی ایسی روایات کی نشان دہی کی ہے گو بعض محدثین نے اسے ثقہ وصدوق کہا ہے، مگر امام نسائی نے اسے متروک اور غیر ثقہ کہا ہے، امام علی بن مدینی امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ ابن معین دارقطنی ابو احمد الحاکم ابن سعد نے ضعیف بھی کہا ہے،

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں،

صدوق تغير لما كبر وادخل عليه ابنه ماليس من حديثه فحدث به،
صدوق ہے جب عمر بڑی ہوئی تو حافظہ متغیر ہوگیا ہے اور اس کے بیٹے نے اسکی کتاب میں ایسی روایات داخل کر دیں جو اسکی نہ تھیں اور وہ (قیس) انہیں بیان کر دیتا (تقریب ص ۲۸۳)
امام عبدالرحمٰن مہدی امام ابن نمیر امام ابوداؤد طیالسی اور امام ابن حبان نے بھی یہی کہا ہے کہ اس کا بیٹا لوگوں کی مرویات کو والد کی کتاب میں داخل کر دیتا تھا اور قیس انہیں اپنی روایات سمجھ کر بیان کر دیتا تھا۔ (تهذيب ص ٣٩٤ ج٨)
ثانیاً: واضح رہے کہ دارقطنی میں قیس بن ربیع کی روایت میں، عن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ، واقع ہے یہ تصحیف ہے، دلیل اسکی یہ ہے کہ امام بیہقی نے (کتاب القرأة ص ١٦٧) میں امام دارقطنی کے واسطہ سے قیس کی روایت درج کی ہے اور اس میں عبداللہ بن ابی لیلیٰ راوی ہے، اور عبداللہ کا حال اگلی روایت کے سلسلہ میں آرہا ہے۔

(۲)عن داؤد بن قيس عن محمد بن عجلان قال قال علی من قراء مع الامام فليس على الفطرة۔

(مصنف عبدالرزاق ص١٣٨ ج٢ وطحاوی ص ١٥٠ ج١)

الجواب اولاً: طحاوی اور مصنف کی سند ایک نہیں کیونکہ مصنف کی روایت ابن عجلان سے ہے اور طحاوی کی روایت عبداللہ بن ابی لیلیٰ سے ہے، مگر انوار صاحب ایسے خبطی واقع ہوئے ہیں کہ انہیں سند کے متعلق ابتدائی معلومات بھی غالباً نہیں۔
پہلے عبدالرزاق کی سند کا حال دیکھئے کہ اس کا راوی ابن عجلان ہے جو مدلس ہونے کے علاوہ سیئ الحفظ ہے (تفصیل مرفوع احادیث کے سلسلہ میں روایت نمبر۱۰ میں گزر چکی ہے) اور صغیر تابعی ہے حافظ ابن حجر نے اس کو پانچویں طبقہ میں شمار کیا ہے، جس کا کبار صحابہ سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے سماع ثابت نہیں، الغرض یہ منقطع ومرسل ہونے کی علاوہ سنداً ضعیف ہے۔

ثانیاً: طحاوی نے، **حدثنا فهد قال ثنا ابو نعيم قال سمعت محمد بن عبدالرحمن بن ابی ليلیٰ ومرعلی دار ابن الاصبهانی قال حدثنی صاحب هذه الدار وكان قد قراء على ابی عبدالرحمن عن المختار بن عبدالله بن ابی ليلیٰ** (شرح معانی الاثار ص١٥٠ ج) امام بیہقی فرماتے ہیں کہ اسکی سند میں اضطراب ہے، انہوں نے اس پر مفصل بحث بھی کی ہے۔
(دیکھئے کتاب القرأة)
امام دارقطنی نے بھی اسے کئی سندوں سے روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ، لايصح اسناده (سنن دارقطنی ص۳۳۲ ج۱) امام ابو علی الحافظ فرماتے ہیں، هذا حديث مضطرب الاسناد، یعنی یہ

روایت مضطرب الاسناد اور فاسد ہے، امام ابن خزیمہ نے اس کو کذب وزور، یعنی جھوٹی روایت قرار دیا ہے اور اس روایت کا سہارا لینے والوں کو، جاہل ومتجاہل کہا ہے۔
(کتاب القرأة للبیھقی ص۱٦٩)

امام عقیلی نے (الضعفاء الکبیر ص۳۱٦ ج۲) میں اس روایت پر کلام کیا ہے علامہ ذھبی نے منکر قرار دیا ہے (میزان ص٤٨٣ ج۲) امام ابن حبان فرماتے ہیں۔

لا اصل له عن علی ...... وابن ابی لیلٰی هذا رجل مجهول لا اعلم له شیئا یرویه عن علی غیر هذا الحرف المنکر الذی یشهد اجماع المسلمین قاطبة ببطلانه و ذلك ان اهل الصلاة لم یختلفوا من لدن الصحابة الی یوم هذا ممن ینسب الی العلم منهم ان من قراء خلف الامام تجزئه،

یعنی اس کی کوئی اصل نہیں، ابن ابی لیلٰی مجہول ہے، سیدنا علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ سے منکر روایت کے علاوہ اس کی کوئی اور روایت منقول نہیں مسلمانوں کا اجماع اس کے باطل ہونے کی گواہی دیتا ہے، کیونکہ مسلمان ہمارے دور تک اس پر متفق ہیں کہ جو امام کے پیچھے پڑھے اس کی نماز کفایت کرتی ہے۔
(المجروحین ص٥ ج۲ وفی نسخة الاخرٰی ص٤٩٧ ج۱)

ابن ہمام نے، (فتح القدیر ص۲٩٦ ج۱) میں، علامہ زیلعی نے، (نصب الرایه ص۱۳ ج۲) میں مولانا عبدالحی لکھنوی نے (امام الکلام ص۲۲ و مجموعه رسائل الکنوی ص ۲٤ ج۳) میں امام ابن حبان کی مذکورہ جرح نقل کر کے سکوت کیا ہے جس سے معلوم ہوا کہ وہ بھی اسے باطل کہنے میں ابن حبان کی موافقت کرتے ہیں۔

امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

وروی عن علی بن ابی صالح عن الا صبهانی عن المختار بن عبدالله بن ابی لیلٰی عن ابیه عن علی من قراء خلف الامام فقد اخطاء الفطرة وهذا لا یصح لانه لا یعرف المختار ولایدری انه سمعه من ابیه ام لا وابوه من علی ولا یحتج اهل الحدیث بمثله

یعنی سیدنا علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ سے مروی اثر، (من قراء خلف الامام) الخ صحیح نہیں کیونکہ مختار کا حال معلوم نہیں اور یہ بھی معلوم نہیں کہ اس نے اپنے باپ سے اور اس کے باپ نے سیدنا علیؓ سے اس اثر کو سنا ہے یا نہیں، اور محدثین اس قسم کے اثر سے احتجاج نہیں کرتے۔
(جزء القراءۃ ص ۳٦ مترجم)

امام ابن عبدالبر فرماتے ہیں کہ

کل ماروی عن علی فی هذا الباب فمنقطع لا یثبت ولا یتصل ولیس عنه فیه حدیث متصل حدیث عبدالله بن ابی لیلیٰ وهو مجهول،

یعنی سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے قراءت خلف الامام کے متعلق جو کچھ مروی ہے وہ کل کا کل منقطع غیر ثابت اور غیر متصل ہے اور اس بارے میں عبداللہ بن ابی لیلیٰ کے اثر کے علاوہ اور کوئی اثر متصل سیدنا علیؓ سے مروی نہیں ہے اور عبداللہ بن ابی لیلیٰ مجہول ہے (التمهید ص ۵۱ ج ۱۱)

الغرض یہ روایت من گھڑت اور باطل ہے۔

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول

(ا) عن ابی وائل قال جاء رجل الی عبدالله (بن مسعود) فقال یا ابا عبدالرحمن اقرأ خلف الامام؟ قال انصت للقرآن فان فی الصلوة شغلاً و سیکفیك ذلك الامام

(مصنف عبدالرزاق ص۱۳۸ ج۱ و مصنف ابن ابی شیبه ص۳۷۶ ج۱ و کتاب القراءة للبیهقی ص۱۴۶ و موطا امام محمد ص ۹۶)

حضرت ابو وائل فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے پاس ایک شخص نے آ کر سوال کیا کہ کیا میں امام کے پیچھے قرأت کر سکتا ہوں؟ آپ نے فرمایا (قرأت) کے وقت خاموش رہو کیونکہ نماز میں امام قرأت میں مشغول ہے اور تمہیں امام کی قرأت کافی ہے۔

(حدیث اور اهل حدیث ص ۳۳۰)

الجواب یہ اثر سنداً صحیح ہے، لیکن اس میں صرف جہری نمازوں میں قرأت امام کے وقت انصات کا حکم ہے، لہٰذا اگر سکتات اور سری نماز میں پڑھ لیا جائے تو اس اثر کی مخالفت لازم نہیں آتی، خود سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سری نمازوں میں قرأۃ خلف الامام کے قائل تھے (تفصیل پہلی فصل میں گزر چکی ہے) اور اس اثر کے الفاظ بھی اس بات کا ثبوت ہیں کہ یہ فقط جہری نمازوں کے متعلق ہے۔

امام بیہقی فرماتے ہیں۔

فهذا فی صلوة یجهر الامام فیها بالقراءة و انما یقال انصت للقرآن لما یسمع منه لا لمالا یسمع منه۔

تو یہ ان نمازوں کے متعلق ہے جن میں امام قرأت بلند آواز سے کرتا ہے سیدنا ابن مسعودؓ نے کہا قرآن کے لیے انصات کرو یہ اس وقت ہی ہے جب امام کی قرأت سنئے نا کہ جب امام کی قرأت سنئی ہی نہ جائے (کتاب القراءة ص ۱۴۶)

(۲) عن علقمة بن قيس ان عبدالله بن مسعود كان لا يقراء خلف الامام فيما يجهر فيه و فيما يخافت فيه في الاولين ولا في الاخرين، الحديث۔

(موطا امام محمد ص ٤٩)

حضرت علقمہ بن قیس سے مروی ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ امام کے پیچھے قرأت نہیں کیا کرتے تھے نہ جہری نمازوں میں نہ سری نمازوں میں نہ پہلی رکعتوں میں نہ آخری رکعتوں میں

(حدیث اور اھل حدیث ص ٣٣٠)

الجواب اس کی سند میں، محمد بن ابان بن صالح القرشی راوی ہے، امام احمد امام ابن معین امام بخاری امام ابن حبان رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ نے ضعیف کہا ہے، امام نسائی نے، لیس بثقة، یعنی ثقہ نہیں امام ابو حاتم نے، **لیس بالقوی یکتب حدیثه و لا یحتج** (یعنی قوی نہیں اس کی روایات کو لکھا تو جائے مگر ان سے احتجاج نہ کیا جائے) کہتے ہیں (لسان المیزان ص ٣١ ج ٥)

امام ابن حبان فرماتے ہیں کہ

كان ممن يقلب الاخبار وله الوهم الكثير في الاثار۔

حدیثوں کو بدل دیتا تھا اور حدیثوں میں اس کے بکثرت اوہام ہیں (المجروحين ص ٢٦٠ ج ٢)

محمد بن ابان نے یہ روایت حماد بن ابی سلیمان سے لی ہے، جو مختلط ہیں، اور علامہ ہیثمی نے صراحت کی ہے کہ شعبہ، سفیان، اور ہشام دستوائی کے علاوہ باقی حضرات نے اس سے اختلاط کے بعد سنا ہے، اور ان کی روایات مقبول نہیں، (مجمع الزوائد ص ١١٩ ج ١)

الغرض یہ روایت ضعیف ہے

(۳) عن علقمة بن عبدالله قال قال لان اعض على جمرا لغضا احب الي من ان اقراء خلف الامام۔

(كتاب القرأة ص ١٤٥ و موطا امام محمد ص٩٨)

حضرت علقمہ سے مروی ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا مجھے جنڈ درخت کے جلتے کوئلوں کو منہ میں لے لینا اس سے زیادہ پسند ہے کہ میں امام کے پیچھے قرأت کروں۔

(حدیث اور اھل حدیث ص ٣٣١)

الجواب اولاً: اس کی سند میں، عمرو بن عبدالغفار راوی ہے، جس کے متعلق امام ابو حاتم فرماتے ہیں، متروک الحدیث ہے، ابن عدی کہتے ہیں وضع احادیث سے متہم ہے، امام علی بن مدینی فرماتے ہیں میں نے اسے رافضی ہونے کی وجہ سے ترک کر دیا تھا،

عقیلی منکر الحدیث قرار دیتے ہیں، ابن عدی کہتے ہیں اس نے مناقب اہل بیت میں احادیث وضع کی ہیں۔ عقیلی ابن عدی اور حافظ ذہبی اور ابن حجر نے اسکی چند باطل روایات کی نشاندہی کی ہے۔ (الضعفاء الکبیر ص٦٨٢ ج٣ و ومیزان ص٢٧٢ ج٣ ولسان ص٣٦٣ص ج٤ والجرح والتعدیل ص٦٤٢ ج٣ قسم دوم حصه اول والکامل لا بن عدی ص١٦٩٧ ج٥)

ثانیاً: انوار خورشید صاحب نے سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے مذکورہ اثر کو امام محمد کے' موطا ص٨٩ کی طرف بھی منسوب کیا ہے' حالانکہ موطا میں یہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول نہیں بلکہ' علقمہ بن قیس کا قول ہے' خود انوار صاحب نے' ٣٣٨ پر موطا ص٨٩ سے اس قول کو نقل کر کے علقمہ کا ہی کہا ہے' واضح رہے کہ علقمہ تابعی ہیں' تابعی کے قول کو صحابی کا قول باور کرانا بد دیانتی ہے' علاوہ ازیں اسکی سند میں جرح ہے تفصیل آگے آرہی ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

(۴) عن علقمة عن ابن مسعود قال لیت الذی یقراء خلف الامام ملئ فوه ترابا۔

(طحاوي ص١٥٠ ج١ و مصنف عبدالرزاق ص٨٣١ ج٢)

حضرت علقمہ سے مروی ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کاش کہ امام کے پیچھے قرأت کرنے والے کا منہ مٹی سے بھر دیا جائے (حدیث اور اهل حدیث ص ٣٣١)

الجواب اولاً اسکی سند میں' حدیج بن معاویہ' راوی متکلم فیہ ہے' امام بن معین فرماتے ہیں ہیچ محض ہے' امام ابو حاتم فرماتے ہیں اسکی بعض حدیث میں ضعف ہے' امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں' محدثین نے اس کی بعض روایات پر کلام کیا ہے امام نسائی اور ابن سعد نے ضعیف کہا ہے امام ابو داؤد طیالسی کہتے ہیں اس کا بھائی (زہیر بن معاویہ) اس سے راضی نہ تھا (بوجہ نالائق ہونے) دار قطنی کہتے ہیں اس پر وہم کا غلبہ ہے' ابن حبان کہتے ہیں منکر الحدیث اور قلت روایت کے باوجود کثرت سے وہم کرتا ہے' بزار فرماتے ہیں سییئ الحفظ ہے (تھذیب ص ١٩١ ج٢ و میزان ص ٤٦٧ ج١)

علاوہ ازیں اسکی سند میں ابو اسحاق ہے جو مدلس ہے (تفصیل مرفوع روایات کے سلسلہ میں نمبر ٢٨ کے تحت گزر چکی ہے) اور اس کا علقمہ سے سماع بھی ثابت نہیں' جیسا کہ امام بیہقی نے صراحت کی ہے (کتاب القراۃ (ص١٨٧)

علامہ ابن ترکمانی حنفی فرماتے ہیں

ان ابا اسحاق عن علقمة منقطع لانه رأه ولم یسمع منه وقال احمد بن عبدالله العجلی لم یسمع ابو اسحاق من علقمة شیا۔

یعنی ابو اسحاق کی علقمہ سے روایت منقطع ہے اس لیے کہ ابو اسحاق نے علقمہ کو دیکھا ہے لیکن اس سے سنا نہیں اور امام احمد بن عبداللہ عجلی فرماتے ہیں کہ علقمہ سے ابو اسحاق نے کچھ بھی نہیں سنا (الجوھر

النقی ص ۱۰۲ ج ۱)

الغرض یہ روایت منقطع اور ضعیف ہے۔

ثانیا: انوار صاحب نے سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے اس قول کو مصنف عبدالرزاق کی طرف منسوب کیا ہے، حالانکہ مصنف میں یہ قول سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا نہیں بلکہ اسود بن یزید تابعی کا ہے، خود انوار صاحب نے مصنف ۱۳۸ ج ۲ سے صفحہ ۳۴۰ پر اسود کا ہی قول نقل کیا ہے، لیکن یہاں خبط ملاحظہ کریں کہ حدیج بن معاویہ کی طرح انہیں بھی اختلاط ہو گیا ہے (اسود کے قول کا جواب آگے آرہا ہے، انشاء اللہ)

(۵) عن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ انہ قال یافلان لا تقراء خلف الامام الا ان یکون امام لا یقراء۔

(مجمع الزوائد ص ۱۱۰ ج ۲)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے فلاں امام کے پیچھے قرأت نہ کیا کر الا یہ کہ کوئی قرأت نہ کرتا ہو (حدیث اور اہل حدیث ص ۳۳۱)

الجواب اولاً پہلے عربی عبارت، **الا ان یکون امام لا یقراء** پر غور کریں پھر انوار خورشید صاحب نے جو معنی کیا ہے، سے دیکھئے کہ کیا یہ عربی عبارت کا معنی ہے، نہیں قطعاً نہیں، بلکہ اثر کے الفاظ کا یہ معنی ہے کہ مگر یہ کہ امام پڑھتا نہ ہو، ان الفاظ کا مطلب بالکل صاف ہے کہ جہری میں نہ پڑھا کرو ہاں البتہ سرّی نمازوں میں امام کے پیچھے قرأت کیا کرو خود انوار صاحب نے مئی ۱۹۹۳ء ذی قعد ۱۴۱۳ کی مطبوعہ (حدیث اور اہل حدیث ص ۳۳۱) میں یہ معنی کیا ہے الا یہ کہ کوئی ایسا امام ہو جو قرأت نہ کرتا ہو، یہ اشاعت غالبا پہلی ہے، پھر معلوم نہیں کہ انہوں نے خود یا کسی کے مشورہ سے، ایسا امام ہو جو" کے الفاظ کاٹ دیئے ہیں، اس تحریف کی ابتدا کس ایڈیشن سے شروع ہوئی اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے، میرے پاس آخری ایڈیشن چودہواں ہے جون ۲۰۰۲ء کا مطبوعہ ہے، اس میں یہ تحریف موجود ہے ہم ارباب عقل و خرد کی عدالت میں یہ کیس پیش کرتے ہیں کہ آخر مولانا صاحب نے یہ تحریف کیوں کی ہے یقیناً اس لیے کی ہے کہ سیدنا عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے اس اثر سے ظہر و عصر کی تمام رکعتوں میں اور مغرب و عشاء کی آخری رکعتوں میں امام کے پیچھے قرأت کرنی ثابت ہوتی ہے مزید یہ کہ منفرد کو تمام نمازوں اور رکعتوں میں قرأت کرنے کا حکم بھی ثابت ہوتا ہے، یہ چیز انوار خورشید صاحب کے بدعی مسلک و مذہب اور عقیدہ کے خلاف تھی اس لیے انہوں نے تحریف کر کے اپنا الو سیدھا کیا ہے، یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ سہواً ہوا ہے، اس لیے کہ پہلے صحیح کر کے پھر غلط معنی کیا ہے جو اس بات کا ثبوت ہے کہ عمداً تحریف کی ہے، افسوس پندرہویں صدی میں ایسے بد دیانت اور خائن بھی مؤلف و مصنف بن بیٹھے ہیں، واضح رہے کہ اس کی سند میں جرح ہے مگر انوار صاحب پر حجت ہے کیونکہ انہوں نے اس کو دلیل بنایا ہے۔

ثانیاً: اس کی سند میں' ابوحمزۃ راوی ہے جو ابراہیم نخعی سے روایت نقل کر رہا ہے۔

(طبرانی کبیر ص ۲٦٤ ج۹ رقم الحدیث ۹۳۱۲)۔

امام احمد فرماتے ہیں ضعیف الحدیث ہے دوسری بار کہا متروک الحدیث ہے' ابن معین فرماتے ہیں' ہیچ محض ہے اس کی روایت لکھی ہی نہ جائے جوزجانی اور دارقطنی کہتے ہیں سخت ضعیف ہے' امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں ضعیف ذاہب الحدیث ہے' ابو حاتم کہتے ہیں لیس بقوی ترمذی کہتے ہیں کہ اس میں حفظ کی بنا پر کلام کیا گیا ہے' نسائی کہتے' لیس بثقة حاکم کہتے' لیس بالقائم خطیب فرماتے ہیں اس سے حجت نہ پکڑی جائے' عقیلی کہتے ہیں کہ اس کا کوئی متابع نہیں' ابن عدی فرماتے ہیں خاص کر جب ابراہیم سے روایت کرے تو اس کا کوئی متابع نہیں ہوتا۔

(تهذیب ص ۳۹۵ ج ۱۰)۔

ایسے ضعیف و متروک اور ذاہب الحدیث کی روایت کو انوار صاحب دلیل بناتے ہیں اور اس میں بھی معنوی تحریف کرتے ہیں' یہ جہالت کا ہی کرشمہ ہوسکتا ہے' واضح رہے کہ اس کی سند میں مزید کئی چیزیں بھی قابل گرفت ہیں مگر ہم انہیں پر ہی اکتفا کرتے ہیں' امید ہے کہ انوار صاحب اپنی بددیانتی کے متعلق ضرور غور کریں گے۔

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا عمل

انوار خورشید صاحب نے سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے جو اقوال نقل کیے وہ ضعیف ہیں یا پھر مجمل ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ سیدنا عبد اللہ رضی اللہ عنہ صرف جہری نمازوں میں امام کے پیچھے نہ پڑھتے تھے سری نمازوں میں پڑھتے تھے تفصیل فصل اول میں گزر چکی ہے۔

مولانا عبدالحی لکھنوی حنفی فرماتے ہیں۔

والرابع ان بعضها محمولة على ترك القراء ة في الجهرية فقط لا في السرية كاثر ابن عمر و غيره على مامر فلا يصح سنداً للحنفية۔

یعنی چوتھا اعتراض یہ ہے کہ بعض آثار صرف جہری نمازوں میں فاتحہ کے ترک پر محمول ہیں نہ کہ سری میں جیسا کہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ وغیرہ کا اثر ہے' جیسے پہلے گزر چکا ہے' لہذا یہ حنفیہ کے لیے دلیل صحیح نہیں

(اما الكلام ص ۲۲۱ و مجموعة رسائل اللكنوى ص ١٩٤ ج ٣)

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے بھی (الموطا ص٦٨) **باب ترك القرآة خلف الامام فيها يجهر فيه**' میں ذکر کر کے اس طرف اشارہ کیا ہے۔

اب ترتیب وار انوار صاحب کی ہیرا پھریاں اور بددیانتیاں ملاحظہ کریں۔

(۱) امام نافع کے واسطہ سے (موطا امام محمد ص۹۴) سے ایک روایت نقل کی ہے کہ ابن عمر فرماتے ہیں کہ امام کی قرأت ہی کافی ہے (ص۳۳۲) مگر اس کی سند میں عبدالرحمٰن بن عبداللہ المسعودی راوی مختلط ہے (تقریب ۲۰۵) جتنی دیر تک یہ ثابت نہ کیا جائے کہ امام محمد نے اس سے اختلاط سے پہلے سنا ہے اتنی دیر تک یہ روایت قابل احتجاج نہیں، علاوہ ازیں امام محمد پر حافظہ کی وجہ سے کلام ہے تفصیل گزر چکی ہے۔

(۲)(مصنف عبدالرزاق ص ۱۴۰ ج۲ و کتاب القراءۃ ص ۱۵۷) سے ایک اثر نقل کیا ہے لیکن مصنف میں 'تکفیک' کا لفظ نہیں اور اس لفظ کے بغیر انوار صاحب کا استدلال نہ بنتا تھا' لہذا انہوں نے اپنے پاس سے اس لفظ کو متن روایت میں داخل کر کے تحریف لفظی کا ارتکاب کیا ہے' مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمی نے حاشیہ میں اس بات کا اظہار کیا تھا کہ معلوم یوں ہوتا ہے کہ یہاں سے' تکفیك' کا لفظ ساقط ہو گیا ہے انہوں نے صرف خدشہ کا اظہار کیا تھا انوار صاحب نے یقین کے ساتھ متن میں داخل کر دیا' مزید ستم یہ کیا کہ اس پر امام بیہقی کی (کتاب القراءۃ ص۱۵۷) کا حوالہ بھی دے دیا، حالانکہ مصنف عبدالرزاق کی سند و متن اور ہے اور کتاب القراءۃ کی سند و متن دوسرا ہے، اگر انوار صاحب کتاب القراءۃ سے اپنے درج کردہ الفاظ دکھا دیں تو ہم انہیں انعام کے طور پر کتاب القراءۃ کا ایک نسخہ دیں گے۔ ان شاء اللہ۔

(۳) مصنف عبدالرزاق ص۱۴۰ ج۲ سے نقل کرتے ہیں کہ زید بن اسلم فرماتے ہیں کہ ابن عمر امام کے پیچھے قرأت کرنے سے منع کرتے تھے۔ (ص۳۳۲) سند میں داؤد بن قیس صنعانی راوی ہے، جس کی عدالت مطلوب ہے۔ ابن حبان نے اسے ثقات میں ذکر کیا ہے۔ (تہذیب الکمال ص۴۲۵ ج۲) اور ابن حبان توثیق بیان کرنے میں متساہل ہے۔ الغرض روایت ضعیف ہے۔ مزید برآں یہ کہ اگر اس کی صحت کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو فاتحہ سے اگلی قرأت جہر پر محمول ہے۔

(۴) صفحہ ۳۳۳ پر انوار صاحب کتاب القرأۃ ص۱۸۴ سے ایک روایت نقل کرتے ہیں مگر اس کا اگلا جملہ کہ' بڑے بڑے آئمہ امام کے پیچھے قرأت کرتے تھے' شیر مادر سمجھ کر ہضم کر گئے ہیں' اس کے متعلق ہم پہلے بھی اشارہ کر آئے ہیں کہ اس گناہ کا ارتکاب مولانا سرفراز خاں صاحب صفدر نے بھی کیا ہے' اور جہاں اس جملہ کو نقل کیا ہے وہاں اس کی سند پر بھی جرح کر دی ہے۔

اس کی پوری تفصیل سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے آثار کے تحت گزر چکی ہے'

(۵) صفحہ ۳۳۳ پر طحاوی ص۱۵۰ ج۱ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ کسی نماز میں امام کے پیچھے قرأت نہ کرو' لیکن اس کی سند میں بکر بن عمرو المعافری راوی ہے' ابن حبان کے علاوہ اس

کی کسی نے توثیق نہیں کی، امام ابن قطعان فرماتے ہیں کہ اس کی عدالت معلوم نہیں
(تھذیب ص۴۸۶ ج ۱)
الغرض یہ قول ضعیف ہے۔

سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا قول:

(ا) **عطاء بن یسار انه اخبره انه سال زید بن ثابت عن القراء ۃ مع الامام فقال لا قراء ۃ مع الامام فی شئی**
(مسلم ص۲۱۵ ج۱ و نسائی ص ۱۱۱ ج ۱)
حضرت عطا بن یسار سے مروی ہے کہ انہوں نے حضرت زید بن ثابت سے امام کے ساتھ قرأت کرنے کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا امام کے ساتھ کسی نماز میں کوئی قرأت نہیں کی جا سکتی (حدیث اور اھل حدیث ص ۳۳۴) انوار صاحب مکرر اسی روایت کو (مصنف ابن ابی شیبہ ص ۳۷٦ ج ۱) سے نقل کیا ہے۔

الجواب اولاً: آپ نے پوری حدیث درج نہیں کی، آگے ہے، **و زعم انه قرأ علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والنجم واذا ھوٰی فلم یسجد**، یعنی سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سورۃ، **والنجم اذا ھوی** کو تلاوت کیا تو آپ نے اسے سن کر سجدہ نہ کیا۔ (مسلم رقم الحدیث ۱۲۹۸)

حالانکہ حنفیہ کے نزدیک سجدہ تلاوت واجب ہے اور سورہ والنجم، میں بھی سجدہ تلاوت ہے۔
(فتح الملھم ص ۱٦٦ ج ۲) الغرض حدیث کے ان الفاظ سے سجدہ تلاوت کے وجوب کی نفی ہوتی تھی جسے انوار صاحب ہضم کر گئے ہیں

ثانیاً: اس میں سورہ فاتحہ کا ذکر نہیں صرف قرأت کا ہے اور قرأت کا لفظ سورہ فاتحہ سے اگلی سورت کو پڑھنے پر بھی بولا جاتا ہے، لہذا سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا قول اگلی سورت کے لیے ہی ہے، جیسا کہ امام بیہقی نے، (کتاب القراءۃ ص ۱۸٦) میں صراحت کی ہے

(۳) **عن ابن ذکوان عن زید بن ثابت وابن عمر کانا لا یقرآن خلف الامام۔**
(مصنف عبدالرزاق ص۱۴۰ ج۲)۔
ابن ذکوان سے مروی ہے کہ حضرت زید بن ثابت اور حضرت عبداللہ بن عمر دونوں امام کے پیچھے قرأت نہیں کرتے تھے
(حدیث اور اھل حدیث ص۳۳۴)

الجواب اولاً ذکوان ذ کے ساتھ ہے' مصنف میں بھی 'ذ' کے ساتھ ہے مگر انوار صاحب متن اور ترجمہ میں' ز' کے ساتھ تحریر کرتے ہیں' امید ہے کہ آئندہ ایڈیشن میں شکریہ سے صحیح کر لیں گے۔ ان شاء اللہ۔

ثانیاً ذکوان کے تین بیٹے تھے' سہیل' صالح' اور عباد' ان تینوں میں صالح حسن درجہ کا راوی ہے' مسلم اور ترمذی میں فضائل مدینہ پر اس کی ایک روایت ہے۔

دوسرا بیٹا عباد جو عبداللہ کے نام سے معروف ہے' یہ متکلم فیہ ہے امام علی بن مدینی نے ہیچ محض کہا ہے، ابن معین نے ثقہ قرار دیا ہے، امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ منکر الحدیث ہے۔

(تهذیب ص۲۶۳ ج ۵)

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں، لین الحدیث ہے۔ (تقریب ص ۱۷۷)

تیسرا بیٹا سہیل ہے اسے امام یحییٰ بن معین نے کذاب اور متعدد اہل علم نے متروک الحدیث کہا ہے۔ (لسان المیزان ص۱۲٤ ج۳ و میزان ص۲٤۲ ج۲)

ان تینوں میں سے کون مراد ہے اگر انوار صاحب اس کی وضاحت کریں گے تو ہم ان کے شکر گزار ہوں گے ان شاء اللہ جہاں تک ہم نے غور فکر کیا تو آخری دونوں میں سے کوئی ایک ہے دلیل اس کی یہ ہے کہ ان سے روایت کرنے والے امام سفیان ثوری ہیں جو مدلس ہیں (تفصیل مسئلہ رفع الدین میں سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں آرہی ہے) اور یہاں بھی انہوں نے تدلیس کر کے راوی کا عیب چھپایا ہے، الغرض یہ روایت سخت ضعیف ہے۔

ثالثاً: ابناء ذکوان کا سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ وغیرہ سے سماع ثابت نہیں آئمہ جرح وتعدیل نے صراحت کی ہے کہ ابو صالح ذکوان کی بھی بعض صحابہ سے ملاقات اور سماع نہیں (مراسیل ابن ابی حاتم ص ۵۰) الغرض یہ روایت منقطع اور مرسل ہے،

(۴) عن موسی بن سعد بن زید بن ثابت یحدثه عن جده انه قال من قرأ خلف الامام فلا صلاة له۔

(موطا امام محمد ص ۱۰۰ و مصنف ابن ابی شیبه ص۳۷٦ ج۱ و مصنف عبدالرزاق ص۱۳۷ ج۲)

حضرت زید بن ثابت کے پوتے موسیٰ بن سعد سے مروی ہے کہ ان کے دادا حضرت زید بن ثابت نے فرمایا کہ جس نے امام کے پیچھے قرأت کی اسکی نماز نہیں ہوئی،

(۵) عن موسیٰ بن سعد عن ابن زید بن ثابت عن ابیه زید بن ثابت قال من قرأ ورا الامام فلا صلاة له۔

(کتاب القرأة للبیهقی ص۱۸۵)

حضرت موسیٰ بن سعد اپنے والد سے اور وہ اپنے والد حضرت زید بن ثابت سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جس نے امام کے پیچھے قرأت کی اسکی نماز نہیں ہوئی۔

(حدیث اور اهل حدیث ٣٣٤)

الجواب اولاً: غور کریں کہ سند میں اضطراب ہے، مگر انوار صاحب بے سُوجھے سمجھے دھڑا دھڑ روایات نقل کر رہے ہیں، محترم اگر آپ عقل کے پیچھے لٹھ لیے نہیں پھرتے تو غور کریں، **عن موسیٰ بن سعد عن ابن زید بن ثابت عن ابیه زید بن ثابت**، کا جو آپ نے معنیٰ کیا ہے کیا وہ درست ہے، نہیں قطعاً نہیں، سنئے درست معنیٰ یہ ہے، موسیٰ زید کے بیٹے سے اور وہ اپنے والد زید سے روایت کرتا ہے، یہ تو ہوا پہلا طریق دوسرے میں وہ اپنے دادا سے براہ راستہ روایت کرتا ہے تیسرا طریق یہ ہے۔

عن موسی بن سعد عن ابیه عن زید بن ثابت۔

(کتاب القرأة ص١٨٥)

یعنی موسیٰ روایت کرتا ہے سعد سے اور وہ اپنے والد زید سے روایت کرتا ہے،

ظاہر ہے کہ یہ کھلا اضطراب ہے۔

ثانیاً: ان راویوں کا سماع بھی ثابت نہیں، امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں،

لایعرف لهذا الاسناد سماع بعضهم من بعض ولا یصح مثله۔

یعنی اس اثر کی سند کے بعض راویوں کا سماع بعض سے معلوم نہیں، اور اس طرح کی روایت صحیح نہیں۔ (جزء القرأة ونصب الرایه ص٢٠ ج٢ وکتاب القرأة ص١٨٦)

ثالثاً: موسیٰ بن سعد کی ابن حبان کے علاوہ کسی نے توثیق نہیں کی۔ (تهذیب ص٣٤٥ ج١٠)

امام بخاری رحمہ اللہ نے (التاریخ الکبیر ص۲۸۵ ج۴ ق۲ میں امام ابو حاتم نے، (الجرح والتعدیل ص۱۴۵ ج۴ ق۱) میں اسے ذکر کیا ہے مگر کوئی جرح یا تعدیل بیان نہیں کی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ راوی مستور ہے، حافظ ابن حجر نے، تقریب میں مقبول لکھا ہے، جس کا مطلب ہے متابعت کی صورت میں ورنہ لین الحدیث ہے، اور یہاں متابعت ثابت نہیں۔

یہی وجہ ہے کہ امام ابن عبدالبر فرماتے ہیں:

قول زیدَ بن ثابت من قراء خلف الامام فلا صلاة له منکر لا یصح عنه وقد اجمع العلماء علی من قرأ خلف الامام فصلاته تامة ولا اعادة علیه۔

سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا قول کہ جو امام کے پیچھے پڑھتا ہے اس کی نماز صحیح نہیں منکر ہے، یہ ان سے صحیح ثابت نہیں اور علماء کا اجماع ہے جو امام کے پیچھے پڑھتا ہے اس کی نماز مکمل ہے اس پر اس کا لوٹانا ضروری نہیں۔ (الاستذکار ص١٩٣ ج٢)

اکابر علمائے دیوبند بھی فاتحہ پڑھنے سے نماز کے باطل ہونے کا مؤقف نہیں رکھتے مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی فرماتے ہیں۔

لہذا ہرگز تارک قرأۃ خلف الامام کی صلوۃ فاسد و ناقص نہ ہو گی جیسا کہ قاری کی نماز میں نقصان نہیں کہ مسئلہ مجتہد فیہا ہے،

(سبیل الرشاد مندرجه مجموعه رسائل ص۵۸ناشر مکتبه فاروقیه گو بند گڑھ گوجرانواله ۱۹۹۲ء)۔

مولانا ظفر احمد تھانوی فرماتے ہیں، ہم تو جہری نمازوں میں بھی امام کی قرأت سے پہلے یا پیچھے مقتدی کو قرأت کی اجازت دیتے ہیں۔

(فاتحة: الكلام ص٦٣ مندرجه احسن الفتاوىٰ ص٣٣٥ ج٣)

سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا فرمان:

(ا)اخبرنا داؤد بن قيس الفرا المدنى اخبرنى بعض ولد سعد بن ابى وقاص انه ذكر له ان سعدا قال و ددت ان الذى يقرأ خلف الامام فى فيه جمرة۔

(موطا امام محمد ص٩٨)

حضرت امام محمد فرماتے ہیں کہ ہمیں خبر دی داؤد بن قیس فرا مدنی نے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص کے کسی بیٹے نے ان سے ذکر کیا کہ حضرت سعد بن ابی وقاص نے فرمایا میرا جی چاہتا ہے کہ جو شخص امام کے پیچھے قرأت کرتا ہے اس کے منہ میں انگارہ ہو۔

(حديث اور اهل حديث ص٣٣٥)

الجواب اولاً: ولد سعد، کا معنی سعد کا بیٹا نہیں بلکہ آپ کی نسل میں سے کوئی فرد مراد ہے مولانا عبدالحی الکھنوی نے حرف، و، پر ضمہ ڈال کر اس طرف اشارہ بھی کیا تھا مگر انوار صاحب نے توجہ نہیں دی، سنئے ولد کا معنی آئمہ لغت نے نسل کا فرد کیا ہے، حدیث میں ہے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس قبیلہ بنو تمیم کی ایک عورت قید تھی تو نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

أعتقيها فانها من ولد اسماعيل۔ اسے آزاد کر دے کہ بنی تمیم سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے ہیں۔

(بخاری رقم الحديث ٢٥٤٣ ومسلم رقم الحديث ٦٤٥١)

غالباً انوار صاحب اس کا یہ معنیٰ کریں کہ اس عورت کو آزاد کر دے کہ یہ سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی بیٹی ہے، انا لله وانا اليه راجعون،

ثانیاً: جب یہ ثابت ہو گیا کہ ولد سعد کا معنیٰ آپ کی نسل سے کوئی ایک شخص مراد ہے، سوال پیدا ہوتا ہے یہ شخص کون ہے؟ اس کی تعین فریق ثانی کی طرف سے تا حال نہیں ہوئی ممکن ہے کہ انوار

صاحب یہ کہہ دیں کہ صحابی کی نسل ثقہ ہی ہوگی، ہم کہتے ہیں کہ انہیں قرآن کی تلاوت سعادت سمجھ کر کرنی چاہیے تا کہ انہیں معلوم ہو کہ سیدنا نوح علیہ السلام کا بھی ایک بیٹا کافر تھا، علاوہ ازیں سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کا ہی بیٹا، عمر بن سعد تھا جس نے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تھا۔

(میزان ص۱۹۸ ج۲ وتهذيب ص۴۵۱ ج۷)

عبداللہ بن اسحاق، سیدنا سعد کا پڑپوتا ہے مگر مستور ہے۔ (تقريب ص۱۸۱)

ایک دوسرا پڑپوتا عثمان بن عبدالرحمٰن، متروک وکذاب ہے (تقريب ص۲۳۵)

یہی وجہ ہے کہ مولانا عبدالحی لکھنوی مرحوم نے علامہ ابن عبدالبر سے نقل کیا ہے کہ **هذا حديث منقطع لا يصح**، یہ حدیث منقطع ہے اور صحیح نہیں ہے (التعليق المجد ص۹۹)

(۲)عن ابی نجاد عن سعد قال وددت ان الذی یقرأ خلف الامام فی فیه جمرة۔

(مصنف ابن ابی شیبه ص۳۷۶ ج۱)

حضرت سعد بن ابی وقاص فرماتے ہیں کہ میرا جی چاہتا ہے کہ جو امام کے پیچھے قرأت کرتا ہے، اس کے منہ میں انگارہ ہو۔

(حدیث اور اهل حدیث ص۳۳۵)

الجواب اولاً: راوی ابی نجاد نہیں بلکہ ابن بجاد ہے، مصنف میں تصحیف ہوئی ہے، دلیل یہ ہے کہ مصنف کے مطبوعہ نسخہ میں، قیس عن ابی نجاد ہے، حالانکہ صحیح داوٗد بن قیس عن ابن بجاد ہے، دیکھئے

(احسن الكلام ص ۳۹۲ وتوضيح الكلام ص۷۳۸ ج۲،)

ثانیاً: امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں ابن نجاد مجہول ہے اور یہ روایت مرسل ہے۔ (جزء القرأة ص۳۷ مترجم) علامہ ابن عبدالبر فرماتے ہیں،

واما ماروی عن سعد بن ابی وقاص انه قال وددت ان الذی یقرا خلف الامام فی فیه جمرة لایصح ولا نقله ثقة۔

یعنی سیدنا سعد رضی اللہ عنہ سے جو مروی ہے کہ جو شخص امام کے پیچھے قرأت کرے اس کے منہ میں چنگاری ہو، یہ منقطع ہے صحیح نہیں اور کسی ثقہ نے اس کو نقل نہیں کیا۔

(التمهيد ص۵۰ ج۱۱)

ثانیاً: صحابہ کرام تابعین عظام اور تبع تابعین، فقہاء ومحدثین اور امت کا ایک کثیر حصہ فاتحہ خلف الامام کا قائل ہے، حتیٰ کہ احتیاطاً پڑھ لینے کو بعض حنفی بھی جائز کہتے ہیں،

مولانا رشید احمد گنگوہی صاحب فرماتے ہیں،

پس جب اس کو اس قدر خصوصیت بالصلوٰۃ ہے تو اگر سکتات میں اس کو پڑھ لو تو رخصت ہے اور یہ

قدر قلیل آیات ہیں محل ثنا میں ختم بھی ہوسکتی ہیں۔
(سبیل الرشاد مندرجہ مجموعہ رسائل ص۵۶)
سوال یہ ہے کہ کیا ان سب کے منہ میں آگ کی چنگاری کی آپ حضرات خواہش رکھتے ہیں،اوروں کو جانے دیجیے مولانا گنگوہی کے متعلق کچھ ارشاد فرما دیں جو سکتات اور محل ثنا میں پڑھنے کی رخصت دے رہے ہیں۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا فرمان:

(۱)عن ابی حمزة قال قلت لا بن عباس اقرأ والامام بین یدی فقال لا۔
(طحاوی ص۱۵۱ ج۱)
ابو حمزہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کیا میں اس صورت میں قرأت کرسکتا ہوں کہ امام میرے آگے ہو،آپ نے فرمایا نہیں۔
(حدیث اور اہل حدیث ۳۳۵)
الجواب اولاً:اسکی سند میں،حماد بن سلمہ،راوی ہیں جو مختلط ہیں،حافظ ابن حجر فرماتے ہیں تغیر حفظه باخره (تقریب ص۸۲) اور حماد سے روایت کرنے والے عبدالغفار بن داؤد ہیں اور ان کے متعلق جتنی دیر تک یہ ثابت نہ کیا جائے کہ انہوں نے اختلاط سے پہلے سماع کیا ہے تب تک اسکی روایت قابل احتجاج اور صحیح نہیں،آئمہ فن مختلط کی روایت کے متعلق فرماتے ہیں کہ جب یہ معلوم نہ ہو کہ قبل از اختلاط سنا ہے یا بعد از اختلاط تو اسکی روایت مقبول نہیں۔مقدمہ ابن الصلاح وغیرہ کتب میں اسکی صراحت ہے،مولانا خلیل احمد سہارنپوری ایک روایت کی تحقیق میں فرماتے ہیں کہ اکابر آئمہ،احمد،بخاری ذہلی،ابوداؤد،ابو حاتم،دارقطنی،اثرم،ترمذی وغیرہ نے جزم کے ساتھ کہا ہے کہ اسے مرفوع بیان کرنے میں حماد نے غلطی کی ہے(بذل المجهود ص۳۰۴ ج۲) مزید دیکھئے نصب الرایه ص۲۸۶ ج۱) دیوبندی مکتب فکر کے معروف عالم حافظ حبیب اللہ ڈیروی نے (نور الصباح ص۲۳۵ میں حماد پر جرح کی ہے،الغرض یہ روایت ضعیف ہے۔
ثانیاً: فصل اول میں ہم سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے صحیح سند کے ساتھ قرأت خلف الامام کا فتوی نقل کر چکے ہیں۔

(۲)عن عکرمة عن ابن عباس انه قیل له ان ناسا یقرؤن فی الظهر والعصر فقال لو کان لی علیهم سبیل لقلعت السنتهم ان رسول اللہ ﷺ قرأ فکانت قرأته لنا قرأة وسکوته لنا سکوتا۔

(طحاوی ص ۱٤۱ ج ۱)

حضرت عکرمہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ سے کہا گیا کہ کچھ لوگ ظہر وعصر میں قرأت کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا اگر میرا ان پر بس چلے تو میں ان کی زبانیں کھینچ لوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرأت کی سو آپ کی قرأت ہماری قرأت تھی اور آپ کا سکوت ہمارا سکوت تھا۔

(حدیث اور اهل حدیث ص ۳۳٦)

الجواب اس اثر کو امام کے پیچھے قرأت کی ممانعت پر پیش کرنا جہالت ہی نہیں بلکہ شرارت ہے، کیونکہ مسئلہ قرأت فاتحہ خلف الامام کے بارے سرے سے اس کا کوئی جوڑ نہیں، مگر انوار صاحب شرم وحیا کو بالائے طاق رکھ کر پوری بد دیانتی کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں کہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر میرا بس چلے تو میں امام کے پیچھے قرأت کرنے والے کی زبان ہی کھینچ لوں۔

(حدیث اور اهل حدیث ص ۳٤۹)

اثر کے الفاظ پر غور کریں اس میں مطلق ظہر وعصر میں قرأت کے متعلق سوال ہے اور اس سوال کا ہی انہوں نے جواب دیا ہے، امام کے پیچھے قرأت کرنے کے متعلق نہ سوال ہے اور نہ ہی خلف الامام کے متعلق جواب ہے، بات یہ ہے کہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کا پہلے یہی مؤقف تھا کہ ظہر وعصر میں سرے سے قرأت ہی نہیں پھر جب انہیں صحابہ کرام سے اس کا علم ہوا تو انہوں نے اس مؤقف سے رجوع کرلیا۔

امام طحاوی نے بھی اس اثر کا یہی مفہوم بیان کیا ہے، چنانچہ انہوں نے پہلے سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا یہ اثر نقل کیا ہے کہ

ان سے کسی نے پوچھا کیا ظہر وعصر میں نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم پڑھتے تھے تو انہوں نے کہا نہیں، سائل نے کہا شاید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آہستہ آہستہ پڑھتے ہوں **(لعله كان يقرأفي نفسه)** تو سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا، **هي شر من الاول** یہ بات تو پہلی بات سے بھی بری ہے، (یہ روایت ابو دائود کتاب الصلاۃ باب قدر القراء ۃ فی صلاۃ الظھر والعصر رقم الحدیث ۸۰۸،) میں بھی موجود ہے) اس کے بعد امام طحاوی نے وہ اثر نقل کیا ہے، جسے مؤلف حدیث اور اہل حدیث نے نقل کیا ہے، اس کے بعد فرماتے ہیں۔

فذهب القوم الى هذه الاثار التى رويناها فقلد و ها وقالو لانرى ان يقرا احد فى الظهر والعصر البتة۔

یعنی ایک جماعت انہی آثار کی بنا پر اس بات کی قائل ہے کہ ظہر وعصر کی نماز میں قرأت بالکل نہیں ہونی چاہئیے۔ (شرح معانی الاثار ص ۱٤۱ ج ۱)

اس کے بعد فرماتے ہیں کہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اس کے خلاف بھی منقول ہے چنانچہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کے الفاظ ہیں،

لا ادری أکان رسول الله ﷺ یقرأ فی الظهر و العصر ام لا۔

یعنی مجھے معلوم نہیں کہ رسول اللہ ﷺ ظہر وعصر میں قرأت کرتے تھے یا نہیں، یہ روایت طحاوی کے علاوہ (سنن ابی دائود رقم الحدیث ۸۰۹) باب مذکورہ میں بھی موجود ہے، امام طحاوی ان دونوں اقوال پر محاکمہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

فهذا ابن عباس یخبر فی هذا الحدیث انه لم یتحقق عنده ان رسول الله ﷺ لم یکن یقرأ فیهما و انما امر بترك القراء ة فیما تقدمت روایتنا له عنه لأن رسول الله ﷺ لم یکن یقرأ فی ذلك فاذا انتفی ان یکون قد تحقق ذلك عنده عن النبی ﷺ انتفی ما قال من ذلك لان غیره قد تحقق قراء ة رسو ل الله ﷺ فیهما مما سنذکره فی موضعه من هذا الباب ان شاء الله تعالیٰ مع ان قدروی عن ابن عباس من رایة ما یدل علی خلاف ذلك کما حدثنا علی بن شیبة قال ثنا یزید بن هارون قال انا اسماعیل بن ابی خالد عن العیزار ابن حریث عن ابن عباس قال اقراء خلف الامام بفاتحة الکتاب فی الظهر و العصر ....قال ابو جعفر فهذا ابن عباس قدرویٰ عنه من رایه ان الماموم یقرأ خلف الامام فی الظهر والعصر وقد رأینا الامام تحمل عن الماموم ولم نرا الماموم تحمل عن الامام شیئا فاذا کان الماموم یقرأ فالامام احری ان یقرأء۔

یعنی سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ اس حدیث میں فرماتے ہیں کہ مجھے تحقیق نہیں کہ رسول اللہ ﷺ ظہر وعصر میں قرأت نہیں کرتے تھے (یا کرتے تھے) اور بلاشبہ انہوں نے قرأت نہ کرنے کا بھی حکم فرمایا جیسا کہ پہلے ہم نے ان سے روایت کیا ہے، پس جب ابن عباس رضی اللہ عنہما نے قرأت کی نفی کی تھی تو انہیں اس کا یقین نہ تھا، اور جب دوسروں سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ ظہر وعصر میں قرأت کرتے تھے تو انہوں نے بھی اس کا اقرار کیا جیسا کہ ہم ان شاءاللہ ذکر کریں گے، اس کے ساتھ ساتھ ان سے اس کے خلاف بھی مروی ہے، جیسا کہ ہم سے علی بن شیبہ نے بیان کیا اور وہ بیان کرتے ہیں یزید بن ہارون نے انہیں خبر دی اسماعیل بن ابی خالد سے اور وہ نقل کرتے ہیں عیزار بن حریث سے وہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے کہ ظہر وعصر میں امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھ، امام طحاوی فرماتے ہیں کہ یہ ابن عباس رضی اللہ عنہ ہیں ان سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا ظہر وعصر میں امام کے پیچھے (فاتحہ) پڑھ اور ہمارا مذہب یہ ہے کہ امام مقتدی کی قرأت کا تو متحمل ہوتا ہے مگر مقتدی امام کی قرأت کا متحمل نہیں ہوتا، پس جب مقتدی پڑھے تو امام زیادہ حقدار ہے کہ وہ ظہر وعصر میں پڑھے۔ (شرح معانی الاثار ص۱۴۱ ج۱ باب القراء ة

فی الظهر و العصر)

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کا پہلے یہی مؤقف تھا کہ ظہر و عصر میں مطلق قرأت نہیں خواہ امام ہو یا مقتدی پھر انہیں اس میں تردد ہوا بالآخر آپ ظہر و عصر کی نماز میں مقتدی کو بھی قرأت فاتحہ کا حکم دینے لگے، علامہ کاسانی حنفی بھی فرماتے ہیں کہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ اس سے رجوع کر چکے ہیں۔

فقد مح رجوعه عنه فانه روى ان رجلا ساله وقال اقرا خلف امامى فقال امافى صلاة الظهر والعصر فنعم۔

اس سے ابن عباس رضی اللہ عنہ کا رجوع صحیح ہے، کیونکہ ان سے مروی ہے کہ ایک شخص نے ان سے سوال کیا کہ میں امام کے پیچھے پڑھوں؟ تو انہوں نے فرمایا ہاں ظہر و عصر کی نماز میں پڑھو۔

(بدائع الصنائع ص ۳۲۵ ج ۱)

مولانا خلیل احمد سہارنپوری حنفی دیوبندی ابو داؤد کی شرح میں تحریر کرتے ہیں۔

فالظاهر ان ابن عباس نفى القراءة اولاً لانه لم يعلم بها ثم تردد فى ذلك ثم لما علم بعد ذلك من الصحابة انه صلى الله عليه وسلم كان يقراء فيها اثبت القراءة وقد حققه الطحاوى بما لا مزيد عليه۔

یعنی ظاہر بات یہ ہے کہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ پہلے قرأت کی نفی کرتے تھے کیونکہ انہیں اس کا علم نہ تھا، پھر وہ اس میں متردد رہے پھر جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عمل معلوم ہوا کہ آپ ظہر و عصر کی نماز میں قرأت کرتے تھے تو آپ قرأت کے قائل ہو گئے، اس مسئلہ کی طحاوی نے خوب تحقیق کی ہے جس پر زیادتی کی گنجائش نہیں۔

(بذل المجهور ص٤٦ ج٢)

اس تمام تر تفصیل کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہنچ گئے ہیں کہ مذکورہ اثر سے انوار صاحب کا استدلال تحریف معنوی اور لفظی ہے۔

سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کا قول

(۱) مالك عن ابى نعيم وهب بن كيسان انه سمع جابر بن عبدالله يقول من صلى ركعة لم يقراء فيها بام القرآن فلم يصل الاوراء الامام۔

(موطا امام مالك ص ٦٦ و ترمذى ص ٧١)

حضرت امام مالک ابونعیم وہب بن کیسان سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں حضرت جابر بن عبداللہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جس شخص نے نماز پڑھی اور اس میں سورہ فاتحہ نہیں پڑھی تو گویا اس نے نماز

ہی نہیں پڑھی الا یہ کہ امام کے پیچھے ہو۔

(حدیث اور اهل حدیث ص۳۳٦)

الجواب اولاً انوار صاحب نے حدیث کے معنی میں بد دیانتی کی ہے، سنئے اثر کے الفاظ ،،من صلی رکعة لم یقراء فیها بام القرآن فلم یصل، کا معنی ہے، جس کسی نے ایک رکعت بھی نماز پڑھی اور اس میں فاتحہ نہ پڑھی تو اس نے نماز نہ پڑھی۔

مولانا سرفراز خان صفدر نے، (احسن الکلام ص۳۳۱ ج۱) میں مولانا ظفر احمد عثمانی دیوبندی نے (فاتحة: الکلام فی القراء ۃ خلف الامام ص۲۱) میں مولانا عبدالقیوم دیوبندی نے، (توضیح السنن ص۵۹۹ ج۱) میں ماسٹر امین نے، (تحقیق مسئلہ قرأت خلف الامام مندرجہ مجموعه رسائل ص۷۹ ج۱) میں یہی معنی کیا ہے مگر انوار صاحب ان تمام کے برعکس یہ معنی کرتے ہیں، جس نے نماز پڑھی الخ، بددیانتی اس لئے کی ہے کہ ان الفاظ کا یہ مفاد تھا کہ جس نے نماز کی ایک رکعت میں بھی اگر فاتحہ نہ پڑھی تو اس کی نماز نہ ہوگی، اور یہ چیز مبتدعین دیابنہ کے بدعی مسلک کے خلاف تھی کیونکہ ان کے نزدیک نماز کی آخری دو رکعت میں سورہ فاتحہ تو کجا سرے سے قرأت ہی واجب نہیں، اگر تھوڑی دیر قیام کر کے رکوع کر لیا تو نماز صحیح ہے (خود انوار صاحب نے صفحہ ۳۴۱ پر اس مسئلہ کے جواز کے لیے ایک مستقل باب باندھا ہے) لیکن اس اثر سے اس مؤقف کی پرزور تردید ہوتی تھی، جس سے جان چھڑانے کے لیے انوار صاحب نے بددیانتی اور تحریف معنوی کا سہارا لیا ہے، انا للہ وانا الیه راجعون اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ یہ اثر اگر ہمارے خلاف ہے تو حنفیوں کے بھی موافق نہیں، فما کان جوابکم فهو جوابنا۔

ثانیاً: فصل اول میں ہم نے صحیح سند کے ساتھ نقل کیا ہے کہ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سری نمازوں میں فاتحہ پڑھنے کے قائل تھے، لہذا یہ اثر جہری نمازوں پر محمول ہے،

(۲) عن عبیداللہ بن مقسم قال سالت جابر بن عبداللہ اتقراء خلف الامام فی الظهر والعصر شیأ فقال، لا۔

(مصنف عبدالزاق ص ۱۴۱ ج۲)

حضرت عبیداللہ بن مقسم فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت جابر سے پوچھا کہ کیا آپ ظہر وعصر میں امام کے پیچھے کچھ پڑھتے ہیں۔ آپ نے فرمایا نہیں۔

(حدیث اور اهل حدیث ص۳۳۷)

الجواب :اولاً کیا نہیں پڑھتے تھے؟ آپ کا دعوٰی ہے کہ قرآن نہیں پڑھتے تھے، ہم کہتے ہیں کہ اثر کے الفاظ، شیأ، کا تو آپ نے خود معنی، کچھ،، کیا ہے جس سے علی الا طلاق نفی ہوتی ہے، مگر آپ تخصیص

کا دعوٰی کرتے ہیں، حالانکہ اثر میں اس کا سرے سے کوئی ذکر ہی نہیں، مطلب یہ کہ امام کے پیچھے کچھ بھی نہ پڑھتے تھے، چلو چھٹی ہوئی، تکبیرات انتقال سے، رکوع و سجدات کی تسبیحات سے، تشہد اور درود سے۔

ثانیاً: ہماری پیش کردہ روایات سے ثابت ہے کہ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سری نمازوں میں فاتحہ خلف الامام پڑھا کرتے تھے جبکہ زیر بحث اثر کا اگر یہ مقصد تسلیم بھی کر لیا جائے کہ قرأت نہ کرتے تھے تو تب بھی یہ فاتحہ سے اگلی سورت پر محمول ہے گویا نفی اگلی سورت کی ہے اور ثبوت فاتحہ کا ہے۔

سیدنا ابو دارداء رضی اللہ عنہ کا فرمان

عن کثیر بن مرة عن ابی الدرداء قال قام رجل فقال یا رسول اللہ ﷺ آفی کل صلوة قرآن قال نعم فقال رجل من القوم و جب ھذا فقال ابو الدرداء یا کثیر و انا الی جنبه لاری الامام اذا ام القوم الا قد کفاھم۔

(طحاوی ص١٤٨ ج١ و دارقطنی ص٣٣٢ ج١ و مسند احمد ص٤٤٨ ج٦)

حضرت کثیر بن مرہ سے مروی ہے کہ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا، ایک صاحب اٹھے اور کہنے لگے یا رسول اللہ ﷺ کیا ہر نماز میں قرأت ہے، آپ نے فرمایا ہاں، لوگوں میں سے ایک صاحب بولے کہ پھر تو قرأت واجب ہوگئی، حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اے کثیر میں اس کے پہلو ہی میں تھا میں نے کہا کہ میرا خیال تو یہی ہے کہ جب امام لوگوں کی امامت کرتا ہے، تو اس کی قرأت ہی لوگوں کو کافی ہے۔

(حدیث اور اهل حدیث ص٣٣٨)

الجواب فصل اول میں یہ ثابت کیا جا چکا ہے کہ سیدنا ابو درداء رضی اللہ عنہ امام کے پیچھے فاتحہ پڑھا کرتے تھے، نماز خواہ جہری ہوتی یا سری، ان دونوں آثار کو ملانے سے یہ بات ثابت ہوئی کہ سیدنا ابودرداء رضی اللہ عنہ امام کے پیچھے فاتحہ تو پڑھا کرتے تھے لیکن اگلی سورت نہ پڑھا کرتے۔

تابعین کے اقوال

علقمہ بن قیس:

کتاب الاثار بروایت امام محمد ص۲۲، حضرت ابراہیم نخعی فرماتے ہیں کہ علقمہ بن قیس نے امام کے پیچھے کبھی کسی نماز میں قرأت نہیں کی، نہ جہری نمازوں میں نہ سری میں نہ پہلی رکعتوں نہ پچھلی رکعتوں میں

نہ سورہ فاتحہ اور نہ کوئی اور سورۃ۔(حدیث اور اہل حدیث ص ۳۳۸)

الجواب اولاً: امام عبدالرحمٰن مہدی فرماتے ہیں کہ ہمارے اصحاب (محدثین) ابراہیم کا علقمہ سے سماع کا انکار کرتے تھے (مراسیل ابن ابی حاتم ص ۹) لہذا یہ روایت بوجہ مرسل ہونے کے ضعیف ہے۔

ثانیاً: سند میں حماد بن ابی سلیمان راوی ہے جو کہ مختلط ہیں، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ حماد کی وہی روایت مقبول ہے جو ان کے تلامذہ، شعبہ سفیان ثوری، اور ہشام دستوائی بیان کریں جو ان کے علاوہ ہیں ان کا سماع اختلاط کے بعد کا ہے (مجمع الزوائد ص ۱۱۹ ج ۱) یہی بات امام احمد فرماتے ہیں۔(تہذیب ص ۱۶ ج ۳)

زیر بحث روایت حماد سے مذکورہ تینوں میں سے کسی ایک نے بھی نقل نہیں کی لہذا روایت ضعیف ہے۔

(۲) موطا امام محمد ص ۹۸، حضرت ابرہیم نخعی سے روایت ہے کہ حضرت علقمہ بن قیس نے فرمایا کہ میں انگارے منہ میں لے لوں یہ مجھے زیادہ محبوب ہے بہ نسبت اس کے کہ امام کے پیچھے قرأت کروں۔

(حدیث اور اھل حدیث ص ۳۳۸)

الجواب اولاً: ہم وضاحت کر چکے ہیں کہ ابراہیم کا علقمہ سے سماع ثابت نہیں لہذا یہ روایت بھی مرسل ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے

ثانیاً: سند میں بکیر بن عامر راوی ضعیف ہے۔ (تقریب ص ۴۷)

(۳) مصنف عبدالرزاق ص ۱۳۹ ج ۲، ابو اسحاق سے مروی ہے کہ حضرت علقمہ بن قیس نے فرمایا، میرا جی چاہتا ہے کہ جو امام کے پیچھے قرأت کرتا ہے، اس کا منہ بھر دیا جائے ابو اسحاق کہتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ آپ نے فرمایا تھا کہ اس کا منہ مٹی سے یا آگ کے انگارے سے بھر دیا جائے۔

(حدیث اور اھل حدیث ص ۳۳۹)

الجواب امام ابو حاتم امام ابو زرعہ اور امام شعبہ فرماتے ہیں کہ ابو اسحاق کا علقمہ سے سماع نہیں ہے، خود ابو اسحاق سے کسی نے پوچھا کہ امام شعبہ کہتے ہیں کہ آپ نے علقمہ سے سماع نہیں کیا تو امام ابو اسحاق نے کہا کہ درست کہتے ہیں۔

(مراسیل ابن ابی حاتم ص ۱۴۵) الغرض یہ روایت بوجہ مرسل ہونے کے ضعیف ہے۔

عمر بن میمون:

مصنف ابن ابی شیبہ ص ۳۷۷ ج ۱، میں مالک بن عمارہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن مسعود کے بے شمار اصحاب و تلامذہ سے جن میں عمرو بن میمون بھی ہیں امام کے پیچھے قرأت کرنے کے متعلق سوال کیا تو ان سب نے جواب دیا کہ امام کے پیچھے قرأت نہیں کرنی چاہیے۔

(حدیث اور اھل حدیث ص ۳۳۹)

الجواب اس کی سند کا راوی مالک بن عمارہ مجہول ہے، علامہ نیموی حنفی دیوبندی فرماتے ہیں، فیہ مالك بن عمارة لم اقف من هو، کہ اس میں مالک بن عمارہ ہے جس کا مجھے علم نہیں کہ کون ہے (التعلیق الحسن ص ۱۱۷) علاوہ ازیں سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ سری نمازوں میں فاتحہ پڑھتے تھے، لہذا ان کے اپنے عمل کے بالمقابل تلامذہ کا قول مرجوع ہے۔

اسودہ بن یزید:

مصنف ابن ابی شیبہ ص ۳۷۶ ج ۱ حضرت ابراہیم نخعی فرماتے ہیں کہ اسود بن یزید نے فرمایا کہ میں اس بات کو زیادہ پسند کرتا ہوں کہ اپنے منہ میں آگ کی چنگاری ڈال لوں بجائے اس کے کہ میں امام کے پیچھے قرأت کروں جبکہ مجھے علم ہے کہ وہ پڑھتا ہے۔

مصنف عبدالرزاق ص ۱۳۸ ج ۲ حضرت اسود بن یزید فرماتے ہیں کہ میں اس کو پسند کرتا ہوں کہ جو شخص امام کے پیچھے قرأت کرتا ہے اس کا منہ مٹی سے بھر دیا جائے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۳۳۹ و ۳۴۰)

الجواب پہلی روایت میں ابراہیم نخعی اور دوسری روایت، الاعمش، راوی مدلس ہے اور سماع کی صراحت نہیں لہذا ضعیف ہے، ہم ثابت کر آئے ہیں کہ سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ سرّی نمازوں میں فاتحہ خلف الامام پڑھا کرتے تھے، تو کیا شاگرد رشید کا یہ فتوی اپنے استاد محترم کے حق میں (معاذ اللہ) صحیح ہے، علاوہ ازیں فاتحہ خلف الامام کا مسئلہ تو صحابہ کرام میں مختلف فیہ تھا، بعض اجل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم امام کے پیچھے فاتحہ پڑھا کرتے تھے، تو کیا ان سب کے متعلق انوار صاحب (استغفراللہ) یہی نظریہ رکھتے ہیں، اس سلسلہ میں ہم اکابر علمائے دیوبند سے مولانا گنگوہی کا ایک فتوی بھی پہلے نقل کر چکے ہیں ان کے بارے میں بھی اظہار خیال فرمادیں۔

سوید بن غفلہ:

مصنف ابن ابی شیبہ ص ۳۷۷ ج ۱، ولید بن قیس فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت سوید بن غفلہ سے سوال کیا کہ ظہر اور عصر کی نماز میں امام کے پیچھے قرأت کرسکتا ہوں، فرمایا نہیں۔

(حدیث اور اہل حدیث ص ۳٤۰)

الجواب اس سے مراد سورہ فاتحہ سے اگلی سورت کی قرأت مراد ہے، یا امام کے پیچھے بلند آواز سے پڑھنے کی ممانعت پر محمول ہے تاکہ قول تابعی اور احادیث مرفوعہ صحیحہ کے درمیان موافقت ہو جائے۔

سعید بن مسیّب:

مصنف ابن ابی شیبہ ص ۳۷۷ ج ۱، حضرت سعید بن مسیّب نے فرمایا کہ امام کے پیچھے بالکل

خاموشی اختیار کرو۔ (حدیث اور اهل حدیث ص ۳۔۴۰)

الجواب اثر کے الفاظ ہیں، انصت للامام، امام کے لیے خاموشی اختیار کرو، مگر انوار صاحب اس کا معنی کرتے ہیں کہ امام کے پیچھے خاموشی اختیار کرو، انا للہ وانا الیہ راجعون محترم جو آپ دعوی کر رہے ہیں وہ فضول ہے، اثر میں صرف امام کے لیے خاموشی کا کہا گیا ہے یہ پیش امام کے کلام پر بھی محمول ہو سکتا ہے، خطبہ جمعہ کے لیے بھی امکان ہے، علاوہ ازیں انصات پڑھنے کے منافی نہیں تفصیل گزر چکی ہے علاوہ ازیں سند میں قتادہ مدلس ہے اور روایت بھی معنعنہے قتادہ کی تدلیس کی صراحت مرفوع روایات کے سلسلہ میں کر دی گئی ہے۔

سعید بن جبیر:

مصنف ابن ابی شیبه ص۳۷۷ ج ۱، ابو بشر فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت سعید بن جبیر سے سوال کیا کہ امام کے پیچھے قرأت کی جا سکتی ہے؟

فرمایا کہ امام کے پیچھے کسی قسم کی قرأت نہیں کی جا سکتی۔ (حدیث اور اہل حدیث ص۴۱۔۳)

الجواب اولاً: اس کی سند میں ھشیم بن بشیر راوی مدلس ہے، (طبقات المدلسین ص٤٧) علامہ ابن ترکمانی حنفی فرماتے ہیں۔ هشیم مدلس و قد عرف ان عنعنة المدلس قادحة فی الصحة

یعنی ھشیم مدلس ہے اور یہ بات معروف ہے کہ مدلس کا عنعنہ صحت حدیث کے منافی ہے۔

(الجوهر النقی ص۳۳۷ ج۷)

ثانیاً: اس ضعیف اثر کے بالمقابل ہم صحیح سند کے ساتھ ثابت کر آئے ہیں کہ سعید بن جبیر جہری و سری میں فاتحہ خلف الامام پڑھا کرتے تھے، لہذا صحیح کے بالمقابل ضعیف نا قابل حجت ہے۔

ابراہیم نخعی:

(۱) (مصنف بن ابی شیبہ ص۳۷۷ ج۱) حضرت مغیرہ سے مروی ہے کہ حضرت ابراہیم نخعی اما کے پیچھے قرأت کرنے کو مکروہ سمجھتے تھے اور فرماتے تھے کہ تجھے امام کی قرأت ہی کافی ہے۔

(حدیث اور اهل حدیث ص ۳٤١)

الجواب : ابراہیم سے نقل کرنے والا راوی، مغیرہ بن مقسم ہے، جو مدلس ہے (طبقات المدلسین ص۴۶) اور سماع کی صراحت نہیں، مغیرہ سے، ھشیم بن بشیر نقل کرتا ہے اور یہ بھی مدلس ہے جیسا کہ اوپر والے اثر میں تفصیل گزر چکی ہے۔

(۲) موطا امام محمد ص۹۸ حضرت ابراہیم نخعی فرماتے ہیں کہ اول وہ شخص جس نے امام کے پیچھے

قرأت کی وہ ایسا آدمی تھا جس پر بدعتی ہونے کا الزام لگایا گیا تھا۔

الجواب اولاً مولانا ظفر احمد عثمانی فرماتے ہیں، ابراہیم نخعی فقہا کوفہ میں سے ہیں۔ بظاہر مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ کوفہ میں سب سے پہلے جس شخص نے قرأت خلف الامام شروع کی وہ متہم تھا، ممکن ہے کہ کوئی خارجی یا قدری ہو، اس سے پہلے اہل کوفہ کا عمل عبداللہ بن مسعود کے موافق تھا کہ وہ امام کے پیچھے قرأت نہ کرتے تھے ابراہیم نخعی کا یہ مطلب نہیں کہ مکہ اور حجاز میں بھی قرأت خلف الامام کرنے والا مبتدع یا متہم تھا۔

(فاتحة الکلام فی القرأة خلف الامام ص۱۸۱۷، و مندرجه احسن الفتاوی ص۱۷۹ ج۳)

ثانیاً: اگر انوار صاحب کی اس سے تسلی نہیں ہوئی تو پھر سن لیجئے کہ امام محمد خود متہم ہے، امام یحی بن معین اور ابن حبان نے کذاب قرار دیا ہے۔

(ابن عدی ص۲۱۸۳ ج۵ ولسان ص۱۲۲ ج۵ والمجروحین ص۲۷۶ ج۲)

(۳) مصنف ابن ابی شیبه ص۳۷۷ ج۱، حضرت ابراہیم نخعی فرماتے ہیں کہ جو شخص امام کے پیچھے قرأت کرتا ہے وہ فاسق ہے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص۳۴۱)

الجواب اولاً مصنف کے مطبوعہ نسخہ کے متن میں، شاق، کا لفظ ہے جو بمعنی مخالفت آتا ہے، اثر کا مطلب یہ ہے کہ امام کی مخالفت کرتا ہے، اگر اسے شق سے مشتق تسلیم کیا جائے تو یہ بمعنی مشکل آتا ہے، دریں صورت اثر کا یہ مفہوم بنتا ہے کہ امام کے پیچھے قرأت کرنے والا مشکل میں مبتلا ہوتا ہے، مگر انوار صاحب اس کا معنی فاسق کرتے ہیں کیوں؟ اس لیے کہ حاشیہ میں نسخہ کا نشان دیکر لکھا ہے، فساق، یعنی ایک نسخہ میں فساق کا لفظ ہے، لیکن انوار صاحب نقل تو شاق، کرتے ہیں مگر معنی فاسق کرتے ہیں، ہم آپ کو مشورہ دیتے ہیں کہ تصنیف کی بجائے کسی فاضل سے ترجمہ قرآن ضرور پڑھیئے، ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

ذلك بانهم شآقوا الله، (الانفال ۱۳) یہ اس لیے کہ وہ مخالف ہوئے اللہ کے۔

ثانیاً: اس کی سند میں عبدالملک بن ابی سلیمان راوی مجہول ہے، کتب رجال میں تلاش بسیار کے باوجود ان کا ترجمہ ہمیں نہیں ملا، دوسرا روادی، اکیل، ہے۔ اسے ذہبی نے (تاریخ الاسلام ص ۳۷۷ ج ۳) میں امام بخاری رحمہ اللہ نے (التاریخ الکبیر ص ۶۵ ج۲) اور ابوحاتم نے (الجرح والتعدیل ص ۳۴۸ ج۲) میں ذکر کیا ہے مگر کوئی جرح یا تعدیل نہیں کی، جس سے معلوم ہوا کہ موصوف مستور الحال ہیں، الغرض یہ روایت سنداً سخت ضعیف ہے۔

(۴) الجوهر النقی ص۱۶۹ ج۲، حضرت ابراہیم نخعی نے فرمایا کہ لوگوں نے امام کے پیچھے قرأت کرنے کی بدعت ایجاد کی ہے، اور وہ (صحابہ کرام اور تابعین) امام کے پیچھے قرأت نہیں کیا کرتے تھے۔ (حدیث اور اهل حدیث ص۳۴۲)

الجواب: اولاً: جوہر النقی والے نے اس اثر کو ابن ابی شیبہ سے نقل کیا ہے مگر ابن ابی شیبہ کو دیکھ لیا گیا ہے اور اس میں یہ اثر نہیں،

ثانیاً: ابن ترکمانی نے جو سند نقل کیا ہے، اس میں، الاعمش، راوی ہے جو زبردست مدلس ہے، امام دارقطنی، نسائی، کرابیسی وغیرہ اہل علم نے اسے مدلس قرار دیا ہے (طبقات المدلسین ص۳۳) اور یہاں تحدیث کی صراحت نہیں۔

ثالثاً: ابراہیم نخعی کا کسی صحابی سے سماع ثابت نہیں، صرف سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو دیکھا ہے (مراسیل ابن ابی حاتم ص) الغرض اقوال صحابہ کے لیے یہ اثر مرسل ہے۔

رابعاً: فصل اول میں ہم نے صحابہ کرام تابعین عظام فقہاء و محدثین اور اکابر احناف سے فاتحہ خلف الامام پڑھنا ثابت کر دیا ہے، تو کیا یہ تمام حضرات بدعتی وفاسق اور عقل وعلم سے کورے تھے۔

لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

خلاصہ کلام

انوار صاحب قرآن کریم اور احادیث صحیحہ میں سے امام کے پیچھے سورہ فاتحہ نہ پڑھنے پر کوئی دلیل پیش نہیں کر سکے، اور نہ ہی قرآن وسنت سے یہ ثابت کر سکے ہیں کہ جو حضرات فاتحہ پڑھتے ہیں ان کی نماز نہیں ہوتی، اور جو دلائل نقل کئے ہیں وہ تمام کے تمام ضعیف ومعلول اور غیر ثقہ راویوں سے مروی ہیں۔ کسی ایک صحابی کا قول پیش نہیں کر سکے کہ امام کے پیچھے سورہ فاتحہ نہ پڑھنی چاہئے یا پڑھنے والے کی نماز باطل اور فاتحہ پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، اس سلسلہ میں انہوں نے جو بھی زیب رقم فرمایا ہے وہ غیر متعلقہ یا شاذ وضعیف ہے۔

مولانا عبدالحی حنفی لکھنوی مرحوم فرماتے ہیں۔

لم یرد فی حدیث مرفوع صحیح النھی عن قراء ۃ الفاتحۃ خلف الامام وکل ما ذکروہ مرفوعاً اما لا اصل لہ واما لا یصح۔

یعنی کسی بھی مرفوع حدیث صحیح میں قرأت فاتحہ خلف الامام کی ممانعت نہیں آئی، اور جو بھی مرفوعاً ذکر کرتے ہیں یا وہ بے اصل ہے یا وہ صحیح نہیں۔ (التعلیق المجد ص۹۹)

یہی بات انہوں نے، امام الکلام ص۲۸۲ میں کہی ہے، ایک مقام پر فرماتے ہیں۔

فظھر انہ لا یوجد معارض لا حادیث تجویذ القراء ۃ خلف الامام مرفوعاً

پس ظاہر ہو گیا کہ ان میں کوئی بھی حدیث قرأت خلف الامام کے جواز کی احادیث کے معارضہ و مقابلہ کی نہیں پائی جاتی۔ (التعلیق المجد ص۹۹)

(۳۲) باب رکوع میں ملنے سے رکعت نہیں ہوتی

فصل اول

(۱) عن ابی قتادة، قال،بینما نحن نصلی مع النبی ﷺ اذ سمع جلبة الرجال فلما صلی قال، ما شانکم؟ قالوا، استعجلنا الی الصلاة، قال، فلا تفعلوا، اذا أتیتم الصلاة فعلیکم بالسکینة فما ادرکتم فصلوا، وما فاتکم فاتموا۔

سیدنا ابو قتادہ (حارث بن ربعی) رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم نبی ﷺ کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے کہ اتنے میں آپ علیہ السلام نے کچھ لوگوں کے دوڑنے کی آواز سنی، نماز کے بعد فرمایا کیا آواز تھی؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا کہ ہم نماز کے لیے جلدی دوڑ کر آئے تھے، آپ علیہ السلام نے فرمایا (آئندہ) ایسا نہ کرنا جب تم نماز کے لیے آؤ تو اطمینان اور سہولت کو لازم کرلو جتنی نماز پالو اتنی (امام کے ساتھ پڑھ لو) اور جتنی نماز جاتی رہے وہ بعد میں پوری کرو۔

بخاری کتاب الاذان باب قول الرجال فاتتنا الصلاة الحدیث ٦٣٥ و مسلم کتاب المساجد باب استجباب اتیان الصلاة بوقار و سکینة ...... الحدیث ١٣٦٣)

(۲) عن ابی هریرة عن النبی ﷺ قال اذا سمعتم الاقامة فامشوا الی الصلاة وعلیکم بالسکینة والوقار، ولا تسرعوا فما ادرکتم فصلوا وما فاتکم فاتموا۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی مکرم ﷺ نے فرمایا کہ جب تم تکبیر کی آواز سنو تو نماز کے لیے چلتے ہوئے آؤ اور آہستگی اور سہولت کو اپنے اوپر لازم کرلو، دوڑو نہیں، پس جتنی نماز ملے وہ پڑھ لو جو جاتی رہے اس کو پورا کرو۔

(بخاری کتاب الاذان باب لا یسعی الی الصلاة ولیاتها بالسکینة والوقار، الحدیث ٦٣٦)

(۳)عن ابی هریرة قال اذا ادرکت القوم رکوعا لم تعتد بتلك الرکعة۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب تم جماعت کے ساتھ اس حالت میں شریک ہو کہ وہ رکوع میں ہوں، تو تم اس رکعت کو شمار نہ کرو۔

(جزء القراءة مترجم ص ٧٠ ١٢٢)

(۴'۵) قال ابو سعید لا یرکع احدهم حتی یقرأبام القرآن، قال البخاری وکانت عائشة تقول ذلك۔

سیدنا ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تم میں سے کوئی رکوع نہ کرے جب تک ام القرآن نہ

پڑھ لے، امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں،

یہی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ (جزء القراءۃ مترجم ص ۷۰)

قارئین کرام مذکورہ احادیث و آثار سے ثابت ہو رہا ہے کہ رکوع میں ملنے سے رکعت نہیں ہوگی۔ مرفوع احادیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ نماز کے لیے آتے ہوئے سکون وقار سے آنا چاہیئے، نماز کا جو حصہ جماعت کے ساتھ ملے وہ پڑھ لیا جائے اور جو رہ جائے وہ ادا کیا جائے، مدرک رکوع کا قیام اور قرأت دونوں ہی فوت ہوگئیں لہذا اس رکعت کا اعادہ بھی ضروری ہے، قیام تو خود حنفیہ کے نزدیک امام و مقتدی دونوں پر فرض ہے اور سابقہ باب کی احادیث سے مقتدی پر سورہ فاتحہ کا پڑھنا بھی ضروری ثابت ہوتا ہے لہذا جب قیام و قراءۃ اس سے فوت ہو گئے تو اس کی وہ رکعت شمار نہ ہوگی بحکم نبوی وہ اسے ادا کرے گا، سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ اور ام المومنین صدیقہ کائنات سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے آثار سے بھی ثابت ہوا کہ مدرک رکوع کی وہ رکعت نہ ہوگی۔

فصل دوم

(۱) عن الحسن عن ابی بکرة انه انتهی الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وهو راکع فرکع قبل ان یصل الصف فذکر ذلك للنبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال زادك الله حرصا ولا تعد۔(بخاری ص۱۰۸)

حضرت حسن بصری حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ جب نبی علیہ الصلوۃ والسلام کے پاس (مسجد نبوی میں) پہنچے تو آپ رکوع میں جا چکے تھے، چنانچہ صف میں ملنے سے قبل ہی وہ رکوع میں چلے گئے (اور آہستہ چلتے ہوئے صف میں مل گئے) نبی علیہ السلام کے سامنے اس کا تذکرہ ہوا تو آپ نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ تجھے نیکی کرنے پر اور حریص کرے پھر ایسا نہ کرنا

(حدیث اور اہل حدیث ص ۳۵۴)

الجواب اولاً: اس حدیث کا جواب باب سابق کی فصل دوم میں حدیث نمبر ۵۵ کے تحت تفصیل سے گزر چکا ہے، وہاں سے ہی دیکھ لیا جائے، دوبارہ لکھنے کی ضرورت نہیں۔

ثانیاً: حنفیہ کا اس حدیث سے استدلال تب درست ہے جب یہ ثابت کر دیا جائے کہ سیدنا ابو بکرہ رضی اللہ عنہ نے رکوع میں ملنے والی رکعت کو شمار کیا تھا اور دوبارہ نہیں پڑھی تھی، اگر اس کا ثبوت نہیں قطعاً نہیں تو پھر یہ حنفیہ کی دلیل کیسے ہوئی۔

ثالثاً: انوار صاحب بہت ہی فضول انسان ہیں کہ جس فعل سے اللہ کے رسول سیدنا محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم منع فرما رہے ہیں، اسی سے یہ استدلال کر رہے ہیں، نماز میں کلام کرنا منع ہے، اس سے نماز باطل ہو جاتی ہے، مگر صحابی نے نماز میں کلام کیا، نماز پوری ہونے پر نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابی کو مسئلہ سمجھایا کہ نماز،

تسبیح وتکبیر اور قرأت قرآن کا نام ہے، ان هذا الصلاة لا يصلح فيها شي من كلام الناس، یعنی یہ نماز انسانوں کی باتوں میں سے کسی چیز کی صلاحیت نہیں رکھتی (مسلم رقم الحدیث ۱۱۹۹) باب سابق کی فصل اول میں حدیث نمبر۴۷ کے تحت ہم یہ مفصل نقل کر چکے ہیں۔اور خود انوار صاحب نے (حدیث اور اهل حدیث ص۵۳۵) میں اسے درج کیا ہے، اس حدیث پر غور کیجئے کہ نبی مکرم ﷺ نے صحابی کو مسئلہ تو سمجھایا ہے مگر نماز لوٹانے کا حکم نہیں دیا۔کیوں؟ اس لیے کہ صحابی کو مسئلہ کا علم نہ تھا، جس کی بنا پر سیدنا معاویہ بن حکم سلمی رضی اللہ عنہ کی نماز تو ہوگئی، مگر اب کوئی مسئلہ کو جاننے والا اس حدیث سے استدلال کرے کہ نبی علیہ الصلاۃ والسلام نے گو نماز میں کلام سے منع کیا ہے مگر نماز لوٹانے کا حکم نہیں دیا، ایسے مجتہد صاحب کو آپ کیا جواب دیں گے، جو بھی دیں گے وہی ہماری طرف سے سیدنا ابو بکرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کا سمجھ لینا۔

(۲) عن زيد بن وهب قال دخلت انا وابن مسعود المسجد والامام راكع فركعنا ثم مضينا حتى استوينا بالصف فلما فرغ الامام قمت اقضى فقال قدادركته۔ (معجم طبرانی کبیر ص ۲۷۱ ج۹)

حضرت زید بن وہب فرماتے ہیں کہ میں اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ مسجد میں نماز پڑھنے کے لیے داخل ہوئے تو امام رکوع میں جا چکا تھا، چنانچہ ہم بھی رکوع میں چلے گئے اور آہستہ چلتے چلتے صف میں مل گئے، جب امام فارغ ہوا تو میں اٹھ کر (وہ رکعت) قضا کرنے لگا، حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا کہ بھئی تم نے وہ رکعت پالی ہے۔

(حدیث اور اهل حدیث ص۳۰۲)

الجواب اولاً: اثر کے الفاظ ہمارے سامنے ہیں کہ امام رکوع میں تھا جب ہم مسجد میں داخل ہوئے، فركعنا، ہم نے بھی بلا توقف رکوع کیا، ثم مضينا حتى استوينا، پھر ہم چلتے ہوئے صف میں جا کر شامل ہوئے، یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا واقعی حنفی اس طرح کرنے کے قائل ہیں کہ باوضو ہو کر مسجد میں گئے تو پیش امام رکوع میں تھا تو مسجد میں داخل ہوتے ہی رکوع کر لیا جائے اور پھر صف میں جا کر شامل ہو کر نماز پڑھ لی جائے، اور اسی حالت میں رکوع سے ملنے کو رکعت شمار کیا جائے، یقین جانئے کہ حنفی اس کے قطعاً قائل نہیں، ان کے نزدیک نماز میں پیدل چلنا نماز کو باطل کر دیتا ہے، فقہ حنفی کی تمام متداول کتب میں، فصل فيما يفسد الصلاة، کے تحت اس مسئلہ کو بیان کیا گیا ہے، مثلاً دیکھئے، مستملی ص۱۲۰ و فتاوی عالم گیری ص۱۰۳ ج۱ وهدايه مع فتح القدير ص۲۸۶ ج۱ وغیرہ، حتی کہ دیوبندی علماء کا فتویٰ بھی اسی پر ہے۔

دیکھئے احسن الفتاوی ص۴۱۴ ج۳ و فتاوی دار العلوم دیوبند ص۵۶ ج۳) مولانا اشرف علی تھانوی

صاحب فرماتے ہیں، کسی ضرورت کی وجہ سے اگر قبلہ کی طرف ایک آدھ قدم آگے بڑھ گئی یا پیچھے ہٹ آئی لیکن سینہ قبلہ کی طرف سے نہیں پھرا تو نماز درست ہو گئی لیکن اگر سجدہ کی جگہ سے آگے بڑھ جائے گی تو نماز نہ ہوگی۔ (بهشتی زیور ص۲۲ حصه دوم)

مگر زید بن وہب اور سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ تو مسجد میں داخل ہوتے ہی رکوع میں چلے گئے اور پے در پے چلتے ہوئے صف میں ملے، فقہ حنفی کے فتوی کے موافق تو ان کی نماز ہی باطل ہے، مگر انوار خورشید صاحب کتنے بھولے پن سے اسے فقہ حنفی کی تائید میں نقل کرتے ہیں۔

ثانیاً: اگر کہا جائے کہ صف میں ملنے سے پہلے کی نماز تو باطل ہوئی مگر جب صف میں مل گئے تو وہاں سے ہی نماز کی ابتدا ہوگئی، لہذا یہ ہمارے موافق ہے، راقم عرض کرتا ہے کہ یہ بات پہلی بات سے بھی زیادہ خطرناک ہے، کیونکہ حنفیہ کے نزدیک تکبیر تحریمہ اور قیام فرض ہے، اور اس صورت میں یہ دونوں ہی ساقط ہوگئیں، بہر حال یہ اثر خود حنفیہ کے بھی خلاف ہے۔

فما كان جوابكم فهو جوابنا

ثالثاً: فصل اول میں ہم آثار صحابہ کرام نقل کر چکے ہیں کہ رکوع میں ملنے سے رکعت نہ ہوگی، اور جس مسئلہ میں صحابہ کا اختلاف ہو، وہاں اقوال صحابہ حجت نہیں ہوتے، مقدمہ میں تفصیل عرض کر دی گئی ہے۔

رابعاً: اس اثر میں اس بات کی وضاحت نہیں کہ امام زید بن وہب نے سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا مؤقف تسلیم کر لیا تھا، اس میں صرف اتنا ہے کہ سیدنا زید جب رکوع میں ملنے والی رکعت کو دہرانے لگے تو سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا، **قد اد ركتة**۔

جس سے ثابت ہوا کہ انہوں نے وہ رکعت دہرائی تھی، سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے مؤقف کی طرف رجوع نہیں کیا، اگر کرتے تو اس کا ذکر ہوتا، اور امام زید بن وہب جلیل القدر تابعی ہیں۔ جنہوں نے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حین حیات میں اسلام قبول کیا پھر حضور علیہ السلام کی طرف ہجرت کی، ابھی راستہ میں ہی تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہو گیا۔

(تهذيب ص٤٦٧ ج٣)

ایسے جلیل الشان تابعی نے اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی صحبت اٹھائی ہوگی، سیدنا علی رضی اللہ عنہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ جیسے خلفائے الراشدین سے ان کی روایات تو صحاح ستہ میں موجود ہیں۔ ظاہر ہے کہ انہوں نے رکوع کی رکعت کو دہرانا اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے سیکھا تھا۔

فما كان جوابكم فهو جوابنا۔

(۳) عن علي و ابن مسعود قالا من لم يدرك الركعة فلا يعتد بالسجدة

(معجم طبرانی کبیر ص ۲۷۰ ج ۹)

حضرت علی اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما دونوں نے فرمایا کہ جس نے (امام کو) رکوع (میں) نہ پایا اس کے سجدہ (میں) پانے کا اعتبار نہیں۔

(حدیث اور اھل حدیث ص ۳۰٤)

الجواب اولاً: اس کی سند میں ہبیر بن یریم راوی متکلم فیہ ہے، امام احمد نے لا باس بہ (اس میں کوئی حرج نہیں) کہا ہے، امام نسائی نے لیس بالقوی (قوی نہیں) قرار دیا ہے، ابن خراش نے ضعیف اور امام ابن معین نے مجہول کہا ہے اور امام ابو حاتم نے، شبیۃ مجہول، کہتے ہیں۔

(تھذیب ص ۱۲٤ ج ۱)

حافظ ابن حجر نے، (تقریب ص ۳۲۳) میں، لا باس بہ، کہا ہے، ایسے راویوں کی روایت متابعت کے بغیر قابل قبول نہیں ہوتی، سند میں دوسری خرابی یہ ہے کہ ہبیر سے نقل کرنے والے ابو اسحاق ہیں اور ابو اسحاق سے اسرائیل نے روایت نقل کی ہے، اور باب سابق کی فصل دوم میں راویت نمبر ۵۱ کے جواب میں ہم تفصیل سے لکھ چکے ہیں کہ ابو اسحاق مختلط ہیں اور اسرائیل نے ابو اسحاق سے سماع اختلاط کے دور میں کیا ہے، الغرض یہ روایت ضعیف ہے۔

ثانیاً: امام طبرانی نے یہ روایت امام عبدالرزاق کی سند سے نقل کی ہے اور، (مصنف عبدالرزاق ص ۲۸۱ ج ۲ رقم الحدیث ۳۳۷۱) میں یہ روایت ان الفاظ سے مروی ہے۔

عن علی وابن مسعود قالا، من لم یدرك الرکعة الاولی فلا یعتد بالسجدة۔

یعنی سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس نے پہلی رکعت نہ پائی اس کے سجدہ پانے کا بھی اعتبار نہیں۔

اس متن کے موافق اثر کا یہ معنی بنتا ہے کہ اگر دوسری یا تیسری رکعت میں جماعت سے ملا تو اسے جماعت کا ثواب نہیں ملے گا، حالانکہ فریقین اس بات کو تسلیم نہیں کرتے، الغرض یہ روایت سنداً ضعیف ہے اور متن کے لحاظ سے مضطرب ہے۔

(۴) عن خارجة بن زید بن ثابت ان زید بن ثابت کان یرکع علی عتبة المسجد و وجهه الی القبلة ثم یمشی معترضا علی شقه الایمن ثم یعتد بها ان وصل الی الصف اولم یصل۔

(طحاوی ص ۲۷۲ ج ۱)

حضرت خارجہ بن زید، حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ مسجد کی دہلیز میں قدم رکھتے ہی قبلہ رو ہو کر رکوع میں چلے جاتے پھر (بحالت رکوع) دائیں طرف (صف کی طرف) چل

پڑتے اور اس رکوع سے پوری رکعت شمار کرتے چاہے آپ صف تک پہنچتے یا نہ پہنچتے۔
(حدیث اور اہل حدیث ص۳۵۵)

الجواب سند میں، عبدالرحمٰن بن ابی الزناد، راوی ہے جو مدینہ سے چلے جانے کے بعد بغداد میں مختلط ہوگئے (تقریب ص۲۰۲) جو شخص اس اثر کی صحت کا مدعی ہے وہ ثابت کرے کہ عبدالرحمٰن سے روایت نقل کرنے والے راوی (ابن ابی مریم) نے ان سے تغیر حفظ سے پہلے سماع کیا ہے۔

ثانیاً: اس اثر میں، طحاوی کا استاذ ابن ابی داوٗد ہے اس کی بحوالہ توثیق ثابت کی جائے، تمام متداول کتب رجال اس کے حالات سے خاموش ہیں، اور ایک زمانہ بیت چکا ہے کہ علماء اہل حدیث کی طرف سے یہ اعتراض کیا گیا ہے، دیکھئے البرھان العجاب ص۴۳۲ مگر تاحال حنفیہ کی طرف سے اس کا جواب نظر سے نہیں گزرا۔

ثالثاً: ہم پہلے بھی عرض کر چکے ہیں کہ احناف اس طرح صف میں ملنے کے خلاف ہیں لہٰذا اس اثر کو انوار اصاحب کا اپنے مؤقف پر پیش کرنا غلط ہے۔

(۵) عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ اذا جئتم الی الصلاۃ و نحن سجود فاسجدوا ولا تعتدوھا شیئا ومن ادرک الرکعۃ فقد ادرک الصلاۃ۔

(ابو داود ص۱۲۹ ج۱ و مستدرک حاکم ص۲۱۶ ج۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم نماز کے لیے آؤ اور ہم سجدہ میں جا چکے ہوں تو تم بھی سجدہ میں چلے جاؤ اور اس رکعت کو شمار نہ کرو البتہ جس نے رکوع پالیا اس نے نماز (کی وہ رکعت) پالی۔ (حدیث اور اہل حدیث ص۳۵۵)۔

الجواب اولاً: رکعتہ کا لفظ جب قیام کے بالمقابل آئے تو تب اس کا معنیٰ رکوع ہوتا ہے اور جب سجدہ کے بالمقابل آئے تو تب اس کا معنیٰ رکوع سے لیکر سجدہ تک ہوتا ہے، اور جب مطلقاً رکعتہ۔ بولا جائے تو اس سے مراد پوری ایک رکعت ہوتی ہے، اور اسے کسی اور معنیٰ پر محمول کرنے کے لیے قرینہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ جبکہ زیر بحث حدیث میں، رکعتہ، بمعنیٰ رکوع لینے پر کوئی قرینہ نہیں ہے، لہٰذا انوار خورشید صاحب کا اس روایت سے استدلال باطل ہے۔

ثانیاً: اس کی سند میں، یحییٰ بن ابی سلیمان راوی ہے، امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ منکر الحدیث ہے، ابو حاتم فرماتے ہیں، مضطرب الحدیث اور غیر قوی ہے، ابن خذیمہ نے مجہول قرار دیا ہے۔
(تہذیب ص۱۲۸ ج۱۱)

ثالثاً: اس میں انقطاع کا بھی شبہ ہے، جیسا کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے 'جزء القراۃ' میں اشارہ کیا ہے کہ یحیی بن ابی سلیمان نے زید اور ابن المقبری سے سماع کا ذکر نہیں کیا اور نہ اس سے حجت قائم ہوسکتی

ہے (جزء القراۃ ص۲۶) الغرض یہ روایت بھی ضعیف ہے۔

(۶) عن ابی هريرة ان رسول اللهﷺ قال من ادرك ركعة من الصلوة فقد ادركها قبل ان يقيم الامام صلبه۔

(صحيح ابن خزيمه ص۴۵ ج۳ و صحيح ابن حبان ص۳۵۲ ج۴)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے امام کے رکوع میں اٹھنے سے پہلے رکوع کو پالیا اس نے وہ رکعت پالی۔

(حديث اور اهل حديث ص۳۵۶)

الجواب امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ اس کی سند میں، یحیی بن حمید، راوی مجہول ہے اور اس کی کسی نے متابعت نہیں کی (جزء القرأۃ ص۹۸) امام ابن یونس اور ابن عدی کہتے ہیں کہ اس کی صرف یہی ایک حدیث مروی ہے اس کے علاوہ مجھے کسی اور حدیث کا علم نہیں ہوا، امام دارقطنی کا کہنا ہے ضعیف ہے۔

(لسان الميزان ص۲۵۰ ج۲ والكامل ص۲۶۸۴ ج۷)

ثانیاً: امام عقیلی فرماتے ہیں، قبل ان يقيم الامام صلبه، کا جملہ امام زہری کا قول ہے، جسے یحیی نے متن حدیث میں داخل کر دیا ہے۔

ثالثاً: یحیی نے یہ روایت قرہ بن عبدالرحمٰن سے نقل کی ہے اسے امام احمد نے سخت منکر الحدیث قرار دیا ہے، امام یحیی نے ضعیف اور ابو حاتم امام نسائی نے، لیس بالقوی کہا ہے، امام ابو زرعہ کہتے ہیں کہ مناکیر روایت کرتا ہے، ابو داؤد کہتے ہیں کہ اس کی احادیث میں نکارت ہے۔

الغرض یہ روایت سخت ضعیف ہے، اور جماعت محدثین نے یہ حدیث امام زہری سے ان الفاظ سے نقل کی ہے۔

من ادرك ركعة من الصلاة فقد ادرك الصلاة۔

یعنی جس نے رکعت کو پالیا اس نے نماز کو پالیا،

بخاری رقم الحديث ۵۸۰ و مسلم رقم الحديث ۱۳۷۱ و تا ۱۳۷۳ و تحفة الاشراف ص۳۵ ج۱۱)

ایک جماعت حفاظ کے بالمقابل اس ضعیف و مجہول کی روایت کو پیش کرنا علم و دیانت کے خلاف ہے۔

(۷) مالك انه بلغه ان ابا هريرة كان يقول من ادرك الركعة فقد ادرك السجدة ومن فاته ام القرآن فقد فاته خير كثير۔

(موطا امام مالك ص۷)

حضرت امام مالک سے مروی ہے کہ حضرت ابو ہریرہ فرماتے تھے کہ جس نے رکوع پالیا اس نے

سجدہ پالیا اور جس سے ام القرآن فوت ہوگئی اس سے خیر کثیر فوت ہوگئی۔

(۸)مالك انه بلغه ان عبدالله بن عمرو زيد بن ثابت كانا يقولان من ادرك الركعة فقد ادرك السجدة۔

(موطا امام مالك ص۷)

حضرت امام مالک سے مروی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر اور زید بن ثابت دونوں فرمایا کرتے تھے کہ جس شخص نے رکوع پالیا اس نے سجدہ بھی پالیا۔

(حديث اور اهل حديث ص۳۵٦)

الجواب یہ اقوال بلاسند ہیں، اور بلا سند اقوال دین میں حجت نہیں ہوتے، امام عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں، الاسناد من الدین ولولا الاسناد لقال من شاء ماشاء۔

یعنی اسناد دین میں سے ہے، اگر سند نہ ہوتی تو جو کوئی چاہتا کہہ دیتا۔

(مقدمه صحيح مسلم رقم الحديث ۳۲)

مولانا سرفراز خان صفدر حنفی دیوبندی ایک مقام پر امام بخاری رحمہ اللہ سے الجھتے ہوئے فرماتے ہیں کہ امام بخاری نے اپنے استدلال میں اس اثر کی کوئی سند نقل نہیں کی اور بے سند بات حجت نہیں ہوسکتی۔ (احسن الكلام ص۴۰۳ ج۱)

ایک نرالی دلیل مولانا انوار خورشید صاحب نے بحوالہ اعلاء السنن ص۳۰۵ ج۴ علامہ ابن عبدالبر سے نقل کیا ہے کہ جمہور امت کے نزدیک رکوع میں ملنے سے رکعت ہو جاتی ہے۔

(حديث اور اهل حديث ص۳۵۸)

حالانکہ جمہور کوئی شرعی دلیل نہیں ہے، حنفیہ کی اصول کی تمام متداول کتب میں صراحت ہے کہ ادلہ شرعیہ چار ہیں، قرآن، سنت، اجماع اور قیاس، ان چاروں پر غور کریں، جمہور ان چار ادلہ میں آتے ہیں، نہیں قطعاً نہیں، تو پھر اس کا نقل کرنا کہاں تک درست ہے، خاکسار نے، دین الحق ص ۲۵۷ ج۲ میں فقہ حنفیہ کے بیس مسائل کی نشان دہی کی ہے جو قرآن وسنت کے علاوہ جمہور امت کے خلاف ہیں۔ ان بیس مسائل کا انوار صاحب جو جواب دیں گے وہی ہماری طرف سے اس مسئلہ کا سمجھ لینا۔

(۳۴) باب آخری دو رکعتوں میں قرأت

فصل اول

(۱) عن عبادة بن الصامت ان رسول اللهﷺ قال لا صلوة لمن لم یقرأ بفاتحة الکتاب۔

سیدنا عبادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص سورہ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں۔

بخاری کتاب الاذان باب وجوب القرأة للامام والماموم ......(الحدیث ۷۵۶، مسلم کتاب الصلاة باب وجوب القرأة الفاتحة ......الحدیث ۸۷۴)

(۲) عن ابی هریرة عن النبیﷺ قال من صلی صلاة لم یقرأ فیها بام القرأن فهی خداج، ثلاثا۔ غیر تمام الحدیث۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی مکرم ﷺ نے فرمایا کہ جس نے نماز پڑھی اور سورہ فاتحہ نہ پڑھی تو اس کی نماز ناقص ہے، تین بار یہ ارشاد فرمایا۔

(صحیح مسلم کتاب الصلاة باب وجوب القرأة الفاتحه ...... الحدیث ۸۷۸)

(۳) عن رفاعة بن رافع الزوقی، وکان من اصحاب النبیﷺ، قال جاء رجل و رسول اللهﷺ جالس فی المسجد، فصل قریباً منه ثم انصرف الی رسول اللهﷺ فقال رسول اللهﷺ اعد صلاتك فانك لم تصل، قال، فرجع فصلی کنحو مما صلی، ثم انصرف الی رسول الله ﷺ فقال له اعدصلاتك فانك لم تصل، فقال یا رسول اللهﷺ علمنی کیف اصنع؟ قال اذا استقبلت القبلة فکبر ثم اقرأ بام القرآن ثم اقراء بما شئت فاذا رکعت فاجعل راحتیك علی رکبتیك وامدد ظهر و مکن لرکوعك فاذا رفعت راسك فاقم صلبك حتی ترجع العظام الی مفاصلها واذا سجدت فمکن لسهودك فاذا رفعتَ راسك فاجلس فخذ الیسری ثم اصنع ذلك فی کل رکعة و سجدة۔

سیدنا رفاعۃ بن رافع رضی اللہ عنہ جو اصحاب نبی ﷺ سے تھے، بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ مسجد میں تشریف فرما تھے کہ ایک شخص نے آپ کے قریب ہی نماز پڑھی پھر پلٹ کر آپ علیہ السلام کے پاس آیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اپنی نماز لوٹا تو نے نماز نہیں پڑھی، وہ لوٹ کر گیا اور پہلے کی طرح ہی نماز پڑھ کر دوبارہ نبی مکرم ﷺ کی طرف پلٹا، تو آپ علیہ السلام نے فرمایا اپنی نماز لوٹا تو نے نماز نہیں پڑھی، اس شخص نے کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ مجھے نماز سکھلایئے کہ میں کیسے پڑھوں؟، آپ علیہ السلام نے فرمایا

جب تو قبلہ کی طرف (وضو کرکے) متوجہ ہو، تو اللہ اکبر کہہ پھر سورہ فاتحہ پڑھ پھر جو تیرا جی چاہے، جب رکوع کرے تو اپنی دونوں ہتھلیوں کو اپنے گھٹنوں پر رکھ، اور اپنی پیٹھ کو پھیلا اور برابر رکھ، اور اپنے رکوع میں قرار پکڑ، جب رکوع سے سر اٹھائے تو اپنی کمر کو سیدھا کر حتی کہ تیری تمام ہڈیاں اپنے مقام پر لوٹ جائیں اور جب سجدہ کرے تو اپنے سجدہ میں ٹھہر جا۔ جب سجدہ سے سر اٹھائے تو اپنی بائیں ران پر (دونوں سجدوں کے درمیان) بیٹھ پھر اسی طرح ہر رکعت کو ادا کر۔

(مسند احمد ص۳٤٠ ج٤ واللفظ له، ابو داؤد کتاب الصلاۃ باب صلاۃ من یقیم صلبه فی الرکوع والسجود، الحدیث ٨٥٩، وجزء القرأۃ مترجم ص٦٠)

(۴) عن ابی قتادۃ ان النبی ﷺ کان یقرأ فی الظھر فی الاولین بام الکتاب و سورتین و فی الرکعتین الاخریین بام الکتاب و یسمعنا الا یة ویطول فی الرکعة الاولی مالا یطیل فی الرکعة الثانیه وھکذا فی العصر وھکذا فی الصبح۔

سیدنا ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی مکرم ﷺ ظہر کی پہلی دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ اور دو سورتیں (ہر ایک رکعت میں) پڑھتے تھے اور پچھلی دو رکعتوں میں صرف سورہ فاتحہ پڑھتے تھے (کبھی) ایک آدھ آیت ہم کو سنا دیتے تھے، اور پہلی رکعت دوسری رکعت سے لمبی پڑھتے اور ایسا ہی عصر اور نماز فجر میں کرتے تھے۔

(بخاری کتاب الاذان باب یقرأ فی الاخریین بفاتحة الکتاب، الحدیث ٧٧٦)

(۵) عن قتادۃ ان النبی ﷺ کان یقرأ فی الرکعتین الاولین من الظھر والعصر بفاتحة الکتاب و سورۃ ویسمعنا الایة احیانا ویقرأ فی الرکعتین الاخرین بفاتحة الکتاب۔

سیدنا ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ ظہر و عصر کی پہلی دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ اور ایک سورۃ پڑھتے تھے اور کبھی کبھار ہم کو ایک آدھ آیت سنا بھی دیتے تھے، اور آخری دو رکعتوں میں صرف سورہ فاتحہ پڑھتے تھے۔

(صحیح مسلم کتاب الصلاۃ باب القرأۃ فی الظھر والعصر، الحدیث ١٠١٣)

(٦) عن رفاعة بن رافع الانصاری قال کان رسول اللہ ﷺ یقرأ فی الرکعتین الاولیین بفاتحة الکتاب و سورۃ و فی الاخریین بفاتحة الکتاب۔

سیدنا رفاعۃ بن رافع انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز کی پہلی دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ (کے ساتھ ایک مزید) سورۃ کی بھی قرأت کرتے جبکہ آخری دو رکعتوں میں صرف سورہ فاتحہ ہی پڑھتے تھے۔

(مسند امام اسحاق بن راھویه بحواله نصب الرایه ص٤٢٣ ج١)

(۷)عن عائشة ان النبیﷺ کان یقرأ فی الاخریین بفاتحة الکتاب۔
ام المؤمنین صدیقہ کائنات سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا راویہ ہیں کہ نبی مکرمﷺ نماز کی آخری رکعتوں میں صرف سورہ فاتحہ کی قرأت کرتے تھے۔
(المعجم الاوسط ص۲۵۰ ج۶ الحدیث ۵۵۳۱)

(۷) عن عائشة ان النبیﷺ کان یقرأ فی الاخریین بفاتحة الکتاب یعنی من الظهر و العصر۔
ام المؤمنین صدیقہ کائنات سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا راویہ ہیں کہ نبی مکرمﷺ ظہر وعصر کی آخری دو رکعتوں میں صرف سورہ فاتحہ کی ہی قرأت کرتے تھے۔
(المعجم الاوسط للطبرانی ص۳۷۶ ج۶ رقم الحدیث ۵۸۰۱)

(۸) عن جابر بن عبدالله قال سنة القراء ة فی الصلاة ان یقرأ فی الاولیین بام القرآن و سورة و فی الاخریین بام القرآن۔
سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نماز میں قرأت کا سنت طریقہ یہ ہے کہ پہلی دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ (کے ساتھ ایک مزید) سورت کی بھی قرأت کی جائے اور آخری دو رکعتوں میں صرف فاتحہ پڑھی جائے۔
(المعجم الاوسط للطبرانی ص۱۱۴ ج۹ رقم الحدیث ۹۲۴۴)

(۹) عن ابی مالك الاشعری ان النبیﷺ کان یقرأ فی کلهن یعنی الاربع من الظهر والعصر۔
سیدنا ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی مکرمﷺ ظہر وعصر کی چاروں رکعات میں قرأت کرتے تھے۔
(المعجم الاوسط للطبرانی ص۲۹۱ ج۳ رقم الحدیث ۳۴۳۷)

(۱۰) عن ابی قتادة ان النبیﷺ کان یقرا فی الرکعتین الاولیین بفاتحة الکتاب و سورة و فی الاخریین بفاتحة الکتاب۔
سیدنا ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی مکرمﷺ نماز کی پہلی دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ اور ایک ایک سورت کی قرأت کرتے تھے اور آخری رکعتوں میں صرف سورہ فاتحہ کی قرأت کرتے تھے۔
(مصنف ابن ابی شیبہ ص۳۷۲ ج۱)

(۱۱) عن ابی عبدالله الصنابحی انه قال قدمت المدینة فی خلافة ابی بکر فصلیت وراء ہ المغرب فقرأء فی الرکعتین الاولیین بام القرآن و سورة من قصار المفصل ثم قام فی الثالثة

فد نوت منه حتى ان يثابى لتكاد ان تمس ثيابه فسمعته قرأ بام القرآن و بهذه الاية، ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ هديتنا وهب لنا من لدنك رحمة انك انت الوهاب۔

امام ابی عبداللہ صنابحی سے روایت ہے کہ میں سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں مدینہ منورہ آیا اور سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اقتدا میں مغرب کی نماز ادا کی، آپ نے پہلی دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ اور ایک ایک مفصل (چھوٹی سورتوں میں سے) پڑھی، پھر جب تیسری رکعت کے لیے کھڑے ہوئے تو میں ان کے قریب ہو گیا حتی کہ قریب تھا کہ میرے کپڑے ان کے کپڑوں کو چھو جائیں گے میں نے سنا کہ وہ (تیسری رکعت میں) سورہ فاتحہ کی قرأت کے بعد یہ آیت تلاوت کر رہے تھے۔

ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ هديتنا وهب لنا من لدنك رحمة انك انت الوهاب۔

(موطا امام مالك ص٦٣ باب القراءة فى المغرب والعشاء، و بيهقى ص٦٤ ج٢)

(۱۲) عن عبدالله بن حكيم قال صليت خلف ابى بكر المغرب فلما قعد فى الركعة الثانية كا نما كان على الجمر حتى قام فقرأ فاتحة الكتاب، ثم قال، ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ هديتنا وهب لنا من لدنك رحمة انك انت الوهاب۔

(آل عمران۸)۔

امام عبداللہ بن حکیم فرماتے ہیں کہ میں نے سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں مغرب کی نماز پڑھی، جب آپ دوسری رکعت میں تشہد کے لیے بیٹھے تو ایسے بیٹھے جیسے جلتے کوئلا پر بیٹھے ہوں، یہاں تک کہ آپ کھڑے ہوئے تو سورہ فاتحہ کی قرأت کی پھر **ربنا لا تذع قلوبنا بعد اذ هديتنا وهب لنا من لدنك رحمة انك انت الوهاب،** کی تلاوت کی۔

(شعيب الايمان للبيهقى ص۵۰۷ ج رقم الحديث ۸٦٥)

(۱۳) حدثنا ابو بكر قال حدثنا عبدالا على عن عمه عن الزهرى عن عبيدالله بن ابى رافع عن على انه كان يقول يقرا الامام و من خلفه فى الظهر و العصر فى الركعتين الاوليين بفاتحة الكتاب و سورة و فى الاخريين بفاتحة الكتاب۔

امام عبداللہ بن ابی رافع سے روایت ہے کہ سیدنا علی مرتضی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ظہر و عصر کی پہلی دو رکعتوں میں امام اور مقتدی دونوں سورہ فاتحہ کے ساتھ ایک ایک سورت کی بھی قرأت کریں اور آخری دو رکعتوں میں صرف سورہ فاتحہ کی قرأت کریں۔

(مصنف ابن ابى شيبه ص۳۷۱ ج۱ و كتاب القراءة ص۷٤)

(۱۴) اخبرنا يعقوب ثنا المعلى عن يزيد بن زريع عن معمر عن الزهرى عن عبيد الله بن ابى رافع عن على انه كان يا مراو يحث ان يقرأ خلف الامام فى الظهر و العصر فى الركعتين

الاولیین بفاتحة الکتاب و سورة و فی الرکعتین الاخریین بفاتحة الکتاب۔

امام عبید اللہ بن ابی رافع فرماتے ہیں کہ سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ حکم فرمایا کرتے تھے کہ امام کے پیچھے پہلی دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ (کے ساتھ) ایک ایک سورت بھی پڑھی جائے، اور آخری دو رکعتوں میں صرف سورہ فاتحہ کی قرأت کرے۔

(السنن الکبریٰ للبیہقی ص۱٦۸ ج۲ و کتاب القراءۃ ص۷٤)

(۱۵) عن عثمان بن سعید سمع عبیدالله بن عمرو عن اسحاق بن راشد عن الزهری عن عبید الله بن ابی رافع مولی بنی هاشم حدثه عن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اذا لم یجهر الامام فی الصلوٰت فاقرأبامّ الکتاب وسورة اخری فی الاولیین من الظهر والعصر، وبفاتحة الکتاب فی الاخریین من الظهر والعصر و فی الاخرة من المغرب و فی الاخریین من العشاء۔

امام عبید اللہ بن ابی رافع سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ جن نمازوں میں امام بلند آواز سے قرأت نہ کرے تو ظہر وعصر کی پہلی دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ کے ساتھ دوسری سورت کی بھی قرأت کر، جبکہ ظہر وعصر اور عشاء کی آخری دو رکعتوں میں اور مغرب کی تیسری رکعت میں صرف سورہ فاتحہ کی قرأت کر۔

(جزء القراءۃ للبخاری مترجم ص۱۷)

(۱٦) اخبرنا ابو عبد الله الحافظ انبأ ابو بکر بن اسحاق الفقیه انبأ عبدالله بن محمد انبأ اسحاق بن ابراهیم انبأ یزید ابن هارون انبأ سفیان بن حسین عن الزهری عن عبید الله بن ابی رافع عن علی و عن مولی لهم عن جابر قالا یقرأ الامام و من خلفه فی الاولیین بفاتحة و سورة وفی الاخریین بفاتحة الکتاب۔

امام عبداللہ بن ابی رافع فرماتے ہیں کہ سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ دونوں کا کہنا ہے کہ امام ومقتدی نماز کی پہلی دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ (کے ساتھ) ایک ایک سورت کی قرأت کرے اور آخری رکعتوں مین صرف سورہ فاتحہ کی قرأت کریں۔

(السنن الکبریٰ للبیہقی ص۱٦۸ ج۲ واللفظ له و مستدرك حاکم ص۲۳۹ ج۱ و سنن دار قطنی ص۳۲۲ ج۱)

(۱۷) حدثنا عبدالرزاق عن معمر عن ایوب عن ابن سیرین قال، کانوا یقرؤن فی الظهر والعصر فی الرکعتین الاولیین بفاتحة الکتاب وما تیسر وفی الاخریین بفاتحة الکتاب۔

امام محمد بن سیرین (تابعی) فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ظہر وعصر کی پہلی دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ اور ایک ایک سورت کی قرأت کرتے تھے اور آخری رکعتوں میں صرف سورہ فاتحہ پڑھا کرتے تھے۔

(مصنف عبدالرزاق ص۱۰۳ ج۲ رقم الحدیث ۲٦۷۱)

(۱۸) حدثنا حفص عن اشعب عن ابن سیرین قال کانوا یقولون اقرؤ فی الاولیین بفاتحة الکتاب و سورة و فی الاخرة بفاتحة الکتاب۔

امام محمد بن سیرین (تابعی) فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کہتے تھے کہ پہلی دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ اور ایک سورت پڑھا کرو اور آخری (رکعتوں) میں صرف سورہ فاتحہ کی ہی قرأت کیا کرو۔

(مصنف ابن ابی شیبه ص۳۷۱ ج۱)

(۱۹) عن ذکوان ان عائشة کانت تقرأ فی الاخریین بفاتحة الکتاب۔

امام ذکوان (تابعی) سے روایت ہے کہ ام المؤمنین صدیقہ کائنات سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا (نماز کی) آخری دو رکعت میں سورہ فاتحہ کی قرأت کرتی تھیں۔

(مصنف عبدالرزاق ص۱۰۱ ج۲ رقم الحدیث ۲۶۶۳)

(۲۰) عن محمد عن عائشة انها کانت تقرا فی صلوة النهار فی الرکعتین الاولیین بفاتحة الکتاب و سورة وفی الاخریین بفاتحة الکتاب۔

امام محمد (بن ابی بکر صدیق القرشی المدنی) فرماتے ہیں کہ (میری بہن) ام المومنین صدیقہ کائنات سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا دن کی نمازوں کی پہلی رکعتوں میں سورہ فاتحہ اور ایک ایک سورت کی قرأت کرتی اور آخری رکعتوں میں سورہ فاتحہ پڑھا کرتی تھیں۔

(مصنف ابن ابی شیبه ص۳۷۲ ج۱)

(۲۱) عن نافع ان عبدالله بن عمر کان اذ صلی وحده یقرأ فی الاربع جمیعا فی کل رکعة بام القرآن و سورة من القرآن و کان احیانا یقرأ بالسورتین و الثلث فی الرکعة الواحدة من صلوٰة الفریضة و یقرأ فی الرکعتین من المغرب کذالك بام القرآن و سورة سورة۔

امام نافع فرماتے ہیں کہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ جب نماز اکیلے پڑھتے تو چاروں رکعتوں میں ہی سورت فاتحہ اور ایک ایک سورت کی قرأت کرتے تھے، اور کبھی کبھار فرض نماز کی ایک ہی رکعت میں دو دو تین تین سورتوں کی قرأت کرتے تھے، اور مغرب کی دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ اور ایک ایک سورت پڑھتے تھے۔

(موطا امام مالك ص۶۳ باب القراءة فی المغرب والعشاء)

(۲۲) عن جابر بن عبدالله قال کنا نقرأ فی الظهر والعصر خلف الامام فی الرکعتین الاولیین بفاتحة الکتاب و سورة و فی الاخریین بفاتحة الکتاب۔

سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ظہر وعصر کی پہلی دو رکعتوں میں امام کے پیچھے سورہ فاتحہ اور ایک سورت کی قرأت کرتے ہیں اور آخری دو رکعتوں میں صرف سورہ فاتحہ پڑھتے ہیں۔

(ابن ماجه کتاب اقامة الصلوة باب القراءة خلف الامام، الحدیث ۸۴۳) و بیهقی ص۱۷۰ ج۲)

(۲۳) عن عبداللہ بن مقسم قال سالت جابر بن عبداللہ قال، اما انا فاقرأ فی الرکعتین الاولیین من الظھر والعصر بفاتحۃ الکتاب و سورۃ وفی الاخریین بفاتحۃ الکتاب۔

امام عبید اللہ بن مقسم کہتے ہیں کہ میں نے سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے (قرأت نماز کے متعلق) سوال کیا تو انہوں نے کہا میں ظہر و عصر کی پہلی دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ اور دوسری سورت کی قرأت کرتا ہوں جبکہ آخری رکعتوں میں صرف سورہ فاتحہ پڑھتا ہوں۔

(مصنف عبدالرزاق ص۱۰۱ ج۲ رقم الحدیث ۲٦٦١)

(۲۴) عن خالد بن معدان ان ابا الدرداء کان یقول اقرافی الرکعتین من الظھر و العصر و العشاء الاخرۃ فی کل رکعۃ بام القرآن و سورۃ و فی الرکعۃ الاخرۃ من المغرب بام القرآن۔

خالد بن معدان سے روایت ہے کہ سیدنا ابو درداء رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے ہیں کہ ظہر و عصر اور عشاء کی پہلی دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ اور مزید ایک ایک سورۃ کی قرأت کرو جبکہ سورہ فاتحہ ہر رکعت میں پڑھو اور مغرب کی آخری رکعت میں صرف سورہ فاتحہ کی قرأت کرو۔

(مصنف عبدالرزاق ص۱۰۲ ج۲ رقم الحدیث ٢٦٦٤)

(۲۵) ان ابا الدرداء کان یقول اقرؤا فی الرکعتین الاولیین من الظھر والعصربفاتحۃ الکتاب و سورۃ وفی الاخریین بفاتحۃ الکتاب وفی الرکعۃ الاخرۃ من صلوۃ المغرب وفی الاخریین من العشاء بام الکتاب۔

ترجمہ اوپر گزر چکا ہے

(مصنف ابن ابی شیبہ ص۳۷۰ ج۱)

(۲٦) عن العیزار ابن حریث قال سمعت إبن عباس یقول لا تصلین صلاۃ حتی تقرأ بفاتحۃ الکتاب فی کل رکعۃ۔

امام عیزار بن حریث فرماتے ہیں کہ میں نے سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے سنا کہ نہ نماز پڑھی جائے یہاں تک کہ اس کی ہر رکعت میں سورہ فاتحہ پڑھی جائے۔

(مصنف عبدالرزاق ص۹٤ ج۲ رقم الحدیث ٢٦٢٨)

(۲۷) عن عبدالرحمن الاعرج انہ سمع ابا سعید الخدری قرأ بام القرآن فی کل رکعۃ۔

امام عبدالرحمٰن فرماتے ہیں کہ میں نے سیدنا ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ سے سنا کہ وہ نماز کی ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کی قرأت کرتے تھے۔

(مصنف عبدالرزاق ص۹۳ ج۲ رقم الحدیث ٢٦٢٤)

(۲۸) عن ابی امیة الاسدی قال قال عبادة بن الصامت اقرأ بام القرآن فی کل رکعة۔

امام ابو امیہ اسدی کہتے ہیں کہ مجھے سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نماز کی ہر ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کی قرأت کرو۔

(مصنف عبدالرزاق ص۹٤ ج۲ رقم الحدیث ۲٦۲۷)

قارئین کرام مذکورہ احادیث و آثار آپ کے سامنے ہیں، ان سے حسب ذیل مسائل ثابت ہوتے ہیں۔

اولاً: سورہ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی، ثانیاً جس صحابی نے جلدی جلدی نماز پڑھی تھی اسے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر رکعت میں سورہ فاتحہ پڑھنے کا حکم دیا تھا۔

خود اللہ کے پیارے رسول سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کی قرأت کرتے تھے، بلکہ روایت نمبر ۱۷، ۱۸ سے ثابت ہو رہا ہے کہ اس پر صحابہ کرام کا اجماع ہے۔

قارئین کرام ہم نے تابعین کے اقوال کو عمداً چھوڑ دیا ہے، ورنہ اس پر بیسیوں اکابر تابعین کے فتاوی ہم پیش کر سکتے ہیں، ہم اپنے دین و ایمان کی محکمی کی بنا پر پورے جزم و یقین کے ساتھ یہ بات عرض کرتے ہیں کہ کسی حدیث صحیح مرفوع تو کجا حسن حدیث سے بھی آخری رکعتوں میں قرأت کی بجائے تسبیحات کہنا نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہے، ایسا ہی کسی صحابی رسول سے یہ فتوی بسند صحیح ثابت نہیں ہے، حنفیہ کا مؤقف صرف ابراہیم نخعی سے ثابت ہے، بھلا ان صحیح صریح اور مرفوع احادیث اور آثار صحابہ کرام کے بالمقابل ابراہیم نخعی کے قول کی حیثیت ہی کیا ہے۔ بلا شبہ وہ ہمارے اسلاف میں سے ہیں مگر دین میں حجت صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول برحق سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ کے ارشادات ہیں، خود امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے ابراہیم نخعی کے بیسیوں مسائل سے اختلاف کیا ہے، تفصیل کے لیے، (اللمحات الیٰ مافی انوار الباری من الظلمات ص٤١٤ ج١) کی مراجعت کریں۔

فصل دوم

انوار خورشید کی عیارانہ چال:

(۱ تا ۵) مؤلف حدیث اور اہل حدیث نے، صفحہ ۳٦۱ تا ۳٦۳ پر پانچ مرفوع احادیث نقل کی ہیں کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم پہلی دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ کے علاوہ اگلی سورت بھی پڑھتے تھے جبکہ آخری دو رکعت میں صرف سورہ فاتحہ کی قرأت کرتے تھے، ایک حدیث اس مفہوم کی بھی نقل کی ہے کہ آخری دو رکعتوں

کو پہلی رکعتوں کی نسبت ہلکی پڑھتے تھے، ان احادیث کا یہ قطعاً مفاد نہیں کہ رسول اللہ ﷺ آخری دو رکعتوں میں قرأت نہ کرتے تھے، جیسا کہ حنفیہ کا مؤقف ہے بلکہ ان احادیث سے تو حنفیہ کا رد ہوتا ہے کہ آخری دو رکعتوں میں قرأت واجب نہیں جیسا کہ ہم فصل اول میں وضاحت کر چکے ہیں، مگر انوار خورشید صاحب نے اپنے حواریوں میں واہ کروانے اور تیس مار خان کہلانے کے لیے یہ چال چلی ہے ان احادیث کو نقل کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ ان احادیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اگر کسی نے فرض نماز کی دوسری یا ایک رکعت میں سورہ فاتحہ نہ پڑھی خاموش کھڑا رہا یا سورہ فاتحہ کی جگہ تسبیح کہہ لی تو بھی اس کی نماز ہو جائے گی۔

(حدیث اور اہل حدیث ص۳٦٦)

قارئین کرام ہم فصل اول میں یہ تمام احادیث نقل کر چکے ہیں، ان کو مکرر ملاحظہ کیجئے اور غور کیجئے کہ کن الفاظ کا یہ مفہوم ہے جو انوار صاحب بیان کر رہے ہیں، یقین جانئیے یہ بد دیانتی اور الفاظ حدیث میں تحریف معنوی ہے، کوئی دیوبندی ان احادیث سے یہ ثابت نہیں کر سکتا کہ جو انوار صاحب دعویٰ کر رہے ہیں، اس نادان دل میں یہ بات کون ڈالے کہ ان احادیث میں تو صاف الفاظ میں وضاحت ہے کہ آخری دو رکعتوں میں صرف سورہ فاتحہ کی قرأت کرتے تھے، مگر دیوبندیوں کا یہ بقلم خود محقق ان سے فاتحہ نہ پڑھنے کا استدلال کر رہا ہے، انوار صاحب کا یہ استدلال بالکل یہودی طریق فکر کا آئینہ دار ہے، اس کی جتنی بھی مذمت کی جائے وہ کم ہے۔

(٦)عن ابراهيم ان ابن مسعود كان لا يقرأ خلف الامام وكان ابراهيم يا خذبه وكان ابن مسعود اذا كان اماما قرأ في الركعتين الاوليين ولا يقرأ في الاخريين بشئي۔

(معجم طبرانی کبیر ص۲٦۳ ج۹)

حضرت ابراہیم نخعی سے مروی ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ امام کے پیچھے قرأت نہ کرتے تھے، ابراہیم نخعی خود بھی اسی پر عمل کرتے ہیں اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جب امام بنتے تھے تو صرف پہلی دو رکعتوں میں قرأت کرتے تھے دوسری رکعتوں میں نہیں۔

(حدیث اور اہل حدیث ص۳٦٤)

الجواب اولاً ابراہیم نخعی کا سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے سماع و ملاقات نہیں ہے، ھیثمی اس اثر کے تحت فرماتے ہیں۔

وابراهيم لم يدرك ابن مسعود، یعنی اس کی سند میں ابراہیم نخعی ہے جس نے سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو نہیں پایا۔

(مجمع الزوائد ص۱۱۱ ج۲ و فی نسخة الاخری ص۱۱٤ ج۲)

الغرض یہ روایت منقطع ہے۔

ثانیاً: اس کے برعکس سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

عن ابن سیرین ان ابن مسعود کان یقرأ فی الظهر و العصر فی الرکعتین الاولیین بفاتحة الکتاب و سورة فی کل رکعة و فی الاخریین بفاتحة الکتاب۔

امام ابن سیرین فرماتے ہیں کہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ظہر وعصر کی نماز میں پہلی دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ کے ساتھ ایک مزید سورۃ کی بھی قرأت کرتے تھے اور آخری رکعتوں میں صرف سورہ فاتحہ پڑھا کرتے تھے۔

(معجم طبرانی کبیر ص۲٦۳ ج۹ رقم الحدیث ۹۳۰٦ و ابن ابی شیبه ص۳۷۰ ج۱)

ھیثمی فرماتے ہیں کہ اس کے تمام راوی ثقہ ہیں لیکن ابن سیرین نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو نہیں پایا۔

(مجمع الزوائد ص۱۱۷ ج۲)

انوار صاحب وضاحت کریں کہ انہوں نے اس روایت کی بجائے پہلی روایت کو کس دلیل سے راجح قرار دیکر درج کیا ہے؟ اگر یہ منقطع ہے تو پہلی بھی منقطع ہے، لیکن انوار صاحب کے پاس اس بات کا کوئی جواب نہیں،

سنئے پڑھنے کی روایت راجح ہے کیونکہ یہ مرفوع احادیث کے موافق ہے علاوہ ازیں پڑھنے کی روایت کے راوی ثقہ ہیں جبکہ نہ پڑھنے کی روایت ضعیف ہے، تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ سند میں، حماد بن سلمہ، مختلط ہے۔ (تقریب ص۸۲)

دلائل سے ثابت کیا جائے کہ حماد سے روایت کرنے والے راوی، حجاج بن منہال نے اختلاط سے پہلے سماع کیا ہے، اگر یہ ثابت نہ ہو تو مختلط کی ایسی روایات ضعیف قرار پاتی ہیں دوسری خرابی اس سند میں یہ ہے کہ حماد بن سلمہ نے یہ روایت حماد بن ابی سلیمان سے نقل کی ہے اور حماد بن ابی سلیمان بھی مختلط ہے، ہیثمی فرماتے ہیں۔

لایقبل من حدیث حماد الامارواه عنه القدماء شعبة وسفیان الثوری والدستوائی و من عداهؤلاء روا عنه بعد الاختلاط۔

یعنی حماد بن ابی سیمان کی صرف وہی حدیث قبول کی جائے گی جو ان سے ان کے قدما تلامذہ روایت کرتے ہوں مثلاً امام شعبہ امام سفیان ثوری اور امام دستوائی، ان کے علاوہ جو راوی روایت کرتے ہیں وہ اختلاط کے بعد روایت کرتے ہیں۔

(مجمع الزوائد ص۱۲٤ ج۱)

علامہ ھیثمی کی اس صراحت سے ثابت ہوا کہ حماد بن ابی سلیمان سے حماد بن سلمہ کا سماع اختلاط

کے دور کا ہے الغرض یہ روایت ضعیف ہے اور آخری رکعتوں میں قرأت کرنے کی روایت گو منقطع ہے مگر سلسلہ سند صحیح ہے لہذا قرأت کرنے والی راجح ہے۔

(۷) عن عبید الله بن ابی رافع قال کان یعنی علیا یقرأ فی الاولیین من الظهر والعصر بام القرآن و سورة ولا یقرأ فی الاخریین

(مصنف عبدالرزاق ص ۱۰۰ ج ۲)

حضرت عبیداللہ بن ابی رافع فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ظہر و عصر کی پہلی دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ اور دوسری سورت پڑھتے تھے اور دوسری دو رکعتوں میں قرأت نہیں کرتے تھے۔

(حدیث اور اهل حدیث ص ۳٦٤)

الجواب اس روایت میں، اختصار ہے، جبکہ مفصل روایت میں، آخری دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ پڑھنے کا ذکر ہے، تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ امام عبدالرزاق نے یہ روایت، عن معمر عن الزہری عن عبیداللہ بن ابی رافع، کی سند سے نقل کی ہے، جبکہ امام معمر سے، امام عبدالاعلی (مصنف ابن ابی شیبه ص ۳۷۰ ج ۱) امام یزید بن زریع (السنن الکبری للبیهقی ص ۱٦۸ ج ۲) امام اسحاق بن راشد (جزء القراءة مترجم ص ۱۷) ایسے ہی امام معمر کے ہم سبق امام سفیان بن حسین بھی امام زہری سے یہ روایت نقل کرتے ہیں (بیهقی ص ۱٦۸ ج ۲ و دارقطنی ص ۳۲۲ ج ۱) ان سب میں آخری دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ پڑھنے کا ذکر ہے، اور الحدیث یفسر بعضه لبعض، کے اصول کے ماتحت عبدالرزاق کی روایت میں اختصار ہے۔

خود امام زہری کا قول بھی اس بات پر دلالت کرتا ہے جو امام عبدالرزاق نے اس اثر کے تحت ہی نقل کیا ہے کہ۔

قال الزهری و کان جابر بن عبدالله یقرأ فی الرکعتین الاولیین من الظهر والعصر بام القرآن و سورة و فی الاخریین بام القرآن، قال الزهری والقوم یقتدون بامامهم۔

یعنی امام زہری فرماتے ہیں کہ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ ظہر و عصر کی پہلی دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ کے ساتھ مزید ایک سورۃ بھی پڑھتے تھے اور آخری دو رکعتوں میں صرف سورہ فاتحہ پڑھا کرتے تھے امام زہری فرماتے ہیں لوگ اپنے اماموں کی قرأت کی پیروی کرتے تھے۔

(مصنف عبدالرزاق ص ۱۰۰ ج ۲ رقم الحدیث ۲٦٥٦)

اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ اس روایت میں اختصار ہے، مولانا اعظمی نے بھی مصنف کے حاشیہ میں اس طرف اشارہ کیا ہے، اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی پڑھنے والی روایات ہم سابقہ فصل میں مفصل درج کر چکے ہیں۔

(۸) عن ابی اسحاق عن علی و عبدالله انهما قالا اقرا فی الاولیین و سبح فی الاخریین۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص۳۷۲ ج۱)

ابو اسحاق سے روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ دونوں نے فرمایا کہ پہلی دو رکعتوں میں قرأت کر اور دوسری دو رکعتوں میں تسبیح کہہ لے۔

(حدیث اور اہل حدیث ص۳۶۵)

الجواب یہ روایت منقطع ہے، کیونکہ ابو اسحاق کا سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے سماع ثابت نہیں، دوسری خرابی اس میں یہ ہے کہ ابو اسحاق سے روایت کرنے والا، شریک بن عبداللہ نخعی کوفی ہے، اور یہ مختلط ہے (تقریب ص۱۴۵) اور ابن حبان نے صراحت کی ہے کہ یزید بن ہارون اور اسحاق ازرق کے علاوہ باقی راویوں نے شریک سے آخری دور میں سماع کوفہ میں کیا ہے، جس میں کثرت سے اوہام ہیں۔ (ثقات ابن حبان ص ٤٤٤ ج٦)

الغرض یہ روایت ضعیف ہے۔

(۹) عن علی قال یسبح و یکبر فی الاخریین تسبیحتین۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص۳٦٥)

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آخری دو رکعتوں میں (نمازی) تسبیح و تکبیر کہہ لے۔

(حدیث اور اہل حدیث ص۳٦٥)

الجواب اولاً: انوار صاحب نے، تسبیحتین، کے لفظ کا معنی چھوڑ دیا ہے، ان الفاظ کا مفاد یہ ہے کہ دو تسبیحات کہہ کر رکوع میں جا سکتا ہے، حالانکہ حنفیہ کے نزدیک تین تسبیحات کی مقدار میں آخری دو رکعتوں کا قیام فرض ہے (مستملی ص۲۷۷) مگر مذکورہ اثر میں دو تسبیحات کا ذکر ہے، جس سے لازم آیا کہ حنفیہ کے مطلوب قیام سے یہ ۳۳ فیصد کم ہے، ظاہر ہے کہ حنفیہ کے نزدیک فرض میں نقص آنے سے نماز باطل ہو جاتی ہے، نتیجہ یہ نکلا کہ خود حنفیہ کے نزدیک بھی اثر علی رضی اللہ عنہ قابل قبول نہیں، اس حقیقت پر مٹی ڈالنے کے لیے انوار صاحب نے یہ چال چلی بلکہ بددیانتی کی کہ مخالف الفاظ کا معنی ہی ہضم کر گئے آخر کہنہ مشق مصنف ہیں۔ اپنی کمزوریوں سے بخوبی واقف ہیں، لیکن ہم اس سفید ریش مصنف کو ناصحانہ مشورہ دیتے ہیں کہ حنفیت کا دفاع ضرور کریں غلط بیانی اور بددیانتی کو ترک کر دیں۔

ثانیاً: اس کی سند میں، حارث الاعور، راوی رافضی ہے جو احادیث میں ضعیف ہے امام شعبہ نے کذاب تک کہا ہے (تقریب ص٦٠) الغرض یہ روایت سخت ضعیف ہونے کے علاوہ حنفیہ کے بھی خلاف ہے۔

(۱۰) عن ابراھیم قالا ما قرأ علقمة فی الرکعتین الاخریین حرفا قط۔

(مصنف عبدالرزاق ص۱۰۱ ص۲)

حضرت ابراہیم نخعی فرماتے ہیں کہ حضرت علقمہ آخری دو رکعتوں میں کوئی حرف بھی نہیں پڑھا۔

(حدیث اور اہل حدیث ص۳٦٥)

الجواب ابراہیم نخعی مدلس ہے جیسا کہ امام حاکم نے صراحت کی ہے (طبقات المدلسین ص۲۸) جبکہ اس اثر کونقل کرنے میں ابراہیم نے سماعت کی صراحت نہیں کی۔ ابراہیم سے روایت کونقل کرنے والے، حماد بن ابی سلیمان راوی مختلط ہے اور فصل ہذا کی روایت نمبر٦ میں ہم صراحت کر چکے ہیں کہ صرف امام شعبہ وغیرہ نے ہی ان سے اختلاط سے پہلے سماع کیا ہے باقی نے حالت اختلاط میں ان سے روایات لی ہیں، جبکہ زیر بحث روایت میں ان سے روایت کرنے والے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ ہیں جو قدیم السماع نہیں علاوہ ازیں خود امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ بھی ضعیف اور سئ الحفظ ہیں تفصیل مسئلہ فاتحہ خلف الامام میں گزر چکی ہے، الغرض یہ روایت ابراہیم کی تدلیس، حماد کے اختلاط اور امام ابوحنیفہ کے سئ الحفظ ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔

(۱۱) عن ابراهیم قال اقرأ فی الاولیین بفاتحة الکتاب و سورة و فی الاخریین سبح۔

(مصنف عبدالرزاق ص۱۰۱ ج۲)

حضرت ابراہیم نخعی فرماتے ہیں کہ تو پہلی دو رکعتوں میں تو سورہ فاتحہ اور دوسری سورت دونوں پڑھ، اور دوسری دو رکعتوں میں تسبیح کہہ لے۔

(حدیث اور اہل حدیث ص۳٦٥)

الجواب سند میں گو کلام ہے مگر ہم کہتے ہیں ابراہیم نخعی کا واقعی یہی مذہب و مسلک اور تحقیق تھی کہ آخری دو رکعتوں میں قرأت کی بجائے تسبیح ہے، مگر یہ ایک صغیر تابعی کا قول ہے جو مرفوع احادیث اور آثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بالمقابل حجت نہیں ہے۔

خلاصہ کلام: انوار صاحب کوئی ایک مرفوع حدیث پیش نہیں کر سکے کہ آخری دو رکعتوں میں قرأت نہیں، جو آثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نقل کیے ہیں وہ یا تو ضعیف ہیں، یا پھر ان میں اختصار ہے، ہاں صرف ابراہیم نخعی کا قول حنفیہ کے مؤید ہے مگر اس سے بھی آخری دو رکعتوں میں قرأت کی ممانعت و حرمت ثابت نہیں ہوتی، لیکن اس کے باوجود انوار صاحب فرماتے ہیں کہ ان احادیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کسی نے فرض نماز کی دوسری دو یا ایک رکعت میں سورہ فاتحہ نہ پڑھی خاموش کھڑا رہا یا سورہ فاتحہ کی جگہ تسبیح کہہ لی تو بھی اسکی نماز ہو جائے گی، چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قول وعمل سے یہ بات ظاہر ہے، اور دور صحابہ کے مفتی حضرت ابراہیم نخعی کا فتویٰ بھی اسی پر ہے۔

(حدیث اور اہل حدیث ص۳٦٦)

پہلے خورشید صاحب کے دلائل پڑھیئے پھر اس تحریر پر غور کیجئے کہ مولانا صاحب نے کتنا کھلا اور واضح مغالطہ دیا ہے، کس حدیث کا یہ معنی ہے کہ آخری رکعتوں میں قرأت کی بجائے تسبیح وتکبیر اور

خاموش کھڑے رہنے سے بھی نماز ہو جاتی ہے؟ یقین جانیئے کہ انوار صاحب نے کوئی ایسی حدیث نقل نہیں کی اور نہ ہی کر سکتے ہیں، سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ضعیف ہونے کے علاوہ ان کے ایک صحیح مرسل قول کے خلاف بھی ہے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ایک قول میں اختصار ہے باقی ضعیف ہیں، ابراہیم نخعی کا قول ثابت ہے مگر یہ تابعی کا قول ہے جو دین میں حجت نہیں، امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

ہمیں جب کوئی حدیث صحیح الاسناد مل جاتی ہے تو اسی کو لیتے ہیں اور جب صحابہ کے اقوال ملتے ہیں تو ان میں سے کسی ایک کو منتخب کرتے ہیں، اور ان کے دائرہ سے باہر نہیں نکلتے البتہ جب معاملہ تابعین کا آتا ہے تو ان سے مزاحمت کرتے ہیں۔

(الجواهر المضيه ص ۲۵۰ ج ۲)

واما اذا انتهى الامر الى ابراهيم والشعبى والحسن و عطاء فاجتهد كما اجتهدوا۔

یعنی جب معاملہ ابراہیم نخعی، شعبی، حسن بصری اور عطاء بن ابی رباح (وغیرہ تابعین) کی طرف آیا تو جیسے انہوں نے اجتہاد کیا اسی طرح میں بھی کرتا ہوں۔

(مناقب الامام ابی حنیفه ص ۲۰)

دیکھا آپ نے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ ان تابعین کے فتاوی کو اجتہاد کہہ کر قبول کرنے سے انکار کرتے ہیں، مگر انوار صاحب ابراہیم نخعی کو، دور صحابہ کے مفتی، کا لقب دیکر پوری امت مرحومہ کو قرآن و سنت اور آثار صحابہ چھڑانے کا درس دیتے ہیں، پھر مزید اپنی طرف سے حک و اضافہ کرتے ہوئے، خاموش کھڑے رہنا، کو اپنی طرف سے داخل کرتے ہیں، یہ قرآن و سنت کی واضح نصوص کے بالمقابل قیاس باطل اور شریعت سازی ہے۔

(۳۴) باب اونچی آواز سے آمین کہنا

فصل اول

(۱) عن ابی ہریرۃ ان النبی ﷺ قال اذا امن الامام فامنوا، فانہ من وافق تامینہ تامین الملائکۃ غفرلہ ما تقدم من ذنبہ۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی مکرم ﷺ نے فرمایا کہ جب امام آمین کہے تو تم بھی آمین کہو کیونکہ جس کی آمین فرشتوں کی آمین سے موافقت کر گئی اس کے پچھلے گناہ معاف ہو جائیں گے۔

(بخاری کتاب الاذان باب جہر الامام بالتامین، الحدیث ۷۸۰، و مسلم کتاب الصلاۃ باب التسمیع والتحمید والتامین، الحدیث ۹۱۵)

(۲) عن ابی ہریرۃ عن النبی ﷺ قال اذا امن القاری فامنوا فان الملائکۃ تومن فمن وافق تامینہ تامین الملائکۃ غفرلہ ما تقدم من ذنبہ۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی مکرم ﷺ نے فرمایا کہ جب قاری آمین کہے تو تم بھی آمین کہو، بلاشبہ فرشتے بھی آمین کہتے ہیں، بس جس کی آمین فرشتوں سے موافق ہوگئی اس کے پہلے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔

(بخاری کتاب الدعوات باب التامین، الحدیث ٦٤٠٢)

(۳) حدثنا محمد بن کثیرا خبرنا سفیان عن سلمۃ عن حجر ابی العنبس الحضرمی عن وائل بن حجر قال کان رسول اللہ ﷺ اذا قراء ولا الضالین قال، آمین ورفع بہا صوتہ۔

سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب، ولا الضالین، پڑھتے تو بلند آواز سے آمین کہتے تھے۔

(ابو داؤد کتاب الصلاۃ باب التامین وراء الامام، الحدیث ۹۳۲ ودارمی ص۳۱۵ ج ۱)

(۴) حدثنا ابو عبدالرحمن السلمی انبأ احمد بن محمد بن عبدوس الطرئفی ثنا معاذ بن جبل بن نجدۃ ثنا خلادبن یحی انبأ سفیان عن سلمۃ بن کہیل عن حجر بن العبس عن وائل بن حجر قال کان النبی ﷺ اذا قال آمین رفع بہا صوتہ۔

سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی مکرم ﷺ جب آمین کہتے تو بلند آواز سے کہتے تھے۔

(بیہقی ص۵۷ ج ۲)

(۵) حدثنی یحییٰ بن محمد بن صاعد ثنا ابن زنجویہ حدثنا الفریابی ثنا سفیان عن

سلمة بن کهیل عن حجر عن وائل بن حجر سمع النبیﷺ یرفع صوته بآمین اذا قال غیر المغضوب علیهم ولا الضالین۔

سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی مکرم ﷺ سے سنا کہ جب، غیر المغضوب علیھم ولا الضالین، کہتے تو آواز کو بلند کرکے آمین کہتے تھے۔

(سنن دارقطنی ص۳۳۴ ج۱ کتاب الصلاة باب التامین فی الصلاة بعد فاتحة الکتاب والجهر بها)

(۶) حدثنا مخلدبن خالد الشعیری حدثنا ابن نمیر حدثنا علی بن صالح عن سلمة بن کهیل عن حجر بن عنبس عن وائل بن حجر انه صلی خلف رسول اللهﷺ فجهر بآمین وسلم عن یمینه و عن شماله حتی رایت بیاض خده۔

سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی مکرم ﷺ کی اقتدا میں نماز پڑھی تو آپ علیہ التحیۃ والسلام نے بلند آواز سے آمین کہی اور دائیں بائیں سلام پھیرا حتی کہ میں نے آپ کے رخسار کی سفیدی دیکھی۔

(ابو داؤد کتاب الصلاة باب التامین وراء الامام، الحدیث۹۳۳)

(۷) قال ابو عیسی حدثنا ابو بکر محمد بن ابان حدثنا عبدالله بن نمیر حدثنا العلاء بن صالح الاسدی عن سلمة بن کهیل عن حجر بن عنبس عن وائل بن حجر عن النبیﷺ نحو حدیث سفیان عن سلمة بن کهیل۔

(سنن ترمزی کتاب الصلاة باب ما جاء فی التامین، الحدیث ۲۴۹)

(۸) حدثنا بندار (محمد بن بشار) حدثنا یحی بن سعید و عبدالرحمن بن مهدی قالا حدثنا سفیان عن سلمة بن کهیل عن حجر بن عنبس عن وائل بن حجر قال سمعت النبیﷺ قرأ غیر المفضوب علیهم ولا الضالین وقال آمین ومدبها صوته۔

سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی مکرم ﷺ سے سنا کہ، غیر المغضوب علیھم ولا الضالین، پڑھا تو آمین کہی اور آواز کو بلند کیا۔

(ترمذی کتاب الصلاة باب ما جاء فی التامین ، الحدیث۲۴۸)

(۹) حدثنا عبدالله حدثنی ابی ثنا وکیع ثنا سفیان عن سلمة بن کهیل عن حجر بن عنبس عن وائل بن حجر قال سمعت النبیﷺ قرأ، ولا الضالین، فقال آمین یمدبها صوته۔

سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی مکرم ﷺ سے سنا کہ آپ نے، ولا الضالین پڑھنے (کے بعد) آمین کو بلند آواز سے کہا۔

(مسند احمد ص۳۱۶ ج۴)

(۱۰) حدثنا عبدالله بن ابی داؤد السجستانی حدثنا عبدالله بن سعید الکندری ثنا وکیع

والمحاربی قالا ثنا سفیان عن سلمة بن کهیل عن حجر ابی العنبس وهو ابن عنبس عن وائل بن حجر قال سمعت النبی ﷺ اذا قال غیر المغضوب علیهم ولا الضالین، قال آمین یمد بها صوته۔

سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی مکرم ﷺ سے سنا کہ جب، غیر المغضوب علیهم ولا الضالین، کہتے تو بلند آواز سے آمین کہتے۔

(سنن دار قطنی ص۳۳۳ و ۳۳٤ ج۱)

(۱۱) اخبرنا ابو عبدالله الحافظ حدثنی علی بن حمشاد ثنا یزید بن الهیثم ثنا ابراهیم بن ابی اللیث ثنا الا شجعی عن سفیان فذکر باسناد مثله وقال: رایت رسول الله علیه وسلم لما قال غیر المغضوب علیهم ولا الضالین، قال آمین، یمدبها صوته۔

سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ جب غیر المغضوب علیهم ولا الضالین، کہتے تو آمین کہتے (اور) آواز کو بلند کرتے تھے۔

(بیهقی ص٥٧ ج٢ کتاب الصلاة باب جهر الامام بالتامین)

(۱۲) اخبرنا عبدالله بن محمد الازدی قال حدثنا اسحاق بن ابراهیم قال اخبرنا وهب بن جریر و عبدالصمد قالا شعبة عن سلمة بن کهیل قال سمعت حجراً ابا العنبس یقول حدثنی علقمة بن وائل عن وائل بن حجر انه صل مع رسول الله ﷺ قال فوضع الید الیمنیٰ علی الید الیسری فلما قال ولا الضالین، قال، آمین، وسلم عن یمینه و عن یساره ۔

امام شعبہ اپنی سند سے سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی تو آپ علیہ الصلوۃ والسلام نے دائیں ہاتھ کو بائیں کے اوپر رکھا اور جب آپ علیہ التحیۃ والسلام نے، ولا الضالین، کہا تو آمین کہا، اور (آخر میں) دائیں بائیں سلام پھیرا۔ (صحیح ابن حبان رقم الحدیث ۱۸۰۲)

(۱۳) اخبرنا ابو عبدالله الحافظ فی الفوائد الکبیر لابی العباس وفی حدیث شعبة ثنا ابو العباس محمد بن یعقوب ثنا ابراهیم بن مرزوق البصری ثنا ابو الولید ثنا شعبة عن سلمة بن کهیل قال سمعت حجرا ابا العنبس یحدث عن وائل (بن حجر) الحضرمی انه صلی خلف النبی ﷺ فلماء قال ولا الضالین، قال آمین رافعا بها صوته۔

امام شعبہ، سلمہ بن کہیل کے طریق سے روایت کرتے ہیں کہ سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ عنہ نے نبی مکرم ﷺ کی اقتدا میں نماز پڑھی جب ولا الضالین کہا تو آمین کو بلند آواز سے کہا۔

(السنن الکبریٰ للبیهقی ص٥٧ ج۲)

امام بیہقی نے، معرفۃ السنن والاثار، میں کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے۔

(نصب الرایہ ص۳۶۹ ج۱)

(۱۴) حدثنا ابن نمیر عن العلاء بن صالح عن سلمة بن کھیل عن حجر بن عنبس عن وائل بن حجر انه صلی خلف النبیﷺ فلما قرأ فاتحة الکتاب جھربامین قال وسلم عن یمینه وعن یساره حتی رایت بیاض خده۔

سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا میں نماز پڑھی جب آپ علیہ التحیۃ والسلام نے سورہ فاتحہ کی قرأت کی تو آمین کو جہری کہا، اور دائیں اور بائیں سلام پھیرا۔

(مصنف ابن ابی شیبه ص۲۹۹ ج۱)

(۱۵) اخرجه الحمیدی من طریق سفیان عن سعید المقبری عن ابی هریرة قال کان رسول اللهﷺ اذا قال ولا الضالین رفع صوته وقال آمین حتی یسمع من یلیه من الصف الاول۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب ولا الضالین کہتے تو بلند آواز سے آمین کہتے حتی کہ پہلی صف میں جو آپ کے قریب ہوتا وہ سن لیتا۔

(بحواله، الحبل المتین ص۱۷ مؤلفه علامه ظهیر احسن نیموی دیوبندی، مندرجه ابکار المنن ص۱۸۸) و فتح الباری ص۲٦٤ ج۲ و فی نسخة الآخری ص۲۱۰ ج۲، و زرقانی ص ۱۸ ج۱)

(۱۶) اخبرنا محمد بن عبدالله بن عبدالحکم عن شعیب حدثنا اللیث حدثنا خالد عن ابن ابی هلال عن نعیم المجمر قال صلیت وراء ابی هریرة فقرأ بسم الله الرحمن الرحیم ثم قرأ بام القرآن حتی اذا بلغ، غیر المغضوب علیهم ولا الضالین، فقال آمین، فقال الناس، آمین، و یقول کلما سجد، الله اکبر، واذا قام من الجلوس في الاثنتین، قال، الله اکبر، واذا سلم قال، والذی نفسی بیده انی لا شبهکم صلاة برسول اللهﷺ۔

امام نعیم بن مجمر بیان کرتے ہیں کہ میں نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی تو انہوں نے بسم اللہ پڑھی پھر سورہ فاتحہ کی قرأت کی، اور ولا الضالین، پر پہنچے تو آمین کہی، اور مقتدیوں نے بھی آمین کہی، جب سجدہ کرتے تو، اللہ اکبر کہتے، دو رکعت پڑھ کر جب کھڑے ہوئے تو تب بھی اللہ اکبر، کہا، اور جب سلام پھیرا تو کہا مجھے اس ذات کی قسم ہے جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، بے شک میں نماز میں تم سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشابہت رکھتا ہوں۔

(سنن نسائی کتاب الافتتاح باب قرأة بسم الله الرحمن الرحیم، الحدیث ۹۰٤) دارقطنی ص۳۰٦ ج۱ و بیهقی ص٤٦ ج۲ ابن خذیمه ص۲۵۱ ج۱ و ابن حبان رقم الحدیث ۱۷۹۸) و مستدرك للحاکم ص۲۳۲

ج۱ و شرح معانی الاثار ص۱۳۷ ج۱ و بخاری (تعلیقا) ص۱۰۸ ج۱)

ابن حبان، ابن خذیمہ، حاکم، ذہبی، بیہقی، دارقطنی، حافظ ابن حجر اور علامہ نیموی نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

(نصب الرایہ ص۳۳۵ ج۱ وفتح الباری ص۲۱۲ ج۲ و تغلیق التعلیق ص۳۲۱ ج۲ و آثار السنن ص۹۴)

(۱۷) عن بلال انه قال قال یا رسول الله! لا تسبقنی بآمین۔

سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ مجھ سے آمین کہنے میں سبقت نہ لے جایا کریں۔

(ابو داؤد کتاب الصلاہ باب التامین وراء الامام، الحدیث ۹۳۷) و مسند احمد ص۱۲،۱۵ ج۱ و مستدرك للحاکم ص۲۱۹ ج۱ و بیہقی ص۵٦ ج۲ و طبرانی کبیر ص۳٦٦ ج۱ و مصنف عبدالرزاق ص۹٦ ج۲ (۲٦۳٦)

(۱۸) عن سلمان ان بلال قال للنبی صلی اللہ علیہ وسلم لا تسبقنی بآمین

سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ مجھے سے آمین کہنے میں سبقت نہ لے جایا کریں۔

(طبرانی کبیر ص۲۵۳ ج٦ رقم الحدیث ٦۱۳٦)

ملحوظہ: سیدنا بلال رضی اللہ عنہ سے پہلے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سورہ فاتحہ کی قرأت ختم کر کے آمین کہہ لیتے تھے، جس پر سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے مذکورہ درخواست حضور علیہ السلام سے کی تھی، علامہ پٹنی مرحوم فرماتے ہیں۔

لا تسبقی بأمین لعل بلالا کان یقرأ الفاتحة فی السکتة الاولی من سکتتی الامام فربما یبقی علیه منها شئی و رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم قد فرغ من قرأتها فاستمهله بلال فی التامین بقدر مایتم فیه بقیة السورة حتی ینال برکة موافقته فی التامین۔

(مجمع بحار الانوار ص۱۱۹ ج۱)

(۱۹) حدثنا اسحاق بن منصور اخبرنا عبدالصمد بن عبدالوارث حدثنا حماد بن سلمة حدثنا سهیل بن ابی صالح عن ابیه عن عائشة عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال، ماحسد تکم الیهود علی شئی ما حسد تکم علی السلام و التامین۔

ام المؤمنین صدیقہ کائنات سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا راویہ ہیں کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہود کسی چیز میں تم سے حسد نہیں کرتے جتنا کہ سلام اور آمین کہنے پر کرتے تھے۔

(ابن ماجة کتاب اقامة الصلوات باب الجهر بآمین، الحدیث ۸۵٦) و ادب المفرد للبخاری ص۲۵٦ باب فضل السلام، الحدیث ۹۸۸)

(۲۰) اخبرنا ابو زکریا بن ابی اسحاق المزکی انبأ عبدالباقی بن قانع القاضی ببغداد ثنا

اسحاق بن الحسن الحربی ثنا مسلم بن ابراهیم ثنا عبد الله بن میسرة ثنا ابراهیم بن ابی حدة عن مجاهد عن محمد بن الاشعث عن عائشة رضی الله عنها قالت قال رسول اللهﷺ لم یحسدونا الیهود بشئی ما حسد ونا بثلاث التسلیم والتامین واللهم ربنا لك الحمد۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا راویہ ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہود کو جتنا ہماری تین چیزوں سے حسد ہے اور کسی سے نہیں ہے، (۱) سلام (۲) آمین (۳) اور اللهم ربنالك الحمد (بیهقی ص۵٦ ج۲) سند ضعیف ہے۔

(۲۱) عن ابن عباس قال قال رسول اللهﷺ ما حسد تکم الیهود علی شئی ما حسدتکم علی آمین فاکثر وامن قول آمین۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہود نے اتنا حسد تم سے کسی بات پر نہیں کیا جتنا آمین پر کیا ہے، تو بہت آمین کہو۔

(ابن ماجه کتاب اقامة الصلوات باب الجهر بآمین الحدیث ۷۵۷)

(۲۲) عن معاذ بن جبل قال قال النبی صلی اللهﷺ ان الیهود قوم سئموا دینهم وهم قوم حُسّدٌ ولم یحسدوا لمسلمین علی افضل من ثلاث رد السلام واقامة الصوف وقولهم خلف امامهم فی المکتوبة آمین، الحدیث۔

سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی مکرم ﷺ نے فرمایا کہ یہود ایسی قوم ہے جو اپنے دین سے اُکتا گئے ہیں، اور وہ ایک حاسد قوم ہے اور وہ حسد نہیں کرتے مسلمانوں پر مگر ان کی تین بہتر چیزوں پر (۱) سلام کے جواب سے (۲) نماز میں) اقامت صفوف سے (۳) اور فرض نمازوں میں اپنے اماموں کے پیچھے آمین کہنے سے، الحدیث

(المعجم الاوسط للطبرانی ص۴۷٤ ج۵ رقم الحدیث ۴۹۰۷)

واسناده حسن (مجمع الزوائد ص۱۱٦ ج۲)

(۲۳) عن عائشة قالت قال رسول اللهﷺ انهم لا یحسد ونا علی شئی کما یحسدونا علی یوم الجمعة التی هدانا الله لها وضلوا عنها وعلی القبلة التی هدانا الله لها و ضلوا عنها وعلی قولنا خلف الامام، آمین، الحدیث

ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا راویہ ہیں کہ بلاشبہ یہود کو جتنا ان چیزوں پر حسد ہے اور کسی ہماری چیز پر نہیں (۱) جمعہ کے دن پر، جس کی اللہ تعالیٰ نے ہمیں ہدایت دی اور یہ اس سے گمراہ ہو گئے (۲) اور قبلہ پر جس کی طرف اللہ تعالیٰ نے ہماری راہ نمائی کی اور ان کو گمراہ کر دیا (۳) اور ہمارا امام کے پیچھے

آمین کہنے پر الحدیث۔

(مسند احمد ص١٣٤، ١٣٥ ج٢ و بیهقی ص٥٦ ج٢)

(۲۴) عن عائشة قالت قال رسول اللهﷺ ان اليهود قوم حسد وهم لا يحسدو نا على شئى كما يحسدونا على السلام و على آمين، الحديث

ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا راویہ ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہود ایک حاسد قوم ہے، اور وہ ہماری کسی چیز پر اتنا حسد نہیں کرتے جتنا سلام اور آمین پر کرتے ہیں، الحدیث

(صحيح ابن خزيمه ص٢٨٨ ج١ رقم الحديث ٥٧٤)

(۲۵) ثنا يحيىٰ بن آدم قال ثنا شريك عن عاصم بن كليب عن ابيه عن وائل بن حجر انه سمع النبىﷺ يقول فى الصلاة آمين۔

سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز میں، آمین کہتے ہوئے سنا۔

(مسند احمد ص٣١٨ ج٤ رقم الحديث ١٨٣٨٩)

(۲۶) ثنا اسود بن عامر ثنا شريك عن ابى اسحاق عن علقمة بن وائل عن ابيه قال سمعت النبىﷺ يجهر بآمين۔

سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ آمین کو بلند آواز سے کہتے۔

(مسند احمد ص٣١٨ ج٤) رقم الحديث ١٨٣٩٠) و بيهقى ص٥٨ ج٢)

(۲۷) اخبرنا يحيىٰ بن محمد بن عمرو بالفسطاط قال حدثنا اسحاق بن ابراهيم بن العلاء الزبيدى قال حدثنا عمرو بن الحارث قال حدثنا عبدالله بن سالم عن الزبيدى قال اخبرنى محمد بن مسلم عن سعيد بن المسيب وابى سلمة عن ابى هريرة كان رسول اللهﷺ اذا فرغ من قراء ة ام القرآن رفع صوته وقال آمين۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (نماز میں) جب قرأت سورہ فاتحہ سے فارغ ہوتے تو آواز کو بلند کر کے، آمین، کہتے تھے۔

(صحيح ابن حبان ص١٧٤ ج٤ رقم الحديث ١٨٠٣ مطبوعه مكتبه الاثريه سانگله هل) و موارد الظمان ص١٢٧ رقم الحديث ٤٦٢)

(۲۸) ثنا محمد بن اسماعيل الفارسى ثنا يحيىٰ بن عثمان بن صالح ثنا اسحاق بن ابراهيم حدثنى عمرو بن الحارث حدثنى عبدالله بن سالم عن الزبيدى حدثنى الزهرى عن ابى سلمة و سعيد عن ابى هريرة قال كان النبىﷺ اذا فرغ من قرأة ام القرآن رفع صوته وقال آمين، هذا اسناد حسن۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب سورہ فاتحہ کی قرأت سے فارغ ہوتے تو آواز کو بلند کر کے آمین کہتے تھے (امام دارقطنی فرماتے ہیں) اس کی سند حسن ہے۔

(سنن دارقطنی ص۳۳۵ ج۱)

(۲۹) اخبرنا علی بن محمد بن عبدالله بن بشران العدل ببغداد انبا علی بن محمد المصری ثنا یحییٰ بن عثمان بن صالح ثنا اسحاق بن ابراهیم الزبیدی اخبرنا عمر و بن الحارث ثنا عبدالله بن سلام عن الزبیدی قال اخبرنی الزهری عن ابی سلمة و سعید ان ابا هریرة قال کان رسول الله ﷺ اذا فرغ من قرأة ام القرآن رفع صوته فقال آمین وکذالك رواه ابو الاحوص القاضی عن اسحاق بن ابراهیم بن العلاء الزبیدی، واخبرنا ابو بکر بن الحارث قال قال علی بن عمر الحافظ هذا اسناد حسن، یرید اسناد هذا الحدیث۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سورہ فاتحہ کی تلاوت سے فارغ ہوتے تو آواز کو بلند کرتے اور آمین کہتے تھے، امام بیہقی فرماتے ہیں کہ اسحاق بن ابراہیم سے اس روایت کو امام ابوحوص قاضی نے بھی روایت کیا ہے، اور مجھے امام ابوبکر نے خبر دی ہے کہ امام دارقطنی نے اس حدیث کو حسن کہا ہے۔

(بیهقی ص۵۸ ج۲)

(۳۰) ابو احمد بکر بن محمد الصیر فی بمرو ثنا ابو لاحوص محمد بن الهیثم القاضی ثنا اسحاق بن ابراهیم بن العلاء الزبیدی اخبرنی عمرو بن الحارث عن عبدالله بن سالم عن الزبیدی قال اخبرنی الزهری عن ابی سلمة و سعید عن ابی هریرة قال کان رسول الله ﷺ اذا فرغ من ام القرآن رفع صوته فقال آمین، هذا حدیث صحیح علی شرط الشیخین ولم یخرجاه بهذا اللفظ، و وافقه الذهبی۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سورہ فاتحہ (کی قرأت سے) فارغ ہوتے تو آواز کو بلند کر کے آمین کہتے، (امام حاکم فرماتے ہیں کہ) یہ حدیث بخاری و مسلم کی شرائط پر صحیح ہے لیکن انہوں نے ان الفاظ سے اسے روایت نہیں کیا، علامہ ذہبی نے حاکم کی تصحیح کی موافقت کی ہے۔

(مستدرك للحاكم ص۲۲۳ ج۱ كتاب الصلوة باب كان اذا فرغ من ام القرآن رفع صوته فقال آمين)

(۳۱) عن علی قال کان النبی ﷺ اذا قال، ولا الضالین قال، آمین، یرفع بها صوته، ابن جریر و صححه و ابن شاهین۔

سیدنا علی مرتضی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب، ولا الضالین، کہتے تو، آمین کہتے اور اس کے ساتھ آواز کو بلند کرتے تھے، ابن جریر اور ابن شاہین نے اسے روایت کیا ہے اور ابن جریر نے

کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے۔ (کنزالعمال ص۵۹ ج۸ رقم الحدیث ۲۲۱۸۳)

(۳۲) عن ابن عمر ان رسول الله ﷺ کان اذا قال ولا الضالین قال آمین ورفع بها صوته۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب ولا الضالین، کہتے تو آواز کو بلند کر کے آمین کہتے تھے۔ (سنن دارقطنی ص۳۳۵ ج۱)

(۳۳) حدثنا هدبة حدثنا هارون بن موسیٰ النحوی عن ثابت عن ابن ام الحصین عن جدته انها سمعت النبی ﷺ یقرأ مالك یوم الدین فقرأ حتی بلغ ولا الضالین قال آمینف۔

سیدہ ام حصین رضی اللہ عنہا راویہ ہیں کہ میں نے نبی مکرم ﷺ سے سنا کہ آپ، مالک یوم الدین، پڑھتے، یہاں تک جب، ولا الضالین، پر پہنچے تو آمین کہا۔ (کتاب المعجم لابو یعلی ص۲۵۲)

(۳۴) اخبرنا النضر بن شمیل ثنا هارون الاعور عن اسماعیل بن مسلم عن ابی اسحاق عن ابن ام الحصین عن امه انها صلیت خلف رسول الله ﷺ فلما قال ولا الضالین قال آمین فسمعته وهی فی صف النساء۔

سیدہ ام حصین رضی اللہ عنہا راویہ ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی اقتدا میں نماز پڑھی جب آپ نے، ولا لضالین، کہا تو آمین کی آواز کو میں نے عورتوں کی صف میں سنا۔

(مسند اسحاق بن راهویه بحواله نصب الرایه ص۳۷۱ ج۱)

(۳۵) حدثنا عبدالقدوس انا الحجاج عن عبدالجبار عن ابیه انه سمع النبی ﷺ یقول آمین۔

عبدالجبار اپنے والد وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے (مرسلاً) روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی مکرم ﷺ کو آمین کہتے سنا۔ (مسند احمد ص۳۱۵ ج۴)

(۳۶) حدثنا یحییٰ بن ابی بکر ثنازهیر ثنا ابو اسحاق عن عبدالجبار بن وائل عن وائل قال رایت رسول الله ﷺ وصلیت خلفه فقرأ غیر المغضوب علیهم ولا الضالین فقال آمین، یجهر، الحدیث۔

سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا اور آپ کی اقتدا میں نماز پڑھی، آپ نے، غیر المغضوب علیهم ولا الضالین، پڑھا تو بلند آواز سے آمین کہی۔

(مسند احمد ص۳۱۸ ج۴)

(۳۷) حدثنا عثمان بن عمر الضبی ثنا عبدالله بن رجاء ثنا اسرائیل عن ابی اسحاق عن عبدالجبار بن وائل عن ابیه انه صلی مع النبی ﷺ فلما قرأ بفاتحة الکتاب فقال غیر المغضوب علیهم ولا الضالین، قال آمین ورفع بها صوته۔

عبدالجبار اپنے والد سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے نبی مکرم ﷺ کی

اقتداء میں نماز پڑھی ، جب آپ نے سورہ فاتحہ کی قرأت کی تو غیر المغضوب علیهم ولا الضالین، (کے بعد) آواز کو بلند کر کے آمین کہا۔

(المعجم الکبیر للطبرانی ص ۲۱ ج ۲۲ رقم الحدیث ۳۲)

(۳۸) اخبرنا قتیبة حدثنا ابو الاحوص عن ابی اسحاق عن عبدالجبار بن وائل عن ابیه قال صلیت خلف رسول اللهﷺ فلما افتتح الصلاة کبر و رفع یدیه حتی حاذتا اذنیه ثم یقرأ بفاتحة الکتاب فلما فرغ منها قال، آمین یرفع بها صوته۔

سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں نماز پڑھی جب آپ نے نماز کو شروع کیا تو تکبیر تحریمہ کہی اور دونوں ہاتھوں کو اٹھایا حتی کہ کانوں کے برابر ہو گئے پھر سورہ فاتحہ کی قرأت کی جب اس سے فارغ ہو گئے تو آواز کو بلند کر کے آمین کہا۔

(سنن نسائی کتاب الافتتاح باب رفع الیدین حیال الاذنین، الحدیث ۸۸۰)

(۳۹) حدثنا محمد بن الصباح و عمار بن خالد الواسطی قالا حدثنا ابو بکر بن عیاش عن ابی اسحاق عن عبدالجبار بن وائل عن ابیه قال صلیت مع النبیﷺ فلما قال، ولا الضالین ، قال آمین، فسمعنا ها منه۔

سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں نماز پڑھی، جب آپ نے، ولا الضالین، کہا تو، آمین، بولا، جسے میں نے آپ سے سنا۔

(ابن ماجه کتاب اقامة الصلوٰت باب الجهر بآمین، الحدیث ۸۵۵)

(۴۰) حدثنا عبدالله بن جعفر بن خشیش ثنا الحسن بن احمد بن ابی شعیب ثنا محمد بن سلمة عن ابی عبدالرحیم عن زید بن ابی انیسة عن ابی اسحاق عن عبدالجبار بن وائل عن ابیه قال صلیت خلف رسول الله علیه وسلم قال فلما قال، ولا الضالین، قال، آمین، مدبها صوته هذا اسناد صحیح۔

عبدالجبار اپنے والد سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں نماز پڑھی، جب آپ نے، ولا الضالین کہا تو بلند آواز سے آمین کہا (امام دارقطنی فرماتے ہیں) اس کی سند صحیح ہے۔

(سنن دارقطنی ص ۳۳۵ ج ۱)

اس سلسلہ میں مزید اسناد بھی پیش کی جا سکتی ہیں امید ہے ان چالیس اسناد سے (جو انوار صاحب سے تین گنا زیادہ ہیں) ہی قارئین کرام کی تسلی و تشفی ہو جائے گی ان شاء اللہ۔

آثار صحابہ کرام

(۱) عبدالرزاق عن ابن جریج قال قلت لعطاء، آمین؟ قال لا ادعها ابدا، قال، اثرام القرآن فی المکتوبة والتطوع؟ قال ولقد کنت اسمع الائمة یقولون علی اثر ام القرآن، آمین، هم انفسهم ومن وراء هم حتی ان للمسجد للجة۔

امام ابن جریج فرماتے ہیں کہ میں نے امام عطاء بن ابی رباح (تابعی) سے آمین کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے کہا کہ میں تو آمین کو فرضی ونفلی نمازوں میں کبھی بھی سورہ فاتحہ کے بعد کہنا نہیں چھوڑتا، میں نے آئمہ سے سنا کہ وہ خود بھی سورہ فاتحہ کی قرأت کے بعد اور ان کے پیچھے مقتدی بھی آمین کہتے حتی کہ آمین کی آواز سے مسجد گونج جاتی۔

(مصنف عبدالرزاق ص۹۷ ج۲ رقم الحدیث ۲٦٤٣)

مولانا ظفر احمد تھانوی حنفی دیوبندی فرماتے ہیں کہ جب تابعی، یفعلون، یا یقولون، کے الفاظ کہے تو اس سے مراد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہوتے ہیں۔

(قواعد فی علوم الحدیث ص۱۲۸)

لہذا امام عطاء بن بی رباح کے الفاظ، الائمة یقولون، سے مراد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں، اس کی مزید تائید ان کے ان الفاظ سے ہوتی ہے۔

(۲) عن عطاء قال ادرکت مأتین من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی هذا المسجد اذا قال الامام غیر المغضوب علیهم ولا الضالین سمعت لهم رجة بآمین۔

امام عطاء بن ابی رباح فرماتے ہیں میں نے اس مسجد (بیت اللہ) میں دوسو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دیکھا ہے جب امام غیر المغضوب علیهم ولا الضالین، کہتا تو سب کے سب بلند آواز سے آمین کہتے، جس سے مسجد گونج جاتی تھی۔

(السنن الکبری للبیهقی ص۵۹ ج۲)

(۳) عبدالرزاق عن ابن جریج عن عطاء قال قلت له، أکان ابن الزبیر یومن علی اثرام القرآن؟ قال، نعم، ویؤمن من وراء ہ حتی ان للمسجد للجة' الحدیث۔

امام ابن جریج فرماتے ہیں کہ میں نے امام عطاء بن ابی رباح سے سوال کیا کہ آیا سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سورہ فاتحہ کی قرأت کے بعد آمین کہتے، انہوں نے کہا ہاں سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور ان کے پیچھے (تمام) مقتدی بھی آمین کہتے تھے حتی کہ مسجد میں گونج ہوتی۔

(مصنف عبدالرزاق ص۹٦ ج۲ رقم الحدیث ۲٦٤٠)

اس سلسلہ میں مزید موقوف احادیث بھی پیش کی جا سکتی ہیں مگر ہم ان تین پر ہی اکتفا کرتے ہیں، ان آثار سے ثابت ہوا کہ آمین کو بلند آواز سے کہنے پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ہے، دوسرے اثر میں دو سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی صراحت ہے اور پہلے میں تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مراد ہیں، جن کو امام عطاء نے دیکھا ہے۔ تیسرے میں تو سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا نام ہے یہ سلسلہ اسناد بالکل صحیح و درست ہے، اس کے برعکس آمین کو آہستہ کہنا کسی صحابی سے ثابت نہیں، انوار صاحب نے جن آثار کی نشان دہی کی ہے ان کی حقیقت فصل دوم میں آ رہی ہے، صحیح احادیث اور اقوال صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد کسی تابعی کا قول یا علماء و محدثین کے اقوال پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہے، اس بحث کو ہم اپنے ایک مخالف کے قول پر ختم کرتے ہیں، مولانا عبدالحی لکھنوی حنفی فرماتے ہیں۔

لقد طفنا كما طفتم سيننا، بهذا البيت طرا اجمعينا،فوجدنا بعد التامل والا معان ان القول بالجهر بأمين هو الاصح لكونه مطابقا لماروى عن سيد بنى عدنان و رواية الخفض عنه ضعيفة لا توازى روايات الجهر ولو صحت وجب ان تجمل على عدم القرع العنيف كما اشار اليه ابن الهمام واى ضرورة داعية الى حمل روايات الجهر على بعض الاحيان او الجهر للتعليم مع عدم ور ود شئى من ذلك فى رواية۔

جس طرح تم نے اس گھر کا طواف کیا ہے اسی طرح ہم نے بھی سب کے ساتھ کئی برس اس کا طواف کیا ہے، پس ہم نے غور وفکر کے بعد یہی بات محسوس کی ہے کہ بلند آواز سے آمین کہنی ہی زیادہ صحیح ہے کیونکہ یہ سید بنی عدنان صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے موافق ہے اور آپ سے آہستہ کہنے کی روایت ضعیف ہے جو بلند آواز سے آمین کہنے کی احادیث کا مقابلہ نہیں کرتی، اگر وہ صحیح بھی ہو تو ضروری ہے کہ انہیں اس بات پر محمول کیا جائے کہ بہت زور سے آمین نہ کہی جائے جیسا کہ ابن ہمام نے (فتح القدیر ص ۲۵۷ ج ۱ میں) اس طرف اشارہ کیا ہے، اور کون سی ضرورت تقاضا کرتی ہے کہ اونچی آواز سے آمین کہنے کی روایات کو بعض اوقات یا تعلیم کے پر محمول کیا جائے، جبکہ اس کے متعلق کوئی چیز مروی نہیں۔

(السعاية فى كشف ما فى شرح الوقاية ص ۱۷۶ ج ۲)

موطا امام محمد کے حاشیہ میں فرماتے ہیں۔

ولانصاف ان الجهر قوى من حيث الدليل۔

یعنی انصاف یہ ہے کہ اونچی آواز سے آمین کہنا دلیل کے اعتبار سے قوی ہے۔

(التعليق الممجد ص ۱۰۳)

فصل دوم

مولانا انوار صاحب نے دلائل دینے سے پہلے مقلد ہو کر اجتہاد کرتے ہوئے یہ دلیل درج کی ہے کہ آمین دعا ہے اور دعا میں اصل اخفا ہے، اور امین ذکر ہے اور ذکر میں بھی اصل اخفا ہے، ان دونوں باتوں سے ہمیں علی الاطلاق اتفاق نہیں، قرآن و حدیث سے دعا اور ذکر کا بلند آواز سے کرنا بھی ثابت ہے ہم پہلے انوار صاحب کے دلائل نقل کر کے ان پر تبصرہ کرتے ہیں بعد میں دعا اور ذکر کا بلند آواز سے کرنا ثابت کیا جائے گا ان شاء اللہ تعالیٰ بہر حال مولانا صاحب فرماتے ہیں کہ

(قال الله تعالى، قد اجيبت دعوتكما، الآية، ١٠: ٨٩)

قبول ہو چکی دعا تمہاری

اخرج ابو الشيخ عن ابی هريرة رضی اللہ عنہ قال كان موسى عليه السلام اذا دعا امن هارون على دعائه يقول آمين۔

ابو الشیخ نے حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب دعا کرتے تو ہارون علیہ السلام آمین کہتے۔

اخرج ابن جرير عن ابن زيد رضی اللہ عنہ قال كان هارون عليه السلام يقول آمين فقال الله قدا جيبت دعوتكما فصار التامين دعوة صار شريكه فيها۔

(الدر المنثور فی التفسير بالما ثور ص ٣١٥ ج ٣)

ابن جریر نے ابن زید رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہارون علیہ السلام (چونکہ موسیٰ علیہ السلام کی دعا پر) آمین کہتے تھے اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا' **قد اجيبت دعوتكما**' قبول ہو چکی دعا تمہاری، لہذا آمین کہنا بھی دعا ہوا جس میں ہارون علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ شریک ہوئے۔

عن انس رضی اللہ عنہ قال قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم اعطيت آمين فی الصلوة و عند الدعا لم يعط احد قبلی الا ان يكون موسى كان موسى يدعو و هارون يومن فاختموا الدعاء بآمين فان الله يستجيب لكم۔

(تفسير القرآن العظيم للامام ابن كثير ص ٣١ ج ١)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے آمین عطا کی گئی ہے نماز میں بھی، یہ مجھ سے پہلے کسی کو نہیں ملی سوائے موسیٰ علیہ السلام کے کہ وہ دعا مانگتے تھے اور ہارون علیہ السلام آمین

کہتے تھے، لہٰذا تم لوگ دعا کو آمین کے ساتھ ختم کیا کرو، اللہ تعالیٰ تمہاری دعاء کو قبول فرمائیں گے۔

قال عطاء آمین دعاء، بخاری ص ۱۰۷ ج ا حضرت عطا بن ابی رباح فرماتے ہیں کہ آمین دعا ہے۔

وقال اللہ تعالیٰ ادعوا ربکم تضرعا خفیة (ے ۵۵)۔

تم لوگ اپنے پروردگار سے دعا کیا کرو تذلل ظاہر کر کے اور چپکے چپکے۔

وقال تعالیٰ اذ نادی ربه ندآء خفیاه (۱۹:۳)۔

جبکہ انہوں نے اپنے رب کو پوشیدہ طور پر پکارا۔

روی القرطبی عن مجاھد و جعفر الصادق و ھلال بن یساف ان آمین اسم من اسماء اللہ تعالیٰ۔

(تفسیر القرآن العظیم ص ۳۱ ج ۱)

امام قرطبی نے حضرت مجاہد، وجعفر الصادق اور ہلال بن یساف رحمہم اللہ سے روایت کیا ہے کہ آمین اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔

ان اللہ تعالیٰ و اذکر ربك فی نفسك تضرعا و خیفةو دون الجھر من القول الآیة (ے ۲۰۵)

اور یاد کرتا رہ اپنے رب کو اپنے دل میں گڑگڑاتا ہوا اور ڈرتا ہوا اور ایسی آواز سے جو کہ پکار کر بولنے سے کم ہو۔

(حدیث اور اھل حدیث ص۳۶۸ تا ۳۷۰)

الجواب اولاً قارئین کرام غور فرمایئے کہ اگر انوار صاحب کے پاس صریحاً کوئی دلیل آمین کو آہستہ کہنے کی ہوتی تو اسے درج کرتے ان تکلفات میں نہ پڑتے کہ آمین دعا اور ذکر ہے اور ان دونوں میں اصل اخفا ہے، لہٰذا آمین آہستہ کہنا چاہیئے۔

ثانیاً انوار صاحب آخر دو متضاد باتیں کیوں کہتے ہیں، ایک طرف فرماتے ہیں کہ آمین دعا ہے پھر ان کے مخالف اس کا ذکر ہونا بھی کہتے ہیں، ظاہر ہے کہ یہ کھلا ہوا تناقض ہے، کیونکہ دعا میں طلب اور سوال ہوتا ہے جبکہ ذکر اس سے خالی ہوتا ہے۔

ثالثاً: آپ نے جو اتنی بڑی لمبی تحریر لکھی ہے ان دلائل میں سے کس کا یہ معنی و مفہوم ہے کہ آمین آہستہ کہنا چاہیے۔

رابعاً: مانا کہ دعا اور ذکر میں اصل اخفا ہے مگر اس کا یہ معنی کہ کسی جگہ اور مقام پر بھی ذکر اور دعا بلند آواز سے کہنا جائز نہیں، خالص مغالطہ اور سو فی صد غلط بیانی ہے اذ ان ذکر ہے مگر بلند آواز سے کہی

جاتی ہے، ایسا ہی جہری نمازوں میں امام قرأت بلند آواز سے کرتا ہے، تکبیرات انتقال بھی بلند آواز سے کہتا ہے، حج کے موقعہ پر تلبیہ بلند آواز سے کہنا مسنون ہے،

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

ان رفع الصوت بالذکر حین ینصرف الناس من المکتوبة کان علی عهد رسول الله ﷺ الحدیث

یعنی فرض نمازوں کے بعد بلند آواز سے ذکر کرنا رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں معمول تھا۔

(بخاری کتاب الاذان باب الذکر بعد الصلاة، الحدیث ۸٤۱ و مسلم کتاب المساجد باب الزکر بعد الصلاة، الحدیث ۱۳۱۸)

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ نماز کے بعد بلند آواز سے ذکر کرنا سنت سے ثابت ہے، بعض دعائیں بھی نبی مکرم ﷺ سے بلند آواز سے کرنا ثابت ہیں۔

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں آپ علیہ السلام کا خدمت گزار تھا اور آپ سے اکثر سنتا کہ فرماتے

اللهم انی اعوذبك من الهم والحزن والعجز والکسل والبخل والجبن و ضلع الدین الحدیث

یعنی الٰہی میں حزن، غم، عجز، سستی، بزدلی، اور قرض وغیرہ سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔

(بخاری کتاب الدعوات باب التعوذ من غلبة الرجال، الحدیث ٦٣٦٣)

بلند آواز سے دعا کرنے کا متعدد احادیث میں ذکر ہے۔ تفصیل کے لیے، حضرت استاذی المکرّم کی تالیف (خیر البراہین ص۱۵۹) کا مطالعہ کریں۔ جہری نماز میں امام سورہ فاتحہ کو بلند آواز سے پڑھتا ہے، اور سورہ فاتحہ فی نفسہ دعا ہے جیسا کہ خاکسار نے، دین الحق ص۳۶۶ ج۱ میں متعدد دلائل سے ثابت کردیا ہے اس ساری تفصیل سے ثابت ہوا کہ گو ذکر اور دعا میں اصل اخفا ہے مگر جہاں اور جس مقام پر ان کا بلند آواز سے کہنا ثابت ہے وہ اس ضابطہ سے خارج ہیں۔ لہٰذا اگر یہ تسلیم بھی کرلیا جائے کہ آمین دعا اور ذکر ہے تو تب بھی اس کا بلند کہنا ناجائز نہ ہوگا کیونکہ فصل اول کی صحیح احادیث کی بنا پر آمین اس سے خارج ہے۔

خامسا: محترم نے جو روایات سیدنا موسیٰ علیہ السلام اور سیدنا ہارون علیہ السلام کے متعلق بیان کی ہیں یہ سب کی سب بلا سند اور من گھڑت ہیں، جیسا کہ علامہ ابن حزم نے، المحلی بالاثار ص۲۹۶ ج۲ میں صراحت کی ہے، حافظ ابن حجر فتح الباری ص۲۰۹ ج۲ میں ابن عبدالبر سے نقل کرتے ہیں کہ یہ روایت اصل میں صحیح ہی نہیں، اب ترتیب وار انوار صاحب کی درج کردہ روایات کا حال ملاحظہ کریں۔

محترم نے پہلی روایت بحوالہ درمنثور سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ''ابوالشیخ'' سے نقل کی ہے۔

لیکن یہ کتاب نہ معروف نہ ہی متداول، ہمیں یہ روایت امام عبدالرزاق کی، (مصنف ص ۹۹ ج ۲ رقم الحدیث ۲۶۵۱) سے ملی ہے، اور سند میں، بشر بن رافع ابوالاسباط النجرانی راوی ضعیف ہے (تقریب ص ۴۴) اور اس کا استاد اور سیدنا ابوہریرۃ سے نقل کرنے والا راوی ابوعبداللہ دوسی ہے اور مجہول ہے (میزان ص ۵۴۵ ج ۴)

دوسری روایت محترم نے ابن زید کی نقل کی ہے اور 'رضی اللہ عنہ' کی علامت لگا کر اسے صحابی باور کرایا ہے، حالانکہ یہ اتباع تابعین سے ہیں، امام ابن جریر کی درج کردہ سند یہ ہے۔

حدثنی یونس قال اخبرنی ابن وھب قال قال ابن زید۔

(تفسیر ابن جرید ص ۱۸۶ ج ۱۱ طبع داراحیاء التراث ۲۰۰۱ء)

کتب رجال کی مراجعت کرنے کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ عبداللہ بن وھب، زید کے دو بیٹوں، اسامہ بن زید اور عبدالرحمٰن بن زید سے روایت کرتے ہیں اور یہ امام مالک کے معاصر ہیں، صحابی نہیں بلکہ اتباع تابعین سے ہیں۔

تیسری روایت محترم نے سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مرفوع نقل کی ہے اور تفسیر ابن کثیر کا حوالہ دیا ہے، یہ روایت امام ابن خزیمہ نے اپنی (صحیح ص ۱۶۶ ج ۲ رقم الحدیث ۱۵۸۶) میں نقل کی ہے اور سند میں زربی راوی ضعیف ہے۔

(تقریب ص ۱۰۷) علامہ البانی نے اس روایت کو سخت ضعیف قرار دیا ہے۔

(سلسلة الاحادیث الضعیفه ص ۲۵ ج ٤ رقم ۱۵۱٦)

انوار خورشید کے مقلد بھائی عبدالرزاق مھدی نے تفسیر ابن کثیر کے حاشیہ میں لکھا ہے، ''ضعیف'' یعنی یہ روایت ضعیف ہے۔

(حاشیه ابن کثیر ص ۱۳۹ ج ۱ مطبوعه مکتبه رشیدیه کوئٹه)

خلاصہ کلام، انوار صاحب نے بیان روایات بین کی ہیں، ایک مرفوع اور دوسری موقوف اور یہ دونوں ہی ضعیف ہیں، تیسری روایت اتباع تابعین سے، عبدالرحمٰن، یا اسامہ کا قول ہے، جو گو سند کے لحاظ سے صحیح ہے لیکن ایسی غیبی اخبار کے میں اتباع تابعین کے اقوال کی حیثیت نہ ہونے کی برابر ہے کیونکہ خبر کی صحت کی تصدیق ثابت نہیں۔

علاوہ ازیں یہ تمام روایات انوار صاحب کے مؤقف کے خلاف ہیں، کیونکہ انوار صاحب ان سے آمین کو دعا ثابت کر کے آمین کو آہستہ کہنا ثابت کرنا چاہتے ہیں، حالانکہ ان روایات کا یہ مفاد ہے کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے دعا کو بلند آواز سے کیا تھا۔

سیدنا موسیٰ علیہ السلام دل میں ہی دعا کر رہے تھے تو سیدنا ہارون علیہ السلام کو کیسے علم ہوا کہ موسیٰ

علیہ السلام نے فلاں دعائیہ جملہ کہا ہے۔ جس پر مجھے آمین کہنی ہے، یہ صورت بالکل اسی طرح کی ہے جس طرح دیوبندی و بریلوی مساجد میں امام بلند آواز سے دعا کرتے ہیں اور مقتدی حضرات بلند آواز سے آمین کہتے ہیں، اسی طرح سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے بلند آواز سے دعا کی اور سیدنا ہارون علیہ السلام نے بلند آواز سے آمین کہی، مگر انوار صاحب حاطب اللیل کی طرح اپنے اور بیگانے میں تمیز نہیں کرتے، صرف زیادہ دلائل جمع کرنے کی فکر میں ان چیزوں کو بھی نقل کرتے جاتے ہیں جس سے قصر حنفیت زمین بوس ہوتا ہے۔

سادساً: آپ نے امام عطاء بن ابی رباح تابعی کا قول نقل کرنے میں بھی تقلیدی ہاتھ کی صفائی دکھائی ہے، سنئے پورا اثر آپ کے خلاف ہے، وہ فرماتے ہیں۔

آمین دعا امن ابن الزبیر و من وراء حتی ان للمسجد للجة۔

آمین دعا ہے اور سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور ان کے پیچھے مقتدیوں نے اس زور سے آمین کہی کہ مسجد گونج گئی۔

(بخاری کتاب الاذان باب جهر الامام بالتامین)

غور کریں امام عطاء صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بلند آواز سے آمین کو کہنا نقل کرتے ہیں۔ مگر انوار صاحب صرف پہلے فقرہ سے اخفا پر دلیل قائم کرتے ہیں۔ اے جی آپ کی یہ نرالی دلیل صحابہ کرام کو معلوم نہ تھی۔

سابعاً: آمین دعا نہیں بلکہ تابع اور مہر دعا ہے، سیدنا ابو زہیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ان آمین مثل **الطابع علی الصحیفة**، یعنی آمین کتاب پر مہر کی طرح ہے،

(ابو داؤد کتاب الصلاة باب التامین وراء الامام، الحدیث ۹۳۸)

انوار صاحب نے آمین کو دعا اور ذکر ثابت کرنے کے لیئے تابعین اور آئمہ کے اقوال نقل کیے ہیں جو صحابی کے قول کے بالمقابل نا قابل حجت ہیں، بالخصوص جب سیدنا ابو زہیر رضی اللہ عنہ کا استدلال مرفوع حدیث **ان ختم بامین فقد اوجب** یعنی اگر دعا آمین پر ختم ہو تو قبول ہوگی سے ہے۔

(ابو داؤد رقم الحدیث ۹۳۸ باب سابق)

تاسعاً: سیدنا زکریا علیہ السلام کا آہستہ آواز سے دعا کرنا، بلند کرنے کی ممانعت پر دلیل نہیں۔ ہاں دعا کو چیخ چیخ کر نہیں کرنا چاہیئے، عاجزی و انکساری کو ملحوظ رکھا جائے لیکن اس کا یہ معنی نہیں کہ دعا کا بلند آواز سے کرنا ہی ناجائز و حرام ہے، بلکہ مقصود یہ ہے کہ جہر مفرط نہ ہو، ارشاد ربانی ہے۔

ولا تجهر بصلاتك ولا تخافت بها وابتغ بین ذلك سبیلاً۔

(الایہ بنی اسرائیل ۱۱۰)

اور نماز نہ بلند آواز سے پڑھو اور نہ آہستہ بلکہ اس کے بیچ کا طریقہ اختیار کرو (۱۷:۱۱۰)
ام المومنین صدیقہ کائنات سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔

انزل ذلك فى الدعاء

یعنی یہ آیت دعا کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

(بخاری کتاب التفسیر باب ولا تجهر بصلاتك ولا تخافت بها، الحدیث ٤٧٢٣)

اس آیت اور تفسیر سے معلوم ہوا کہ دعا درمیانی آواز سے کرنی چاہیئے کہ نہ جہر مفرط ہو اور نہ ہی اتنی آہستہ کہ اسے سرگوشی قرار دیا جائے۔

احادیث سے استدلال

۱،۲،۳،۴: انوار صاحب نے، (صحیح مسلم ص۱۷۷ ج۱) سے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی (صحیح مسلم ص۱۷۴ ج۱) سے سیدنا ابو موسی الاشعری رضی اللہ عنہ کی، (مسلم ص۱۷۶ ج۱) سے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی، مکرر (مسند احمد ص۲۳۳ ج۲ نسائی ص۱۰۷ ج۱ دارمی ص۲۲۸ ج۱ صحیح ابن خزیمہ ص ۲۸۹ ج۱) سے نقل کیا ہے کہ جب امام، **غير المغضوب عليهم ولا الضالين**، کہے تو تم آمین کہو۔ (حدیث اور اهل حدیث ص ٣٧٢،٣٧٠)

وجہ استدلال میں فرماتے ہیں کہ امام کے، **غير المغضوب عليهم ولا الضالين**، کہنے پر مقتدیوں کو آمین کہنے کا حکم فرمایا ہے، اس سے واضح ہوتا ہے کہ امام بلند آواز سے آمین نہیں کہتا ورنہ اس کے ولا الضالین، کہنے پر آمین کہنے کا حکم نہ دیا جاتا۔

(ص٣٨٤)

الجواب سابقہ فصل میں ہم صحیح صریح مرفوع احادیث نقل کر چکے ہیں کہ جب امام آمین کہے تو تب مقتدی آمین کہے، اور یہ مسلمہ اصول ہے کہ، الحدیث یفسر بعضہ لبعض، یعنی ایک حدیث دوسری حدیث کی تفسیر کرتی ہے لہذا ان الفاظ کی موجودگی میں آپ کا استدلال باطل ہے۔ کیونکہ صریح کے بالمقابل اشارۃ النص ناقابل حجت ہوتی ہے۔

(۵) عن الحسن ان سمرة بن جندب و عمران بن حصين تذاكرا فحدث سمرة بن جندب انه حفظ عن رسول الله ﷺ سكتتين سكتة اذا كبر و سكتة اذا فرغ من غير المغضوب عليهم ولا الضالين فحفظ سمرة وانكر عليه عمران بن حصين فكتبا فى ذالك الى ابى بن كعب وكان فى كتابه اليهما او فى رده عليهما ان سمرة قد حفظ۔

(ابو داؤد ص١١٣ ج١ و ترمذی ص٥٩ ج١)

حضرت حسن سے مروی ہے کہ حضرت سمرہ بن جندب اور حضرت عمران بن حصین کا آپس میں مذاکرہ ہوا، حضرت سمرہ نے بیان کیا کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ کا (نماز میں) دو مرتبہ خاموش ہونا یاد رکھا ہے، ایک جب کہ آپ تکبیر تحریمہ کہہ چکتے دوسرے جب آپ، غیر المغضوب علیهم ولا الضالین، پڑھ کر فارغ ہوتے، حضرت عمران بن حصین نے اس کا انکار کیا، پھر ایسا ہوا کہ ان دونوں حضرات نے یہ مسئلہ پوچھنے کے لیے حضرت ابی بن کعب کو خط لکھا۔ حضرت ابی ابن کعب نے اپنے جوابی خط میں لکھا کہ سمرہ نے صحیح یاد رکھا ہے (حدیث اور اہل حدیث ص۳۷۳) وجہ استدلال میں فرماتے ہیں کہ پہلا سکتہ ثناء کے لیے اور دوسرا سکتہ آمین کو آہستہ کہنے کے لیے تھا (ص۳۸۴)

الجواب اولاً: یہ روایت سنداً منقطع اور متناً مضطرب ہے، تفصیل حسب ذیل ہے،

امام حسن بصری سے یہ چھ طرق سے مروی ہے، (۱) اشعث عن الحسن، اس میں الفاظ ہیں۔ انه کان یسکت سکتین اذا استفتح واذا فرغ من القراءة کلها، یعنی دو سکتے کرتے تھے ایک شروع نماز میں دوسرا جب پوری قرأت سے فارغ ہوتے،

(ابو داؤد کتاب الصلاۃ باب السکتة عندالافتتاح، الحدیث ۷۷۸)

(۲) قتادہ عن الحسن، اس کا ایک طریق تو وہی ہے جو انوار صاحب نے بیان کیا ہے دوسرا طریق سعید عن قتادہ، سے ہے، جس کے الفاظ ہیں، اذا دخل فی صلاۃ و اذا فرغ من القراءة ثم قال بعد واذا قال غیر المغضوب علیهم ولا الضالین، یعنی ایک سکتہ نماز کے شروع میں اور دوسرا قرأت سے فارغ ہو کر، امام قتادہ نے بعد میں کہا کہ جب، غیر المغضوب علیهم ولا الضالین، کہتے تو سکتہ کرتے تھے۔

(ابو دائود رقم الحدیث ۷۸۰ باب سابق)

(۳) حمید عن الحسن، اس طریق میں یہ الفاظ ہیں۔

کان النبی ﷺ سکتتان سکتة حین یکبر و سکتة حین یفرغ من قراته۔

یعنی نبی مکرم ﷺ دو سکتے کرتے تھے ایک تکبیر تحریمہ کے وقت اور دوسرا جب قرأت سے فارغ ہوتے تھے۔

(سنن دارمی ۳۱۳ ج۱ کتاب الصلاۃ باب فی السکتتین، الحدیث ۱۲۴۳، و مسند احمد ص۱۵، ۲۰، ۲۱ ج۵)

(۴) یونس عن الحسن، اس کے الفاظ ہیں، قال سمرة فظت سکتتین فی الصلاة، سکتة قبل القرأة و سکتة عند الرکوع، یعنی ایک سکتہ قرأت سے پہلے اور دوسرا سکتہ رکوع کرنے کے وقت،

(ابن ماجه کتاب اقامت الصلاۃ باب فی سکتتی الامام، الحدیث ۸۴۵ و ابو داؤد رقم الحدیث ۷۷۷) یہ

روایت یونس بن عبید سے، اسماعیل نے نقل کی ہے، جبکہ یونس سے یہی روایت، یزید بن زریع، نے بھی نقل کی ہے، جس کے الفاظ ہیں، واذا فرغ من قرأة السورة سکت ھنیة (مسند احمد ص ۱۱'۲۳ ج ۵) جبکہ ہیثم نے یونس سے، واذا قال ولا الضالین سکت ایضا ھنیة (مسند احمد ص ۲۳ ج ۵ و دار قطنی ص ۲۳۶ ج ۱) کے الفاظ سے روایت کیا ہے

(۵) منصور بن المعتمر عن الحسن، کے طریق سے، ھیثم عن یونس، کی مثل الفاظ مروی ہیں۔

(مسند احمد ص ۲۳ ج ۵)

(۶) عمرو عن الحسن، کے طریق میں یہ الفاظ مروی ہیں، کان لرسول اللهﷺ ثلاث سکتات، اذا افتتح التکبیر حتی یقرأ الحمد، واذا فرغ من الحمد حتی یقرأ السورة واذا فرغ من السورة حتی یرکع۔

یعنی رسول اللہ ﷺ کے تین سکتات تھے، ایک تکبیر تحریمہ کے وقت دوسرا سورہ فاتحہ کے بعد اور تیسرا اگلی سورت کی قرأت کے بعد۔

(مصنف ابن ابی شیبه ص ۲۷۵ ج ۱)

ان چھ طریق پر غور کریں تو ان میں کھلا اضطراب ہے، اگر اصول حدیث کی روح سے ان الفاظ میں ترجیح کا راستہ اپنایا جائے تو اشعث اور حمید کی روایت راجح معلوم ہوتی ہے کیونکہ یہ ثقہ کی زیادت ہے جو قابل قبول ہوتی ہے، مزید ان دونوں کے متون میں دوسرے راویوں کی نسبت اضطراب نہیں ہے۔

اور معتمر کی روایت تفرد اور اختلاف کی وجہ سے مرجوح ہے، اور قرأت فاتحہ پر سکتہ کرنے کی روایات اور اشعث وغیرہ کی روایات میں اختلاف نہیں ہے، الغرض ترجیح بھی دی جائے تو پوری قرأت کے بعد سکتہ والی روایات راجع ہیں، اور یہ انوار صاحب کے استدلال کے خلاف ہے،

ثانیاً: تمام طرق کا دارو مدار، حسن بصری، پر ہے جو سیدنا سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ امام دارقطنی فرماتے ہیں کہ حسن کا سیدنا سمرہ رضی اللہ عنہ سے سماع مختلف ہے، حسن نے سیدنا سمرۃ رضی اللہ عنہ سے صرف عقیقہ کی روایت سنی ہے (سنن دار قطنی ص ۳۳۶ ج ۱) علامہ ذہبی فرماتے ہیں کہ یہ روایت منقطع ہے کیونکہ حسن کا سیدنا سمرہ رضی اللہ عنہ سے سماع نہیں ہے، (تلخیص مستدرک ص ۲۱۵ ج ۱) علامہ ابو بکر الجصاص حنفی فرماتے ہیں کہ یہ روایت غیر ثابت ہے (احکام القرآن ص ۵۰ ج ۳) علامہ البانی فرماتے ہیں، ضعیف ہے۔ (ارواء الغلیل ص ۲۸۵ ج ۲ (۵۰۵) یہ ملحوظ رہے کہ حسن مدلس بھی ہے جیسا کہ امام نسائی نے صراحت کی ہے (طبقات المدلسین ص ۲۹) زیر بحث روایت میں سماع کی صراحت نہیں بلکہ اسماعیل کی روایت اس بات کی دلیل ہے کہ منقطع ہے، قال سمرة، کے الفاظ سے یہی اشارہ ملتا ہے۔

ثالثاً: انوار صاحب نے اس روایت کو ترمذی کی طرف بھی منسوب کیا ہے، اور ترمذی کی روایت میں وضاحت موجود ہے کہ یہ سکتہ سانس لوٹانے کے لیے تھا، ان الفاظ کو انوار صاحب نے بد دیانتی کر کے نقل نہیں کیا، کیونکہ ان سے انوار صاحب کے استدلال باطل، سکتہ آمین کے لیے کرتے تھے، کا رد ہوتا تھا۔

۶ تا ۱۱: ان نمبروں کے تحت، انوار خورشید صاحب نے، مسند احمد، دار قطنی، ابو داؤد طیالسی، مستدرک حاکم بیہقی، اور ترمذی سے سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کی ہے کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب، غیر المغضوب علیهم و الضالین، کہا تو آمین کہی، وخفض بها صوته، اور آواز پست کر دی۔

(حدیث اور اهل حدیث ص۳۷۳ تا۳۷۵)

الجواب اولاً: قارئین کرام یہ ایک ہی حدیث ہے، اور ان الفاظ کا دارو مدار امام شعبہ پر ہے، اب ترتیب وار مذکورہ کتب احادیث سے ہم اسناد نقل کرتے ہیں،

(۱) **حدثنا یحییٰ بن محمد بن صاعدثنا ابو الاشعث ثنا یزید بن زریع ثنا شعبة عن سلمة بن کهیل عن حجر ابی العنبس عن علقمة ثنا وائل اوعن وائل بن حجر۔**

(سنن دار قطنی ص۳۳٤ ج۱)

(۲) **ثنا محمد بن جعفر ثنا شعبة عن سلمة بن کهیل عن حجر ابی العنبس قال سمعت علقمة یحدث عن وائل او سمعه حجر من وائل۔**

(مسند احمد ص۳۱٦ ج٤)

(۳) **حدثنا ابو داؤد قال حدثنا شعبة قال اخبرنی سلمة بن کهیل قال سمعت حجرا ابا العنبس قال سمعت علمقة بن وائل یحدث عن وائل قد سمعت من وائل۔**

(مسند ابو داؤد طیالسی ص۱۳۸ (۱۰۲٤)

(۴) **اخبرناه ابو بکر بن اسحاق الفقیه وابو عبدالله الصفار الزاهد و علی بن حمشاد العدل قالوا ثنا اسماعیل بن اسحاق القاضی ثنا سیلمان بن حرب وابوالولید قالا، ثنا شعبة عن سلمة بن کهیل قال سمعت حجرا ابا العنبس یحدث عن علقمة بن وائل عن ابیه۔**

(مستدرك للحاکم ص۲۳۲ ج۲)

(۵) **اخبرناه ابو بکر بن فورك انبا عبدالله بن جعفر ثنا یونس بن حبیب ثنا ابو داود الطیالسی ثنا شعبة اخبرنی سلمة بن کهیل قال سمعت حجرا ابا العنبس قال سمعت علقمة بن وائل وقد سمعة من وائل۔**

(السنن الکبریٰ للبیهقی ص۵۷ ج۲)

(٦) وروی شعبة هذا الحدیث عن سلمة بن کهیل عن حجر ابی العنبس عن علقمة بن وائل عن ابیه۔

(ترمذی ص٥٨ ج١ زیر رقم الحدیث ٢٤٨)

قارئین کرام فیصلہ کریں، ان تمام اسناد کا دار و مدار امام شعبہ پر ہے، مگر افسوس کہ انوار صاحب نے ایک ہی سند اور متن کو چھ مختلف کتب حدیث سے نقل کر کے علیحدہ علیحدہ دلیل و حدیث باور کرایا ہے۔

ثانیاً: امام شعبہ کی یہ روایت شاذ ہے، کیونکہ سلمہ بن کہیل سے یہی حدیث امام سفیان ثوری اور دیگر راویوں نے بھی نقل کی ہے۔

اور ان تمام نے یہ الفاظ بیان کیئے ہیں کہ آمین کو بلند آواز سے کہا، جیسا کہ ہم سابقہ فصل میں نقل کر چکے ہیں۔ امام شعبہ بلاشبہ ثقہ ہیں مگر امام سفیان ثوری ان سے اوثق ہیں اور یہ مسلمہ اصول ہے کہ جب ثقہ اوثق کی مخالفت کرے تو اس کی وہ روایت شاذ ہوتی ہے، اب آیئے آئمہ محدثین کے فیصلے ملاحظ کریں کہ امام شعبیؒ سے امام سفیان ثوری اوثق ہیں۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

سفیان احفظ للاسناد و اسماء الرجال من شعبة۔

یعنی سند اور راویوں کے نام یاد رکھنے میں سفیان ثوری شعبیؒ سے احفظ ہیں۔

امام ابو حاتم فرماتے ہیں۔

وھوا حفظ من شعبة، یعنی سفیان ثوری شعبیؒ سے احفظ ہیں۔

(تقدمه الجرح والتعدیل ص٦٦)

امام یحییٰ بن سعید اور یحییٰ بن معین فرماتے ہیں کہ

اذا خالف شعبة فالقول قول سفیان۔

یعنی جب امام سفیان ثوری کی امام شعبیؒ مخالفت کریں تو اس وقت امام سفیان ثوری کے قول کو لیا جائے گا (نصب الرایة ص٣٦٩ ج١ و تهذیب ص١١٣ ج٤)

امام بو زرعہ فرماتے ہیں۔

کان الثوری احفظ من شعبة فی اسناد الحدیث و فی متنه۔

متن حدیث اور اسناد حدیث میں امام سفیان ثوری شعبیؒ سے احفظ ہیں۔

(تقدمه الجرح والتعدیل ص٦٦)

امام صالح جذرہ فرماتے ہیں۔ **سفیان احفظ من شعبیؒ**، یعنی سفیان ثوری شعبہ سے احفظ ہیں۔

(شرح علل ترمذی ص۱۲۵)

آئمہ جرح و تعدیل کے ان اقوال سے ثابت ہوا کہ امام شعبہ سے سفیان زیادہ حافظے اور یاد رکھنے والے ہیں، خود امام شعبہ فرماتے ہیں۔

سفیان احفظ منی، سفیان مجھ سے حفظ میں بہت بڑھ کر ہیں،(تقدمہ الجرح و التعدیل ص۶۵)

ان دلائل سے ثابت ہوا کہ شعبیؒ کی روایت شاذ ہے، یہی وجہ ہے کہ آئمہ حدیث نے وضاحت کی ہے کہ اس حدیث میں امام شعبیؒ سے **اخفی بھا صوته**، کہنے میں غلطی ہوئی ہے۔

امام ترمذی لکھتے ہیں۔

سمعت محمدا یقول حدیث سفیان اصح من حدیث شعبة فی ھذا و اخطا شعبةفی مواضع من ھذا الحدیث .... فقال ...... خفض بھا صوته و انما ھو مدبھا صوته قال ابو عیسیٰ وسالت ابازرعة عن ھذا الحدیث فقال حدیث سفیان ھذا اصح قال روی العلاء بن صالح الاسدی عن سلمة بن کھیل نحو روایة سفیان۔

یعنی میں نے امام بخاری رحمہ اللہ سے سنا کہ سفیان کی حدیث شعبیؒ کی روایت سے زیادہ صحیح ہے اور شعبیؒ نے اس مقام پر متعدد غلطیاں کی ہیں (جن میں سے ایک یہ ہے کہ) مدبھا صوته (نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی آواز کو کھینچا) کی بجائے، خفض بھا صوته (اپنی آواز کو ہلکا کیا) کہا ہے، امام ترمذی فرماتے ہیں کہ میں نے امام ابو زرعہ سے اس روایت کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے کہا کہ سفیان کی روایت زیادہ صحیح ہے اور فرمایا کہ امام سفیان ثوری کی طرح علاء بن صالح نے بھی سلمہ بن کہیل سے، مدبھا صوته، کے الفاظ روایت کیے ہیں۔

(ترمذی مع تحفه ص۲۱۲ ج۱)۔

امام دارقطنی فرماتے ہیں : **ویقال انه وھم فیه لان سفیان الثوری ومحمد بن سلمة بن کھیل وغیرھما رواہ عن سلمة وقالوا ورفع صوته وھو الصواب ۔**

اور کہا گیا ہے کہ امام شعبیؒ کو اس حدیث میں غلطی لگی ہے، اس لئے کہ سفیان ثوری اور محمد بن سلمہ وغیرہ نے سلمہ بن کہیل سے روایت کیا ہے۔ اور ان تمام نے **رفع صوته** (اپنی آواز کو بلند) کے الفاظ روایت کیے ہیں۔ اور یہی درست ہے۔ (سنن دارقطنی ص۳۳٤ ج۱)

امام بیہقی فرماتے ہیں۔

قدا جمع البخاری وغیرہ من الحفاظ علی ان شعبة اخطا فی ھذا الحدیث۔

یعنی امام بخاری رحمہ اللہ وغیرہ حفاظ حدیث کا اجماع ہے کہ امام شعبیؒ نے اس حدیث میں غلطی کی ہے۔

ثالثاً: امام شعبیؒ نے امام سفیان ثوری وغیرہ کی موافقت میں، رفع بھا صوته (یعنی آمین کو بلند آواز

سے کہا) کے الفاظ سے بھی روایت بیان کی ہے۔ (السنن الکبری للبیھقی ص٥٧ ج٢)
امام بیہقی، معرفۃ السنن والآثار میں فرماتے ہیں کہ اس کی سند صحیح ہے، (نصب الرایۃ ص۳۶۹ ج۱)
الغرض امام شعبیؒ کی مذکورہ روایت شاذ ہے اور انہیں حقائق کی بنا پر آئمہ فن نے صراحت کی ہے کہ سفیان ثوری وغیرہ کی روایت زیادہ صحیح ہے۔
(التخلیص الحبیر ص٢٣٧ ج١)

آثار صحابہ کرام

سیدنا عمر فاروق اور سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہما کا قول

(۱) عن ابراھیم قال قال عمر اربع یخفین عن الامام التعوذ و بسم اللہ الرحمن الرحیم و آمین واللھم ربنا لک الحمد۔
(کنز العمال ص٢٧٤ ج٨)
حضرت ابراہیم نخعی فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ امام چار چیزوں کو آہستہ کہے (۱) اعوذ باللہ (۲) بسم اللہ (۳) آمین (۴) اللھم ربنا لک الحمد، (حدیث اور اھل حدیث ص٣٧٦)
الجواب اولاً: صاحب کنز العمال نے یہ روایت، تہذیب الاثار لابن جریر سے نقل کی ہے تہذیب الاثار تو ہمارے پیش نظر نہیں
ثانیاً: ابراہیم نخعی کی ولادت بھی شہادت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ستائیس سال بعد ہوئی تھی، کیونکہ امام ابراہیم نخعی بالاتفاق ۵۰ھ میں پیدا ہوئے۔ (تھذیب ص١٥٥ ج١)
جبکہ شہادت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ ۲۳ھ میں ہوئی تھی، جس سے ثابت ہوا کہ یہ روایت مرسل ہے۔
ثالثاً: امام محمد نے کتاب الآثار میں اسے ابراہیم نخعی کا قول بواسط امام ابو حنیفہ عن حماد عن ابراھیم نقل کیا ہے۔ (جامع مسانید ص٣٢٢ ج١)
(۲) روی ابو معمر عن عمر بن الخطاب انہ قال یخفی الامام اربعا التعوذ و بسم اللہ الرحمن الرحیم و آمین وربنالک الحمد۔
(البنایہ فی شرح الھدایہ ص٤٢٠ ج١)
حضرت ابو معمر (حضرت ابراہیم نخعی کے استاذ) حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا امام چار چیزوں کو آہستہ کہے (۱) اعوذ باللہ (۲) بسم اللہ (۳) آمین (۴) اللھم ربنا لک الحمد۔
(حدیث اور اھل حدیث ص٣٧٦)
الجواب: یہ سب جھوٹ اور بہتان ہے، کتب حدیث و آثار میں اس اثر کی کوئی اصل نہیں جو اس کی

صحت کا مدعی ہے وہ اس کا ثبوت پیش کرے، ہدایہ اور اس کے شارحین پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا کہ یہ نقل حدیث میں غیر ثقہ اور نا قابل اعتماد ہیں۔ تفصیل کے لیے، دین الحق ص۶۵۳ ج۱ کی مراجعت کریں۔

(۳) وروينا عن عبدالرحمن بن ابی لیلی ان عمر بن الخطاب قال یخفی الامام اربعا التعوذ و بسم الله الرحمن الرحیم و آمین وربنا لك الحمد۔

(محلی لا بن حزم ص۲۰۶ ج۲)

(ابن حزم کہتے ہیں کہ) ہم نے روایت کیا ہے عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ سے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ امام چار چیزوں کو آہستہ کہے (۱) اعوذ باللہ (۲) بسم اللہ (۳) آمین (۴) اللھم ربنا لک الحمد۔ (حدیث اور اھل حدیث ص۳۷۶)

الجواب اولاً: امام ابن حزم نے اس روایت کو تعلیقا درج کیا ہے، جو اس کی صحت کا مدعی ہے وہ سند درج کرے۔

ثانیاً: بلاسند ہونے کے علاوہ یہ روایت منقطع بھی ہے، امام ابن معین امام ابو حاتم امام علی بن مدینی امام شعبہ امام خلیل اور ابن ابی خیثمہ فرماتے ہیں کہ ابن ابی لیلی کا سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے سماع ثابت نہیں، (تہذیب ص۲۳۵ ج۶) امام نسائی فرماتے ہیں کہ

ابن ابی لیلیٰ لم یسمع من عمر، یعنی ابن ابی لیلیٰ نے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے کچھ بھی نہیں سنا۔

(سنن نسائی ص۱۵۹ ج۱)

(۴) عن ابی وائل قال کانَ عمر و علی لا یجهر ان بسم الله الرحمن الرحیم ولا بالتعوذ ولا بالتامین۔

(شرح معانی الاثار للطحاوی ص۱۴۰ ج۱)

ابو وائل کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نہ تو بسم اللہ اور اعوذ باللہ اونچی آواز سے پڑھتے تھے اور نہ ہی آمین اونچی آواز سے کہتے تھے۔

انوار صاحب نے مکرر اسی روایت کو، (الجوہر النقی ص۴۸ ج۲) سے نقل کیا ہے تیسری بار (معجم طبرانی کبیر ص۲۶۳ ج۹) سے نقل کرکے ۶'۵ کا نمبر دیا ہے اور نمبر ۶ پر، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بھی آہستہ آواز سے آمین کہتے تھے، سرخی لگائی ہے۔

(حدیث اور اھل حدیث ص۳۷۷)

الجواب اولاً: قارئین کرام یہ تینوں آثار دراصل ایک ہی اثر ہے، صرف ضعیف و متروک راویوں

نے نمبر۶ میں سیدنا عمر فاروق کی بجائے سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا نام لیا ہے، اب مذکورہ تینوں کتب سے پہلے اس کی سند ملاحظہ کریں۔

ابو بکر بن عیاش عن ابی سعد عن ابی وائل قال کان عمر و علی۔

(طحاوی ص۱٤۰ ج۱)

(۲) قال الطبری فی تهذیب الاثار انا ابو کریب نا ابو بکر بن عیاش عن ابی سعید عن ابی وائل قال لم یکن عمر و علی۔

(الجوهر النقی ص٤٨ ج٢)

(۳) ثنا ابو بکر بن عیاش عن ابی سعد البقال عن ابی وائل قال کان عمر و ابن مسعود۔

(طبرانی کبیر ص٢٦٣ ج٩)

قارئین کرام ان اسناد پر غور کریں، یہ علیحدہ علیحدہ ہیں یا صرف ایک ہی سند ہیں بلاشبہ ابو بکر سے نیچے کے راوی مختلف ہیں، مگر ابو بکر اور ابو سعید اسے بیان کرنے میں منفرد ہیں۔

ثانیاً: یہ روایت متن کے لحاظ سے مضطرب ہے، طحاوی اور تہذیب الاثار میں سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا نام ہے جبکہ طبرانی کی روایت میں عمر فاورق رضی اللہ عنہ کی جگہ پر ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا نام ہے، مزید تفصیل سادساً کے تحت آ رہی ہے۔

ثالثاً: ابو سعید ضعیف ہے، امام بخاری رحمہ اللہ نے منکر الحدیث قرار دیا ہے امام نسائی امام ابن عدی اور امام ابن عیینہ رحمہ اللہ نے ضعیف کہا ہے، ابن معین فرماتے ہیں، ہیچ محض ہے، امام ابو زرعہ فرماتے ہیں جھوٹ نہیں بولتا صادق ہے لیکن لین الحدیث ہے، ساجی کہتے ہیں کہ صدوق تو ہے مگر اس میں ضعف ہے، ابن حبان فرماتے ہیں کثیر الوہم اور فاش اغلاط کرتا ہے۔ (تهذیب ص ۷۱ ج ٤)

رابعاً ابو سعید مدلس بھی ہے، حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ

من اتباع التابعین ضعیف مشهور بالتدلیس وصفه به احمد و ابو حاتم والدارقطنی۔

یعنی اتباع تابعین کے ضعیف راویوں سے ہے تدلیس کرنے میں مشہور ہے امام احمد، ابو حاتم اور دارقطنی نے اس کے مدلس ہونے کی صراحت کی ہے۔ (طبقات المدلسین ص٥٤)

خامساً: اس کی سند میں، ابو بکر بن عیاش راوی مختلط ہے، حافظ ابن حجر فرماتے ہیں۔

لما کبر ساء حفظه و کتابه صحیح، یعنی بڑھاپے میں حافظ خراب ہوگیا تھا، البتہ کتاب (سے جو روایت بیان کرتے ہیں وہ) صحیح ہے (تقریب ص۳۹۶) فریق ثانی پر لازم ہے کہ وہ یہ ثابت کرے کہ یہ روایت انہوں نے کتاب سے بیان کی ہے۔

انوار صاحب جواباً مغز ماری کرنے سے پہلے (آثار السنن ص۱۲۵) کا مطالعہ ضرور کر لینا، کیونکہ آپ کے محدث شمیر جناب علامہ نیموی نے اس اثر کو ضعیف قرار دیا ہے۔

سادساً: پہلے ثانیاً کے تحت تفصیل گزر چکی ہے کہ اس اثر کا متن مضطرب ہے، یہاں مزید ایک چیز کی نشان دہی کی جاتی ہے، تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ امام ھشیمنے بھی یہ اثر ابوسعید البقال سے بواسطہ ابو وائل نقل کیا ہے، جس کے الفاظ ہیں۔

عن عبدالله انه كان يخفى بسم الله الرحمن الرحيم والاستعاذة وربنا لك الحمد۔

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، بسم اللہ، اعوذ باللہ، اور ربنا لک الحمد، آہستہ کہتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص ٤١١ ج ١)

اس روایت پر غور کریں، اس میں آمین کا سرے سے ذکر ہی نہیں، کیا معلوم ابوبکر نے آمین کا اضافہ بوجہ اختلاط کر دیا ہو، الغرض یہ روایت متن کے لحاظ سے مضطرب ہے۔ قارئین کرام جس روایت کا متن مضطرب ہو، ایک راوی مختلط ہو، دوسرا بالاتفاق ضعیف ہو، پھر اس میں تدلیس کا شبہ بھی ہو، اس کے باطل ہونے میں کیا کلام ہو سکتا ہے۔

(۷) عن علقمة والاسود كليهما عن ابن مسعود يخفى الامام ثلاثا التعوذ وبسم الله الرحمن الرحيم، وآمين۔ (محلی ابن حزم ص٢٠٦ ج٢)

حضرت علقمہ اور اسود دونوں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا امام تین چیزوں کو آہستہ آواز سے کہے، اعوذ باللہ، بسم اللہ، آمین۔

(حدیث اور اهل حدیث ص ٣٧٨)

الجواب امام ابن حزم نے، المحلی بالاثار ص۲۸۰ ج۲ مسئلہ ۳۲۳) میں اس کی پوری سند درج نہیں کی صرف اشارہ کیا ہے، جس میں خیر سے ایک راوی ابوحمزہ میمون الاعور، ہے۔ امام احمد فرماتے ہیں کہ ضعیف الحدیث ہے دوسری بار فرمایا متروک الحدیث ہے، ابن معین کہتے ہیں ہیچ محض ہے اس کی روایات لکھی ہی نہ جائیں، امام جوز جانی اور دارقطنی کہتے ہیں ضعیف ہے، امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں، لیس ذالک، ایک مرتبہ کہا ضعیف اورذاھب الحدیث ہے، امام ابو حاتم فرماتے ہیں قوی نہیں اس کی روایات البتہ لکھی جائے، ترمذی فرماتے ہیں اس کے حفظ کی وجہ سے اس میں بعض اہل علم نے کلام کیا ہے، امام نسائی کہتے ہیں لیس بثقہ (ثقہ نہیں) ابو احمد کا کہنا ہے لیس بالقائم (پختہ نہیں) خطیب فرماتے ہیں، اس سے حجت قائم نہیں ہوتی، امام عقیلی فرماتے ہیں کہ اس کا کوئی متابع موجود نہیں، ابن عدی کہتے ہیں کہ خاص ابراہیم نخعی سے روایت کرنے میں اس کا کوئی متابع موجود نہیں، (یہ روایت بھی نخعی سے ہی ہے) تہذیب ص۳۹۵ ج۱۰ و میزان ص۲۳۴ ج۴ و الکامل لا بن عدی ص۲۴۰۷ ج۶ و عقیلی ص۱۸۷

ج ۴ والجرح و التعدیل ص ۲۳۶ ج ۸ و التاریخ الکبیر ص ۳۴۳ ج ۴ ق ۲) الغرض یہ روایت سخت ضعیف ہے،

ابراہیم نخعی کا قول: مصنف عبدالرزاق ص ۸۷ ج ۲ و مصنف ابن ابی شیبہ ص ۵۳۶ ج ۲) میں ہے کہ امام ابراہیم نخعی فرماتے ہیں کہ پانچ چیزیں آہستہ کہی جاتی ہیں ...... آمین۔

(حدیث اور اہل حدیث ص ۳۷۸)

الجواب اولاً: مصنف ابن ابی شیبہ میں وضاحت ہے کہ امام ان پانچ چیزوں کو پوشیدہ کہے، ان میں سے ایک، الھم ربنا لک الحمد، کا بھی ذکر ہے، اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ امام ان کلمات کو آہستہ کہے گا، حالانکہ حنفیہ کے نزدیک امام صرف، سمع اللہ لمن حمدہ، کہے، اللھم ربنا لک الحمد، نہ کہے (درس ترمذی ص ۵۰ ج ۲) جس سے ثابت ہوا کہ ابراہیم نخعی کا یہ قول خود حنفیہ کے بھی خلاف ہے۔ لہذا اس اثر کو بنیاد بنا کر اہل حدیث کو مطعون کرنے والے خود اس الزام میں ہمارے ساتھ شامل ہیں فما کان جوابکم فھو جوابنا۔

ثانیاً: ابراہیم نخعی کے ان اقوال کا ایک مفہوم یہ بھی ہے کہ امام ان کلمات (سبحانك اللهم وبحمدك، اعوذ بالله، بسم الله، آمین، اور ربنا لك الحمد کو آہستہ کہے گا مگر مقتدی ان کو جہری پڑھے، ورنہ امام کی تخصیص بے کار محض ہے، حالانکہ اس بات کے حنفی بھی قائل نہیں۔ فما کان جوابکم فھو جوابنا۔

(۳۵) باب مسئلہ رفع الیدین

فصل اول

(۱) حدثنا عبد الله بن مسلمة عن مالك عن ابن شهاب عن سالم بن عبد الله عن ابيه ان رسول الله ﷺ كان يرفع يديه حذو منكبيه اذا افتتح الصلاة و اذ اكبر للركوع واذا رفع راسه من الركوع رفعهما كذلك ايضاً وقال سمع الله لمن حمده، ربنا ولك الحمد، وكان لا يفعل ذلك فی السجود۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز شروع کرتے تو رفع یدین کرتے کندھوں کے برابر، اور جب رکوع کے لیے تکبیر کہتے اور جب رکوع سے سر اقدس اٹھاتے تو تب بھی کندھوں کے برابر تک رفع الیدین کرتے اور، سمع اللہ لمن حمدہ، ربنا ولک الحمد، کہتے، اور سجدوں میں رفع یدین نہ کرتے تھے۔

(صحیح بخاری كتاب الاذان باب رفع اليدين فی التكبيرة الاولى مع الافتتاح سواء، رقم الحديث ۷۳۵)

(۲) مالك عن ابن شهاب عن سالم بن عبدالله عن ابن عمر ان رسول الله ﷺ كان اذا افتتح الصلاة رفع يديه حذو منكبيه و اذا كبرللركوع و اذا رفع راسه من الركوع رفعهما كذلك وقال سمع الله لمن حمده، ربنا ولك الحمد، وكان لا يفعل ذلك فی السجود۔

امام مالک ،ابن شہاب زہری سے روایت کرتے ہیں وہ امام سالم سے اور وہ (اپنے والد) سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز شروع کرتے تو کندھوں کے برابر رفع یدین کرتے، اور جب رکوع کے لئے تکبیر کہتے اور جب رکوع سے سر اقدس اٹھاتے تو تب بھی کندھوں کے برابر رفع یدین کرتے، اور (رکوع سے اٹھتے وقت) سمع اللہ لمن حمدہ ربنا ولک الحمد، کہتے تھے، اور سجدوں میں رفع یدین نہ کرتے تھے۔

(موطا امام مالك، برواية ابن قاسم ص ۱۱۳، رقم الحديث ۹ ، مطبوعة دار الشروق جده ۱۹۸۸)

(۳) اخبرنا مالك حدثنا الزهری عن سالم بن عبد الله بن عمران عبد الله ابن عمر قال كان رسول الله ﷺ اذا افتتح الصلوة رفع يديه حذاء منكبيه و اذ اكبر للركوع رفع يديه و اذا رفع راسه من الركوع رفع يديه ثم قال سمع الله لمن حمده، ثم قال ربنا ولك الحمد۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز کا افتتاح کرتے تو کندھوں کے برابر رفع یدین کرتے اور جب رکوع کرتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو تب بھی رفع یدین

کرتے تھے، پھر کہتے، سمع الله لمن حمده، پھر فرماتے، ربنا ولك الحمد۔

(موطا امام مالك برواية محمد بن حسن شيباني ص۸۷ باب افتتاح الصلوة)

(۴) اخبرنا قتيبة عن مالك عن ابن شهاب عن سالم عن عبد الله بن عمران رسول الله ﷺ كان اذا افتتح الصلاة رفع يديه حذو منكبيه و اذا ركع و اذا رفع راسه من الركوع رفعها كذلك، وقال، سمع الله لمن حمده، ربنا ولك الحمد، وكان لا يفعل ذلك فى السجود۔

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی مکرم ﷺ جب نماز کا افتتاح کرتے تو کندھوں کے برابر رفع یدین کرتے اور جب رکوع کرتے اور رکوع سے سر اقدس اٹھاتے تو تب بھی اسی طرح رفع یدین کرتے، اور (رکوع سے اٹھتے وقت) سمع الله لمن حمده ربنا ولك الحمد، کہتے تھے۔

(سنن نسائی کتاب الافتتاح باب رفع اليدين حذو منكبين، الحديث ۸۷۹)

(۵) اخبرنا الحسن بن سفيان حدثنا حبان بن موسىٰ اخبرنا عبد الله بن المبارك عن مالك عن ابن شهاب عن سالم عن ابن عمران رسول الله ﷺ كان اذا افتتح الصلاة رفع يديه حذو منكبيه و اذا كبر للركوع و اذا رفع راسه من الركوع رفعهما كذلك ايضاً وقال سمع الله لمن حمده ربنا ولك الحمد، و كان لا يفعل ذلك فى السجود۔

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز کا افتتاح کرتے تو کندھوں کے برابر رفع یدین کرتے تھے۔ اور جب رکوع کے لیے تکبیر کہتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو تب بھی رفع یدین کرتے تھے۔ اور سمع الله لمن حمده ربنا ولك الحمده کہتے تھے۔ اور سجدوں میں رفع یدین نہ کرتے تھے۔

(صحيح ابن حبان رقم الحديث ۱۸۵۸)

(۶) اخبرنا عثمان بن عمر انا مالك عن الزهرى عن سالم عن ابيه هو ابن عمران رسول الله ﷺ كان اذا دخل الصلاة كبر و رفع يديه حذو منكبيه و اذا ركع كبر و رفع يديه و اذا رفع راسه من الركوع فعل مثل ذلك، ولا يرفع بين السجدتين۔

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز میں داخل ہوتے تو، اللہ اکبر، کہتے اور کندھوں کے برابر رفع یدین کرتے تھے اور جب رکوع کرتے تو تکبیر کہتے اور رفع یدین کرتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو تب بھی اسی طرح رفع یدین کرتے تھے اور سجدوں کے درمیان رفع یدین نہ کرتے تھے۔

(سنن دارمی ص ۳۱۶ ج ۱ کتاب الصلاة باب رفع اليدين فى الركوع والسجدد، الحديث ۱۲۵۰)

(۷) حدثنا محمد بن مقاتل قال اخبرنا عبد الله قال اخبرنا يونس عن الزهرى قال

اخبرنی سالم بن عبد الله عن ابیه انه قال رایت رسول الله صلی علیه وسلم اذا قام فی الصلاة رفع یدیه حتیٰ تکونا حذو منکبیه وکان یفعل ذلك حین یکبر للرکوع ویفعل ذلك اذا رفع راسه من الرکوع و یقول، سمع الله لمن حمده، ولا یفعل ذلك فی السجود۔

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا جب آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نماز میں کھڑے ہوتے تو کندھوں کے برابر رفع یدین کرتے تھے، اور اسی طرح ہی کرتے جب رکوع کے لیے تکبیر کہتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے اور سمع الله لمن حمده، کہتے اور سجدوں میں رفع یدین نہ کرتے تھے۔

(بخاری کتاب الاذان باب رفع الیدین اذا کبرو اذا رکع و اذا رفع رقم الحدیث ۷۳۶)

(۸) حدثنا ابو الیمان قال اخبرنا شعیب عن الزهری قال اخبرنا سالم بن عبد الله ان عبد الله بن عمر رضی اللہ عنہما قال رایت النبی صلی اللہ علیہ وسلم افتتح التکبیر فی الصلاة فرفع یدیه حین یکبر حتی یجعلهما حذو منکبیه و اذا کبر للرکوع فعل مثله، و اذا قال، سمع الله لمن حمده، فعل مثله، وقال ربنا ولك الحمد، ولا یفعل ذلك حین یسجد ولا حین یرفع راسه من السجود۔

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ میں نے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ نماز کا افتتاح تکبیر سے کرتے اور جب اللہ اکبر کہتے تو رفع یدین کندھوں کے برابر کرتے تھے اور جب رکوع کے لیے تکبیر کہتے اور (رکوع سے اٹھ کر) جب سمع الله لمن حمده، کہتے تو کندھوں کے برابر رفع یدین کرتے تھے۔ اور (بعدہ) ربنا ولك الحمد، پڑھتے، اور جب سجدہ کرتے اور سجدوں سے سر اٹھاتے تو رفع یدین نہ کرتے تھے۔

(بخاری کتاب الاذان باب الی این یرفع یدیه، رقم الحدیث ۷۳۸)

(۹) حدثنی محمد بن رافع حدثنا عبد الرزاق اخبرنا ابن جریج حدثنی ابن شهاب عن سالم بن عبد الله ان ابن عمر قال کان رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم اذا قام للصلوة رفع یدیه حتی تکون بحذو منکبیه ثم کبر فاذا اراد ان یرکع فعل مثل ذلك، و اذا رفع من الرکوع فعل مثل ذلك ولا یفعله حین یرفع راسه من السجود۔

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو کندھوں کے برابر رفع یدین کرتے پھر اللہ اکبر کہتے اور جب رکوع کرتے اور رکوع سے سر اٹھاتے تو اسی طرح کرتے اور سجدوں سے اٹھتے وقت رفع یدین نہ کرتے تھے۔

(صحیح مسلم کتاب الصلاة باب استحباب رفع الیدین حذو المنکبین ... رقم الحدیث ۸۶۲)

(۱۰) حدثنا عبد الله حدثنی ابی ثنا یعقوب ثنا ابن أخی ابن شهاب عن عمه حدثنی سالم بن عبد الله ان عبد الله قال کان رسول الله صلی علیه وسلم اذا قام الی الصلاة یرفع یدیه حتی اذا کانتا حذو منکبیه کبر، ثم اذا أراد ان یرکع رفعهما حتی یکون حذو منکبیه کبروهما کذلك رکع ثم اذا أراد أن یرفع صلبه رفعهما حتی یکونا حذو منکبیه، قال سمع الله لمن حمده، ثم یسجد ولا یرفع یدیه فی السجود ویر فعهما فی رکعة و تکبیرة کبرها قبل الرکوع حتی تنقضی صلاته۔

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو رفع یدین کرتے یہاں تک کہ آپ علیہ الصلوۃ والسلام کے دونوں ہاتھ کندھوں کے برابر ہو جاتے تو تکبیر تحریمہ کہتے، پھر جب رکوع کرنے کا ارادہ فرماتے تو رفع یدین کرتے یہاں تک کہ آپ علیہ الصلوۃ والسلام کے دونوں ہاتھ کندھوں کے برابر ہو جاتے، تکبیر کہتے اور رکوع اسی ہی طرح کرتے، پھر جب رکوع سے اپنی کمر سیدھی کرنے کا ارادہ کرتے تو تب بھی رفع یدین کرتے، یہاں تک کہ آپ علیہ الصلوۃ وا م کے دونوں ہاتھ کندھوں کے برابر ہو جاتے تو کہتے، سمع الله لمن حمده، پھر سجدہ کرتے اور سجدوں میں رفع یدین نہ کرتے اور اسی طرح ہی رفع یدین کرتے ہر رکعت میں اور ہر تکبیر کے ساتھ جو رکوع سے پہلے کہتے تھے یہاں تک آپ کی نماز پوری ہو جاتی۔ (مسند احمد ص۱۳٤ ج۲)

(۱۱) حدثنی عبد الله حدثنی ابی ثنا اسماعیل بن ابراهیم أنا معمر عن الزهری عن سالم بن عبد الله عن ابیه قال رأیت رسول الله ﷺ یرفع یدیه اذا دخل الی الصلاة و اذا رکع و اذا رفع راسه من الرکوع ولا یفعل ذلك فی السجود۔

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو میں نے نماز میں داخل ہوتے اور رکوع کرتے اور رکوع سے سر اقدس اٹھاتے وقت رفع یدین کرتے دیکھا ہے، اور سجدوں میں رفع یدین نہ کرتے تھے۔ (مسند احمد ٤٧ ج۲)

(۱۲) حدثنا محمد بن المصفی الحمصی حدثنا بقیة حدثنا الزبیدی عن الزهری عن سالم عن عبد الله بن عمر قال کان رسول الله ﷺ اذا قام الی الصلاة رفع یدین حتی تکونا حذو منکبیه ثم کبر وهما کذلك فیرکع ثم اذا اراد یرفع صلبه رفعهما حتی تکونا حذو منکبیه ثم قال سمع الله لمن حمده، ولا یرفع یدیه فی السجود و یرفعهما فی کل تکبیرة یکبرها قبل الرکوع حتی تنقضی صلاته۔

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو کندھوں کے برابر رفع یدین کرتے پھر تکبیر کہتے تو اسی طرح ہاتھوں کو اٹھاتے اور رکوع کرتے پھر جب

رکوع سے کمر سیدھی کرنے کا ارادہ کرتے تو کندھوں کے برابر تک ہاتھ اٹھاتے اور، سمع الله لمن حمده، کہتے، سجدوں کے درمیان میں رفع یدین نہ کرتے تھے۔ اور رکوع سے پہلے تمام تکبیروں میں رفع یدین کرتے یہاں تک کہ آپ کی نماز پوری ہو جاتی۔

(ابو داؤد کتاب الصلاۃ باب رفع الیدین فی الصلاۃ رقم الحدیث ٧٢٢)

(١٣) اخبرنا ابو الحسن علی بن احمد بن عبدان انباء احمد بن عبیدالصفار ثنا عبید بن شریك و ابن ملحان قال ثنا یحییٰ بن بکیر ثنا اللیث عن عقیل عن ابن شهاب عن سالم بن عبد الله عن ابن عمرقال کان رسول الله ﷺ اذا قام للصلوة رفع یدیه حتی تکونا حذو منکبیه ثم یکبر فاذا اراد ان یرکع فعل مثل ذلك و اذا رفع من الرکوع فعل مثل ذلك ولا یفعل حین یرفع راسه من السجود۔

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو رفع یدین کرتے یہاں تک کہ جب دونوں ہاتھ کندھوں کے برابر ہو جاتے تو پھر اللہ اکبر کہتے جب رکوع کرتے تو اسی طرح ہی رفع یدین کرتے اور جب رکوع کر کے اٹھتے تو تب بھی اسی کیفیت سے رفع یدین کرتے اور سجدہ سے اٹھتے وقت نہ کرتے تھے۔

(السنن الکبریٰ ص ٧ ج٢، کتاب الصلوۃ باب رفع الیدین عند الرکوع و عند رفع راسه منه)

(١٤) حدثنا ابو محمد یحییٰ بن اسحاق بن سافری و احمد بن الولید الفحام قالا ثنا زکریا بن عدی قال انباء ابن المبارك عن یونس و معمر و عبید الله و محمد بن ابی حفصة عن الزهری عن سالم عن ابن عمرعن النبی ﷺ انه کان یرفع یدیه اذا افتتح الصلاة و اذا رکع و اذا رفع رأسه من الرکوع ولا یفعل ذلك بین السجدتین۔

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی مکرم ﷺ جب نماز کا افتتاح کرتے اور جب رکوع کرتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو رفع یدین کرتے اور سجدوں کے بیچ نہ کرتے تھے۔

(مسند ابو عوانہ ص ٩١ ج٢، کتاب الصلاۃ باب رفع الیدین)

(١٥) عبد الرزاق عن عبدالله بن عمر عن ابن شهاب عن سالم قال کان ابن عمر اذا قام الی الصلاة رفع یدیه حتی یکونا حذو منکبیه و اذا رکع رفعهما فاذا رفع راسه من الرکعة رفعهما و اذا قام من مثنی رفعهما ولا یفعل ذلك فی السجود قال یخبرهم ان رسول الله ﷺ کان یفعله۔

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو رفع یدین کرتے اور جب رکوع کرتے اور رکوع سے سر اٹھاتے اور جب دوسری رکعت سے اٹھتے (اور تیسری شروع کرتے) تو کندھوں

کے برابر رفع یدین کرتے تھے امام سالم فرماتے ہیں کہ (میرے والد) سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسی طرح رفع یدین کرتے تھے۔

(مصنف عبدالرزاق ص۶۸ ج۲، رقم الحدیث ۲۵۱۹)

(۱۶) حدثنا الحمیدی قال حدثنا سفیان قال حدثنا الزهری قال اخبرنی سالم بن عبد الله عن ابیه قال رأیت رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم اذا افتتح الصلاة رفع یدیه حذو منکبیه و اذا اراد ان یرکع و بعد ما یرفع راسه من الرکوع ولا یرفع بین السجدتین۔

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا جب نماز شروع کرتے اور جب رکوع کا ارادہ کرتے اور رکوع کرنے کے بعد کندھوں کے برابر رفع یدین کرتے تھے، اور سجدوں کے درمیان رفع یدین نہ کرتے تھے۔

(مسند الحمیدی ص۵۱۵ ج۱، رقم الحدیث ۶۲۶، به تحقیق حسین سلیم اسد حنفی مطبوعه دارالثقا دمشق،)

(۱۷) حدثنا ابو علی محمد بن احمد بن الحسن ثنا بشربن موسیٰ ثنا الحمیدی ثنا سفیان بن عیینة ثنا الزهری اخبرنی سالم ابن عبد الله عن ابیه قال رایت رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم اذا افتتح الصلاة رفع یدیه حذو منکبیه و اذا اراد ان یرکع و بعد ما یرفع راسه من الرکوع ولا یرفع بین السجدتین اللفظ للحمیدی۔

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ علیہ الصلوۃ والسلام جب نماز شروع کرتے اور جب رکوع کرتے اور رکوع سے سر اٹھانے کے بعد رفع یدین کندھوں کے برابر کرتے تھے اور سجدوں میں رفع الیدین نہ کرتے۔ (امام ابونعیم اصبہانی فرماتے ہیں کہ) الفاظ حدیث امام حمیدی کی روایت کے ہیں۔

(المسند المستخرج علی صحیح الامام مسلم ص۱۲ ج۲، رقم الحدیث۸۵۶، مطبوعه دارالکتب العلمیه بیروت ۱۴۱۷ھ)

(۱۸) حدثنا یحییٰ بن یحییٰ التمیمی و سعید بن منصور و ابو بکر بن ابی شیبة و عمرو الناقد و زهیر بن حرب و ابن نمیر کلهم عن سفیان بن عیینة، واللفظ لیحییٰ، قال اخبرنا سفیان بن عیینة عن الزهری عن سالم عن ابیه قال رایت رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم اذا افتتح الصلاة رفع یدیه حتی یحاذی منکبیه و قبل ان یرکع و اذا رفع من الرکوع ولا یرفعهما بین السجدتین۔

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ میں نے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے کہ آپ علیہ الصلوۃ

والسلام جب نماز کا افتتاح کرتے اور رکوع کرنے سے پہلے اور جب رکوع سے اٹھتے تو کندھوں کے برابر رفع یدین کرتے تھے۔ اور سجدوں میں نہ کرتے تھے۔

(صحیح مسلم کتاب الصلاۃ باب استحباب رفع الیدین ...رقم الحدیث ۸٦۱)

(۱۹) اخبرنا اسحاق بن ابراهیم عن سفیان عن الزهری عن سالم عن ابیه قال کان النبی ﷺ اذا افتتح الصلاة کبرو رفع یدیه و اذا رکع و بعد الرکوع ولا یرفع بین السجدتین۔

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی مکرم ﷺ افتتاح نماز اور رکوع کرتے وقت اور رکوع کرنے کے بعد رفع یدین کیا کرتے تھے، اور سجدوں میں نہ کرتے تھے۔

(سنن نسائی کتاب التطبیق باب ترک ذلك بین السجدتین، رقم الحدیث ۱۱٤٥)

(۲۰) حدثنا احمد بن حنبل حدثنا سفیان عن الزهری عن سالم عن ابیه قال رایت رسول الله ﷺ اذا افتتح الصلاة رفع یدین حتی یحاذی منکبیه و اذا اراد ان یرکع و بعدما یرفع راسه من الرکوع، وقال سفیان مرة، و اذ ارفع راسه، و اکثر ما کان یقول و بعد ما یرفع راسه من الرکوع، ولا یرفع بین السجدتین۔

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا آپ جب نماز کا افتتاح کرتے تو رفع یدین کرتے حتی کہ آپ علیہ الصلاۃ والسلام کے دونوں ہاتھ کندھوں کے برابر ہو جاتے، اور جب رکوع کرنے کا ارادہ کرتے اور رکوع کے بعد بھی رفع یدین کرتے، اور سجدوں کے درمیان رفع یدین نہ کرتے تھے، راوی حدیث امام سفیان بن عیینہ کبھی تو ان الفاظ سے بیان کرتے، جب رکوع سے سر اٹھاتے، اور اکثر یہ الفاظ روایت کرتے، رکوع کے بعد، رفع یدین کرتے۔

(سنن ابو داؤد کتاب الصلاۃ باب رفع الیدین فی الصلاۃ، رقم الحدیث ۷۲۱)

(۲۱) حدثنا قتیبة و ابن ابی عمر قالا، حدثنا سفیان بن عیینة عن الزهری عن سالم عن ابیه قال رایت رسول الله ﷺ اذا افتتح الصلاة یرفع یدیه حتی یحاذی منکبیه و اذا رکع و اذا رفع راسه من الرکوع، و زاد ابن ابی عمر فی حدیثه، وکان لا یرفع بین السجدتین۔

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی مکرم ﷺ جب نماز شروع کرتے تو رفع یدین کرتے حتی کہ آپ کے دونوں ہاتھ کندھوں کے برابر ہو جاتے، اور جب رکوع کرتے اور جب رکوع سے سر اقدس اٹھاتے تو تب بھی رفع یدین کرتے تھے۔ راوی حدیث امام ابن ابی عمر نے یہ الفاظ بھی روایت کیے ہیں کہ سجدوں میں رفع یدین نہ کرتے تھے۔

(سنن ترمذی کتاب الصلاۃ باب رفع الیدین عند الرکوع، رقم الحدیث ۲۵۵)

(۲۲) قال ابو عیسیٰ حدثنا الفضل بن الصباح البغدادی حدثنا سفیان بن عیینة حدثنا الزهری بهذا الاسناد نحو حدیث ابن ابی عمر۔

(ترمذی باب سابق رقم الحدیث ۲۵۶)

(۲۳) حدثنا علی بن محمد و هشام بن عمار و ابو عمر الضریر قالوا، حدثنا سفیان ابن عیینة عن الزهری عن سالم عن ابن عمر قال رایت رسول الله ﷺ اذا افتتح الصلاة رفع یدیه حتی یحاذی بهما منکبیه و اذا رکع و اذا رفع راسه من الرکوع، ولا یرفع بین السجدتین۔

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام جب نماز شروع کرتے اور جب رکوع کرتے اور جب رکوع سے سر اقدس اٹھاتے تو رفع یدین کرتے حتی کہ آپ کے دونوں ہاتھ کندھوں کے برابر ہو جاتے اور سجدوں کے درمیان رفع یدین نہ کرتے۔

(ابن ماجه کتاب اقامة الصلوات باب رفع الیدین اذا رکع واذا رفع رأسه من الرکوع، رقم الحدیث ۸۵۸)

(۲۴) اخبرنا سفیان عن الزهری عن سالم عن ابیه قال رایت رسول الله ﷺ اذا افتتح الصلاة رفع یدیه حتی یحاذی منکبیه و اذا اراد ان یرکع و بعد ما یرفع ولا یرفع بین السجدتین۔

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام جب نماز شروع کرتے اور جب رکوع کرنے کا ارادہ کرتے اور رکوع کرنے کے بعد رفع یدین کرتے حتی کہ آپ کے دونوں ہاتھ کندھوں کے برابر ہو جاتے اور سجدوں میں رفع یدین نہ کرتے۔

(مسند الشافعی ص۳۶۶ ملحقه کتاب الام آخری جلد مطبوعه دارالکتب العلمیه بیروت ۱۴۲۳ھ)

(۲۵) اخبرنا ابو طاهر نا ابو بکرنا عبد الجبار بن العلاء العطارنا سفیان قال سمعت الزهری یقول سمعت سالما یخبر عن ابیه، ح، و حدثنا علی بن حجر السعدی و علی بن خشرم و سعید بن عبد الرحمن المخذومی و عتبة بن عبد الله الیحمدی و الحسن بن محمد و یونس بن عبد الاعلی الصدفی و محمد بن رافع و علی بن الازهر وغیرهم قالوا، نا سفیان عن الزهری عن سالم عن ابیه قال رایت رسول الله ﷺ یرفع یدیه اذا افتتح الصلاة حتی یحاذی منکبیه واذا اراد ان یرکع و بعد ما یرفع من الرکوع ولا یرفع بین السجدتین هذا لفظ ابن رافع۔

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہے آپ علیہ الصلوٰۃ

والسلام جب نماز شروع کرتے اور جب رکوع کرنے کا ارادہ کرتے اور رکوع کرنے کے بعد رفع یدین کرتے حتی کہ آپ علیہ الصلوۃ والسلام کے دونوں ہاتھ کندھوں کے برابر ہو جاتے تھے۔ اور سجدوں میں رفع یدین نہ کرتے تھے۔

(صحیح ابن خزیمہ ص۲۹۴ ج۱، رقم الحدیث ۵۸۳)

(۲۶) اخبرنا الحسن بن سفیان قال حدثنا محمد بن عبد اللہ بن نمیر و ابو الربیع الزھرانی قال حدثنا سفیان عن الزھری عن سالم عن ابیہ قال رایت النبی ﷺ اذا افتتح الصلاۃ رفع یدیہ حتی یحاذی بھما منکبیہ فاذا اراد ان یرکع و بعد ما یرفع راسہ من الرکوع، ولا یرفع بین السجدتین۔

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ میں نے نبی مکرم ﷺ کو دیکھا ہے جب نماز شروع کرتے اور جب رکوع کرنے کا ارادہ کرتے اور رکوع کرنے کے بعد رفع یدین کرتے حتی کہ آپ کے دونوں ہاتھ کندھوں کے برابر ہو جاتے، اور سجدوں کے درمیان رفع یدین نہ کرتے تھے۔

(صحیح ابن حبان ص۱۴۹ ج۴ رقم الحدیث ۱۸۶۱، مطبوعہ المکتبۃ الاثریہ)

(۲۷) ثنا سعدان بن نصر المخذومی ثنا سفیان بن عیینۃ عن الزھری عن سالم عن ابیہ قال رأیت رسول اللہ ﷺ اذا افتتح الصلوۃ رفع یدیہ حتی یحاذی منکبیہ و اذا اراد ان یرکع و بعد ما یرفع من الرکوع ولا یرفع بین السجدتین۔

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا جب آپ علیہ الصلوۃ والسلام نماز شروع کرتے اور جب رکوع کرنے کا ارادہ کرتے اور رکوع کرنے کے بعد رفع یدین کرتے حتی کہ آپ ﷺ کے ہاتھ کندھوں کے برابر ہو جاتے تھے، اور سجدوں میں رفع یدین نہ کرتے تھے۔

(السنن الکبریٰ للبیھقی ص۶۹ ج۲،)

(۲۸) حدثنا عیاش قال حدثنا عبدالاعلی قال حدثنا عبیداللہ عن نافع ان ابن عمر رضی اللہ عنہما کان اذا دخل فی الصلاۃ کبر و رفع یدیہ و اذا رکع رفع یدیہ و اذا قال سمع اللہ لمن حمدہ، رفع یدیہ و اذا قام من الرکعتین رفع یدیہ، و رفع ذلك ابن عمر الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

امام نافع فرماتے ہیں کہ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ جب نماز میں داخل ہوتے تو تکبیر کہتے اور رفع یدین کرتے اور جب رکوع کرتے تو رفع یدین کرتے اور جب سمع اللہ لمن حمدہ، کہتے تو رفع یدین کرتے تھے، اور جب دو رکعت پڑھ کر کھڑے ہوتے تو رفع یدین کرتے تھے اور اپنے اس عمل کو نبی مکرم ﷺ تک مرفوع کرتے تھے (یعنی آپ علیہ الصلوۃ والسلام بھی ایسا ہی کرتے تھے)

(بخاری کتاب الاذان باب رفع الیدین اذا قام من الرکعتین، رقم الحدیث ۷۳۹)

(۲۹) حدثنا اسحاق الواسطی قال حدثنا خالد بن عبد الله عن خالد عن ابی قلابة انه رأی مالك بن الحويرث اذا صلی كبرورفع يديه و اذا اراد ان يركع رفع يديه و اذا رفع راسه من الركوع رفع يديه و حدث ان رسول الله ﷺ صنع هكذا۔

امام ابو قلابہ تابعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سیدنا مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ جب نماز پڑھتے تو تکبیر تحریمہ کہتے اور دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے تھے (رفع یدین کرتے) اور جب رکوع کرنے کا ارادہ کرتے تو رفع یدین کرتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو تب بھی رفع یدین کرتے (اور سیدنا مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ) بیان کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی علیہ وسلم بھی اسی طرح (رفع یدین) کرتے تھے۔

(صحیح بخاری کتاب الاذان باب رفع الیدین اذا کبر واذا رکع و اذا رفع رقم الحدیث ۷۳۷)

(۳۰) حدثنا يحيیٰ بن يحيیٰ اخبرنا خالد بن عبد الله عن خالد عن ابی قلابة انه رای مالك بن الحويرث اذا صلی كبرثم رفع يديه و اذا اراد ان يركع رفع يديه و اذا رفع راسه من الركوع رفع يديه و حدث ان رسول الله ﷺ كان يفعل هكذا

امام ابو قلابہ تابعی فرماتے ہیں کہ میں نے سیدنا مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ کو دیکھا آپ جب نماز (شروع کرتے تو) تکبیر تحریمہ کہتے پھر رفع یدین کرتے اور جب رکوع کرنے کا ارادہ کرتے تو رفع یدین کرتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو تب بھی رفع یدین کرتے تھے اور بیان فرماتے کہ رسول اللہ ﷺ بھی اسی طرح ہی کرتے تھے۔

(صحیح مسلم کتاب الصلاۃ باب استحباب رفع الیدین ... رقم الحدیث ۸٦٤)

(۳۱) حدثنا ابو كامل الجحدری حدثنا ابو عوانة عن قتادة عن نصر بن عاصم عن مالك بن الحويرث ان رسول الله ﷺ كان اذا كبر رفع يديه حتی يحاذی بهما اذنيه و اذا ركع رفع يديه حتی يحاذی بهما اذنيه و اذا رفع راسه من الركوع فقال سمع الله لمن حمده، فعل مثل ذلك۔

سیدنا مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب تکبیر تحریمہ کہتے تو کانوں کے برابر رفع یدین کرتے تھے اور جب رکوع کرتے تو تب بھی کانوں تک رفع یدین کرتے تھے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو سمع الله لمن حمده کہتے اور اسی طرح ہی رفع یدین کرتے تھے۔ (صحیح مسلم باب سابق رقم الحدیث ۸٦٥)

(۳۲) حدثنا حفص بن عمر حدثنا شعبة عن قتادة عن نصر بن عاصم عن مالك بن الحويرث قال رايت النبی ﷺ يرفع يديه اذا كبر واذا ركع و اذا رفع راسه من الركوع

حتی یبلغ بھما فروع اذنیہ۔

سیدنا مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا جب تکبیر تحریمہ کہتے تو رفع یدین کرتے اور جب رکوع کرتے تو رفع یدین کرتے اور جب رکوع سے سر مبارک اٹھاتے تو رفع یدین کرتے حتی کہ آپ علیہ الصلوۃ والسلام کے دونوں ہاتھ کانوں کی لو تک پہنچ جاتے۔

(ابو داؤد کتاب الصلاۃ باب من ذکر انه یرفع یدیه اذا قام من الثنتین رقم الحدیث ۷۴۵)

(۳۳) اخبرنا محمد بن عبدالاعلی حدثنا خالد حدثنا شعبة عن قتادة قال سمعت نصر ابن عاصم عن مالک بن الحویرث وکان من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم (ان رسول الله صلی الله علیه وسلم) کان اذا صلی رفع یدیه حین یکبر حیال اذنیه واذا اراد ان یرکع واذا رفع راسه من الرکوع۔

امام نصر بن عاصم بیان کرتے ہیں کہ سیدنا مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ جو نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے تھے وہ (نسائی کے ایک نسخہ میں ہے کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) جب نماز پڑھتے اور تکبیر تحریمہ کے وقت کانوں کے برابر رفع یدین کرتے تھے۔ اور جب رکوع کرنے کا ارادہ کرتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو رفع الیدین کرتے تھے۔

(سنن نسائی کتاب الافتتاح باب رفع الیدین حیال الاذنین رقم الحدیث ۸۸۱ ونسائی ص ۱۴۰ ج ۱ مطبوعه مجتبائی)

(۳۴) حدثنا ابو قلابة قال ثنا عبد الصمد بن عبدالوارث و ابو الولید (ح و حدثنا) ابو امیة قال ثنا ابو الولید کلاهما عن شعبة عن قتادة عن نصر بن عاصم عن مالک بن الحویرث ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا افتتح الصلاة رفع یدیه حذو اذنیه و اذا رکع و اذا رفع راسه من الرکوع۔

سیدنا مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع کرتے اور جب رکوع کرتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو کانوں کے برابر تک رفع یدین کرتے تھے۔

(مسند ابی عوانه ص ۹۴ ج ۲)

(۳۵) اخبرنا ابو الولید الطیالسی ثنا شعبة عن قتادة عن نصر ابن عاصم عن مالک بن الحویرث ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا کبر رفع یدیه حتی یحاذی اذنیه و اذا اراد ان یرکع و اذا رفع راسه من الرکوع۔

سیدنا مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب تکبیر تحریمہ کہتے اور جب رکوع کرنے کا ارادہ فرماتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو رفع یدین کرتے حتی کہ آپ کے ہاتھ کانوں

کے برابر ہو جاتے۔

(سنن دارمی ص۳۱۷ ج۱، کتاب الصلاۃ باب فی رفع الیدین فی الرکوع و السجود، رقم الحدیث ۱۲۵۱)

(۳۶) حدثنا محمد بن جعفر بن رمیس ثنا محمد بن حسان قال نا عبدالرحمن بن مهدی ثنا شعبة عن قتادة عن نصر بن عاصم عن مالك بن الحويرث ان رسول الله صلی علیه وسلم كان يرفع يديه اذا استفتح الصلاة و اذا اراد ان يركع و بعد ما يرفع راسه من الركوع۔

سیدنا مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ بے شک رسول اللہ ﷺ جب نماز شروع کرتے تو رفع یدین کرتے اور جب رکوع کرنے کا ارادہ کرتے اور رکوع سے سر اقدس اٹھانے کے بعد رفع یدین کرتے تھے۔

(سنن دارقطنی ص ۲۹۲ ج۱ کتاب الصلاۃ باب ذکر التکبیر و رفع الیدین عند الافتتاح والرکوع والرفع منه، رقم الحدیث۱۵)

(۳۷) حدثنا ابو داؤد قال حدثنا شعبة عن قتادة عن نصر بن عاصم عن مالك بن الحويرث قال كان النبی ﷺ يرفع يديه اذا افتتح الصلاة و اذا ركع واذا رفع راسه من الركوع۔

سیدنا مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی مکرم ﷺ جب نماز شروع کرتے اور جب رکوع کرتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو رفع یدین کرتے تھے۔

(مسند ابو داود طیالسی ص۱۷۶ رقم الحدیث ۱۲۵۳)

(۳۸) اخبرنا ابو خليفة قال حدثنا سليمان بن حرب قال حدثنا شعبة عن قتادة عن نصر بن عاصم عن مالك بن حويرث ان النبی ﷺ كان اذ اكبر رفع يديه اذا دخل فی الصلاة حتى يحاذی بهما اذنيه و (اذا) ركع و اذارفع راسه من الركوع۔

سیدنا مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ بلاشبہ نبی علیہ الصلاۃ والسلام مکرم جب نماز میں داخل ہوتے تو تکبیر تحریمہ کہتے اورتو رفع یدین کرتے یہاں تک کہ دونوں ہاتھ کانوں کے برابر ہو جاتے تھے۔ اور جب رکوع کرنے کا ارادہ کرتے اور جب رکوع سے سر اقدس اٹھاتے تو رفع یدین کرتے تھے۔

(صحیح ابن حبان رقم الحدیث ۱۸۶۰)

(۳۹) حدثنا عمر بن حفص السدوسی ثنا عاصم بن علی قالوا ثنا شعبة عن قتادة ثنا نصر بن عاصم عن مالك بن الحويرث ان النبی ﷺ كان اذا كبر رفع يديه اذا دخل فی الصلاة حتى يحاذی بهما اذنيه و اذا ركع (واذا) رفع راسه من الركوع۔

سیدنا مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ بلاشبہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز میں داخل ہوتے تو تکبیر تحریمہ کہہ کر رفع یدین کرتے یہاں تک کہ دونوں ہاتھ کانوں کے برابر ہو جاتے تھے۔ اور جب رکوع کرتے اور رکوع سے سر اٹھاتے تو تب بھی رفع یدین کرتے تھے۔

(المعجم الکبیر للطبرانی ص٢٨٤ ج١٩ رقم الحدیث ٦٢٥)

(٤٠) حدثنا عبد الله حدثنی ابی ثنا یحیی بن سعید عن شعبة ثنا قتادة عن نصر بن عاصم عن مالك بن الحویرث و کان من اصحاب النبی ﷺ قال کان النبی ﷺ یرفع یدیه اذا دخل فی الصلاة و اذا رکع و اذا رفع راسه من الرکوع الی اذنیه۔

نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے سیدنا مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع کرتے تو رفع یدین کرتے اور جب رکوع کرتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو کانوں کے برابر تک رفع یدین کرتے تھے۔ (مسند احمد ص٥٣ ج٥)

(٤١) حدثنا حمید بن مسعدة حدثنا یزید بن زریع حدثنا هشام عن قتادة عن نصر بن عاصم عن مالك بن الحویرث ان رسول الله ﷺ کان اذا اکبر رفع یدیه حتی یجعلهما قریباً من اذنیه و اذا رکع صنع مثل ذلك و اذا رفع راسه من الرکوع صنع مثل ذلك۔

سیدنا مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بلا شبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب تکبیر تحریمہ کہتے تو کانوں کے برابر تک رفع یدین کرتے تھے۔ جب رکوع کرتے اور جب رکوع سے سر اقدس اٹھاتے تو تب بھی اسی طرح کرتے تھے۔

(ابن ماجة کتاب اقامة الصلوات باب رفع الیدین اذا رکع واذا رفع راسه من الرکوع، رقم الحدیث ٨٥٩)

(٤٢) حدثنا بشر بن موسی قال ثنا الحمیدی قال ثنا معاذ بن هشام الدستوائی قال ثنا ابی عن قتادة عن نصر بن عاصم اللیثی عن مالك بن الحویرث ان نبی الله ﷺ کان اذا دخل فی الصلاة کبر ثم رفع یدیه حتی یجعلها حیال اذنیه وربما قال حذاء اذنیه فاذا رکع فعل مثل ذلك و اذا رفع رأسه من الرکوع فعل مثل ذلك۔

سیدنا مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ بلاشبہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز میں داخل ہوتے تو تکبیر تحریمہ کہتے پھر رفع یدین کرتے حتی کہ آپ دونوں ہاتھ کانوں کے برابر کرتے (راوی حدیث) کبھی اسی طرح بیان کرتے کہ حتی کہ دونوں ہاتھ کانوں کے برابر ہو جاتے اور جب رکوع کرتے اور رکوع سے سر اٹھاتے تو اسی طرح (رفع یدین) کرتے تھے۔

(مسند ابو عوانہ ص٩٤ ج٢ کتاب الصلاة باب ذکر الاخبار المتضادة للباب الذی قبله فی رفع الیدین)

(٤٣) حدثنا عبد الله حدثنی ابی ثنا عبد الصمد و ابو عامر قالا ثنا هشام عن قتادة عن

نصر بن عاصم عن مالك بن الحويرث ان رسول الله ﷺ كان اذ اكبر رفع يديه حتى يجعلهما قريباً من اذنيه و اذا ركع صنع مثل ذلك واذارفع راسه من الركوع فعل مثل ذلك۔

سیدنا مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب تکبیر تحریمہ کہتے تو رفع یدین کرتے حتی کہ آپ علیہ الصلوۃ والسلام دونوں ہاتھوں کو کانوں کے قریب کرتے اور جب رکوع کرتے تو اسی طرح رفع یدین کرتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو تب بھی اسی طرح رفع یدین کرتے تھے۔

(مسند احمد ص٥٣ ج٥ رقم الحديث ٢٠٠١٢)

(۴۴) حدثنا احمد بن بشير بن حبيب البيروتى ثنا عبد الحميد بن بكار ثنا سعيد بن بشير عن قتادة عن نصر بن عاصم عن مالك بن الحويرث قال رايت رسول الله ﷺ يرفع يديه اذ اكبر حتى يحاذى بهما اذنيه و اذا ركع واذا رفع راسه من الركوع۔

سیدنا مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ جب تکبیر تحریمہ کہتے اور جب رکوع کرتے اور جب رکوع سے سر اقدس اٹھاتے تو رفع یدین کرتے تھے حتی کہ آپ کے دونوں ہاتھ کانوں کے برابر ہو جاتے۔

(المعجم الكبير للطبرانى ص٢٨٥ ج١٩ رقم الحديث ٦٢٨)

(۴۵) حدثنا ابن نمير عن ابن ابى عروبة عن نصر بن عاصم عن مالك بن الحويرث قال رايت النبى ﷺ يكبر و يرفع يديه اذا ركع واذارفع راسه من الركوع حتى يحاذى بهما فروع اذنيه۔

سیدنا مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ میں نے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ جب تکبیر تحریمہ کہتے اور جب رکوع کرتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو رفع یدین کرتے حتی کہ آپ کے دونوں ہاتھ کانوں کی لو کے برابر ہو جاتے۔

(مصنف ابن ابى شيبه ص٢٣٤ ج١)

(۴۶) حدثنا حبيب بن الحسن ثنا يوسف القاضى ثنا محمد بن المنهال ثنا يزيد بن زريع ثنا سعيد عن قتادة عن نصر بن عاصم عن مالك بن الحويرث قال كان رسول الله صلى عليه وسلم اذ اكبر رفع يديه يحاذى بها فروع اذنيه و اذا ركع كذلك و اذا رفع راسه من الركوع بذلك۔

سیدنا مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب تکبیر تحریمہ کہتے تو کانوں کی لو کے برابر رفع یدین کرتے تھے۔ اور اسی طرح جب رکوع کرتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو رفع یدین کرتے تھے۔ (المسند المستخرج على صحيح الامام مسلم ص١٣ ج٢ رقم الحديث ٨٦٢)

(۴۷) اخبرنا یعقوب بن ابراھیم قال حدثنا ابن علیة عن ابن ابی عروبة عن قتادة عن نصر بن عاصم عن مالك بن الحویرث قال رایت رسول الله ﷺ حین دخل فی الصلاة رفع یدیه وحین رکع و حین رفع راسه من الرکوع حتی حاذتا فروع اذنیه۔

سیدنا مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ جب نماز شروع کرتے اور جب رکوع کرتے اور جس وقت رکوع سے سر اٹھاتے تو رفع یدین کرتے حتی کہ ہاتھ کانوں کی لو کے برابر ہو جاتے۔

(سنن نسائی کتاب الافتتاح باب رفع الیدین حیال اذنیْن رقم الحدیث ۸۸۲)

(۴۸) اخبرنا علی بن حجر حدثنا اسماعیل عن سعیدعن قتادة عن نصر بن عاصم اللیثی عن مالك بن الحویرث قال رایت رسول الله ﷺ یرفع یدیه اذ اکبر و اذا رکع و اذا رفع راسه من الرکوع حتی بلغتا فروع اذنیه۔

سیدنا مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا جب تکبیر تحریمہ کہتے اور جب رکوع کرتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو رفع یدین کرتے حتی کہ ہاتھ کانوں کی لو کو پہنچ جاتے۔

(سنن نسائی کتاب التطبیق باب رفع الیدین للرکوع حذاء فروع الاذنین رقم الحدیث ۱۰۲۵)

(۴۹) حدثنا زهیر بن حرب حدثنا عفان حدثنا همام حدثنامحمد بن جحادة حدثنی عبدالجبار بن وائل عن علقمة بن وائل و مولی لهم انهما حدثاه عن ابیه وائل بن حجر انه رأی النبی ﷺ رفع یدیه حین دخل فی الصلاة، کبر، وصف همام حیال اذنیه، ثم التحف بثوبه ثم وضع یده الیمنی علی الیسری فلما اراد ان یرکع اخرج یدیه من الثوب ثم رفعهما ثم کبر فرکع فلما قال سمع الله لمن حمده، رفع یدیه، فلما سجد سجدبین کفیه۔

سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ جب نماز میں داخل ہوئے تو تکبیر تحریمہ کہی اور رفع یدین کیا، (راوی حدیث امام) ہمام نے کانوں تک رفع یدین کرنے کا بتلایا ہے،، پھر کپڑا لپیٹ لیا اور دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھ دیا اور جب رکوع کا ارادہ کیا تو اپنے دونوں ہاتھ کپڑے سے نکالے اور رفع یدین کیا پھر (رکوع کے لیے) تکبیر کہی اور رکوع کیا اور جب (رکوع سے اٹھ کر) سمع اللہ لمن حمدہ، کہا تو رفع یدین کیا اور جب سجدہ کیا تو دونوں ہتھیلیوں کے درمیان کیا۔

(مسلم کتاب الصلاۃ باب وضع یدہ الیمنی علی الیسریٰ ....الحدیث ۸۹۶)

(۵۰) اخبرنا سوید بن نصر اخبرنا عبد الله بن مبارك عن قیس بن سلیم العنبری حدثنی علقمة بن وائل قال حدثنی ابی قال صلیت خلف رسول الله ﷺ فرایته یرفع یدیه اذا افتتح

الصلاة و اذا رکع و اذا قال سمع الله لمن حمده، هكذا، و اشار قيس الى نحو الاذنين۔

سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا میں نماز پڑھی، میں نے دیکھا کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب نماز شروع کی تو رفع یدین کیا اور جب رکوع کیا تو رفع یدین کیا اور جب (رکوع سے سر اٹھایا) تو سمع اللہ لمن حمدہ، کہا اور رفع یدین اسی طرح کیا، (راوی حدیث امام) قیس نے کانوں کے برابر کی طرف اشارہ کیا۔

(سنن نسائی کتاب التطبیق باب رفع الیدین عند الرفع من الرکوع، رقم الحدیث ۱۰۵۶)

(۵۱) حدثنا ابو محمد بن حيان ثنا ابو يعلى ثنا ابو خيثمة ثنا عفان ثنا همام ثنا محمد بن جحادة عن عبد الجبار بن وائل عن علقمة بن وائل و مولى لهم انهما حدثاه عن ابيه وائل انه رأى۔عليه رسول الله صلى الله عيله وسلم رفع يديه حين دخل فى الصلاة كبر، و وصف همام، حيال اذنيه، ثم التحف بثوبه، ثم وضع يده اليمنى على اليسرى، فلما اراد ان يركع اخرج يديه من الثوب، ثم رفعهما فكبر فركع فلما قال سمع الله لمن حمده، رفع يديه، فلما سجد سجدبين كفيه۔

سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ رفع یدین کیا جب نماز میں داخل ہوئے اور تکبیر تحریمہ کہی، ہمام راوی نے کانوں تک بیان کیا ہے،، پھر کپڑا لپیٹ لیا اور دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ کے اوپر رکھا، جب رکوع کرنے کا ارادہ کیا تو کپڑے سے دونوں ہاتھ باہر نکالے پھر رفع یدین کیا، تکبیر کہی اور رکوع کیا، جب (رکوع سے اٹھ کر) سمع اللہ لمن حمدہ کہا تو رفع یدین کیا، جب سجدہ کیا تو دونوں ہتھیلیوں کے درمیان کیا۔

(المسند المستخرج لابی نعیم ص۲۴ ج۲ کتاب الصلاۃ باب وضع الیمین علی الشمال فی الصلاۃ رقم الحدیث ۸۸۹)

(۵۲) حدثنا معاوية بن صالح و محمد بن اسماعيل الصائغ و عثمان بن خرزاذ والصغانى قالوا ثنا عفان قال ثنا همام قال ثنا محمد بن جحادة قال حدثنى عبد الجبار بن وائل عن علقمة بن وائل و مولىٰ لهم انهما حدثاه عن ابيه وائل بن حجرانه رأى رسول الله ﷺ رفع يديه حين دخل فى الصلاة فكبر و وصف همام حيال اذنيه، ثم التحف بثوبه ثم وضع يده اليمنى على اليسرى فلما اراد ان يركع اخرج يديه من الثوب ثم رفعهما وكبر فركع فلما قال سمع الله لمن حمده رفع يديه فلما سجد سجدبين كفيه۔

سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ جب نماز میں داخل ہوئے تکبیر تحریمہ کہی رفع یدین کیا (راوی حدیث) ہمام نے کانوں کے برابر تک بیان کیا، پھر کپڑا

لپیٹ لیا اور دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ کے اوپر رکھا، جب رکوع کرنے کا ارادہ کیا تو ہاتھوں کو کپڑے سے باہر نکال کر رفع یدین کیا اور تکبیر کہی اور رکوع کیا، جب (رکوع سے اٹھ کر) سمع اللہ لمن حمدہ، کہا تو رفع یدین کیا جب سجدہ کیا تو دونوں ہتھیلیوں کے درمیان کیا۔

(مسند ابو عوانه ص۹۷ ج۲)

(۵۳) اخبرنا ابو الحسين بن بشران ببغداد انبأ ابو جعفر محمد بن عمرو الرزاز ثنا جعفر بن محمد بن شاكر ثنا عفان ثنا همام ثنا محمد بن جحادة عن عبد الجبار بن وائل عن علقمة بن وائل و مولىٰ لهم انهما حدثاه عن ابيه وائل ابن حجر انه رأى النبى ﷺ حين دخل في الصلوة كبر قال ابو عثمان وصف همام حيال اذنيه يعنى رفع اليدين ثم التحف بثوبه ثم وضع يده اليمنى على يده اليسرى فلما اراد ان يركع اخرج يديه من الثوب و رفعهما فكبر فلما قال سمع الله لمن حمده رفع يديه فلما سجد سجد بين كفيه۔

سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ جب نماز میں داخل ہوئے تو اللہ اکبر کہا اور رفع یدین کیا۔ راوی ابو عثمان کہتے ہیں کہ ہمام نے کانوں کے برابر رفع یدین کرنا بیان کیا ہے۔ پھر اپنے ہاتھ کپڑے سے لپیٹ کر دائیں کو بائیں ہاتھ کے اوپر رکھا جب رکوع کرنے کا ارادہ کیا تو کپڑے سے ہاتھ نکال کر رفع یدین کیا اور اللہ اکبر کہا اور جب (رکوع سے اٹھ کر) سمع اللہ لمن حمدہ کہا تو رفع یدین کیا، جب سجدہ کیا تو دونوں ہتھیلیوں کے درمیان کیا۔

(السنن الكبرىٰ للبيهقى ص۷۱ ج۲، كتاب الصلوة باب رفع اليدين عند الركوع و عند رفع الرأس منه)

(۵۴) حدثنا عبد الله حدثنى ابى ثنا يونس بن محمد ثنا عبد الواحد ثنا عاصم بن كليب عن ابيه عن وائل بن حجر الحضرمى قال اتيت النبى ﷺ فقلت لا نظرن كيف يصلى، قال، فاستقبل القبلة فكبر ورفع يديه حتى كانتا حذو منكبيه قال ثم أخذ شماله بيمينه قال فلما اراد ان يركع رفع يديه حتى كانتا حذو منكبيه فلما ركع وضع يديه على ركبتيه فلما رفع راسه من الركوع رفع يديه حتى كانتا حذو منكبيه الحديث۔

سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز (کا طریقہ) دیکھوں گا، کیسے پڑھتے ہیں۔ سیدنا وائل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپ علیہ الصلوٰۃ السلام نے قبلہ رخ ہو کر تکبیر تحریمہ کہی اور رفع یدین کیا حتی کہ آپ کے دونوں ہاتھ کندھوں کے برابر ہو گئے، پھر دائیں ہاتھ سے بائیں کو پکڑا جب رکوع کرنے کا ارادہ کیا تو رفع یدین کندھوں کے برابر کیا اور ہاتھوں کو گھٹنوں پر رکھا اور پھر جب رکوع سے اٹھنے کا ارادہ کیا تو کندھوں کے برابر رفع یدین کیا، الحدیث۔ (مسند احمد ص۳۱۶ ج٤)

(۵۵) اخبرنا سوید بن نصر حدثنا عبد الله بن المبارك عن زائدة قال حدثنا عاصم بن كليب قال حدثني ابی ان وائل بن حجر اخبره قال قلت لأنظرن الی صلاة رسول الله ﷺ كيف يصلي؟ فنظرت اليه فقام فكبرو رفع يديه حتى حاذتا بأذنيه ثم وضع يده اليمنىٰ على كفه اليسرى والرسغ والساعد فلما اراد ان يركع رفع يديه مثلهاقال و وضع يديه على ركبتيه ثم لما رفع راسه رفع يديه مثلها ثم سجد فجعل كفيه بحذاء أذنيه، ثم قعد و افترش رجله اليسرى ووضع كفه اليسرى على فخذه وركبته اليسرى وجعل حد مرفقه الايمن على فخذه اليمنى ثم قبض اثنتين من أصابعه وحلق حلقة ثم رفع اصبعه فرأيته يحر كها يد عوبها۔

سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے کہا میں رسول اللہ ﷺ کی نماز کو دیکھوں گا کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نماز کیسے پڑھتے ہیں، میں نے دیکھا کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کھڑے ہوئے اور تکبیر کہی پھر رفع یدین کیا کانوں کے برابر پھر دائیں ہاتھ کو بائیں پر رکھا جب رکوع کرنے کا ارادہ کیا تو اسی کیفیت سے رفع یدین کیا، اور (رکوع میں) دونوں ہاتھ گھٹنوں پر رکھے، پھر جب رکوع سے سر اٹھایا تو رفع یدین اسی طرح کیا، پھر سجدہ کیا تو اپنی ہتھیلیوں کو کانوں کے برابر رکھا، (سجدہ سے اٹھ کر) بائیں پاؤں کو بچھا کر اس پر بیٹھے، اور بائیں ہاتھ کی ہتھیلی اپنی ران اور گھٹنے پر رکھی، اور دائیں ہاتھ کی کہنی داہنی ران پر جمائی پھر دو انگلیوں کو بند کر کے ایک حلقہ باندھ لیا (انگلی اور انگوٹھے سے) اور کلمے کی انگلی کو اوپر اٹھا لیا تو میں نے دیکھا کہ اس کو حرکت دے رہے تھے اور اس سے دعا کر رہے تھے۔

(سنن نسائی کتاب الافتتاح باب موضع الیمین من الشمال فی الصلاۃ، الحدیث ۸۹۰)

(۵۶) حدثنا مسدد حدثنا بشر بن المفضل عن عاصم بن كليب عن ابيه عن وائل بن حجر قال قلت لا نظرن الى صلاة رسول الله ﷺ كيف يصلى قال فقام رسول الله ﷺ فاستقبل القبلة فكبر فرفع يديه حتى حاذتا اذنيه ثم اخذ شماله بيمينه فلما اراد ان يركع رفعهما مثل ذلك ثم وضع يديه على ركبتيه فلما رفع راسه من الركوع رفعهما مثل ذلك، الحديث۔

سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں (جب میں نبی مکرم ﷺ کے پاس دوبارہ آیا تو میں نے دل میں) کہا کہ رسول اللہ ﷺ کی نماز کو دیکھوں گا کیسے پڑھتے ہیں، سیدنا وائل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نماز کے لیے کھڑے ہوئے قبلہ رخ ہو کر تکبیر تحریمہ کہی اور رفع یدین کیا حتی کہ آپ کے ہاتھ کانوں کے برابر ہو گئے، پھر دائیں ہاتھ سے بائیں کو پکڑا جب رکوع کرنے کا ارادہ کیا تو اسی طرح رفع یدین کیا، پھر (رکوع میں) ہاتھوں کو گھٹنوں کے اوپر رکھا اور جب رکوع سے سر اقدس کو اٹھایا تو اسی طرح رفع یدین کیا، الحدیث،،

(سنن ابو داؤد کتاب الصلاۃ باب رفع الیدین فی الصلاۃ، الحدیث ۷۲۶)

(۵۷) اخبرنا اسماعیل بن مسعود قال حدثنا بشر بن المفضل قال حدثنا عاصم بن کلیب عن ابیه عن وائل بن حجر قال قلت لا نظرن الی صلاة رسول الله ﷺ کیف یصلی فقام رسول الله ﷺ فاستقبل القبلة فرفع یدیه حتی حاذتا اذنیه ثم اخذ شماله بیمینه فلما اراد ان یرکع رفعهما مثل ذلک و وضع یدیه علی رکبتیه فلما رفع رأسه من الرکوع رفعهما مثل ذلک،، الحدیث۔

سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے کہا کہ میں نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کو ضرور دیکھوں گا کیسے پڑھتے ہیں۔ تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کھڑے ہوئے قبلہ رُخ ہو کر (تکبیر تحریمہ کہی) کانوں کے برابر رفع یدین کیا، پھر دائیں ہاتھ سے بائیں کو پکڑ لیا جب رکوع کرنے کا ارادہ کیا تو اسی طرح رفع یدین کیا اور (رکوع میں) گھٹنوں پر ہاتھوں کو رکھا اور جب رکوع سے سر اقدس اٹھایا تو تب بھی اسی طرح رفع یدین کیا۔

الحدیث (سنن نسائی کتاب السھوباب موضع المرفقین رقم الحدیث ۱۲۶۶)

(۵۸) حدثنا بشر بن معاذ الضریر حدثنا بشر بن المفضل حدثنا عاصم ابن کلیب عن ابیه عن وائل بن حجر قال قلت لا نظرن الی رسول الله ﷺ کیف یصلی فقام فاستقبل القبلة فرفع یدیه حتی حاذتا أذنیه فلما رکع رفعهما مثل ذلک فلما رفع رأسه من الرکوع رفعهما مثل ذلک۔

سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے کہا کہ میں ضرور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھوں گا وہ نماز کیسے پڑھتے ہیں، آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کھڑے ہوئے قبلہ رخ ہو کر (تکبیر تحریمہ کہی) اور رفع یدین کیا حتی کہ ہاتھ کانوں کے برابر ہو گئے، جب رکوع کرنے کا ارادہ کیا تو رفع یدین اسی طرح ہی کیا، اور جب رکوع سے سر اٹھایا تو تب بھی اسی طرح رفع یدین کیا۔

(ابن ماجة کتاب اقامة الصلوات باب رفع الیدین اذا رکع و اذا رفع راسه من الرکوع رقم ۸۶۷)

(۵۹) حدثنا عبد الله حدثنی ابی ثنا عبدالصمد ثنا زائدة ثنا عاصم بن کلیب اخبرنی ابی ان وائل بن حجر الحضرمی اخبره قال قلت، لا نظرن الی رسول الله ﷺ کیف یصلی، قال، فنظرت الیه قام فکبر و رفع یدیه حتی حاذتا اذنیه ثم وضع یده الیمنی علی ظهر کفه الیسری والر سغ والساعد ثم قال، لما اراد ان یرکع رفع یدیه مثلها و وضع یدیه علی رکبتیه ثم رفع رأسه فرفع یدیه مثلها الحدیث۔

سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ (جب میں مدینہ طیبہ مکرر آیا تو میں نے دل میں) کہا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کو ضرور دیکھوں گا، کیسے پڑھتے ہیں، میں نے دیکھا کہ جب آپ علیہ

الصلوٰۃ والسلام نماز کے لیے کھڑے ہوئے تو کانوں کے برابر رفع یدین کیا پھر دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ کی کہنی اور بازو پر رکھا، پھر جب رکوع کرنے کا ارادہ کیا تو اسی طرح رفع یدین کیا اور دونوں ہاتھ گھٹنوں پر رکھے، پھر رکوع سے سر اٹھایا تو اسی طرح رفع یدین کیا، الحدیث

(مسند احمد ص۳۱۸ ج٤)

(٦٠) حدثنا الحمیدی قال ثنا سفیان قال ثنا عاصم بن کلیب الحضرمی قال سمعت ابی یقول سمعت وائل بن حجر الحضرمی قال رایت رسول اللہ ﷺ اذا افتتح الصلوٰۃ رفع یدیہ و اذا رکع و بعد ما یرفع راسہ من الرکوع، الحدیث۔

سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا جب نماز شروع کرتے اور جب رکوع کرتے اور جب رکوع سے سر اقدس اٹھاتے تو رفع یدین کرتے، الحدیث

(مسند الحمیدی ص۳۹۲ ج۲ رقم الحدیث ۸۸۵)

(٦١) حدثنا الحسین بن اسماعیل ثنا علی بن شعیب ثنا سفیان بن عیینۃ عن عاصم بن کلیب عن ابیہ عن وائل بن حجر قال رایت النبی ﷺ اذا افتتح الصلاۃ رفع یدیہ حتی حاذتا منکبیہ و حین اراد ان یرکع و بعد ما یرفع راسہ من الرکوع، الحدیث۔

سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ کو دیکھا جب نماز شروع کرتے اور اس وقت جب رکوع کرنے کا ارادہ کرتے اور رکوع کرنے کے بعد کندھوں کے برابر رفع یدین کرتے، ،الحدیث،، (سنن دارقطنی ص۲۹۰ ج۱)

(٦٢) اخبرنا ابو الحسن علی بن احمد بن عبدان انبا احمد بن عبید الصفار ثنا عفان بن عمر (وفی نسخۃ عثمان بن عمرو) الضبی ثنا مسدد ثنا عبد الواحد یعنی ابن زیاد ثنا عاصم بن کلیب عن ابیہ عن وائل بن حجر الحضرمی قال اتیت النبی ﷺ فقلت لا نظرن کیف یصلی فاستقبل القبلۃ و کبر و رفع یدیہ حتی کانتا حذو منکبیہ ثم اخذ شمالہ بیمینہ فلما اراد ان یرکع رفع یدیہ حتی کانتا حذو منکبیہ فلما رکع وضع یدیہ علی رکبتیہ فلما اراد ان یرفع رفع یدیہ حتی کانتا حذو منکبیہ ،، الحدیث،،

سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی مکرم ﷺ کے پاس آیا اور میں نے (دل میں) کہا کہ میں ضرور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نماز کو دیکھوں گا، کیسے پڑھتے ہیں، تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قبلہ رخ ہو کر تکبیر تحریمہ کہی اور رفع یدین کیا حتی کہ آپ کے دونوں ہاتھ کندھوں کے برابر ہو گئے، پھر دائیں ہاتھ سے بائیں کو پکڑا جب رکوع کرنے کا ارادہ کیا تو رفع یدین کندھوں کے برابر کیا اور (رکوع میں) ہاتھ گھٹنوں پر رکھے اور جب رکوع سے سر اقدس اٹھانے کا ارادہ کیا تو کندھوں کے برابر رفع

یدین کیا، الحدیث۔

(السنن الکبریٰ للبیہقی ص۷۲ ج۲، کتاب الصلوۃ باب رفع الیدین عن الرکوع و عند رفع الداس منہ)

(۶۳) اخبرنا ابو عبد الله الحافظ ثنا علی بن حمشاذ (قال و اخبرنی) ابو سعید احمد بن یعقوب الثقفی قالا انبانا محمد بن ایوب انبانا مسدد انبا خالد بن عبد الله ثنا عاصم بن کلیب عن ابیه عن وائل بن حجر ان النبی ﷺ قام الی الصلوة فکبر و رفع یدیه حتی حاذی بهما اذینه واخذ شماله بیمینه فلما اراد ان یرکع رفع یدیه فلما رفع راسه من الرکوع رفع یدیه، الحدیث۔

سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی مکرم ﷺ نماز کی طرف کھڑے ہوئے تکبیر تحریمہ کہی اور کانوں کے برابر تک رفع یدین کیا اور دائیں ہاتھ سے بائیں کو پکڑ کر (باندھ) لیا جب رکوع کرنے کا ارادہ کیا تو کانوں کے برابر تک رفع یدین کیا جب رکوع سے سر اقدس اٹھایا تو تب بھی رفع یدین کیا،، الحدیث،،

(السنن الکبریٰ للبیہقی ص۱۳۱ ج۲ کتاب الصلوٰۃ باب ما روی فی تحلیق الوسطی بالابهام)

(۶۴) حدثنا ابو داؤد قال حدثنا سلام بن سلیم قال ثنا عاصم بن کلیب عن ابیه عن وائل الحضرمی قال صلیت خلف النبی ﷺ فقلت لا حفظن صلاته فافتتح الصلاة فکبر و رفع یدیه حتی بلغ اذنیه و اخذ شماله بیمینه فلما اراد ان یرکع کبر و رفع یدیه کما رفعهما حین افتتح الصلاة و وضع کفیه علی رکبتیه حتی رفع فلما رفع راسه من الرکوع رفع یدیه کما رفعهما حین افتتح الصلاة،، الحدیث،،

سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی مکرم ﷺ کی اقتدا میں نماز پڑھی اور (دل میں) کہا کہ میں آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نماز کو یاد رکھوں گا، آپ نے نماز شروع کی تو تکبیر تحریمہ کہی اور رفع یدین کیا حتی کہ آپ کے ہاتھ کانوں کے برابر ہو گئے، اور دائیں ہاتھ سے بائیں کو پکڑ کر (باندھ لیے) جب رکوع کرنے کا ارادہ کیا تو افتتاح نماز کی طرح رفع یدین کیا، اور (رکوع میں) گھٹنوں پر ہتھیلیاں رکھیں حتی کہ رکوع سے کھڑے ہو گے، جب رکوع سے اٹھے تو افتتاح نماز کی طرح رفع یدین کیا،، الحدیث،،

(مسند ابو داؤد طیالسی ص۱۳۷، رقم الحدیث ۱۰۲۰)

(۶۵) حدثنا احمد بن حنبل حدثنا ابو عاصم الضحاك بن مخلد و حدثنا مسدد حدثنی یحییٰ، وهذا حدیث احمد، قال اخبرنا عبد الحمید یعنی ابن جعفر اخبرنی محمد بن عمرو بن عطاء قال سمعت ابا حمید الساعدی فی عشرة من اصحاب رسول الله ﷺ منهم ابو

قتادة قال ابو حميد انا اعلمكم بصلاة رسول الله صلى الله عليه وسلم، قالوا فلم؟ فو الله، ما كنت باكثرنا له تبعة، ولا اقدمنا له صحبة، قال بلى، قالوا، فاعرض، قال، كان رسول الله ﷺ اذا قام الى الصلاة يرفع يديه حتى يحاذى بهما منكبيه، ثم كبر حتى يقر كل عظم فى موضعه معتدل لا ثم يقرا، ثم يكبر فيرفع يديه حتى يحاذى بهما منكبيه، ثم يركع ويضع راحتيه على ركبتيه ثم يعتدل فلا يصب راسه ولا يقنع، ثم يرفع راسه فيقول، سمع الله لمن حمده، ثم يرفع يديه حتى يحاذى بهما منكبيه معتدلا ثم يقول، الله اكبر، ثم يهوى الى الارض فيجا فى يديه عن جنبيه، ثم يرفع راسه ويثنى رجله اليسرى فيقعد عليها ويفتح اصابع رجليه اذا سجد، ثم يسجد ثم يقول، الله اكبر، ويرفع راسه ويثنى رجله اليسرى فيقعد عليها، حتى يرجع كل عظم الى موضعه، ثم يصنع فى الاخرى مثل ذلك، ثم اذا قام من الركعتين كبر و رفع يديه حتى يحاذى بهما منكبيه كما كبر عند افتتاح الصلاة ثم يصنع ذلك فى بقية صلاته، حتى اذا كانت السجدة التى فيها التسليم اخر رجله اليسرى وقعد متوركا على شقه الايسر، قالوا، صدقت هكذا كان يصلى ﷺ۔

امام محمد بن عمرو بن عطا بیان کرتے ہیں کہ سیدنا ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ سے میں نے سنا وہ دس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں بیان کر رہے تھے جن میں سے ایک سیدنا ابوقتادہ رضی اللہ عنہ بھی تھے، سیدنا ابوحمید رضی اللہ عنہ نے کہا آپ لوگوں میں سے سب سے زیادہ میں رسول اللہ ﷺ کی نماز کو جانتا ہوں، انہوں نے کہا یہ کس طرح؟ اللہ کی قسم آپ رسول اللہ ﷺ کی ہم سے زیادہ اتباع نہیں کرتے تھے، اور نہ ہی ہم سے پہلے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوئے، سیدنا ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ نے کہا ہاں یہ درست ہے، تب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا اچھا (نماز کا طریقہ) بیان کرو، سیدنا ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ نے کہا سیدنا رسول اللہ ﷺ جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو کندھوں کے برابر رفع یدین کرتے تھے۔ اور پھر تکبیر کہتے اور جب ہر ایک ہڈی اعتدال سے اپنی جگہ پر آ جاتی تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام قرات شروع کرتے پھر تکبیر کہتے اور کندھوں کے برابر رفع یدین کرتے تھے۔ اور ہتھیلیوں کو اپنے اپنے گھٹنے پر رکھتے اور کمر سیدھی کرتے یعنی سر کو پیٹھ کے برابر کرتے نہ جھکاتے اور نہ نیچی رکھتے، پھر سمع اللہ لمن حمدہ، کہتے اور کندھوں کے برابر رفع یدین کرتے پھر سیدھے کھڑے ہو کر اللہ اکبر کہتے اور زمین کی طرف جھکتے تو دونوں ہاتھوں کو اپنے پہلوؤں سے جدا رکھتے اس کے بعد سجدہ سے سر اٹھاتے اور بائیں پاؤں کو بچھا کر اس پر بیٹھتے اور سجدہ کے وقت انگلیوں کو کھلا رکھتے، پھر دوسرا سجدہ کرتے، اللہ اکبر، کہہ کر سجدہ سے سر اٹھاتے تو بائیں پاؤں کو بچھا کر اس پر بیٹھتے اس قدر کہ ہر ہڈی اپنے ٹھکانے پر آ جاتی پھر دوسری رکعت میں بھی اسی طرح کرتے پھر جب دو رکعتوں سے فارغ ہو کر کھڑے ہوتے تو اللہ اکبر کہہ

کہ رفع یدین کرتے جس طرح شروع نماز میں کرتے تھے، پھر باقی نماز بھی اسی طرح پڑھتے یہاں تک کہ جب آخری سجدے سے فارغ ہوتے جس کے بعد سلام ہوتا ہے، تو اپنا بایاں پاؤں ایک طرف نکالتے اور بائیں کولہے پر بیٹھتے، یہ طریقہ نماز سن کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا اے ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ تو نے بالکل سچ کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح ہی نماز پڑھتے تھے۔

(ابو داؤد کتاب الصلاۃ باب افتتاح الصلاۃ، رقم الحدیث ۷۳۰، و ابن حبان ص۱۷۷ ج٤ رقم الحدیث ۱۸۷۳)

(۶۶) حدثنا محمد بن بشار و محمد بن المثنیٰ قالا، حدثنا یحییٰ بن سعیدا لقطان حدثنا عبد الحمید بن جعفر حدثنا محمد بن عمرو بن عطاء عن ابی حمید الساعدی قال سمعته وھو فی عشرۃ من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم احدھم ابو قتادۃ بن ربعي یقول انا اعلمکم بصلاۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، قالوا، ما کنت اقدمنا له صحبة و لا اکثرنا له اتیانا، قال، بلی، قالوا، فاعرض، فقال، کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا قام الی الصلاۃ اعتدل قائما و رفع یدیه حتی یحاذی بھما منکبیه فاذا اراد ان یرکع رفع یدیه حتی یحاذی بھما منکبیه ثم قال، اللہ اکبر، ثم قال، سمع اللہ لمن حمده، و رفع یدیه و اعتدل، حتی یرجع کل عظم فی موضعه معتدلا، ثم ھوی الی الارض ساجدا، ثم قال، اللہ اکبر ثم جافی عضدیه عن ابطیه و فتح اصابع رجلیه ثم ثنی رجله الیسری وقعد علیھا ثم اعتدل حتی یرجع کل عظم فی موضعه معتدلا ثم ھوی ساجدا، ثم قال، اللہ اکبرثم ثنی رجله و قعد و اعتدل حتی یرجع کل عظم فی موضعه ثم نھض، ثم صنع فی الرکعة الثانیة مثل ذلک حتی اذا قام من السجدتین کبر و رفع یدیه حتی یحاذی بھما منکبیه، کما صنع حین افتتح الصلاۃ ثم صنع کذلک حتی کانت الرکعة التی تنقضی فیھا صلاته اخر رجله الیسری وقعد علی شقه متورکا، ثم سلم۔

امام محمد بن عمرو بن عطاء فرماتے ہیں کہ میں نے سیدنا ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ سے سنا جبکہ وہ دس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت میں بیٹھے ہوئے تھے ان میں سے ایک سیدنا ابو قتادہ رضی اللہ عنہ بھی تھے سیدنا ابو حمیدی رضی اللہ عنہ نے کہا میں آپ سب سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کو جانتا ہوں، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا آپ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں نہ ہم سے پہلے آئے اور نہ ہی ہم سے زیادہ آپ کی آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس آمد و رفت تھی، سیدنا ابوحمید رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہ بات تو درست ہے، تب صحابہ کرام نے کہا، بیان کرو، سیدنا ابوحمید رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو سیدھے کھڑے ہوتے اور رفع یدین کندھوں کے برابر کرتے جب رکوع کرنے کا ارادہ فرماتے تو تب بھی کندھوں کے برابر رفع یدین کرتے تھے۔ پھر اللہ اکبر کہہ کر رکوع کرتے اور اعتدال کے ساتھ رکوع

کرتے نہ سر کو جھکاتے اور نہ ہی اونچا کرتے اور دونوں ہاتھ گھٹنوں پر رکھتے پھر سمع اللہ لمن حمدہ کہتے اور کندھوں کے برابر رفع یدین کرتے اور اعتدال سے کھڑے ہوتے یہاں تک کہ ہر ہڈی اپنی جگہ پہنچ جاتی پھر سجدہ کے لیے زمین کی طرف جھکتے اور اللہ اکبر کہتے، اور بازوؤں کو بغلوں سے علیحدہ رکھتے اور پاؤں کی انگلیاں نرمی کے ساتھ قبلہ رخ کر دیتے پھر بایاں پاؤں موڑ کر اس پر اعتدال سے بیٹھ جاتے، یہاں تک کہ ہر ہڈی اپنی جگہ پر پہنچ جاتی، پھر سجدہ کے لیے سر جھکاتے اور، اللہ اکبر، کہتے پھر کھڑے ہو جاتے اور ہر رکعت میں اسی طرح کرتے یہاں تک جب دو رکعتوں سے اٹھتے تو تکبیر کہتے اور کندھوں کے برابر رفع یدین کرتے، جیسا کہ شروع نماز میں کیا کرتے، پھر اسی طرح کرتے یہاں تک کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نماز کی آخری رکعت آ جاتی تو بائیں پاؤں کو نکال کر سرین پر بیٹھ جاتے اور پھر سلام پھیر دیتے۔

(ترمذی کتاب الصلاۃ باب ما جاء فی وصف الصلاۃ رقم الحدیث ۳۰۴، مسند احمد ص۴۲۴ ج۵، ابن حبان ص۱۶۹ ج۴ رقم الحدیث ۱۸۶۱،، و ابن خذیمه ص۲۹۷ ج۱ رقم الحدیث ۵۸۷،،)

(۶۷) اخبرنا محمد بن عبد الرحمن بن محمد حدثنا عمرو بن عبد الله الاودی حدثنا ابو اسامة حدثنا عبد الحمید بن جعفر حدثنا محمد بن عمرو بن عطاء قال، سمعت ابا حمید الساعدی یقول کان رسول الله ﷺ اذا قام الی الصلاة استقبل و رفع یدیه حتی یحاذی بهما منکبیه ثم قال الله اکبر و اذا رکع کبر فرفع یدیه حین رکع ثم عدل صلبه و لم یصوب راسه ولم یقنعه ثم قال سمع الله لمن حمده و رفع یدیه حتی یحاذی بهما منکبیه ثم اعتدل حتی رجع کل عظم الی موضعه معتدلا ثم هوی الی الارض فقال الله اکبر و سجدو جافی عضدیه عن جنبیه و استقبل با طراف اصابع رجلیه القبلة ثم رفع راسه وقال الله اکبر و ثنی رجله الیسری وقعد علیها و اعتدل حتی رجع کل عظم الی موضعه معتدلا ثم قال الله اکبر ثم عاد فسجد ثم رفع راسه وقال الله اکبر ثم ثنی رجله الیسری ثم قعد علیها حتی رجع عظم الی موضعه ثم قام فصنع فی الاخری مثل ذلك، حتی اذا قام من الرکعتین کبر وصنع کما صنع فی ابتداء الصلاة حتی اذا کانت السجدة التی تکون خاتمة الصلاة رفع راسه منهما و اخر رجله وقعد متورکا علی رجله صلی الله علیه وسلم۔

سیدنا ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو قبلہ رخ (ہو کر تکبیر کہتے) اور کندھوں کے برابر رفع یدین کرتے تھے، اور جب رکوع کرتے تو تکبیر کہتے اور رکوع کرتے وقت رفع یدین بھی کرتے تھے، پھر رکوع میں اپنی پیٹھ کو سیدھا کرتے سر کو نہ اونچا کرتے اور نہ جھکاتے تھے، پھر سمع اللہ لمن حمدہ کہتے اور کندھوں کے برابر رفع یدین کرتے پھر معتدل ہو

کر کھڑے ہو جاتے کہ ہر ہڈی اپنی جگہ پر آ جاتی، پھر زمین کی طرف جھکتے تکبیر کہتے اور سجدہ کرتے اور سجدہ میں بازوں کو بغلوں سے علیحدہ رکھتے، اور پاؤں کی انگلیوں کو قبلہ رخ کرتے پھر سجدہ سے سر اٹھاتے اور تکبیر کہتے اور بایاں پاؤں موڑ کر اس پر اعتدال سے بیٹھ جاتے یہاں تک کہ ہر ہڈی اپنی جگہ پر پہنچ جائے، پھر اللہ اکبر کہتے اور سجدہ کرتے پھر سر کو سجدہ سے اٹھاتے اور تکبیر کہتے اور بایاں پاؤں موڑ کر اس پر بیٹھ جاتے حتی کہ ہر ہڈی اپنی اپنی جگہ پہنچ جاتی پھر کھڑے ہوتے اور دوسری رکعت میں بھی اسی طرح ہی کرتے یہاں تک کہ جب دو رکعت پڑھ کر کھڑے ہوتے تو تکبیر کہتے اور اسی طرح ہی (رفع یدین) کرتے جیسا کہ شروع نماز میں کرتے تھے، یہاں تک جب وہ سجدہ آ جاتا جو آخیر نماز میں ہوتا ہے جب اس سے سر اقدس اٹھاتے تو بایاں پاؤں نکال کر سرین پر بیٹھ کر تورک کرتے تھے۔

(صحیح ابن حبان رقم الحدیث ۱۸۶۷ ص۱۷۳ ج ٤)

(۶۸) حدثنا هشيم انا عبد الحميد بن جعفر الانصارى عن محمد بن عمرو بن عطاء القرشى قال رايت ابا حميد الساعدى مع عشرة رهط من اصحاب النبى ﷺ فقال ألا أحدثكم عن صلوة النبى ﷺ قالوا هات قال فرايته اذ اكبر عند فاتحة الصلوة رفع يديه و اذا ركع رفع يديه و اذا رفع راسه من الركوع رفع يديه ثم يمكث قائما حتى يقع كل عظم فى موضعه ثم يهبط ساجدا و يكبر۔

امام محمد بن عمرو بن عطاء قرشی فرماتے ہیں کہ میں نے سیدنا ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ کو دس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت کے ساتھ دیکھا، آپ رضی اللہ عنہ نے کہا کیا میں آپ سے نبی مکرم ﷺ کی نماز نہ بیان کرو؟ انہوں نے کہا آیئے (بیان کیجئے) تو آپ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ افتتاح نماز کے وقت جب اللہ اکبر کہتے تو رفع یدین کرتے اور جب رکوع کرتے تب بھی رفع یدین کرتے اور جب رکوع سے سر اقدس اٹھاتے تب بھی رفع یدین کرتے تھے، پھر کھڑے رہتے حتی کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہر ہڈی اپنی اپنی جگہ پہنچ جاتی پھر سجدہ کے لیے جھکتے اور تکبیر کہتے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص۲۳۵ ج۱ کتاب الصلوٰۃ باب من کان یرفع یدیه اذا افتتح الصلوٰۃ)

(۶۹) حدثنا محمد بن بشار حدثنا ابو عامر حدثنا فليح بن سليمان حدثنا عباس ابن سهل الساعدى قال اجتمع ابو حميد و ابو اسيد الساعدى و سهل بن سعد و محمد بن مسلمة فذكروا صلاة رسول الله ﷺ ان رسول الله ﷺ قام فكبرو رفع يديه ثم رفع حين كبر للركوع ثم قام فرفع يديه و استوىٰ حتى رجع كل عظم الى موضعه۔

امام عباس بن سہل فرماتے ہیں کہ سیدنا ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابو اسید ساعدی اور سہل بن سعد اور محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہم جمع ہوئے اور رسول اللہ ﷺ کی نماز کا تذکرہ کیا، سیدنا ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ

نے کہا کہ میں آپ سب سے زیادہ رسول اللہ ﷺ کی نماز کو جانتا ہوں، آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کھڑے ہوئے تکبیر تحریمہ کہی تو رفع یدین کیا، پھر جب رکوع کی تکبیر کہی تو رفع یدین کیا پھر جب رکوع سے کھڑے ہوئے تو تب بھی رفع یدین کیا، اور سیدھے کھڑے رہے حتی کہ ہر ہڈی اپنے ٹھکانے پر آ گئی۔

(ابن ماجه كتاب اقامة الصلوات باب رفع اليدين اذا ركع و اذارفع راسه من الركوع رقم الحديث ۸۶۳،، واللفظ له، و ابن حبان ص۱۷۵ ج٤ رقم الحديث ۱۸۶۸)

(۷۰) حدثنا الحسن بن على الخلال حدثنا سليمان بن داود الهاشمي حدثنا عبد الرحمن بن ابی الزناد عن موسى بن عقبة عن عبد الله بن الفضل عن عبد الرحمن الاعرج عن عبيد الله بن ابی رافع عن علی بن ابی طالب عن رسول الله ﷺ انه كان اذا قام الى الصلاة المكتوبة رفع يديه حذو منكبيه ويصنع ذلك اذا قضى قرأته و اراد ان يركع ويصنع اذا رفع راسه من الركوع ولا يرفع يديه فی شئی من صلاته وهو قاعد فاذا قام من سجدتين رفع يديه كذلك، الحديث۔

سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب فرض نماز کے لیئے کھڑے ہوتے تو کندھوں کے برابر رفع یدین کرتے تھے، جب قرأت سے فارغ ہوتے اور رکوع کرنے کا ارادہ فرماتے تو تب بھی اسی طرح رفع یدین کرتے تھے، اور جب رکوع سے سر اقدس اٹھاتے تو بھی اسی طرح رفع یدین کرتے تھے، اور نماز میں جو حصہ بیٹھ کر ادا فرماتے اس میں رفع یدین نہ کرتے تھے۔ اور جب دو رکعت پڑھ کر (تیسری رکعت کے لیے) کھڑے ہوتے تو اسی طرح رفع یدین کرتے تھے۔

(ترمذی كتاب الدعوات باب منه (ای ما جاء فی الدعا عند افتتاح الصلاة بالليل) رقم الحديث۳٤۲۳،، و ابو داؤد كتاب الصلاة باب ما يستفتح به الصلاة من الدعاء رقم الحديث ۷۶۱،، و باب من ذكر انه يرفع يديه اذاقام من الثنتين رقم الحديث ۷٤٤،، و ابن خذيمه ص۲۹۵ ج۱، رقم الحديث ۵۸٤،، مسند احمد ۹۳ ج۱۔

(۷۱) حدثنا العباس بن عبد العظيم العنبری حدثنا سليمان بن داؤد ابو ايوب الهاشمي حدثنا عبد الرحمن بن ابی الزناد عن موسى بن عقبة عن عبد الله بن الفضل عن عبد الرحمن الاعرج عن عبيد الله بن ابی رافع عن علی بن ابی طالب قال كان النبی ﷺ اذا قام الى الصلاة المكتوبة كبر و رفع يديه حتى يكونا حذو منكبيه و اذا اراد ان يركع فعل مثل ذلك و اذا رفع راسه من الركوع فعل مثل ذلك و اذا قام من السجدتين فعل مثل ذلك۔

سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی مکرم ﷺ جب فرض نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو تکبیر تحریمہ کہتے اور رفع یدین کرتے یہاں تک کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دونوں ہاتھ کندھوں کے برابر ہو جاتے اور جب رکوع کرنے کا ارادہ کرتے اور جب رکوع سے سر اقدس اٹھاتے تو

تب بھی اسی طرح رفع یدین کرتے اور جب دو رکعت پڑھ کر کھڑے ہوتے تو تب بھی رفع یدین اسی طرح کرتے تھے۔

(ابن ماجه کتاب اقامة الصلوٰت باب رفع اليدين اذا ركع و اذا رفع راسه من الركوع رقم الحديث ٨٦٤)

(۷۲) انا ابو طاهر انا ابو بكرنا ابو زهير عبدالمجيد بن ابراهيم المصرى نا شعيب يعنى ابن يحى التجيبى اخبرنا يحى بن ايوب عن ابن جريج عن ابن شهاب عن ابى بكر بن عبد الرحمن بن الحارث انه سمع ابا هريرة يقول كان رسول الله ﷺ اذا افتتح الصلاة كبر، ثم جعل يديه حذو منكبيه و اذا ركع فعل مثل ذلك و اذا سجد فعل مثل ذلك، ولا يفعله حين يرفع راسه من السجود، و اذا قام من الركعتين فعل مثل ذلك۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع کرتے تو تکبیر تحریمہ کہتے پھر اپنے دونوں ہاتھ کندھوں کے برابر اٹھاتے تھے، اور جب رکوع کرتے تو اسی طرح رفع یدین کرتے اور جب سجدہ کرتے تو (رکوع کے بعد) رفع یدین کرتے اور جب دو رکعت پڑھ کر کھڑے ہوتے تو تب بھی رفع یدین کرتے۔

(صحیح ابن خزیمة ص۳۴۴ ج۱ رقم ٦٩٤)

(۷۳) عن ابى هريرة انه قال كان رسول الله ﷺ اذ اكبر للصلاة جعل يديه حذو منكبيه و اذا ركع فعل مثل ذلك و اذا رفع للسجود فعل مثل ذلك و اذا قام من الركعتين فعل مثل ذلك۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز کے لیے تکبیر (تحریمہ) کہتے تو کندھوں کے برابر رفع یدین کرتے او جب رکوع کرتے اور جب (رکوع سے) سجدہ کے لیے سر اٹھاتے تو اسی طرح رفع یدین کرتے اور جب دو رکعت پڑھ کر اٹھتے تو تب بھی رفع یدین کرتے تھے۔

(ابو داؤد کتاب الصلاة باب افتتاح الصلاة رقم الحديث ٧٣٨)

(۷۴) عن ابى موسى الا شعرى قال هل اريكم صلاة رسول الله صلى الله عليه وسلم؟ فكبر و رفع يديه ثم كبر و رفع يديه للركوع ثم قال سمع الله لمن حمده ثم رفع يديه ثم قال هكذا فاصنعوا ولا يرفع بين السجدتين۔

سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں آپ لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز پڑھ کر دکھاؤں پس آپ رضی اللہ عنہ نے اللہ اکبر کہہ کر رفع یدین کیا پھر تکبیر کہی اور رکوع کے لیے رفع یدین کیا پھر (جب رکوع سے اٹھ کر) سمع اللہ لمن حمدہ کہا تو رفع یدین کیا، اور فرمایا کہ اس طرح (نماز میں رفع یدین) کیا کرو اور آپ نے سجدوں میں رفع یدین نہ کیا۔

(سنن دار قطنی ص۲۹۲ ج۱ کتاب الصلاۃ باب نکر التکبیر و رفع الیدین عند الافتتاح والرکوع والرفع منه)

(۷۵) عن عطاء بن ابی رباح قال صلیت خلف عبد الله بن الزبیر فکان یرفع یدیه اذا افتتح الصلوۃ و اذا رکع و اذا رفع راسه من الرکوع فسالته فقال عبد الله بن الزبیر صلیت خلف ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ فکان یرفع یدیه اذا افتتح الصلوٰۃ و اذا رکع و اذا رفع راسه من الرکوع وقال ابو بکر صلیت خلف رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم فکان یرفع یدین اذا افتتح الصلوۃ و اذا رکع و اذا رفع راسه من الرکوع، رواته ثقات۔

امام عطاء بن ابی رباح فرماتے ہیں کہ میں نے سیدنا عبد اللہ بن زبیر کی اقتدا میں نماز پڑھی آپ نماز شروع کرتے وقت رکوع کرنے سے پہلے اور رکوع کے بعد رفع یدین کرتے تھے، میں نے ان سے پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ میں نے سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اقتدا میں نماز پڑھی، وہ نماز شروع کرتے وقت اور رکوع کرتے وقت اور رکوع سے اٹھتے ہوئے رفع یدین کرتے تھے، سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا میں نماز پڑھی ہے، آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نماز شروع کرتے وقت اور رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد رفع یدین کرتے تھے، امام بیہقی فرماتے ہیں اس روایت کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

(السنن الکبریٰ للبیہقی ص۷۳ ج۲ کتاب الصلوٰۃ باب رفع الیدین عند الرکوع و عند رفع الراس منه)

(۷۶) عن ابی الزبیر قال رایت جابر بن عبد الله یرفع یدیه اذ اکبر و اذا رکع و اذا رفع راسه من الرکوع ولم یرفع بین ذلك، فقلت له، ما هذا؟ قال هکذا رایت رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم یصلی۔

امام ابو زبیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کو دیکھا آپ جب تکبیر تحریمہ کہتے اور جب رکوع کرتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو رفع یدین کرتے اور (سجدوں کے) درمیان نہ کرتے امام ابو زبیر فرماتے ہیں میں نے آپ سے کہا کہ یہ کیا ہے، تو سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح نماز پڑھتے دیکھا۔

(مسند السراج ص۶۲ رقم الحدیث ۹۲)

(۷۷) عن انس قال رایت رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم یرفع یدیه اذا افتتح الصلاۃ و اذا رکع و اذا رفع راسه من الرکوع۔

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع کرتے اور جب رکوع کرتے اور جب رکوع سے اٹھتے تو رفع یدین کرتے تھے۔

(مسند ابو یعلی ص۵۰ ج۴ رقم الحدیث ۳۷۸۱)

(۷۸) عن انس بن مالك قال صلیت و راء رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم و ابی بکر و عمر فکلهم

كان يرفع يديه اذا افتتح الصلاة و اذا كبر للركوع و اذا رفع راسه يكبر للسجود ۔

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابو بکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ کی اقتدا میں نماز پڑھی ہے، یہ تمام کے تمام نماز کو شروع کرتے وقت اور جب رکوع کے لیے تکبیر کہتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو رفع یدین کرتے تھے اور سجدہ کے لیے تکبیر کہتے تھے۔

(المعجم الاوسط للطبرانی ص۲۳۹ ج۷ رقم الحديث ٦٤٦٠، وقال هيثمی فيه ابراهيم بن محمد الاسلمی وهو ضعيف، مجمع الزوائد ۲/۱۰۵)

(۷۹) عن ابن عمر كان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا دخل فی الصلاة كبر و رفع يديه حذو منكبيه و اذا ركع واذا رفع راسه من الركوع۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع کرتے تو تکبیر کہتے اور کندھوں کے برابر رفع یدین کرتے اور جب رکوع کرتے اور جب رکوع سے سر اقدس اٹھاتے تب بھی رفع یدین کرتے۔

(التغليق التعليق ص۳۰۵ ج۲)

(۸۰) عن ابن عمر انه كان يرفع يديه حين يفتتح الصلاة و اذا ركع و اذا استوى قائما من ركوعه حذو منكبيه و يقول كان رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم يفعل ذلك۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ جب نماز شروع کرتے اور جب رکوع کرتے اور جب رکوع سے سیدھے کھڑے ہوتے تو کندھوں کے برابر رفع یدین کرتے تھے، اور بیان فرمایا کرتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی یہ (رفع یدین) کرتے تھے۔ (التغليق التعليق ص۳۰٦ ج۲)

(۸۱) نا محمد بن عصمة نا سوار بن عمارة نارديح بن عطيه عن ابی زرعة عن ابی عبد الجبار بن معج قال رايت ابا هريرة فقال لا صلين بكم صلاة رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم لا ازيد فيها ولا انقص، فاقسم بالله و ان كانت لهی صلاته حتی فارق الدنيا قال فقمت عن يمينه لا نظر كيف يصنع فابتدا فكبر و رفع يديه ثم ركع فكبر و رفع يديه ثم سجد كبر ثم سجد و كبر حتی فرغ من صلاته قال اقسم بالله ان كانت لهی صلاته حتی فارق الدنيا۔

ابوعبد الجبار سے روایت ہے کہ انہوں نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو دیکھا انہوں نے کہا کہ البتہ میں آپ کو ضرور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز پڑھاؤں گا، اس میں زیادہ کروں گا نہ کم، پس انہوں نے اللہ کی قسم اٹھا کر کہا کہ آپ کی، یہی نماز تھی حتی کہ آپ اس دنیا سے تشریف لے گئے، راوی نے کہا پس میں آپ کی دائیں جانب کھڑا ہو گیا تا کہ دیکھوں کہ آپ کیا کرتے ہیں، پس انہوں نے نماز کی ابتدا کی، اللہ اکبر کہا اور رفع الیدین کیا پھر (رفع یدین کیا اور) رکوع کیا، پس تکبیر کہی (رکوع کے بعد) اور رفع

الیدین کیا پھر سجدہ کیا پھر تکبیر کہی پھر سجدہ کیا اور اللہ اکبر کہا حتی کہ آپ اپنی نماز سے فارغ ہو گئے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں اللہ کی قسم اٹھا کر کہتا ہوں آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یہی نماز تھی حتی کہ آپ علیہ السلام کی وفات ہوگئی۔

(المعجم لا بن الاعرابی ص۲۲٦ ج۱ رقم الحدیث ۱٤۲)

(۸۲) حدثنا حصین بن وھب الار سوفی ثنا زکریا بن نافع الار سوفی ثنا عباد بن عباد الخواص ثنا ابو زرعة یحی بن ابی عمرو السیانی عن ابی عبد الجبار و اسمه عبد الله بن معج عن ابی هریرة رضی اللہ عنہ قال لا صلین بکم صلاة رسول الله ﷺ ان استطعت لم ازد ولم انقص فکبر فشهر بیدیه فرکع فلم یطل ولم یقصر ثم رفع راسه فشهر بیدیه ثم کبر فسجد۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا میں ضرور آپ کو رسول اللہ ﷺ کی نماز پڑھا کر بتاؤں گا، حتی الوسع اس میں نہ زیادتی کروں گا اور نہ کمی پس انہوں نے اللہ اکبر کہا اور رفع الیدین کیا پس آپ نے رکوع کیا، نہ طویل اور نہ ہلکا، پھر آپ نے اپنا سر اٹھایا (رکوع سے) رفع الیدین کیا، پھر اللہ اکبر کہا پس سجدہ کیا۔

(مسند الشامیین للطبرانی ۳۵ ج۲ رقم الحدیث ۸٦۸)

آثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ

(۱) عن نافع ان ابن عمر رضی اللہ عنہما کان اذا دخل فی الصلاۃ کبر ورفع یدیه و اذا رکع رفع یدیه و اذا قال سمع اللہ لمن حمدہ رفع یدیه و اذا قام من الرکعتین رفع یدیه و رفع ذلك ابن عمر الی النبی صلی اللہ علیه وسلم۔

امام نافع بیان کرتے ہیں سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جب نماز میں داخل ہوتے تو تکبیر کہتے اور رفع یدین کرتے اور جب رکوع کرتے تو رفع یدین کرتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو رفع الیدین کرتے اور جب دو رکعت پڑھ کر اٹھتے تو رفع الیدین کرتے اور اپنے اس عمل کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک مرفوع کرتے تھے۔

(بخاری کتاب الاذان باب رفع الیدین اذا قام من الرکعتین رقم الحدیث ۷۳۹)

(۲) عن محارب بن دثار عن ابن عمرانه کان یرفع یدیه کلما رکع وکلما رفع، فقلت ما هذا؟ فقال کان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم اذا قام فی الرکعتین فکبر رفع یدیه۔

امام محارب بن دثار فرماتے ہیں کہ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جب رکوع کرتے اور جب رکوع سے اٹھتے تو رفع الیدین کرتے، میں نے آپ سے کہا یہ کیا؟ تو آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب دو رکعت پڑھ کر اٹھتے تو تکبیر کہتے اور رفع الیدین کرتے تھے۔

(مسند ابو یعلی ص ۲۶۰ ج۵ رقم الحدیث ٥٦٤٤)

(۳) عبد الرزاق عن ابن جریج قال اخبرنی حسن بن مسلم قال سمعت طاؤسا وهو یسال عن رفع الیدین فی الصلاۃ فقال، رایت عبد اللہ، و عبد اللہ، و عبد اللہ یرفعون ایدیهم فی الصلاۃ، لعبد اللہ بن عمر، و عبد اللہ بن عباس و عبد اللہ بن الزبیر۔

امام حسن بن مسلم فرماتے ہیں کہ میں نے خود سنا امام طاوس رحمہ اللہ سے نماز کے اندر رفع الیدین کے متعلق سوال کیا گیا، تو آپ نے فرمایا میں نے سیدنا عبد اللہ بن عمر سیدنا عبد اللہ بن عباس اور سیدنا عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم کو نماز کے اندر رفع یدین کرتے دیکھا ہے۔

(مصنف عبد الرزاق ص۶۹ ج۲ رقم الحدیث ۲٥۲٥)

(۴) عن ابو الزبیر ان رایه ابن عمر و عبد اللہ بن الزبیر یرفعان ایدیهما اذ اکبر فی الصلاۃ و اذا رفعا رؤ وسهما من الرکوع۔

امام ابو زبیر فرماتے ہیں کہ انہوں نے سیدنا عبد اللہ بن عمر اور سیدنا عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم کو دیکھا کہ وہ

جب نماز میں (رکوع کے لیے) تکبیر کہتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو رفع یدین کرتے تھے۔

(مسائل الامام احمد بن حنبل روایة ابنه عبد الله ص۲٤٤ ج۱)

(۵) عن نافع ان ابن عمر رضی اللہ عنہما كان اذا راى رجلا لا يرفع يديه اذا ركع و اذا رفع رماه بالحصى۔

امام نافع بیان کرتے ہیں کہ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جب کسی کو دیکھتے کہ وہ رکوع کرتے اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین نہیں کرتا تو اسے کنکریاں مارتے۔

(جزء رفع اليدين مترجم ص۲٤ وفی نسخة الاخرىٰ ص ٤٤)

سیدنا مالک بن الحویرث رضی اللہ عنہ

عن ابى قلابة انه رأى مالك بن الحويرث اذا صلى كبر و رفع يديه و اذا اراد ان يركع رفع يديه و اذا رفع راسه من الركوع رفع يديه، الحديث۔

امام ابو قلابہ تابعی فرماتے ہیں کہ میں نے سیدنا مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ کو دیکھا جب بھی نماز پڑھتے تکبیر تحریمہ کہتے اور رفع یدین کرتے اور جب بھی رکوع کرنے کا ارادہ فرماتے تو رفع یدین کرتے اور جب بھی رکوع سے سر اٹھاتے تو رفع یدین کرتے

(صحيح بخاری کتاب الاذان باب رفع اليدين اذ اكبر و اذا ركع و اذا رفع، رقم الحديث ۷۳۷ صحيح مسلم كتاب الصلاة باب استحباب رفع اليدين ... رقم الحديث ۸٦٤)

سیدنا ابو موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ

عن حطان بن عبد الله بن ابى موسى الاشعرى قال، هل اريكم صلاة رسول الله صلى الله عليه وسلم؟ فكبر و رفع يديه، ثم كبر و رفع يديه للركوع ثم قال سمع الله لمن حمده ثم رفع يديه ثم قال، هكذا فاصنعوا ولا يرفع بين السجدتين۔

امام حطان بن عبد اللہ فرماتے ہیں کہ سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والی نماز پڑھ کر دکھاؤں؟ پس آپ نے اللہ اکبر کہہ کر رفع یدین کیا پھر (رکوع کے وقت) پر اللہ اکبر کہہ کر رفع الیدین کیا پھر سمع اللہ لمن حمدہ کہہ کر رفع یدین کیا اور فرمایا کہ اسی طرح کرو، اور سجدوں میں رفع یدین نہ کیا۔

(سنن دارقطنی ص۲۹۲ ج۱ كتاب الصلوات باب ذكر التكبير و رفع اليدين (رقم الحديث ۱٦)

سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ

قال عبد الله بن الزبير صليت خلف ابى بكر الصديق رضی اللہ عنہ فكان يرفع يديه اذا افتتح

الصلوۃ و اذا رکع و اذا رفع راسه من الرکوع۔

سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اقتدا میں نماز پڑھی آپ نماز شروع کرتے وقت اور رکوع کرتے وقت اور رکوع سے اٹھتے ہوئے رفع الیدین کرتے تھے۔

(السنن الکبریٰ للبیہقی ص۷۳ ج۲ و قال رواته ثقات)

سیدنا عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما

عن عطاء بن ابی رباح قال صلیت خلف عبدالله بن الزبیر فکان یرفع یدیه اذا افتتح الصلو واذ ارکع واذا رفع راسه من الرکوع۔

امام عطاء بن ابی رباح فرماتے ہیں کہ میں نے سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے پیچھے نماز پڑھی ہے، آپ نماز شروع کرتے وقت رکوع سے پہلے اور رکوع سے سر اٹھاتے ہوئے رفع الیدین کیا کرتے تھے۔

(السنن الکبریٰ للبیہقی ص ۷۳ ج۲ وقال رواته ثقات)

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما

عن ابی حمزة قال رایت ابن عباس یرفع یدیه اذا افتتح الصلوۃ و اذا رکع واذا رفع راسه من الرکوع۔

ابوحمزہ فرماتے ہیں کہ میں نے سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو دیکھا کہ آپ جب نماز شروع کرتے اور جب رکوع کرتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو رفع الیدین کرتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبه ص۲۳۵ ج۱، وجزو رفع الیدین ص۲۷)

سیدنا ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ

عن عطاء قال رایت ابا سعید الخدری و ابن عمر و ابن عباس و ابن الزبیر یرفعون ایدیهم نحوا حدیث الزهری۔

امام عطاء فرماتے ہیں کہ سیدنا ابوسعید خدری سیدنا ابن عباس سیدنا ابن زبیر اور سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہم کو میں نے دیکھا ہے یہ تمام امام زہری (سے مروی) حدیث کے مطابق رفع الیدین کرتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبه ص۲۳۵ ج۱)

نوٹ: امام زہری کی حدیث ابتدا میں گزر چکی ہے، وہاں سے ایک نظر دیکھ لی جائے۔

تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا رفع الیدین کرنا

اخبرنا محمد بن عبد الله حدثني محمد بن صالح حدثنا يعقوب بن يوسف الاخرم حدثنا الحسن بن عيسى انبانا ابن المبارك انبانا عبد الملك بن ابى سليمان عن سعيد بن جبير انه سئل عن رفع اليدين فى الصلوٰة فقال هو شئى يزين به الرجل صلوته وكان اصحاب رسول الله ﷺ يرفعون فى الافتتاح و عند الركوع و اذارفعوا رؤوسهم۔

امام سعید بن جبیر تابعی رحمہ اللہ سے رفع الیدین کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ ایک ایسی چیز ہے جس کے ساتھ نماز کی زینت ہوجاتی ہے، اور رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین شروع نماز میں رکوع کے وقت اور رکوع سے سر اٹھانے کے بعد رفع الیدین کرتے تھے۔

(السنن الكبرىٰ للبيهقى ص۷۵ ج۲)

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ

(۱) عن عاصم الاحول قال رايت انس بن مالك رضی اللہ عنہ اذا افتتح الصلوٰة كبر ورفع يديه ويرفع كلما ركع ورفع راسه من الركوع۔

امام عاصم احول فرماتے ہیں کہ میں نے سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو دیکھا جب نماز شروع کرتے تو تکبیر کہتے اور رفع الیدین کرتے اور جب بھی رکوع کرتے اور رکوع سے سر اٹھاتے تو رفع الیدین کرتے تھے۔ (جزو الرفع اليدين للبخارى ص۲۷)

(۲) عن حميد عن انس انه كان يرفع يديه اذا دخل فى الصلوٰة و اذا ركع و اذا رفع راسه من الركوع۔

حمید سے روایت ہے کہ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ جب نماز شروع کرتے اور جب رکوع کرتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو رفع الیدین کرتے تھے۔

(مصنف ابن ابى شيبه ص۲۳۵ ج۱ كتاب الصلوات باب من كان يرفع يديه اذا افتتح الصلوة)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ

عن عطاء قال صليت مع ابى هريرة رضی اللہ عنہ فكان يرفع يديه اذ اكبر و اذا رفع۔

امام عطاء فرماتے ہیں کہ میں نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ نماز پڑھی ہے، آپ (رکوع کے لیے) تکبیر کہتے وقت اور (رکوع سے) اٹھتے وقت رفع الیدین کیا کرتے تھے۔

(جزء [illegible] اليدين ص[illegible])

سیدنا عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ

ان ابا المصعب مشرع بن هاعان المعافری حدثه انه سمع عقبة بن عامر الجهنی یقول انه یکتب فی کل اشارة یشیرها الرجل بیده فی الصلوة بکل اصبع حسنة او درجة۔

سیدنا عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو شخص نماز میں ہاتھ سے اشارہ کرتا ہے، اسے ہر (مسنون) اشارہ کے بدلے ایک انگلی پر ایک نیکی یا درجہ ملتا ہے

(المعجم الکبیر للطبرانی ص۲۹۷ ج۱۷ رقم الحدیث ۸۱۹)

یہ حدیث سند کے لحاظ سے قوی ہے، ہمارے فاضل دوست الشیخ حافظ زبیر علی زئی حفظہ اللہ محدث حضرو نے نہایت محققانہ بحث کی ہے، باذوق حضرات مراجعت کریں، (نور العینین ص۱۷۶) علامہ ہیثمی نے، (مجمع الزوائد ص۱۰۳ ج۲ و فی نسخۃ الاخری ص۱۰۶ ج۲،) میں اس کی سند کو حسن قرار دیا ہے، اور یہ روایت حکما مرفوع ہے، کیونکہ اس میں قیاس و رائے کو دخل نہیں، اور بعض روایات میں مرفوع بھی مروی ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھئے

(سلسله الاحادیث الصحیحة ص۸٤۸ المجلد السابع القسم الثانی رقم الحدیث ۳۲۸٦)

واضح رہے کہ یہ روایت مسئلہ رفع الیدین کے متعلق ہی ہے، جیسا کہ علامہ ہیثمی نے اسے رفع الیدین کے باب میں ذکر کیا ہے اور امام اسحاق بن راہویہ رحمہ اللہ نے بھی اس کا یہی مفہوم سیدنا عقبہ رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے۔

(معرفة السنن والاثار ص ۵٦۲ ج۱ رقم الحدیث ۷۹۲)

آثار تابعین عظام

امام ابو قلابہ تابعی

عن خالد ان ابا قلابة کان یرفع یدیه اذا رکع و اذا رفع راسه من الرکوع

امام ابو قلابہ تابعی رکوع کرتے وقت اور رکوع سے سر اٹھاتے ہوئے رفع یدین کرتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبه ص۲۳۵ ج۱)

امام محمد بن سیرین تابعی

عن ابن عون قال کان محمد یرفع یدیه اذا دخل فی الصلوٰة و اذا رکع و اذا رفع راسه

من الرکوع۔
امام محمد بن سیرین تابعی نماز شروع کرتے ہوئے اور رکوع کرتے وقت اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تھے رفع یدین کرتے تھے۔
(مصنف ابن ابی شیبہ ص۲۳۵ ج۱)

امام وھب بن منبہ تابعی

عن داود بن ابراھیم قال رأیت وھب بن منبه اذا کبر فی الصلاۃ رفع یدیه حتی تکونا حذو اذنیه و اذا رکع و اذا رفع راسه من الرکوع۔
داؤد بن ابراہیم (ثقہ راوی الجرح والتعدیل ۴۰۶/۳) کہتے ہیں کہ میں نے امام وہب بن منبہ کو دیکھا کہ وہ جب نماز میں تکبیر (تحریمہ) کہتے تو کانوں کے برابر رفع یدین کرتے اور جب رکوع کرتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو رفع یدین کرتے تھے۔
(مصنف عبد الرزاق ص۶۹ ج۲ رقم الحدیث ۲۵۲۴)

قال رایت وھب بن منبه یرفع یدیه فی الصلاۃ اذ اکبر و اذا رکع رفع یدیه و اذا رفع راسه من الرکوع رفع یدیه ولا یفعل ذلك فی السجود۔
(داود بن ابراہیم) کہتے ہیں کہ میں نے وہب بن منبہ کو دیکھا جب وہ تکبیر (تحریمہ) کہتے تو رفع یدین کرتے اور جب رکوع کرتے اور جب رکوع سے اٹھتے تو تب بھی رفع یدین کرتے اور سجدوں میں رفع یدین نہ کرتے تھے۔ (التمھید لمافی الموطا من المعانی والاسانید ص۲۲۸ ج۹)

امام سالم بن عبد اللہ امام قاسم بن محمد امام عطاء امام مکحول

عن عکرمة بن عمار قال رایت سالم بن عبد الله و القاسم بن محمد و عطاء و مکحول یرفعون ایدیھم فی الصلوٰۃ اذا رکعوا و اذا رفعوا۔
عکرمہ بن عمار فرماتے ہیں کہ میں نے امام سالم بن عبد اللہ امام قاسم بن محمد امام عطاء امام مکحول کو دیکھا وہ نماز میں رکوع کرتے اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین کرتے تھے۔
(جزء رفع الیدین ص۴۹ واللفظ له والتمھید ص۲۱۸ ج۹)

نعمان بن ابی عیاش

عن عبد الله بن عجلان قال سمعت النعمان بن ابی عیاش یقول لکل شیئی زینة وزینة

الصلوٰۃ ان ترفع یدیك اذا کبرت و اذا رکعت و اذا رفعت راسك من الرکوع۔

ابن عجلان کہتے ہیں کہ میں نے امام نعمان بن ابی عیاش سے سنا کہ آپ کہہ رہے تھے کہ ہر چیز کی ایک زینت ہے اور نماز کی زینت یہ ہے کہ تکبیر (تحریمہ) اور رکوع کرتے اور رکوع سے اٹھتے ہوئے تو رفع یدین کرے۔ (جزء رفع الیدین ص٤٨)

امام طاؤس

عن الحکم قال رایت طاؤسا کبر فرفع یدیه حذو منکبیه عند التکبیر و عند رکوعه و عند رفع راسه۔

حکم فرماتے ہیں کہ میں نے امام طاؤس کو دیکھا کہ انہوں نے تکبیر تحریمہ کے ساتھ ہی اور رکوع کے وقت اور رکوع سے سر اٹھاتے ہوئے کندھوں کے برابر رفع یدین کیا۔

(السنن الکبریٰ للبیهقی ص٧٤ ج٢)

خلیفہ راشد عمر بن عبد العزیز

حدثنا محمد بن یوسف ثنا عبد الاعلیٰ بن مسهر ثنا عبد الله بن العلاء بن زبر ثنا عمرو بن مهاجر قال کان عبد الله بن عامر یسالنی ان استأذن له علی عمر بن عبد العزیز فا ستاذنت له علیه فقال الذی جلد اخاه فی ان یرفع یدیه ان کنا لنؤدب علیه و نحن غلمان بالمدینةفلم یاذن له۔

عمرو بن مہاجر نے کہا کہ عبد اللہ بن عامر مجھے کہتے کہ میں انہیں عمر بن عبد العزیز کے پاس لے جاؤں میں نے عمر بن عبد العزیز سے جب اس کا ذکر کیا تو انہوں نے فرمایا یہ عبد اللہ بن عامر وہی ہے جس نے اپنے بھائی کو رفع الیدین کرنے پر مارا تھا، ہمیں تو رفع الیدین سکھایا جاتا تھا جبکہ ہم مدینہ میں بچے تھے، پس عمر بن عبد العزیز نے اسے اپنے پاس آنے کی اجازت نہ دی۔

(جزء رفع الیدین قلمی نسخه ص٦ بحواله نور العینین ص١٦٨ و مطبوع ص٢٦ وفی نسخة الاخریٰ ص ٤٧)

سعید بن جبیر

عن عبد الملك بن ابی سلیمان عن سعید بن جبیرانه سئل عن رفع الیدین فی الصلوٰۃ فقال هوشئی یزین به الرجل صلوته وکان اصحاب رسول الله ﷺ یرفعون فی الافتتاح و عند الرکوع اذا رفعوا رؤوسهم۔

امام سعید بن جبیر سے رفع الیدین کے متعلق سوال ہوا تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ ایسی چیز ہے جس کے ساتھ انسان اپنی نماز کو زینت دیتا ہے، اور رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شروع نماز میں رکوع کے وقت اور رکوع سے سر اٹھانے کے بعد رفع الیدین کرتے تھے۔

(السنن الکبریٰ للبیہقی ص ۷۵ ج ۲)

مذکورہ احادیث و آثار کا خلاصہ

جس رفع الیدین کے رد میں انوار صاحب نے اپنی کتاب میں مستقل باب تحریر کیا ہے اسے حسب ذیل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی مکرم ﷺ سے روایت کیا ہے۔

(۱) سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، حدیث نمبر ۱ تا ۲۸، ۷۹، ۸۰۔

(۲) سیدنا مالک بن الحویرث رضی اللہ عنہ، حدیث نمبر ۲۹ تا ۴۸۔

(۳) سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ عنہ، حدیث نمبر ۴۹ تا ۶۴۔

(۴) سیدنا ابو قتادہ رضی اللہ عنہ، بتصدیقہ، حدیث نمبر ۶۵، ۶۶۔

(۵) سیدنا ابو حمیدی الساعدی رضی اللہ عنہ، حدیث نمبر ۶۵ تا ۶۹۔

(۶) سیدنا ابو اسید الساعدی رضی اللہ عنہ، بتصدیقہ حدیث نمبر ۶۹۔

(۷) سیدنا محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ، بتصدیقہ حدیث نمبر ۶۹۔

(۸) سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، حدیث نمبر ۷۰٬۷۱۔

(۹) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، حدیث نمبر ۷۲٬۷۳۔

(۱۰) سیدنا ابو موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ، حدیث نمبر ۷۴۔

(۱۱) سیدنا عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما، حدیث نمبر ۷۵۔

(۱۲) سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، حدیث نمبر ۷۵۔

(۱۳) سیدنا سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ، حدیث نمبر ۶۹۔

(۱۴) سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما، حدیث نمبر ۷۶۔

(۱۵) سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ، حدیث نمب ۷۷٬۷۸۔

(۱۶ تا ۱۹) چند نا معلوم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو ابو حمید رضی اللہ عنہ کی مجلس میں موجود تھے۔

اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ رفع الیدین کی احادیث متواتر ہیں، حسب ذیل آئمہ کرام نے رفع الیدین کی احادیث کو متواتر قرار دیا ہے۔

(۱) الکتانی، (۲) ابن الجوزی) (۳) ابن حجر (۴) زکریا الانصاری (۵) محمد مرتضیٰ زبیدی (۶)

ابن حزم (۷) سیوطی (۸) العراقی (۹) السخاوی (۱۰) موفق الدین ابن قدامہ (۱۱) الشمس الدین بن قدامہ (۱۲) ابن تیمیہ (۱۳) عبد العزیز الفرہادی۔

علی الترتیب دیکھئے: ''نظم المتناثر من الحدیث المتواتر ص۹۶'۹۷، فتح الباری ص۲۰۳ ج۱، لقط اللالی المتناثرہ فی الاحادیث المتواترہ ص۲۰۷، حاشیہ لقط اللالی ص۲۰۵ جلاء العینین ص۱۳'۲۵، القواعد النورانیہ ص۴۸ کوثر النبی ص۱۰ الشیخ زبیر علی زئی حفظ اللہ محدث حضرو فرماتے ہیں۔ امام اصطخری، سیوطی، اشرف علی تھانوی دیوبندی اور محمد یوسف لدھیانوی دیوبندی وغیرہم کے نزدیک ہر وہ حدیث متواتر ہے جسے کم از کم دس راوی بیان کریں دیکھئے تدریب الراوی، قطف الازہار المتناثرہ، بوادر النوادر ص۱۳۶ تحفہ قادیانیت ص۱۷۔

لہذا رفع الیدین کا اثبات قطعی الثبوت ہے، اس میں ذرہ برابر بھی شک نہیں ہے۔

(نور العینین ص۱۱۳)

مذکورہ آحادیث وآثار کا نتیجہ

گذشتہ پوری بحث کا خلاصہ یہ نکلا کہ

(۱) رفع الیدین کی احادیث متواتر ہیں۔

(۲) نبی مکرم ﷺ رفع الیدین کرتے تھے۔

(۳) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رفع الیدین کرتے تھے۔

(۴) تابعین رفع الیدین کرتے تھے۔

مکہ مکرمہ

میں امام عطاء بن ابی رباح جلیل القدر تابعی رفع الیدین کرتے تھے۔ جو سیدہ عائشہ سیدہ ام سلمہ سیدہ ام ہانی رضی اللہ عنہن اور سیدنا ابو ہریرہ سیدنا ابن عباس سیدنا حکیم بن حزام سیدنا رافع بن خدیج سیدنا زید بن ارقم سیدنا زید بن خالد جہنی سیدنا صفوان بن امیہ سیدنا عبد اللہ بن زبیر سیدنا عبد اللہ بن عمرو سیدنا ابن عمر سیدنا معاویہ سیدنا ابو سعید اور سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہم کے شاگرد اور تربیت یافتہ تھے، ان کا بیان ہے میں نے دو سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو پایا (دیکھا) ہے (سیر اعلام النبلاء ص۵۵۴ ج۵) یہ مکہ مکرمہ کے مفتی تھے۔ ذہبی نے سیر میں انہیں، الامام شیخ الاسلام مفتی الحرم، کے لقب سے ملقب کیا ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے جنہیں دیکھا ہے ان میں سے عطاء بن ابی رباح سے بڑھ کر کسی کو افضل نہیں دیکھا۔

(میزان الاعتدال ص۳۸۰ ج۱)

خلفائے بنی امیہ کی طرف سے حکم تھا کہ مکہ مکرمہ میں عطاء کے علاوہ کوئی فتویٰ نہ دے۔
(تهذيب الكمال ص١٦٨ ج٥)

مدینہ طیبہ

میں امام سالم بن عبد اللہ رفع الیدین کرتے تھے، کون سالم؟ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا پوتا، عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا بیٹا، ام المومنین سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کا بھتیجا، مدینہ منورہ کے فقہاء سبعہ میں سے ایک یہی امام سالم تھے۔

علامہ ذہبی ان کے متعلق تحریر کرتے ہیں، الامام الزاهد، الحافظ، مفتي المدينة (سیر ص۴۵۷ ج۵) امام عبد اللہ بن مبارک فرماتے ہیں کہ اہل مدینہ کے فقہاء میں سے ہیں، قاضی ان سات فقہاء کے فتاویٰ سے قبل فیصلہ نہ کرتا تھا، امام احمد اور اسحاق رحمۃ اللہ علیہم فرماتے ہیں سب سے زیادہ صحیح سند زهری عن سالم عن ابیه ہے (ایضاً ص۴۵۸) اسی مدینہ میں امام قاسم بھی رفع الیدین کرتے تھے، کون قاسم؟ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پوتے، سیدنا ابن عباس ابن عمر، ابو ہریرہ، رافع بن خدیج، عبد اللہ بن خباب، عبد اللہ بن عمرو، رضی اللہ عنہم جیسے جلیل القدر صحابہ کرام کے شاگرد، ذہبی ان کے متعلق فرماتے ہیں، الامام القدوة الحافظ الحجة عالم وقته بالمدينة مع سالم و عكرمة (سیر ص۵۴۴ ج۵) امام یحییٰ بن سعید فرماتے ہیں کہ میں نے کسی کو مدینہ میں نہیں دیکھا جو قاسم پر کسی کو فضیلت دیتا ہو، امام ابو زناد کہتے ہیں کہ میں نے ان سے بڑھ کر کسی کو سنت کا عالم نہیں دیکھا، امام مالک فرماتے ہیں اس امت کے فقہاء سے ایک قاسم بھی ہیں۔ (تهذيب الكمال ص٨٢ ج٦ و سير ص٥٣٦)

مدینہ منورہ کے فقہاء سبعہ میں ان کا شمار ہوتا ہے۔

پھر سیدنا عمر بن عبد العزیز سے کون ہے جو ناواقف ہے، علم و فضل زہد و تقوی میں اپنی مثال آپ تھے۔ امیر المؤمنین ہونے کا شرف حاصل ہے، ذہبی نے انہیں الامام الحافظ العلامة المجتهد الزاهد العابد امير المومنين القرشي الاموى المدني ثم المصرى، کے عالی شان القاب سے یاد کیا ہے، (سير اعلام النبلاء ص ٥٧٦ ج٥)

امام مزی فرماتے ہیں کہ المدني ثم الدمشقي امير المؤمنين الامام العادل۔
(تهذيب الكمال ص٣٦٨ ج٥)

امت مرحومہ نے انہیں خلیفہ راشد کا خطاب دیا ہے، سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اس نوجوان سے زیادہ کسی کی نماز کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز سے مشابہ نہیں دیکھا (سیر) انہوں نے منکر رفع الیدین سے ملاقات کرنے سے انکار کر دیا تھا، پھر اسی مدینہ طیبہ میں سیدنا زید بن صامت

انصاری رضی اللہ عنہ کے بیٹے امام نعمان بن ابی عیاش رفع الیدین کرتے تھے، جن کے حق میں امام ابو بکر بن منجویہ نے کہا ہے، کان سخیا کبیرا من افاضل ابناء اصحاب رسول الله علیہ وسلم یعنی صحابہ رسول اللہ علیہ وسلم کی اولاد میں سے فاضل اور بہت بڑے سخی تھے۔ (تهذيب الكمال ص۳۴۸ ج۷)

سیدنا جابر بن عبد اللہ سیدنا عبداللہ بن عمر سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہم جیسے جلیل القدر صحابہ کرام کے شاگرد ہیں۔

کوفہ: میں امام سعید بن جبیر رفع الیدین کرتے تھے، جو سیدنا انس بن مالک، سیدنا ضحاک بن قیس، سیدنا عبد اللہ بن زبیر، سیدنا ابن عباس، سیدنا ابن عمر، سیدنا عبد اللہ بن مغفل سیدنا عدی بن حاتم سیدنا ابو سعید خدری سیدنا ابو مسعود انصاری سیدنا ابو موسی اشعری سیدنا ابو ہریرہ، اور ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہم کے شاگرد ہیں، جعفر بن ابی مغیرہ راوی ہیں کہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اہل کوفہ میں سے کوئی ایک مسئلہ پوچھتا تو آپ اسے کہتے کیا آپ کے ہاں ابن ام الدہماء (سعید بن جبیر) نہیں ہیں۔

(سير اعلام النبلاء ص۲۹۰ ج۵) و تذكرة الحفاظ ص۷۶ ج۱ و حلية الاولياء ص۳۰۳ ج۴).

یہاں اس بات کا ذکر کرنا بھی ہم مناسب خیال کرتے ہیں کہ انوار صاحب نے سنن ترمذی کی ایک عبارت سے ترک رفع الیدین پر اہل کوفہ کے اجماع کا دعویٰ کیا ہے، جو قطعی طور پر غلط ہے، اہل کوفہ کا وہ اجماع ہی کیا ہے، جس میں سعید بن جبیر جیسا محدث وفقیہ شامل نہیں خود امام ترمذی نے باب رفع الیدین عند الرکوع کے تحت امام سعید بن جبیر کا مذہب رفع الیدین کرنے کا بیان کیا ہے، اور امام ترمذی علم رجال سے اتنے لاعلم نہیں انہیں یہ خبر ہی نہ ہو کہ سعید بن جبیر کوفے کا رہنے والا ہے، لہٰذا انوار صاحب نے امام ترمذی کی عبارت کا جو مفہوم سمجھا ہے اور قارئین کو سمجھانے کی کوشش کی ہے وہ قطعی طور پر غلط ہے، اور غالباً انوار صاحب اتنا تو جانتے ہیں کہ کسی ایک فرد کے اختلاف کرنے سے بھی اجماع منعقد نہیں ہوتا، الغرض انوار صاحب کا ترک رفع یدین پر اہل کوفہ کے اجماع کا دعویٰ قطعی طور پر غلط و باطل اور مردود ہے۔

شام میں امام مکحول رفع الیدین کرتے تھے، سیدنا محمود بن ربیع سیدنا انس کے شاگرد ہیں، امام زہری کہتے ہیں عالم دین چار ہیں، مدینہ میں سعید بن مسیّب کوفہ میں عامر شعبی بصرہ میں حسن اور شام میں مکحول۔ (تهذيب الكمال ص۲۱۸ ج۷)

یمن میں امام طاؤس رفع الیدین کرتے تھے، سیدنا جابر بن عبد اللہ، سیدنا زید بن ارقم، سیدنا سراقہ بن مالک، سیدنا صفوان بن امیہ، سیدنا عبد اللہ بن زبیر، سیدنا ابن عباس، سیدنا ابن عمر، سیدنا عبد اللہ بن شداد، سیدنا عبد اللہ بن عمرو، سیدنا ابو ہریرہ اور ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہم کے شاگرد ہیں، زہد وتقوی اور حفظ وضبط میں کمال تھا، بالاتفاق ثقہ راوی ہیں۔ اور یمن کے دوسرے محدث ہمام بن منبہ

کے بھائی وہب بھی رفع الیدین کرتے تھے، ابوسعید نعمان بن بشیر، جابر، ابن عمر، عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہم جیسے جلیل القدر صحابہ کے شاگرد ہیں۔ بخاری میں ان کی روایت ہے۔

عراق کے شہر بصرہ میں امام محمد بن سیرین تابعی رہائش پذیر تھے، جلیل القدر تابعی ہیں سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے خادم تھے، سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سیدنا عمران بن حصین، سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، سیدنا عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ کے شاگرد تھے، اور امام عمران بن حصین امام یونس بن عبید امام ابن عون اور خالد الحذا جیسے جلیل القدر محدثین وفقہاء کے استاد ہیں۔ پھر اسی شہر کے رہنے والے امام ابو قلابہ بھی رفع الیدین کرتے تھے، سیدنا انس بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ ثابت بن ضحاک، حذیفہ بن یمان، مالک بن حویرث رضی اللہ عنہما کے شاگرد ہیں، اور جلیل القدر آئمہ مثلاً ایوب سختانی، ثابت بنائی، حسان بن عطیہ، حمید الطّویل، خالد الحذا، سلیمان بن داؤد، عاصم احول، عمرو بن میمون کے استاد ہیں۔

یہ تمام لوگ اپنے دور کے جید اور نامور آئمہ دین تھے، جو علم وفضل اور زہد وتقویٰ میں اپنی مثال آپ تھے، ہماری اس پوری بحث سے یہ بات کھل کر سامنے آ جاتی ہے کہ خیر القرون کے سنہری دور میں رفع الیدین پر آئمہ ومحدثین کا عمل تھا۔

لہذا مقلد انوار صاحب کا یہ دعویٰ کہ ابتداء اسلام میں تکبیر تحریمہ کے علاوہ بھی رفع یدین ہوا ہے، لیکن بعد میں یہ رفع یدین باقی نہیں رہا، (حدیث اور اہل حدیث ص۴۲۲) قطعی طور پر باطل ومردود قرار پاتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وفات تک رفع الیدین کرتے رہے

قارئین کرام آپ مرفوع احادیث میں حدیث نمبر۲، ۴۳، ۷ میں حدیث پڑھ آئے ہیں کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رکوع کرتے اور رکوع سے سر اٹھاتے ہوئے رفع الیدین کرتے تھے، یہ روایت دراصل امام زہری کی اس حدیث کا تتمہ اور اختصار ہے، جسے نسائی نے، **معمر عن الزھری، عن ابی بکر بن عبد الرحمن و ابی سلمه عن ابی ھریرہ**، روایت کیا ہے، اور اس میں تکبیرات انتقال کا ذکر ہے، اور سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ علیہ السلام یہی نماز پڑھتے رہے حتی کہ اس دنیا سے تشریف لے گئے۔ (سنن نسائی رقم الحدیث ۱۱۵۷)

اس حدیث کی متعدد دیگر بھی اسناد ہیں اور بخاری میں مختصر ومطول مروی ہے، اس سے ثابت ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رکوع کرتے اور بعد از رکوع رفع الیدین کرتے رہے حتی کہ اس دنیا سے تشریف لے گئے، ممکن ہے انوار صاحب یہ کہہ دیں کہ یہ دو علیحدہ احادیث ہیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ امام زہری

تک یہ روایت ایک ہی ہے۔ آگے امام زہری کے شاگردوں میں اختلاف ہے، کوئی ایک ٹکڑا روایت کرتا ہے اور کوئی دوسرا اور کوئی دونوں کو جمع کر دیتا ہے، انوار صاحب کے محدث کبیر جناب علامہ کاشمیری فرماتے ہیں۔

جان لو کہ احادیث کو ٹکڑوں کی صورت میں جمع کیا گیا ہے، پس ایک ٹکڑا ایک راوی کے پاس ہوتا ہے جبکہ دوسرا دوسرے راوی کے پاس، لہذا احادیث کی تمام اسناد اور متون کے حاصل مجموعہ پر عمل کیا جائے، اور ہر ٹکڑے کو مستقل حدیث نہ بنایا جائے (فیض الباری ص ٤٥٥ ج ٣)

مولوی احمد رضا خاں بریلوی لکھتا ہے۔

صدہا مثالیں اس کی پائے گا کہ ایک ہی حدیث کو رواۃ بالمعنی کس کس متنوع طور سے روایت کرتے ہیں کوئی پوری کوئی ایک ٹکڑا کوئی دوسرا ٹکڑا کوئی کسی طرح کوئی کسی طرح جمع طرق سے پوری بات کا پتا چلتا ہے۔ (عاجز البحرین مندرجہ فتاویٰ رضویہ ص ٣٠١ ج ٥ طبع جدید)

اسی طرح یہی حدیث امام زہری کے پاس مکمل شکل میں تھی، ابن جریج نے ایک رفع الیدین کا بیان کر دیا، معمر نے تکبیرات کا بیان کر دیا۔ الغرض راویوں کی یہ عادت ہے کہ کبھی روایت میں اختصار کرتے ہیں اور کبھی طویل بیان کر دیتے ہیں، مثلاً یہی روایت بخاری ص ١١٠ ج ١ میں شعیب عن الزہری کی سند سے مروی ہے، اور اس میں۔

انی لا قربکم شبها بصلوة رسول الله ﷺ ان کانت هذه لصلاته حتی فارق الدنیا۔

(باب یهوی بالتکبیر حین یسجد رقم الحدیث ٨٠٣)

کے الفاظ ہیں جبکہ صفحہ ١٠٨ جلد اول میں عقیل عن الزہری کی سند سے ہے، جس میں مذکورہ الفاظ نہیں، (باب التکبیر اذا قام من السجود، رقم الحدیث ٧٨٨) جبکہ چند سطور پر یہی روایت مالک عن ابن شہاب کی سند کے ساتھ انتہائی مختصراً مروی ہے (رقم الحدیث ٧٨٥) ان اسانید اور متون کو علیحدہ احادیث قرار دینا صحیح نہیں، الغرض ابن خزیمہ اور نسائی وغیرہ کی روایت ایک ہی ہے۔

پھر سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رفع الیدین کرتے تھے، جیسا کہ آثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں ہم تفصیل درج کر آئے ہیں اور اس رفع الیدین والی نماز کو سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی نماز کو وفات تک قرار دیتے ہیں۔ جیسا کہ مرفوع احادیث کے سلسلہ میں ہم روایت نمبر ٨١، ٨٢ میں نقل کر آئے ہیں۔

(٢) سیدنا مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی رفع الیدین کے بقا و دوام کی دلیل ہے کیونکہ وہ نبی ﷺ کے پاس آخری دور میں تشریف لائے، اور آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں حکم فرمایا تھا کہ جس طرح مجھے نماز پڑھتے دیکھا ہے ویسے ہی نماز پڑھنا۔

(٣) سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ عنہ بھی متاخر اسلام ہیں اور انہوں نے دوسری مرتبہ مدینہ منورہ کا سفر

آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نماز کا طریقہ سیکھنے کے لیے کیا ہے، جیسا کہ ہم دین الحق ۳۴۹ ج ۱ میں تفصیل عرض کر چکے ہیں۔

(۴) پھر رفع الیدین کی احادیث میں، اذا رکع و اذا رفع راسہ من الرکوع، کے الفاظ آتے ہیں یعنی جب بھی رکوع کرتے اور جب بھی رکوع سے سر اقدس اٹھاتے تو رسول اللہ ﷺ رفع الیدین کرتے تھے، اور اذا جب ظرفیہ و شرطیہ ہو تو عموم کے لیے ہوا کرتا ہے، لہذا ثابت ہوا کہ جب بھی رکوع کرتے اور جب بھی رکوع سے سر اٹھاتے تو رفع الیدین کرتے، اگر نماز میں رکوع کا بقا و دوام ہے، تو رفع یدین کا بھی ہے

(۵) رفع الیدین کی احادیث میں، کان، کا لفظ ہے، اور کان کا لفظ دوام پر دلالت کرتا ہے، جیسا کہ علامہ زیلعی حنفی نے، (نصب الرایہ ص۳۱ ج ۱) میں مولوی ظفر احمد تھانوی نے، (اعلاء السنن ص۷۱'۷۷'۹٤'۲۳۹ ج ۱) میں صراحت کی ہے۔

(٦) رکوع سے پہلے اور بعد از رکوع رفع الیدین کی ممانعت پر تمام روایات من گھڑت اور باطل ہیں جبکہ کرنے کی صحیح ہیں، لہذا رفع الیدین کا دوام و بقا ثابت ہے۔

ائمہ کرام اور رفع الیدین

دین میں اصل حجت قرآن و حدیث اور اجماع ہے، چونکہ انوار صاحب نے بزرگان دین سے بھی عدم رفع الیدین ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی ہے، لہذا ہم ان کی تسلی وتشفی کے لیے اسے بیان کررہے ہیں۔

(۱) امام مالک بن انس رحمہ اللہ

آپ سے چھ شاگردوں (۱) اشھب (۲) ولید بن مسلم (۳) سعید بن ابی مریم (۴) ابو مصعب (۵) ابن وہب (۶) ابن عبد الحکم نے رفع الیدین کرنا نقل کیا ہے۔

(التمهيد ص۲۱۳ ج۹ و الاستذكار ص٤٠٤ ج١)

امام خطابی اور بغوی نے وضاحت کی ہے کہ امام مالک کا آخری عمل رفع الیدین کا ہے (معالم السنن ص۱۹۳ ج۱ وشرح السنۃ ص۲۳ ج۳) بلکہ امام ابو العباس قرطبی نے لکھا ہے کہ رفع الیدین کرنا امام مالک کا آخری عمل ہے۔ (طرح التثريب ص٢٥٤ ج١)

اس کے برعکس صرف ابن القاسم نے امام مالک سے ترک رفع الیدین روایت کیا ہے اور ابن عبدالحاکم نے اس پر تنقید کی ہے لہذا یہ روایت شاذ ہے اور اگر صحیح بھی ہو تو امام مالک کا آخری عمل رفع یدین کرنے کا ہی ہے۔ (دیکھئے زرقانی علی موطا ص۱۵۷ ج۱)

(۲) امام محمد بن ادریس شافعی رحمہ اللہ

آپ فرماتے ہیں۔ ہم ہر ایک نمازی کو حکم دیتے ہیں، خواہ وہ امام ہے یا مقتدی یا منفرد مرد ہے یا عورت وہ نماز شروع کرتے ہوئے اور رکوع کرتے ہوئے اور رکوع سے اٹھتے ہوئے رفع یدین کرے۔

(كتاب الام ص٢٠٥ ج١ كتاب الصلاة باب من يخالف فى رفع اليدين فى الصلاة)

(۳) امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ

ابو داؤد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے امام احمد رحمہ اللہ کو دیکھا ہے وہ رکوع سے پہلے اور بعد میں شروع نماز کی طرح رفع الیدین کانوں تک کرتے تھے، اور بعض اوقات شروع نماز والے رفع الیدین سے ذرا تقصیر کر کے رفع الیدین کرتے تھے، اور میں نے امام احمد رحمہ اللہ کو کہتے سنا جب ان سے کہا گیا کہ ایک شخص رفع الیدین کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ احادیث سنتا ہے۔ اور پھر رفع الیدین نہیں کرتا کیا اس کی نماز پوری ہو جاتی ہے؟ تو آپ نے فرمایا پوری نماز ہونے کا تو مجھے معلوم نہیں ہے، ہاں وہ فی نفسہ نقص والی نماز ہے۔ (مسائل احمد لابی داؤد السجتانی ص۳۳ طبع اولیٰ)

(۴) امام اوزاعی رحمہ اللہ

آپ فرماتے ہیں کہ ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ جس سنت پر علماء حجاز علماء بصرہ اور علمائے شام کا اجماع ہے وہ شروع نماز، رکوع کے وقت اور رکوع سے سجدہ کی لیے اٹھتے ہوئے رفع الیدین کا کرنا ہے، صرف کوفیوں نے امت مسلمہ کی اس مسئلہ میں مخالفت کی ہے۔

(التمہید لمافی المؤطا من المعانی والاسانید ص۲۲۶ ج۹)

(۵) امام علی بن عبداللہ المدینی (نسخہ من نسخ صحیح البخاری ص۱۰۲ ج۱)

(۶) امام اسحاق بن راہویہ (ترمذی، ومعرفۃ السنن والاثار)

(۷) عبداللہ بن مبارک (تاویل مختلف الحدیث ص۶۶)

(۸) محمد بن یحیٰ الزہلی (صحیح ابن خزیمۃ ص۲۹۸ ج۱)

(۹) عبدالرحمٰن بن مہدی (طبقات المحدثین باصبھان ص۹۶ ج۱)

(۱۰) ابوالولید طیالسی (المعجم لابن الاعرابی ص۴۱۰، ۴۱۱ ج۲)

(۱۱) عبداللہ بن زبیر الحمیدی (جزء رفع الیدین ص۲۸)

(۱۲) یحیٰ بن معین ایضاً

(۱۳) علی بن الحسین ایضاً ص۲۷

(۱۴) یحیٰ بن یحیٰ ایضاً

(۱۵) عیسیٰ بن موسیٰ ایضاً

(۱۶) کعب بن سعد ایضاً

(۱۷) محمد بن سلام، ایضاً

(۱۸) عبداللہ بن محمد المسندی ایضاً

(۱۹) محمد بن نصر المروزی (مقدمہ اختلاف العلماء ص۱۵)

(۲۰) ابواحمد الحاکم (شعار اصحاب الحدیث ص۴۷)

(۲۱) امام بخاری

خلاصہ یہ کہ آئمہ مسلمین کی گنتی میں بھی اہل الرائی حضرات بہت پیچھے ہیں ایک دو اماموں سے ترک کا ثابت ہو جانا رفع الیدین کے منسوخ ہونے کی دلیل نہیں بن سکتی۔

نور العینین ص۲۳۹)

مسئلہ رفع الیدین پر آئمہ محدثین کی کتب

(۱) امام بخاری رحمہ اللہ نے جزء رفع الیدین تحریر کی

(۲) امام ابوعبد اللہ محمد بن نصر المروزی نے چار جلدوں میں ایک کتاب، رفع الیدین فی الصلوٰۃ، لکھی ہے (مقدمہ اختلاف العلماء ص ۱۵)

(۳) امام ابو بکر احمد بن عمرو بن عبد الخالق البزار البصری صاحب المسند الکبیر نے مسئلہ رفع الیدین پر ایک کتاب لکھی ہے۔

(التحبیر فی المعجم الکبیر لابی سعد السمعانی ص ۱۷۹ ج ۱)

(۴) حلیۃ الاولیاء کے مصنف حافظ ابونعیم نے بھی رفع الیدین کے اثبات پر کتاب لکھی ہے۔

(سیر اعلام النبلاء ص ۳۰۶ ج ۱۹)

(۵) امام تقوی الدین السبکی کا، جزء رفع الیدین مطبوع ہے جبکہ اس کے برعکس متقدمین میں سے کسی ایک محدث نے بھی ترک رفع الیدین پر کتاب تحریر نہیں کی، ہم متاخرین کی بات نہیں کرتے کیونکہ اصل مسئلہ متقدمین کا ہے۔

دیوبندی و بریلوی علماء کے پیر طریقت ابن عربی کا فیصلہ

ابن عربی پاک و ہند کے تمام احناف کے تصوف میں پیرومرشد ہیں بالخصوص فرقہ دیوبندیہ کی حیاتی پارٹی اور بریلوی مکتب فکر میں ان کی خاص پزیرائی ہے۔

اور مؤلف حدیث اور اہل حدیث تو ابن عربی وغیرہ کے خلاف بات کرنے پر موت آنے کا قائل ہے۔تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ شہید ملت علامہ احسان الٰہی ظہیر رحمہ اللہ نے ابن عربی وغیرہ کے خلاف ایک کتاب تحریر کی تھی، اب اگلی داستان خود انوار صاحب کی زبانی ملاحظہ کریں، فرماتے ہیں۔

تصوف اور صوفیاء کرام سے بھی آپ کو نفرت تھی، چنانچہ آپ نے وفات سے چند روز پہلے تصوف اور صوفیاء کے خلاف عربی میں کتاب لکھی، التصوف منشاء و مصدرہ، اور اس کے چند روز بعد ہی ارشاد خداوندی،، جس نے میرے ولی سے دشمنی کی تو اس سے میرا اعلان جنگ ہے،، کا شکار ہو گئے (مقدمہ رسائل اہل حدیث ص ۶۴ حصہ اول) ۔اس تمہید کے بعد آپ ابن عربی کا فیصلہ ملاحظہ کیجئے،فرماتے

و اما المواضع التی ترفع فیھا الایدی فی الصلاۃفمن قائل عند تکبیرۃ الاحرام فقط و من قائل عند تکبیرۃ الاحرام و عند الرکوع وعند الرفع من الرکوع ومن قائل یرفعھا عند السجود و عند الرفع من السجود وھو حدیث وائل بن حجر و من قائل اذا قام من الرکعتین

وهو رواية مالك بن الحويرث عن النبى ﷺ و اما أنا فرأيت رسول الله ﷺ فى رويا مبشرة فامرنى أن أرفع يدى فى الصلاة عند التكبيرة الاحرام و عند الركوع و عند الرفع من الركوع۔

اور وہ مقامات جہاں پر نماز میں رفع الیدین کرنے (میں اختلاف ہے) تو بعض کا کہنا ہے کہ فقط تکبیر تحریمہ کے وقت کی جائے، بعض کا خیال ہے کہ تکبیر تحریمہ اور رکوع کے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت اور بعض کے نزدیک سجدہ کرتے ہوئے اور سجدہ سے اٹھتے ہوئے، اور یہ وائل بن حجر کی روایت ہے اور بعض کے نزدیک دو رکعت پڑھ کر جب کھڑا ہو، یہ نبی ﷺ سے مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ کی روایت ہے۔

اور جہاں تک میرا تعلق ہے، تو میں نے ایک مبشرہ خواب میں رسول اللہ ﷺ کو دیکھا تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مجھے تکبیر تحریمہ اور رکوع کرتے ہوئے اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع الیدین کرنے کا حکم دیا۔

(الفتوحات المکیه ص۵۳۷ ج۱ باب ۶۹ فی معرفة اسرار الصلاة فصل بل وصل فی رفع الایدی فی الصلاة طبع دار احیاء التراث الاسلامی بیروت ۱۹۹۸ء۔)

فصل دوم

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث

(۱) حدثنا عبد الله بن ايوب المخرمى و سعدان بن نصر و شعيب بن عمرو فى آفرين قالوا ثنا سفيان بن عيينة عن الزهرى عن سالم عن ابيه قال رأيت رسول الله ﷺ اذا افتتح الصلوٰة رفع يديه حتى يحاذى بهما وقال بعضهم حذو منكبيه و اذا اراد ان يركع و بعد ما يرفع راسه من الركوع لا يرفعهما وقال بعضهم ولا يرفع بين السجدتين والمعنى واحد۔

(صحیح ابو عوانه ص۹۰ ج۲)

حضرت امام زہری حضرت سالم سے اور وہ اپنے والد حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ جب آپ نماز شروع کرتے تو رفع یدین کرتے مونڈھوں تک اور جب آپ ارادہ فرماتے کہ رکوع کریں اور رکوع سے سر اٹھا لینے کے بعد آپ رفع یدین نہ کرتے، بعض راویوں نے کہا ہے کہ آپ دونوں سجدوں کے درمیان بھی رفع یدین نہ کرتے مطلب سب راویوں کی روایت کا ایک ہی ہے۔

(حدیث اور اهل حدیث ص ۳۹۰)

الجواب اولاً: متن روایت میں دیوبندیوں نے تحریف کی ہے، دراصل عبارت، ولا یرفعهما وقال بعضهم ولا یرفع بین السجدتین،، درست ہے، خود انوار صاحب نے اپنی کتاب کے آخر میں صحیح ابوعوانہ کے خطی نسخہ کا عکس دیا ہے، جس میں حرف، واؤ، موجود ہے، آپ کے مطبوعہ اور خطی نسخے کے اختلاف نے ثابت کر دیا کہ مبتدعین دیابنہ محرف و بد دیانت ہیں۔

ثانیاً: آپ نے متن روایت کا معنی غلط کیا ہے، صحیح معنی یہ ہے کہ

میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ جب نماز شروع کرتے تو رفع الیدین کرتے، یہاں تک ہاتھ برابر ہو جاتے، بعض راویوں نے کہا ہے کہ کندھوں کے برابر ہو جاتے، اور جب رکوع کرنے کا ارادہ کرتے اور رکوع سے سر اقدس اٹھانے کے بعد رفع الیدین کرتے تھے اور نہ رفع الیدین کرتے، اور بعض راویوں نے کہا ہے کہ اور نہ رفع الیدین کرتے دونوں سجدوں کے درمیان، معنی ایک ہی ہے۔

انوار صاحب، و اذا اراد، میں حرف واؤ ہے جس کا تعلق سابقہ عبارت سے ہے اور پہلی عبارت کا اس پر عکس ہے، اذا افتتح الصلوٰة رفع یدیه، جب افتتاح نماز کے وقت رفع الیدین کرتے تھے تو رکوع کرتے اور رکوع سے اٹھ کر بھی کرتے تھے، کیونکہ و اذا میں واؤ عاطفہ ہے اور **ولا یرفعهما** پہلے جملے کی جزا نہیں بلکہ اس کا تعلق بعد کی عبارت سے ہے، اور امام ابوعوانہ نے جس طرح کیفیت رفع الیدین میں راویوں کا اختلاف بیان کیا ہے اسی طرح انہوں نے بعد میں راویوں کا اختلاف بتایا ہے۔ بعض نے، لا یرفعهما، کہا ہے اور بعض، ولا یرفع بین السجدتین، کہا ہے، اور اس کی امام ابوعوانہ کے الفاظ، و المعنی واحد، (یعنی معنی و مفہوم ایک ہی ہے) سے بھی تائید ہوتی ہے، اگر اسے ماقبل کی جزا قرار دیا جائے جیسا کہ انوار صاحب نے معنی کیا ہے، تو پھر اس کے بعد، **وقال بعضهم ولا یرفع بین السجدتین والمعنی واحد**، میں بعض کا ذکر کر کے کس جملہ سے تعرض و اختلاف کا اشارہ ہے اور یہاں کونسے دو لفظ ہیں کہ فرمایا جا رہا ہے کہ معنی ایک ہی ہے۔ اگر یہاں دو لفظ نہیں تو، معنی واحد، کہنے کا کیا مطلب؟

ثالثاً: امام ابوعوانہ نے یہ روایت عبد اللہ بن ایوب، سعدان بن نصر اور شعیب بن عمرو قالوا ثنا سفیان بن عیینہ کی سند سے بیان کی ہے۔

اب دیکھئے کہ دیگر کتب احادیث میں کوئی روایت ان کے واسطے سے جو آئی ہے تو وہ کس طرح ہے، سعدان عن سفیان کے واسطے سے یہی روایت امام بیہقی نے روایت کی ہے، جس کے الفاظ ہیں۔

ان رسول اللہ ﷺ کان اذا افتتح الصلاة رفع یدیه حتی یحاذی منکبیه و اذا اراد ان یرکع و بعد ما یرفع من الرکوع ولا یرفع بین السجدتین۔

(السنن الکبریٰ للبیھقی ص۶۹ ج۲)

ابوعوانہ کی روایت اور بیہقی کی روایت کے الفاظ کا مقابلہ کریں، یہاں صرف رواۃ کے اختلاف کا ذکر نہیں، گویا سعدان کی روایت میں 'حتی یحاذی منکبیه' اور 'ولا یرفع بین السجدتین' کے الفاظ ہیں۔ یہ طریق اس بات کا بین ثبوت ہے کہ لا یرفعهما، سے مراد محض راویوں کے درمیان اختلاف کا ذکر کرنا مقصود ہے۔ اس روایت کے بعد امام ابوعوانہ نے اپنے دعویٰ پر دوسری روایت یہ ذکر کی ہے۔

حدثنا الربیع بن سلیمان عن الشافعی عن ابن عیینة بنحوه ولا یفعل بین السجدتین۔

کہ ربیع بن سلیمان نے امام شافعی کے واسطے سے امام ابن عیینہ سے یہ روایت اسی طرح نقل کی ہے، اور اس میں 'ولا یفعل بین السجدتین' کے الفاظ ہیں، ملاحظہ فرمایا آپ نے کہ روایت کے پہلے حصے کو قریب المعنیٰ بتلانے کے بعد آخری الفاظ کے اختلاف کی طرف اشارہ فرما رہے ہیں کہ پہلی روایت میں 'لا یفعل بین السجدتین' ہے۔ اب آیئے ربیع عن الشافعی، کی روایت کے الفاظ ملاحظہ فرمائیں، جو خود امام شافعی نے اپنی کتاب، الام، میں ذکر فرمائے ہیں، اور سرفہرست رفع یدین کے مسئلے میں اسی حدیث سے استدلال کیا ہے، الفاظ ہیں۔

ان رسول اللہ ﷺ کان اذا افتتح الصلاۃ یرفع یدیه حتی یحاذی منکبیه و اذا اراد ان یرکع و بعد ما یرفع راسه من الرکوع ولا یرفع بین السجدتین۔

(کتاب الام ص۹۰ ج۱) مسئلہ رفع الیدین پر ایک نئی کاوش کا تحقیقی جائزہ ص۲۳)

اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ یہ حدیث اثبات رفع الیدین کی زبردست دلیل ہے۔

(۲) حدثنا الحمیدی قال حدثنا سفیان قال حدثنا الزھری قال اخبرنی سالم بن عبد اللہ عن ابیه قال رأیت رسول اللہ ﷺ اذا افتتح الصلوٰۃ رفع یدیه حذو منکبیه و اذا اراد ان یرکع و بعد ما یرفع راسه من الرکوع فلا یرفع ولا بین السجدتین

(مسند حمیدی ص۲۷۷ ج۲)

امام زہری فرماتے ہیں کہ مجھے حضرت سالم بن عبداللہ نے اپنے والد حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے حوالے سے خبر دی کہ انہوں نے فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ جب آپ نماز شروع کرتے تو رفع الیدین کرتے مونڈھوں تک اور جب رکوع میں جانے کا ارادہ فرماتے اور رکوع سے سر اٹھا لیتے تو پھر رفع یدین نہ کرتے اور نہ دونوں سجدوں کے درمیان کرتے۔

(حدیث اور اہل حدیث ص۳۹۲)

الجواب اولاً: یہ روایت دیوبندیوں کی وضع کردہ ہے، اس کا سہرہ ان کے محقق شہیر مولوی حبیب الرحمٰن الاعظمی کے سر پر ہے، اگر کہا جائے کہ دار العلوم دیوبند کی لائبریری میں مسند حمیدی کا ایک قلمی نسخہ

ہے جس میں یہ عبارت اسی طرح ہے اور اعظمی نے اسی نسخہ کو اصل بنا کر شائع کیا ہے۔
(مقدمہ مسند حمیدی للاعظمی ص ۳)

جواباً عرض ہے کہ یہ نسخہ قطعی طور پر غلط ہے، اس کا کوئی صفحہ پیش کیجئے ہم بفضلہ تعالیٰ اس میں غلطی ثابت کر دیں گے انشاء اللہ، ہمارے فاضل دوست الشیخ حافظ زبیر علی زئی محدث حضرو حفظہ اللہ نے اس میں تقریباً چار صد اغلاط کی نشان دہی کی ہے (جو مکتبہ دار السلام کی طرف سے شائع ہو رہا ہے) خود اعظمی نے بعض مقامات پر تسلیم کیا ہے کہ یہاں تحریف ہوئی ہے، مثلاً ص ۱۵، ۱۷، اور کئی مقامات پر اعظمی نے دیوبندی نسخہ کو رد کر کے نسخہ ظاہریہ (تاریخ نوشت ۶۸۹ھ مقدمہ مسند حمیدی ص ۱) سے تصحیح کی ہے۔
(ص ۲۷۵، ۲۵۸، ۳۰۲)

خود انور خورشید کے نزدیک یہ نسخہ ناقص ہے، تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ انہوں نے سند درج کرتے وقت امام سفیان کا واسطہ بھی ڈالا ہے، حالانکہ مطبوعہ نسخہ میں یہ واسطہ قطعاً نہیں، اور سفیان کا واسطہ گرا ہوا ہے، اور معلق کتاب کو بھی اس کا علم نہ تھا، کیونکہ غلطیوں کا جو چارٹ کتاب کے آخر میں ہے اس میں اس غلطی کا ازالہ نہیں کیا گیا، اس پر مولانا ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ نے اعتراض کیا کہ مسند حمیدی کے مطبوعہ نسخہ میں، **حدثنا الحمیدی**، کے بعد **قال حدثنا سفیان**، کا واسطہ سہواً ساقط ہے، جس کا اعتراف خود ڈیروی صاحب کو بھی ہے، اسی طرح ہم کہتے ہیں کہ اگر حروف جوڑنے والے کی غلطی سے، **قال حدثنا سفیان**، کے الفاظ چھوٹ سکتے ہیں تو کاتب سے یہاں بعض الفاظ ذکر کرنے میں غلطی کیوں ناممکن ہے۔
(مسئلہ رفع الیدین پر ایک نئی کاوش کا تحقیقی جائزہ ص ۲۵)

اس اعتراض سے جان چھڑانے کے لئے دیوبندیوں نے مسند حمیدی کو دوبارہ گوجرانوالہ سے شائع کیا، اڈریس تو پہلا ہی رہنے دیا البتہ، **قال حدثنا سفیان**، کا سند میں اضافہ کر دیا، مسند حمیدی کا یہ نسخہ ہمارے پیش نظر ہے، اضافہ شدہ نسخہ میں یہ سطر دوسرے خط سے ہی علیحدہ ہے، پوری کتاب ٹائپ شدہ ہے جبکہ یہ سطر کاتب کے ہاتھ کی لکھی ہوئے ہے، باقی کتاب اور اس سطر کی کتابت میں دوسرا فرق یہ ہے کہ کتاب کی ٹائپ جلی حروف میں ہے اور اضافہ شدہ سطر باریک خط سے ہے۔

ثانیاً: مسند الحمیدی کا نسخہ ظاہریہ، حسین سلیم اسد کی تحقیق سے چھپ چکا ہے جس میں یہ حدیث ان الفاظ سے مروی ہے۔

حدثنا الحمیدی قال حدثنا سفیان قال حدثنا الزہری قال اخبرنی سالم بن عبد اللہ عن ابیہ قال رأیت رسول اللہ ﷺ اذا افتتح الصلاۃ رفع یدیہ حذو منکبیہ و اذا اراد ان یرکع و بعد ما یرفع راسہ من الرکوع ولا یرفع بین السجدتین۔

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ جب نماز شروع کرتے تو دونوں ہاتھوں کو کندھوں کے برابر اٹھاتے تھے اور جب رکوع کرنے کا ارادہ کرتے اور رکوع سے سر اٹھانے کے بعد بھی رفع الیدین کرتے اور دونوں سجدوں کے درمیان رفع الیدین نہ کرتے تھے۔

(مسند الحمیدی ص ۵۱۵ ج ۱، رقم الحدیث ۶۲۶ مطبوعه دارالسقا دمشق ۱۹۹۶ء)

یہ بات ملحوظ رہے کہ دمشق سے شائع ہونے والی مسند الحمیدی کا حسین سلیم اسد معتدل حنفی ہے، امام ابوبکر عبد اللہ بن الزبیر الحمیدی المتوفی ۲۱۹ھ کی روایت کو امام ابو نعیم احمد بن عبد اللہ الاصبہانی المتوفی ۴۳۰ھ نے اپنی کتاب میں نقل کر کے کہا ہے کہ "اللفظ للحمیدی" یعنی یہ الفاظ امام حمیدی کی روایت کے ہیں۔

(المسند المستخرج علی صحیح الامام مسلم ص۱۲ ج۲ رقم الحدیث ۸۵۶ مطبوعه دارالکتاب العلیمیه بیروت ۱۹۹۶ء)

امام ابو نعیم نے روایت کا جو متن درج کیا ہے وہی نسخہ ظاہریہ (بتحقیق حسین سلیم اسد) کا متن ہے، اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ دیوبندیوں کا شائع شدہ نسخہ غلط ہے اور صحیح نسخہ سے معلوم ہوا کہ یہ روایت رفع الیدین کرنے کی دلیل ہے۔

ثالثاً: انوار صاحب کہتے ہیں کہ یہ ان کا سراسر بہتان ہے احناف اس جیسے گھناؤنے فعل کے متعلق سوچ بھی نہیں سکتے، مزیداری کی بات یہ ہے کہ مسند حمیدی کا قلمی نسخہ میاں نذیر حسن صاحب کے دو شاگردوں حافظ نذیر حسین عرف زین العابدین اور محی الدین زینی کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے، اور یہ دونوں غیر مقلد تھے، یہ قلمی نسخہ دارالعلوم دیوبند کی لائبریری میں محفوظ ہے

(حاشیہ حدیث اور اہل حدیث ص ۳۹۱)

انوار صاحب کا اس تحریف سے انکار کرنا اور پھر اسے مجہول الحال افراد کی طرف منسوب کر کے غیر مقلد قرار دینا، ڈھٹائی ہے، ہم پوری ذمہ داری سے عرض کرتے ہیں کہ یہ انوار صاحب کا کذب ہے، وضاحت کی جائے کہ انہوں نے کب میاں صاحب سے کسب فیض کیا اور ان کی علمی حیثیت کیا تھی، کتب تراجم میں ان کے حالات نہیں ملتے محض شاگرد ہونے سے ان کا اہل حدیث ہونا ثابت نہیں ہوتا، مولوی عمر اچھری روپڑی خاندان کا شاگرد تھا۔ مفتی محمد حسن صاحب علمائے غزنویہ کے شاگرد رشید تھے مگر کٹر دیوبندی تھے۔ کتب رجال میں کئی ایسے بدعتی و کذاب راوی آپ کو مل جائیں گے جو جلیل القدر آئمہ محدثین کے شاگرد تھے امام عبد الرزاق کا بھتیجا ابراہیم اپنے چچا سے من گھڑت و باطل روایات نقل کرتا ہے، اسماعیل التیمی، امام مالک امام مسعر بن کدام اور ابن ابی ذئب سے موضوعات روایت کرتا ہے، اسحاق الکاہلی، امام سفیان ثوری اور امام مالک سے وضعی روایات روایت کرتا ہے، اسحاق طبری، امام

مالک، ابن عیینہ وغیرہ سے احادیث موضوعہ روایت کرتا تھا، احمد بن حسن کوفی، امام وکیع سے، بشر بن ابراہیم انصاری، امام اوزاعی سے، بشر ہلالی، امام مالک سے، بکر بن زیاد باہلی، امام عبد اللہ بن مبارک سے، الجارود، امام سفیان ثوری سے، حارث بن عمیر بصری، امام حمید الطّویل سے اور امام جعفر صادق سے من گھڑت و باطل روایات نقل کرتے ہیں، ان کی اگر تفصیل میں جائیں تو بات لمبی ہو جائے گی، اور یہ بات مبتدی حضرات بھی جانتے ہیں کہ مذکورہ متکلم فیہ راوی جو متروک و کذاب ہیں جلیل القدر آئمہ سے جب روایت کرتے تھے تو وہ خود کو ان کا شاگرد ہی باور کراتے تھے۔

لہذا انوار صاحب کا زین العابدین اور محی الدین کو میاں صاحب کا شاگرد قرار دیکر اپنا الوسیدھا کرنا قطعی طور پر غلط ہے، کیونکہ شاگرد ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ استاد و شاگرد کے درمیان فکر ونظر کی بھی ہم آہنگی ہے، خود انوار صاحب کا ایک شاگرد حافظ عبید اللہ صاحب نارنگ منڈی میں موجود ہیں اور بفضلہٖ تعالیٰ اہل حدیث ہیں۔ الغرض یہاں پر تین باتیں محتاج عدالت ہیں۔

الف، حافظ نذیر حسین عرف زید العابدین اور محی الدین زینی کو کسی واضح ذلیل سے ثابت کیا جائے کہ وہ میاں صاحب کے شاگرد تھے۔

ب، ان کا اہل حدیث ہونا بھی ثابت کیا جائے، پھر ان کی علمی حیثیت کو بھی بیان کیا جائے، اور عدالت و ثقات بھی مطلوب ہے، کیونکہ محض اہل حدیث ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ وہ سیئی الحفظ نہیں ہو سکتا، اختلاط کی اسے بیماری نہیں لگ سکتی۔

ج، مذکورہ تمام صورتوں کو ثابت کرنے کے بعد یہ بھی وضاحت کی جائے کہ انہوں نے مسند حمیدی کا نسخہ کس سے نقل کیا، اور کب نقل کیا، اگر کہا جائے کہ انہوں نے یہ نسخہ میاں صاحب سے نقل کیا تھا، تو یہ صریحاً جھوٹ ہے، کیونکہ دیوبندی نسخہ کی تاریخ نوشت ۱۳۲۴ھ (موافق ۱۹۰۶ء) ہے جیسا کہ مقدمہ مسند میں اعظمی نے وضاحت کی ہے ص۳ اور تاریخ نوشت سے ٹھیک تین سال قبل میاں صاحب ۱۳۲۰ھ میں فوت ہو گئے تھے۔

(نزھة الخواطر ص ۵۰۱ ج ۸) الحیاة بعد المماة ص ۲۲۲)

یہ بھی ملحوظ رہے کہ میاں صاحب کا کتب خانہ ۱۸۵۷ء کے غدر میں لٹ گیا تھا۔

(الحیاة ص ۶۵)

د، ان تمام باتوں کو ملحوظ رکھا جائے اور الف، ب، کو ثابت کیا جائے، اور ،ج، میں مندرجہ خدشات کو بھی دور کر دیا جائے تو تب بھی یہ بات باقی رہ جاتی کہ ہے کہ عین ممکن ہے کہ زین العابدین اور محی الدین سے اجرت پر کام لیا گیا ہو کہ فلاں نسخہ کے موافق مسند الحمیدی کو نقل کر دیا جائے، اور انہوں نے نقل مطابق اصل یہ کام کیا ہو، اور انہوں نے جس نسخہ سے اسے نقل کیا ہو اس میں دیوبندی اکابرین نے تحریف کی ہو،،

رہا انوار صاحب کا اس تحریف سے انکار کرنا اور دلیل یہ دینا کہ احناف اس جیسے گھناؤ نے فعل کے متعلق سوچ بھی نہیں سکتے، قطعی طور پر غلط ہے، کیونکہ کتب احادیث میں بددیانتیاں کرنا دیوبندی گروپ کا امتیازی نشان ہے، تفصیل کے لیے تحفہ حنفیہ کی مراجعت کرلیں، جہاں ہم نے متعدد مثالیں دیں ہیں، الفاظ نبوی میں حک و اضافہ کرنا ان کے بائیں ہاتھ کا کرتب ہے، جس کی بیسیوں امثلہ اس کتاب میں آپ کو مل جائیں گی، اور تحفہ حنفیہ میں تو ہم نے اس پر کئی مثالیں دی ہیں، اختصار کے پیش نظر یہاں پر صرف دو مثالیں مزید دی جاتیں ہیں۔

(۱) صحیح احادیث میں صلاۃ الاوّابین، نماز چاشت کو کہا گیا ہے، جیسا سیدنا زید بن ارقم رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے (مصنف ابن ابی شیبہ ص۴۰۶'۴۰۸ ج۲) چونکہ بعض احناف کے نزدیک صلاۃ الاوابین، نماز مغرب کے بعد ہے، اس کی دلیل کے لیے روایت وضع کی کہ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

من صلی بعد المغرب ست رکعات فھو من الاوابین و تلا انه کان للاوابین غفورا۔

(المبسوط للسرخسی بحواله حلبی کبیر ص۳۸۵)

حالانکہ یہ روایت کتب حدیث میں قطعاً نہیں۔

(۲) صحیح حدیث میں آتا ہے کہ جنازہ پڑھاتے وقت نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم مرد کے جنازہ میں سر کے بالمقابل اور عورت کے جنازہ پر وسط میں کھڑے ہوتے تھے (ابو داؤد رقم الحدیث ۳۱۹۴'۳۱۹۵) و ترمذی رقم الحدیث ۱۰۳۴'۱۰۳۵) اس حدیث کے برعکس غیر مقلد امام ابو حنیفہ کا مؤقف ہے کہ امام میت کے سینے کے مقابل کھڑا ہو، خواہ میت مرد ہو یا عورت، ابن ہمام مقلد نے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے مسلک کی ترجمانی کرتے ہوئے یہ حدیث وضع کی ہے کہ مسند احمد میں ہے۔

ان ابا غالب قال صلیت خلف انس علی جنازة فقام حیال صدره۔

(فتح القدیر ص۸۹ ج۲)

حالانکہ ان الفاظ سے یہ حدیث مسند احمد تو کجا کسی بھی حدیث کی کتاب میں موجود نہیں، یہ حنفیوں کے محقق علی الاطلاق کی وضع کردہ ہے، ان دو مثالوں سے انوار صاحب کا دعویٰ باطل ہو گیا کہ حنفی اس گھناؤ نے فعل کا سوچ بھی نہیں سکتے، محترم آپ صرف سوچ کی نفی کرتے جبکہ آپ اور آپ کے اکابر عملاً تحریف کرتے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ مقلدین کی گاڑی بالخصوص حنفیہ کی چلتی ہی بد دیانتی اور ہیرا پھیری سے ہے۔

(۳) **عن عبد الله بن عون الخراز ثنا مالك عن الزھری عن سالم عن ابن عمر ان النبی**

ﷺ کان یرفع یدیه اذا افتتح الصلوٰة ثم لا یعود

(خلافیات بیہقی بحواله نصب الرایه ص٤٠٤ ج١)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نماز شروع فرماتے وقت رفع الیدین کرتے پھر دوبارہ نہ کرتے۔ (حدیث اور اهل حدیث ٣٩٢)

الجواب اولاً: علامہ زیلعی نے اس روایت کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ

قال البیهقی قال الحاکم هذا باطل موضوع ولا یجوز ان یذکر الاعلی سبیل القدح۔

امام ابن قیم فرماتے ہیں، ومن شم روائح الحدیث علی بعد شهد بالله انه موضوع، جس نے حدیث کی خوشبو دور سے سونگھی ہے وہ اللہ کی قسم کھا کر گواہی دیتا ہے کہ یہ حدیث موضوع ہے۔ (المنار المنیف فی الصحیح والضعیف ص١٣٨)

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ یہ روایت مقلوب وموضوع ہے۔

(التلخیص الحبیر ص٢٢٢ ج١)

ثانیاً: امام بیہقی مصنف الخلافیات سے لیکر عبد اللہ بن عون الخراز تک سند معلوم نہیں، ابن عون ۲۳۲ھ کو فوت ہوئے۔ (تاریخ بغداد ص٣٦ ج١٠)

جبکہ امام بیہقی ۳۸۴ کو پیدا ہوئے (سیر اعلاء النبلاء ص۵۲۹ ج۱۱) درمیان میں تقریباً ڈیڑھ صدی کا طویل زمانہ محیط ہے، مقلد مولوی عبد الرشید دیوبندی نے بڑی محنت کر کے مغلطائی کی شرح ابن ماجہ سے اس کی سند یوں نقل کی ہے، محمد بن غالب ثنا احمد بن محمد البرانی، ثنا عبد اللہ بن عون الخ

(ماتمس الیه الحاجة ص٤٨)

مولانا ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ فرماتے ہیں کہ لیکن یہ سند بھی ناکافی ہے، محمد بن غالب کون اور کیسا ہے؟ اس کی ذمہ داری مدعیان ثبوت حدیث پر ہے، اگر اسے محمد بن غالب تمتام تسلیم کر لیا جائے جو احمد بن محمد سے روایت کرتے ہیں تو بھی امام بیہقی کی ان سے ملاقات ناممکن ہے، جبکہ محمد بن غالب تمتام کا سن وفات ۲۸۳ھ ہے (تاریخ بغداد ص۱۴۶ ج۳ تذکرۃ ص۶۱۵ ج۲) اور امام بیہقی کا سن ولادت ۳۸۴ھ ہے (تذکرہ ص۱۱۳۲ ج۳) گویا تمتام امام بیہقی کی ولادت سے ۱۰۱ سال پہلے وفات پا چکے تھے، لہٰذا سماع کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، مزید یہ کہ محمد بن غالب تمتام امام حاکم کے بھی استاد نہیں کیونکہ امام حاکم کا سن پیدائش ۳۲۱ھ ہے (تذکرۃ ص۱۰۳۹ ج۳) ظاہر ہے کہ امام حاکم کی ولادت سے ۳۸ سال قبل محمد بن غالب وفات پا چکے تھے، لہٰذا اس روایت کی سند ہی مجہول ہے، راقم الحروف نے اس حقیقت کا اظہار جب مؤلف، ماتمس الیہ الحاجۃ، سے کیا تو وہ بھی ششدر رہ گئے اور کوئی جواب نہ دے سکے، البتہ غور وفکر کے بعد جواب دینے کا وعدہ فرمایا، دیدہ باید۔ (مسئلہ رفع الیدین پر ایک نئی کاوش کا تحقیقی جائزہ ص۱۴)

(۴) ابن وھب عن مالك بن انس عن ابن شهاب عن سالم بن عبد الله عن ابيه ان رسول الله ﷺ كان يرفع يديه حذو منكبيه اذا افتتح التكبير للصلوٰة۔

(المدونة الكبرىٰ ص٦٩ ج ١)

حضرت سالم بن عبد اللہ اپنے والد حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ رفع الیدین کرتے تھے، مونڈھوں تک جب کہ آپ نماز کی تکبیر تحریمہ کہتے تھے۔

(حدیث اور اھل حدیث ص٣٩٢)

الجواب اولاً: اس میں رکوع کرتے اور رکوع سے اٹھتے وقت اور تیسری رکعت شروع کرتے وقت رفع الیدین نہ کرنے کا ذکر نہیں، رہا یہ معاملہ کہ اس میں کرنے کا ذکر نہیں تو یہ دعویٰ فضول ہے، کیونکہ عدم ذکر نفی ذکر کو مستلزم نہیں ہوتا۔

ثانیاً: یہ روایت مختصر ہے، تفصیلی روایت میں رکوع کرتے اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین کرنے کا ذکر ہے، ابن وہب کی روایت، (السنن الكبرىٰ للبيهقي ص٢٩ ج ٢) میں موجود ہے۔ اور ابن القاسم کی روایت موطا امام مالک بروایت ابن القاسم ص۱۱۳ میں موجود ہے، اور اس کا متن فصل اول میں نمبر۲ کے تحت گزر چکا ہے ورق الٹ کر دیکھ لیجئے۔

امام ابن عبد البر فرماتے ہیں کہ امام مالک رحمہ اللہ سے حسب ذیل افراد روایت کرتے ہیں، (۱) ابن وہب، (۲) ابن القاسم (۳) یحییٰ بن سعید (۴) ابن ابی اویس (۵) عبد الرحمٰن بن مہدی (۶) جویریہ بن اسماء (۷) ابراہیم بن طہمان (۸) عبداللہ بن مبارک (۹) بشر بن عمر (۱۰) عثمان بن عمر (۱۱) عبد اللہ بن یوسف (۱۲) خالد بن مخلد (۱۳) مکی بن ابراہیم (۱۴) محمد بن حسن شیبانی (۱۵) خارجہ بن مصعب (۱۶) عبد المالک بن زیاد (۱۷) عبد اللہ بن نافع (۱۸) ابو قرۃ موسیٰ بن طارق (۱۹) مطرف بن عبد اللہ (۲۰) قتیبۃ بن سعید، یہ تمام کے تمام امام مالک سے یہ روایت کرتے ہیں جس کے الفاظ ہیں کہ۔

ان رسول الله ﷺ كان يرفع يديه اذا افتتح الصلاة حذو منكبيه و اذا ركع و اذا رفع راسه من الركوع۔

رسول اللہ ﷺ جب نماز شروع کرتے اور جب رکوع کرتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو دونوں ہاتھوں کو کندھوں کے برابر اٹھایا کرتے تھے۔

(التمهيد لما في الموطا من المعنى والاسانيد ص٢١٠، ٢١١ ج٢)

اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ مدونہ کبریٰ کی روایت میں اختصار ہے۔

(۵) حدثنا ابو كريب محمد بن العلاء ثنا محمد بن عبد الرحمن بن محمد المحاربي ثنا ابن ابي ليلى عن الحاكم عن مقسم عن ابن عباس و عن نافع عن ابن عمر عن النبي

ﷺ قال ترفع الایدی فی سبعة مواطن افتتاح الصلوٰة و استقبال البیت والصفاء والمروة والموقفین و عند الحجر۔

(کشف الاستار ص۲۵۱ ج۱ وشرح معانی الاثار ص٥٤ ج۱)

حضرت عبداللہ بن عباس و حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ نبی اللہ علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا رفع الیدین سات مقامات پر کیا جائے نماز کے شروع میں بیت اللہ کی زیارت کے وقت صفا و مروہ پر، عرفات اور مزدلفہ میں وقوف کے وقت اور رمی جمار کے وقت۔

(حدیث اور اهل حدیث ص۳۹۳)

الجواب اولاً: اس روایت سے رکوع کرتے اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین کرنے کی نفی ثابت نہیں ہوتی، عدم ذکر عدم شئ کو مستلزم نہیں ہوا کرتا، غور کیجئے حنفی عیدین کی نماز میں تکبیرات زوائد میں رفع الیدین کرتے ہیں اور ان کا یہی فتویٰ وعمل ہے۔

(هدایه ص۱۱۹ ج۱ و شرح نقایه ص۱۲۸ ج۱ و کبیری ص٥٦٧ و فتاوىٰ عالم گیری ص۱٥۰ ج۱ و فتاوىٰ شامی ص۱۷٤ ج۲ و فتاوىٰ قاضی خاں ص۱۸٥ ج۱ و شرح و قایه ص۲۰۳ ج۱ و بدائع الصنائع ص۲۷۷ ج۱ و البحر الرائق ص۱٦۱ ج ۲ و درمختار مع رد المحتار ص۱۷٤ ج۲ و اعلاء السنن ص۱٤۳ ج۸ و نماز مسنون ص٦۸٥ وغیره)

جبکہ مذکورہ روایت میں اس کا ذکر نہیں، فما کان جوابکم فهو جوابنا۔

مزید براں یہ کہ تمام حنفی دعا میں ہاتھ اٹھاتے ہیں حالانکہ اس کا بھی یہاں ذکر نہیں۔

ثانیاً: سند میں ابن ابی لیلیٰ راوی ضعیف وسیئ الحفظ ہے، انوار صاحب کی پیش کردہ کتاب، کشف الاستار، کے محشی مولوی حبیب الرحمٰن اعظمی (دیوبندی) نے حاشیہ میں لکھا ہے کہ علامہ ھیثمی نے کہا ہے کہ سند میں ابن ابی لیلی راوی سئی الحفظ ہے اور خورشید صاحب کے محدث کبیر علامہ انور شاہ کاشمیری فرماتے ہیں کہ ابن ابی لیلی میرے اور جمہور کے نزدیک ضعیف ہے (فیض الباری ص۱۶۸ ج۳) مزید تفصیل آگے روایت ۲۴ تا ۲۸ کے جواب میں آرہی ہے، پھر ابن ابی لیلی نے یہ روایت، الحکم، راوی سے نقل کی ہے، اور یہ مدلس ہے جیسا کہ امام نسائی اور دارقطنی نے صراحت کی ہے (طبقات المدلسین ص۳۰) علامہ مقدسی اور ذہبی نے اپنے قصائد میں حکم کو مدلس قرار دیا ہے۔

(ملحقه طبقات المدلسین ص٦۹، ۷۰)

اور ابن حبان نے بھی مدلس قرار دیا ہے۔ (الثقات ص١٤٤ ج٤)

اور یہاں انہوں نے سماعت کی صراحت نہیں کی الغرض یہ روایت ابن ابی لیلی کے سیئ الحفظ اور حکم کی تدلیس کی وجہ سے ضعیف ہے۔

(٦) حدثنا احمد بن شعیب ابو عبد الرحمن النسائی انا عمرو بن یزید ابو برید الجرمی

ثنا سیف بن عبید الله ثنا ورقاء عن عطاء بن السائب عن سعید بن جبیر عن ابن عباس ان النبی ﷺ قال السجود علی سبعة اعضاء الیدین والقدمین والرکبتین والجبهة و رفع الایدی اذا رأیت البیت و علی الصفاء و المروة و بعرفة وعند رمی الجمار و اذا اقیمت الصلوٰة۔

(معجم طبرانی کبیر ص۴۵۲ ج۱۱)

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سجدہ سات اعضاء پر کیا کرو دونوں ہاتھوں، دونوں پاؤں، دونوں گھٹنوں، اور پیشانی پر اور رفع یدین اس وقت کیا کرو جب تو بیت اللہ کو دیکھے اور صفا ومروہ پر، وقوف عرفہ کے وقت، رمی جمار کے وقت اور جب نماز کے لیے اقامت کہہ دی جائے۔ (حدیث اور اھل حدیث ص۳۹۴)

الجواب اولاً: اس روایت میں رکوع کرتے ہوئے اور اٹھتے ہوئے رفع الیدین نہ کرنے کا کوئی ذکر نہیں، اور عدم ذکر نفی ذکر کو مستلزم نہیں، خود حنفی بھی قنوت وتر، عیدین کی تکبیرات زوائد اور دعا میں ہاتھ اٹھاتے ہیں، **فما کان جوابکم فهو جوابنا۔**

ثانیاً: روایت مذکورہ مین سجدہ کو پیشانی (جبہۃ) پر کرنے کو کہا گیا ہے، اس میں ناک داخل نہیں حالانکہ حنفیہ کے نزدیک پیشانی پر اکتفاء کرنا مکروہ تحریمی ہے۔

(فتاویٰ عالم گیر ص۷۳ ج۱ و کبیری ص۲۸۳ و نماز مسنون ص۳۶۷)

ثالثاً: عطاء بن السائب مختلط ہے اور آئمہ محدثین نے صراحت کی ہے کہ عطاء سے اختلاط سے پہلے صرف، شعبی، سفیان ثوری، زہیر بن معاویہ، زائدہ، ایوب، اور حماد بن زید نے روایت کی ہے (حماد بن سلمہ کے متعلق اختلاف ہے) باقی تمام راویوں نے اختلاط کے بعد روایت کی ہے، لہٰذا ان کی روایات ضعیف ہیں۔ (مقدمہ فتح الباری ص۴۲۴ مطبوعہ بو لاق مصر ۱۳۰۱ھ)

اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ مذکورہ روایت ضعیف ہے کیونکہ عطاء سے روایت کرنے والا راوی ورقاء ہے۔

۷۔۱۴ ان نمبروں کے تحت انوار مقلد صاحب نے، ترمذی، ابو داؤد نسائی، مسند احمد، مصنف ابن ابی شیبہ۔ بیہقی طحاوی سے سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کی ہے کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم صرف نماز میں تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین کرتے تھے، بعد میں نہ کرتے تھے۔

الجواب قارئین کرام یہ روایت سند اور متن کے لحاظ سے ایک ہی ہے، مگر مقلد انوار صاحب نے مختلف کتب احادیث سے نقل کر کے اسے آٹھ روایات باور کرایا ہے، ان تمام کتب احادیث کی سند کو ہم آپ کے سامنے رکھتے ہیں۔

اگلے صفحہ پر دیئے ہوئے جدول کو بنظر غائر ملاحظہ کیجئے۔

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ

↓

علقمۃ

↓

عبدالرحمٰن بن الاسود

↓

عاصم بن کلیب

↓

سفیان ثوری

↓ ↓

عبداللہ بن مبارک
سنن نسائی ص ۱۱۷ ج ۱
حدیث اور اہل حدیث ص ۳۹۶

وکیع

↓

محمد بن اسماعیل بیہقی ص ۷۸ ج ۲	احمد بن حنبل مسند احمد ص ۳۸۸ ج ۱	محمود بن غیلان نسائی ص ۱۲۰ ج ۱	هناد ترمذی ۵۹	نعیم بن حماد طحاوی ص ۱۵۴ ج ۱	عثمان بن ابی شیبہ ابوداؤد ص ۱۰۹ ج ۱ مصنف ابن ابی شیبہ ص ۱۳۶ ج ۱
حدیث اور اہل حدیث ص ۲-۳۹۷	حدیث اور اہل حدیث ص ۳۹۷	حدیث اور اہل حدیث ص ۳۹۶	حدیث اور اہل حدیث ص ۲-۳۹۷	حدیث اور اہل حدیث ص ۲-۳۹۷	حدیث اور اہل حدیث ص ۳۹۶، ۳۹۷

قارئین کرام

سلسلہ سند پر غور کریں، امام سفیان ثوری تک ایک ہی راوی ہیں اور سفیان ثوری سے، امام عبد اللہ بن مبارک اور امام وکیع روایت کرتے ہیں امام ابن مبارک سے صرف ایک ہی راوی (سوید) نقل کرتا ہے، جبکہ امام وکیع کے چھ شاگرد ہیں۔ اہل حدیث کا اعتراض ابن مبارک اور وکیع سے اوپر کی سند پر ہے، انوار صاحب کا اس روایت کے طرق اکٹھے کرنا بے کار وفضول ہے، کیونکہ جملہ اعتراضات وکیع کے اوپر اوپر ہیں، ہاں اگر وہ کسی ایسی سند یا اسناد کی نشان دہی کراتے جو مرکزی راویوں کے علاوہ ہوتیں تو ایک بات تھی، ہم ان کے ورق گردانی کی قدر کرتے اور ان کی محنت پر غور بھی کرتے۔

ثانیاً: جب آپ نے سند کو بخوبی سمجھ لیا، تو اب آیئے اس پر اعتراضات کی طرف، اس پر پہلا اعتراض تو یہ ہے کہ اسے بیان کرنے میں عاصم منفرد ہے، اور امام علی بن مدینی کہتے ہیں کہ جب عاصم منفرد ہو تو حجت نہیں ہوتا۔ (میزان ص۳۵٦ ج۲ و تهذيب ص٥٦ ج٥)

دوسرا اعتراض اس پر یہ ہے کہ اس روایت کو امام سفیان ثوری نے مختصر کیا ہے، امام ابو حاتم فرماتے ہیں۔

هذا خطأ يقال وهم فيه الثوری وروی هذا الحديث عن عاصم جماعة فقالوا كلهم ان النبی ﷺ افتتح فرفع يديه ثم ركع فطبق و جعلها بين ركبتيه ولم يقل احدما رواه الثوری۔

یعنی یہ حدیث خطا ہے کہا جاتا ہے کہ ثوری کو اس میں وہم ہوا ہے، کیونکہ ایک جماعت نے عاصم سے ان الفاظ میں روایت کی ہے کہ نبی ﷺ نے نماز شروع کی اور رفع الیدین کیا پھر رکوع کیا اور تطبیق کی اور اپنے دونوں (ہاتھوں) کو گھٹنوں کے درمیان رکھا، کسی راوی نے امام ثوری والی بات بیان نہیں کی۔ (علل الحديث ص٩٦ ج١)

تیسرا اعتراض اس پر یہ ہے کہ امام سفیان ثوری گو ثقہ و ثبت ہیں مگر مدلس ہیں۔ اور انہوں نے تحدیث کی صراحت نہیں کی، امام سفیان کو حسب ذیل آئمہ جرح و تعدیل نے مدلس قرار دیا ہے۔

(۱) امام عبد اللہ بن مبارک۔ (تهذيب ص١٠٢ ج٤ درحالات سفيان)

(۲) امام یحییٰ بن سعید۔ (تهذيب ص٢١٨ ج١١ درحالات يحيىٰ بن سعيد)

(۳) امام بخاری۔ (علل الكبير ص٩٦٦ ج٢، للترمذی، والتمهيد ص٣٤ ج١)

(۴) نسائی۔ (طبقات المدلسين ص٣٢ رقم ٥١)

(۵) یحییٰ بن معین۔ (الكفايه للخطيب ص٣٦١)

(٦) ابو محمود المقدسی۔ (قصيده فی المدلسين، مندرجه طبقات المدلسين ص٧٠ شعر نمر ٢)

(۷) ابن ترکمانی حنفی، (الجوهر النقی ص ۲٦۲ ج ۸)

(۸) ابن حجر عسقلانی، (طبقات ص ۳۲ و تقریب ۱۹۷)

(۹) علامہ ذہبی، (میزان ص ۱٦۹ ج ۲ و سیر اعلام النبلاء ص ۲٤۲ و ۲۷٤ ج ۷)

(۱۰) صلاح الدین العلائی، (جامع التحصیل فی احکام المراسیل ص ۹۹)

(۱۱) حافظ ابن رجب، (شرح علل الترمذی ص ۳۵۸ ج ۱)

ان تصریحات سے ثابت ہوا کہ امام سفیان ثوری مدلس ہیں، علامہ العلائی نے تو یہاں تک وضاحت کی ہے کہ، **من یدلس عن اقوام مجهول لا یدری من هم کسفیان الثوری**، یعنی سفیان ثوری ایسے مجہول راویوں سے تدلیس کرتے تھے جن کا پتہ بھی نہیں چلتا (جامع التحصیل ص ۹۹) حافظ ذہبی کا کہنا ہے کہ، **یدلس عن الضعفاء**، یعنی ثوری ضعیف راویوں سے تدلیس کرتے تھے (میزان ص ۱٦۹ ج ۲) جب یہ بات متحقق ہوگئی کہ سفیان ثوری مدلس ہیں، تو اب سنئے کہ زیر بحث روایت میں امام سفیان ثوری نے تحدیث کی صراحت نہیں کی بلکہ معنعن مروی ہے، اور مدلس راوی کی روایت سماع کی صراحت کے بغیر ضعیف ہوتی ہے۔ چنانچہ آئمہ جرح و تعدیل نے وضاحت کی ہے کہ ابن مسعودؓ کی مذکورہ روایت ضعیف ہے، تفصیل حسب ذیل ہے۔

(۱) امام عبد اللہ بن مبارک فرماتے ہیں۔ لم یثبت حدیث ابن مسعود، یعنی ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب یہ روایت ثابت نہیں۔

(ترمذی ص ۵۹ ج ۱ واللفظ له، والتحقیق لا بن جوزی ص ۲۷۸ ج ۱، والتنقیح لا بن عبد الهادی ص ۲۷۸ ج ۱ و المجموعه شرح المهذب للنووی ص ٤۰۳ ج ۳، المغنی لا بن قدامه ص ۲۹۵ ج ۱، ونیل الاوطار للشوکانی ص ۱۸۰ ج ۲) وغیره۔

(۲) امام شافعی نے اس روایت کو رد کر دیا تھا کہ یہ ثابت نہیں۔

(فتح الباری ص ۱۷۵ ج ۲ باب رفع الیدین اذا کبر و اذا رفع، وزرقانی شرح موطا ص ۱۵۸ ج ۱)

(۳) امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔

(التمهید ص ۲۱۹ ج ۹ و التلخیص الحبیر ص ۲۲۲ ج ۱)

(۴) امام ابو حاتم نے بھی اسے ضعیف قرار دیا ہے (علل الحدیث ص ۹٦ ج ۱)

(۵) امام دارقطنی فرماتے ہیں، لم یثبت، (یہ روایت) ثابت نہیں ہے۔

(العلل لدارقطنی ص ۱۷۲، ۱۷۳ ج ۵)

(٦) امام ابن حبان فرماتے ہیں، **هو فی الحقیقت اضعف شئی یعول علیه لان له عللا تبطله**، یعنی یہ روایت سب سے زیادہ ضعیف ہے کیونکہ اس کی علتیں ہیں جو اسے باطل قرار دیتی ہیں۔

(التلخیص الحبیر ص ۱۲۲ ج ۱)

(۷) امام ابو داؤد فرماتے ہیں۔ **هذا حديث مختصر من حديث طويل وليس هو بصحيح على هذا اللفظ**، یعنی یہ روایت ایک طویل حدیث کا اختصار ہے، اور ان الفاظ کے ساتھ یہ روایت صحیح نہیں ہے۔

(ابو داؤد كتاب الصلاة باب من لم يذكر الرفع عند الركوع، الحديث ۷۴۸ مطبوعه دار السلام و ابو داؤد ص۱۱٦ ج۱ بتصحيح مولانا محمود حسن خان ديوبندى مطبوعه مكتبه امداديه ملتان و ابو داؤد مع عون المعبود ص۲۷۳ ج۱ و ابو داؤد مع بذل المجهود ص۲۱ ج۲ و ابو داؤد ص۱۷۳ ج۱ مطبوعه حلب ۱۹۵۲ء و مشكوٰة ص۷۷ والتحقيق في اختلاف الحديث ص۲۷۸ ج۱ والتمهيد ص۲۲۰ ج۹ والتلخيص الحبير ص۲۲ ج۱)

(۸) امام یحییٰ بن آدم فرماتے ہیں، ضعیف ہے۔

(التلخيص الحبير ص۲۲۲ ج۱)

(۹) امام ابو بکر بزار فرماتے ہیں، **وهو حديث لا يثبت ولا يحتج به**، یعنی یہ حدیث ثابت نہیں اور حجت بھی نہیں۔

(التمهيد ص۲۲۰، ۲۲۱ ج)

(۱۰) امام محمد بن وضاح فرماتے ہیں۔ رفع یدین نہ کرنے کی تمام روایات ضعیف ہیں۔

التمهيد ص۲۲۱ ج۹۔

(۱۱) امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ روایت ضعیف ہے۔

(التلخيص الحبير ص۲۲۲ ج۱ والمجموعه شرح المهذب ص۴۰۲ ج۳ و جزء رفع اليدين ص۳۴)

(۱۲) امام قطان فاسی نے اس زیادت (دوبارہ نہ کرنے) کو خطاء قرار دیا ہے۔

(نصب الرايه ص۳۹۵ ج۱)

(۱۳) امام ابن الملقن نے ضعیف قرار دیا ہے۔

(البدر المنير ص۴۹۲ ج۳ وحاشيه جزء رفع اليدين للشيخ الثورى ص۸۸

(۱۴) امام حاکم (تهذيب السنن ص۴۴۹ ج۲ لا بن قيم و مختصر خلافيات ص۳۷۸ ج۱)

(۱۵) امام نووی (تهذيب السنن ص۴۴۹ ج۲)

(۱٦) امام دارمی (بحواله ايضاً)

(۱۷) امام بیہقی (مختصر خلافيات ص۳۷۸ ج۱)

(۱۸) امام محمد بن نصر مروزی (نصب الرايه ص۳۹۵ ج۱)

(۱۹) امام ابن قدامہ المقدسی (المغنی ص ۲۹۵ ج۱)

(۲۰) امام ابن عبد البر (التمہید ص۲۲۱، ۲۲۲ ج۹ و مرعاۃ ص۸۴ ج۳)

یہ تمام بزرگ ہستیاں امت مرحومہ کے نزدیک ثقہ و مستند ہیں، ان کا اس روایت کو بالاتفاق ضعیف و معلول قرار دینا اس بات کا کھلا ثبوت ہے کہ یہ روایت ضعیف ہے۔

ثالثاً: پھر یہ روایت اپنے معنی ومفہوم میں بھی انوار صاحب کے مؤقف کی تائید نہیں کرتی، انوار صاحب نے جس قدر کتب احادیث سے یہ روایت نقل کی ہے۔ ان کے یہ الفاظ ہیں، **فلم یرفع یدیه الامرة** (ابو داؤد ص۱۰۹ ج۱) **فرفع یدیه اول مرة ثم لم یعد** (نسائی ص۱۱۷ ج۱) **فلم یرفع یدیه الامرة واحدة**

(نسائی ص ۱۲۰ ج ۱ بیهقی ص۷۸ ج ۲)

ان الفاظ پر غور کریں، اس کا یہ معنی کب بنتا ہے کہ رکوع کرتے وقت اور اٹھتے ہوئے رفع الیدین نہیں کرتے تھے، اس کا صرف یہ معنی ہے کہ ایک بار رفع الیدین کیا، کب ایک بار کیا، پہلے افتتاح نماز کا بیان ہے، ثابت ہوا کہ نماز شروع کرتے ہوئے رفع الیدین دو تین بار نہیں کیا صرف ایک بار ہی کیا، امام نووی فرماتے۔

ذکر اصحابنا قالوا لو صحح وجب تاویله علی ان معناه لا یعود الرفع فی ابتدا استفتاحه ولا فی اوائل باقی رکعات الصلاة الواحدة و تعین تاویله جمعا بین الاحادیث۔

یعنی ہمارے ساتھیوں نے کہا ہے کہ اگر یہ روایت صحیح ہو تو اس کی تاویل واجب ہے تو اس کا معنی یہ ہوا کہ نماز کے ابتدا میں افتتاح کے وقت دوبارہ رفع یدین نہ کرتے اور نہ ہی منفرد رکعات باقیہ کو شروع کرتے وقت میں کرتے تھے اور یہ تاویل دو احادیث کو جمع کرنے کے لیے تعین ہو گئی۔

(المجموعه شرح المهذب ص۴۰۳ ج۳)

دیوبندیوں کے شیخ اکبر ابن عربی لکھتا ہے۔

غایة المفهوم من حدیث ابن مسعود والبراء بن عازب انه کان علیه السلام یرفع یدیه عند الا حرام مرة واحدة لا یزید علیها ای رفع مرة واحدة لم یصنع ذلك مرتین عند الاحرام۔

یعنی ابن مسعود اور براء بن عازب سے مروی روایات کا زیادہ سے زیادہ یہ مفہوم ہے کہ آپ علیہ السلام تکبیر تحریمہ کے وقت ایک بار رفع الیدین کرتے ایک سے زیادہ بار نہ کرتے یعنی تکبیر تحریمہ کے وقت ایک بار ہی رفع الیدین کرتے دوبار نہ کرتے تھے۔

(الفتوحات المکیه ص۵۳۷ ج۱ باب ۶۹ طبع دار احیاء التراث ۱۹۹۸ء)

اور دیوبندی ابن عربی کو، شیخ اکبر، قرار دیتے ہیں، تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو۔

تاریخ دعوت وعزیمت ص۴۱۴ ج۵ و بوادر النوادر ص۶۵۲ '۶۵۳ ، فیض الباری ص۱۷۴ ج۱۔

ایک اعتراض

مبتدعین دیابنہ کا معروف مناظر مولوی ابو بلال محمد اسماعیل جھنگوی لکھتا ہے۔

(۱) بخاری ص۱۰ ج۱، (۲) ص۱۹ ج۱ (۳) ص۲۷ ج۱ (۴) ص۳۸ ج۱ (۵) ص۳۹ (۶) ص۴۲ ج۱ (۷) ص۴۴ ج۱ (۸) ص۵۳ ج۱ (۹) ص۸۸ (۱۰) ص۱۱۳ ج۱

وغیرہ میں سفیان عن سے روایت کر رہا ہے۔ (تحفہ اہل حدیث ص۱۵۵ ج۲)

الجواب: قارئین کرام ان تمام احادیث کی اسناد میں سماع کی صراحت ہے، ترتیب وار تفصیل ملاحظہ کریں۔

(۱) یہ روایت امام سفیان ثوری نے، **سلیمان بن مہران الاعمش**، سے نقل کی ہے، امام بخاری رحمہ اللہ نے نقل حدیث کے بعد صراحت کی ہے، **تابعه شعبة عن الاعمش**، یعنی اعمش سے نقل کرنے میں امام شعبۃ سفیان ثوری کے متابع ہیں، (صحیح بخاری ص۱۰ ج۱) چنانچہ آگے چل کر خود امام بخاری رحمہ اللہ نے، صحیح بخاری ص۳۳۲ ج۱ رقم الحدیث ۲۴۵۹) میں امام شعبۃ کی روایت نقل کی ہے، اور جھنگوی صاحب کو اعتراف ہے کہ متابعت سے تدلیس ختم ہو جاتی ہے۔

(تحفه اهل حديث ص۱۰٤ ج۲)

(۲) بخاری ص۹۷ ج۱ رقم الحدیث ۷۰۲ میں امام سفیان ثوری کا متابع، زہیر، موجود ہے اور رقم الحدیث ۶۱۱۰ میں یحیٰ اور رقم الحدیث ۷۱۵۹ میں عبد اللہ، ہے الغرض اس روایت کو اسماعیل بن ابی خالد سے نقل کرنے میں امام سفیان ثوری کے تین متابع تو صحیح بخاری میں ہیں۔

(۳) سنن ابو داؤد کتاب الطہارۃ باب الوضوء مرۃ مرۃ، الحدیث ۱۳۸) میں امام سفیان ثوری نے، حدثنی زید بن اسلم، کہہ کر تحدیث کی صراحت کی ہے

(۴) صحیح بخاری میں یہ حدیث متعدد اسناد سے مروی ہے، زیر بحث سند میں امام سفیان نے، حمید، سے روایت نقل کی ہے۔ اور صفحہ ۵۸ رقم الحدیث ۴۰۵ میں حمید سے اسماعیل بن جعفر بھی یہی حدیث روایت کرتا ہے اور صفحہ ۵۹ رقم الحدیث ۴۱۷ میں حمید سے یہی حدیث زہیر بھی نقل کرتا ہے، الغرض صحیح بخاری میں امام سفیان ثوری کے دو متابع موجود ہیں۔

(۵) امام سفیان ثوری نے یہ حدیث، الاعمش، سے نقل کی ہے، اور بخاری ص۳۹ کے اسی صفحہ رقم الحدیث ۲۵۹ میں ان کا متابع عبد الواحد، موجود ہے، اور اگلے صفحہ ۴۰ رقم الحدیث ۲۵۷ میں، حفص بن غیاث، متابع موجود ہے، اور اسی صفحہ ۴۰ کے باب **مسح الید بالتراب لتکون انقی**، الحدیث ۲٦۰) میں ہے، **حدثنا الحمیدی، قال حدثنا سفیان قال حدثنا الاعمش**، میں سفیان ثوری نے تحدیث کی صراحت کی ہے، اسی صفحہ ۴۰ رقم الحدیث ۲٦٦ میں سفیان ثوری کا ابوعوانہ متابع موجود ہے، اگلے صفحہ ۴۱ پر رقم الحدیث ۲۷۴، ۲۷۴، ۲۷۰ میں سفیان کا فضل بن موسیٰ اور ابوحمزہ متابع موجود ہے، الغرض یہاں امام سفیان ثوری نے تحدیث کی صراحت بھی کی ہے اور صحیح بخاری میں ہی امام سفیان کے چار متابع موجود ہیں۔

(۶) یہ وہی حدیث ہے جس کا ذکر نمبر ۵ میں گزر چکا ہے اور ہم تحدیث کے علاوہ امام سفیان ثوری کے چار متابع بخاری سے دکھا چکے ہیں۔

(۷) یہ حدیث امام سفیان ثوری نے **عن منصور عن ابراھیم عن الاسود عن عائشة** کے طریق سے بیان کی ہے اور صحیح بخاری ص۳۹ میں یہی حدیث، **حدثنا آدم بن ابی ایاس قال حدثنا ابن ابی ذئب عن الزھری عن عروة عن عائشة** (رقم الحدیث ۲۵۰) کی سند سے مروی ہے، اس کے علاوہ بھی کتب احادیث میں اس کی اسناد ہیں دیکھئے (تحفہ الاشراف ص۱۵۰'۱۶۱ و ۴۳۷ ج۱۲) (سنن ابو داؤد کتاب الطہارۃ باب الوضوء بفضل المرأۃ الحدیث ۷۷،) میں ہے۔

حدثنا مسدد قال حدثنا یحیٰی بن سفیان قال حدثنا منصور عن ابراھیم عن الاسود عن عائشة،

بتایئے اس سے بڑھ کر سماع کی اور صراحت کیا ہوتی ہے۔

(۸) امام سفیان ثوری نے یہ حدیث، عن ابی الزناد، سے روایت کی ہے، اور خود امام بخاری رحمہ اللہ نے آگے چل کر ص۸۶۶ ج۲ رقم الحدیث ۵۸۲۱ میں امام سفیان کا امام مالک کو متابع ذکر کیا ہے، اور تیسری سند اس حدیث کی امام بخاری رحمہ اللہ نے ص۸۲ ج۱ رقم الحدیث ۵۸۴ میں حفص بن عاصم کے طریق سے ذکر کی ہے، مزید یہ کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اسی صفحہ ۵۳ ج۱ رقم الحدیث ۳۶۷ میں یہی حدیث امام ابن شہاب الزہری کی سند سے سیدنا ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کی ہے، الغرض یہاں متابعت کے علاوہ دوسری سند ثابت ہونے کے علاوہ سیدنا ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی موجود ہے، اور امام بخاری رحمہ اللہ نے پہلے یہی حدیث نقل کی ہے بعد میں امام سفیان ثوری کے طریق سے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی درج کی ہے، لہذا تدلیس کا شبہ ختم ہو جاتا ہے۔

(۹) امام بخاری رحمہ اللہ نے اسی صفحہ ۸۸ رقم الحدیث ۶۳۱ وص۸۷ رقم الحدیث ۶۲۸، میں آپ کی پیش کردہ سند سے پہلے اور بعد امام ایوب کو امام سفیان ثوری کا متابع ذکر کیا ہے، لہذا تدلیس کا شبہ جاتا رہا۔

(۱۰) آپ نے صفحہ غلط تحریر کیا ہے، درست صفحہ ۱۱۲ ہے، امام سفیان نے یہ روایت عمرو بن دینار سے نقل کی ہے، اور اسی صفحہ پر آپ کی پیش کردہ سند سے آگے اس باب کی دوسری حدیث میں عمرو بن دینار سے یہی حدیث امام شعبہ نے بھی روایت کی ہے اور اگلے صفحہ ۱۱۳ پر، حماد بن زید اور ابوعوانہ امام سفیان ثوری کے متابع موجود ہیں۔ (رقم الحدیث ۸۱۵،۸۱۶)

الغرض بخاری کے اسی مقام پر امام سفیان ثوری کے تین امام متابع ہیں۔ جس سے تدلیس ختم ہو جاتی ہے، مزید یہ کہ امام محمد بن اسحاق نے، مسند السراج ص۱۲۹ (رقم الحدیث ۳۲۷) میں یہی حدیث عبدالجبار کے واسطہ سے امام سفیان سے نقل کی ہے، جس میں انہوں نے سماع کی صراحت کی ہے۔

قارئین کرام اس پوری تفصیل سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ اگر سفیان ثوری مدلس ہیں اور جھنگوی

صاحب نے اس سلسلہ میں بخاری کی جن روایات پر اعتراض کیا ہے، غلط اور باطل ہے، کاش جھنگوی صاحب کتب احادیث کا مطالعہ حدیث فہمی اور اسوہ رسول اللہ ﷺ پر عمل کرنے کے لیے کرتے تو ان کے لئے دنیا و آخرت کے لیے مفید تھا مگر اس نا لائق نے مقلد ہو کر امام بخاری رحمہ اللہ جیسے جبال علوم پر تنقید کر کے خود اپنے علم و فہم کا حدود اربعہ معلوم کروایا ہے، و بس۔

اکابر احناف اور امام سفیان ثوری کی تدلیس

(۱) علامہ ابن ترکمانی نے، الجوہر النقی ص۲۶۲ ج۴ میں، (۲) علامہ عینی نے ''عمدۃ ص۱۱۲ ج۳ زیر حدیث ۲۱۴) میں (۳) علامہ نیموی نے، حاشیہ آثار السنن ص۱۲۶ میں (۴) علامہ ظفر احمد تھانوی نے، اعلاء السنن ص۲۵۳ ج۲ میں (۵) علامہ شبیر احمد عثمانی نے، فتح الملہم ص۵۱ ج۲ میں (۶) مولانا خلیل احمد نے'' بذل المجہود ص۱۰۳ ج۲ میں (۷) ماسٹر امین نے، تجلیات صفدر ص۱۱۴ ج۴ میں (۸) مولانا سرفراز احمد خاں صفدر نے، خزائن السنن ص۷۷ ج۲ میں (۹) مولانا تقی عثمانی نے، درس ترمذی ص۵۲۱ ج۲ میں (۱۰) مولوی عبد القیوم نے، توضیح السنن ص۶۱۵ ج۱ میں (۱۱) مولوی ابو یوسف محمد شریف نے، فقہ الفقیہ ص۱۳۴ میں (۱۲) مولوی عباس رضوی نے، مناظرے ہی مناظرے ص۲۴۹ میں امام سفیان ثوری کو مدلس قرار دیا ہے۔

جب یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ گئی کہ سفیان ثوری تدلیس کرتے تھے اور زیر بحث روایت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو روایت کرنے میں امام سفیان ثوری کا کوئی ثقہ متابع موجود نہیں اور نہ ہی انہوں نے تحدیث کی صراحت کی ہے، لہذا یہ روایت ضعیف ٹھہری۔

(۱۵) ابو حنیفة عن حماد عن ابراهیم عن الاسود ان عبد الله بن مسعود رضی اللہ عنہ کان یرفع یدیه فی اول التکبیر ثم لم یعد الی شئی من ذلك ویأثر ذلك عن رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم۔

(جامع المسانید ص۳۵۵)

حضرت امام ابو حنیفہؒ حضرت حمادؒ سے اور وہ حضرت ابراہیم نخعیؒ سے اور وہ حضرت اسودؒ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ پہلی تکبیر میں رفع یدین کرتے تھے، اس کے بعد نماز میں کسی جگہ رفع یدین نہیں کرتے تھے اور وہ اس عمل کو رسول اللہ ﷺ سے نقل کرتے تھے۔

(حدیث اور اهل حدیث ص۳۹۷.۳)

انوار صاحب حاشیہ میں فرماتے ہیں۔ یہ ایسی سنہری سند ہے کہ جس کے تمام راوی تام الضبط کثیر الملازمۃ اور اپنے اپنے زمانے کے افقہ الناس ہیں۔ (۲۔۳۹۷)

الجواب اولاً: پہلی بددیانتی تو انوار صاحب نے یہ کی ہے کہ سند پوری درج نہیں کی، سنئے سلسلہ

سند یہ ہے، **اخرجه ابو محمد البخاری عن رجاء بن عبد الله النهشلی عن شقیق عن ابراهیم عن ابی حنیفة عن حماد بن ابراهیم عن الاسود الخ۔**

(جامع المسانید ص۳۵۵ ج۱)

سند کا پہلا راوی ابومحمد البخاری الحارثی کذاب ہے، جو وضع احادیث میں معروف ہے۔ امام ابوسعید فرماتے ہیں کہ احادیث گھڑنے سے متہم ہے، امام احمد سلیمانی کا کہنا ہے کہ سند اور متون میں گڑ بڑ کر کے وضع احادیث کرتا تھا، امام ابوزرعہ رازی نے ضعیف قرار دیا ہے، حاکم فرماتے ہیں کہ ثقات سے عجیب و غریب روایات روایت کرتا ہے، خطیب کہتے ہیں کہ عجائب اور مناکیر روایت کرتا ہے (میزان ص۴۹۶ ج۲ ولسان ص۳۴۹ ج۳) دوسرا راوی، رجاء بن عبد اللہ، مجہول الحال ہے، کتب رجال اس کے ترجمہ سے خالی ہیں، حتی کہ مقلد مولوی ظفر احمد تھانوی بھی فرماتے ہیں کہ میں اس کے حالات سے واقف نہیں ہوا، (اعلاء السنن ص۴۷ ج۳)، تیسرا راوی شقیق بن ابراہیم ہے۔ جو منکر الحدیث ہے (میزان ص۲۷۹ ج۲ ولسان ص۱۵۱ ج۳) چوتھا راوی امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ، ہیں جو سییٔ الحفظ ہیں، تفصیل فاتحہ کے مسئلہ میں گزر چکی ہے، پانچواں راوی، حماد بن ابی سلیمان ہے۔

اور علامہ ہیثمی نے صراحت کی ہے کہ حماد سے صرف، شعبہ، سفیان ثوری اور دستوائی نے اختلاط سے پہلے سماع کیا ہے اور باقی نے اختلاط کے بعد، (مجمع الزوائد ص۱۲۴ ج۱) حماد نے یہ روایت ابراہیم نخعی سے نقل کی ہے اور ابراہیم مدلس ہے (طبقات المدلسین ص۲۸) اور سماع کی صراحت نہیں جس روایت کی سند میں ایک راوی کذاب ہو دوسرا مجہول ہو تیسرا منکر الحدیث ہو چوتھا سییٔ الحفظ ہو پانچواں مختلط ہو چھٹا مدلس ہو اور سماع کی صراحت بھی نہ کرے، ایسی روایت کے باطل و موضوع اور من گھڑت ہونے میں کیا کلام ہوسکتا، میرے فاضل بھائی ابو طاہر محمد زبیر علیزئی محدث حضرو حفظہ اللہ تعالیٰ نے اس کی سند پر مختصر جرح کر کے موضوع ہونا لکھا تھا (نور القمرین ص۱۳) انوار صاحب سے اس جرح کا جواب تو نہ بن سکا مگر بڑی ڈھٹائی اور دلیری سے لکھ دیا کہ اس کے تمام راوی تام الضبط وغیرہ ہیں (ص۲ ا۳۹۷) مقلد انوار صاحب دلائل سے ثابت کریں کہ کذاب و مجہول اور سییٔ الحفظ راوی تام الضبط ہوتے ہیں۔

۱۶۔۲۳ سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی روایت اس حدیث کو انوار صاحب نے، حدیث اور اہل حدیث ص۳۔۳۹۷ تا ۷۔۳۹۷) تک، ابو داؤد، طحاوی، عبد الرزاق مسند ابو یعلی، دارقطنی، مسند احمد وغیرہ سے نقل کیا ہے کہ سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع کرتے تو دونوں ہاتھ کانوں کے قریب تک لیجا کر رفع یدین کرتے پھر (کسی جگہ) نہ کرتے۔

الجواب اولاً: قارئین کرام ہم آپ کے سامنے اس روایت کی سند کو درج کر کے پھر اس پر تبصرہ کرتے ہیں۔

سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ
↓
عبدالرحمان بن ابی لیلیٰ
↓
یزید بن ابی زیاد
↓

۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸
اسماعیل بن زکریا دارقطنی ص ۲۹۳ ج ۱	شعبی دارقطنی ص ۲۹۳ ج ۱ مسند احمد ۳۰۳ ج ۴	شریک ابوداؤد ص ۱۰۹	سفیان طحاوی ص ۱۵۴	ابن ادریس مسند ابویعلی ص ۲۴۹ ج ۳	ھشیم مسند ابویعلی ص ۲۴۸ ج ۳	ابن عیینہ عبدالرزاق ص ۷۱ ج ۲	ابن ابی لیلیٰ دارقطنی ص ۲۹۴ ج ۱
حدیث اور اہل حدیث ص ۳۹۷_۶	حدیث اور اہل حدیث ص ۳۹۷_۷	حدیث اور اہل حدیث ص ۳۹۷_۳	حدیث اور اہل حدیث ص ۳۹۷_۴	حدیث اور اہل حدیث ص ۳۹۷_۵	حدیث اور اہل حدیث ص ۳۹۷_۵	حدیث اور اہل حدیث ص ۳۹۷_۴	حدیث اور اہل حدیث ص ۳۹۷_۶

نتیجہ: سیدنا براء رضی اللہ عنہ سے صرف ایک راوی بیان کرتا اور عبدالرحمان سے بھی ایک راوی یزید نقل کرتا ہے اور یزید سے اس کے آٹھ شاگرد نقل کرتے ہیں۔

قارئین کرام انوار صاحب کی درج کردہ اسناد کو ہم نے جدول کی صورت میں تحریر کر دیا ہے، اسے غور سے ملاحظہ کریں، اس کا مدار یزید بن ابی زیاد راوی پر ہے، اور یہ مدلس ہے، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

یزید بن ابی زیاد الکوفی من اتباع التابعین تغیر فی آخر عمرہ وضعف بسبب ذلک وصفہ الدار قطنی والحاکم و غیرھما بالتدلیس۔

یعنی یزید کوفی اتباع تابعین سے ہے، بڑھاپے میں اس کا حافظہ متغیر ہو گیا تھا، اسی وجہ سے (آئمہ جرح وتعدیل نے) ضعیف کہا ہے، اس کے مدلس ہونے کی صراحت امام دارقطنی اور حاکم وغیرہ نے کی ہے۔ (طبقات المدلسین ص٤٨)

ثانیاً: یزید سے ثم لم یعد (یعنی دوبارہ رفع یدین نہ کیا) کے الفاظ سے مروی اسناد میں سماع کی صراحت نہیں، ہاں امام شعبہ کی روایت میں سماع کی صراحت ہے مگر اس میں، ثم لم یعد، کے الفاظ نہیں ہیں۔ اور یہ مسلمہ اصول ہے کہ عدم ذکر سے عدم شئی لازم نہیں آتا

ثالثاً: یزید مجروح ومتکلم فیہ ہے، اس پر حافظے کی بنا پر کلام ہے، تفصیل حسب ذیل ہے

نمبر	جرح کرنے والے امام	الفاظ جرح	ثبوت جرح
۱	شعبہ	کان یزید بن ابی زیاد رفاعا	الجرح و التعدیل ص٢٦٥ ج٩ وغیرہ
۲	ابو حاتم الرازی	لم یکن بالحافظ، لیس بذاك، لیس بالقوی	ایضاً
۳	یحیی بن معین	لا یحتج بحدیثہ ضعیف الحدیث، لیس بالقوی	ایضاً والکامل لا بن عدی ص٢٧٢٩ ج٧
۴	ابو زرعہ	کوفی لین یکتب حدیثہ ولا یحتج بہ	الضعفاء الکبیر ص٣٠٠ ج٤
۵	عبد اللہ بن مبارك	ارم بہ	ایضاً
٦	وکیع	لیس بشئی	ایضاً
۷	ابو اسامہ	لو حلف عندی خمسین یمیناً قسامہ ما صدقتہ	ایضا
۸	العقیلی	ذکرہ فی الضعفاء	ایضاً

۹	النسائی	لیس بالقوی	الضعفاء والمتروکین رقم الترجمه ٦٥
۱۰	الجوزجانی	سمعتهم یضعفون حدیثه	احوال الرجال رقم ١٣٥
۱۱	احمد بن حنبل	حدیثه لیس بذاك	کتاب العلل و معرفة الرجال ص٣٣ ج٢
۱۲	ابن عدی	یزید من شیعة اهل الکوفة مع ضعفه یکتب حدیثه	الکامل ص٢٧٣٠ ج٧
۱۳	ابن حزم	ضعیف	المحلی ص٤٨٤ ج٧
۱۴	البیهقی	غیر قوی	السنن الکبری ص٢٦ ج٢
۱۵	الهیثمی	وهو ضعیف	مجمع الزوائد ص٧١ ج٥
۱۶	ابن کثیر	وهو ضعیف	تفسیر ابن کثیر٩٨ج٢ وص١١٢ ص٢٠٨ ج٢
۱۷	ابن الترکمانی	مضعف	الجوهر النقی ص٢٠٨ ج٢
۱۸	ابو داؤد	لا اعلم احدا ترك حدیثه وغیره احب الی منه	تهذیب الکمال ص١٥٣٤ ج٣
۱۹	ابن قانع	ضعیف	تهذیب التهذیب ص٣٣٠ ج١١
۲۰	الحاکم ابو احمد	لیس بالقوی عندهم	ایضاً
۲۱	البرد یحی	لیس هو بالقوی	ایضاً
۲۲	ابن خزیمه	فی القلب منه	ایضاً
۲۳	الدار قطنی	لا یخرج عنه فی الصحیح، ضعیف یخطی کثیرا ویلقن اذا لقن	ایضاً
۲۴	ابن فضیل	کان من ائمة الشیعة الکبار	ایضاً

۲۵	ابن حجر	ضعیف، کبر فتغیر صار یتلقن و کان شیعیا	تقریب التهذیب
۲۶	الذهبی	مشهور سیئی الحفظ	المغنی فی الضعفاء (۷۱۰۱)
۲۷	ابن مدینی	ضعف امره	الضعفاء الکبیر للعقیلی ص۳۸۰ ج ٤
۲۸	سفیان بن عیینه	لم یکن سفیان یصف یزید بالحفظ	الام للشافعی ص۱۰٤ ج ۱
۲۹	ابن حبان	ذکره فی الضعفاء	المجروحین ص۹۹ ج ۳
۳۰	الحاکم ابو عبید الله	کان یذکر بالحفظ فلما کبر ساء حفظه فکان یقلب الاسانید ویزید فی المتون ولا یمیز	نصب الرایه ص۴۰۲ ج ۱

یہ تمام جرحیں راقم نے اپنے فاضل دوست اور محبی و اخی حافظ محمد زبیر حفظہ اللہ محدث حضرو کی تالیف، نور العینین ص۱۳۵ سے اصل مراجع سے مراجعت کے بعد نقل کی ہیں۔ مذکورہ تفصیل سے ثابت ہوا کہ آئمہ جرح وتعدیل کے نزدیک یزید ضعیف ہے اور اس پر جرح سوء حفظ کی بنا پر ہے۔

رابعاً: یزید مختلط بھی ہے، جیسا کہ امام ابن حبان اور ابن سعد نے صراحت کی ہے۔

(تهذیب التهذیب ص ج ۱۱)

اور زیر بحث روایت اس نے اختلاط کے زمانہ میں بیان کی ہے۔

امام ابو داؤد فرماتے ہیں۔

قال سفیان قال لنا بالکوفة بعد ثم لا یعود قال ابو داؤد روی هذا الحدیث هثیم و خالد و ابن ادریس عن یزید لم یذکروا ثم لا یعود۔

یعنی امام سفیان فرماتے ہیں کہ اس کے بعد ہمیں کوفہ میں انہوں نے، ثم لا یعود (یعنی افتتاح کے علاوہ رفع یدین نہ کرتے) کے الفاظ کہے، امام ابو داؤد فرماتے ہیں کہ یزید سے یہی روایت، ھشیم، خالد، ابن ادریس نے بھی روایت کی ہے مگر ان کی روایات میں لا یعود کے الفاظ نہیں ہیں۔

(ابو داؤد ص۱۰۹ ج ۱)

امام سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں کہ

ثنا یزید بن ابی زیاد بمکة عن عبد الرحمن بن ابی لیلیٰ عن البراء بن عازب قال رایت رسول الله ﷺ اذا افتتح الصلوٰة رفع یدیه قال سفیان و قدم الکوفة فسمعته یحدث به فزاد فیه ثم لا یعود فظننت انهم لقنوه و کان بمکة یومئذ احفظ منه یوم رایته بالکوفة وقالوا لی انه تغیر حفظه اوساء حفظه

میں نے یزید بن ابی زیاد سے مکہ مکرمہ میں سنا کہ، عبد الرحمٰن بن ابی لیلیٰ براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ جب نماز شروع کرتے تو رفع یدین کرتے، امام سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں کہ میں کوفہ گیا تو وہاں میں نے یزید سے سنا کہ وہ اسی روایت کو بیان کر رہے تھے اور، ثم لا یعود (دوبارا رفع یدین نہ کی) کے الفاظ کو زیادہ بیان کیا میں خیال کرتا ہوں کہ اہل کوفہ نے انہیں لقمہ دیا، اور وہ کوفہ کی نسبت مکہ میں زیادہ حافظ تھے (امام حمیدی فرماتے ہیں) پھر مجھے انہوں نے کہا کہ یزید کا حافظہ بگڑ گیا تھا یا خراب ہو گیا تھا۔

(مسند حمیدی ص۳۱٦)

امام دارقطنی فرماتے ہیں کہ

و انما لقن یزید فی آخر عمره، ثم لم یعد، فتلقنه و کان قدا ختلط۔

یعنی یزید کو آخری عمر میں، ثم لم یعد (دوبارا رفع یدین نہ کرتے) کا لقمہ دیا گیا جسے اس نے اختلاط کی وجہ سے قبول کر لیا۔

(سنن دارقطنی ص۲۹٤ ج۱)

علامہ ابن عبد البر فرماتے ہیں۔

وحکی ابن عیینة عنه انه حدثهم به قدیما ولیس فیه، ثم لا یعود، ثم حدثهم به بعد ذلك فذکر فیه ثم لا یعود، قال فنظرته فاذا ملحق بین سطرین، ذکره احمد بن حنبل و الحمیدی، عن ابن عیینة و ذکره ابو داؤد قال ابو عمر، المحفوظ فی حدیث یزید بن ابی زیاد، عن ابن ابی لیلی عن البراء کان رسول الله صلی الله علیه وسلم، اذا افتتح الصلاة، رفع یدیه فی اول مرة، وقال بعضهم فیه مرة واحدة، واما قول من قال فیه، ثم لا یعود فخطأ عند اهل حدیث۔

اور امام سفیان بن عیینہ نے بیان کیا ہے کہ یزید نے انہیں دور قدیم میں یہ حدیث، ثم لا یعود (یعنی پھر رفع یدین نہ کرتے تھے) کی زیادتی کے بغیر بیان کی تھی، پھر اسکے بعد انہوں نے بیان کی تو یہ الفاظ ،ثم لا یعود، (یعنی پھر رفع یدین نہ کرتے تھے) بڑھا دیئے، میں نے دیکھا تو اس نے دونوں سطروں کے درمیان یہ الفاظ (تازہ) لکھے ہوئے تھے، امام ابن عیینہ سے اس بیان کو امام احمد اور حمیدی نے نقل

کیا ہے، ابوداؤد نے بھی اس کا تذکرہ کیا ہے امام ابن عبدالبر فرماتے ہیں کہ سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی حدیث یزید کی سند سے محفوظ الفاظ یہ ہیں کہ

رسول صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز کو شروع کرتے تو رفع یدین پہلی مرتبہ کرتے، اور بعض راویوں کے الفاظ ہیں ایک مرتبہ ہی کرتے تھے، اور جس نے، ثم لا یعود، کے الفاظ کہے ہیں تو یہ اہل حدیث (محدثین) کے نزدیک خطاء ہیں۔

(التمهيد لمافي الموطا من المعانى والا سانيد ۲۲۵ ج ۹)

امام ابن حبان فرماتے ہیں۔

هذا الخبر عول عليه اهل العراق فى نفى رفع اليدين فى الصلوة عند الركوع وعند رفع الراس منه وليس فى الخبر، ثم لم يعد، وهذه الزيادة لقنها اهل الكوفة يزيد بن ابى زياد فى اخرعمره فتلقن كما قال سفيان بن عيينة انه سمعه قديما بمكة يحدث هذا الحديث باسقاط هذه اللفظة ومن يكن العلم صناعته لا يذكرله الاحتجاج بمايشبه هذا من الاخبار الواهية۔

یعنی اس روایت کو اہل عراق نے رکوع کرتے اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین نہ کرنے کے لیے پیش کیا ہے، حالانکہ روایت میں، ثم لم یعد، (پھر رفع یدین نہ کرتے تھے) کی زیادتی نہ تھی، اور اس زیادتی کا یزید کو کوفیوں نے اس کی آخری عمر میں لقمہ دیا تھا (اور یزید نے بوجہ اختلاط) اس لقمہ کو قبول کرلیا تھا، جیسا کہ امام سفیان بن عیینہ نے بیان فرمایا کہ انہوں نے مکہ میں پہلے دور قدیم میں یزید سے اس حدیث کو سنا تھا جس میں یہ الفاظ نہ تھے (امام ابن حبان فرماتے ہیں) جس شخص کا مشغلہ علم ہو وہ اس طرح کی روایات کو احتجاج کے طور پر کبھی ذکر نہیں کرتا۔

(المجروحين ص ۱۰۰ ج ۳ وفى نسخة الاخرى ص ۴۵۱ ج ۲)

اس پوری تفصیل سے یہ بات کھل کر ہمارے سامنے آگئی ہے کہ، ثم لم یعد، کے الفاظ یزید نے حافظہ خراب ہونے کے بعد لقمہ قبول کرکے بیان کیے ہیں یہی وجہ ہے کہ آئمہ جرح وتعدیل کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ثم لم یعد، کے الفاظ مدرج ہیں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

واتفق الحفاظ على ان قوله ثم لم يعد مدرج فى الخبر من قول يزيد بن ابى زياد و رواه عنه بدونها شعبة والثورى و خالد الطحان وزهير وغير هم من الحفاظ،

یعنی آئمہ حدیث کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ثم لا یعود (یعنی دوبارا رفع یدین نہ کی) کے الفاظ حدیث میں یزید کا قول مدرج ہے کیونکہ اس سے امام شعبہ امام سفیان ثوری خالد طحان اور زہیر وغیرہم حفاظ حدیث، ثم لا یعود، کے الفاظ کے بغیر روایت کرتے ہیں۔

(التلخیص الحبیر ص ۲۲۱ ج ۱)

اس کے بعد حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے صراحت کی ہے کہ امام احمد امام بخاری امام یحییٰ امام دارمی امام حمیدی وغیرہم نے اس روایت کو باطل وضعیف قرار دیا ہے۔

روایت نمبر ۲۴ تا ۲۸) میں انوار صاحب فرماتے ہیں کہ عبدالرحمٰن بن ابی لیلی سے یہ کلمہ نقل کرنے میں یزید بن ابی زیاد بھی اکیلے نہیں ہیں، ان کے ساتھ یہ کلمہ (۱) عیسی (۲) اور حکم بھی نقل کرتے ہیں۔ لہذا شریک کے تفرد اور یزید کی تلقین کو لیکر اعتراض کرنا غلط ہے۔

(حدیث اور اہل حدیث ۳۔۳۹۷)

آگے صفحہ ۷۔۳۹۷ تا ۹۔۳۹۷) انوار صاحب نے، ابو داؤد ص ۱۰۹ ج المدونۃ الکبری ۶۹ ج ۱ مصنف ابن ابی شیبہ ص ۲۳۶ ج ۱، مسند ابویعلی ص ۲۴۸ ج ۳، شرح معانی الاثار ص ۱۵۳ ج ۱ سے نقل کیا ہے۔

وکیع عن ابن ابی لیلی عن الحکم وعیسی عن عبدالرحمن بن ابی لیلی عن البراء بن عازب رضی اللہ عنہ۔

<u>الجواب</u>: قارئین کرام انوار صاحب نے جو سہارا تلاش کیا ہے یہ ڈوبتے کو تنکے کا سہارا، کے مترادف ہے تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ مذکورہ سند میں ابن ابی لیلی (محمد بن عبدالرحمٰن) راوی ہے جو سیئ الحفظ ہے (تفصیل آگے آرہی ہے) اس نے غلطی سے یزید بن ابی زیاد، کی بجائے، عیسی اور حکم کا واسطہ ڈال کر عبدالرحمٰن بن ابی لیلی سے روایت بیان کر دی ہے حالانکہ محمد بن عبدالرحمٰن نے یہ روایت یزید سے ہی سنی تھی، امام احمد بن حنبل نے محمد بن عبداللہ بن نمیر (ثقہ امام) سے بیان کیا ہے کہ میں نے محمد بن عبدالرحمٰن ابن ابی لیلی کی کتاب میں دیکھا تو وہ اس حدیث کو یزید بن ابی زیاد سے روایت کر رہا تھا۔

(کتاب العلل لاحمد بن جنبل ص۱۴۳ ج ۱ رقم ۶۰۳)

امام بخاری فرماتے ہیں کہ محمد بن عبدالرحمٰن نے جن کو کتاب سے روایت املا کروائی ہے انہیں یزید کے واسطہ سے ہی املاء کروائی ہے اور جن کو اپنی یادداشت سے املا کروائی ہے انہیں عیسی وحکم کے واسطہ سے بتائی ہے امام بخاری کے الفاظ ہیں۔

وروی وکیع عن ابن ابی لیلی عن اخیه عیسی والحکم بن عتیبة عن ابن ابی لیلی عن البراء رضی عنه قال رایت النبی ﷺ یرفع یدیه اذا کبر ثم لم یرفع، قال البخاری وانما روی ابن ابی لیلی هذا من حفظه فامامن حدث عن ابن ابی لیلی من کتاب فا نما حدث عن ابن ابی لیلی عن یزید فرجع الحدیث الی تلقین یزید و المحفوظ ماروی عنه الثوری و شعبة

وابن عیینة قدیما۔

یعنی امام وکیع کے طریق سے محمد بن عبدالرحمٰن ابن ابی لیلی کی روایت عیسی اور حکم کے واسطہ سے مروی ہے کہ سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ کا کہنا ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین کیا اور پھر رفع یدین نہ کرتے امام بخاری فرماتے ہیں اس روایت کو محمد بن عبدالرحمٰن ابن ابی لیلیٰ نے اپنی یادداشت سے بیان کیا ہے اور جس نے محمد بن عبدالرحمٰن ابن ابی لیلیٰ کی کتاب سے حدیث روایت کی ہے اس نے یزید کے واسطہ سے ہی بیان کی ہے لہذا روایت کا مرجع یزید کی تلقین ہی ٹھہرا اور محفوظ حدیث وہی ہے جو یزید سے امام سفیان ثوری امام شعبہ امام ابن عیینہ نے قدیم دور میں (اس زیادتی کے بغیر) روایت کی ہے۔

(جزء رفع الیدین مترجم ص ۳۲)

خلاصہ کلام یہ کہ عیسی وحکم کا واسطہ محمد بن عبد الرحمٰن ابن ابی لیلی نے غلطی سے بڑھایا ہے جب آپ نے اس قدر بات کو سمجھ لیا ہے تو اب آئمہ جرح وتعدیل کی تصریحات ابن ابی لیلیٰ کے متعلق ملاحظہ کریں کہ

امام یحیی بن سعید نے ضعیف قرار دیا ہے امام احمد فرماتے ہیں، سیئی الحفظ اور مضطرب الحدیث ہے امام شعبہ کہتے ہیں میں نے اس سے بڑھکر کسی کو حافظے کا بدتر نہیں دیکھا مجھ سے اس نے چند روایات بیان کیں جو تمام کی تمام مقلوب تھیں، امام زائدہ نے اسے ترک کر دیا تھا اس سے روایت بیان نہ کرتے تھے، امام ابن معین اسے لیس بذاک، قرار دیتے ہیں امام ابوزرعہ کہتے ہیں قوی نہیں امام ابو حاتم کا کہنا ہے کہ مقام اس کا صدوق ہے مگر سیئی الحفظ ہے قضاء میں اشتغال کی وجہ سے اس کا حافظہ خراب ہو گیا تھا جھوٹ نہیں بولتا مگر کثرت خطاء کے سبب اس پر انکار کیا گیا ہے اسکی مرویات کو لکھا جائے مگر احتجاج نہ کیا جائے امام ابن حبان فرماتے ہیں کہ فاش اغلاط کرتا ہے ردی الحفظ ہے اور اسکی مرویات میں کثرت سے مناکیر ہیں، اسے امام احمد اور یحیی نے ترک کر دیا تھا امام دارقطنی کا فیصلہ ہے ردی الحفظ اور کثیر الوھم ہے، امام ابن جریر فرماتے اس سے احتجاج نہ کیا جائے، امام ابن مدینی کا ارشاد ہے سیئی الحفظ اور واہی الحدیث ہے امام ابو احمد الحاکم کہتے ہیں۔ اسکی عام احادیث مقلوب ہیں امام ساجی نے اسکی کی قضامیں تعریف کی ہے اور احادیث میں کہا ہے کہ حجت نہیں سیئی الحفظ ہے امام ابن خزیمہ فرماتے ہیں کہ گو فقہی اور عالم ہے مگر حافظ نہیں۔

(تہذیب ص ۳۰۲ ج ۹)

امام نسائی فرماتے ہیں احادیث میں قوی نہیں۔ (الضعفاء للنسائی ص ۵۲۵)

ابن عدی کا کہنا ہے سوء حفظ کے باوجود اسکی روایات کو لکھا جائے۔ (الکامل ص ۲۱۹۵ ج ۶)

سلمہ بن کہیل فرماتے ہیں کہ مجھ پر افترا کرتا ہے۔ (الضعفاء الکبیر للعقیلی ص۹۹ ج۴)
امام بیہقی فرماتے ہیں روایت میں سوء حفظ اور کثرت سے غلطیاں کرنے کی وجہ سے ضعیف ہے۔
(السنن الکبریٰ ص۳۳٤ ج٥)
علامہ مقدسی فرماتے ہیں کہ اس کے ضعیف ہونے پر محدثین کا اجماع ہے
(تذکرۃ الموضوعات ٢٤و٩٠)
علامہ ذہبی کہتے ہیں، سیئ الحفظ ہے (میزان ص۶۱۳ ج۳) حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں اس کے سوء حفظ کی وجہ سے محدثین اسکی روایات کے ضعیف ہونے پر متفق ہیں علامہ ہیثمی نے ضعیف قرار دیا ہے
(مجمع الزوائد ص۸۷ ج۱) ابن قطان نے، سیئ الحفظ، کہا ہے (نصب الرایہ ص۱۸۲ ج۲)

حنفی علماء کی تصریحات

امام طحاوی فرماتے ہیں مضطرب الحفظ جدا (یعنی سخت مضطرب حافظے والا ہے)
(مشکل الاثار ص۲۲۶ ج۳) علامہ زیلعی فرماتے ہیں ضعیف ہے (نصب الرایہ ص۳۱۸ ج۱)
ابن ترکمانی فرماتے ہیں متکلم فیہ ہے۔
(الجوهر النقی ص٣٤٧ ج٧)
علامہ نیموی فرماتے ہیں۔ لیس بالقوی (التعلیق الحسن ص ۱۵) مولوی انوار شاہ کاشمیری فرماتے ہیں، فهو ضعیف عندی کماذهب الیه الجمهور (فیض الباری ص ۱۶۸ ج۳) علامہ بنوری نے معارف السنن ص۲۹۰ ج۵ میں ضعیف، مولوی خلیل احمد سہار نپوری نے، بذل المجھود ص۴۷ ج۹، میں کثیر الوھم، قرار دیا ہے۔
قارئین کرام! اس تفصیل سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ گئی ہے کہ سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں، ثم لم یعد، کے الفاظ غیر ثابت شدہ اور قول یزید سے مدرج ہیں، اور ان الفاظ کو نقل کرنے میں، یزید، کا کوئی ثقہ متابع موجود نہیں ہے، انوار صاحب نے جن متابع کی نشان دہی کی ہے وہ راوی (محمد بن عبدالرحمٰن) کے سوء حفظ کا نتیجہ ہے۔

۲۹ حدثنا مسددثنا یحیی عن ابن ابی ذئب عن سعید بن سمعان عن ابی هریرة قال کان رسول صلی اللہ علیہ وسلم اذا دخل فی الصلوة رفع یدیه مدا۔
(ابو دأود ص١١٠ ج١)
حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز میں داخل ہوتے تھے تو خوب ہاتھ دراز کر کے رفع یدین کرتے تھے (حدیث اور اہل حدیث ص۱۰-۳۹۷)

غور کیجئے کہ اس حدیث میں فقط افتتاح نماز میں ہاتھ اٹھانے کی کیفیت کا بیان ہوا ہے باقی تمام طریقہ نماز میں سے کسی کا بھی بیان نہیں حتی کہ تکبیر تحریمہ کا ذکر نہیں، تو کیا اس سے شرائط نماز اور ارکان نماز مثلا رکوع وسجود قیام وقرأت وغیرہ کا عدم ثابت ہوتا ہے، انوار صاحب خدارا غور کریں آپ عدم رفع پر ایک ایسی دلیل عنایت کرتے ہیں جس سے پوری نماز کے طریقے کا عدم ثابت ہوتا ہے پھر قابل غور بات تو یہ ہے کہ اس حدیث کے راوی سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ تو رفع یدین کرتے تھے جیسا کہ فصل اول میں آثار صحابہ کے تحت تفصیل گزر چکی ہے۔ اگر اس سے رفع یدین نہ کرنا ثابت ہوتا تھا تو صحابی رسول جو براہ راست اس فرمان نبوی علیہ التحیۃ والسلام کو سماعت کرنے والا ہے اسے تو پتا نہ چلا مگر آپ نے پندرھویں صدی میں آکر معلوم کر لیا، انا للہ و انا الیہ راجعون، آپ خیر القرون کے تعامل کو یکسر نظر انداز کر کے کونسی دین وملت کی خدمت کر رہے ہیں؟

(۳۰) عن نعیم المجمر و ابی جعفر القاری عن ابی هریرة انه کان یرفع یدیه اذا افتتح الصلاة و یکبر کلما خفض و رفع و یقول انا اشبهکم صلاة برسول اله صلی الله علیه وسلم۔

(التمهید لما فی المؤطا من المعانی والا سانید ص۲۱۵ ج۹)

حضرت ابو نعیم المجمر اور حضرت ابو جعفر القاری رحمہا اللہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ رفع یدین تو نماز شروع کرتے وقت کرتے تھے اور تکبیر ہر اونچ نیچ میں کہتے تھے اور فرماتے تھے کہ میں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے ساتھ تم سب سے زیادہ مشابہت رکھتا ہوں۔

(حدیث اور اهل حدیث ص۱۰۔۳۹۷)

الجواب: اس کا جواب بھی اوپر کی روایت کے جواب میں آ گیا ہے کہ عدم ذکر نفی ذکر کو مستلزم نہیں ہے، قارئین کرام غور کیجئے کہ اس روایت میں ہر اونچ نیچ پر تکبیر کہنے کا ذکر ہے حالانکہ رکوع سے اٹھتے وقت بالاتفاق تکبیر کی بجائے تسمیع وتحمید، کہنا مسنون ہے۔

جبکہ اس حدیث میں اس کا ذکر نہیں، تو کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ رکوع سے اٹھتے وقت، سمع اللہ لمن حمدہ، کہنا ثابت نہیں، اور بدعت ہے، انوار صاحب جس دلیل سے، سمع اللہ لمن حمدہ، کو مستثنیٰ قرار دیں گے وہی دلیل رکوع کرتے اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین کرنے کی ہو گی۔

(۳۱) عن عبد الرحیم بن سلیمان عن ابی بکر النهشلی عن عاصم بن کلیب عن ابیه عن علی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انه کان یرفع یدیه فی اول الصلوٰة ثم لا یعود۔

(العلل الواردة فی الاحادیث النبویة ص۱۰۶ ج۴) قلت انفرد برفعه عبد الرحیم بن سلیمان وهو ثقة ناقل)

حضرت علی رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے شروع میں رفع یدین کرتے تھے، پھر دوبارہ نہیں کرتے تھے۔ (حدیث اور اهل حدیث ص۱۱۔۳۹۷)

الجواب اولاً: خود امام دارقطنی نے نقل روایت کے بعد لکھا ہے کہ اسے مرفوع بیان کرنے میں عبد الرحیم کو وہم ہوا ہے (العلل لدارقطنی ص ۱۰۷ ج ۴ سطر اول)۔

ثانیاً: امام دارقطنی نے صرف عبد الرحیم سے آگے کی سند بیان کی ہے، نیچے کی نہیں، جو شخص اس کی صحت کا مدعی ہے وہ عبد الرحیم تک سند کی نشاندہی کرے اور امام دارقطنی کی جرح کا جواب دے۔

(۳۲) ثنا الحسین بن احمد بن منصور سجادة ثنا بشر بن الولید القاضی ثنا کثیر بن عبد الله ابو هاشم قال سمعت انس بن مالك یقول قال لی النبی صلی الله علیه وسلم، یا بنی اذا تقدمت الی الصلوة فاستقبل القبلة و ارفع یدیك و کبر و اقرأ ما بدالك فاذا رکعت فضع کفیك علی رکبتیك وفرق بین اصابعك و سبح فاذا رفعت راسك فاقم صلبك حتی یقع کل عضو مکانه و اذا سجدت فامکن جبهتك من الارض وسبح و اذا رفعت راسك فاقم راسك فاذا قعدت فضع عقبیك تحت الیتك واقم صلبك فانها من سنتی ومن تبع سنتی فانه منی و من هو منی فهو معی فی الجنة۔ (الکامل فی ضعفاء الرجال لا بن عدی ص۲۰۸۶ ج۶)

کثیر بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ بیٹا جب تو نماز کے لیے بڑھے تو تو قبلہ رو ہوجا،، رفع یدین کر اور تکبیر تحریمہ کہہ اور قراءت کر جہاں سے کرنا چاہے پھر جب رکوع میں جائے تو دونوں ہتھیلیاں گھٹنوں پر رکھ اور انگلیاں کھلی رکھ اور (رکوع کی) تسبیح پڑھ پھر جب رکوع سے سر اٹھائے تو اپنی کمر سیدھی کرے یہاں تک کہ ہر عضو اپنی جگہ، پہنچ جائے پھر جب تو سجدہ میں جائے تو اپنی پیشانی زمین پر رکھ اور (سجدہ) کی تسبیح پڑھ، پھر جب تو سر اٹھائے تو اپنا سر سیدھا کر لے، پھر جب تو قعدہ کرے تو اپنی ایڑیوں کو سرین کے نیچے کر لے اور کمر کو سیدھا کر لے یہ میری سنت ہے اور جس نے میری سنت کی پیروی کی وہ مجھ سے ہے اور جو مجھ سے ہے وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۳۹۸)

الجواب اولاً: اس روایت میں رفع یدین نہ کرنے کا ذکر نہیں ہے، جو انوار صاحب کا دعویٰ اور مسلک و مذہب ہے۔

ثانیاً: یہ روایت باطل ہے، علامہ ابن عدی اور عقیلی نے اسے ضعیف قرار دیتے ہوئے امام بخاری سے نقل کیا ہے کہ اس کا راوی کثیر بن عبداللہ منکر الحدیث ہے۔

(نصب الرایہ ص۳۷۳ ج۱ و ابن عدی ص۲۰۸۵ ج۶ والضعفاء الکبیر للعقیلی ص۸ ج۴)

اور امام بخاری کا کسی راوی کے متعلق، منکر الحدیث کہنا اس بات کی دلیل ہے کہ ایسے راوی سے ان کے نزدیک روایت لینا جائز نہیں۔

(میزان الاعتدال ص۶ ج۱ و تدریب الراوی ص۲۳۵ و القواعد فی علوم الحدیث ص۲۵۸)

الغرض کثیر بن عبد اللہ پر شدید جرح ہے، امام بخاری کے علاوہ امام ابو حاتم فرماتے ہیں کہ منکر الحدیث ضعیف اور شبہ متروک ہے امام نسائی کہتے ہیں متروک ہے امام حاکم ابو احمد فرماتے ہیں کہ منکر الحدیث ہے امام حاکم کا کہنا ہے کہ کثیر کا خیال ہے کہ اس نے سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے سماع کیا ہے اور ان سے ایسی روایات نقل کرتا ہے جن کے متعلق دل گواہی دیتا ہے کہ موضوع اور من گھڑت ہیں (تہذیب التہذیب ص۴۱۸ ج ۸) الغرض یہ روایت باطل و من گھڑت ہے۔

ثالثاً: اس روایت میں اس بات کا بھی ذکر ہے کہ سجدوں کے درمیان دونوں ایڑیوں کو سرین کے نیچے کرنا مسنون ہے۔ حالانکہ یہ حنفیہ کا مسلک نہیں۔

۳۳ عن محمد بن عمرو بن عطاء انه کان جالسا مع نفر من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم فذکرنا صلوٰۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال ابو حمید الساعدی انا کنت احفظکم لصلوٰۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رایته اذا کبر جعل یدیه حذو منکبیه و اذا رکع امکن یدیه من رکبتیه ثم هصر ظهره فاذا رفع راسه استویٰ حتی یعود کل فقار مکانه و اذا سجد وضع یدیه غیر مفترش ولا قابضهما و استقبل باطراف اصابع رجلیه القبلة فاذا جلس فی الرکعتین جلس علی رجله الیسری و نصب الیمنیٰ فاذا جلس فی الرکعة الاخرۃ قدم رجله الیسری و نصب الاخری و قعد علی مقعدته، الحدیث۔ (بخاری ص۱۱٤ ج۱)

حضرت محمد بن عمرو بن عطاء سے مروی ہے کہ وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بہت سے صحابہ کرام کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے، فرماتے ہیں کہ ہم نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نماز کا تذکرہ کیا تو ابوحمید ساعدی کہنے لگے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کو تم سب سے زیادہ یاد رکھنے والا ہوں، میں نے آپ کو دیکھا کہ جب آپ تکبیر (تحریمہ) کہتے تو اپنے دونوں ہاتھ مونڈھوں کے برابر لے جاتے، اور جب رکوع کرتے تو اپنے دونوں ہاتھ گھٹنوں پر جما دیتے پھر اپنی کمر (مبارک) جھکا کر سر اور گردن کے برابر کر دیتے پھر رکوع سے سر اٹھا کر سیدھے کھڑے ہو جاتے حتی کہ کمر کی ہر پسلی اپنی جگہ پر آ جاتی اور جب سجدہ کرتے تو دونوں ہاتھ زمین پر اس طرح رکھتے کہ نہ بازوؤں کو بچھاتے نہ سمیٹ کر پہلو سے لگا دیتے اور پاؤں کی انگلیوں کی نوکیں قبلے کی طرف رکھتے پھر جب دو رکعتوں پر بیٹھتے تو بایاں پاؤں بچھا کر اس پر بیٹھتے اور دایاں پاؤں کھڑا رکھتے پھر جب آخری رکعت میں بیٹھتے تو بایاں پاؤں آگے کرتے اور دائیں پاؤں کو کھڑا کر کے سرین کے بل بیٹھتے۔ (حدیث اور اهل حدیث ص۳۹۸ ''۳۹۹)

الجواب اولاً: یہ حدیث بلاشبہ صحیح ہے اور ہمارا دین و ایمان ہے، مگر انوار اس کا منکر و مکذب ہے تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ اس حدیث میں تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھوں کا کندھوں تک اٹھانا بیان ہوا ہے جبکہ انوار صاحب فرماتے ہیں کہ ہاتھ کانوں تک اٹھانے چاہیں۔ (حدیث اور اهل حدیث ص۲۷۵)

پھر اس حدیث میں بیان ہوا ہے کہ آخری تشہد میں تورک کیا (یعنی بائیں پاؤں کو دائیں جانب نکال کر سرین پر بیٹھے) مگر انوار صاحب کے نزدیک یہ غیر مسنون اور ممنوع ہے (ص۴۶۱)

قارئین کرام غور کیجئے کہ مطلب برآری کے لیے اسے رد وہابیت کے لیے قبول کر لیا مگر خود بوجہ تقلید اس کا انکار کر دیا، یہ عمل بالحدیث کا جھوٹا دعویٰ نہیں اور کیا ہے؟

ثانیاً: اس حدیث میں رفع الیدین کرنے کی ممانعت ثابت نہیں ہوتی زیادہ سے زیادہ اس میں رکوع کرتے وقت رفع یدین کا ذکر نہیں اور عدم ذکر عدم شئ کو مستلزم نہیں، اور یہ مسلمہ اصول ہے، جس سے کتب فقہ میں متعدد مثالیں موجود ہیں، مولوی تقی عثمانی مقلد دیوبندی فرماتے ہیں کہ

عدم ذکر عدم الشئی کو مستلزم نہیں ہوتا (درس ترمذی ص۶۲ ج۲)

ثالثاً: محمد بن عمرو کی یہی حدیث کتب احادیث میں دوسری صحیح سند کے ساتھ موجود ہے، جس میں رکوع کرتے اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین کرنے کا ذکر ہے، دیکھئے فصل اول حدیث نمبر ۶۵ تا ۶۹

علامہ ابن ترکمانی فرماتے ہیں کہ

زيادة الثقة مقبولة و من لم يذكر الشئى ليس بحجة على من ذكر

یعنی ثقہ کی زیادہ مقبول ہے، اور جس نے کوئی چیز ذکر نہیں کی وہ بیان کرنے والے پر حجت نہیں (الجوہر النقی ص۳۱۷)

مولوی سرفراز خان صفدر مقلد فرماتے ہیں، جاننے والوں کی بات نہ جاننے والے کی بات پر راجح ہوگی (احسن الکلام ص۳۸۰) ج۱)

الغرض انوار مقلد صاحب کا اس حدیث سے بایں معنیٰ استدلال کہ اس میں متنازع رفع یدین کا ذکر نہیں ہے، قطعی طور پر باطل و مردود استدلال ہے

۳۴ عبد الرحمن بن غنم ان ابا مالك الاشعرى جمع قومه فقال يا معشر الا شعريين اجتمعوا واجمعوا نسائكم و ابنائكم اعلمكم صلوة النبى ﷺ صلى لنا بالمدينة فاجتمعوا و جمعوا نسائهم و ابنائهم فتوضأ و اراهم كيف يتوضأ فاحصى الوضوء الى اماكنه حتى لما ان فاء الفيئ و انكسر الظل قام فاذن فصف الرجال فى ادنى الصف وصف الو لدان خلفهم وصف النساء خلف الولدان ثم اقام الصلوٰة فتقدم فرفع يديه فكبر فقرأ بفاتحة الكتاب و سورة يسرهما ثم كبر فركع فقال سبحان الله و بحمده ثلاث مرار ثم قال سمع الله لمن حمده و استوى قائما ثم كبر فسجد ثم كبر فانهض قائما فكان تكبيرة فى اول ركعة ست تكبيرات و كبر حين قام الى الركعة الثانية فلما قضى صلاته اقبل الى قومه بوجهه فقال احفظوا تكبيرى و تعلموا ركوعى و سجودى فانها صلاة رسول الله ﷺ التى كان يصلى

لنا كذا الساعة من النهار، الحديث۔ (مسند احمد ص۳۴۳ ج۵)

حضرت عبد الرحمٰن بن غنم فرماتے ہیں کہ حضرت ابو مالک اشعری نے اپنی قوم کو جمع کر کے فرمایا اے اشعری قوم جمع ہو جاؤ، اور اپنی عورتوں اور بچوں کو بھی جمع کر لو تاکہ میں تمہیں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نماز سکھا دوں جو آپ ہمیں مدینہ طیبہ میں پڑھایا کرتے تھے، پس آپ نے وضو کیا اور انہیں دکھلایا کہ کیسے وضو کیا جاتا ہے، آپ نے خوب اچھی طرح سے پانی اعضاء وضو تک پہنچایا حتی کہ جب سایہ ظاہر ہو گیا تو آپ نے کھڑے ہو کر اذان دی، امام سے قریب تر مردوں نے صف باندھی، ان کے پیچھے بچوں نے اور بچوں کے پیچھے عورتوں نے، پھر اقامت ہوئی، اور آپ نماز پڑھانے کے لیے آگے بڑھ گئے، آپ نے رفع یدین کیا اور تکبیر تحریمہ کہی پھر سورہ فاتحہ اور اس کے ساتھ دوسری سورت دونوں کو آہستہ سے پڑھا پھر تکبیر کہہ کر رکوع کیا اور تین مرتبہ سبحان اللہ و بحمدہ کہا، پھر سمع اللہ لمن حمدہ، کہتے ہوئے سیدھے کھڑے ہو گئے، پھر تکبیر کہہ کر سجدہ سے سر اٹھایا پھر تکبیر کہہ کر دوسرا سجدہ کیا، پھر تکبیر کہہ کر کھڑے ہو گئے، اس طرح پہلی رکعت میں آپ کی چھ تکبیریں ہوئیں، آپ نے دوسری رکعت کے لئے اٹھتے وقت تکبیر کہی پھر نماز پوری کر کے اپنے قبیلے والوں کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا میری تکبیروں کو یاد کر لو اور میرا رکوع و سجود سیکھ لو، کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی وہ نماز ہے جو آپ ہمیں دن کے اس حصے میں پڑھایا کرتے تھے۔ (حدیث اور اہلحدیث ص۴۰۰، ۴۰۱)

الجواب اولاً: اس روایت میں رکوع کرتے اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین نہ کرنے کا بیان حدیث کے کس لفظ اور سطر میں ہے، محترم اس کی وضاحت کریں، رہا یہ کہ اس میں رفع یدین کرنے کا بیان نہیں تو ہم پہلے بحوالہ بحث کر آئے ہیں کہ عدم ذکر عدم شئی کو مستلزم نہیں اگر انوار صاحب مقلد اس حدیث پر ہی غور کرتے تو اس میں بھی اس کلیہ و ضابطہ کا ذکر موجود ہے، محترم ضد کی پٹی اور تقلیدی تعصب اتار کر اپنی پرانی عینک کو بدل کر ملاحظہ کریں کہ روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں، **حتى لما ان فاء الفي و انكسر الظل**، جب سایہ ظاہر ہو گیا،، بلفظ دیگر جب سورج ڈھل گیا، ان الفاظ کا کھلا ہوا یہ مفہوم ہے کہ یہ نماز ظہر تھی کیونکہ سورج کے ڈھلنے پر صرف نماز ظہر ہی ہوتی ہے، جلدی میں یہ نہ کہہ دینا کہ ظہر نہیں بلکہ نوافل کی جماعت تھی، کیونکہ یہ آپ کے خلاف ہے، تداعی کے ساتھ نوافل کی جماعت آپ کے ہاں بدعت ہے، اور اس روایت میں تداعی کے ساتھ جماعت کرانے کا بیان ہے، مزید برآں یہ کہ اس میں اذان و اقامت کہنے کا بھی ذکر ہے جو صرف فرائض کے ساتھ خاص ہے، اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ یہ نماز ظہر تھی بلکہ مسند احمد ص۳۴۱ ج۵ میں وضاحت ہے، فصلى الظهر، یعنی ظہر کی نماز پڑھی'' اور کون نہیں جانتا کہ نماز ظہر کی فرض رکعتیں چار ہیں (اگر آپ بھول گئے ہیں تو اپنی کتاب کا صفحہ ۳۰۷ کا مطالعہ کر لینا،) جبکہ اس روایت میں صرف دو رکعتوں کا ذکر ہے، تو کیا اس کا یہ معنی ہے کہ

ظہر کی نماز صرف دو رکعتیں ہیں، مگر کوئی صاحب علم یہ دعویٰ کرنے کو تیار نہیں، وجہ یہی ہے کہ چار کا ذکر نہ ہونے سے چار رکعتوں کی نفی نہیں ہوتی، اسی طرح مسئلہ رفع یدین بھی سمجھ لیجئے اس کا بیان نہ ہونے سے اس کی نفی لازم نہیں آتی، اگر آپ کے استدلال کو درست تسلم کرلیا جائے کہ چونکہ متنازعہ رفع یدین کا ذکر اس میں نہیں لہذا اس سے اس کی نفی ہوتی ہے، یہ استدلال اس قدر مصیبتوں اور بلاؤ کو جمع کرے گا کہ ایک عامی آدمی بھی سر پیٹ کر رہ جائے گا، اب ذرا تفصیل سننا اس میں کس کس چیز کا بیان نہیں۔

(۱) قعدہ اولیٰ و آخیرہ (۲) تعدیل ارکان (۳) تشہد پڑھنا (۴) لفظ سلام سے نکلنا (۵) نماز میں ہاتھ باندھنا (٦) ثنا پڑھنا (۷) تعوذ پڑھنا (۸) تسمیہ (۹) جلسہ (۱۰) دعائے جلسہ (۱۱) رفع سبابہ (۱۲) درود پڑھنا (۱۳) ادعیہ ماثورہ (۱۴) نماز میں کلام نہ کرنا (۱۵) نماز میں مصافحہ نہ کرنا (۱٦) نماز میں سلام کا جواب نہ دینا (۱۷) نماز میں کھانسنا نہ (۱۸) اپنے امام کے علاوہ کسی کو لقمہ نہ دینا (۱۹) ناپاک جگہ پر نماز نہ پڑھنا (۲۰) تکبیر میں ہمزہ اور با کو لمبا نہ کرنا (۲۱) قرأۃ میں فاش غلطی نہ کرنا (۲۲) قرآن کو موسیقی کی طرز پر نہ پڑھنا (۲۳) نماز میں دنیاوی حاجت نہ مانگنا (۲۴) نماز میں قہقہہ نہ لگانا (۲۵) نماز میں برہنہ ہو جانا (۲٦) نماز میں عمل کثیر کرنا (۲۷) سدل (۲۸) منہ ڈھانپنا (۲۹) جمائی لینا (۳۰) انگڑائی لینا (۳۱) اعتجار (۳۲) التفات (۳۳) آنکھوں کا بند کرنا (۳۴) پیشانی سے مٹی اور پسینہ صاف کرنا (۳۵) اقعاء (۳٦) آستین چڑھانا ((۳۷) اختصار (۳۸) کسی کو سامنے لیکر نماز پڑھنا (۳۹) آسمان کی طرف منہ کرنا (۴۰) آگ کے سامنے نماز پڑھنا ((۴۱) کھانا حاضر ہوتے ہوئے نماز پڑھنا (۴۲) حاقن ہونا (۴۳) امام سے سبقت کرنا (۴۴) آستین کو ہلا کر ہوا لینا (۴۵) نماز میں انگلیوں کو چٹخانا (۴٦) تشبیک (۴۷) سجدہ میں کہنیوں کا زمین پر گرانا (۴۸) چادر وغیرہ کا ٹخنے سے نیچے لٹکانا (۴۹) مواقع سبعہ میں نماز پڑھنا (۵۰) نماز میں بالوں کا باندھنا۔

یہ پچاس مسائل پہلا مسئلہ حنفیہ کے نزدیک ارکان نماز میں سے ہے، (کبیر ص ۲۸۹) نمبر ۲ سے لیکر چار تک واجبات نماز ہیں، پانچ سے لیکر ۱۳ تک سنن نماز ہیں، نمبر ۱۴ سے لیکر نمبر ۲٦ تک ان کے نزدیک مفسدات صلوٰۃ ہیں نمبر ۲۷ آخر تک مکروہات نماز ہیں۔

مقلد انوار صاحب وضاحت کریں کہ آیا ان کے نزدیک یہ تمام مسائل غیر ثابت شدہ ہیں، اگر نہیں یقیناً نہیں تو صرف مسئلہ رفع یدین ہی کا اس میں ذکر نہ ہونے سے غیر ثابت اور متروک کیوں ہے، وجہ فرق صاف اور بین بتائیں۔

ثانیاً: اس کی سند میں، شہر بن حوشب راوی متکلم فیہ ہے، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ صدوق تو ہے مگر کثرت سے اوہام کرتا ہے (تقریب ۱۴۷)

ثالثاً: اس حدیث میں فقط تکبیرات انتقال اور رکوع وسجود کی تعلیم دینا مقصود ہے، پوری نماز کا طریقہ

بتلانا پیش نظر نہیں، خود سیدنا ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، کہ **احفظوا تکبیری وتعلموا رکوعی و سجودی فانها صلاة رسول الله ﷺ** میری تکبیروں کو یاد کرلو اور میرا رکوع و سجود سیکھ لو، کیونکہ یہ رسول اللہ صلی اللہ ﷺ کی وہ نماز ہے (ترجمہ انوار خورشید)

اس لیے راوی حدیث نے پوری نماز کی بجائے صرف مقصود کو سامنے رکھ کر حدیث بیان کر دی ہے۔

رابعاً: اس حدیث کے بعض طرق میں صراحت ہے کہ سیدنا ابو مالک رضی اللہ عنہ نے قرات جہری کی تھی (مسند احمد ص۳۴۲ ج۵) انوار صاحب وضاحت کریں کہ کیا ان کے نزدیک ظہر کی نماز میں قرات جہری ہے؟

(۳۵) عن عباد بن الزبير ان رسول الله ﷺ كان اذا افتتح الصلوٰة رفع يديه في اول الصلوٰة ثم لم يرفعهما في شئى حتى يفرغ۔

(خلافيات بيهقى بحواله نصب الرايه ص٤٠٤ ج١)

حضرت عباد بن زبیر سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز شروع فرماتے تھے تو ابتداء نماز میں رفع یدین کرتے تھے، پھر نماز میں کہیں بھی رفع یدین نہیں کرتے تھے حتی کہ آپ نماز سے فارغ ہو جاتے (حدیث اور اہل حدیث ص۴۰۲)

الجواب اولاً: نصب الرایہ میں صراحت کی ہے کہ عباد تابعی ہیں، لہذا یہ روایت مرسل ہے، اور مرسل ضعیف کی ایک قسم ہے، راجع مقدمہ،،

ثانیاً: سند میں ایک راوی محمد بن اسحاق ہے، ہمارے دوست الشیخ زبیر علی زئی محدث حضرو حفظہ اللہ نے آج سے کئی برس قبل کا مطالبہ کر رکھا ہے کہ اس کا تعین مطلوب ہے، مگر مقلد انوار صاحب نے اس پر دم نہیں مارا پھر اس کی سند میں، حفص بن غیاث راوی مدلس ہے، جیسا کہ امام احمد اور دار قطنی نے صراحت کی ہے (طبقات المدلسین ص۲۰) علامہ مقدسی نے اپنے قصیدہ میں (شعر نمبر ۹) میں مدلس قرار دیا ہے، اور زیر بحث روایت میں تحدیث کی صراحت نہیں، اور اسے بیان کرنے والا راوی عباد بن الزبیر نا معلوم ہے، (ملحوظ رہے کہ یہ عبد اللہ رضی اللہ عنہ بن الزبیر کا بیٹا نہیں ہے) حافظ ابن قیم فرماتے ہیں کہ یہ روایت موضوع ہے۔

(المنار المنيف ص۱۳۹ رقم ۳۱۵)

(۳۶) عن جابر بن سمرة قال خرج علينا رسول الله ﷺ فقال مالى اراكم رافعى ايديكم كانها اذناب خيل شمس اسكنوا في الصلوٰة۔ (مسلم ص١٨١ ج١)

حضرت جابر بن سمرہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ (حجرہ مبارک سے نکل کر) ہمارے پاس تشریف لائے (اور ہمیں رفع یدین کرتے ہوئے پا کر) فرمایا کہ مجھے کیا ہو گیا کہ میں تمہیں اس اس طرح رفع یدین کرتے ہوئے پاتا ہوں جیسے بدکے ہوئے گھوڑوں کی دمیں اٹھی ہوئی ہوں، نماز میں سکون اختیار کرو۔

(۳۷) عن جابر بن سمرة قال خرج علینارسول الله ﷺو نحن یعنی رافعوا ایدینا فی الصلوٰة فقال ما بالھم رافعین ایدیھم فی الصلوٰة کانھا اذناب الخیل الشمس اسکنوا فی الصلوٰة۔
(نسائی ص۱۳۳ ج ۱)

حضرت جابر بن سمرہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ حجرہ مبارک سے نکل کر ہمارے پاس تشریف لائے، اس حال میں کہ ہم نماز کے اندر رفع یدین کر رہے تھے. آپ نے فرمایا انہیں کیا ہو گیا کہ نماز کے اندر اس طرح رفع یدین کر رہے ہیں جیسے بد کے ہوئے گھوڑوں کی دمیں اٹھی ہوئی ہوں نماز کے اندر سکون اختیار کرو۔

(حدیث اور اھلحدیث ص ٤٠٢)

الجواب اولاً: اگر اس کا یہی معنیٰ و مفہوم ہے جو مقلد انوار خورشید بیان کر رہا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ تمام حنفی اپنی اقبالی ڈگری سے گھوڑے قرار پاتے ہیں، کیونکہ یہ قنوت میں ہاتھ اٹھاتے ہیں، عیدین کی نماز میں تکبیرات زوائد میں ہاتھ اٹھاتے ہیں، بلکہ ہر نماز میں ہاتھ اٹھاتے ہیں، تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ جب دوسرا سجدہ کرتے ہیں تو رانوں سے ہاتھوں کو اٹھا کر زمین پر رکھتے ہیں اور جب پہلا سجدہ مکمل کر کے اٹھتے ہیں تو ہاتھوں کو زمین سے اٹھا کر رانوں پر رکھتے ہیں، جب دوسری تیسری اور چوتھی رکعت شروع کرتے ہیں تو ہاتھوں کو ارسال کی حالت سے اٹھا کر باندھتے ہیں، یہ پانچ مقامات پر جو ہاتھ اٹھاتے ہیں اسے عربی زبان میں، رفع الیدین، ہی کہتے ہیں،ایک روایت میں ہے کہ، **واذا نھض رفع یدیه قبل رکبتیه**، اور جب اٹھتے تو پہلے ہاتھ اٹھاتے پھر گھٹنے ، امام نسائی نے اس پر باب باندھا ہے، (باب رفع الیدین عن الارض قبل الرکبتین) یہ روایت ضعیف ہے، تفصیل کے لیے (ارواء الغلیل ۳۵۷،) کی مراجعت کریں، لیکن اس سے اور امام نسائی کے تبویب باب سے ثابت ہوا کہ دوسرا سجدہ کر کے اٹھتے ہوئے جو زمین سے ہاتھ اٹھائے جاتے ہیں۔ اسے عربی میں ،رفع الیدین، ہی کہتے ہیں۔ ثابت ہوا کہ تمام حنفی شریر اور بد کے ہوئے گھوڑے ہیں، اگر انوار صاحب یہ کہہ دیں کہ ان مقامات پر ہاتھوں کو اٹھانا رفع یدین نہیں کہلاتا، تو یہ اتنا بڑا جھوٹ اور کذب ہے، شاید انوار خورشید کے علاوہ دنیا میں کوئی اور نہ بول سکتا ہو، ثابت ہوا کہ ان مقامات پر ہاتھ اٹھانے کو بھی رفع یدین ہی کہتے ہیں، جب اس قدر مقامات پر ہاتھ اٹھائے جاتے ہیں تو آخر انوار خورشید کے پاس کونسی دلیل ہے جس کی رو سے ان جگہوں کی بجائے اس حدیث کو رکوع کرتے اور رکوع سے اٹھتے وقت کے رفع یدین پر لگا رہا ہے۔

ثانیاً: جس طرح قرآن اپنی تفسیر کرتا ہے اسی طرح حدیث بھی حدیث کی تفسیر کرتی ہے، سیدنا جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

كنا اذا صلينا مع رسول الله ﷺ قلنا، السلام عليكم و رحمة الله، و اشار بيده الى الجانبين فقال رسول الله ﷺ علام تومون بايديكم كانها اذناب خيل شمس؟ انما يكفى احدكم ان يضع يده على فخذه، ثم يسلم على اخيه من علىٰ يمينه و شماله۔

ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھتے تو اختتام نماز پر، السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہتے ہوئے، ہاتھ سے دونوں جانب اشارہ بھی کرتے، یہ دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، تمہیں کیا ہوگیا ہے؟

تم اپنے ہاتھ سے اشارہ بھی کرتے ہو جیسے شریر گھوڑوں کی دمیں ہوتی ہیں، تم میں سے جب کوئی نماز ختم کرے تو اپنے بھائی کی طرف منہ کرکے صرف زبان سے، السلام وعلیکم و رحمۃ اللہ، کہے اور ہاتھ سے اشارہ نہ کرے۔

(مسلم کتاب الصلاۃ باب الامر بالسکون فی الصلاۃ و النہی ... الحدیث ۹۷۰)

اس مفصل حدیث نے انوار صاحب کی پیش کردہ مجمل اور مختصر روایت کی وضاحت کر دی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سلام پھیرتے وقت ہاتھوں سے اشارہ بھی کرتے تھے، اس سے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے منع فرمایا، تمام اکابر محدثین کرام نے اس حدیث کو تشہد پر محمول کیا ہے، سلف صالحین میں سے ایک شخص بھی ثابت نہیں کیا جا سکتا جس نے اس حدیث سے رکوع کرتے اور رکوع سے اٹھتے ہوئے رفع یدین کے نسخ کا استدلال کیا ہو، اس کے برعکس امام نسائی امام ابو داؤد امام شافعی نے اس پر سلام کے باب باندھے ہیں، حنفیہ میں سے امام محمد نے، **الحجة على اهل المدينة**، میں امام طحاوی نے، شرح معانی الاثار میں اس پر سلام کا باب ہی قائم کیا ہے،

امام بخاری فرماتے ہیں کہ

یہ بات مشہور ہے اور اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ اس حدیث کا تعلق تشہد کے ساتھ ہے اسی کے قریب امام ابن حبان کا کہنا ہے۔ (التلخیص الحبیر ص۲۲۱ ج۱)

دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث اور مقلد انوار صاحب کے شیخ الہند مولوی محمود حسن خان فرماتے ہیں، اذناب خیل کی روایت سے جواب دینا بروئے انصاف درست نہیں، کیونکہ وہ سلام کے بارہ میں ہے کہ صحابہ کرام فرماتے ہیں کہ ہم بوقت سلام اشارہ بالید بھی کرتے تھے۔ آپ ﷺ نے اس سے منع فرما دیا (الورد الشذی ص۶۳)

مقلد مولوی محمد تقی عثمانی دیوبندی فرماتے ہیں۔

انصاف کی بات یہ ہے کہ اس حدیث سے حنفیہ کا استدلال مشتبہ اور کمزور ہے، حقیقت یہی ہے کہ حدیث ایک ہی ہے اور رفع عند السلام سے متعلق ہے، کیونکہ ابن القبطیہ (راوی حدیث) کی روایت میں سلام کے وقت کی جو تصریح موجود ہے اس کی موجودگی میں ظاہر اور مبادر یہی ہے کہ حضرت جابر کی

یہ حدیث رفع عند السلام ہی سے متعلق ہے، اور دونوں حدیثوں کو الگ الگ قرار دینا جبکہ دونوں کا راوی بھی ایک ہے اور متن بھی قریب قریب ہے، بعد سے خالی نہیں، حقیقت یہی ہے کہ حدیث ایک ہی ہے اور رفع عند السلام کے متعلق ہے، ابن قبطیہ کا طریق مفصل ہے، اور دوسرا طریق مختصر اور مجمل، لہذا دوسرے طریق کو پہلے طریق پر ہی محمول کرنا چاہیئے شاید یہی وجہ ہے کہ حضرت شاہ صاحب نور اللہ مرقدہ نے اس حدیث کو حنفیہ کے دلائل میں ذکر نہیں کیا (درس ترمذی ص ۳۶٬۳۷ ج ۲ طبع کراچی (۱۹۹۲ء)

(۳۸) عن ابن عباس عن النبی ﷺ قال لا ترفع الایدی الافی سبع مواطن حین یفتتح الصلوٰة و حین یدخل المسجد الحرام فینظر الی البیت و حین یقوم علی الصفا و حین یقوم علی المروة و حین یقف مع الناس عشیة عرفة و بجمع والمقامین حین یرمی الجمرة۔

(معجم طبرانی کبیر ص ۳۸۵ ج ۱۱)

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا، رفع یدین نہ کیا جائے مگر سات مقامات میں جب نماز شروع کی جائے اور جب مسجد حرام میں داخل ہوتے ہوئے بیت اللہ پر نظر پڑے، اور جب صفاء و مروہ پر کھڑا ہو اور عرفات میں بعد از زوال جب لوگوں کے ساتھ وقوف کرے اور مزدلفہ میں وقوف کے وقت اور جمرتین کی رمی کرتے وقت۔(حدیث اور اہل حدیث ص ۴۰۳)

الجواب اولاً: چلو چھٹی ہوئی، قنوت میں ہاتھ اٹھانے سے عیدین کی تکبیرات زوائد میں رفع یدین کرنے سے، ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے سے، اگر انوار صاحب ان کے لیے کوئی دلیل رکھتے ہیں، تو وہی ہماری دلیل ہے۔

ثانیاً: اس کی سند میں، ابن ابی لیلی راوی ضعیف وسیئ الحفظ ہے، اور حکم بن عتیبہ کی تدلیس ہے، تفصیل روایت نمبر ۲۴٬۵ تا ۲۸ کے جواب میں گزر چکی ہے، الغرض یہ روایت ضعیف ہے۔

تبصرہ بلاتبصرہ: الشیخ زبیر علی زئی حفظہ اللہ فرماتے ہیں۔

جناب انوار خورشید نے کل اڑتیس مرفوع روایات پیش کی ہیں، ان میں سے دس (۴٬۵٬۲۳٬۲۹٬۳۰٬۳۲٬۳۳٬۳۴٬۳۶٬۳۷) موضوع سے غیر متعلق ہیں۔

ان روایات میں سے رکوع سے پہلے اور بعد والے رفع الیدین کے نہ کرنے کا کوئی ذکر نہیں ہے، ان میں سے نمبر ۴ مختصر نمبر ۵٬۲۳ ضعیف نمبر ۳۲ باطل نمبر ۳۴ مشکوک فیہ ہے، باقی روایات بلحاظ سند صحیح ہیں، لیکن ان سے رفع الیدین کا نہ کرنا یا کرنا یا نسخ بالکل ثابت نہیں ہوتا، باقی اٹھائیس روایات کا مختصر جائزہ درج ذیل ہے، نمبر ۱٬۲ تحریف نمبر ۳ باطل وموضوع نمبر ۶ تا ۱۴ ضعیف نمبر ۱۵ موضوع نمبر ۱۶ تا ۲۲ ضعیف نمبر ۲۴ تا ۲۸ ضعیف نمبر ۳۱ ضعیف نمبر ۳۵ ضعیف ومرسل اور نمبر ۳۸ ضعیف ہے، ان میں بعض روایات کو آٹھ مرتبہ اور بعض کو سات دفعہ ذکر کیا گیا ہے۔(نور القمرین مندرجہ نور العینین ص ۲۲۲).

آثار صحابہ کرام

خلفاء راشدین کے آثار

(۱) نا اسحق بن ابی اسرائیل نا محمد بن جابر عن حماد عن ابراھیم عن علقمة عن عبد الله قال صلیت مع النبی ﷺ و مع ابی بکرو مع عمر رضی اللہ عنہما فلم یرفعوا ایدیھم الاعند التکبیرة الاولی فی افتتاح الصلوٰة قال اسحاق به ناخذ فی الصلوٰة کلھا۔

(دارقطنی ص۲۹۵ ج۱ بیھقی ص۷۹ ج۲)

حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ حضرت ابو بکر اور حضرت عمر کے ساتھ نماز پڑھی، ان سب نے رفعَ یدین نہیں کیا، مگر پہلی تکبیر کے وقت نماز کے شروع میں، محدث اسحاق بن اسرائیل کہتے ہیں ہم بھی اسی کو اپناتے ہیں پوری نماز میں۔

(۲) عن علقمة انه قال صلیت خلف عبد الله بن مسعود فلم یرفع یدیه عند الرکوع و عند رفع الراس من الرکوع فقلت له لم لا ترفع یدیك فقال صلیت خلف رسول الله ﷺ و خلف ابی بکر و عمر فلم یرفعوا ایدیھم الا فی التکبیرة التی تفتتح بھا الصلوٰة۔

(بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع ص۲۰۷ ج۱)

حضرت علقمہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی تو انہوں نے رکوع میں جاتے اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع الیدین نہیں کیا، میں نے پوچھا کہ آپ رفع الیدین کیوں نہیں کرتے تو آپ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ حضرت ابو بکر اور حضرت عمر کے پیچھے نماز پڑھی ہے، ان سب نے رفع یدین نہیں کیا مگر اسی تکبیر میں جس سے نماز شروع ہوتی ہے۔

(حدیث اور اہل حدیث ص۴۰۴)

الجواب اولاً: بدائع الصنائع سے جو روایت محترم نے نقل کی ہے، یہ بلا سند ہے، کاسانی نے کسی کتاب کا حوالا دیئے بغیر اسے درج کیا ہے اور کتب فقہ حنفیہ میں ایسی متعدد احادیث ہیں جو من گھڑت اور باطل ہیں، ان میں سے ایک یہ بھی ہے، جو اس کی صحت کا مدعی ہے وہ اس کی بحوالہ نشاندہی کرے، ہم پورے جزم و یقین کے ساتھ یہ بات عرض کرتے ہیں کہ یہ روایت کا سانی نے وضع کی ہے، کتب احادیث میں اس کا نام و نشان نہیں ہے اور فقہائے احناف نقل حدیث میں قابل اعتماد نہیں، تفصیل کے لیے تحفہ حنفیہ حصہ اول کی مراجعت کریں، الغرض یہ دلیل تو تب ہو گی جب اس کا ثبوت ہو گا، سرے دست تو آپ نے اسے درج کر کے حنفیوں کے اکابر کی روایات سازی کی ایک مزید دلیل کی طرف ہمیں متوجہ کیا ہے، اللہ آپ کا بھلا کرے۔

ثانیاً: دوسری روایت بیان کرتے ہوئے مقلد انوار خورشید یہ بھول گیا ہے کہ اس کی سند میں محمد بن جابر یمامی راوی ہے، اور یہ وہی راوی ہے جس نے امام ابوحنیفہؒ پر یہ الزام لگایا تھا کہ اس نے میری لائبریری سے حماد بن ابی سلیمان کی تصانیف کردہ کتب کو چرا لیا تھا۔ (الجرح و التعدیل ص ٤٥٠ ج ٨)

اگر مؤلف حدیث اور اہلحدیث کے نزدیک ابن مسعود کی روایت معتبر ہے تو یہ بھی مان لے کہ ابو حنیفہ کتب چور تھا، اگر انوار صاحب کتب چوری کو جھوٹا الزام قرار دیتے ہیں، تو ہم کہتے ہیں کہ یہ روایت بھی من گھڑت اور جھوٹی ہے، اور جہاں سے آپ نے اسے نقل کیا ہے وہاں ہی امام دارقطنی اور بیہقی نے صراحت کی ہے، اسے بیان کرنے میں محمد بن جابر منفرد ہے، اور یہ ضعیف ہے۔

(سنن دارقطنی ص ٢٩٥ ج ١ و سنن بیهقی ص ٨٠ ج ٢)

امام احمد نے اس روایت کو منکر کہا ہے اور سختی کے ساتھ اس کا انکار کیا ہے، (کتاب العلل ص ۱۴۴ ج ۱) امام حاکم فرماتے ہیں ضعیف ہے (معرفۃ السنن والاثار ص ۴۲۰ ج ۱)

ابن عراق، ابن القیم، ابن القیسرانی، شوکانی، اور ابن جوزی نے اسے من گھڑت اور باطل قرار دیا ہے۔

(تنزیة الشریعه ص ١٠١ ج ٢، المنار المنیف ص ١٣٨، الفوائد المجموعه ص ٢٩ تذكرة الموضوعات ص ٧٨ الموضوعات کبیر ص ٩٦ ج ٢)

محمد بن جابر کو امام یحییٰ بن معین امام نسائی، امام ابن مہدی امام یعقوب بن سفیان امام عجلی امام دارقطنی امام بیہقی نے ضعیف قرار دیا ہے، امام احمد فرماتے ہیں کہ اس سے کوئی روایت نہیں کرتا مگر اس سے بھی بدتر امام عمرو بن علی فرماتے ہیں کثیر الوہم و متروک الحدیث ہے امام ابو زرعہ کہتے ہیں کہ اہل علم کے نزدیک ساقط الحدیث ہے، امام ابو حاتم کہتے ہیں اس کا آخری عمر میں حافظہ خراب ہو گیا تھا، تلقین (لقمہ) کو قبول کر لیتا تھا، امام بخاری کہتے ہیں قوی نہیں اس پر کلام کیا گیا ہے، مناکیر روایت کرتا ہے، (تہذیب الکمال ص ۲۶۰ ج ۶ و تہذیب التہذیب ص ۸۹ ج ۹)

علامہ زیلعی حنفی نے، (نصب الرایه ص ٦١ ج ١) میں مقلد مولوی خلیل احمد سہارنپوری دیوبندی نے (بذل المجہود ص ۱۱۱ ج ۱) میں اور مقلد مولوی سرفراز خان صفدر نے، (خزائن السنن ص ۱۷۳ ج ۱) میں محمد بن جابر کو ضعیف وسیئی الحفظ اور متروک قرار دیا ہے، علامہ ھیثمی فرماتے ہیں۔

رواه ابو يعلى و فيه محمد بن جابر اليمامي و قد اختلط عليه حديثه و كان يلقن فيتلقن

یعنی اسے ابو یعلی نے روایت کیا ہے اور سند میں محمد بن جابر یمامی راوی ہے اس پر اس کی حدیث غلط ملط ہو گئی تھی اور لقمہ کو قبول کر لیتا تھا (مجمع الزوائد ص ۱۰۱ ج ۱)

اس سے ثابت ہوا کہ محمد بن جابر مختلط بھی تھے، اور یہ ثابت شدہ بات ہے کہ اس روایت کو ان کا متاخر شاگرد اسحاق بن اسرائیل روایت کرتا ہے، کیونکہ محمد بن جابر ۱۷۰ھ کے چند سال بعد فوت ہوا تھا

(تقریب ص۲۹۲) جبکہ اسحاق ۱۵۱ھ کو پیدا ہوا (تہذیب ص۱۹۶ ج۱) جو اس بات کا قرینہ ہے کہ محمد بن جابر کے آخری شاگردوں میں سے اسحاق ہے، پھر محمد بن جابر کا استاد، حماد بن ابی سلیمان بھی مختلط ہے جیسا کہ ابن سعد نے صراحت کی ہے (تہذیب ص۱۵ ج۳) اور علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ حماد سے صرف شعبہ، سفیان ثوری دستوائی نے اختلاط سے پہلے سماع کیا ہے باقی لوگوں نے حالت اختلاط میں سماع کیا ہے۔ (مجمع الزوائد ص۱۱۹٬ ۱۲۰ ج ۱)

پھر حماد اور اس کا شیخ ابراہیم دونوں مدلس ہیں (طبقات المدلسین ص۲۸٬ ۳۰) اور انہوں نے سماع کی صراحت نہیں کی، اور جس روایت میں دو راوی مختلط ہوں اور روایت بھی حالت اختلاط میں بیان کریں، پھر سند میں تدلیس کا شبہ بھی موجود ہو اس روایت کے من گھڑت اور باطل ہونے میں کیا کلام ہوسکتا ہے۔

عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا اثر

(۱) عن الاسود قال صليت مع عمر فلم يرفع يديه في شئى من صلوٰة الاحين افتتح الصلوٰة، الحديث۔ (مصنف ابن ابی شیبه ص۲۳۷ ج ۱)

حضرت اسود فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عمرؓ کے ساتھ نماز پڑھی تو انہوں نے نماز میں کسی جگہ بھی رفع یدین نہیں کیا، سوائے ابتداء نماز کے

(۲) عن الاسود قال رأيت عمر بن الخطاب يرفع يديه في اول تكبيرة ثم لا يعود۔

(شرح معاني الاثار ص۱٥٤ ج ۱)

حضرت اسود فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر بن خطاب کو دیکھا ہے آپ صرف پہلی تکبیر کے وقت رفع یدین کرتے تھے پھر نہیں کرتے تھے (حدیث اور اہل حدیث ص۴۰۵)

الجواب اولاً: یہ روایت ایک ہی ہے، لیکن انوار صاحب نے اسے دو کتابوں سے نقل کر کے دو اثر باور کرایا ہے، جو کہ قطعی طور پر غلط ہے، کیونکہ اس کے مرکزی راوی ایک ہیں۔

ثانیاً: ہم گزشتہ فصل میں سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے صحیح سند کے ساتھ رفع یدین کرنا ثابت کر آئے ہیں، اور دیوبندیوں کو یہ اصول مسلم ہے کہ جب اثبات ونفی میں تعارض ہو تو ثبوت نفی پر مقدم ہوتا ہے۔

ثالثاً: یہ روایت شاذ ہے، جیسا کہ امام حاکم نے صراحت کی ہے (نصب الرایہ ص۴۰۵ ج۱) امام ابو زرعہ رازی نے الحسن بن عیاش کے مقابلے میں امام سفیان ثوری کی روایت کو ترجیح دی ہے جس میں پھر نہ کرنے کا ذکر نہیں ہے (علل الحدیث لا بن ابی حاتم ص۹۵ ج۱) اور حسن بن عیاش سے امام سفیان ثوری اوثق ہیں، (تقریب ص۷۱) میں حسن کے متعلق، صدوق لکھا ہے اور سفیان ثوری کے متعلق، ثقہ

حافظ فقيه عابد امام حجة، کے الفاظ ہیں (تقریب ص۱۲۸) اور یہ مسلمہ اصول ہے کہ جب ثقہ اپنے سے اوثق کی مخالفت کرے تو اس کی روایت شاذ ہوتی ہے، اور حسن نے امام سفیان کی مخالفت کی ہے۔

رابعاً: سند میں، ابراہیم نخعی، مدلس ہے۔

(طبقات المدلسين ص٢٨ و جامع التحصيل ص١٠٤ و معرفة علوم الحديث ص١٠٨)

اور یہاں انہوں نے سماع کی صراحت نہیں کی بلکہ عن کر کے روایت بیان کی ہے۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا اثر

(ا) عن عاصم بن كليب عن ابيه ان عليا كان يرفع يديه في اول تكبيرة من الصلوٰة ثم لا يرفع بعد۔ (شرح معاني الاثار ص١٥٤ ج١)

حضرت عاصم بن کلیب اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علیؓ نماز کی پہلی تکبیر میں رفع یدین کرتے تھے پھر اس کے بعد رفع یدین نہیں کرتے تھے۔

انوار صاحب نے اس روایت کو مکرر مصنف (ابن ابی شیبہ ص۲۳۶ ج۱) سے نقل کیا ہے اور نمبر ۳ (موطا امام محمد ص۹۰ اور بیہقی ص۸۹ ج۲) سے درج کیا ہے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص۴۰۶)

الجواب اولاً: یہ ایک ہی روایت ہے کہ ابو بکر نے عاصم بن کلیب سے نقل کی ہے اور وہ اپنے والد سے اور ان کے والد کلیب نے سیدنا علی سے روایت کی ہے، گویا روایت کے مرکزی راوی ایک ہی ہیں، لیکن انوار صاحب نے اسے تین روایات بنا دیا ہے، ہم ان کی مجبوری کو بخوبی جانتے ہیں۔

ثانیاً: اس روایت سے امام سفیان ثوری نے سختی سے انکار کیا ہے۔

(التاريخ الكبير للبخاري كتاب الكنى ص٩ جزء الرفع اليدين ص٢٣)

امام دارمی فرماتے ہیں کہ اس کی سند واہی ہے (السنن الکبریٰ للبیقھی ص۸۰ ج۲ و مختصر خلافیات ص۳۸۸ ج۱) امام احمد نے اس سے انکار کیا ہے (المسائل ص۳۲۳ ج۱) امام بخاری اور ابن الملقن نے بھی اس حدیث پر جرح کی ہے۔

(شرح الترمذي لا بن سيد الناس بحواله حاشيه جلاء العينين ص٤٨)

سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا اثر

اسے انوار صاحب نے، (مصنف ابن ابی شیبہ ص۲۳۶ ج۱ شرح معانی الاثار للطحاوی ص۱۵۶ ج۱، مصنف عبد الرزاق ص۷۱ ج۲) سے نقل کیا ہے کہ ابراہیم نخعی سے مروی ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نماز کے شروع میں رفعُ یدین کرتے تھے پھر نہیں کرتے تھے۔

(حدیث اور اہل حدیث ص۴۰۷)

الجواب اولاً: انوار صاحب نے ایک روایت کو مکرر سہ مکرر نقل کر کے تین بنا دیا ہے۔ حالانکہ یہ روایت صرف ایک ہی ہے۔

ثانیاً: یہ روایت منقطع ہے، کیونکہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ۳۲ھ یا ۳۳ھ کو فوت ہوئے (تہذیب ص۲۵ ج۶) جبکہ ابراہیم نخعی ان کی وفات سے تین چار سال بعد ۳۷ھ کو پیدا ہوا (تہذیب ۱۵۵ ج۱) امام شافعی فرماتے ہیں۔

ان ابراهيم النخعي لو روى عن علي و عبد الله لم يقبل منه لانه لم يلق واحد منهما۔

یعنی ابراہیم نخعی اگر سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرے تو وہ قبول نہ کی جائے کیونکہ ان میں سے کسی ایک سے بھی اس کی ملاقات ثابت نہیں۔

(كتاب الام ص۲۷۲ ج۷ مطبوعه مصر بحواله التحقيق الراسخ ص۱٤۱)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا اثر

اخبرنا مالك اخبرني نعيم المجمر و ابو جعفر القاری ان ابا هريرة كان يصلي بهم فكبر كلما خفض و رفع قال ابو جعفر القاری و كان يرفع يديه حين يكبر و يفتتح الصلوٰة۔

(موطا امام محمد ص۸۸ و كتاب الحجة ص۹۵ ج۱)

حضرت امام محمد فرماتے ہیں کہ ہمیں خبر دی امام مالک نے اور امام مالک فرماتے ہیں کہ مجھے خبر دی نعیم بن مجمر اور ابوجعفر القاری دونوں نے کہ حضرت ابو ہریرہ ان کو نماز پڑھاتے تھے تو ہر اونچ نیچ میں تکبیر کہتے تھے ابوجعفر القاری کہتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رفع یدین نماز کے شروع میں تکبیر تحریمہ کے وقت کرتے تھے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص۴۰۷)

الجواب انوار صاحب یہی روایت بحوالہ ابن عبد البر سابقہ اوراق میں مرفوع احادیث کے سلسلہ میں نمبر ۳۰ پر درج کر آئے ہیں، اور وہاں ہی ہم نے صراحت کی ہے کہ اس میں رکوع کرتے اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین کرنے کا ذکر نہیں، جواباً عرض کہ عدم ذکر نفی کو مستلزم نہیں ہوا کرتا، امام ابن عبدالبر فرماتے ہیں کہ نعیم المجمر اور ابوجعفر القاری نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ آپ شروع نماز میں رفع یدین کرتے تھے جبکہ عبد الرحمٰن بن ہرمز نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ وہ رکوع کرتے اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین کرتے تھے۔ اور عبد الرحمٰن کی روایت ابونعیم کی مجمل روایت کی مفسر ہے، کیونکہ ابونعیم کی روایت میں یہ الفاظ نہیں کہ تکبیر تحریمہ کے بعد رفع یدین نہیں کرتے تھے۔ (التمهيد ص۲۱٦ ج۹)

قارئین کرام آپ ورق الٹ کر اسے فصل اول سے دیکھ سکتے ہیں کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رفع یدین

کرتے تھے، اس کے بالمقابل ایسی روایت درج کرنا جو مجمل ہے، انصاف نہیں بلکہ بے انصافی اور حقائق کا خون کرنا ہے۔

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ پر اعتراض

مقلد انوار صاحب (مسند احمد ص۴۶ ج۲) سے نقل کرتے ہیں کہ میں نے حضرت سالم بن عبد اللہ بن عمر کو یہ بیان کرتے ہوئے سنا کہ انہوں نے اپنے والد (حضرت عبد اللہ بن عمرؓ) کو دیکھا کہ انہوں نے رفع یدین کیا، تکبیر تحریمہ کہتے وقت اور رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت میں نے ان سے اس کے متعلق سوال کر دیا انہوں نے بتلایا کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو ایسا کرتے دیکھا تھا مسند احمد ص۱۴۶ ج۲ میں ہے کہ حضرت محارب بن دثار فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبد اللہ بن عمر کو رکوع کرتے اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع یدین کرتے دیکھا تو میں نے ان سے کہا کہ یہ کیا ہے، انہوں نے فرمایا کہ نبی ﷺ جب دو رکعتوں کے بعد قیام فرماتے تھے تو تکبیر کہتے تھے اور رفع یدین کرتے تھے۔
(حدیث اور اہل حدیث ص۴۰۸)

الجواب اولاً: مقلد انوار صاحب نے اس پر یہ سرخی لگائی ہے کہ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما پر سالم اور قاضی محارب کا رفع یدین کرنے پر اعتراض کیا ہے، علی وجہ التسلیم عرض ہے کہ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے بالمقابل سالم اور قاضی محارب کیبھلا حیثیت ہی کیا ہے، بالخصوص جب سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ اپنے فعل کی دلیل عنائیت کرتے ہوئے اسے نبی مکرم ﷺ سے نقل کرتے ہیں، بخاری میں ہے کہ امام عکرمہ نے مکہ مکرم میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اقتدا میں نماز پڑھی واپس آ کر سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے کہنے لگے کہ میں نے مکہ مکرمہ میں ایک بوڑھے کے پیچھے نماز پڑھی ہے، پاگل معلوم ہوتا ہے، ہر اونچ نیچ پر تکبیرات (انتقال) کہتا ہے۔ (صحیح بخاری رقم الحدیث ۷۸۸)

اگر سنت پر محض اعتراض ثابت ہونے سے ہی اس کا متروک ہونا لازم آتا ہے تو انوار صاحب امام عکرمہ کے اعتراض کو بھی پلے باندھ لیں اور تکبیرات انتقال کو کہنا ترک کر دیں۔

ثانیاً: سالم کی روایت میں، جابر جعفی، راوی ہے، جسے انوار صاحب حضرت جابر لکھ کر اوپر رحمہ اللہ کی علامت ڈال رہے ہیں، یہ کذاب و متروک اور خبیث العقیدہ رافضی تھا، صحابہ کرام کو گالیاں دیتا تھا، رجعت علی رضی اللہ عنہ کا قائل تھا، تفصیل مسئلہ فاتحہ میں گزر چکی ہے، انوار صاحب اہل حدیث کے رد کا شوق ضرور رکھئے مگر اس کے لیے رافضیوں کے لیے دعائے مغفرت کرنے کی تکلیف نہ کریں کیونکہ آئمہ اہل سنت اس پر متفق ہیں کہ رافضی مشرک ہیں اور مشرک کے لیے دعائے مغفرت نہ کرنے کی اللہ تعالیٰ نے تلقین کی ہے، اہل حدیث پر تو جناب نے ایک اعتراض یہ بھی کیا ہے کہ ان کے فلاں عالم دین نے

حنفیہ کے رد کے لیے فلاں شیعہ مولوی سے حوالوں کی مدد لی تھی۔ (حدیث اور اہل حدیث ص۲۱)
لیکن خود جناب اس سے دو ہاتھ آگے، استفادہ کے بعد دعائے مغفرت بھی کرتے ہیں اسے کہتے ہیں، اپنی آنکھ کا شہتیر نظر نہیں آتا، غیر کی آنکھ کا تنکا دیکھ لیتے ہیں۔

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ کا اثر

اس اثر کو انوار صاحب نے تکرار کے ساتھ چار بار نقل کیا ہے، اور اس کی دو سندیں ہیں۔
پہلی سند حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو ابتدا نماز کے علاوہ رفع یدین کرتے ہوئے کبھی نہیں دیکھا (حدیث اور اہل حدیث ص۴۰۹ بحوالہ، معرفۃ السنن والاثار ص۴۲۸ ج۲ مصنف ابن ابی شیبہ ص۲۳۷ ج۲ طحاوی ص۱۵۵ ج۱)
الجواب اولاً: قنوت وتر کی رفع یدین، عیدین کی تکبیرات زوائد میں رفع الیدین اور دعا کے وقت رفع یدین سے بھی چھٹی ہوئی، فما کان جوابکم فھو جوابنا۔
ثانیاً ثبوت ونفی میں جب تعارض ہو تو ثبوت مقدم ہوتا ہے، مولوی سرفراز خان صفدر مقلد دیوبندی فرماتے ہیں کہ یہ بھی طے شدہ قاعدہ ہے کہ اثبات نفی پر مقدم ہوتا ہے، (احسن الکلام ص۲۵۹ ج۱) حاشیہ میں اس پر امام نووی (شرح صحیح مسلم ص۵۰ ج۲) حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (شرح نخبۃ الفکر ص۹۴) امام بیہقی (سنن الکبریٰ ص۱۶۱ ج۲) وغیرہ کا حوالہ دیکر محدث گوندلوی کی تردید کرتے ہوئے آخر میں ارشاد فرماتے ہیں، (اس سے انکار) محض جی بہلانے کا ایک بہانا ہے (حاشیہ احسن الکلام ص۲۶۰ ج۱) فصل اول میں ہم سات معتبر راویوں سے ثابت کر آئے ہیں کہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ رفع یدین کرتے تھے، لہذا ثبوت نفی پر مقدم ہے۔
ثالثاً: اس روایت کو امام یحییٰ بن معین نے ابو بکر کا وہم قرار دیتے ہوئے بے اصل قرار دیا ہے (جزء رفع الیدین ص۲۵) اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے باطل کہا ہے۔
(مسائل احمد بروایت ابن ھانی ص ۵۰ ج ۱)
حقیقت یہ ہے کہ اسکی سند میں ابو بکر بن عیاش راوی مختلط ہے اور اس نے یہ روایت حالت اختلا میں بیان کی ہے، جیسا کہ امام بخاری اور امام بیہقی نے صراحت کی ہے، تفصیل کے لیے، دین الُ ص۳۳۶ ج۱ کی مراجعت کریں، امام بخاری یہاں پر مفسر جرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ابو بکر ق زمانے میں اس روایت کو عن حصین عن ابراہیم عن ابن مسعود، مرسل موقوف بیان کرتا تھا، اور یہ محفوظ ہے، پہلی بات (زیر بحث روایت) فاش غلطی ہے۔
(جزء رفع الیدین ص۲۵ و نصب الرایہ ص۴۰۹ ج ۱)

اب آئیے حصین سے اس روایت کی تخریج ملاحظہ کریں۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ

↓

ابراہیم نخعی

↓	↓	↓
ابو معشر	حماد	
ابن ابی شیبہ ص ۲۳۶ ج ۱	طبرانی کبیر ص ۳۰۱ ج ۹	حصین

↓

سفیان بن عیینہ	ابو بکر بن عیاش	ابو الاحوص	سفیان ثوری
عبد الرزاق ص ۷۱ ج ۲	قدیماً کما فی نصب الرایہ ص ۴۰۹ ج ۱	طبرانی کبیر ص ۳۰۱ ج ۹	عبد الرزاق ص ۷۱ ج ۲

اس جدول پر غور کریں، ابو بکر قدیم میں ابن مسعود سے بواسطہ حصین مرسل روایت بیان کرتا تھا جب بوڑھا ہو گیا حافظے میں خرابی واقع ہوگئی تو بواسطہ حصین سیدنا ابن عمر بیان کرنے لگ گیا، اس بات کو بیان کرنے والے کوئی ایرے غیرے نہیں بلکہ جلیل القدر امام اور محدث ذی شان امام بخاری ہیں، یہاں پر آ کر مولانا انور شاہ صاحب کاشمیری مقلد نے بڑی دون کی لی ہے کہ ابو بکر بن عیاش سے یہ روایت بیان کرنے والا راوی احمد بن یونس ہے، اور یہ ابو بکر کے قدیم شاگردوں میں سے ہے، دلیل اس کی یہ دی ہے کہ احمد کے واسطہ سے بخاری میں احادیث ہیں (نیل الفرقدین ص ۱۱۵) یہاں شاہ صاحب سے بھول ہوئی ہے کیونکہ بحث اس میں نہیں کہ یہ اس کا قدیم شاگرد ہے کہ نہیں، بلکہ بحث اس میں ہے کہ ابو بکر نے یہ روایت حالت اختلاط میں بیان کی ہے، لہذا کوئی ایسی دلیل عنایت کریں جو اس بات کا ثبوت ہو کہ احمد نے یہ روایت اختلاط سے قبل سنی ہو۔ الغرض یہ روایت باطل ہے، جیسا کہ امام احمد نے کہا ہے، اور بخاری میں ابو بکر کی روایات کے متابعت و شواہد ہیں، تفصیل کے لیے نور العینین ص ۱۸۳ کی مراجعت کریں، جبکہ زیر بحث روایت میں ابو بکر کی کسی نے متابعت نہیں کی، بلکہ حصین سے روایت کرنے میں متعدد ثقہ و ثبت راویوں نے مخالفت کی ہے، مثلاً امام سفیان ثوری امام سفیان بن عیینہ

امام ابو الاحوص وغیرہ نے بلکہ خود قدیم دور میں ابو بکر نے بھی ان کے موافق روایت کی ہے، لہذا حضرت شاہ صاحب کا اعتراض غلط ہے اور یہ روایت بہر نوع باطل ہے۔

دوسری سند امام محمد نے، موطا ص۹۰ میں عبد العزیز بن حکیم فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا وہ ابتداء نماز میں پہلی تکبیر کے وقت رفع یدین کرتے کانوں کے برابر اس کے علاوہ رفع الیدین نہیں کرتے تھے۔(حدیث اور اھل حدیث ٤٠٩)

الجواب اولاً: سند میں محمد بن حسن شیبانی راوی متروک وسیئ الحفظ ہے، اسے قاضی ابو یوسف امام یحییٰ بن معین امام اسد بن عمرو نے کذاب کہا ہے امام عبد اللہ بن مبارک سے سوال ہوا کہ محمد بن حسن زیادہ فقیہ ہے یا ابو یوسف؟ انہوں نے فرمایا یہ کہو کہ ان میں سے زیادہ کاذب کون ہے؟

(لسان المیزان ص١٢٢ ج٥ المحلی لا بن حزم ص١٧٩ ج٨ بحوالہ نور العینین ص١٦٦)

ثانیاً: دوسرا راوی محمد بن ابان الجعفی ہے' اور یہ بالاتفاق ضعیف ہے' امام ابو داؤد امام یحییٰ بن معین اور ابن حبان نے ضعیف قرار دیا ہے، ابو حاتم فرماتے ہیں، حدیث میں قوی نہیں، امام بخاری فرماتے ہیں کہ محدثین نے اس کے حافظے میں کلام کیا ہے، اس پر اعتماد نہ کیا جائے، جوز جانی کہتے ہیں ضعیف الحدیث ہے۔

(میزان ص٤٥٣ ج ٣ لسان ص٣١ ج٥، التاریخ الکبیر للبخاری ص٣٤ ج١، احوال الرجال ص٧٤ الجرح و التعدیل ص١٩٩ ج٧)

الغرض یہ روایت سخت ضعیف ہے۔

عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ پر میمون مکی کا اعتراض

ابو داؤد ص١٠٨ ج١ سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت میمون مکی سے مروی ہے کہ انہوں نے حضرت عبد اللہ بن زبیر کو دیکھا کہ انہوں نے لوگوں کو نماز پڑھائی تو ابتداء نماز رکوع کو جاتے اور سجدہ میں جاتے اور دوسری رکعت کے لیے کھڑے ہوتے وقت دونوں ہتھیلیوں سے اشارہ کیا، میں نے حضرت عبد اللہ بن عباس کے پاس جا کر کہا کہ میں نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو اس طرح نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے کہ اور کسی کو بھی اس طرح نماز پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر تم کو پسند ہو کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نماز دیکھو تو ابن زبیر کی اقتداء کرو۔

(حدیث اور اھل حدیث ص٤١٠)

الجواب اولاً: آپ نے متن روایت کے ترجمہ میں کئی ایک غلطیاں کی ہیں، تفصیل ملاحظہ کریں،

الف، **حین یرکع و حین یسجد و حین ینھض للقیام فیشیر بیدیه**، کا معنی کیا ہے، رکوع کو جاتے اور سجدہ میں جاتے اور دوسری رکعت کے لیے کھڑے ہوتے وقت دونوں ہتھیلیوں سے اشارہ کیا۔

حین یسجد، کا معنی ہے جب رکوع سے سجدہ کے لیے اٹھتے، **حین ینھض للقیام**، کا مفہوم ہے

جب پہلے تشہد سے اٹھ کر تیسری رکعت شروع کرتے، **فیشیر بیدیه** کا معنی مولوی خلیل احمد نے، رفع یدین کیا ہے، (بذل المجہود ص۱۹ ج۲) ہمارے اس معنی کی تائید امام بیہقی کی وہ روایت ہے جو ہم فصل اول میں امام عطاء بن ابی رباح کے واسطے سے سیدنا عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے نقل کر آئے ہیں، اور یہ مسلمہ قاعدہ ہے کہ ایک روایت دوسری روایت کی تفسیر کرتی ہے۔

ثانیاً: رہا میمون مکی کا اعتراض کرنا، جسے انوار صاحب تعجب قرار دیتے ہیں محترم غور کریں، سیدنا عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کے بالمقابل میمون مکی کی حیثیت ہی کیا ہے، وہ جلیل القدر صحابی ہیں اور میمون کے متعلق مولوی خلیل احمد سہارنپوری، بذل المجہود ص۱۹ ج۲ میں (بحوالہ میزان ص۲۳۶ ج۴ خلاصہ ص۵۷ ج۳ تقریب ص۳۵۴) فرماتے ہیں کہ مجہول ہے۔

ثانیاً: یہ روایت ہی ضعیف ہے، سند میں عبد اللہ بن لہیعہ راوی متکلم فیہ ہے اور میمون مکی مجہول ہے۔

اقوال تابعین

عباد بن عبد اللہ بن زبیر کا فرمان

مواہب الطیفہ بحوالہ بسط الیدین لنیل الفرقدین ص۵۳ میں ہے کہ حضرت محمد بن یحیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عباد بن عبد اللہ بن زبیر کے پہلو میں نماز پڑھی تو میں ہر اونچ نیچ میں رفع الیدین کرتا رہا، حضرت عباد نے فرمایا اے میرے بھتیجے میں نے تمہیں دیکھا ہے کہ تم ہر اونچ نیچ میں رفع یدین کر رہے تھے حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے ابتداء میں ہی فقط رفع یدین کرتے تھے پھر نماز سے فارغ ہونے تک کہیں اور رفع یدین نہیں کرتے تھے۔

(حدیث اور اهل حدیث ۴۱۱)

الجواب اولاً: مرفوع روایت نمبر ۳۵ میں تفصیل گزر چکی ہے کہ یہ روایت سنداً ضعیف اور اس کا طریق مرسل ہے،

ثانیاً: بیان کرنے والا راوی عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا بیٹا عباد نہیں جیسا کہ مقلد انوار صاحب نے دعویٰ کیا ہے، غالباً یہ المواہب الطیفہ، میں یا شاہ صاحب کی تالیف، بسط الیدین، میں تصحیف ہوئی ہے، نصب الرایہ ص۴۰۴ ج۱ میں عباد بن الزبیر ہے اور یہی صحیح ہے، اور یہ مجہول ہے۔

اصحاب ابن مسعود اور علی کا عمل

مصنف ابن ابی شیبہ ص۲۳۶ ج۱ کے حوالے سے فرماتے ہیں کہ ابو اسحاق کہتے ہیں کہ عبد اللہ بن

مسعودؓ اور علیؓ کے اصحاب و شاگرد صرف نماز شروع کرتے وقت رفع یدین کرتے تھے۔
(حدیث اور اہل حدیث ص ٤١٢)

الجواب ان اصحاب و شاگردوں کی وضاحت کی جائے کہ کون تھے، کیونکہ علیؓ و عبد اللہؓ کے شاگردوں میں، حارث الاعور، جیسے کذاب افراد بھی ہیں، اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں مجہول لوگوں سے اپنا دین لینے کو نہیں کہا، مزید برآں یہ کہ اگر یہ اثر ان کے نزدیک حجت ہے، تو حنفی نماز وتر اور عیدین کی تکبیرات میں ہاتھ کیوں اٹھاتے ہیں۔

امام شعبی امام ابو اسحاق اور ابراہیم کا عمل

قال عبد المالك و رأيت الشعبى و ابراهيم و ابا اسحاق لا يرفعون إيديهم الاحين يفتتحون الصلوٰة۔

(مصنف ابن ابی شیبه ص١٣٧ ج ١)

حضرت عبد المالک بن ابجر فرماتے ہیں کہ میں نے امام شعبی ابراہیم نخعی اور ابو اسحاق سبیعی کو دیکھا ہے یہ لوگ ابتدا نماز کے علاوہ رفع یدین نہیں کرتے تھے۔(حدیث اور اهل حدیث ٤١٢)

الجواب اولاً: یہ تینوں بزرگ تابعی ہیں، اور تابعین کے اقوال دین میں حجت نہیں ہیں، تفصیل مقدمہ میں عرض کر دی گئی ہے۔ ثانیاً: امام شعبی قرات خلف الامام کے قائل تھے، تفصیل کے لیے، توضیح الکلام ص۵۴۳ ج۱ کی مراجعت کریں، امام ابراہیم کے فقہی اقوال سے بعض مقامات پر خود امام ابوحنیفہؒ نے مخالفت کی ہے، جس کی ۵۳ مثالیں مولانا رئیس احمد ندوی نے (اللمحات ص۴۱۵ ج۱) میں درج کی ہیں۔ فما كان جوابكم فهو جوابنا ۔

اسود اور علقمہ کا عمل

عن جابر عن الاسود و علقمة، انهما كان يرفعان ايديهما اذا افتتحا ثم لا يرفعون۔

(مصنف ابن ابی شیبه ص٢٣٦ ج ١)

حضرت جابرؒ سے مروی ہے کہ حضرت اسود بن یزید اور حضرت علقمہ نماز کے شروع میں رفع یدین کرتے تھے پھر نہیں کرتے تھے۔(حدیث اور اهل حدیث ٤١٣)

الجواب اولاً: انوار صاحب کا راوی، حضرت جابر، دجال و کذاب اور خبیث العقیدہ آدمی تھا، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے بڑھ کر میں نے کسی شخص کو جھوٹا نہیں دیکھا، تفصیل فاتحہ کے مسئلہ میں گزر چکی ہے، الغرض یہ روایت سخت ضعیف ہے۔

قیس بن ابی حازم کا عمل

عن اسماعیل قال کان قیس یرفع یدیه اول ما یدخل فی الصلوٰۃ ثم لا یرفعھما۔

(مصنف ابن ابی شیبه ص۲۳۶ ج ۱)

حضرت اسماعیل فرماتے ہیں کہ حضرت قیس بن ابی حازم ابتدا نماز میں رفع یدین کرتے تھے پھر اس کے بعد نہیں کرتے تھے۔(حدیث اور اهل حدیث ٤١٤)

الجواب اسماعیل بن ابی خالد، راوی مدلس ہے، جیسا کہ امام نسائی نے صراحت کی ہے، (طبقات المدلسین ص۲۸) اور زیر بحث سند میں تحدیث کی صراحت نہیں لہذا ضعیف ہے۔

عبد الرحمٰن بن ابی لیلیٰ

عن سفیان بن مسلم الجھنی قال کان ابن ابی لیلی یرفع یدیه اول شئی اذا کبر۔

(مصنف ابن ابی شیبه ص۲۳۷ ج ۱)

حضرت سفیان بن مسلم جہنی فرماتے ہیں کہ حضرت عبد الرحمٰن بن ابی لیلیٰ صرف ابتداء نماز میں رفع یدین کرتے تھے، جب تکبیر کہتے تھے۔(حدیث اور اهل حدیث ٤١٤)

الجواب اولاً: ابن ابی لیلیٰ، انوار صاحب نے، عبد الرحمٰن، مراد لیا ہے، اور عبد الرحمٰن مراد لینے پر کوئی دلیل درج نہیں کی، جبکہ ابن ابی لیلیٰ،، عبد الرحمٰن، اور اس کے بیٹے محمد و عیسیٰ اور عیسیٰ کے بیٹے عبد اللہ پر بھی بولا جاتا ہے۔ (تقریب ص٤٤٢)

ثانیاً: سفیان بن مسلم جہنی اور اس کا شاگرد ابن ھیثم دونوں مجہول ہیں، بحوالہ ان کی عدالت وثقات ثابت کی جائے۔

خیثمہ کا عمل

عن الحجاج عن طلحة عن خیثمة و ابراھیم قال کان لا یرفعان ایدیھما الافی بدء الصلاۃ۔

(مصنف ابن ابی شیبه ص۲۳۶ ج ۱)

حضرت طلحہ فرماتے ہیں کہ حضرت خیثمہ اور حضرت ابراہیم نخعی دونوں رفع یدین نہیں کرتے تھے مگر نماز کے شروع میں (حدیث اور اہل حدیث ص۴۱۴)

الجواب سند میں حجاج بن ارطاۃ راوی ہے اور یہ مدلس ہے، جیسا کہ ابن مبارک، یحییٰ بن قطان، یحییٰ بن معین، احمد بن حنبل، ابو حاتم، اور نسائی نے صراحت کی ہے (طبقات المدلسین ص۴۹) یہاں حجاج نے سماع کی صراحت نہیں کی، الغرض روایت ضعیف ہے۔

عدم رفع یدین اور علماء امت

(۱) انوار صاحب نے ترمذی ص۵۹ سے نقل کیا ہے کہ حضرت سفیان ثوری اور اہل کوفہ رفع یدین نہیں کرتے تھے، ص۴۱۴)

امام سفیان ثوری اصول وفروع میں حنفیہ سے اختلاف رکھتے تھے، مرجیہ کے سخت مخالف اور اعمال کو جزو ایمان قرار دیتے تھے، امام ابو حنیفہؒ کو اسلام دشمن سے تعبیر کرتے تھے، جب انہیں یہ خبر ملی کہ ابو حنیفہ کا انتقال ہو گیا ہے تو انہوں نے اللہ کا شکر ادا کیا (تاریخ بغداد ص۴۵۳ ج۱۳) اگر آپ کے نزدیک ان لوگوں کے اقوال بھی حجت ہیں تو سب سے پہلے حنفیت کو ہی ترک کر دیں۔

(۲) دوسرا قول اسحاق بن ابی اسرائیل کا سنن (دارقطنی ص۲۹۵ ج۱) سے نقل کیا ہے ۴۱۵)

اسحاق بحثیت راوی صدوق قسم کا ہے، اس کا شمار آئمہ کبائر میں نہیں ہوتا، امام بغوی فرماتے ہیں قلیل العقل آدمی تھا (تہذیب ص۱۹۶ ج۱) اور کم عقل انسان کا عمل اسلام میں کیا وزن رکھتا ہے۔

(۳) امام محمدؒ کے موطا ص۸۸ سے نقل کرتے ہیں کہ امام ابو حنیفہؒ ابتدا نماز کے علاوہ کسی جگہ نماز میں رفع یدین نہیں کرتے ص۴۱۵)

امام محمد کے متعلق چند اوراق پہلے جرح گزر چکی ہے، مزید برآں یہ کہ آپ دعا قنوت اور عیدین میں تکبیرات زوائد میں کیوں رفع یدین کرتے ہیں جبکہ آپ کا امام صرف ابتداء نماز میں ہی کرتا تھا۔

(۴) المدونۃ الکبریٰ ص۶۸ ج۱ میں ہے کہ امام مالک فرماتے ہیں کہ میں نہیں جانتا رفع یدین کو نماز کی کسی بھی تکبیر میں نہ جھکتے ہوئے نہ اٹھتے ہوئے سوائے ابتداء نماز کے۔

(حدیث اور اهل حدیث ص٤١٥)

المدونہ کے مؤلف کی گو بہت سے اماموں نے تعریف وتوثیق کی ہے مگر امام ابو یعلی فرماتے ہیں کہ محدثین کرام اس کے حافظے پر خوش نہیں ہوئے۔

(الارشاد ص٦٩ ج١)

اس کے برعکس امام مالک سے ان کے حفاظ تلامذہ نے رفع یدین کرنا نقل کیا ہے،

(۱) اشھب (۲) ولید بن مسلم (۳) سعید بن ابی مریم (۴) ابو معصب (۵) ابن وہب (۶) ابن عبد الحکیم۔

(التمهيد ص٢١٣، ٢٢٢، ٢٢٣ ج٩ و المحلی ص٣ ج٣)

بلکہ خود امام مالک موطا میں رفع یدین کی حدیث لائے ہیں، موطا کی روایت کے بالمقابل مدونہ کی بلا سند بات قطعی طور پر نا قابل قبول ہے۔

(۵) ترک رفع یدین پر اہل مدینہ کے اجماع کا بھی انوار صاحب نے دعویٰ کیا ہے ص۴۱۶ مگر اس پر کوئی دلیل نقل نہیں کی غیر متعلقہ عبارات درج کی ہیں مگر نفس مسئلہ کے متعلق ایک بھی دلیل نہیں دی، رہا آپ کا ابن رشد مالکی سے نقل کرنا تو وہ بے سود ہے، کیونکہ یہ پانچویں صدی ہجری کے عالم ہیں، اور امام مالک کے تلامذہ کے بالمقابل ان کی بات قابل قبول نہیں ہے۔

(۶) التعلیق المجد ص۹۱ میں ہے کہ امام محمد بن نصر مروزی فرماتے ہیں کہ اہل کوفہ کا ترک رفع یدین پر اجماع ہے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص۴۱۸)

امام محمد بن نصر مروزی کی اصل کتاب پیش کریں، اِدھر اُدھر سے بے سند حوالے درج کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

(۷) طحاوی ص۱۵۶ ج۱ میں ہے کہ ابو بکر بن عیاش کہتے ہیں کہ انہوں نے کسی فقیہ کو رفع یدین کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔ (حدیث اور اہل حدیث ص۴۱)

ابو بکر بن عیاش کا ضعیف ہونا گزر چکا ہے لہذا یہ روایت ضعیف ہے۔

(۸) شرح مسلم ص۱۶۸ ج۱ میں نووی فرماتے ہیں کہ تکبیر اولیٰ کا رفع یدین بالاتفاق مستحب ہے جبکہ اس کے علاوہ کسی کے نزدیک واجب نہیں (ص۴۱۹)

اگر کسی چیز کے وجوب کی نفی کرنے سے اس کی حیثیت متاثر ہوتی ہے۔ تو انہوں نے تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین کو بھی واجب نہیں بلکہ مستحب ہی قرار دیا ہے، فما کان جوابکم فھو جوابنا، محترم وجوب کی نفی سے سنت کی نفی لازم نہیں آتی۔

ملحوظ

ان آٹھ نمبروں میں انوار صاحب نے جو زیب رقم فرمایا ہے، اگر ان تمام دعووں کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو تب بھی حدیث صحیح مرفوع متصل کو ان آٹھ چیزوں کی وجہ سے رد نہیں کیا جا سکتا، جو اس بات کا مدعی ہے وہ ثبوت پیش کرے۔

ایک کفریہ مطالبہ

فرماتے ہیں کہ کسی بھی صحیح وصریح حدیث سے ثابت نہیں کہ آپ نے رکوع والے رفع یدین کا حکم دیا ہے۔

(حدیث اور اهل حدیث ص٤٢٣)

اس مطالبہ میں آپ کو یہ مسلم ہے کہ فعلی حدیثیں موجود ہیں، کیونکہ آپ نے صرف قولی حدیث کا مطالبہ کیا ہے، یہ مطالبہ کرتے ہوئے مقلد انوار صاحب کو ڈوب مرنا چاہیے تھا کہ کیسی فضول شرط لگا رہا ہوں، اس شرط کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ آپ کے نزدیک رسول اللہ ﷺ کا فعل حجت نہیں، کیا آپ قرآن وحدیث میں سے یہ چیز ثابت کر سکتے ہیں کہ نبی کا فعل نہیں صرف قول حجت ہے، نہیں قطعاً نہیں۔

چلو قرآن کی کوئی آیت آپ کو نہیں ملی اور حدیث رسول بھی میسر نہیں ہوئی تو کسی صحابی کا قول ہی پیش کر دیں، آپ کو مزید رعایت دیتے ہیں، پوری امت مرحومہ میں سے کسی محدث وفقیہ کا قول ہی دکھا دیں، اگر یہ بھی نہ ملے تو اپنے اکابرین میں سے کسی کا فتویٰ ہی لے آیئے، ہاں دیوبندی مولوی کے لیے شرط یہ ہے کہ وہ محض مجادلہ و مکابرہ کرنے والا ہی نہ ہو بلکہ کسی مدرسہ میں شیخ الحدیث ہو۔ اگر آپ کسی دیوبندی کا فتویٰ بھی نہ دکھا سکے، یقیناً نہیں دکھا سکے، تو پھر ہم درد دل سے آپ کو نصیحت کرتے ہیں کہ اس کفر سے توبہ کر کے تجدید ایمان کر لیں، اس ناصحانہ بات کے بعد آیئے ہم آپ کو حکم بھی دکھا دیتے ہیں۔

عبد اللہ بن قاسم فرماتے ہیں۔

بينما الناس يصلون في مسجد رسول الله ﷺ اذ خرج عليهم عمر بن الخطاب فقال اقبلوا علي بوجوهكم اصلي بكم صلوة رسول الله ﷺ التي كان يصلي ويامر بهافقام مستقبل القبلة و رفع يديه حتى حاذا بهما منكبيه و كبر ثم نهض بصره ثم رفع يديه حتى حاذا بهما منكبيه ثم كبرو ركع و كذلك حين رفع، قال للقوم هكذا كان رسول الله ﷺ يصلي بنا۔

لوگ رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں نماز پڑھ رہے تھے کہ (اچانک) ان کے پاس سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور فرمایا لوگو! اپنے چہرے میری طرف کرو میں تمہیں رسول اللہ ﷺ کی نماز پڑھ کر دکھاتا ہوں جو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام پڑھتے تھے اور جس کا حکم دیتے تھے، پس آپ قبلہ کی طرف منہ کر کے کھڑے ہو گئے اور اپنے کندھوں تک رفع الیدین کیا اور تکبیر کہی پھر آپ نے اپنی نظر جھکا لی، پھر آپ نے رفع الیدین کیا حتیٰ کہ آپ کے دونوں ہاتھ کندھوں کے برابر ہو گئے پھر آپ نے تکبیر کہی پھر رکوع کیا اور اسی طرح رفع الیدین کیا جب رکوع سے کھڑے ہوئے، آپ نے (نماز کے بعد لوگوں سے کہا کہ رسول اللہ ﷺ بھی اسی طرح ہمیں نماز پڑھاتے تھے۔

(شرح ترمذی لا بن سید الناس ص۲۱۷ ج۲ و اللفظ له، و مسند الفاروق لا بن كثير ص۱٦٦ و نصب الرايه ص٤١٦ ج۱)

رفع الیدین کرنا ضروری ہے

قارئین کرام پوری بحث آپ کے سامنے ہے، اس سے حسب ذیل باتیں ثابت ہوئیں۔

(۱) رفع الیدین کرنے کی احادیث صحیح بخاری و مسلم میں ہیں جبکہ ترک کی کوئی روایت ان کتب میں موجود نہیں۔

(۲) رفع الیدین نہ کرنے کی کوئی حدیث صحیح وحسن سند کے ساتھ ثابت نہیں بلکہ تمام روایات ضعیف ومعلول ہیں۔

(۳) کسی صحابی سے ترک رفع یدین ثابت نہیں۔

(۴) رفع الیدین کرنے کی احادیث متواتر ہیں۔

(۵) بے شمار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے رفع الیدین کرنا صحیح وحسن سند کے ساتھ ثابت ہے

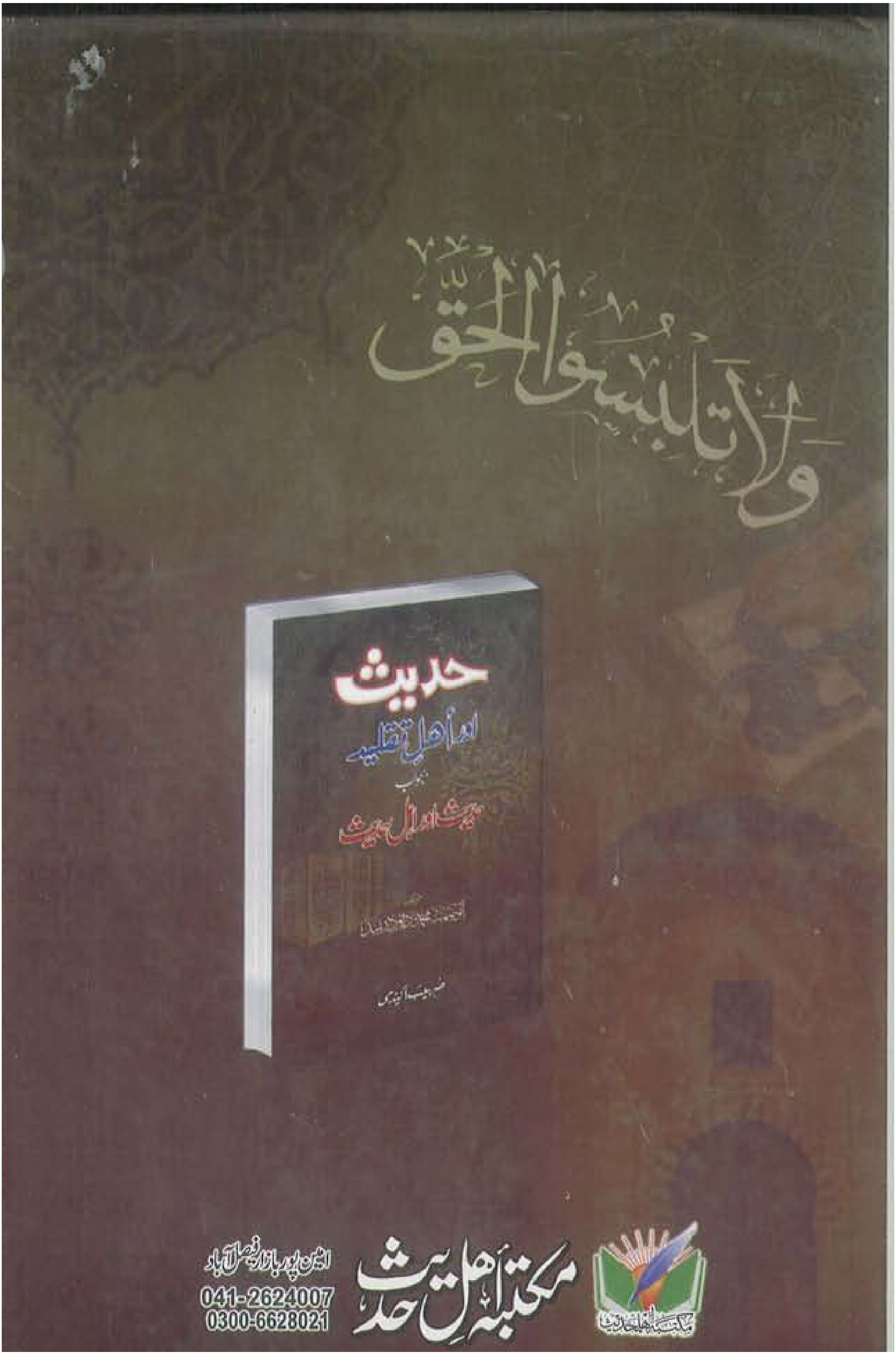
(۶) سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ رفع الیدین نہ کرنے والے کو کنکریاں مارتے تھے، اس کے برعکس کسی صحابی سے رفع الیدین کرنے پر مارنا ثابت نہیں۔

(۷) سیدنا عمر بن عبدالعزیز نے منکر رفع الیدین سے ملاقات نہیں کی، جبکہ کسی تابعی سے بوجہ رفع الیدین ملاقات نہ کرنا ثابت نہیں۔

(۸) متعدد علماء امت نے رفع الیدین کو نماز کی زینت قرار دیا ہے، جبکہ کسی ایک عالم نے بھی ترک رفع الیدین کو نماز کی زینت قرار نہیں دیا۔

(۹) اہل سنت کے مستند علماء نے رفع الیدین کے اثبات پر کتابیں تحریر کی ہیں جبکہ متقدین میں سے کسی عالم نے ترک رفع الیدین پر کتاب نہیں لکھی۔

(۱۰) رفع الیدین کرنے پر ہر انگلی پر ایک نیکی یا درجہ ملتا ہے، بلفظ دیگر اگر دن میں صرف فرض رکعات کا حساب لگایا جائے تو ۴۳۰ نیکیاں یا درجے ملتے ہیں۔


ولا تلبسوا الحق
حدیث
اور اہل تقلید
بجواب
حدیث اور اہل حدیث
مکتبہ اہل حدیث
امین پور بازار فیصل آباد
041-2624007
0300-6628021